

# مطالعہ قرآن

پورے قرآن پاک کا لفظ بالفظ ترجمہ اور تفسیر  
بمحافظ قواعد صرف و نحو

شیخ لطف الرحمن

قرآن اکیڈمی، پاکستان



## تقریظ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ترجمہ و تفسیر القرآن کی مساعیٰ حسنہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے آخری نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کو ساری دنیا کے انسانوں کے لیے ہدایت کی خاطر مبعوث کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ((لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ)) تاکہ دین حق کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دیں۔ چنانچہ اس حقیقت کا پوری دنیا میں اعتراف پایا جاتا ہے کہ مذاہب عالم میں اسلام ہی واحد دین ایسا ہے جو تاقیامت انسانوں کی ہر شعبہ زندگی میں منفردانہ رہنمائی کا آئینہ دار ہے، اور کتب سماوی میں سے قرآن کریم ہی واحد کتاب ایسی ہے جو تحریف و تغیر سے پاک ہے اور حضور سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس پر جس صورت اور جن معلومات اور حقائق پر مشتمل نازل ہوئی تھی بعینہ وہ آج بھی دنیا میں اسی طرح موجود ہے اور یہ واحد کتاب ایسی ہے جس کی ہمہ نوعیت کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے اور ذمہ داری لی ہے جبکہ دیگر کتب سماویہ کی حفاظت اور ذمہ داری قبول کرنے کے احکام قطعاً نہیں ہیں۔

قرآن کریم کی حفاظت کے عملی اقدامات میں سے امت مسلمہ کے قائم کردہ تحفیف القرآن، دینی تعلیم کے مدارس اور حلقہ ہائے تدریس، تعلیم اور تفسیر القرآن بھی ہیں، نیز قرآنی تدبر اور تفکر کے سلسلے میں جو مساعیٰ حسنہ بروئے کار آرہی ہیں وہ بھی تحفیف القرآن اور غلبہ اسلام ہی کی مستحسن کوششیں ہیں۔ اس سلسلے میں دنیائے اسلام کے دوش بدوش اسلامی مملکت پاکستان میں بھی تدریس و تفہیم القرآن کی حتی المقدور کوششیں متلاشیان حق کے لیے مشعل راہ ہیں انہی میں سے ہمارے لائق صد تحسین عزیز ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کی قابل ستائش و تبریک مساعیٰ حسنہ ہیں جو وہ باذوق اور سلجھے ہوئے جدید تعلیم یافتہ حلقے میں درس و تعلیم القرآن کے سلسلے میں انجام دے رہے ہیں۔ مجھے ان کے حلقہ درس قرآن کریم میں شرکت اور ان کے طریقہ تدریس کے مشاہدے کا موقع ملا ہے، مجھے بے حد خوشی اور اطمینان ہوا کہ ان کا انداز نہایت مؤثر اور عصر حاضر کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔ وہ الفاظ کی صرفی اور نحوی تراکیب سے لے کر معانی اور تفسیر تک ماہرانہ دسترس رکھتے ہیں اور خوب مطالعہ و تفاسیر کرتے ہیں۔ مجھے مزید مسرت اس پر ہوئی کہ وہ اپنے حلقہ درس میں پیش کیے گئے اسباق پر مشتمل ”مطالعہ قرآن مجید“ کے نام سے کتاب شائع کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں جو ایک ایسی پیشکش ہے جس سے حلقہ درس کے علاوہ امت مسلمہ کے دیگر افراد بھی استفادہ کر سکیں گے۔ یہ ایک مستحسن اقدام اور صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کو جہاں انسانی ظاہری بیماریوں کے علاج کا ماہر بنایا ہے اسی طرح انسانوں کی روحانی امراض کے صحیح علاج اور بالیدگی کے سلسلے میں اللہ ان کی مساعیٰ حسنہ میں مزید نکھار، ترقی اور فکر سلیم کی نعمتوں سے نوازتا رہے اور ان کی عرق ریزیوں اور کاوشوں کو شرف قبولیت عطا کرے تاکہ امت مسلمہ کے افراد اس سے استفادہ کر کے دنیا اور آخرت میں کامرانی سے ہمکنار ہو سکیں۔ وَاللَّهُ التَّوَفِيقُ۔

۶ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ

۱۳ نومبر ۲۰۱۰ء

رہائش:

۶۵۔ بی پیپلز کالونی

فیصل آباد

دعا گو

مجاہد الحسینی

فاضل دارالعلوم ڈابھیل (انڈیا)

کتاب سیرت پر اول صدارتی ایوارڈ یافتہ

سابق ایڈیٹر روزنامہ آزاد، روزنامہ نوائے پاکستان

ہفت روزہ خدام الدین، لاہور۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## سنہری زنجیر کی ایک کڑی

قرآن کے پیاسوں کی پیاس بجھانے کے لیے فہم القرآن میں سہولتیں فراہم کرنے کا سلسلہ بہت قدیم بھی ہے، بہت طویل بھی ہے اور یہ ایک سلسلہ لاتناہی ہے۔ اس کی تفصیل میں جانا یہاں مقصود نہیں ہے۔ اس وقت صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ عربی کے شارٹ کورسز کرنے والوں کے لیے گرامر کے لحاظ سے قرآن مجید کے چھ اسباق مرتب کرنے کا جب میں نے فیصلہ کیا تھا، اس وقت مجھے یاد آیا تھا کہ خود میں نے جب عربی پڑھنے کے بعد قرآن کو از خود سمجھنے کی کوشش کی تھی تو سب سے زیادہ مشکل مجھے عربی ڈکشنری دیکھنے میں پیش آتی تھی۔ کیونکہ کوئی لفظ عربی ادب میں جتنے معانی میں استعمال ہوتا ہے وہ تمام معانی ڈکشنری میں دیے ہوتے تھے اور مجھے یہ فیصلہ کرنے میں مشکل بھی ہوتی تھی اور وقت بھی لگتا تھا کہ اس آیت میں یہ لفظ کس معنی میں آیا ہے۔ امام راغب اصفہانی کی مفردات القرآن نے بڑی حد تک اس مشکل کو آسان کیا۔ کیونکہ اس میں صرف اُن الفاظ کے مادے دیے گئے ہیں جو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں اور ہر لفظ کے زیادہ تر وہی معنی دیے ہیں جس معنی میں وہ قرآن میں آیا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیات کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ہمارے جیسے قرآن کے مبتدی طلبہ کو الفاظ کے معنی سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اس آسانی کے ساتھ کچھ تشنگی بھی محسوس ہوئی۔ ایک یہ کہ اُس میں یہ نہیں دیا ہے کہ کوئی مادہ ثلاثی مجرد کس باب میں آتا ہے۔ نیز یہ کہ کسی مادہ سے بننے والے جتنے الفاظ قرآن میں آئے ہیں، اُن میں سے چند ایک کی وضاحت کی گئی ہے، باقی بہت کچھ طلبہ کی ذہانت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ عقلمندان را اشارہ ہی است، قسم کے عقلمند طلبہ امام صاحب کے زمانے میں ہوا کرتے تھے۔ آج کل تو ہمارے جیسے طلبہ کی اکثریت ہے۔ اس لیے اس خلا کو پر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

چنانچہ مطالعہ قرآن حکیم کے اسباق مرتب کرنے میں آیات کی ترکیب (Sentence Analysis) سے پہلے الفاظ کے معانی بھی دینے کا فیصلہ کیا اور طے کیا کہ ہر مادے کا ثلاثی مجرد میں استعمال دیا جائے گا، خواہ اُس باب کے کوئی فعل قرآن مجید میں آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی اُس مادہ سے بننے والے جتنے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں، اُن سب کے معانی آیات کے حوالے کے ساتھ جائیں گے۔ اس کوشش میں بھی البلاغ فاؤنڈیشن کے متعدد طلبہ متعدد پہلوؤں سے تشنگی محسوس کر رہے ہیں۔ مثلاً افعال میں مفعول کے ساتھ صلہ کا استعمال نہیں دیا ہے، اَلَا مَا شَاءَ اللّٰہ۔ چند الفاظ کو چھوڑ کر زیادہ تر الفاظ کے لغوی مفہوم اور اصطلاحی مفہوم کے باہمی ربط کو نہیں کھولا گیا ہے۔ مترادفات القرآن یعنی ایسے الفاظ جو ہم معنی یا قریب معنی ہوں، جیسے جَاءَ (آنا)، قَدِمَ (آنا)۔ اُنَّی (آنا)، اُن الفاظ کے باہمی تقابل اور فرق کی وضاحت نہیں کی گئی، وغیرہ۔ طلبہ نے جب میری ان فروگزاشتوں کی نشاندہی کرنا شروع کی تھی اُس وقت تک میں تقریباً ۲۵، ۲۴ پاروں کے اسباق مرتب کر چکا تھا اور میرے لیے عملاً ان تشنگیوں کو دور کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ البتہ میری خواہش بھی تھی اور دعا بھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل سے کسی کو توفیق دے کہ وہ مذکورہ خلاؤں کو پر کر دے۔

یہ جان کر مجھے خوشی بھی ہوئی ہے اور میں نے اپنے رب کا شکر ادا کیا ہے کہ فاؤنڈیشن کے ایک طالب علم ڈاکٹر جہاں زیب ندیم سلمہ نے اس کام کو مکمل کرنے کا نہ صرف عزم کیا ہے بلکہ بڑی عرق ریزی کے ساتھ اس کی ابتداء بھی کر دی ہے۔ اس بات پر مجھے انشراح صدر حاصل ہے کہ ڈاکٹر جہاں زیب سلمہ کی یہ کاوش فہم القرآن کے لیے سہولتیں فراہم کرنے والی سنہری زنجیر کی ایک اہم کڑی ثابت ہوگی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں استطاعت اور استقامت عطا فرمائے اور ان کے ہاتھوں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دے۔ اور اس کام کو ان کے لیے اور ان کے تمام معاونین و کارکنان کے لیے بہترین صدقہ جاریہ اور ذخیرہ آخرت بنادے۔ (آمین)

لطف الرحمن خان

البلاغ فاؤنڈیشن لاہور

مورخہ ۲۱ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ

برطانیق ۳۰ اکتوبر ۲۰۱۰ء



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قرآن حکیم، اللہ تعالیٰ کا نوع انسانی کے نام آخری مستند (authentic) کلام ہے جو نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل ہوا۔ کلام بلاشبہ اللہ کا ہے، لیکن اللہ نے نوع انسانی تک اسے پہنچانے کے لیے اپنے محبوب ترین بندے، فخر موجودات، رسول کامل، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو ذریعہ بنایا اور انہی کو ”رحمۃ اللعالمین“ کے اعلیٰ ترین لقب سے سرفراز فرمایا۔ بقول علامہ اقبال۔

نوع انسانی را پیامِ آخرین حاملِ اُو رحمتِ للعالمین

اللہ کا یہ ابدی پیغام صرف اہل عرب کے لیے نہیں تھا، پوری نوع انسانی کے نام تھا محض چودہ سو سال قبل کے اُس دور کے لیے نہیں تھا جب یہ نازل کیا گیا، بلکہ قیامت تک آنے والے ہر انسان کے نام تھا۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اپنی 63 سالہ حیات دنیوی میں جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اپنے مشن کی تکمیل فرما کر، رفیق اعلیٰ کی طرف مراجعت فرما گئے۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد امتیوں سے یہ گواہی لے کر کہ ”انا نشهد انک قد بلغت و ادیت و نصحت“ اس مشن کو امت کے کندھوں پر منتقل کرتے ہوئے فرمایا کہ ”فلیبلغ الشاهد الغائب“ یعنی جو لوگ یہاں موجود ہیں اور اس بات کے گواہ ہیں کہ میں نے اللہ کے پیغام کو پہنچانے کا ہر اعتبار سے حق ادا کر دیا ہے وہ اب اس پیغام کو بقیہ نوع انسانی تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ ہماری بد قسمتی ہے کہ آج یہ اُمت بحیثیت مجموعی اپنے اس اہم فرض منصبی کو فراموش کر چکی ہے۔ علامہ اقبال نے اس حوالے سے قوم کو جگانے کی کوشش کی تھی۔ ”جواب شکوہ“ میں اللہ کی طرف یہ پیغام نہایت خوبصورت الفاظ میں امت تک پہنچایا۔

وقت فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

اگرچہ یہ تلخ حقیقت ہے کہ امت بحیثیت مجموعی اس ذمہ داری سے غافل ہے، لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے ہر دور میں کچھ لوگ امت میں اس مشن کو لے کر آگے بڑھتے رہے ہیں، اور سچی بات تو یہ ہے کہ آج اس حوالے سے کرنے کا اہم ترین کام یہ ہے کہ خود مسلمانوں کا رشتہ قرآن مجید کی ساتھ از سر نو جوڑا جائے اور انہیں قرآن کے ابدی پیغام اور کامل ہدایت کی طرف موثر انداز میں متوجہ کیا جائے۔ قرآن حکیم کو محض ایک مقدس کتاب کا درجہ دینے کی بجائے اسے فی الواقع کتاب ہدایت کے طور پر متعارف کیا جائے اور اسے سمجھ کر پڑھنے اور اس کی علمی و عملی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے کی طرف انہیں آمادہ عمل کیا جائے۔ اس معاملے میں ابتدائی اور اہم رکاوٹ زبان کی مغائرت ہے۔ عربی زبان سے ایک خاص حد تک واقفیت جب تک نہ ہو، ہم اس کلام کی عظمت اور اس کی دلوں کو بدل دینے اور باطن میں انقلاب برپا کرنے والی تاثیر سے صحیح طور پر استفادہ نہیں کر سکتے۔ بقول اقبال۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

قرآن کے نور ہدایت اور اس کی تاثیر سے حقیقی معنوں میں استفادے کے لیے عربی زبان اور اس کے قواعد کا فہم ناگزیر ہے۔ اسی ضمن میں اُن طالبانِ قرآن کی سہولت کی خاطر جو قرآن حکیم سے براہِ راست استفادہ کی لذت سے اپنے قلوب کو شاد کام کرنا چاہتے ہیں، بعض عاشقانِ قرآن نے تعلیم و تعلم قرآن کو اپنی زندگی کا مشن بنایا اور فہم قرآن کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے حوالے سے طالبانِ قرآن کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ زیر نظر کتاب کے مؤلف برادرِ مڈاکٹر جہاں زیب ندیم بھی ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ نے اس مبارک گروہ کا حصہ بننے کی سعادت عطا فرمائی۔ انہوں نے اپنی دیگر ہمہ جہت دنیوی مصروفیات کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے حوالے سے اُس مشن کو آگے بڑھانے کی خاطر نہایت محنت اور عرق ریزی کے ساتھ کام کیا جس کا آغاز بقول برادرِ مڈاکٹر عبدالمسیح صاحب، اس دور میں استاد محترم حافظ احمد یار نے کیا تھا اور جسے اولاً ان کے ایک شاگرد محترم لطف الرحمن صاحب نے آگے بڑھایا اور جس میں مزید آگے قدم بڑھانے کی سعادت برادرِ مڈاکٹر جہاں زیب ندیم صاحب کو حاصل ہوئی۔ یہ کام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو شرف قبول عطا فرمائے اور جس نہایت اہم کام کا آغاز انہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے بھروسے پر کیا ہے اسے مکمل کرنے کی ہمت اور توفیق بھی عطا فرمائے۔

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

احقر

حافظ عاکف سعید عفی عنہ

امیر تنظیم اسلامی

سرپرست انجمن خدام القرآن، فیصل آباد



### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قرآن حکیم کلام اللہ ہے اور رسول اللہ کا ارشاد ہے: ”کلام اللہ کی فضیلت و برتری دیگر تمام کلاموں پر ایسے ہے جیسے خود اللہ کی فضیلت اس کی تمام مخلوقات پر۔“

قرآن حکیم اپنی اس غیر معمولی عظمت کے ساتھ معجزہ خالدہ ہے اور رہتی انسانیت کے لیے سرچشمہ ہدایت اور منبع علم و عرفان ہے۔ ہر دور میں ارباب فکر و دانش نے اپنے اپنے شعبہ ہائے تخصص کے مطابق مختلف پہلوؤں سے اسے مطالعہ و تحقیق کا موضوع بنایا ہے اور زمانے کے نئے نئے تقاضوں کے مطابق اس سے ہدایت کشید کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ آخری آسمانی معجز کتاب وہ بحرِ ناپید کنار ہے جس میں مزید غواصی کی گنجائش ہمیشہ موجود رہے گی۔

ڈاکٹر جہانزیب ندیم صاحب انجمن خدام القرآن فیصل آباد سے وابستہ ایک علم دوست کارکن ہیں جنہوں نے بنیادی طور پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے استفادہ کرتے ہوئے عربی زبان و گرامر اور فہم قرآن کو اپنی محنت کا میدان بنایا اور قابل قدر استعداد حاصل کر کے قرآن حکیم کے درس و تدریس میں جتے ہوئے ہیں۔

بازوق احباب کے مشورے سے انہوں نے ایک وسیع کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور وہ یہ کہ تفاسیر اور عربی لغت و گرامر کی معاون کتب سے استفادہ کرتے ہوئے آیت در آیت تین قسم کا مواد ترتیب دیا جائے:

(۱) ہر نئے کلمہ کی ایسی لغوی تشریح کہ اُس کے تین حرفی مادے سے نکلتی ہوئی جتنی شکلیں بھی قرآن میں کہیں استعمال ہوئی ہیں ان کا احاطہ ہو جائے اور معنوی تغیر و ارتقاء سامنے آجائے جس سے ایک مادہ اشتقاق رکھنے والے تمام کلمات قرآنی کے درمیان ربط قائم ہو کر تفسیر القرآن بالقرآن کی راہ ہموار ہو سکے۔

(۲) ہر آیت کے ہر جملہ کی نحوی ترکیب عام فہم انداز میں بیان کر دی جائے۔

(۳) اہم الفاظ و تعبیرات قرآنی پر جامع نوٹس بیان کر دیے جائیں جن کی روشنی میں ان الفاظ و تعبیرات و اصطلاحات کی معنوی گہرائی و گہرائی بھی سامنے آئے اور مختلف مفسرین کے نقطہ ہائے نظر سے بھی آگاہی ہو جائے۔

بتوفیق تعالیٰ راقم الحروف تقریباً دو دہائیوں سے قرآن حکیم کی تدریس سے وابستہ ہے جس میں مدارس کے نصاب کے مطابق تدریس کے علاوہ عوامی درس قرآن اور جدید تعلیم یافتہ طبقات کے لیے فہم قرآن کلاسز وغیرہ کا سلسلہ شامل ہے۔ راقم اپنے اس تدریسی تجربہ کے ضمن میں قدرے وسعت کے ساتھ اس منہج پر تالیفی کام کی ضرورت محسوس کرتا اور اسے اپنے ہدف میں شامل رکھے ہوئے تھا، لیکن معمولی پیش رفت کے بعد یہ کام تعطل کا شکار تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے حُسنِ ظن کے تحت اپنے اس تالیفی کام پر نظر ثانی کو فرمایا تو راقم نے اسے اپنے ہدف کی تکمیل گردانتے ہوئے غنیمت سمجھا اور راقم اس کا معترف ہے کہ اس مجموعہ کے مرحلہ وار مطالعہ کے نتیجے میں کچھ افادہ و نفع اُنے کر پایا یا نہیں، لیکن بجز اللہ استفادہ کا موقع ضرور ملا ہے اور ڈاکٹر صاحب اس کام میں موفق و منصور نظر آئے ہیں۔

شاید اس امر کا اظہار بھی مناسب ہو کہ بعض غیر عالم عصری تعلیم یافتہ حضرات جب مطالعہ کے زور پر یا چند شارٹ کورسز کر کے دینی تعلیم و تدریس یا تالیف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو راسخین فی العلم سے اپنے کو مستغنی سمجھ لیتے ہیں، دینی مسائل و علوم میں رائے زنی میں بیباک ہو جاتے ہیں اور اپنی غیر معمولی قابلیت کے زعم میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں، لیکن بجز اللہ انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے حضرات ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب اور ان کے لائق تلامذہ ڈاکٹر جہانزیب صاحب اور ماہر عربیت عامر سہیل صاحب وغیرہ کو راقم نے اس سے کوسوں دُور پایا ہے۔ یہ حضرات اپنے دائرہ کار سے بخوبی واقف ہیں، اپنے مبلغِ علم سے زائد کے لیے اپنے کو اہل علم و فضل کا محتاج سمجھتے ہیں اور اپنے زیرِ درس احباب کو بھی اسی کی تلقین کرتے ہیں۔ زیرِ نظر مجموعہ میں بھی ڈاکٹر صاحب نے شاید ہی کہیں اپنی بات کی



ہو، معروف تفاسیر ہی کا تتبع کیا ہے اور اسلوب نگارش بھی عمدہ ہے۔

ابتدائی عربی زبان و گرامر سے واقف ایسے حضرات جو قرآن فہمی میں رُسوخ چاہتے ہوں اور بڑی تفاسیر تک رسائی کے خواہاں ہوں وہ درمیانے مرحلے کے طور پر اگر اس مجموعہ کا مطالعہ کریں تو بہت مفید ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس تالیف کے نفع کو عام و تمام فرمائیں اور پہلی جلد کے بعد بقیہ جلدوں کی ترتیب و تدوین اور طباعت و اشاعت آسان فرمائیں۔

آمین بحرمة سيد المرسلين عليه الصلاة و التسليم

سعيد احمد

فاضل وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مختص جامعہ دارالعلوم کراچی

ایم اے عربی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

امام و خطیب جامع مسجد الامین ستیانہ روڈ فیصل آباد

استاذ الحدیث جامعۃ الفرقان جڑانوالہ روڈ فیصل آباد

مرتب شارٹ اسلامک کورسز (النور ٹرسٹ)

28-03-2016



## بسم اللہ الذی یسر القرآن للذکر

استاد محترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب نے لغت القرآن پر جو کام شروع کیا تھا اس کو اولاً لطف الرحمن خان صاحب اور اب عزیز م ڈاکٹر جہانزیب ندیم نے تفسیری زاویے کے اضافے کے ساتھ بڑی عرق ریزی سے آگے بڑھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو ان کے حق میں قبول فرمائے اور ان کے والدین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ ڈاکٹر جہانزیب نے یہ کام کسی مشغلے کے طور پر نہیں بلکہ اسی لگن اور priority کے ساتھ کیا ہے جیسے انہوں نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے M.B.B.S کیا تھا۔ موصوف کی یہ کاوش انشاء اللہ قرآن مجید کے طالب علموں اور قرآن حکیم پڑھانے والے مدرسین اور قرآن مجید پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے ایک reference book کا کام کرے گی، انشاء اللہ۔

ڈاکٹر عبدالسمیع  
صدر انجمن خدام القرآن فیصل آباد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## عرض مرتب

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ... أَمَّا بَعْدُ!

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد، خدائے بخشندہ

اس ناچیز نے تو زندگی میں کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ کبھی قرآن مجید کے اسباق صرف، نحو اور لغت کے اعتبار سے مرتب کرے گا بلکہ راقم الحروف کی زندگی جس نہج پر گزر رہی تھی، اس زندگی میں اگر ناظرہ قرآن پڑھنے کا موقع ہی مل جاتا تو غنیمت تھا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے کہ آج راقم الحروف اپنے ”مطالعہ قرآن مجید“ کی پہلی جلد کے لیے ”عرض مرتب“ لکھ رہا ہے۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ دل کے کسی کونے میں دین کی خدمت کی تمنا ضرور تھی اور یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا خصوصی فضل ہے کہ زندگی کے نشیب و فراز میں یہ تمنا قائم رہی۔

راقم الحروف کو سب سے پہلے جس شخصیت نے اسلام کی حقانیت سے متعارف کروایا وہ ہیں جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب۔ ان کے بعد دو شخصیات ایسی ہیں جنہوں نے احقر کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ وہ دو شخصیات ہیں محترم جناب احمد دیدات صاحب اور محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے ناچیز کو قرآن مجید کے ساتھ جوڑا اور قرآن مجید کے پیغام سے روشناس کروایا۔ ان ہی کے کہنے پر ناچیز نے عربی زبان کے بنیادی قواعد جناب لطف الرحمن خان صاحب (آسان عربی گرامر حصہ اول، دوم اور سوم)، محترم جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب اور محترم جناب عامر سہیل صاحب سے سیکھے۔ لیکن میرا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ میں نے عربی زبان میں مہارت حاصل کر لی ہے۔ بہر حال اپنی تمام تر کم علمی کے باوجود اساتذہ کے کہنے پر ابتدا میں کچھ عربی کلاسز اور کچھ سورتوں کی صرفی و نحوی تحلیل کی کلاسز پڑھائیں۔ پھر اساتذہ ہی کے کہنے پر درس قرآن کا آغاز کیا حالانکہ راقم الحروف اب بھی اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا۔ بہر حال اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے احقر نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دروس سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ دو کاموں کو ضروری جانا: ایک یہ کہ دورِ حاضر کے مستند علماء سے رجوع کیا جائے اور دوسرے یہ کہ جید علمائے کرام کی مستند تفاسیر سے استفادہ کیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے راقم الحروف نے حضرت مولانا مجاہد الحسنی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن مجید پڑھانے کی درخواست کی لیکن حضرت کی کبر سنی اور جسمانی صحت نے اس کی اجازت نہیں دی البتہ حضرت نے راقم الحروف کے حلقہ مطالعہ قرآنی میں شرکت کی حامی بھری اور پھر کچھ عرصہ باقاعدگی سے شرکت بھی کی۔ اس کے بعد جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے جناب مفتی شعیب صاحب سے راقم الحروف نے کچھ عرصہ استفادہ کیا۔ پھر جناب مفتی سعید احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن اور حدیث پڑھانے کی درخواست کی جو حضرت نے قبول کر لی اور ان سے باقاعدہ پڑھنے کا آغاز ہوا جو کہ تاحال جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ تفاسیر کے ذریعے جن بزرگوں سے قلبی اور روحانی تعلق قائم ہوا، ان کی بھی ایک لمبی فہرست ہے۔ سب سے زیادہ جن دو بزرگوں کو راقم الحروف نے اپنے قلب و روح کے قریب محسوس کیا وہ ہیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب اور حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب۔ ان دونوں بزرگوں کی تفسیر عثمانی بلاشبہ بہترین تفسیروں میں سے ایک ہے۔ ان کے بعد جن بزرگوں کی تفاسیر سے احقر نے سب سے زیادہ راہنمائی حاصل کی وہ ہیں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب (بیان القرآن)، مفتی محمد شفیع صاحب (معارف القرآن)، مولانا عبدالمجید ریادی صاحب (تفسیر ماجدی)، حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (تفہیم القرآن)، حضرت پیر کرم شاہ صاحب (ضیاء القرآن)، حضرت مولانا محمد جونا گڑھی اور حضرت مولانا صلاح الدین یوسف (تفسیر

احسن البیان)، حضرت مولانا عبدالحق حقانی صاحب (تفسیر فتح الملتان المشہور بہ تفسیر حقانی) اور حضرت مولانا امین احسن اصلاحی صاحب (تدبر قرآن)۔ ان تمام بزرگوں کی تفاسیر امت کا سرمایہ علم ہیں اور حقیقت میں ان بزرگوں کے ساتھ تعلق کی وجہ بھی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہی ہیں۔ ہندوستان کی ایک اور نہایت اہم شخصیت جن سے تعلق کا ذریعہ بھی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہی بنے، وہ ہیں شاعر مشرق، علامہ محمد اقبال۔ حالانکہ احقر نہ کبھی اردو ادب کا طالب علم رہا ہے نہ ہی شاعری سے کوئی خاص لگاؤ ہے لیکن علامہ اقبال کی شاعری نے احقر کے قلب و جگر پر ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

احقر کی قرآنی خدمت ”مطالعہ قرآن مجید“ کی بنیاد استاد محترم جناب لطف الرحمن خان صاحب کی قرآنی خدمت ”مطالعہ قرآن حکیم“ پر ہے۔ اس خدمت کے لیے مندرجہ بالا کتب کے علاوہ امام راغب کی مفردات القرآن، مولانا عبدالرشید نعمانی کی لغات القرآن، مولانا عبدالرحمن کیلانی کی مترادفات القرآن اور مصباح اللغات سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ نحوی تراکیب کے لیے محسی الدین الدرویش کی ”اعراب القرآن الکریم و بیانہ“، محمد سید طنطاوی کی ”نور الیقین معجم و سیط فی اعراب القرآن الکریم“ اور محمود سلیمان یاقوت کی ”اعراب القرآن الکریم“ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ البتہ نحوی ترکیب کو سادہ اور عام فہم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دیکھیے میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں ہرگز اس کام کی اہلیت نہیں رکھتا اور نہ ہی میرے قلم میں ایسا زور ہے کہ اس خدمت کے ذریعے میں قرآن فہمی کے راستے سے تمام رکاوٹیں دور کر دوں۔ اپنی ان تمام کوتاہیوں کا پورا احساس ہوتے ہوئے بھی اس خدمت کا کچھ حصہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی وجہ میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اللہ رب العزت نے ہی ایسا چاہا اور یہ ہو گیا۔ اسی مسبب الاسباب نے اسباب فراہم کر دیے اور اسی کی توفیق سے یہ خدمت ہو سکی۔ اب اسی سے دعا ہے کہ نبی اکرم کے طفیل اس خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اسے عام کر دے۔ اس ”مطالعہ قرآن مجید“ کو پڑھتے ہوئے اگر کہیں کوئی خوبی نظر آئے تو یقین کیجئے کہ اُس کی تعریف کی مستحق وہ ہستیاں ہیں جن کی خدمت قرآنی سے استفادہ کیا گیا اور کہیں کوئی کمی اور نقص نظر آئے تو اس کا ذمہ دار یہ احقر ہے۔

کوشش بھی ہے اور دعا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ غلطیوں اور کوتاہیوں سے بچاتے ہوئے، خاص اپنی رحمت اور توفیق سے یہ کام پورا کروادے۔ اہل علم سے بھی درخواست ہے کہ غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کر کے اس کی اصلاح میں مدد کریں۔

آخر میں میں ہر اس شخص کا شکر گزار ہوں جس نے کسی بھی درجے میں اس تالیف میں میری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے اور میرے والدین، میرے بہن بھائیوں، بیوی بچوں، اساتذہ اور دوستوں سب کے لیے اسے صدقہ جاریہ اور ذخیرہ آخرت بنادے۔ آمین۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝

جہاں زیب ندیم

انجمن خدام القرآن، فیصل آباد

jjzee4567@gmail.com

00-92-322-8664004



## اِسْتِعَاذَةُ

﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾

ع و ذ

باب	مصدر/ اسم	معانی
(ن)	(۱) مَعَاذًا	مَعَاذًا مصدر میسی ہے۔ کسی کی پناہ میں آنا۔ پناہ طلب کرنا۔ کسی کا دامن مضبوطی سے پکڑ لینا۔ ﴿وَ اِنِّيْ عُدْتُ بِرَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْا ۝﴾ (44/ الذہخان: 20) ”اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی اس بات سے کہ تم مجھ کو سنگسار کرو۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ﴿وَ اَنْتَ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ﴾ (72/ الجن: 6) ”اور یہ کہ تھے کتنے مرد آدمیوں میں سے پناہ پکڑتے تھے کتنے مردوں کی جنوں میں سے۔“
(ب) مَعَاذُ	(افعال)	مَعَاذُ اسم ذات بھی ہے جس کا مطلب ہے، ”پناہ“۔
(تفعیل)	تَعْوِيْذًا	خود کسی کو پناہ دینا۔ اس باب سے قرآن میں فعل استعمال نہیں ہوا۔
(استفعال)	اِسْتِعَاذَةً	کسی کی پناہ طلب کرنا۔ ﴿فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝﴾ (16/ النحل: 98) ”پس جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگو مردود شیطان سے۔“ شاید اس حکم کے نتیجے میں اَعُوْذُ کا صیغہ استعمال ہوتا ہے یعنی میں آتا ہوں اللہ کی پناہ میں۔ (واللہ اعلم)
شیطان:		لغت میں اس کے دو مادے آتے ہیں۔

(۱) ش ط ن

(ن)	شَطَطًا	کسی سے دور ہونا۔ کسی کی مخالفت کرنا۔ عربی زبان میں بِشَطَطٍ کا مطلب ہے بہت گہرا کنواں یعنی جس کا پانی دور ہو۔
	شَيْطٰنٌ	اسی طرح شَطَنَ الرَّجُلُ کا مطلب ہے آدمی حق سے دور ہوا۔
		ج: شَيْطٰنٌ ش ط ن مادے سے فِعَالٌ کے وزن پر شَيْطٰنٌ بتا ہے جس کا مطلب ہے بہت زیادہ دور ہونے والا اللہ کی رحمت سے یا حق سے۔ بہت زیادہ مخالفت کرنے والا حق کی۔

(ب) ش ی ط

(ض)	شَيْطَانَةً، شَيْطًا	غصے سے سوختہ ہو جانا۔ جلنا
	شَيْطٰنٌ	ش ی ط مادے سے فَعْلَانٌ کے وزن پر شَيْطٰنٌ بتا ہے اور یہ مبالغے کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے بہت زیادہ جلنے والا، بہت زیادہ غصے سے سوختہ ہونے والا۔
نوٹ:	شَيْطٰنٌ	شیطان ایک صفاتی نام ہے جو ہر سرکش کو کہتے ہیں خواہ جن ہو، انسان ہو یا حیوان ہو۔ جو بھی حق سے دوری اختیار کرے اور اُس کی مخالفت کرے وہ شیطان ہے۔ سب سے پہلے جس نے یہ کام کیا وہ ایک جن تھا اور اس سرکشی کی وجہ سے اُسے شیطان اور ابلیس کہا جاتا ہے۔ ابلیس بھی صفاتی نام ہے۔ اُس جن کا اصل نام عزازیل تھا (بحوالہ تفسیر ماحدی، ص: 925)۔

اسی طرح انسان کی ہر بری خصلت کو بھی شیطان کہا جاتا ہے اَلْحَسَدُ شَيْطَانٌ وَالْغَضَبُ شَيْطَانٌ (مفردات)۔ شیطان کے مجازی معنی بد ہیئت (بد شکل) سانپ کے بھی ہیں اور آیت ﴿طُلُعَهَا كَاَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ﴾ (37/ الصُّفَّت: 65) میں یہی معنی مراد ہیں۔ تفسیر ماجدیؒ میں اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے ”اُس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن۔“ تفسیر عثمانیؒ میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے ”یعنی سخت بدنما شیطان کی صورت یا شیا طین کہا سانپوں کو یعنی اُس کا خوشہ سانپ کے سر کی طرح ہوگا جیسے ہمارے ہاں ایک درخت کو اسی تشبیہ سے ”ناگ پھن“ کہتے ہیں۔“

ر ج م

(ن)

رَجُمًا

سنگسار کرنا یعنی پتھر برسانا۔ اَلرَّجَامُ پتھر کو کہتے ہیں اس سے اَلرَّجْمُ ہے۔ جس کو سنگسار کیا گیا ہو اسے مَرَجُومٌ کہتے ہیں۔ پھر استعارہ کے طور پر رَجْمٌ کا لفظ جھوٹے گمان، اندھیرے میں تیر چلانے، تکرار کرنے، بدکلامی کرنے اور دھتکارنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ شیطان کو رَجِيمٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ملائکہ اعلیٰ کے مراتب سے نکالا گیا۔ ﴿وَيَقُولُونَ خَسَفَتْ سَادُسُهُمْ كَلْبَهُمْ رَجَبًا بِالْغَيْبِ﴾ (18/ الکہف: 22) ”اور وہ لوگ کہتے ہیں پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کتا ہے۔ اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں۔“

مَرَجُومٌ

اسم المفعول۔ جس کو دھتکارا گیا۔ سنگسار کیا گیا۔ مردود۔ ﴿قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَنْحُوتْ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ﴾ (26/ الشعراء: 116) ”اُن (مغروروں) نے کہا اے نوع! اگر تم باز نہ آئے (تو یاد رکھو) تمہیں ضرور سنگسار کر دیا جائے گا۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

رَجِيمٌ

فَعِيلٌ کے وزن میں ہیئتگی کا مفہوم ہوتا ہے اور یہ وزن اسم الفاعل اور اسم المفعول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ رَجِيمٌ اسم المفعول ہے یعنی رَجِيمٌ بمعنی مَرَجُومٌ ہے۔ سنگسار کیا ہوا۔ مردود۔ ہمیشہ کے لیے دھتکارا ہوا۔ حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں ”محاورے میں یہ لفظ اُس شخص کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جسے مقام عزت سے گرا دیا گیا ہو اور ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا گیا ہو۔“ ﴿قَالَ فَاصْبِرْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ﴾ (15/ الحجر: 34) ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نکل جا یہاں سے بے شک تو مردود ہے۔“

رُجُومٌ

آلات سنگساری۔ یہ رَجْمٌ کی جمع ہے جو مصدر ہے۔ اس کا اطلاق اس چیز پر بھی ہوتا ہے جس سے مارا جاتا ہے اسی استعمال کی وجہ سے اس کی جمع رُجُومٌ بنی ورنہ مصدر کی جمع نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں شُھبٌ (ستاروں) کو رُجُومٌ کہا گیا ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ﴾ (67/ الملک: 5) ”اور انہیں شایطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔“

ترکیب:

اَعُوْذُ ثَلَاثِيْ مَرَّةً سے واحد متکلم کا صیغہ ہے (فعل + فاعل)۔ اَعُوْذُ کے ساتھ عموماً دو صلی استعمال ہوتے ہیں جس کی پناہ طلب کی جائے اُس کے ساتھ ”ب“ کا صلہ آتا ہے اور جس سے پناہ طلب کی جائے اُس کے ساتھ ”مِنْ“ آتا ہے۔ اللہ کے ساتھ ”ب“ کا صلہ ہے چنانچہ اللہ کی پناہ طلب کی جارہی ہے اور الشَّيْطَانُ الرَّجِيمُ جو کہ مرکب توصیفی ہے اس سے پہلے مِنْ کا صلہ ہے چنانچہ مردود شیطان سے پناہ طلب کی جارہی ہے۔ دونوں مرکب جاری، بِاللّٰهِ اور مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ متعلق ہیں جملہ فعلیہ اَعُوْذُ کے۔

ترجمہ	اَعُوْذُ بِاللّٰهِ	مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
	میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں	ہمیشہ کے لئے دھتکارے ہوئے شیطان سے

نوٹ-1

مذکورہ بالا استعاذہ قرآن مجید کا حصہ نہیں ہے۔ لیکن سورۃ النحل کی آیت نمبر 98 میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب تم قرآن پڑھو

تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ اس لئے قرآن پڑھتے وقت بسم اللہ سے پہلے استعاذہ پڑھنا ضروری ہے۔

نوٹ-2

لفظ اللہ کے لیے آگے بسم اللہ دیکھیں۔

## تَسْمِيَةٌ

﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ①﴾

س م و

باب	مصدر/ اسم	معانی
(ن)	سُمُوًّا	بلند ہونا۔ نمایاں ہونا۔ عربی میں کہتے ہیں سَمًا إِلَيْهِ بَصَرِي۔ میری نظر اُس کی طرف اٹھی یا سَمَوْتُ إِلَيْهِ بِبَصَرِي (ب تعدیہ) میں نے اس کی طرف اپنی نظر اٹھائی۔ جب کسی کا نام لیا جاتا ہے تو گویا اس کو بلند و بالا کرتے ہیں تاکہ وہ آنکھوں میں نہج جائے۔
(تفعیل)	تَسْمِيَةٌ	تَسْمِيَةٌ، تَفْعِلَةٌ کے وزن پر مصدر ہے۔ کسی کو نمایاں کرنا۔ کسی کا نام رکھنا۔ نام بولنا۔ نام لینا۔ ﴿وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ (3/ آل عمران: 36) ”اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔“
سَمَّ	سَمَّ	ج: سَمَّوْا۔ فعل امر ہے۔ تو نام لے۔ ﴿قُلْ سَمُّوْهُمْ ط﴾ (13/ الرعد: 33) ”آپ کہیے تم نام لو اُن کے۔“
مُسَمًّى	مُسَمًّى	باب تفعیل سے اسم المفعول ہے۔ جس کا نام لیا گیا ہو۔ نام رکھا ہوا۔ نمایاں کیا ہوا۔ کوئی معین چیز۔ ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ ط كُلٌّ لِّیَجْرِيَ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ط﴾ (13/ الرعد: 2) ”اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا۔ ہر ایک رواں ہے ایک معین وقت تک کے لئے۔“
إِسْمٌ	إِسْمٌ	ج: اَسْمَاءٌ۔ کسی چیز کی علامت جو اسے دوسروں سے نمایاں کرے۔ نام۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اِسْمٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اسم کا مفہوم عربی میں اردو کے نام سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اسم وہ ہے جس کے ذریعہ سے کوئی چیز جانی جائے، پہچانی جائے اور یہ شناخت ممکن نہیں جب تک اعراض، خواص، آثار کا علم بھی ساتھ ساتھ نہ ہو۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۲۰)
سَمِیٌّ	سَمِیٌّ	ہم نام اور مثل و مشابہ یعنی کسی کی مانند ہونا۔ نظیر ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَكَ سَمِیًّا ۝﴾ (19/ مریم: 65) ”کیا تم جانتے ہو اس کا کوئی ہم نام۔“ مطلب جو اس نام کا مستحق ہو۔ مولانا عبدالماجد دریابادی سَمِیٌّ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”سَمِیٌّ کے ایک معنی تو یہی ”ہم نام“ کے ہیں۔ چنانچہ ائمہ تفسیر نے یہاں بھی یہی مراد لی ہے۔ لیکن لغت ہی میں ایک دوسرے سَمِیٌّ، ”ہم صفت“، یا مثل، شبیہ و نظیر کا بھی پتہ چلتا ہے اور بعض اکابر لغت و اکابر تفسیر کے نزدیک وہی معنی یہاں ثابت ہیں۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۶۵۰)
سَمَاءٌ	سَمَاءٌ	ج: سَمَوَاتٌ۔ بلندی، آسمان، فضا، آسمانی۔ ہر شے کے بالائی حصے کو سَمَاءٌ کہتے ہیں جیسے اَرْضٌ بول کر ہر چیز کا نچلا حصہ مراد لیتے ہیں جیسے شاعر نے گھوڑے کی صفت میں کہا ہے وَاحْمَرُ کَالِدِیْبَاجٍ اَمَّا سَمَاءُکَ فَرُبَّآ وَ اَمَّا اَرْضُکَ فَمَحْوُلٌ
		وہ دیباچ کی طرح سرخ ہے، اس کا بالائی حصہ موٹا ہے اور اس کا زیریں حصہ (یعنی ٹانگیں) لاغر اور سخت ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اسمائے نسب سے ہے کہ ہر سماء اپنے ماتحت کے لحاظ سے سَمَاءٌ ہے لیکن اپنے مافوق کے لحاظ سے اَرْضٌ ہے۔ جبر سماء علیا (فلک الافلاک) کے کہ وہ ہر لحاظ سے سَمَاءٌ ہی ہے اور کسی کے لیے ارض نہیں بنتا۔ بادل اور بارش کو بھی سَمَاءٌ کہا جاتا ہے مثلاً ﴿وَاَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَیْھُمْ مِّدْرَارًا ۝﴾ (6/ الانعام: 6) ”اور ہم نے اُن پر خوب کثرت سے بارش برسائی۔“ تفسیر ماجدی کے مطابق السماء یہاں بارش کے معنی میں ہے اور اَرْسَلْنَا برسائے کے معنی میں۔ حضرت شیخ



الہند نے یہاں ترجمہ ”آسمان“ سے ہی کیا ہے اور صاحبُ ضیاء القرآن نے ’بادل‘ سے ترجمہ کیا ہے۔ صاحبِ تفسیر ماجدی فرماتے ہیں عربی میں ہر اُس چیز کو سَمَاءُ کہتے ہیں جو انسان کے اوپر واقع ہو حتیٰ کہ مکان کی چھت کو بھی سَمَاءُ کہتے ہیں۔ مِنَ السَّمَاءِ کا اطلاق ہر اُس چیز پر ہوتا ہے جو آسمان کی سمت سے نازل ہو۔ (تخصیص)۔ لفظ سَمَاءُ مذکر مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے ﴿السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ ط﴾ (73/ المزمل: 18) ”اور جس کی سختی سے آسمان پھٹا جا رہا ہوگا۔“ (مذکر) اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ (82/ الانفطار: 1) ”جب آسمان پھٹ جائے گا۔“ (مؤنث)۔ امام راغبؒ کے مطابق لفظ سَمَاءُ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اسی لیے البقرہ: 29 میں ”السَّمَاءُ“ کے لیے ”هُنَّ“ جمع کی ضمیر آئی ہے۔ (واللہ اعلم)

أَجَلٌ مُّسَمًّى مقررہ یا متعین مدت۔ ﴿وَأَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَكَ﴾ (6/ الانعام: 2) ”اور ایک دوسری مدت اور بھی ہے جو اس کے ہاں طے شدہ ہے۔“

ع ل ه

(ف)

الْوَهَّ  
إِلَٰهَ

غلامی کرنا۔ عبادت کرنا۔

عبادت کیا ہوا یعنی جس کی عبادت یا غلامی کی گئی۔ معبود۔ إِلَٰهَ، فِعَالٌ کے وزن پر مَا لَوْكَ ہے (مَفْعُولٌ کا وزن)۔ فِعَالٌ کا وزن اسم المفعول کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کِتَابٌ یعنی لکھا ہوا یا جس پر لکھا گیا۔ اسی طرح إِلَٰهَ میں مفعول کا مفہوم ہے۔ مطلب جس کی غلامی یا عبادت کی گئی۔ إِلَٰهَ کے تین مفہوم ہیں:

(1) ہر وہ چیز جس کی طرف انسان اپنی تکلیف اور مصیبت کو دور کرنے کے لیے اور اپنی ضروریات پوری کرانے کے لیے رجوع کرے اور جس کو انسان اپنے نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر اس کی پرستش کرے خواہ وہ چیز کوئی بت ہو یا کوئی مقام ہو یا آستانہ یا حیوانات یا شجر و حجر یا مظاہر قدرت ہوں، إِلَٰهَ کہلاتا ہے۔

(2) وہ ہستی جس سے انتہائی محبت ہو۔

(3) وہ ہستی جس کا ادراک ممکن نہیں۔ جو ہمارے فہم اور تصور سے ماوراء ہو۔

اس کی جمع إِلِهَاتٌ اور مؤنث إِلَهَاتٌ ہے۔ إِلَهَاتٌ کا مطلب دیوی ہے چنانچہ سورج پرست سورج کو (جو کہ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے) إِلَهَاتٌ کہتے ہیں۔ إِلَٰهَ کا لفظ معبود برحق اور معبود باطل دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

إِلَٰهَ

لفظ إِلَٰهَ پر لام تعریف داخل کرنے سے قاعدے کے مطابق لفظ إِلَٰلَہ بنتا ہے لیکن خلاف قاعدہ مادہ کا حمزہ گرا کر اَلْ لَہ بولتے ہیں اور اس طرح لکھتے ہیں اَللَہ۔ مطلب ہے معبود حقیقی یعنی اصل إِلَٰہ۔ اللہ کا لفظ خدا تعالیٰ کے لیے بطور اسم ذات استعمال ہوتا ہے۔ یہ کسی خاص صفت کے لیے نہیں بولا جاتا۔ باقی تمام صفات اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ نزول قرآن سے پہلے بھی یہ لفظ خدا تعالیٰ کے لیے بطور اسم ذات استعمال ہوتا تھا۔ اہل عرب نے کبھی اس لفظ کو کسی معبود باطل کے لیے استعمال نہیں کیا۔ اسی لیے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے کہ کیا تم اس کے کسی ہمنام کو جانتے ہو۔ ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾ (19/ مریم: 65) ”کیا تم جانتے ہو اس کا کوئی ہم نام۔“ اللہ کا تشبیہ اور جمع نہیں آتے اور اس پر ”یا“ (حرف ندا) داخل نہیں ہوتا بلکہ یا حرف ندا کے عوض آخر میں میم مشدّد دگ کر اَللّٰھُمَّ (اے اللہ) استعمال ہوتا ہے۔

ر ح م

(س)

رَحْمَةً، مَرَحْمَةً، رُحْمًا مہربان ہونا، مہربانی کرنا، رحم دل ہونا، شفقت کرنا۔ ﴿رَبَّنَا لَا تُخِزْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ

لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً﴾ (3/ آل عمران: 8) ”پروردگار، جب تو ہمیں سیدھے رستہ پر لگا چکا ہے، تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کبھی میں بتلانہ کر دیجیو۔ ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر۔“ ﴿وَتَوَاصَوْا بِالرَّحْمَةِ﴾ (90/ البلد: 17) ”اور (خلق

خدا پر) رحم کرنے کی تلقین کی۔“ ﴿فَكَادَتْ أَنْ يُبْدِلَهَا رَحْمَةً خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رَحْمًا﴾ (18/الکہف: 81) ”اس لیے ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے بدلے ان کو ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی اس سے بہتر ہو اور جس سے صلہ رحمی بھی زیادہ متوقع ہو۔“

ج: اَرْحَامُ۔ بچہ دانی، رشتہ داری، قرابت داری۔ رَحِمٌ مجازاً قرابت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ اہل قرابت ایک ہی رحم سے پیدا ہوتے ہیں۔ اہل قرابت سے اچھے تعلقات قائم رکھنے کو صلہ رحمی اور ان تعلقات کو خراب کرنے کو قطع رحمی کہتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں صلہ رحمی کے بے شمار فضائل آئے ہیں۔ صاحب تفہیم القرآن ان الفاظ میں اس لفظ کی وضاحت کرتے ہیں ”رحم کا لفظ عربی زبان میں قرابت اور رشتہ داری کے لیے استعارہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ایک شخص کے تمام رشتہ دار، خواہ وہ دور کے ہوں یا قریب کے، اس کے ذوی الارحام ہیں۔ جس سے جتنا زیادہ قریب کا رشتہ ہو اس کا حق آدمی پر اتنا ہی زیادہ ہے اور اس سے قطع رحمی کرنا اتنا ہی بڑا گناہ ہے۔ صلہ رحمی یہ ہے کہ اپنے رشتہ دار کے ساتھ جو نیکی کرنا بھی آدمی کی استطاعت میں ہو اس سے دریغ نہ کرے۔ اور قطع رحمی یہ ہے کہ آدمی اس کے ساتھ برا سلوک کرے، یا جو بھلائی کرنا اس کے لیے ممکن ہو اس سے قصد اپہلو تہی کرے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۲۷) ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ط﴾ (31/لقمان: 34) ”اور وہ جانتا ہے جو بچہ دانیوں میں ہے۔“ ﴿اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتَقَطَّعُوْا اَرْحَامَكُمْ ط﴾ (47/محمد: 22) ”اگر تم لوگوں کو اقتدار ملے تو تم لوگ حقوق و فرائض کا توازن بگاڑو زمین میں اور تم لوگ کاٹ دو اپنی رشتہ داریوں کو۔“

رَحِمٌ

الرَّحْمٰنُ

اور

الرَّحِيْمُ

یہ دونوں لفظ رَحْمَةٌ سے مشتق ہیں اور دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ رَحْمَانٌ، فَعْلَانٌ کے وزن پر ہے جس میں انتہائی شدت اور جوش کا مفہوم پایا جاتا ہے جیسے عَطَشَانٌ (انتہائی پیاسا)، غَضَبَانٌ (انتہائی غصیل)، جَوْعَانٌ (انتہائی بھوکا)۔ اسی طرح رحمان کا مطلب ہے انتہائی رحمت والا۔ جس کی رحمت میں شدت بھی ہے اور جوش بھی۔ رَحِيْمٌ، فَعِيْلٌ کے وزن پر ہے جس میں کثرت کے ساتھ دوام اور استمرار کا مفہوم ہوتا ہے۔ اس کی جمع رَحِمَاءُ آتی ہے۔ علمائے کرام نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ رَحْمَنٌ میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے، اس میں رحیم کی نسبت ایک حرف زائد ہے اور عربی میں کہتے ہیں زِيَادَةُ اللَّفْظِ تَدُلُّ عَلَى زِيَادَةِ الْمَعْنَى مطلب زائد حرف زیادہ معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ رَحْمَنٌ اور رحیم کا مطلب ہوا ایسی ہستی جس کی رحمت میں شدت اور جوش بھی ہے اور دوام اور استمرار بھی ہے۔ رَحْمَنٌ کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ ط﴾ (17/بنی اسرائیل: 110) ”اے نبی ﷺ! ان سے کہو: ”اللہ کہہ کر پکارو یا رَحْمَنُ کہہ کر۔“ اس کا تشبیہ اور جمع نہیں آتا۔ رَحْمَنٌ وہ ہستی ہے جو اپنی تمام مخلوق پر یکساں مہربانی کرنے والی ہو۔ اور یہ تمام مہربانی صرف اللہ تعالیٰ ہی سے متعلق ہو سکتی ہے۔ چنانچہ رحمان صرف اللہ تعالیٰ ہے کوئی دوسری مخلوق رَحْمَن نہیں ہو سکتی۔ جبکہ رحیم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں یہ لفظ حضور ﷺ کے لیے اور صحابہؓ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ط﴾ (9/التوبہ: 128) ”دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول ﷺ آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔“ اور صحابہؓ کے بارے میں فرمایا: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اَشِدُّ اَوْ عَلَى الْكُفَّارِ رَحِمًا بَيْنَهُمْ﴾ (48/الفتح: 29) ”محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہؓ) وہ کفار پر سخت ہیں اور آپس میں رحیم ہیں۔“ رَحْمَن کے معنی عام الرحمة اور رحیم کے معنی تام الرحمة بھی کیے گئے ہیں۔ لفظ رَحْمَن کے بارے میں علمائے عربیت کا اختلاف ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے یا نہیں اور عربی ہونے کی صورت میں یہ مشتق ہے یا غیر مشتق۔ مبرد اور ثعلب جو عربیت اور لغت کے امام ہیں وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ عبرانی لفظ ہے اگر اس کو عبرانی لفظ مان لیا جائے تو اس

صورت میں یہ لفظ اللہ کی طرح ذات باری کا اسم علم ہوگا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ 57 جگہ مذکور ہے (نواد عبدالباقیؒ) اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا استعمال بطور صفت نہیں بلکہ بطور اسم علم ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)

### ترکیب

اِسْمُ کا مادہ س۔ م۔ و ہے اور اس کے شروع میں ہمزۃ الوصل ہے۔ اس لئے قاعدہ کے لحاظ سے اس کا امل باِسْمِ اللہ ہونا چاہئے تھا لیکن صرف بِسْمِ اللہ کا یہ مخصوص املا ہے کہ اس میں ہمزۃ الوصل لکھا بھی نہیں جاتا، ہمزۃ الوصل ساقط ہونے کے بدلے میں ”ب“ لمبی لکھی جاتی ہے۔ باقی ہر جگہ قاعدہ کے مطابق لکھا جاتا ہے۔ البتہ پڑھا نہیں جاتا مثلاً ﴿وَادْكُرُوا اِسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ (5/ المائدہ: 4) ”اور اس پر اللہ کا نام لو۔“ الرَّحْمٰن اور الرَّحِيْم کو اگر لفظ اللہ کا بدل مانا جائے تو ترجمہ اس طرح ہوگا ”جو انتہائی رحمت والا ہے، جو ہمیشہ رحمت کرنے والا ہے۔“ لیکن اگر انہیں صفت مانا جائے تو ترجمہ ہوگا ”رحمن اور رحیم اللہ کے نام سے“ دونوں ترجمے درست مانے جائیں گے۔ یہ دونوں حال نہیں ہو سکتے کیونکہ حال نکرہ اور حالت نصب میں ہوتا ہے۔ یہ پورا فقرہ مرکب جاری ہے، جملہ نہیں ہے۔ اس لئے اس سے قبل کچھ محذوف ماننا ضروری ہے۔ اگر اسے جملہ اسمیہ مانا جائے تو اس سے قبل کوئی مبتداء محذوف مانا جائے گا جیسے اِبْتَدِئِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ”میری ابتداء اللہ کے نام سے ہے جو رحمن ہے رحیم ہے۔“ اگر جملہ فعلیہ مانیں تو اس سے قبل کوئی فعل محذوف مانا جائے گا جیسے اِبْتَدِئِ ”میں ابتداء کرتا ہوں۔“ جملہ اسمیہ ہونے کی صورت میں قرآن کریم سے مثال: ﴿وَقَالَ اِذْكُبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِبَهَا وَفُرْسِيْهَا﴾ (11/ ہود: 41) ”نوحؑ نے کہا ”سوار ہو جاؤ اس میں، اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا چلنا بھی اور اس کا ٹھہرنا بھی۔“ (آیت مبارکہ میں مَجْرِبَهَا اور فُرْسِيْهَا مبتداء مؤخر ہیں اور بِسْمِ اللّٰهِ جار مجرول کر قائم مقام خبر مقدم ہے) اور جملہ فعلیہ ہونے کی صورت میں مثال: ﴿اِقْرْاْ بِاَسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ (96/ اعلق: 1) ”پڑھو! (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔“ (اِقْرْاْ فعل امر ہے اور بِاَسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ جار مجرول کر متعلق فعل ہیں)۔ علامہ زمخشریؒ کی رائے یہ ہے کہ جو کام کر رہے ہوں اس کا فعل محذوف مانیں جیسے اِکْتُبْ ”میں لکھتا ہوں۔“ اَزْكُبْ ”میں سوار ہوتا ہوں۔“

ترجمہ	بِسْمِ اللّٰهِ	الرَّحْمٰنِ	الرَّحِيْمِ
	اللہ کے نام سے	جو انتہائی رحمت والا ہے	جو ہمیشہ رحمت کرنے والا ہے

### نوٹ:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ معارف القرآن میں فرماتے ہیں ”بِسْمِ اللّٰهِ، یہ کلمہ تین لفظوں سے مرکب ہے ایک حرف باء، دوسرے اسم تیسرے اللہ، حرف باء عربی زبان میں بہت سے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے، جن میں سے تین معانی مناسب مقام ہیں، ان میں سے ہر ایک معنی اس جگہ لیے جاسکتے ہیں۔ اوّل: مصاحبت، یعنی کسی چیز کا کسی چیز سے متصل ہونا۔ دوسرے: استعانت، یعنی کسی چیز سے مدد حاصل کرنا، تیسرے: تبرک، یعنی کسی چیز سے برکت حاصل کرنا۔ لفظ اِسْمُ میں لغوی اور علمی تفصیلات بہت ہیں، جن کا جاننا عوام کے لیے ضروری نہیں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اردو میں اس کا ترجمہ نام سے کیا جاتا ہے۔ لفظ اَللّٰہ، اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ جامع نام ہے، اور بعض علماء نے اسی کو اسم اعظم کہا ہے، اور یہ نام اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نہیں ہو سکتا، اس لیے اس لفظ کا تثنیہ اور جمع نہیں آتے، کیونکہ اللہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نام ہے اس موجود حق کا جو تمام صفات کمال کا جامع اور صفات ربوبیت کے ساتھ متصف، یکتا اور بے مثال ہے۔ اس لیے کلمہ بِسْمِ اللّٰهِ کے معنی حرف باء کے مذکورہ تین معانی کی ترتیب سے یہ ہوئے: اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ کے نام کی مدد سے، اللہ کے نام کی برکت سے، لیکن تینوں صورتوں میں یہ ظاہر ہے کہ یہ کلام نامکمل ہے، جب تک اس کام کا ذکر نہ کیا جائے جو اللہ کے نام کے ساتھ یا اس کے نام کی برکت سے کرنا مقصود ہے، اس لیے نحوی قاعدے کے مطابق یہاں کوئی فعل مناسب مقام محذوف ہوتا ہے، مثلاً ”شروع کرتا ہوں یا پڑھتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ۔“ اور مناسب یہ ہے کہ یہ فعل بھی بعد میں محذوف مانا جائے، تاکہ حقیقت شروع اسم اللہ ہی سے ہو، وہ فعل محذوف بھی اسم اللہ سے پہلے نہ آئے، صرف حرف باء کا اسم اللہ سے پہلے آنا عربی زبان کے لحاظ سے ضروری و ناگزیر ہے، اس میں بھی مصحف عثمانی میں باجماع صحابہؓ یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ حرف باء رسم الخط کے قاعدے سے الف کے ساتھ ملا کر لکھنا چاہیے تھا اور لفظ اسم الگ، جس کی صورت ہوتی بِاَسْمِ اللّٰہ، لیکن مصحف عثمانی کے رسم الخط میں حرف ہمزہ کو حذف کر کے حرف باء کو سین کے ساتھ ملا کر صورت اسم کا جزء بنا دیا، تاکہ شروع اسم اللہ سے ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ دوسرے مواقع میں یہ حرف الف حذف نہیں کیا جاتا، جیسے اِقْرْاْ بِاَسْمِ رَبِّكَ میں ب کو الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے، یہ صرف بسم اللہ کی خصوصیت ہے کہ حرف باء کو سین کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔“ (معارف القرآن، ج 1، ص: 45)



## سُورَةُ

(ج: سُورَةُ)

جس طرح دنیا کی دوسری کتابیں مختلف ابواب و فصول میں تقسیم ہوتی ہیں اسی طرح قرآن مجید کو بھی مختلف پہلوؤں سے مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے مثلاً منزلوں، پاروں اور سورتوں وغیرہ میں۔ ان تقسیمات میں سے سب سے اہم تقسیم سورتوں کی تقسیم ہے۔ یہ تقسیم تو قینی ہے یعنی حضور کے بتانے پر ایسا ہوا ہے۔ سورۃ میں جو ”و“ ہے اسے اصلی یا بدلا ہوا ماننے کی صورت میں مشتقات میں فرق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر ”و“ کو اصلی مانا جائے تو:

(ا) یہ السُّورَةُ سے مشتق ہوگا جس کے معنی ہیں بلند مرتبہ۔ نابغہ کا ایک شعر ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَعْطَاكَ سُورَةً — تَرَى كُلَّ مَلِكٍ دُونَهَا يَتَذَكَّرُ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الَّذِينَ هُمْ فِي شَكٍّ اَلَيْسَ اِذَا مَرَّتْ بِمَنْزِلَةٍ مُّجْتَنِبَةً — چنانچہ قرآن مجید کی ہر سورۃ اپنے بلند مرتبے کی وجہ سے ”سورۃ“ کہلاتی ہے۔

(ب) یا سورۃ کا لفظ سُورَةُ الْمَدِينَةِ سے ماخوذ ہے۔ سُورَةُ عربی زبان میں اونچی اور بلند دیوار کو کہتے ہیں۔ وہ دیوار جو کسی مکان کی نہیں بلکہ کسی شہر، قلعہ یا احاطہ کے گرد حفاظت کے لیے بنائی گئی ہو اور سُورَةُ الْمَدِينَةِ شہر پناہ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اس معنی کے اعتبار سے قرآن مجید کی ہر سورۃ بھی اپنے مضامین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

(ج) اگر ”و“ کو اصلی نہ مانا جائے اور بدلا ہوا مانا جائے تو اس صورت میں یہ سُورَةُ (مہموز العین) سے مشتق ہے جس کے معنی کسی شے کے بقیہ اور بچے ہوئے حصے (ٹکڑا) کے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے سورۃ بھی قرآن مجید کا ایک ٹکڑا اور حصہ ہے۔ اس صورت میں ”و“ کو ”ء“ سے بدلا ہوا مانا جائے گا۔ (واللہ اعلم)

شرع میں قرآن مجید کے اس حصے کو ”سورۃ“ کہتے ہیں کہ جس میں کم از کم تین آیتیں ہوں اور اس حصے کا کوئی نام معین بھی ہو جیسے سورۃ فاتحہ، بقرہ وغیرہ (حقانی)۔

قرآن مجید میں سورتوں کی جو ترتیب رکھی گئی ہے ان میں سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ ہے۔ سورۃ الفاتحہ کے بعد وہ سورتیں ہیں جن کو اَلْسَبْعُ الطَّوَالُ کہا جاتا ہے یعنی ”سات لمبی سورتیں“۔ یہ سات سورتیں مشہور قول کے مطابق مندرجہ ذیل ہیں (1) البقرة (2) آل عمران (3) النساء (4) المائدة (5) الانعام (6) الاعراف (7) الانفال اور التوبة (دونوں ملا کر) واللہ اعلم۔ اس کے بعد وہ سورتیں ہیں جن کی کم و بیش سو سو آیات ہیں۔ یہ سورۃ یونس سے سورۃ فاطر تک ہیں۔ ان کو اصطلاح میں ”مِئَتَيْنِ“ کہا جاتا ہے۔ ان سورتوں کے بعد ”مِثْلَانِ“ ہیں، جن میں مضامین دہرا دہرا کر بیان کیے گئے ہیں۔ یہ سورۃ یس سے سورۃ فتح تک ہیں (ایک قول کے مطابق ”مِئَتَيْنِ“ میں سے الحج، النور، الفرقان، العنکبوت اور الروم مِثْلَانِ میں سے ہیں۔ واللہ اعلم) پھر قرآن مجید کے آخر میں وہ چھوٹی سورتیں آتی ہیں جن کو مُفَصَّلَاتُ یا مُفَصَّلَاتُ کہتے ہیں۔ ان کو مُفَصَّلَاتُ یا مُفَصَّلَاتُ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ سورتیں پورے قرآن مجید کا خلاصہ ہیں۔ ان مُفَصَّلَاتُ میں پھر تقسیم کی گئی ہے۔ حجرات سے نازعات تک، طَوَالُ مُفَصَّلَاتُ کہلاتی ہیں۔ عیسٰی سے اشمس تک اَوْسَاطُ مُفَصَّلَاتُ کہلاتی ہیں اور الضحٰی سے الناس تک قِصَارُ مُفَصَّلَاتُ کہلاتی ہیں۔ سورتوں کی یہی ترتیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں بھی بیان ہوئی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ترتیب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اختیار کردہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے تورات کے بدلے السبع الطوال، زبور کے بدلے مئین اور انجیل کی جگہ مثنائی عطا کی گئی ہیں اور جو مجھے بطور فضیلت ملا وہ مُفَصَّلَاتُ ہیں۔“ (مسند احمد جلد ۴، ص: ۱۰۷)۔ سورتوں کی اس تقسیم کے علاوہ مُسَبِّحَاتُ ان سورتوں کو کہتے ہیں جن کی ابتداء لفظ سُبْحَانَ، سَبِّحْ، یُسَبِّحْ یا سُبِّحْ سے ہوتی ہیں۔ یہ سات سورتیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں: (1) بنی اسرائیل (2) الحديد (3) الحشر (4) الصف (5) الجمعة (6) التغابن (7) الاعلیٰ۔

مولانا امین احسن اصلاحی ”قرآن کے مجموعی نظام کا ظاہری پہلو“ کے تحت فرماتے ہیں:

”اگر آپ سورتوں کی اس ترتیب پر ایک نظر ڈالیں، جس ترتیب سے وہ مصحف میں ہیں تو ایک چیز آپ کو بالکل صاف نظر آئے گی کہ قرآن میں مکی اور مدنی سورتوں کے ملے جلے سات گروپ بن گئے ہیں جن میں سے ہر گروپ ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتوں پر تمام ہوتا ہے۔ ہر گروپ میں پہلے مکی سورتیں ہیں۔ ان کے بعد مدنی سورتیں ہیں۔ پہلا گروپ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے، ماندہ پر ختم ہوتا ہے۔ اس گروپ میں فاتحہ کی ہے باقی چار مدنی ہیں۔ دوسرا گروپ انعام اور اعراف دو مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور انفال و توبہ دو مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔ تیسرے گروپ میں پہلے 14 سورتیں یونس تا مومنون مکی ہیں۔ آخر میں سورہ نور ہے جو مدنی ہے۔ اس گروپ کی دو سورتوں رعد اور حج کو بعض لوگوں نے مدنیات میں شمار کیا ہے لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اس مسئلے پر ہم مذکورہ سورتوں کی تفسیر میں بحث کریں گے۔ چوتھا گروپ فرقان سے شروع ہوتا ہے، احزاب پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں 8 سورتیں مکی ہیں۔ آخر میں ایک احزاب مدنی ہے۔ پانچواں گروپ سبا سے شروع ہوتا ہے، حجرات پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں 13 سورتیں مکی ہیں۔ آخری تین مدنی ہیں۔ چھٹا گروپ ق سے شروع ہو کر تحریم پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں پہلے سات مکی ہیں اس کے بعد دس مدنی۔ اس گروپ میں بعض لوگوں نے سورہ رحمان کو مدنی قرار دیا ہے لیکن ہم سورہ کی تفسیر میں واضح کریں گے کہ یہ خیال بے بنیاد ہے۔ ساتواں گروپ ملک سے شروع ہو کر الناس پر ختم ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس میں بھی مکیات اور مدنیات کی ترتیب اسی طرح ہے جس طرح دوسرے گروپوں میں ہے لیکن اس کی سورہ دہر اور آخری بعض سورتوں کے بارے میں چونکہ اختلافات ہیں اس وجہ سے ان پر بھی ہم ان سورتوں کی تفسیر ہی میں بحث کریں گے۔

سورتوں کی یہ ترتیب، ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اتفاقی نہیں بلکہ توفیقی ہے۔ یہ وہ ترتیب ہے جس ترتیب پر قرآن لوح محفوظ میں ہے۔ یہی ترتیب ہے جس پر نبی ﷺ اور حضرت جبریل امین، جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے، ہر رمضان میں قرآن مجید کا مذاکرہ فرماتے تھے۔ اسی ترتیب کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم بھی رمضان میں قرآن مجید سنتے سنا تے تھے۔ اور اسی ترتیب کے مطابق سیدنا عثمان غنیؓ نے مصحف کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں۔ اس وجہ سے یہ ترتیب حکمت سے خالی نہیں ہو سکتی۔“ (تذکر قرآن، ج ۱، ص: ۲۵)

## آیہ

### (ج: آیات)

مولانا مودودی لفظ آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آیت کے اصل معنی اس نشانی یا علامت کے ہیں جو کسی چیز کی طرف رہنمائی کرے۔ قرآن میں یہ لفظ چار مختلف معنوں میں آیا ہے۔

(1) کہیں اس سے مراد محض علامت یا نشانی ہی ہے۔

(2) کہیں آثارِ کائنات کو اللہ کی آیات کہا گیا ہے، کیونکہ مظاہر قدرت میں سے ہر چیز اُس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو اس ظاہری پردے کے پیچھے مستور

ہے۔

(3) کہیں ان معجزات کو آیات کہا گیا ہے جو انبیاء علیہم السلام لے کر آتے تھے، کیونکہ یہ معجزے دراصل اس بات کی علامت ہوتے تھے کہ یہ لوگ فرمانروائے کائنات کے نمائندے ہیں۔

(4) کہیں کتاب اللہ کے فقرات کو آیات کہا گیا ہے، کیونکہ وہ نہ صرف حق اور صداقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، بلکہ فی الحقیقت اللہ کی طرف سے جو کتاب بھی آتی ہے، اس کے محض مضامین ہی میں نہیں، اس کے الفاظ اور اندازِ بیان اور طرزِ عبارت تک میں اس کے جلیل القدر مصنف کی شخصیت کے آثار نمایاں طور پر محسوس ہوتے ہیں۔

ہر جگہ عبارت کے سیاق و سباق سے باسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ کہاں ”آیت“ کا لفظ کس معنی میں آیا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص: ۶۹)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## سورة الفاتحة

آیت: 1-2

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝﴾

ح م د

## معانی

محسن کی تعریف کرنا۔ اُس کے فضائل بیان کرنا بشرطیکہ وہ افعال اختیاری ہوں۔ (نوٹ: حمد کی مزید تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں)۔

(باب) مصدر اسم

(س) حَمْدًا

ج: حَامِدُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ حمد کرنے والا۔ ﴿الْحَامِدُونَ الْعَبْدُونَ الْحَمْدُونَ﴾ (9/التوبہ: 112) ”توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے۔“

حَامِدٌ

اسم المفعول ہے۔ حمد کیا ہوا یعنی جس کی تعریف کی گئی۔ ﴿عَلَيْكَ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْجُودًا﴾ (17/بنی اسرائیل: 79) ”قریب ہے کہ آپ ﷺ کو پہنچادے، آپ ﷺ کا رب، حمد کئے ہوئے مقام پر۔“ محسن کی کثرت سے حمد کرنا۔

مَحْجُودٌ

(تفعیل) تَحْمِيدًا

مُحَمَّدٌ

اسم المفعول ہے۔ اَلْمُحَمَّدُ هُوَ الَّذِي حَمِدَ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ۔ حمد وہ ہے جس کی بار بار تعریف کی گئی ہو۔ کثرت سے حمد کیا ہوا۔ حضور ﷺ کا نام مبارک۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں ”جس کی تعریف کی جائے اُسے محمود کہا جاتا ہے۔ مگر مُحَمَّدٌ صرف اسی کو کہہ سکتے ہیں جو بکثرت قابل ستائش خصلتیں رکھتا ہو۔“ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ط﴾ (48/الفتح: 29) ”محمد اللہ کے رسول ہیں۔“ (نوٹ: محمد کی مزید تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں)

افعل تفضیل ہے۔ دوسروں کی بنسبت زیادہ (تفضیل بعض) یا سب سے زیادہ (تفضیل کل) حمد کرنے والا۔ حضور ﷺ کا نام مبارک۔ جب حضور ﷺ کے لیے یہ نام استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں اَلْحَامِدِیْنَ لِرَبِّہِ یعنی تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر اپنے رب کی حمد کرنے والا۔ ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ط﴾ (61/الصف: 6) ”اور بشارت دینے والا ایک رسول کی، وہ آئیں گے میرے بعد، ان کا نام احمد ہوگا۔“

أَحْمَدٌ

فَعِيلٌ کا وزن اسم المفعول کے معنی میں یعنی مَحْمُودٌ۔ ہمیشہ ہمیشہ سے حمد کیا ہوا۔ وہ ذات جو حمد کی مستحق ہے کوئی حمد کرے یا نہ کرے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں ”حمید کا لفظ اگرچہ محمود ہی کا ہم معنی ہے، مگر دونوں لفظوں میں ایک لطیف فرق ہے۔ محمود کسی شخص کو اُسی وقت کہیں گے جبکہ اس کی تعریف کی گئی ہو یا کی جاتی ہو۔ مگر حمید آپ سے حمد کا مستحق ہے، خواہ کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔“ (تفہیم القرآن، جلد 2، صفحہ 469) ﴿أَنَّ اللَّهَ عَزَّيَّ حَمِيدٌ ط﴾ (2/البقرہ: 267) ”بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے حمید ہے۔“

حَمِيدٌ

نوٹ: حَمْدٌ

حمد کہتے ہیں کسی کے اوصاف حمیدہ اور فضائل کے بیان کرنے کو بشرطیکہ وہ افعال اختیاری ہوں۔ حمد کا مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ عربی ہی کے دو اور الفاظ ”مدح“ اور ”شکر“ کے مفہوم کو پہلے سمجھا جائے۔ حمد، مدح سے خاص اور شکر سے عام اور زیادہ وسیع ہے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔ مدح (تعریف کرنا) ان افعال پر بھی ہوتی ہے جو انسان اختیاری طور پر کرتا ہے اور ان خوبیوں پر بھی جو انسان میں پیداؤشی طور پر موجود ہوں جن پر اس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص سخی ہے اور سخاوت کرتا ہے تو یہ اس کا اختیاری فعل ہے چنانچہ اس پر جو تعریف کی جائے گی وہ مدح بھی ہے اور

حمد بھی۔ اگر یہی شخص خوبصورت ہے اور دراز قامت بھی تو اس پر بھی اس کی تعریف کی جائے گی لیکن یہ تعریف مدح کہلائے گی کہ نہ اس کی تعریف کی جائے گی کیونکہ حمد اختیاری افعال پر ہوتی ہے۔ چنانچہ ”ہر حمد تو مدح ہے لیکن ہر مدح، حمد نہیں“ (مفردات)۔ لہذا جیسے پہلے عرض کیا کہ ”حمد، مدح سے خاص ہے۔“ اللہ تعالیٰ کے لیے مدح کا لفظ غیر موزوں ہے کیونکہ اللہ کے سب افعال پسندیدہ بھی ہیں اور اختیاری بھی اور مدح کا لفظ قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا۔ حمد کا لفظ صرف اچھی صفات بیان کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اگر کسی کی بری صفات بیان کی جائیں گی تو حمد نہ ہوگی۔ شکر کسی کے احسانات و انعامات کی وجہ سے اس کی تعریف کو کہتے ہیں۔ اس کی ضد کفر ہے۔ کوئی چیز جتنی عیب و نقص سے پاک ہوگی اس کی اتنی ہی تعریف کی جائے گی اور اگر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ وہ چیز ہمارے فائدے کے لیے ہے تو جو جذبہ پیدا ہوگا وہ شکر ہے اس شکر کے جذبے کے ساتھ جو تعریف کی جائے گی وہ حمد ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھوک میں کھلاتا ہے اور پیاس میں پلاتا ہے تو ان نعمتوں کا احساس اور اظہار شکر ہے۔ اور اس شکر کے جذبے سے اللہ تعالیٰ کی جو تعریف کی جائے گی وہ حمد ہے۔ لیکن اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا نظام کس خوبی سے چلا رہا ہے تو یہ صرف ”حمد“ ہوگی۔ اس لیے شروع میں عرض کیا کہ حمد، شکر سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتی ہے۔ لہذا ”ہر شکر تو حمد ہے مگر ہر حمد، شکر نہیں“ (مفردات)۔ شکر اور حمد کے باہمی تعلق پر مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں: ”استعمالات کے لحاظ سے اگرچہ حمد کا لفظ شکر کے مقابل میں زیادہ وسیع ہے، شکر کا لفظ صرف انہی خوبیوں اور انہی کمالات کے اعتراف کے موقع پر بولا جاتا ہے جن کا فیض آدمی کو خود پہنچ رہا ہو، برعکس اس کے ”حمد“ ہر قسم کی خوبیوں اور ہر قسم کے کمالات کے اعتراف کے لیے عام ہے خواہ اُن کا کوئی فیض خود حمد کرنے والے کی ذات کو پہنچ رہا ہو یا نہ پہنچ رہا ہو، تاہم شکر کا مفہوم اس لفظ کا جزو غالب ہے۔ اس وجہ سے اس کے ترجمہ کا پورا پورا حق ادا کرنے کے لیے یا تو تعریف کے لفظ کے ساتھ ”شکر“ کا لفظ بھی ملانا ہوگا یا پھر شکر ہی کے لفظ سے اُس کی تعبیر کرنا زیادہ مناسب رہے گا۔“ (تذکرہ قرآن، ج ۱، ص ۵۶)۔ ”قرآن مجید میں الْحَمْدُ لِلّٰہ کے استعمالات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ عموماً شکر ادا کرنے کے لیے آیا ہے، مثلاً ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا﴾ (7/ الاعراف: 43) ”انہوں نے کہا، شکر کا سزاوار ہے اللہ جس نے ہمیں ہدایت بخشی۔“ اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلٰی الْکِبَرِ الْسُّبْحٰنَ﴾ (14/ ابراہیم: 39) ”شکر ہے اللہ کے لیے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔“ شاہ عبدالقادر، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا فتح محمد اور شیخ الہند نے یہاں اَلْحَمْدُ کا ترجمہ ”شکر“ کیا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے سورۃ فاتحہ کے حاشیہ میں لکھا ہے ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ الشُّکْرُ لِلّٰہ“ (ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کے معنی ہیں، شکر اللہ کے لیے) امام ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہ“ کے معنی ہیں شکر خالص اللہ جل شأہ کے لیے.....“ (تفسیر طبری جلد اول) امام رازیؒ کا ارشاد ہے ”حمد نعمتوں پر ہوتی ہے۔“ (تفسیر کبیر، جلد اول۔ بحوالہ فی ظلال القرآن، جلد اول، صفحہ 70)

**نوٹ: مُحَمَّدٌ** مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ”مُحَمَّدٌ، لفظی معنی ہیں وہ شخص جس کی مدح بہت یا بار بار کی جائے یا جو صفات حسنہ کا مجموعہ ہو۔ یُقَالُ فَلَانٌ مُّحَمَّدٌ اِذَا کَثُرَتْ خِصَالُهُ الْمَحْمُودَةُ (راغب)۔ اسم علم ہے، ہمارے رسول ﷺ اور دنیا کے آخری نبی کا۔ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل اس نام کا رواج بہت کم تھا۔ علامہ ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادی المتوفی ۲۴۵ھ نے کل سات آدمی اس نام کے گنائے ہیں (کتاب المعیر صفحہ 130) اور ان میں سے ایک محمد بن سفیان بن جاشع کی بابت تو یہ کہا ہے کہ اُن کے والد نے ایک شامی راہب سے یہی سن کر کہ آئندہ پیغمبر کا نام محمد ہوگا اپنے لڑکے کا یہی نام رکھ دیا۔“ (بحوالہ تفسیر ماجدی صفحہ 191)

**ترکیب** الحمد میں ”ال“ استغراق کا ہے یعنی اشارہ جنس اسم اور اس کی تمام قسموں کی طرف ہے یعنی حمد کی جتنی بھی صورتیں ممکن ہیں وہ سب اس لفظ میں شامل ہیں اس لیے الحمد کا ترجمہ ہوگا تمام حمد۔ اُردو زبان میں حمد کا مفہوم ادا کرنے کے لیے کوئی مناسب لفظ نہیں ہے اس لیے بہتر ہے کہ حمد کا ترجمہ حمد ہی سے کیا جائے البتہ ہمارے بزرگوں نے ہمیں اس لفظ کا مفہوم سمجھانے کے لیے اُردو زبان میں اس لفظ سے قریب ترین الفاظ کے ساتھ ترجمہ کیا ہے مثلاً ”سب تعریفیں“ ”ساری تعریف“ ”شکر کا سزاوار“۔ اَلْحَمْدُ مبتداء ہے اس کی خبر ثابِت (ثابت ہے) یا وَاِجِبْ (واجب ہے) محذوف ہے۔ لِلّٰہ مرکب جاری ہے اور قائم مقام خبر ہے۔

لِلّٰہ	اَلْحَمْدُ	ترجمہ
اللہ کے لئے ہے	تمام حمد	

نوٹ: 1

قرآن مجید میں سورتوں کے نام مرکب اضافی کی ترکیب میں لکھے ہیں۔ چنانچہ سُورَةُ الْفَاتِحَةِ بھی مرکب اضافی ہے۔ فَتَحَ سے اسم الفاعل واحد مونث فَاتِحَةٌ بنتا ہے۔ اس لئے اس کا لفظی ترجمہ ہوگا ”کھولنے والی کی سورۃ“، لیکن اردو محاورہ کے لحاظ سے ہم کہیں گے ”کھولنے والی سورۃ“۔

نوٹ: 2

الف لام کی اقسام: الف لام کی دو قسمیں ہیں: (1) اسی (2) حرفی

(1) الف لام اسی: الف لام اسی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے اور یہ الّٰذِی اسم موصول کے معنی میں ہوتا ہے اور اس کا صلہ وہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہوتا ہے جس پر وہ داخل ہوتا ہے۔ مثلاً ضَارِبٌ اسم الفاعل ہے اس پر اُلْ داخل کریں گے تَوَالِضَّارِبُ بنتا ہے اور یہ اُلْ، الّٰذِی کے معنوں میں ہے چنانچہ مطلب ہوگا الّٰذِی یَضْرِبُ۔ وہ جو مارتا ہے/ مارے گا۔ مَضْرُوبٌ اسم المفعول ہے اس پر اُلْ داخل کریں گے تَوَالِضَّوْبُ بنتا ہے اور یہ اُلْ، الّٰذِی کے معنوں میں ہے چنانچہ مطلب ہوگا الّٰذِی یُضْرَبُ وہ جسے مارا جاتا ہے/ مارا جائے گا۔ قرآن مجید کی سورۃ مائدہ آیت 38 میں فرمایا وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا السَّارِقُ کا مطلب ہے الّٰذِی یَسْرِقُ اور السَّارِقَةُ کا مطلب ہے الّٰثِی تَسْرِقُ۔

(2) الف لام حرفی: الف لام حرفی وہ ہوتا ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے علاوہ کسی اور اسم پر داخل ہو۔

الف لام حرفی کی پھر دو قسمیں ہیں (ا) زائدہ (ب) غیر زائدہ۔

زائدہ کی تعریف: الف لام حرفی زائدہ وہ ہوتا ہے جس کے گرانے سے معنی فاسد نہ ہو یا بعنوان دیگر جس کے آنے کا فائدہ نہ ہو اور جانے کا نقصان نہ ہو۔

غیر زائدہ کی تعریف: الف لام غیر زائدہ وہ ہوتا ہے جس کے آنے کا فائدہ ہو اور جانے کا نقصان ہو۔

پھر غیر زائدہ کی چار قسمیں ہیں: (1) جنسی (2) استغراقی (3) عہد خارجی (4) عہد ذہنی۔

الف لام کے مدخول (یعنی جس لفظ پر اُلْ داخل ہو) سے ماہیت (یعنی حقیقت، کیفیت) مراد ہوگی یا افراد، اگر ماہیت مراد ہو تو یہ الف لام جنسی ہوگا جیسے اَلرَّجُلُ حَیْثُ مِنَ الْمَرْأَةِ (جنس مرد بہتر ہے جنس عورت سے) یہاں یہ معنی نہیں کہ افراد رجل، افراد مرأة سے بہتر ہیں۔ کیونکہ بہت سے افراد عورتوں کے مردوں کے افراد سے بہتر ہوتے ہیں جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ۔ اگر افراد مراد ہوں تو دو حال سے خالی نہیں تمام افراد مراد ہوں گے یا بعض، اگر تمام افراد مراد ہوں تو اس کو استغراقی کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ لَکَفِیْۡرٌ (بے شک تمام انسان خسارے میں ہیں)۔ یہاں پر الف لام جو انسان پر داخل ہے استغراقی ہے یعنی اشارہ جنس انسان کے تمام افراد، مرد ہوں یا عورت، سب کی طرف ہے۔ اگر الف لام کے مدخول سے بعض افراد مراد ہیں تو پھر یہ دو حال سے خالی نہ ہوگا وہ بعض افراد خارج میں متعین ہوں گے یا غیر متعین۔ اگر متعین ہوں تو اس کو الف لام عہد خارجی کہتے ہیں اور اگر غیر متعین ہوں تو اس کو الف لام عہد ذہنی کہتے ہیں اول کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَحَصٰی فِرْعَوْنَ الرَّسُوْلُ (پس فرعون نے رسول کی نافرمانی کی) اس مثال میں الرَّسُوْلُ سے مراد وہ متعین رسول ہیں جس کا ذکر پہلے اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَہٰدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا میں آچکا ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔ ثانی کی مثال، وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَہُ الدِّثْبُ (پس مجھے خوف ہے کہ کھا جائے گا اس کو بھیڑ یا)۔ یہاں ذئب سے خارج میں کوئی متعین بھیڑ یا مراد نہیں بلکہ کوئی بھیڑ یا مراد ہے۔

فائدہ: (1) الف لام عہد ذہنی کا مدخول نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے معرفہ نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اس کو مبتدا بنانا بھی درست نہ ہوگا۔

فائدہ: (2) جو ’اُلْ اسمِ علم پر داخل ہو وہ زائد ہوتا ہے کیونکہ اسم علم خود ہی معرفہ ہے۔ لیکن ہر ایک اسم علم پر اُلْ نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ اہل زبان نے جہاں لگایا ہے وہیں لگے گا: الحسن، الخلیل، الفضل، العباس، النعمان، الحارث کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اہل زبان سے ایسا سنا گیا ہے مگر المحمود نہیں کہا جاتا۔

اکثر ملکوں کے نام پر اُلْ زائدہ لگایا جاتا ہے: الشّام، الرّوم، الہند، الباکستان، العرب، الیمن، الفرنسا وغیرہ لیکن شہروں کے نام پر بہت کم اُلْ آتا ہے۔ مکہ، مصر، بغداد، لاہور وغیرہ پر اُلْ داخل نہیں ہوتا۔ البتہ المدینہ پر اُلْ لگایا جاتا ہے کیونکہ مدینۃ تو ہر ایک بڑے شہر کو کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح القاہرہ پر بھی لام تعریف داخل ہوتا ہے۔

نوٹ: 3:

اوپر بات ہوئی ہے کہ اَلْحَمْدُ کی خبر محذوف ہے۔ اس ضمن میں بات سمجھ لیں کہ ہر زبان میں کسی جملے میں سے کچھ الفاظ حذف کر دینے کا رواج ہے مثلاً گھر کی گھنٹی بجے تو ہم کہتے ہیں ”کون ہے؟“۔ یہاں لفظ ”آیا“ محذوف ہے۔ پورا جملہ ہے ”کون آیا ہے؟“ کسی کو جاتا دیکھ کر ہم کہتے ہیں کہاں؟ اس میں الفاظ ”جار ہے“ محذوف ہے۔ اسی طرح عربی میں بھی اور قرآن مجید میں بھی محذوفات ملیں گے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جہاں جی چاہے اور جو جی چاہے محذوف مان لیا جائے۔ محذوفات کا فیصلہ زبان کے محاورہ اور جملہ کے سیاق و سباق کے پیش نظر کیا جاتا ہے۔

نوٹ: 4:

عربی میں مرکب جاری اور ظرف، جملہ اسمیہ میں متعلق خبر بن کر آتے ہیں یعنی خبر کی وضاحت اور تشریح کرتے ہیں لیکن خود خبر نہیں بنتے۔ جملہ میں خبر اگر محذوف ہو تو پھر یہ قائم مقام خبر کہلاتے ہیں۔ مثلاً اَلرَّجُلُ مَوْجُودٌ فِي الْبَيْتِ میں فِي الْبَيْتِ متعلق خبر ہے۔ اور اَلرَّجُلُ فِي الْبَيْتِ میں فِي الْبَيْتِ قائم مقام خبر ہے۔

ر ب ب

(ن)

رَبَّكَ

اس لفظ میں دو مفہوم پائے جاتے ہیں: (1) مالک ہونا۔ (2) تربیت کرنا، پرورش کرنا۔ صاحبِ ضیاء القرآن فرماتے ہیں ”رب مصدر ہے اس کا معنی ہے تربیت اور تربیت عربی میں کہتے ہیں تَبْلِيغُ الشَّيْءِ إِلَى كَمَا لَهُ بِحَسَبِ اسْتِعْدَادِهِ الْأَزْيُ شَيْئًا فَشَيْئًا (روح المعانی) کسی چیز کو اس کی ازلی استعداد و فطری صلاحیت کے مطابق آہستہ آہستہ مرتبہ کمال تک پہنچانا۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۲۲)۔ امام راغب فرماتے ہیں: ”هُوَ اِنْشَاءُ الشَّيْءِ حَالًا فَحَالًا إِلَى حَدِّ التَّكْمَلِ یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے ایک حالت سے دوسری حالت میں اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ حد کمال تک پہنچ جائے۔“ (بحوالہ لغات القرآن، ج ۳، ص ۴۵)

رَبُّ

ج: اَرْبَابٌ۔ تربیت کرنے والا، پرورش کرنے والا، پالنے والا، پروردگار۔ (یہ مصدر ہے لیکن بطور اسم الفاعل بھی استعمال ہوتا ہے)۔ کسی چیز کو آہستہ آہستہ درجہ کمال تک پہنچانے والا اور اُس کی تمام ضروریات کا خیال رکھنے والا۔ اس تربیت میں محبت، حفاظت اور نگہداشت کا عنصر موجود ہوتا ہے جیسے ماں باپ کا بچے کو پالنا۔ رَبُّ اِضافت اور لام تعریف کے بغیر ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اِضافت کے ساتھ اللہ اور دوسروں پر بھی بولا جاتا ہے اور اس صورت میں عام طور پر ”مالک، آقا“ کے معنی دیتا ہے۔ جیسے رَبُّ الْعَالَمِينَ (تمام جہانوں کا پالنے والا یا تمام جہانوں کا مالک) اور رَبُّ الدَّارِ (گھر کا مالک)۔ قرآن مجید میں آتا ہے ﴿قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّكَ رِجْئٌ أَحْسَنَ مَنَوَايَ ط﴾ (12/ یوسف: 23) ”یوسف (پاکباز) نے فرمایا خدا کی پناہ! (یوں نہیں ہو سکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن) اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادی فرماتے ہیں: ”إِنَّكَ میں ضمیر زلیخا کے شوہر عزیز مصر کی جانب ہے۔ رِجْئٌ۔ لفظ رب ظاہر ہے کہ یہاں خالق و پروردگار کے معنی میں نہیں دنیوی مالک اور آقائے مجازی کے معنی ہی میں ہے۔“ اور فرمایا: ﴿وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ ط فَاَنسَلَهُ الشَّيْطَانُ يَذْكُرْ رَبَّهُ ط﴾ (12/ یوسف: 42) ”اور کہا یوسف نے اُسے جس کے بارے میں اُن کو یقین تھا کہ وہ نجات پا جائے گا اُن دونوں میں سے کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا۔ مگر شیطان نے اسے ایسا غفلت میں ڈالا کہ وہ اپنے آقا سے اس کا ذکر کرنا بھول گیا۔“ اس آیت کی تفسیر میں مولانا عبدالماجد دریا بادی فرماتے ہیں ”عِنْدَ رَبِّكَ یعنی اپنے آقا بادشاہ ملک سے..... بعض جدید اہل قلم نے بادشاہ کے لیے ایک پیغمبر کی زبان سے لفظ رب کے ادا ہونے پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ جب لفظ کے کھلے ہوئے معنی علاوہ خالق پروردگار کے آقا و مالک کے بھی موجود ہیں تو اس کے استعمال پر یہ اظہار حیرت خود حیرت انگیز ہے۔ پیغمبرِ حق کے ترجمان ہوتے ہیں ان کی زبان آجکل کے اخبار نویسوں، پر جوش خطیبوں اور سیاسی لیڈروں کی زبان نہیں ہوتی۔ مالک و آقا کی تعبیر لفظ رب سے کرنا زبان عرب میں عام ہے۔“

رَبَّانِیُّ

ج: رَبَّانِیُّونَ۔ اسم نسبت ہے۔ رب والا۔ اللہ والا۔ رَبَّانِیُّ میں ’الف‘ اور ’ن‘ کا اضافہ مبالغے کے لیے ہے یعنی بالکل اللہ والا۔ پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”رَبَّانِیُّ“ رب کی طرف منسوب ہے اس نسبت کی وجہ سے اسے رَبَّیُّ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن بسا اوقات مبالغہ کے لیے الف نون کا اضافہ کر دیا کرتے ہیں۔ مثلاً (لِحَیۃً بمعنی داڑھی سے) جس کی بڑی گھنی داڑھی ہو اُسے باضافہ الف نون لِحَیۃً اور (رَقَبۃً بمعنی گردن سے) جس کی گردن بہت فربہ ہو اُسے باضافہ الف نون رَقَبۃً کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہوگا بالکل اللہ والا۔ مبرد نے اس کا ایک دوسرا ماخذ بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ زبان کی جمع ہے جو رَبَّہُ یَرْبُوہُ فَہُوَ رَبَّانٌ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے تربیت نفوس، اصلاح احوال اور تدبیر امور کرنے والا۔ اب رَبَّانِیُّ کا معنی ہوگا نوع انسانی کی صحیح تربیت اور ان کی اصلاح کرنے والا۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۲۴۷، تلخیصاً) ﴿لَوْ لَا یُنۡہٰہُمُ الرَّبُّنِیُّونَ﴾ (5/ المائدہ: 63) ”کیوں نہیں منع کرتے ان کو اللہ والے لوگ۔“

رَبِّیُّونَ

اس کی واحد رَبِّیُّ ہے۔ مراد ہے اللہ والے یا جماعتیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”رب کی طرف منسوب ہے جیسے رَبَّانِیُّ، معنی ہیں رب والے۔ اس میں حرف را مفتوح کی بجائے مکسور خلاف قیاس ہوا ہے (روح)۔ بعض حضرات نے اس کے معنی بہت سی جماعتوں کے کیے ہیں ان کے نزدیک یہ رَبَّہُ بکسر را بمعنی الجماعۃ کی طرف منسوب ہے۔“ (معارف القرآن، جلد 2، صفحہ 200)۔ اور پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”رَبِّیُّونَ کی ر پر تینوں حرکتیں آسکتی ہیں۔ زخمشری نے تو اس کا معنی رب والے ہی کیا ہے۔ اَلرَّبِّیُّونَ: اَلرَّبَّانِیُّونَ (کشاف)۔ لیکن علامہ قرطبی نے اس کا دوسرا معنی انبوہ کثیر بھی لکھا ہے اَلرَّبِّیُّونَ: اَلْجَمَاعَةُ الْکَثِیْرَةُ۔ اس صورت میں اس کا واحد رَبِّیُّ ہے اور رَبَّہُ بمعنی جماعت کی طرف منسوب ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد 1، صفحہ 281)۔ ﴿وَمَا یُنۡہٰہُمُ الرَّبُّنِیُّونَ﴾ (3/ آل عمران: 146) ”اور کتنے ہی نبی گزرے ہیں کہ جہاد کیا ان کے ہمراہ بہت سے اللہ والوں نے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

رَبِّیۡبَۃً

ج: رَبَّابٌ۔ زیر تربیت سوتیلی بیٹی۔ ﴿وَرَبَّابُکُمُ الَّذِیۡنَ فِیۡ حُجُوۡرِکُمُ﴾ (4/ النساء: 23) ”اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں ہیں۔“

رُبَّکَا

یہ حرف جر رُبٌّ اور رُبَّکَا کا فہ سے مرکب ہے۔ حرف جر رُبٌّ، تشدید اور تخفیف (رُبٌّ) دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ رُبٌّ اسم پر داخل ہوتا ہے اور رُبَّکَا فعل پر بھی داخل ہو جاتا ہے۔ سیاق کلام کے مطابق رُبَّکَا کسی چیز کی کثرت یا قلت کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی تکثیر کے اعتبار سے اس کا ترجمہ ”بہت زیادہ“ یا ”بار بار“ کیا جاتا ہے اور تقلیل کے اعتبار سے اس کا ترجمہ ”کبھی“ کیا جاتا ہے۔ ویسے کلام عرب میں یہ کافی استعمال ہوتا ہے لیکن قرآن مجید میں صرف سورۃ الحج کی آیت 2 میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿رُبَّکَا یَکُوۡدُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوْ کَانُوۡا مُسْلِمِیۡنَ ۝۱۵﴾ (15/ الحج: 2) ”کافر بار بار تمنا کریں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے۔“ (ترجمہ مابدئی) ”(عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد) بہت آرزو کریں گے کفار کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت میں رُبَّکَا کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبدالمجید دریا بادی فرماتے ہیں: ”رُبَّکَا۔ یہ کلمات حسرت کی تکرار شاید اس لیے کہ جب جب کوئی نئی شدت واقع ہوگی، اور ساتھ ہی محسوس ہو گا کہ اس کی علت کفر ہی ہے، تو یہ حسرت ہر دفعہ تازہ ہو جائے گی۔“ (تفسیر مابدئی، ص ۵۶۹)

ع ل م

ج: اَعْلَامٌ۔ نشان۔ جھنڈا۔ اونچا پہاڑ۔ محل۔ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ﴾ (42/ الشوری: 32)  
 ”اور اس کی نشانیوں میں سے جہاز ہیں سمندر میں اونچے پہاڑوں کی مانند۔“

ج: عَلَامَاتٌ۔ نشان۔ علامت۔ ﴿وَعَلَّمَتْهُ وَالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ﴾ (16/ النحل: 16) ”اور علامتیں بھی (بنائیں) اور ستاروں سے بھی (لوگ) راہ پاتے رہتے ہیں۔“ (ترجمہ ماجدی)

ج: عَالَمُونَ۔ فاعل اسم الآله کا ایک وزن ہے۔ پہچاننے کا ذریعہ۔ یہ عِلْمٌ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے نشانی، علامت، ایسی علامت اور نشانی جس سے کسی کی پہچان ہو۔ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی کارگیری کی علامت ہے جس سے ہم اُس کی پہچان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے کو عَالَمٌ کہتے ہیں۔ اس میں تمام مخلوق شامل ہے خواہ زمین پر ہو، آسمانوں میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک عَالَمٌ نام ہے اُس چیز کا جس کے ذریعے سے علم حاصل ہو۔ پھر ان چیزوں کے لیے استعمال ہونے لگا جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا علم حاصل ہو۔ جب اس کی جمع عالمین بولی جائے تو یہ اور بھی عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ قرآن مجید میں صرف جمع ہی استعمال ہوئی ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

حقیقت کو پہچان لینا۔ جاننا۔ ﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرِيقَهُمْ﴾ (2/ البقرة: 60) ”پہچان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ۔“ ﴿أَوْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ (2/ البقرة: 77) ”کیا وہ (یہ) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہی جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔“

اسم ذات بھی ہے۔ علم۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں ”علم“ ایسی باتیں/ حقائق کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے اپنے انبیاء و رسل کو دی ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَكِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ (2/ البقرة: 145) ”اور اگر (بفرض محال) آپ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم تو یقیناً آپ اس وقت ظالموں میں (شمار) ہوں گے۔“ (ترجمہ فیاء القرآن)۔ اسی طرح قرآن میں جہاں کہیں علم کی نفی آئی ہے، بالعموم وہاں مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی بات جس کی کوئی سند سابقہ انبیاء و رسل کی تعلیمات میں اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات یعنی قرآن و سنت میں موجود نہ ہو۔ جیسے فرمایا: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 36) ”کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو۔ جس کا تمہیں علم نہ ہو۔“ ﴿وَإِنْ جَاهِلْكَ عَلَى أَنْ تُنْشِرَكَ بِئِىَ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطْعَمُهُمَا﴾ (31/ لقمان: 15) ”اور اگر وہ تجھ پر باؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔“ یہ اور ایسے متعدد مقامات پر علم نہ ہونے کا مطلب ہے قرآن و سنت میں سند نہ ہونا۔

واضح رہے کہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر یہ لفظ اصطلاحی کے بجائے لغوی مفہوم میں بھی آیا ہے جیسے قارون کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي﴾ (28/ القصص: 78) ”تو اس نے کہا“ یہ سب کچھ تو مجھے اس علم کی بنا پر دیا گیا ہے، جو مجھ کو حاصل ہے۔“ یہاں علم کا مطلب ہے تجربہ، مہارت، ہنرمندی۔ کوئی اگر آیت کے سیاق و سباق کو نظر میں رکھے تو وہ آسانی سے تمیز کر سکتا ہے کہ کہاں یہ لفظ لغوی مفہوم میں آیا ہے۔ حضرت مولانا عبدالمجید دریابادیؒ فرماتے ہیں ”محاورہ قرآن میں علم سے مراد علم حقائق سے ہوتی ہے اور بے علمی سے مراد اس علم سے محرومی ہے۔ علم سے قرآن مجید میں کہیں بھی وہ چیزیں مراد نہیں لی ہیں جنہیں دنیا میں علوم و فنون کہا جاتا ہے۔“ (تفسیر ماجدی، صفحہ 929)  
 قرآن مجید کی ایک آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی عِلْمٌ بمعنی نشانی کہا گیا ہے ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَّمٌ لِلْسَاعَةِ﴾ (43/ الزخرف: 61) ”اور وہ (یعنی ابن مریم) دراصل قیامت کی ایک نشانی ہیں۔“



(1) مضارع کا واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ میں جانتا ہوں۔ ﴿قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (2/ البقرة: 30) ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں جانتا ہوں وہ جو تم نہیں جانتے۔“ ﴿وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾ (5/ المائدہ: 116) ”اور میں نہیں جانتا جو آپ کے جی میں ہے۔“

(2) فعل التفضیل میں واحد مذکر کا صیغہ ہے۔ کسی سے زیادہ یا سب سے زیادہ جاننے والا۔ ﴿قُلْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ﴾ (2/ البقرة: 140) ”آپؐ فرمائیے کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ۔“ ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ﴾ (68/ القلم: 7) ”بے شک آپؐ کا رب خوب جانتا ہے اُسے جو گمراہ ہوا اُس کے راستے سے۔“ اس صورت میں عام طور پر ’ب‘ کا صلہ آتا ہے۔ (واللہ اعلم)

ج: اَعْلَمُوا۔ فعل امر ہے۔ تو جان۔ ﴿وَأَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (2/ البقرة: 260) ”خوب اچھی طرح سے جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے۔“ ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ (2/ البقرة: 194) ”اور تقویٰ اختیار کرو اللہ تعالیٰ کا اور خوب اچھی طرح سے جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔“

ج: عَلِمُونَ۔ عالم۔ جاننے والا۔ ﴿عَلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ (6/ الانعام: 73) ”وہ ہر چھپی چیز اور ظاہر چیز کا جاننے والا ہے۔“ ﴿وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ (29/ العنکبوت: 43) ”اور ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔“

ج: عَلِمَاءُ۔ فعِلُّ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں جاننے والا۔ ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (2/ البقرة: 29) ”اور وہ ہر چیز کو ہمیشہ سے جاننے والا ہے۔“ ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (37/ فاطر: 28) ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔“ اَلْعَلِيمُ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ نوٹ: عَلَمَاءُ، قرآن مجید میں دو ہی مرتبہ استعمال ہوا ہے، الشعراء کی آیت 197 میں اور فاطر 28 میں۔ اور دونوں جگہ اس کا رسم الخط میم کے بعد واؤ کے ساتھ ہے جس پر ہمزہ ہے اور واؤ کے بعد الف بھی لکھا جاتا ہے یعنی عَلَمُوْا یہ اس کا مخصوص الماء ہے۔

فَعَالٌ مبالغہ کا وزن ہے۔ عَلَامٌ اسی وزن پر ہے۔ اس کے آگے مبالغہ لگا دیں تو عَلَامَةٌ بنتا ہے۔ مطلب ہے بہت زیادہ جاننے والا۔ ﴿إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ (5/ المائدہ: 109) ”بیشک تو غیب کا بہت زیادہ جاننے والا ہے۔“ اسم المفعول ہے۔ جس کو جانا گیا۔ جانا ہوا۔ معلوم۔ ﴿وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرِيَةٍ إِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ﴾ (15/ الحجر: 4) ”اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر یہ کہ اس کی (ہلاکت کا وقت) لکھا ہوا تھا جو معلوم تھا۔“ (ترجمہ فیضان القرآن) ج: مَعْلُومَاتٌ۔ مَعْلُومٌ کا مونث۔ ﴿الْحَبْجُ أَشْهَرُ مَعْلُومَاتٍ﴾ (2/ البقرة: 197) ”حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں۔“

رفتہ رفتہ تدریجاً علم دینا۔ سکھانا۔ ﴿الرَّحْمَنُ لَا عَلَّمَ الْقُرْآنَ﴾ (55/ الرحمن: 1-2) ”رحمن نے قرآن کا علم دیا۔“ اسم الفاعل ہے۔ علم سکھانے والا۔

اسم المفعول ہے۔ جس کو علم سکھایا گیا۔ ﴿ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلِّمٌ مِّجْنُونٌ﴾ (44/ الدخان: 14) ”پھر انہوں نے منہ پھیر لیا اس سے اور کہا سکھایا ہوا ہے، دیوانہ۔“

کوشش کر کے، محنت کر کے علم حاصل کرنا، سیکھنا۔ ﴿وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ (2/ البقرة: 102) ”اور وہ لوگ سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان دیتا ہے اور نفع نہیں دیتا۔“

(تفعیل)

تَعْلِمًا

(تفعیل)

تَعْلَمًا

ترکیب

رَبِّ الْعَالَمِينَ مرکب اضافی ہے اور اس کے مضاف ربِّ کی جرتا رہی ہے کہ یہ اللہ کی صفت یا بدل ہے۔ بدل ماننے سے ترجمہ

میں آسانی ہوگی۔ اسی طرح الرَّحْمَن اور الرَّحِيم کی جرتا رہی ہے کہ یہ بھی اللہ کی صفت یا بدل ہیں۔

ترجمہ	رَبِّ الْعَالَمِينَ	الرَّحْمَن	الرَّحِيم
	جو تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے	جو رحمن ہے	جو رحیم ہے

نوٹ-1

یہاں عالمین جمع کے صیغہ میں آنے کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عالم کا بھی رب ہے جسے ہم جانتے ہیں اور ان تمام عالموں کا بھی رب ہے جنہیں ہم نہیں جانتے۔

آیت: 3

﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾

م ل ک

(ض)

مَلِكًا

مالک ہونا۔ غالب ہونا۔ اختیار رکھنا۔ ﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا﴾ (7/ الاعراف: 188) ”آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں اختیار نہیں رکھتا اپنے نفس کے لئے کسی نفع کا اور نہ ہی کسی نقصان کا۔“

مَالِكٌ

اسم الفاعل ہے۔ مالک۔ غالب ہونے والا۔ اختیار رکھنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔

مَمْلُوكٌ

اسم المفعول ہے۔ غلام۔ وہ جو کسی کی ملکیت میں ہو۔ ﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا﴾ (16/ النحل: 75) ”بیان کی اللہ نے ایک مثال ایک غلام بندے کی۔“

مُلْكٌ

ملک۔ جس پر اختیار و اقتدار حاصل ہو۔ ﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ﴾ (3/ آل عمران: 26) ”آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے اللہ ملک کے مالک تو ملک دیتا ہے جس کو تو چاہتا ہے اور تو ملک چھین لیتا ہے جس سے تو چاہتا ہے۔“

مَلِكٌ

اختیار۔ ﴿قَالُوا مَآ أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا﴾ (20/ طہ: 87) ”انہوں نے جواب دیا ”ہم نے آپ سے وعدہ خلافی اپنے اختیار سے نہیں کی۔“

مِلْكٌ

ج: مَلُوكٌ۔ بادشاہ۔ ”عربی زبان میں مَلِكٌ ایسے شخص کو بھی کہہ دیا جاتا ہے جو آسودہ حال ہو، مکان، جائیداد، نوکر چاکر رکھتا ہو“ (معارف القرآن) ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهٖ﴾ (12/ یوسف: 54) ”اور بادشاہ نے کہا کہ اسے لے آؤ میرے پاس۔“ ﴿اِنَّ الْمُلُوكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا﴾ (27/ النحل: 34) ”بیشک بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی میں تو اس میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔“

مَلِيْكٌ

مَلِكٌ سے صفت کا صیغہ برائے مبالغہ ہے۔ بہت بڑا بادشاہ۔ ﴿فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ (54/ القمر: 55) ”سچی عزت کی جگہ، بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب۔“

مَلَائِكٌ، مَلَائِكَةٌ

ج: مَلَائِكَةٌ۔ فرشتہ۔ مَلَائِكَةٌ لفظ اَلْوَكَّةُ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں ”پیغام رسانی“ کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے مقبول بندوں تک پہنچانے کے لیے مامور ہیں اس لیے انہیں اس نام سے موسوم کیا گیا۔ (ضیاء القرآن)۔ مَلَائِكَةٌ میں ة تانیث الجمع کی ہے۔ ﴿قُلْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَايِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّي مَلِكٌ﴾ (6/ الانعام: 50) ”آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں نہیں جانتا غیب کو اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میں فرشتہ ہوں۔“ ﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ (2/ البقرة: 30) ”اور یاد کرو جب فرمایا تمہارے رب نے فرشتوں سے کہ بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب۔“

مَلَكُوتُ

مَلَكُوتُ سے انتہائی مبالغے کا صیغہ ہے۔ بادشاہت (یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے لئے مخصوص ہے اور اس لفظ میں مَلَكُوتُ (بادشاہی) اور مَلِكُ (ملکیت) دونوں مفہوم شامل ہیں) ﴿أَوْ لَعْنَةُ مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (7/ الاعراف: 185) ”تو کیا یہ لوگ نظر نہیں کرتے زمین اور آسمانوں کی بادشاہت میں۔“

يَوْمٌ

ج: اَيَّامٌ۔ بمعنی دن۔ غروب آفتاب سے لے کر اگلے دن کے غروب آفتاب تک کا وقت۔ لیل اور نہار کے وقت کا مجموعہ۔ ۲۴ گھنٹے۔ یَوْم کی یہ مدت انسان کے لیے ہے اور اس کا تصور بھی سورج اور زمین کی پیدائش کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے ورنہ اللہ کے ہاں یَوْم کی مدت ایک طویل دور ہے خواہ یہ دور ہمارے حساب سے ہزاروں سال تک پھیلا ہوا ہو۔ اسی لیے زمین و آسمان کی پیدائش کے سلسلہ میں جب یَوْم کا ذکر آئے گا تو اس سے مراد ایک طویل دور ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ﴾ (22/ الحج: 47) ”اور بے شک تمہارے رب کے نزدیک ایک یوم تمہارے حساب کی رُو سے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔“ اسی طرح یوم الدین یعنی جزا و سزا کا دن بھی ایک طویل دور ہوگا جس کی مدت احادیث میں پچاس ہزار سال بیان کی گئی ہے۔ اَلْيَوْم: بمعنی آج کا دن۔ اور اَلْيَوْم کے وقت کی مقدار نہار کے مطابق ہوگی یَوْم کے مطابق نہیں۔ یعنی اس سے مراد طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب کا وقت ہوگا۔ ظِلَّ الْيَوْم بمعنی آج سا رادن سایہ رہا (منجد)۔ اَلْيَوْم کا لفظ قرآن کریم میں بیشتر مقامات پر قیامت کے دن کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ یَوْمَئِذٍ: یَوْم کے بعد اِذ کے اضافہ سے یہ لفظ بنا ہے جو کسی معین زمانہ کی طرف اشارہ کے لیے آتا ہے۔ بمعنی اُس دن یا وہ دن۔ قرآن مجید میں یہ لفظ م کی زیر کے ساتھ یَوْمَئِذٍ بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: سورہ ہود، آیت 66۔

نوٹ: عربی زبان میں نعمتوں کو بھی اَيَّام کہا جاتا ہے اور اس سے مراد تاریخ کے وہ دن بھی ہوتے ہیں جن میں قوموں پر اللہ کی رحمت یا عذاب کے بڑے بڑے واقعات پیش آئے ہوں۔ ایام العرب سے مراد اہل عرب کی جنگیں ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ﴾ (14/ ابراہیم: 5) ”اور یاد دلاؤ انہیں اللہ تعالیٰ کے دن۔“ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”عربی میں نعمتوں کو بھی اَيَّام کہا جاتا ہے اور گزشتہ واقعات کو بھی۔ یہاں دونوں معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔“ اور مولانا عبدالمجید دریا بادی فرماتے ہیں: ”بِأَيَّامِ اللَّهِ یعنی جو بڑی بڑی نعمتیں قدرت کی طرف سے مختلف قوموں کو عطا ہوتی رہیں مثلاً حکومت و اقتدار یا جو بڑی بڑی مصیبتیں مختلف قوموں کو قدرت کی طرف سے پیش آتی رہیں۔ مثلاً وبا و قحط، محکومی و غلامی۔ غرض یہ کہ اَيَّام اللہ کے تحت میں ہر قسم کے اہم تاریخی واقعات آجاتے ہیں۔ اَيَّام کی اضافت اللہ کی جانب ان واقعات کی اہمیت پر دلالت کرنے کے لیے ہے۔“

د ی ن

دِينًا (ض)

مالک ہونا، حکم دینا، ذلیل کرنا / خدمت کرنا، فرماں برداری کرنا، ماتحت ہونا، قبول کرنا۔ (متضاد مفہوم ہے) ﴿وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ﴾ (9/ النور: 29) ”اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو۔“

دِينٌ

ج: اَدْيَانٌ۔ اسم ذات بھی ہی اور قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً: (1) بدلہ۔ جزا۔ بدلے سے مراد اس کے دونوں پہلو ہیں۔ نیک اعمال کا اچھا بدلہ اور برے اعمال کا برا بدلہ۔ آیت زیر مطالعہ اور ﴿وَمَا آذَنَّاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ﴾ (82/ الانطار: 17-18) ”اور تم کیا جانتے ہو کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟ ہاں! (بولو) تمہیں کیا خبر کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟“ ﴿يَوْمَئِذٍ يُؤْفِكُهُمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقِّ﴾ (24/ النور: 25) ”اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ حق و انصاف کے ساتھ دے گا۔“ (ترجمہ حسن البیان) (2) ضابطہ حیات یا دوسرے الفاظ میں

مذہب و شریعت۔ ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ (4/ النساء: 125) ”اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے پیشانی رکھی اللہ کے حکم پر اور نیک کاموں میں لگا ہوا ہے۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ﴿أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ﴾ (3/ آل عمران: 83) ”سو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ (کسی طریقہ کو) تلاش کر رہے ہیں۔“ (ترجمہ ماجدی) ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (3/ آل عمران: 85) ”اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔“ (ترجمہ ماجدی) (3) اطاعت اور فرمانبرداری۔ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ﴾ (39/ الزمر: 2) ”ہم نے تمہاری طرف کتاب اتاری ہے حق کے ساتھ تو اللہ ہی کی بندگی کرو اسی کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔“ (ترجمہ ازتدہ قرآن) ﴿وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا﴾ (16/ النحل: 52) ”اور اسی کی تابعداری اور اطاعت لازمی ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت صاحب ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ”دین سے مراد اطاعت و اخلاص ہے۔ و اصبا کا معنی ہمیشہ ہے جب کوئی شخص کسی کام کو ہمیشہ پابندی سے کرے تو کہتے ہیں و صب الرجل علی الامر اذا واطب علیہ۔ (قرطبی) معنی یہ ہے کہ اسی کی اطاعت و فرمانبرداری ہر شخص پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لازم ہے۔“ (ضیاء القرآن، ص ۲۰، ۵۷۵)۔ (4) قانون ملکی۔ ﴿مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاكَ فِي دِينِ الْمَلِكِ﴾ (12/ یوسف: 76) ”یوسف اپنے بھائی کو بادشاہ مصر کے قانون کے لحاظ سے نہیں لے سکتے تھے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ اور تقریباً تمام بزرگوں نے اس آیت میں دین کا ترجمہ قانون سے کیا ہے۔ (5) وہ اصول و احکام جو حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء میں مشترک ہیں۔ ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا﴾ (42/ الشوری: 13) ”اُس نے تمہارے لیے، دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے، جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا۔“ (نوٹ: دین کی بقیہ تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں)۔

الدِّین اسلام کا ضابطہ حیات۔ ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (3/ آل عمران: 19) ”یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔“ (ترجمہ ماجدی)

مَدِينٌ ج: مَدِينُونَ۔ دین مصدر سے اسم المفعول ہے۔ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (1) وہ جس کو بدلہ دیا جائے۔ (2) محکوم۔ تابع دار۔ وہ جو کسی کے حکم کا پابند ہو۔ زیر فرمان۔ قرآن مجید میں یہ لفظ ان دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿عَ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِنََّّا لَمَدِينُونَ﴾ (37/ الصافات: 53) ”کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں، کیا ہم کو جزا ملے گی۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ﴿فَلَوْ لَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ﴾ (56/ الواقعة: 86) ”پس اگر تم کسی کے پابند حکم نہیں ہو۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اسی آیت کا ترجمہ پہلے مفہوم کے لحاظ سے بھی کیا گیا ہے ”تو اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ مَدِينٌ غلام اور لونڈی کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے مالک کے حکم کے تابع ہوتے ہیں۔

دِينًا (ض) قرض دینا۔

دِينٌ قرض۔ (دین مصدر ہے مطلب ہے قرض دینا لیکن عربی میں اکثر مصدر بطور اسم الذات بھی استعمال ہوتے ہیں) ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يُوْصِي بِهَا أَوْ دِينٍ﴾ (4/ النساء: 11) ”وصیت کے بعد جو اس نے وصیت کی یا قرضہ کے بعد۔“ مولانا عبد الماجد دریا بادی فرماتے ہیں ”دین کا لفظ بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ عربی میں یہ (عین) کے مقابلے میں ہے۔ اور اس کا اطلاق ہر اس معاملت پر ہوتا ہے جس کے معاوضے کا ایک جز فی الفور نہ ہو۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۱۲۹)

تَدَايَا (تفاعل) باہم ادھار پر لین دین کرنا۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدَايِينَ إِلَى آجَلٍ مُّسَمًّى فَكُتِبَ عَلَيْكُمُ اتَّقَاتُوا﴾ (2/ البقرة: 282) ”جب تم لوگ قرض کا لین دین کرو ایک مقررہ مدت کے لئے تو اسے لکھ لو۔“

دِينٌ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”عربی زبان میں لفظ دین کے چند معانی ہیں جن میں ایک معنی ہے طریقہ اور روش،

نوٹ:

قرآن کی اصطلاح میں لفظ دین ان اصول و احکام کے لیے بولا جاتا ہے جو حضرت آدمؑ سے خاتم الانبیاء ﷺ تک سب انبیاء میں مشترک ہیں اور لفظ ”شریعت“ یا ”منہاج“ یا بعد کی اصطلاحات میں لفظ ”مذہب“ فروعی احکام کے لیے بولے جاتے ہیں، جو مختلف زمانوں اور مختلف امتوں میں مختلف ہوتے چلے آئے ہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا﴾ (42/ الشوری: 13) ”یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین جاری فرمایا جس کی وصیت تم سے پہلے نوح علیہ السلام کو اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو کی گئی تھی۔“ اس سے معلوم ہوا کہ دین سب انبیاء علیہم السلام کا ایک ہی تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے جامع کمالات اور تمام نقائص سے پاک ہونے اور اس کے سوا کسی کا لائق عبادت نہ ہونے پر دل سے ایمان اور زبان سے اقرار (توحید) روز قیامت اور اس میں حساب کتاب اور جزا و سزا اور جنت و دوزخ پر دل سے ایمان لانا اور زبان سے اقرار کرنا (آخرت)، اس کے بھیجے ہوئے ہر نبی و رسول اور ان کے لائے ہوئے احکام پر اسی طرح ایمان لانا (رسالت)۔ (معارف القرآن، جلد ۲، صفحہ: ۳۶)۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: دین کا لفظ عربی زبان میں متعدد مفہومات کا حامل ہے:

ایک مفہوم ہے غلبہ و اقتدار، مالکانہ اور حاکمانہ تصرف، سیاست و فرمانروائی اور دوسروں پر فیصلہ نافذ کرنا۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے دَانَ النَّاسَ، اَنَى قَهَرَهُمْ عَلَى الطَّاعَةِ۔ دِنْتُهُمْ، اَنَى قَهَرْتُهُمْ۔ دِنْتُهُ، سُسْنَتُهُ وَمَلَكَتُهُ۔ وَفِي الْحَدِيثِ: اَلْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، اَنَى اَذَلَّهَا وَاسْتَعْبَدَهَا۔ اَلدِّيَانُ، اَلْقَاضَى، اَلْحَكْمُ، اَلْفَقْهُ، وَلَا اَنْتَ دِيَانِي، اَنَى لَسْتُ بِقَاهِرٍ لِي فَتَسُوْسَ اَمْرِي۔ مَا كَانَ لِيَاخُذَ اَخَاهُ فِي دِيْنِ الْمَلِكِ، اَنَى فِي قَضَاءِ الْمَلِكِ۔..... دوسرا مفہوم ہے اطاعت، فرمانبرداری اور غلامی۔ لسان العرب میں ہے اَلدِّيْنُ، اَلطَّاعَةُ۔ دِنْتُهُ وَدِنْتُ لَهُ اَنَى اَطَعْتُهُ، وَالدِّيْنُ لِلَّهِ، اِنَّمَا هُوَ طَاعَتُهُ وَالتَّعَبُّدُ لَهُ، فِي الْحَدِيثِ اُرِيْدُ مَنْ قُرِئَتْ عَلَيْهِ كَلِمَةُ تَدِيْنُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ، اَنَى تُطِيعُهُمْ وَتَخْضَعُ لَهُمْ۔ ثُمَّ دَانَ بَعْدَ الرَّبِّ اَنَى اَذَلَّتْ لَهُ وَاطَاعَتُهُ۔ يَمُرُّونَ مِنَ الدِّيْنِ، اَنَى اَنْهَمُ يَخْرُجُونَ مِنَ طَاعَةِ اِمَامٍ اَلْمُفْتَرِضِ الطَّاعَةِ۔ اَلْمَدِيْنُ، الْعَبْدُ۔ فَكَلَا لَا اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ اَنَى غَيْرَ مَمْلُوْكِيْنَ۔

تیسرا مفہوم ہے وہ عادت اور طریقہ جس کی انسان پیروی کرے۔ لسان العرب میں ہے: اَلدِّيْنُ اَلْعَادَةُ وَ الشَّأْنُ۔ يُقَالُ مَا زَالَ ذَلِكْ دِيْنِي وَدِيْدِي اَنَى عَادَتِي۔

ان تینوں مفہومات کو ملحوظ رکھتے ہوئے دین کے معنی اُس طرزِ عمل اور اس رویے کے ہیں جو کسی کی بالاتری تسلیم اور کسی کی اطاعت قبول کر کے انسان اختیار کرے۔ اور دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس کی بندگی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ”آدمی اللہ کی بندگی کے ساتھ کسی دوسرے کی بندگی شامل نہ کرے، بلکہ اسی کی پرستش، اسی کی ہدایت کا اتباع اور اسی کے احکام و اوامر کی اطاعت کرے۔“ (تہذیب القرآن، ج ۴، صفحہ ۳۵۶)

دین، شریعت اور ملت: دین کی وضاحت اوپر آچکی ہے۔ شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جو زمانے کی ضرورتوں کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً حضرت آدمؑ کی اولاد میں، بہن بھائی کا نکاح جائز تھا جو بعد کی شریعتوں میں حرام کر دیا گیا۔ حضرت یعقوبؑ کی زوجیت میں دو حقیقی بہنیں تھیں جو بعد کی شریعتوں میں حرام قرار دی گئیں۔ غرض ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ دین اور شریعت کے اس فرق کو خود رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں سمجھایا: ((اَلْاَنْبِيَاءُ اِخْوَةُ الْعَلَاتِ اُمَمَاتُهُمْ شَيْءٌ وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ)) (متفق علیہ) ”تمام انبیاء علاقائی بھائی (وہ بھائی جن کا باپ ایک اور مائیں الگ الگ ہوں) ہیں۔ کہ ان کی مائیں (شریعتیں) الگ الگ ہیں اور ان کا دین (باپ) ایک ہی ہے۔“ اور ملت سے مراد وہ نظام ہے جو ایک نبی احکام الہیہ کی فرمانبرداری میں اپنے ماننے والوں کی جماعت میں قائم کرتا ہے۔ دین اور شریعت میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور الہامی کتاب میں مذکور ہوتا ہے۔ سب سے پہلے نبی خود ان احکام پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے ساتھ ہی وہ ان احکام الہیہ کی تبلیغ کر کے اپنے ماننے والوں کی ایک جماعت بناتا ہے اور ان سب کو بھی ان احکامات کا پابند بناتا ہے اور ایک اسلامی نظام قائم کرتا ہے اس نظام کا نام ملت ہے۔ گویا ملت احکام کا نام نہیں بلکہ اُس نظام کا نام ہے جس میں نبی امیر، اُس نبی کے ماننے والے مامور اور ان کا دستور احکام الہیہ (دین، شریعت) ہوتا ہے۔ ملت کی نسبت کسی مخصوص نبی کی طرف کی جاسکتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا (آل عمران 95) ”پس تم ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرو جو سب سے بے تعلق ہو کر ایک اللہ ہی کے ہو گئے تھے۔“ (مترادفات القرآن۔ تلخیصاً)

مِلَّةٌ يَوْمَ الدِّيْنِ مرکب اضافی ہے۔ اس کے مضاف مِلَّةٌ کی جرتا رہی ہے کہ یہ پورا مرکب اللہ کی صفت یا بدل ہے۔

ترکیب

### آیت: 4 ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝﴾

إِيَّا

یہ کلمہ ضمائر منصوبہ متصلہ یعنی ضمیر مفعولی کو منفصل لکھنے اور اُس کے تلفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے اور بالعموم حصر کا مفہوم پیدا کرتا ہے مثلاً ضَمَرْتُہُ۔ اس میں ضمیر مفعولی فعل کے ساتھ ملا کر یعنی متصل لکھی ہے اور اس کے معنی ہیں۔ ”میں نے اس کو مارا“ اس میں کسی اور کو مارنے کی نفی نہیں ہے۔ اب اگر ہم کہیں ضَمَرْتُہُ اِيَّاكَ تو اس کے معنی ہیں ”میں نے اس کو ہی مارا“ اس میں کسی اور کو مارنے کی نفی شامل ہے۔ اس کو حصر کا مفہوم کہتے ہیں۔ اب اگر ہم کہیں اِيَّاكَ ضَمَرْتُہُ تو معنی وہی رہیں گے البتہ حصر میں مزید زور اور تاکید پیدا ہو جائے گی۔ جیسے He Must Come میں جب مزید زور پیدا کرنا ہو تو ہم کہتے ہیں Come He Must۔

اب یہ نوٹ کر لیں کہ بات سمجھانے کی غرض سے ہم نے ضَمَرْتُہُ اِيَّاكَ استعمال کیا ہے ورنہ عربی میں اس کا رواج نہیں ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ضمیر مفعولی جب اِيَّا کے ذریعہ منفصل کی جائے گی تو وہ فعل سے پہلے آئے گی۔ یعنی اِيَّاكَ ضَمَرْتُہُ کہا جائے گا۔ مثلاً ﴿وَأَشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ اِيَّاہُ تَعْبُدُونَ﴾ (16/ النحل: 114) ”اور تم لوگ شکر کرو اللہ کی نعمت کا اگر تم لوگ صرف اور صرف اس کی ہی عبادت کرتے ہو۔“ اس قاعدہ کے دو استثناء ہیں۔ پہلا استثناء یہ ہے کہ کسی فعل کے بعد اگر اَلَا آئے تو اِيَّا اور ضمیر مفعولی فعل کے بعد آسکتی ہے جیسے ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوا اِيَّاہُ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 23) ”اور فیصلہ کر دیا تیرے رب نے کہ تم لوگ عبادت مت کرو مگر صرف اس کی ہی۔“ نوٹ کر لیں کہ ایسی صورت میں حصر کا مفہوم اِيَّا کی وجہ سے نہیں بلکہ جملہ کی ساخت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ (یعنی نفی + استثناء)

دوسرا استثناء یہ ہے کہ کسی فعل کے بعد اگر دو ضمیر مفعولی لانا ہوں تو ان کے درمیان اِيَّا لگاتے ہیں۔ یعنی ضَمَرْتُہُ هُمْ وَكُم کہنا درست نہیں ہے۔ بلکہ ضَمَرْتُہُمْ وَاِيَّا كُم کہا جائیگا۔ جیسے ﴿نَحْنُ نَزَّلُہُمْ وَاِيَّا كُم﴾ (17/ بنی اسرائیل: 31) ”ہم رزق دیتے ہیں ان کو اور تم کو بھی۔“ ایسی صورت میں اِيَّا میں حصر کا مفہوم باقی نہیں رہتا۔

ع ب د

(ن)

عِبَادِيَّةٌ

عِبَادَةٌ

کسی کے سامنے ذلت اور انکساری ظاہر کرنا۔

اس لفظ کی اتنی اہمیت ہے کہ اس ایک لفظ کے ذریعے سے تمام انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا مقصد قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝﴾ (51/ الذاریات: 56) ”میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی (یعنی نہ صرف پرستش و بندگی بلکہ غلامی و اطاعت بھی) کریں۔“

کسی کو معبود مان کر اس کے احسانات کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی انتہائی تعظیم اور محبت کی وجہ سے اس کے سامنے اپنے اختیار سے اپنی انتہائی عاجزی اور فرمانبرداری کا اظہار کرنا، اس کی مکمل اطاعت کرنا، غلامی کرنا، بندگی کرنا عبادت کہلاتا ہے۔ عبادت میں بنیادی مفہوم اطاعت کا ہے کیونکہ یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے کہ انسان جس کے سامنے انتہائی عاجزی کا اظہار کرے، زندگی کے معاملات میں اس کی اطاعت نہ کرے۔ اور اطاعت کبھی جزوی ہوتی ہے اور کبھی مجبوری سے۔ جزوی اور مجبوری سے کی ہوئی اطاعت، عبادت نہیں کہلاتی۔ کسی کے احسانات کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی محبت میں ڈوب کر جب اطاعت کی جائے اور زندگی کے ہر معاملہ اور ہر لمحہ میں کی جائے تو ایسی اطاعت، عبادت کہلاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عبادت کے بہت سے کام اپنے اختیار سے نہیں کر رہا بلکہ کسی مجبوری یا کسی عمل کے زیر اثر کر رہا ہے تب بھی وہ



عبادت نہیں کہلائے گی کیونکہ اس کا اپنا اختیار اس میں شامل نہیں اور اسی طرح اگر کوئی شخص عبادت کے بہت سے کام کسی کی تعظیم کی وجہ سے نہیں بلکہ مذاق کے طور پر کر رہا ہے تب بھی وہ عبادت نہیں کہلائیں گے۔ اس لیے بعض علماء کا قول ہے: الْعِبَادَةُ تَذَلُّ لِلْغَيْرِ عَنْ اخْتِيَارٍ لِغَايَةِ تَعْظِيمِهِ فَخَرَجَ التَّسْخِيرُ وَالسَّخَرُ وَالْقِيَامُ وَالْإِنْجَاءُ لِنَوْعِ تَعْظِيمِهِ ”عبادت اپنے اختیار سے دوسرے کی انتہائی تعظیم کی غرض سے اس کے لیے عاجزی کا نام ہے۔ لہذا تسخیر کی بنا پر یا مذاق کی غرض سے ایسا کرنا نیز تعظیم رسی کے لیے کسی کے واسطے کھڑا ہو جانا یا جھک جانا عبادت کی طرف سے خارج ہے۔“ اسی لیے محض کسی کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرنا عبادت نہیں مثلاً اگر کوئی بیٹا والد کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرے تو یہ تعظیم اور ادب ہے، عبادت نہیں، یہی تعظیم اور انکساری کوئی شخص اللہ کو معبود مان کر اور اُس کے احسانات کو تسلیم کر کے کرے تب یہ عبادت ہے۔ ہمارے بزرگوں نے عبادت کی وضاحت یوں کی ہے۔ حضرت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: لَفْظُ الْعِبَادَةِ يَتَضَمَّنُ كَمَالَ الذِّلِّ وَكَمَالَ الْحُبِّ۔ ”لفظ عبودیت میں دو چیزیں لازمی طور پر شامل ہیں، کمالِ ذل یعنی اپنے آپ کو اللہ کے سامنے بچھا دینا اور کمالِ محبت یعنی اللہ کے سامنے یہ جھکنا محبت اور دل کی پوری آمادگی کے ساتھ ہو۔“ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں: الْعِبَادَةُ تَجْمَعُ أَصْلَيْنِ غَايَةُ الْحُبِّ مَعَ غَايَةِ الذِّلِّ وَالْخُضُوعِ یعنی عبادت میں دو چیزیں لازماً شامل ہوں گی، اور وہ یہ کہ ایک طرف انتہائی درجے کی محبت اور دوسری طرف اس کے ساتھ انتہائی درجے کا جھکنا اور عاجزی۔ علامہ ابن الاثیرؒ فرماتے ہیں: الْعِبَادَةُ فِي اللُّغَةِ الطَّاعَةُ مَعَ الْخُضُوعِ۔ لغت میں عبادت نام ہے اُس اطاعت کا جو عاجزی کے ساتھ ہو۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: وَفِي الشَّرْعِ عِبَادَةُ عَمَّا يَجْمَعُ كَمَالَ الْمَحَبَّةِ وَالْخُضُوعِ وَالْخَوْفِ۔ اور (عبادت) شرع میں عبارت ہے اس چیز سے جو انتہائی محبت، عاجزی اور خوف پر مشتمل ہو۔ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: ”مشغول کردن تمام اعضاء و جوارح ظاہر و باطن را در راه او و بمرضیات او“ تمام اعضاء و جوارح ظاہر اور باطن کو مشغول کر دینا اس (اللہ) کی راہ میں اس کی مرضی کے مطابق۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ تدبر قرآن میں فرماتے ہیں: عبادت کے اصلی معنی عربی لغت میں انتہائی خضوع اور انتہائی عاجزی و فروتنی کے اظہار کے ہیں۔ لیکن قرآن میں یہ لفظ اس خضوع و خشوع کی تعبیر کے لیے خاص ہو گیا ہے جو بندہ اپنے خالق و مالک کے لیے ظاہر کرتا ہے۔ پھر اطاعت کا مفہوم بھی اس لفظ کے لوازم میں داخل ہو گیا ہے کیونکہ یہ بات بالبداهت غلط معلوم ہوتی ہے کہ انسان جس ذات کو اپنے انتہائی خضوع و خشوع کا واحد مستحق سمجھے زندگی کے معاملات میں اس کی اطاعت کو لازم نہ جانے۔ چنانچہ عبادت کی اس حقیقت کو قرآن مجید نے بعض جگہ کھول بھی دیا ہے مثلاً: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ﴾ (39/ الزمر: 2) ”ہم نے تمہاری طرف کتاب اتاری ہے حق کے ساتھ تو اللہ ہی کی بندگی کرو اسی کے لیے اطاعت کو خاص کرتے ہوئے۔“ عبادت کے ساتھ اطاعت کا یہ تعلق اس قدر گہرا ہے کہ بعض جگہ یہ لفظ صاف صاف اطاعت کے مفہوم ہی کے لیے استعمال ہو گیا ہے مثلاً: ﴿أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾ (36/ یس: 60) ”کہ شیطان کی عبادت نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔“ (تدبر قرآن، جلد ۱، صفحہ: ۵۷)۔ مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن میں فرماتے ہیں: عبادت کا مادہ عبد ہے۔ اور یہ لفظ ”آزاد“ کے مقابلے میں ”غلام“ اور ”مملوک“ کے لیے عربی زبان میں مستعمل ہوتا ہے۔ اسی معنی کے لحاظ سے ”عبادت“ میں دو مفہوم پیدا ہوئے ہیں۔ ایک پوجا اور پرستش، جیسا کہ عربی زبان کی مشہور و مستند لغت ”لسان العرب“ میں ہے: عَبْدَ اللَّهِ، تَأَلَّى لَهُ۔ وَالْتَعَبُدُ، أَلْتَنَسَكُ۔ دوسرے عاجزانہ اطاعت اور برضا و رغبت فرمانبرداری جیسا کہ لسان العرب میں ہے، أَلْعِبَادَةُ، الطَّاعَةُ، وَمَعْنَى الْعِبَادَةِ فِي اللُّغَةِ الطَّاعَةُ مَعَ الْخُضُوعِ۔ وَكُلُّ مَنْ دَانَ لِمَلِكٍ فَهُوَ عَابِدٌ لَهُ (وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ)۔

وَالْعَابِدُ، الْخَاضِعُ لِرَبِّهِ الْمُسْتَسْلِمُ الْمُنْقَادُ لِأَمْرِهِ۔ عَبْدَ الطَّاعُوتِ، اطَاعَهُ يَعْنِي الشَّيْطَانُ فِيمَا سَوَّلَ لَهُ وَأَعْوَاكَ۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ، اِنِّی نَطِيعُ الطَّاعَةِ الَّتِیْ یُخْضَعُ مَعَهَا۔ اُعْبُدُوا رَبَّکُمْ، اَطِيعُوا رَبَّکُمْ۔ پس لغت کی ان مستند تشریحات کے مطابق مطالبہ صرف اللہ تعالیٰ کی پوجا اور پرستش ہی کا نہیں ہے بلکہ اس کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت، اور اس کے قانون شرعی کی برضا و رغبت پیروی، اور اُس کے امر و نہی کی دل و جان سے فرمانبرداری کا بھی ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۴، صفحہ: ۳۵۵)

باپ دادا سے غلام ہونا، جدی پشتی غلام ہونا۔

(ک) عِبُودَةً

عَابِدٌ

ج: عَابِدُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ عبادت کرنے والا۔ بندہ۔ غلام۔ ﴿وَ لَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُمْ ۝﴾ (109/اکافرون: 4) ”اور نہ ہی میں عبادت کرنے والا ہوں اُن کی جس کی تم پوجا کرتے ہو۔“ ﴿فَقَالُوا اتُؤْمِنُ لِلْبَشَرِیْنِ وَمِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِيبٌ ۝﴾ (23/المونون: 47) ”تو انہوں نے کہا کیا ہم ایمان لے آئیں ان دو آدمیوں پر جو ہماری مانند ہیں، حالانکہ اُن کی قوم ہماری غلام ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ عربی زبان میں عابد کے معنی مطیع، فرمانبردار اور خادم کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ البند و قومہما لَنَا عِيبٌ کا ترجمہ کرتے ہیں ”اور ان کی قوم ہماری تابعدار (خدمت گار) ہیں۔“ اور مولانا عبدالماجد دریادہی ترجمہ کرتے ہیں ”در آنحالیکہ ان کی قوم (بھی) ہمارے زیر حکم ہے۔“ ج: عَابِدَاتٌ۔ عَابِدٌ کی مونث۔ عبادت کرنے والی۔ بندی۔ ﴿فَنَبِّئْهُنَّ تَخِيبَاتٍ عِيبَاتٍ ۝﴾ (66/التحریم: 5) ”فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں۔“

عَابِدَةٌ

عَبْدٌ

ج: عَبَادٌ اور عَبِيدٌ۔ غلام۔ بندہ۔ جس کی کوئی چیز اپنی نہ ہو۔ جس کی زندگی، خواہش غرضیکہ ہر چیز اس کے آقا کی ملکیت ہو۔ عَبْدٌ کا لفظ چار معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱) اَلْعَبْدُ بمعنی غلام یعنی وہ انسان جسے خریدنا اور فروخت کرنا شرعاً جائز ہو چنانچہ آیات کریمہ ﴿وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾ (2/البقرة: 78) ”اور غلام کے بدلے غلام۔“ ﴿عَبْدًا مَّسْلُوبًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ﴾ (16/النحل: 75) ”ایک غلام مملوک ہے جو کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔“ میں عَبْدٌ کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (۲) اَلْعَبْدُ بِالْاِيجَادِ یعنی وہ بندہ جسے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ ﴿اِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اِنِّی الرَّحْمٰنِ عَبْدٌ ۝﴾ (19/مریم: 93) ”آسمان اور زمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں۔“ (ترجمہ احسن البیان) میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ (۳) عَبْدٌ وہ ہے جو عبادت اور خدمت کی بدولت عبودیت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اس لحاظ سے جن پر عَبْدٌ کا لفظ بولا گیا ہے وہ دو قسم پر ہیں ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن جاتے ہیں چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا: ﴿نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدٍ ۝﴾ (25/الفرقان: 1) ”جس نے اپنے بندے صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا۔“ اور اس طرح کی کئی اور آیات ہیں۔ (۴) دوسرے وہ جو دنیا کی لالچ اور حرص کے غلام بن کر ہر وقت اس کی پرستش میں لگے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((تَعَسَّ عَبْدُ الدَّرْهِمِ۔ تَعَسَّ عَبْدُ الدِّيْنَارِ)) درہم و دینار کا بندہ ہلاک ہو۔

عَبْدٌ کے ان معانی کے پیش نظریہ بھی کہا جاسکتا ہے کَيْسَ كُلِّ اِنْسَانٍ عَبْدٌ لِلّٰہِ کہ ہر انسان اللہ کا بندہ نہیں ہے یعنی بندہ مخلص نہیں ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں: وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ عِبَادُ اللّٰہِ کہ تمام لوگ اللہ کے ہیں یعنی اللہ ہی نے سب کو پیدا کیا ہے۔ بلکہ تمام اشیاء کا یہی حکم ہے۔

عَبْدٌ کا لفظ جب غلام کے معنی میں استعمال ہو تو اس کی جمع عَبِيدٌ آتی ہے اور جب عَبْدٌ بمعنی عَابِدٌ یعنی عبادت گزار کے ہو تو اسکی جمع عَبَادٌ آتی ہے۔ البتہ مولانا عبد الرشید نعمانی لغات القرآن میں فرماتے ہیں: ”میری ناقص رائے میں یہ

قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثری ہے کیونکہ خود قرآن پاک میں ایک مقام پر عِبَادٌ کا استعمال غلاموں کے معنی میں ہوا ہے، ارشاد ہے: ﴿وَأَنذِرُوا الْآيَاتِي مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ط﴾ (24/ النور: 32) ”اور نکاح کرو رانڈوں کا اپنے اندر، اور جونیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں۔“ عِبْدٌ کے بارے میں مولانا عبدالماجد ریا بادی فرماتے ہیں: ”عِبْدٌ کا لفظ جب اس کی اضافت حق تعالیٰ کی جانب ہو، قریب یا مرتبہ خصوصی کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ اور عبدنا یا عبد اللہ کا استعمال محاورہ قرآنی میں ہمیشہ لطف و رحمت ہی کے مخصوص موقعوں پر ہوا ہے۔“ مولانا مفتی محمد شفیع عِبْدٌ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”عِبَادٌ، عِبْدٌ کی جمع ہے عبد کا ترجمہ ہے بندہ جو اپنے آقا کا مملوک ہو، اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات و اعمال آقا کے حکم و مرضی پر دراز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا مستحق وہی شخص ہو سکتا ہے جو اپنے عقائد و خیالات کو اور اپنے ہر ارادے اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت و سکون کو اپنے رب کے حکم اور مرضی کے تابع رکھے ہر وقت گوش بر آواز رہے کہ جس کام کا حکم ہو وہ بجا لاؤں۔“ (معارف القرآن، ج ۲، ص: ۵۰۲)

ج: اُعْبُدُوا۔ فعل امر کا صیغہ ہے۔ تم عبادت کرو۔ تم بندگی کرو۔ ﴿فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ط﴾ (39/ الزمر: 2) ”پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئی اس کے لیے اطاعت کو۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ﴾ (2/ البقرة: 21) ”اے لوگو بندگی کرو اپنے اس رب کی جس نے پیدا کیا تمہیں۔“

غلام بنانا۔ فرمانبردار بنانا۔ عربی زبان میں طَرِيقُ مَعْبُدٍ اس ہموار راستے کو کہتے ہیں جس پر لوگ آسانی سے چل سکیں۔ اسی طرح عِبْدَتٌ فُلَانًا کے معنی ہیں میں نے اسے مطیع کر لیا یعنی محکوم بنالیا۔ ﴿وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَبْتَغَاهَا عَلَىٰ أَنْ عِبَدَتْ بَنِي إِسْرَءِيلَ ط﴾ (26/ الشعراء: 22) ”رہا تیرا احسان جو تو نے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا تھا۔“

## ع و ن

(ن) عَوْنًا پشت پناہ ہونا۔ درمیان میں ہونا۔  
(افعال) إِعَانَةً پشت پناہی کرنا۔ مدد کرنا۔ ﴿فَاعْيُنُونِي بِقُوَّةٍ﴾ (18/ الکہف: 95) ”پس میری مدد در قوت سے۔“  
(تفاعل) تَعَاوَنًا ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (5/ المائدہ: 2) ”باہم مدد کرو نیکی اور تقویٰ پر۔“  
(استفعال) اسْتِعَانَةً مدد مانگنا۔ مدد چاہنا۔  
اسم المفعول ہے۔ جس کی مدد چاہی جائے۔ جس سے مدد مانگی جائے۔ ﴿وَاللَّهُ اسْتَعَانَ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ (12/ یوسف: 18) ”اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس پر جو تم لوگ بتاتے ہو۔“  
ج: عَوْنٌ۔ درمیان۔ ادھیڑ عمر۔ عورتوں اور مویشیوں میں جو درمیانی عمر کا ہوا اس کو عَوْنٌ کہتے ہیں ﴿إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ ط عَوْنٌ بَيْنَ ذَلِكَ ط﴾ (2/ البقرة: 68) ”بیشک وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی ہے اور نہ کنواری ہے (بلکہ) دونوں عمروں کے درمیان ہے۔“  
فعل امر ہے۔ تم مدد مانگو۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ط﴾ (2/ البقرة: 153) ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو۔“

ترجمہ	إِيَّاكَ	نَعْبُدُ	وإِيَّاكَ	نَسْتَعِينُ
	صرف تیری ہی	ہم عبادت کرتے ہیں	اور صرف تجھ سے ہی	ہم مدد مانگتے ہیں

نوٹ: 1

بعض سلف کا قول ہے کہ اَلْفَاتِحَةُ سِرُّ الْقُرْآنِ وَ سِرُّ الْفَاتِحَةِ هَذِهِ الْكَلِمَةُ..... یعنی قرآن کا خلاصہ یا راز سورہ فاتحہ ہے۔ اور پوری سورہ فاتحہ کا راز یا خلاصہ اس آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ میں ہے۔

نوٹ: 2

”عبادت“ کی اہمیت کے پیش نظر یہاں اس کی مزید وضاحت دی جا رہی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ ”عبادت“ کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: ”عبادت نام ہے بندگی اور اطاعت و پیروی کا جو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، یا ذکر و تلاوت میں منحصر نہیں اور نہ یہ چیزیں اپنی ذات میں مقاصد ہیں، بلکہ ان سب کا مقصد صرف ایک حکم الہی کی اطاعت ہے، یہی وجہ ہے کہ جن اوقات میں نماز کی ممانعت فرمائی گئی ہے، ان میں نماز کوئی کارِ ثواب نہیں بلکہ الٹا گناہ کا موجب ہے، ایامِ عیدین وغیرہ جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے، تو اس وقت روزہ رکھنا گناہ ہے، نویں ذی الحجہ کے علاوہ کسی دن کسی مہینہ میں میدانِ عرفات میں جمع ہو کر دعا، عبادت کرنا کارِ ثواب نہیں جبکہ نویں ذی الحجہ میں سب سے بڑی عبادت یہی ہے اسی طرح تمام دوسری عبادات کا حال ہے جب تک ان کے کرنے کا حکم ہے تو وہ عبادت ہیں اور جب اور جس حد پر ان کو روک دیا جائے تو وہ بھی حرام و ناجائز ہو جاتی ہیں، جاہلِ عوام اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے، جو عبادات ان کی عادات بن جاتی ہیں بلکہ جن قومی رسوم کو وہ عبادت سمجھ کر اختیار کر لیتے ہیں، صریح احکامِ خدا و رسول کو بھی ان کے پیچھے نظر انداز کر دیتے ہیں یہیں سے بدعات و محدثات دین کا جزو بن جاتی ہیں، جو پچھلی شریعتوں اور کتابوں کی تحریف کا سبب ہوئی ہیں، اللہ جل شانہ نے مختلف پیغمبروں پر مختلف کتابیں اور شریعتیں نازل فرما کر انسانوں کو یہی سکھایا ہے کہ کسی ایک عمل یا ایک قسم عبادت کو مقصود نہ بنالیں، بلکہ صحیح معنی میں اللہ کے فرمانبردار بندے بنیں، اور جس وقت پچھلے عمل کو چھوڑ دینے کا حکم ہو فوراً چھوڑ دیں، اور جس عمل کے کرنے کا ارشاد ہو فوراً اس پر عمل پیرا ہوں۔“ (معارف القرآن، ج ۳، ص: ۱۶۳) اور حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب عبادت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”عبادت کیا ہے؟ آپ کو لغت و تفسیر کی ساری کتابوں میں اس کا یہ معنی ملے گا اَقْصَى غَايَةِ الْخُضُوعِ وَ التَّذَلُّلِ یعنی حد درجہ کی عاجزی اور انکسار۔ مفسرین اس کی مثال سجدہ سے دیتے ہیں۔ حالانکہ صرف سجدہ ہی عبادت نہیں بلکہ حالت نماز میں تمام حرکات و سکنات عبادت ہیں۔ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا، رکوع اور رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہونا، سجدہ اور اس کے بعد حالت التَّحِيَّات میں دوزانو بیٹھنا، سلام کے لیے دائیں بائیں منہ پھیرنا، یہ سب عبادت ہیں۔ اگر عبادت صرف تذلل و انکسار کے آخری مرتبہ کا نام ہے اور یہ آخری مرتبہ سجدہ ہی ہے تو کیا یہ باقی چیزیں عبادت نہیں۔ اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر یہ ساری چیزیں مطلقاً عبادت ہیں تو اگر کوئی شاگرد اپنے اُستاد کے سامنے اور بیٹا اپنے باپ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھتا ہے یا ان کی آمد پر کھڑا ہو جاتا ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ اُس نے اپنے اُستاد یا باپ کی عبادت کی اور اُن کو اپنا معبود بنالیا۔ حاشا وکلا۔ پھر وہ کون سی چیز ہے جو ان حرکات و سکنات کو اگر یہ نماز میں ہوں تو عبادت بنا دیتی ہے اور یوں کھڑے ہونے کو (ہاتھ باندھنے یا کھولے ہوئے) اور اس طرح بیٹھنے کو اور دائیں بائیں منہ پھیرنے کو تذلل و انکسار کے آخری مرتبہ پر پہنچا دیتی ہے اور اگر یہی امور نماز سے خارج ہوں تو نہ ان میں غایۃ خضوع ہے اور نہ یہ عبادت متصور ہوتے ہیں تو اس کا میز ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ جس ذات کے لیے اور جس کے سامنے آپ یہ افعال کر رہے ہیں اس کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے اگر آپ اُس کو اللہ اور معبود یقین کرتے ہیں تو یہ سب اعمال عبادت ہیں اور سب میں غایۃ تذلل و خضوع پایا جاتا ہے لیکن اگر آپ اس کو عبد اور بندہ سمجھتے ہیں تو یہ اعمال عبادت نہیں کہلائیں گے، ہاں آپ ان کو احترام، اجلال اور تعظیم کہہ سکتے ہیں۔ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۲۳) (یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غیر اللہ کے سامنے سجدہ دو قسم کا ہو سکتا ہے۔ سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیم۔ سجدہ عبادت تو شرک کے زمرے میں آتا ہے، سجدہ تعظیم اگرچہ شرک نہیں لیکن ناجائز و حرام وہ بھی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۱، ص ۱۳۳۔ مرتب)

## آیت: 5

﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝﴾

ہ د ی

(ض) ہُدٰی، ہِدَايَةً لطف اور مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنا۔ راستہ بتانا۔ اس کا استعمال ہمیشہ خیر و نیکی کے معنوں میں ہوتا ہے۔ ہُدٰی، دراصل مصدر ہُدٰی تھا جو قاعدے کے مطابق ہُدٰی بنا۔ یہ مبنی کی طرح استعمال ہوتا ہے یعنی تینوں اعرابی حالتوں میں ہُدٰی ہی رہتا ہے (لیکن اس کو مبنی کہتے نہیں)۔ اس پر جب لام تعریف داخل ہو تو تینوں اعرابی حالتوں میں اَلْهَدٰی استعمال ہوتا ہے۔ ہدایت کے عموماً دو مفعول ہوتے ہیں یعنی کس کو ہدایت دی اور کیا ہدایت دی۔ ہُدٰی کے ساتھ دوسرے مفعول کی تین صورتیں ہیں (۱) مفعول ثانی بغیر صلہ کے آتا ہے جیسے آیت زیر مطالعہ میں ہے۔ (۲) مفعول ثانی الیٰ کے صلہ کے ساتھ آتا ہے مثلاً ﴿وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝﴾ (3/ آل عمران: 101) اور جو مضبوطی سے پکڑے گا اللہ کو تو لازماً اُس کی راہنمائی کی جائے گی ایک سیدھے راستے کی طرف۔ (۳) مفعول ثانی ”لِ“ کے صلہ کے ساتھ آتا ہے مثلاً ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا ۝﴾ (7/ الاعراف: 43) ”تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے پہنچایا، ہم کو یہاں تک۔“

ہدایت کا لفظ تین معنوں میں آتا ہے:

(۱) راستہ سمجھا دینا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کام دو طرح سے کیا ہے (ل) فطری راہنمائی یا فطری ہدایت۔ جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ساتھ ہر جاندار چیز میں ودیعت کر رکھی ہے۔ مثلاً بچے کا پیدا ہوتے ہی ماں کے پستانوں کی طرف لپکنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْ اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ حَلَقَهُ ثُمَّ هَدٰی ۝﴾ (20/ طہ: 50) ”موسیٰ نے جواب دیا ”ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُس کی ساخت بخشی پھر اس کو راستہ بتایا۔“ (ب) وہ راہنمائی جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیغمبر بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے کی۔ پیغمبروں نے انسانوں کے لیے اچھے اور برے راستے کی خوب اچھی طرح سے وضاحت کر دی اور نیکی اور بدی کا راستہ سمجھا دیا۔ وہ نیکی کے راستے کی طرف دعوت دیتے اور بدی کے راستے کو چھوڑنے کی تلقین کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اٰیٰتٍ یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لِمَا صَبَرُوْا ۝﴾ (32/ السجۃ: 24) ”اور ہم نے بنی اسرائیل میں سے (دین کے) پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے (لوگوں کو) ہدایت کرتے تھے۔“ میں ہدایت کے یہی معنی مراد ہیں۔

(۲) راستے کی درستگی پر دل کو کھول دینا یعنی توفیق دے دینا۔ یہ توفیق ہدایت یافتہ لوگوں کو عطا کی جاتی ہے ﴿وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدٰی ۝﴾ (47/ محمد: 17) ”رہے وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ اُن کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انہیں اُن کے حصے کا تقویٰ عطا فرماتا ہے۔“ ﴿وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ یَهْدِیْہٗ لِبَیِّنٰتٍ ۝﴾ (64/ التغابن: 11) ”اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے، تو وہ اُس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔“

(۳) منزل مقصود تک پہنچا دینا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا ۝﴾ (7/ الاعراف: 43) ”اور وہ کہیں گے کہ ”تعریف اللہ ہی کے لیے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا۔“ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْہُمْ رَبُّہُمْ بِاٰیٰتِہُمْ ۝﴾ (10/ یونس: 9) ”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

عمل بھی کیے اُن کا پروردگار انہیں پہنچا دے گا (اُن کی منزل تک) بوجہ اُن کے ایمان کے۔“ (ترجمہ ماجدی) ”یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے پہنچائے گا انہیں اُن کا رب (منزل مقصود تک) اُن کے ایمان کے باعث۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن) سورہ یونس کی آیت نمبر 9 کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”اس میں لفظ ہدایت آیا ہے جس کے مشہور معنی راستہ بتلانے اور دکھلانے کے ہیں، اور کبھی منزل مقصود تک پہنچا دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس مقام پر یہی معنی مراد ہیں اور منزل مقصود سے مراد جنت ہے جس کی وضاحت بعد کے الفاظ میں ہو گئی ہے۔“

ایک انسان کسی دوسرے کو صرف دعوت الی الخیر اور راہنمائی کے ذریعہ ہی ہدایت کر سکتا ہے باقی اقسام ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں لہذا جن آیات میں ہدایت کی نسبت پیغمبر یا کتاب یا دوسرے انسانوں کی طرف کی گئی ہے وہاں صرف راہ حق کی طرف راہنمائی کرنا مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (42/ اشوری: 52) ”اور بیشک آپ سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔“ ﴿وَلِلَّهِ قُورٌ هَادٍ﴾ (13/ الرعد: 7) ”اور ہر قوم کے لیے ایک ہدایت دینے والا ہے۔“ اور جن آیات میں پیغمبروں یا دوسرے لوگوں سے ہدایت کی نفی کی گئی ہے وہاں باقی اقسام ہدایت مراد ہیں چنانچہ فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ (28/ القصص: 56) ”اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جسے چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔“ اور قرآن میں جہاں کہیں ظالموں اور کافروں کو ہدایت سے روک دینے کا ذکر آیا ہے وہاں یا تو ہدایت بمعنی توفیق خاص جو ہدایت یافتہ لوگوں کو عطا ہوتی ہے ان سے سلب کر لی جاتی ہے اور یا ہدایت بمعنی یہ کہ اللہ انہیں آخرت میں ثواب کی طرف ہدایت نہیں دے گا اور نہ ہی انہیں جنت میں داخل کرے گا چنانچہ فرمایا: ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (9/ التوبہ: 19) ”اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔“ ﴿وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ (16/ النحل: 107) ”اور یہ کہ اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

ویسے تو ہدایت کا استعمال ہمیشہ خیر اور نیکی کے معنوں میں ہوتا ہے لیکن قرآن مجید میں طنزاً کافروں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے ﴿فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ﴾ (37/ الفطت: 23) ”پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔“ یہ اُسی طرح ہے جیسے فرمایا: ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ (84/ الانشقاق: 24) ”لہذا! ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔“ اس میں عذاب کے لیے بشارت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

ہدی بھدی کا صلہ جب لام آتا ہے تو اس کے معنی ظاہر ہونا، واضح ہونا، روشن ہونا بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً: ﴿أَوْ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرْتُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصْبَلْنَاهُمْ يَدْخُلُونَهَا﴾ (7/ الاعراف: 100) ”کیا اُن لوگوں پر جو اب زمین کے وارث ہیں بعد اُس کے سابق باشندوں کے یہ بات واضح نہیں ہوئی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو انہیں بھی مصیبت میں مبتلا کر دیتے اُن کے گناہوں کے عوض میں۔“ آیت کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تفسیر ماجدی فرماتے ہیں ”ہدایۃ کا تعدیہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں تَبْيِيْن کے یعنی روشن و واضح ہو جانے کے۔ اِنَّمَا عَدَّى يَهْدِي بِاللَّامِ بِمَعْنَى يَبَيِّنُ (بیضاوی)۔“

مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے بمعنی ہدایت۔ ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى﴾ (2/ البقرة: 16) ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی، ہدایت کے بدلے۔“ ہُدًى، بمعنی اَلْهُدًى، ہدایت دینے والا بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ہُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کا ترجمہ بعض بزرگوں نے اسی معنی کے لحاظ سے کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں: ”راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو۔“ اور صاحب احسن البیان فرماتے ہیں: ”پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے۔“

ج: اِهْدُوا۔ فعل امر ہے۔ تو راہنمائی کر۔ تو ہدایت دے۔ اِهْدِ، آیت زیر مطالعہ میں استعمال ہوا ہے۔ اور ﴿فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ﴾ (37/ الصافات: 23) ”پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔“

ہُدًى

اِهْدِ

ہُدًى

ج: هُدًى۔ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اُسے ہدایت دی گئی۔ اس کی راہنمائی کی گئی۔ ﴿وَمَنْ يَعْصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدًى اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾ (3/ آل عمران: 101) ”جو شخص اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے تھام لے تو بلاشبہ اُسے راہ راست دکھا دی گئی ہے۔“ ﴿وَهُدًى اِلٰى الصَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۝﴾ (22/ الحج: 24) ”اُن کو پاکیزہ بات کی راہنمائی کر دی گئی۔“

ہَادٍ

اسم الفاعل ہے۔ راہنمائی کرنے والا۔ ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝﴾ (13/ الرعد: 7) ”اور ہر قوم کے لئے ایک ہدایت دینے والا ہے۔“ هَادٍ، جب مضاف ہو تو کبھی اسے ’ی‘ کے ساتھ لکھا جاتا ہے یعنی بِهْدًى الْعُنْبًى (النمل: 81) اور کبھی ’ی‘ کے بغیر لکھا جاتا ہے یعنی بِهْدٍ الْعُنْبًى (الروم: 53)۔ هَادٍ کو حالت نصب میں هَادِيًا لکھا جاتا ہے (الفرقان: 31)۔ هَادٍ جب لائے نئی جنس کا اسم ہو تو هَادِي لکھا جاتا ہے (الاعراف: 186)۔

أَهْدَى

أَفْعَلُ التفضیل کا صیغہ ہے۔ اس کا ترجمہ ”زیادہ راہ پانے والا، زیادہ ہدایت یافتہ“ کیا جاتا ہے۔ ﴿وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَلْؤَلَّا أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۝﴾ (4/ النساء: 51) ”اور وہ لوگ کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ وہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں بلحاظ راستے کے۔“

تَهْدِيَةً

(تفعیل)

تَهْدِيَةً، تَفْعِلَةٌ کے وزن پر مصدر ہے۔ کسی چیز کو کسی تک پہنچا دینا۔ تحفہ دینا۔ اسم ذات ہے۔ تحفہ۔ ﴿وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ ۝﴾ (27/ النمل: 35) ”اور میں بھیجنے والی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ۔“

هَدًى

هَدًى کا لفظ خاص کر اس جانور پر بولا جاتا ہے جو بیت اللہ کی طرف (ذبح کے لیے) بھیجا جائے۔ انخس نے اس کا واحد هَدِيَّةً لکھا ہے۔ نر کی طرح مادہ جانور پر بھی ہدی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ مصدر ہے۔ جو بطور صفت کے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿فَإِنْ أَحْصَرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۝﴾ (2/ البقرة: 152) ”اور اگر کہیں گھر جاؤ تو جو قربانی میسر آئے“ ایسے جانور جس شخص کے پاس ہوتے تو عرب کا معمول تھا کہ اُس کو کچھ نہ کہتے اور وہ امن کے ساتھ سفر کرتا اور اپنا مقصد پورا کرتا اس لیے ہدی بھی قیام امن کا ایک سبب ہوئی۔

إِهْتِدَاءً

(افتعال)

ہدایت پانا۔ لیکن یہ لفظ خاص اُس ہدایت پر بولا جاتا ہے جو انسان اپنے اختیار سے حاصل کرے۔ ﴿فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۝﴾ (3/ آل عمران: 20) ”پس اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو یہ لوگ یقیناً ہدایت پائیں گے۔“ کبھی اس کے معنی طلب ہدایت کے بھی آتے ہیں مثلاً ﴿وَلَا تَعَزَّوْا عَلَىٰكُمْ وَلَا تَحْنَبُوا عَلَيْكُمْ ۝﴾ (2/ البقرة: 150) ”اور یہ بھی مقصود ہے کہ میں تم کو اپنی تمام نعمتیں بخشوں اور یہ بھی کہ تم راہ راست پر چلو۔“ اور کبھی اس کے معنی سمجھنے کے بھی آتے ہیں مثلاً ﴿قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي ۚ أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ۝﴾ (27/ النمل: 41) اس آیت کا ترجمہ حضرت شیخ الہند ان الفاظ میں کرتے ہیں: ”کہا روپ بدل دکھاؤ اس عورت کے آگے اُس کے تخت کا ہم دیکھیں سمجھ پاتی ہے یا اُن لوگوں میں ہوتی ہے جن کو سمجھ نہیں۔“ (واللہ اعلم)

نوٹ: قرآن مجید میں يَهْتَدِي کو يَهْدِي بھی پڑھا گیا ہے۔ مثلاً ﴿أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمْ مَنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ ۝﴾ (10/ يونس: 35) ”پھر بھلا بتاؤ، جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود راہ نہیں پاتا الا یہ کہ اس کی راہنمائی کی جائے؟“ اصل میں يَهْدِي قاعدے کے مطابق يَهْدِي بنتا ہے لیکن ہر پرزیر پڑھنا بھی جائز ہے۔



مُهْتَدٍ

ج: مُهْتَدُونَ، مُهْتَدِينَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ہدایت پانے والا۔ ہدایت یافتہ۔ ﴿فَبِمَنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَسِقُونَ﴾ (57/ المائدہ: 26) ”اور ان میں کوئی ہدایت پانے والا ہے اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔“ ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ (2/ البقرہ: 157) ”اور وہ لوگ ہی ہدایت یافتہ ہیں۔“ ﴿وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾ (2/ البقرہ: 16) ”اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے۔“ مُهْتَدٍ اصل میں مُهْتَدِي تھا جو کہ قاعدے کے مطابق مُهْتَدِ بن گیا۔ اس پر ’ال‘ داخل کریں تو یہ اَلْمُهْتَدِي بنتا ہے جو کہ پھر ’ی‘ ساکن کے ساتھ اَلْمُهْتَدِي لکھا جاتا ہے (الاعراف: 178) اور کبھی اس ’ی‘ کو حذف کر کے اَلْمُهْتَدِ لکھا جاتا ہے (بنی اسرائیل: 97)۔

ہُدًى اور ہدایۃ میں فرق: اَلْهُدًى اور ہدایۃ اگرچہ لغتہم معنی ہیں لیکن قرآن پاک نے ہُدًى کا لفظ خاص کر ہدایت الہی کے لیے استعمال کیا ہے اور کسی انسان کی طرف اس کی نسبت نہیں کی چنانچہ فرمایا: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (2/ البقرہ: 2) ”خدا سے ڈرنے والوں کی راہنما ہے۔“ ﴿فَالْمَأْتِيَتِكُمْ مِّمَّنْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاى﴾ (2/ البقرہ: 38) ”پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری اُس ہدایت کی پیروی کریں گے۔“ ﴿قُلْ إِنَّ هُدًى اللّٰهِ هُوَ الْهُدًى ط﴾ (2/ البقرہ: 120) ”صاف کہہ دو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔“ (مفردات القرآن)

س ر ط

(ن۔س) سَرَطًا۔ سَرَطًا نَگنا۔

سِرَاطٌ

ج: سُرُطٌ اور صُرُطٌ۔ آسان راستہ۔ صاف کھلا راستہ۔ سُرُطٌ کی وجہ سے ’ص‘ پڑھی جاتی ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”واضح رہے کہ صِرَاطٌ اصل میں سِرَاطٌ ہے۔ اس میں س کا ص سے قلب (بدل جانا) ہے تاکہ اطباق (موٹا ہونا۔ تجوید کی اصطلاح) میں ط کے مطابق ہو جائے۔ اس کی اصل سِرَطُ الطَّعَامِ سے ہے جس کا استعمال کھانے کے نکلنے کے لیے ہوتا ہے گویا سراط میں اس کا تصور ہے کہ رہو (راستہ چلنے والا) راہ کو نکل لیتا ہے یا راستہ رہو کو ہڑپ کر جاتا ہے۔“ (لغات القرآن)

ق و م

(ن) قِيَامًا

(۱) یہ مصدر ہے مطلب ہے: کھڑا ہونا۔ ٹھہرنا۔ نگرانی یا حفاظت کرنا۔ اٹھنا۔

(۲) یہ قَائِمٌ کی جمع بھی ہے مطلب ہے کھڑے ہونے والے۔ ﴿وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا﴾ (25/ الفرقان: 64) ”اور وہ لوگ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے میں اور کھڑے۔“ اس آیت میں حضرت درویشؒ نے قِيَامٌ کو قَائِمٌ کی جمع لکھا ہے۔

(۳) یہ اسم ذات بھی ہے مطلب وہ چیز جس پر کھڑا ہوا جائے۔ جیسے کتاب وہ چیز جس پر لکھا جائے۔ جس سے کسی چیز کی بقا وابستہ ہو۔ وہ چیز جس کے سہارے کوئی قائم رہ سکے۔ قرآن مجید میں مال کو قیام اسی معنی کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾ (4/ النساء: 5) ”اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیام زندگی کا ذریعہ بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالہ نہ کرو۔“ ﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكُفْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ﴾ (5/ المائدہ: 97) ”اللہ نے مکانِ محترم کعبہ کو لوگوں کے لیے (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ بنایا۔“

قِيَامَةً

مصدر ہے۔ ایک بار کھڑے ہونا۔ اچانک اٹھ کھڑے ہونا۔ اصطلاح شرع میں اس سے مراد ہے مرنے کے بعد، جزا اور سزا کے لیے، دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے اٹھ کھڑے ہونا۔ یہ عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ ﴿وَيَوْمَ

الْقِيَمَةِ يَرُدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ ط ﴿2/ البقرة: 85﴾ ”اور قیامت کے دن (یعنی دوبارہ کھڑے ہونے کے دن) وہ لوٹائے جائیں گے شدید ترین عذاب کی طرف۔“

ج: قِيَامٌ اور قَائِمُونَ۔ اسم الفاعل۔ کھڑا ہونے والا۔ نگرانی کرنے والا۔ قیام کرنے والا۔ ﴿أَفَبَنْ هُوقَائِمٌ عَلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ج ﴿13/ الرعد: 33﴾ ”تو کیا وہ جو نگرانی کرنے والا ہے ہر نفس (کے عمل) کی جو اس نے کمایا۔“

ج: قَوْمُوا فعل امر ہے۔ تو کھڑا ہو۔ ﴿قُمِ الْيَلَّ إِلَّا قَلِيلًا ط ﴿73/ مزمل: 2﴾ ”کھڑے ہو جائیے رات کو (نماز کے لیے) مگر تھوڑا۔“ ﴿وَقَوْمُوا لِلَّهِ قُنْتَيْنِ م ﴿2/ البقرة: 238﴾ ”اور کھڑے رہو اللہ کے لیے عاجزی کرتے ہوئے۔“

فَعَالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ حفاظت کرنے والا۔ ذمہ دار۔ کفیل۔ قَوَامٌ اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی ادارے، نظام یا فرد کے معاملات کو درست حالت میں چلانے، اُس کی نگہبانی اور حفاظت کرنے اور اُس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔ اِس لیے اردو میں اِس کا ترجمہ عموماً حاکم کیا جاتا ہے۔ ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ ﴿4/ النساء: 34﴾ ”مرد حفاظت کرنے والے، ذمہ دار ہیں عورتوں پر۔“ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ ﴿4/ النساء: 135﴾ ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے گواہ بنو۔“

فَيَعُولٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ اصل میں قَيُّوْمٌ تھا۔ صرنی تعلیل کے بعد قَيُّوْمٌ بن گیا۔ اِس کا مصدر قِيَامٌ ہے۔ اِس کے معنی ہیں وہ ذات جو از خود قائم ہو اور دوسروں کو قائم رکھنے والی ہو۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: ”الْقَيُّوْمُ: أَلْقَائُهُمْ بِتَدْيِيرِ خَلْقِهِ مِنْ انْشَاءِهِمْ اِبْتِدَاءً وَايْصَالِ اَزْدَاقِهِمْ اِلَيْهِمْ یعنی وہ ہستی جو کائنات کی ہر چیز کی تخلیق، نشوونما اور بقاء کی تدبیر فرمانے والی ہے۔ ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ؕ ﴿2/ البقرة: 255﴾ ”اللہ، وہ زندہ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔“

یہ دونوں صفت کے صیغے ہیں۔ ان کا معنی ہے ایسا سیدھا جس میں ذرا بھی کجی یا ٹیڑھاپن نہیں یا ایسا صحیح جس میں ذرا بھی غلطی کا امکان نہیں۔ قائم یا ثابت چیز۔ سیدھی چیز۔ درست کرنے والا۔ ﴿ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ؕ ﴿9/ التوبة: 36﴾ ”یہی ٹھیک ضابطہ ہے۔“ ﴿وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ط ﴿98/ البينة: 5﴾ ”یہی نہایت صحیح اور درست دین ہے۔“ الدِّينُ الْقَيِّمُ کے بارے میں امام راغب نے لطیف توجیہ کی ہے، فرماتے ہیں: ”ایسا دین جو معاش و معاد اور دنیا و آخرت کو درست کرنے والا ہے۔“ گویا امام راغب کے نزدیک قَيِّمٌ بمعنی مَقْمُورٌ (باب تفعیل سے اسم الفاعل۔ درست کرنے والا) ہے۔ (بحوالہ لغات القرآن)

أَقْوَمُ فعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ درست رکھنے والا۔ زیادہ قائم رکھنے والا۔ بالکل سیدھا۔ ﴿وَاقْوَمُوا لِلشَّهَادَةِ ﴿2/ البقرة: 282﴾ ”اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو۔“ ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ ﴿17/ بنی اسرائیل: 9﴾ ”بے شک یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راستہ جو بالکل سیدھا ہے۔“

مَقَامٌ اسم الظرف ہے مَفْعَلٌ کے وزن پر۔ کھڑے ہونے کی جگہ۔ ٹھہرنے کی جگہ۔ ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِرِهِمْ مُصَلًّى ط ﴿2/ البقرة: 125﴾ ”اور تم لوگ بنا لو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ میں سے نماز کی جگہ۔“ یہ بطور مصدر بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذِكْرِي ﴿10/ یونس: 71﴾ ”اگر تم لوگوں پر بھاری ہے میرا کھڑا ہونا اور میری نصیحت۔“

قِيَمٌ صفت ہے۔ یا (۲) قِيَامٌ کا مخفف ہے۔ مطلب ہے درست، صحیح، دنیا اور آخرت کو درست کرنے والا۔ ﴿دِينًا قِيَمًا مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴿6/ الانعام: 161﴾ ”دین صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا۔“

اسم ہے۔ اسراف اور بخل کے درمیان حد اوسط، معتدل، میانہ، متوسط۔ ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ (25/ الفرقان: 67) ”جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل، بلکہ اُن کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔“

کسی جگہ یا کسی صفت پر قائم رہنے والے افراد کا گروہ۔ ﴿قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (2/ البقرہ: 118) ”ہم واضح کر چکے ہیں نشانیوں کو یقین رکھنے والے گروہ کیلئے۔“

(افعال) اِقَامَةً، اِقَامًا کھڑا کرنا۔ سیدھا کرنا۔ کسی چیز کو قائم و دائم رکھنا۔ ﴿الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾ (5/ المائدہ: 55) ”جو لوگ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔“ ﴿وَ أَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ﴾ (21/ الانبیاء: 73) ”اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی (تلقین) کی۔“ (ترجمہ حسن البیان)۔ اِقَامٌ بھی دراصل باب افعال کا مصدر اِقَامَةٌ ہے۔ تخفیف کے لیے ت کو آخر سے حذف کر دیا۔

ج: مُقِيمُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ قائم رکھنے والا۔ ﴿وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ﴾ (4/ النساء: 162) ”اور نماز کو قائم رکھنے والے۔“

مُقَامٌ، مَقَامَةٌ اسم المفعول جو بطور اسم الظرف بھی استعمال ہوتا ہے۔ کھڑا کیا ہوا۔ کھڑے کئے جانے کی جگہ۔ ٹھہرائے جانے کی جگہ۔ ﴿لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا﴾ (33/ الاحزاب: 13) ”تمہیں ٹھہرائے جانے کی کوئی جگہ نہیں ہے پس واپس چلو۔“ ﴿إِلَّا نَجِيَّ أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ﴾ (35/ فاطر: 35) ”جس نے ہمیں اپنے فضل سے ابدی قیام کی جگہ ٹھہرا دیا۔“

ج: اَقِيمُوا۔ فعل امر ہے۔ تو قائم و دائم رکھ۔ تو سیدھا رکھ۔ ﴿وَأَنْ اَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا﴾ (10/ یونس: 105) ”اور (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) تو اپنا رخ سیدھا رکھ اس دین کی طرف ہر کجی سے بچتے ہوئے۔“ ﴿وَ اَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ وَ اُكْلُوا مَعَ الزَّكَاةِ﴾ (2/ البقرہ: 43) ”اور قائم کرو/ قائم رکھو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور رکوغ کرو رکوغ کرنے والوں کے ساتھ۔“

(تفعیل) تَقْوِيْمًا کسی چیز کی بنیاد کو درست کرنا، ٹھیک کرنا، اعتدال پیدا کرنا (تعدیل کرنا)۔ ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (95/ البین: 4) ”یقیناً ہم نے پیدا کیا انسان کو سب سے اچھے تناسب و تعدیل میں۔“

(استفعال) اِسْتِقَامَةً اس طرح سیدھا کھڑا ہونا کہ کوئی کجی یا کسی طرف جھکاؤ نہ ہو۔ سیدھا ہونا۔ ڈٹ جانا۔ قائم رہنا۔ سیدھا چلنا۔ دین پر ڈٹ جانا اور استقامت اختیار کرنا کے معنی حضرت عمر فاروقؓ نے ان الفاظ میں بیان کیے ہیں: ”اَلَا اِسْتِقَامَةٌ اَنْ تَسْتَقِيْمَ عَلَى الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ وَلَا تَرْوِغَ رَوْعَانَ الثَّغَالِبِ استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام، اوامرا اور نواہی پر سیدھے جے رہو اور یہ کہ اُس سے ادھر ادھر راہ فرار لو مڑیوں کی طرح نہ نکالو۔“ (بحوالہ معارف القرآن)

اسم الفاعل ہے۔ ہر کجی اور جھکاؤ سے پاک ہو کر سیدھا ہونے والا۔ بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ہر کجی اور جھکاؤ سے پاک یعنی سیدھا۔

ج: اِسْتَقِيْمُوا۔ فعل امر ہے۔ تو قائم رہ۔ تو ثابت قدم رہ۔ ﴿وَ اِسْتَقِيْمْ كَمَا اُصِرْتَ﴾ (42/ الشوری: 15) ”تو قائم رہ جیسا کہ فرما دیا ہے تجھ کو۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ ﴿فَمَا اِسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوا لَهُمْ ط﴾ (9/ التوبہ: 7) ”سو جب تک وہ قائم رہیں تمہارے لیے (معادہ پر) تم بھی قائم رہو اُن کے لیے۔“

اِهْدِ عِثَاثِي مجرد سے فعل امر ہے۔ اِهْدِ کے دو مفعول ہوتے ہیں کس کو ہدایت دی اور کیا ہدایت دی، یہاں ”نا“ ضمیر مفعولی، مفعول اول ہے اور

مفعول ثانی مرکب توصیفی الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمَ ہے۔

ترجمہ	اِهْدِ	نَا	الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمَ ۝
	تو ہدایت دے	ہم کو	سیدھے راستے کی

نوٹ-1

اِهْدِ یہاں پر ہدایت کے جامع مفہوم میں ہے۔ یعنی تو سیدھا راستہ ہمیں سمجھا دے۔ اس پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور اس پر چلا کر ہمیں منزل تک پہنچا دے۔ علماء کرام اور بزرگان دین جب نماز میں یہ آیت پڑھتے ہیں تو ان کی دعا دراصل توفیق اور منزل تک پہنچنے کے لئے ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے معارف القرآن دیکھیں۔

آیت: 6

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝﴾

الَّذِينَ

الَّذِي واحد اور الَّذِينَ جمع ہے۔ یہ دونوں مبنی ہیں۔ لیکن اس کا تثنیہ قاعدہ کے مطابق الَّذِينَ اور الَّذِينَ آتا ہے۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ الَّذِي اور الَّذِينَ ایک لام کے ساتھ لکھا جاتا ہے جبکہ اس کا تثنیہ عموماً دو لام کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ البتہ قرآن مجید کے املا پر غور کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر 16 میں الَّذِينَ ایک لام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔

ن ع م

(ف-ن) نِعْمَةٌ خوشحال ہونا۔ نعمت پانا۔

(س) نِعْمَةٌ، نِعْمًا سرسبز ہونا۔ تروتازہ ہونا۔

نِعْمَةٌ اور نِعْمَةٌ اسم ذات ہے۔ نعمت، آرام، آسائش، اچھی حالت۔ ﴿وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِيَ النَّعْمَةِ﴾ (73/ الزمر: 11) ”اور تو چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو جو نعمت والے ہیں۔“ ﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ﴾ (2/ البقرہ: 231) ”اور تم لوگ یاد کرو اللہ کی نعمت کو۔“

نِعْمَاءُ ج: أَنْعَمُ اور نِعْمٌ۔ آرام۔ آسودگی۔ اچھی حالت۔ اس کا اُلٹ ضَرَاءُ ہے۔ ﴿وَلَيِّنْ أَدَقُّنُهُ نِعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَاءٍ﴾ (11/ ہود: 10) ”اور اگر ہم پکھائیں اس کو آرام، تکلیف کے بعد۔“ ﴿فَكَفَرْتُ بِأَنْعَمِ اللَّهِ﴾ (16/ النحل: 112) ”تو اس نے ناشکری کی اللہ کی (دی ہوئی) نعمتوں کی۔“ ﴿وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً﴾ (31/ لقمان: 20) ”اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں کھلی اور چھپی۔“

نِعِيمٌ فَعِيلٌ کا وزن ہے مطلب ہے نِعْمَةٌ کَثِيرَةٌ۔ ہمیشہ خوش حال۔ ہمیشہ تروتازہ۔ آرام۔ راحت۔ ﴿إِنَّ الْإِبْرَارَ لَنِعِيمٌ﴾ (82/ الانفاطر: 13) ”بیشک نیکو کار ہمیشہ کی خوشحالی میں ہوں گے۔“ ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ﴾ (31/ لقمان: 8) ”بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے نعمتوں والے باغات ہیں۔“

نَاعِمٌ اسم الفاعل ہے۔ خوش حال ہونے والا۔ تروتازہ۔ ہشاش بشاش۔ ﴿وَجُودُهُ يُؤَمِّنُ نَاعِمَةً﴾ (88/ الغاشیہ: 8) ”کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔“

نَعْمٌ ج: أَنْعَامٌ۔ مویشی۔ چوپائے (یہ اللہ کی نعمت ہیں)۔ ﴿فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعْمِ﴾ (5/ المائدہ: 95) ”تو بدلہ ہے ویسا ہی جو اس نے قتل کیا مویشی میں سے۔“ چوپاؤں میں سے انعام یعنی مویشی ایسے جانوروں کو کہتے ہیں جن کے پیر

کے سُم (چوپائے کا گھر) چرے ہوتے ہیں اور وہ کچلیاں (کچلی کی جمع۔ نوک دار دانت) اور پنچے نہیں رکھتے اور نہ ہی انسان پر حملہ کرتے ہیں۔ حیوانی غذا کی بجائے نباتاتی غذا کھاتے ہیں اور جگالی کرتے ہیں۔ اصل میں نَعَم کا لفظ خاص اونٹوں کے لیے بولا جاتا ہے اس لیے کہ وہ عربوں کے لیے سب سے بڑی نعمت تھے۔ اس کی جمع انعام آتی ہے لیکن انعام میں باقی جانور مثلاً بھیڑ، بکری، گائے، بھینس، نیل گائے وغیرہ بھی شامل ہیں۔ مگر ان جانوروں پر انعام کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس میں اونٹ بھی شامل ہو ورنہ نہیں۔ گھوڑے، گدھے، شیر، وغیرہ انعام نہیں ہیں۔ شامد بھی وجہ ہے کہ سورہ آل عمران کی آیت نمبر 14 میں گھوڑوں کو انعام میں شامل نہیں کیا گیا اور ان کا ذکر الگ کیا گیا ہے۔ ﴿رُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط﴾ (3/ آل عمران: 14)

نِعْمَ و نِعْمًا مدح یعنی تعریف کے الفاظ ہیں۔ کیسا اچھا۔ کتنا عمدہ۔ ﴿فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَكُمْ ط نِعْمَ الْمَوْلَى وَ نِعْمَ النَّصِيرُ﴾ (8/ الانفال: 40) ”پس تم لوگ جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے تو کیسا اچھا حمایتی اور کیسا اچھا مددگار ہے۔“ ﴿إِنْ تُبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ﴾ (2/ البقرة: 271) ”اگر تم لوگ علانیہ صدقہ دو تو کیسا اچھا ہے یہ۔“

نَعَم (انفال) ہاں۔ ﴿قُلْ نِعْمَ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ﴾ (37/ الصافات: 18) ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہاں اور تم لوگ ذلیل ہو گے۔“ خوش حال کرنا۔ نعمت دینا۔ اس کے ساتھ علی کا صلہ آتا ہے۔ ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ (1/ الفاتحہ: 6) ”تو نے نعمت دی جن کو۔“ انعام کے معنی ہیں وہ کیفیت جسے انسان لذیذ پاتا ہے پھر اس کا استعمال ان اشیاء پر ہونے لگا جو اس لذت کا سبب بنتی ہیں۔ اس لفظ کا استعمال صرف انسانوں کے لیے ہوتا ہے غیر انسان کے لیے نہیں۔ مثلاً عربی میں یوں نہیں کہتے اَنْعَمَ عَلَى فَرَسِهِ اُس نے اپنے گھوڑے پر انعام کیا اور نہ ہی یہ لفظ اپنی ذات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

تَنْعِيمًا (تفعلیل) کسی کو نعمت سے نوازنا۔ ﴿فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَ نَعَّمَهُ﴾ (89/ الفجر: 15) ”مگر انسان کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اسے عزت اور نعمت دیتا ہے۔“

ترکیب صِرَاطِ الَّذِينَ میں صِرَاط مضاف ہے اور الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ کا ”بدل کل“ ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ الَّذِينَ اسم موصولہ ہے، آگے جملہ فعلیہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اس کا صلہ ہے اور صلہ موصولہ ل کر صِرَاط کا مضاف الیہ ہے۔ اس لیے حالت جر میں ہے۔ اس بات کو نوٹ کر لیں اگلی آیت میں اس کی ضرورت پڑے گی۔

صِرَاطِ الَّذِينَ	اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ	ترجمہ
ان لوگوں کا راستہ	جن پر تو نے انعام کیا	

نوٹ: سورۃ النساء کی آیت نمبر 69 میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ افراد کی فہرست دے دی ہے اور یہ انبیاء کرام، صدیقین، شہداء کرام اور صالحین پر مشتمل ہے۔

### آیت نمبر: 7

﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ع﴾

غَيْرُ مختلف چیز، علاوہ چیز۔ قرآن مجید میں غَيْرُ کا استعمال چار طور پر ہوا ہے (1) صرف نفی کے لیے جیسے ﴿بَغْيِرْ هُدًى مِّنَ اللَّهِ ط﴾ (28/ القصص: 50) ”یعنی اللہ کی طرف سے ہدایت نہ ہونے کی صورت میں۔“ ﴿وَهُوَ فِي الْخُصَاوِ غَيْرُ مُبِينٍ﴾ (43/ الزمر: 18) ”اور جو جھگڑے میں

اپنی بات واضح نہ کر سکیں۔“ (۲) لفظ اِلَّا کی طرح صرف استثناء کے لیے۔ اس صورت میں یہ نکرہ کی صفت بن سکتا ہے۔ جیسے ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهِ غَيْرِیْ﴾ (28/ القصص: 38) ”میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لیے میرے سوا کوئی اور معبود بھی ہے۔“ ﴿هَلْ مِنْ خَالِقِ غَيْرِ اللّٰهِ﴾ (35/ فاطر: 3) ”کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے۔“ ﴿فَمَا تَزِیْدُ وَنَبِیَّ غَیْرَ تَحْسِیْرِ﴾ (11/ ہود: 63) ”سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوائے نقصان کے۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ﴿وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَنْبِیْیٍ﴾ (11/ ہود: 101) ”اور نہیں بڑھایا اُن کے حق میں سوائے ہلاک کرنے کے۔“ (ترجمہ شیخ الہند) (۳) اصل چیز کو باقی رکھتے ہوئے صرف ظاہری شکل و صورت کی نفی کے لیے جیسے ﴿كُلُّهَا فَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَلْنَهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا﴾ (4/ النساء: 56) ”جب کبھی پک جائیں گی ان کی کھالیں تو بدل کر دے دیں گے ہم انہیں کھالیں دوسری۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن) (۴) کسی چیز کی مکمل نفی کر کے دوسری چیز کو اس جگہ قائم کرنے کے لیے جیسے ﴿وَلَا یَسْتَبْدِلُ قَوْمًا غَیْرَکُمْ﴾ (9/ التوبہ: 39) ”تمہاری جگہ اللہ دوسری قوم کو لے آئے گا۔“ ﴿اَنْتَ بِقُرْآنِ غَیْرِ هٰذَا﴾ (10/ یونس: 15) ”لے آئیے کوئی دوسرا قرآن اس کے علاوہ۔“ غَیْرُ کے بعد مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے اور جب فقرے میں غیر کی تکرار کا مقصود ہو تو اس ’غَیْرُ‘ کی بجائے ’لَا‘ استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بعد بھی مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے۔ جیسے آیت زیر مطالعہ اور ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًی وَلَا کِتَابٍ مُّنِیْرِ﴾ (31/ لقمان: 20) ”انسانوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو، یا ہدایت، یا کوئی روشنی دکھانے والی کتاب۔“

## غ ض ب

(س) غَضَبًا انتقام کے لیے دل میں خون کا جوش مارنا۔ غضبناک ہونا۔ غصہ میں ہونا۔ نبی اکرم ﷺ نے غَضَبُ کی تعریف یوں فرمائی ہے: ((اَتَّقُوا مِنَ الْغَضَبِ فَاِنَّهُ جُمْرَةٌ تُوَقَّدُ فِیْ قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ اَکْمَ تَرَوْا اِلٰی اِنْتِفَاحِ اَوْدَاجِهِ وَحُمْرَةِ عَیْنِیْهِ)) ”غضب سے بچو کہ وہ آگ کی چنگاری ہے جو ابن آدم کے دل میں جلتی ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ ایسے شخص کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔“ (بحوالہ مترادفات القرآن، ص ۶۵۲، ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ یہ حدیث مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۴، ص ۶۱۵ پر بھی ہے)۔ غضب الہی سے مراد عذاب اور سزا ہے۔ یہ فعل لازم ہے۔ علی کے صلے کے ساتھ متعدی ہو جاتا ہے۔

غَضَبَانُ فَعْلَانُ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ غضبناک۔ ﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوسٰی اِلٰی قَوْمِهِ غَضْبَانَ اَسْفًا﴾ (7/ الاعراف: 150) ”اور جب واپس ہوئے موسیٰ اپنی قوم کی طرف بہت غضبناک حالت میں اور افسوس کرتے ہوئے۔“ لازم افعال کا مفعول اور مجہول نہیں آتا لیکن صلے کے استعمال سے مفعول اور مجہول بن جاتا ہے۔ اسی طرح غ ض ب فعل لازم ہے۔ اس کو متعدی بنانے کے لیے علی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ مَغْضُوْبٌ عَلٰی اسم المفعول ہے۔ مطلب ہے جس پر غضب کیا گیا۔ جب مفعول آئے تو مفعول کی جمع نہیں بنائی جاتی بلکہ علی کے بعد واحد، تشنیہ یا جمع کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مَغْضُوْبٌ اِحْدٰہِی ر ہتا ہے۔ چنانچہ جس پر غضب کیا گیا اگر وہ واحد مذکر ہو تو مَغْضُوْبٌ عَلَیْہِ کہیں گے۔ واحد مؤنث ہو تو مَغْضُوْبٌ عَلَیْہَا کہیں گے۔ علی ہذا القیاس۔

(مفاعله)

مُعَاضِبَةٌ

اسم الفاعل ہے۔ کسی پر ناراض ہونے والا۔ ﴿وَاِذَا النُّوْرُ اِذْ ذٰہَبَ مُعَاضِبًا﴾ (21/ الانبیاء: 87) ”اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر۔“

## ض ل ل

(ض) ضَلًا لَا وَضْلًا لَہُ بنیادی مفہوم ہے سیدھی راہ سے ہٹ جانا۔ یہ ہدایت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ راستے سے روگردانی دانستہ ہو یا بھول کر ہو، تھوڑی ہو یا زیادہ، اس کو ضلال کہتے ہیں۔ ضلال کا اطلاق مندرجہ ذیل معانی پر ہوتا ہے:

(۱) گمراہ ہونا۔ راہ حق سے بھٹک کر باطل کی طرف جانا۔ مثلاً: ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہُمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ﴾ (۱/ الفاتحہ: 7) ”جن پر غضب نہیں کیا گیا اور جو گمراہ ہونے والے نہیں۔“

(۲) راستہ کی تلاش میں ہونا۔ حیران و پریشان ہونا۔ مثلاً: ﴿وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۖ﴾ (الضحیٰ: 7) ”اور آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتا دیا۔“ (ترجمہ ماجدی) اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں: ”ضال کے معنی حیران و سرگرداں کے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ دولت رسالت سے تو بعد کو مشرف ہوئے ہیں۔ اپنی قوم کی اصلاح کی فکر اور تڑپ آپ ﷺ کو بہت قبل سے تھی، اور اسی دھن میں آپ ﷺ برابر لگے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے وحی کی راہ آپ ﷺ پر کھول دی۔ اور سارے حقائق دین آپ ﷺ پر منکشف کر دیئے۔ سو ضال آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی زندگی کے دور قبل نبوت کے اعتبار سے فرمایا، جب آپ ﷺ راہِ فلاح و اصلاح کے لیے بے چین تھے۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۶۷-۱۱)

(۳) ناواقف ہونا۔ جب کوئی شخص کسی شے کی حقیقت سے ناواقف ہو تو عرب کہتے ہیں ضَلَّ عَنْهُ۔ اسی معنی میں یہ آیت ہے: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ ۝﴾ (البقرة: 198) ”اور اس سے قبل تم یقیناً محض ناواقفوں میں تھے۔“ (ترجمہ ماجدی) آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں: ”ضال ہمیشہ گمراہی کے معنی میں نہیں آتا، ناواقف کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور ضلال سے مراد احکام الہی سے ناواقفیت ہو سکتی ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۱۰۴)

(۴) گم ہونا۔ ضائع ہونا۔ نیست ہونا۔ چنانچہ عربی محاورے میں کہتے ہیں ضَلَّ الْمَاءُ فِي اللَّبَنِ۔ پانی دودھ میں گم ہو گیا۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَقَالُوا إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝﴾ (السجدة: 10) ”اور کہتے ہیں کہ بھلا جب ہم زمین میں نیست و نابود ہو گئے تو کیا کہیں پھر ہم نئے جنم میں آئیں گے۔“ (ترجمہ ماجدی)

(۵) محبت کے معنی میں۔ جیسے فرمایا: ﴿قَالُوا تَأْتِيهِمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ ضَلَّالًا ۝﴾ (یوسف: 95) ”گھر والوں نے کہا بخدا (بابا جی) آپ اپنی اس پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت صاحب احسن البیان فرماتے ہیں: ”ضلال“ سے مراد، والہانہ محبت کی وہ وارفتگی ہے جو حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹے یوسفؑ کے ساتھ تھی۔ بیٹے کہنے لگے، ابھی تک آپ اسی پرانی غلطی یعنی یوسفؑ کی محبت میں گرفتار ہیں۔ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود یوسفؑ کی محبت دل سے نہیں گئی۔“ امام راغب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: ”توان آیات (یوسف آیت 8 اور 95) میں ضلال سے مراد یہ ہے کہ وہ یوسف علیہ السلام کی محبت میں اور ان کے اشتیاق میں سرگرداں ہیں اسی طرح آیت کریمہ (یوسف آیت 30) میں بھی ضلال مبین سے والہانہ محبت مراد ہے۔“ ﴿وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۖ﴾ (الضحیٰ: 7) ”اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ حضرت پیر کرم شاہ صاحب نے اس آیت میں ضالاً کے بارے میں 6 قول نقل کیے ہیں۔ ان میں سے چھ قول امام رازیؒ کا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ”امام رازیؒ کہتے ہیں کہ الضلال بمعنی المحبت کما فی قوله تعالیٰ انک فی ضلالک القدیم۔ یعنی یہاں ضلال سے مراد محبت ہے جس طرح سورہ یوسف کی اس آیت میں ہے۔“

(۶) غلطی کے معنی میں۔ ضلال کا لفظ نادانی، خطایا نادانگی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَاَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ۝﴾ (اشعراء: 26) ”(موسیٰؑ نے) کہا واقعی میں وہ حرکت کر بیٹھا تھا اور مجھ سے نادانستہ غلطی ہو گئی تھی۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ اس آیت کے حاشیے میں مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں: ”ضال کے معنی ہی ہیں انجان کوئی حرکت کر بیٹھنے والا۔ ضلال کا لفظ ارادی وغیر ارادی، بڑی اور چھوٹی ہر غلطی کے لیے عام ہے۔ اور اسی لیے اس کا اطلاق ضلال انبیاء و ضلال کفار دونوں پر ہوتا ہے۔ حالانکہ اس ضلال اور اُس ضلال کے درمیان زمین و آسمان کا



فرق ہے۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۷۳)

(۷) غفلت یا غافل ہونا کے معنی میں۔ جیسے فرمایا: ﴿لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى﴾ (20/ طہ: 52)

”میرا رب نہ غافل ہوتا ہے نہ بھولتا ہے۔“

(۸) بھول جانے کے معنی میں۔ جیسے فرمایا: ﴿أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا﴾ (2/ البقرة: 282) ”اور اگر اُن میں سے ایک بھول جائے گی۔“ مفردات القرآن کے مطابق یہاں تَضِلَّ کے معنی بھول جانے کے ہیں۔ اور یہی وہ نسیان ہے جسے عفو قرار دیا گیا ہے۔

(۹) اس درخت کو بھی عربی میں ضلالۃ کہتے ہیں جو صحرا میں اکیلا کھڑا ہو اور اُس پاس کوئی دوسرا درخت نہ ہو۔

(۱۰) ضائع ہونے کے لیے بھی ضلال کا لفظ بولا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی چیز ناموافق اور ناسازگار حالات میں ضائع ہو رہی ہو۔

(۱۱) ہلاک ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

ج: ضَالُّونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ گمراہ ہونے والا۔ راستہ کی تلاش میں سرگرداں ہونے والا۔ ضال کے معنی ہی ہیں انجان کوئی حرکت کر بیٹھنے والا۔ ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ﴾ (3/ آل عمران: 90) ”اور وہ لوگ ہی گمراہ ہونے والے ہیں۔“ ﴿وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ﴾ (93/ الضحیٰ: 7) ”اور اس نے پایا آپ ﷺ کو حق کی تلاش میں سرگرداں تو ہدایت دی۔“

گمراہ کرنا۔ ضائع کرنا۔ ﴿وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ﴾ (4/ النساء: 113) ”اور وہ لوگ گمراہ نہیں کرتے مگر خود اپنے آپ کو۔“ ﴿فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ﴾ (47/ محمد: 4-5) ”تو وہ ہرگز ضائع نہیں کرے گا“ ان کے اعمال کو (بلکہ) وہ ان کو ہدایت دے گا۔“

اسم الفاعل ہے۔ گمراہ کرنے والا۔ ﴿وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّضِلٍّ﴾ (39/ الزمر: 37) ”اور جس کو اللہ ہدایت دے تو اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔“

ضائع کر دینا۔ برباد کر دینا۔ ناکام بنا دینا۔ ﴿أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ﴾ (105/ الفیل: 2) ”کیا اس نے نہیں کر دیا ان کی خفیہ تدبیر کو برباد۔“

### ترکیب

غَیْرِ مضاف ہے اور اس کی جر بتا رہی ہے کہ یہ اَلَّذِینَ کا بدل ہے یا اُس کی صفت ہے جو محلاً حالت جر میں ہے۔ اَلْمَغْضُوبِ مضاف الیہ ہے عَلَیْهِمْ جار مجرور مل کر محلاً حالت رفع میں ہیں۔ اَلْمَغْضُوبِ کا نائب الفاعل ہونے کی وجہ سے۔ وُ عطف کا ہے اور آگے لا زائدہ نفی کی تاکید کے لیے ہے۔ اَلضَّالِّینَ عطف ہے اَلْمَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ پر۔

ترجمہ	غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ	وَلَا الضَّالِّینَ
	جن پر غضب نہیں کیا گیا	اور جو گمراہ نہیں ہوئے

### نوٹ: 1

سورۃ الفاتحہ کے مطالعہ سے دعا مانگنے کا سلیقہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے سے پہلے اسکی حمد و ثناء کرنی چاہیے۔ متعدد احادیث میں حضور ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو۔ پھر درود شریف پڑھو، اس کے بعد دعا مانگو۔

### نوٹ: 2

آمین غیر عربی لفظ ہے۔ اکثریت کی رائے ہے کہ یہ عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں ”اَسْمِعْ وَاسْتَجِبْ“ یعنی یا اللہ تو ہماری دعائیں اور قبول فرما (حضرت عبداللہ بن عباسؓ)۔ یہ لفظ قرآن مجید کا حصہ نہیں۔ اس کا پڑھنا سنت سے ثابت ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## سورة البقرة

آیت: 2-1

﴿الْم ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚ فِيْهِ ۙ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴾

الْم

یہ حروف مقطعات ہیں۔ یہ پڑھنے میں پوری آواز کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے ان حروف پر کافی کچھ لکھا ہے جو کتب تفاسیر میں سے دیکھا جاسکتا ہے البتہ ان حروف کے بارے میں حرف آخر یہ ہے کہ هٰذَا سِرُّ كَيْنِ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ یہ وہ راز ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان ہے۔ امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں: اِنَّ هٰذَا عِلْمٌ مَّسْتُوْرٌ وَسِرٌّ مَّحْجُوْبٌ اِسْتَأْثَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَتَبَارَكَ بِهٖ ”بے شک یہ چھپا ہوا علم ہے، اور حجاب میں راز ہے جو اللہ کے ساتھ خاص ہے۔“ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور شعبی، سفیان ثوری، ربیع بن خثیم و ابو حاتم وغیرہ سب کا یہی مذہب ہے۔ (قرطبی وابن کثیر، بحوالہ تفسیر ماجدی)

ذٰلِكَ

یہ اشارہ بعید ہے۔ اس آیت میں اس سے کیا مراد ہے وہ آگے نوٹ 1 میں دیکھیں۔

ل ک ت ب

(ن)

کُتِبًا اور کِتَابًا کھال یا چمڑے کے دو ٹکڑوں کو باہم ملا کر سی دینا، جوڑ دینا۔ اسی بنیادی لغوی مفہوم سے پھر یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) حروف کو باہم ملا دینا۔ یہ کام بذریعہ تقریر بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے کلام اللہ کو اس وقت بھی کتاب کہا گیا جب قرآن مجید باقاعدہ ضبط تحریر میں نہیں آیا تھا۔ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚ فِيْهِ ۙ﴾ (2/ البقرة: 2) اور یہ کام بذریعہ تحریر بھی ہوتا ہے جسے لکھنا کہتے ہیں۔ ﴿وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ۝﴾ (43/ الزخرف: 80) اور ہمارے رسول یعنی فرشتے ان کے پاس لکھتے ہیں۔“ (۲) پختہ ارادہ کرنا۔ حتمی فیصلہ کرنا۔ ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَآعْلَبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۙ﴾ (58/ المجادلة: 21) ”اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ بے شک میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔“ (۳) لازم کرنا۔ فرض کرنا۔ ان معنوں میں علی کا صلہ آتا ہے۔ ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ﴾ (6/ الانعام: 54) ”لازم کیا تمہارے رب نے اپنے آپ پر رحمت کو۔“ ﴿كُنْتُ عَلَيْنَكُمْ الصِّيَامَ ۙ﴾ (2/ البقرة: 183) ”فرض کیا گیا تم لوگوں پر روزہ۔“ (۴) جمانا، نقش کرنا، ثبت کرنا۔

كِتَابٌ

ج: كُتِبَ۔ اسم ذات بھی ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً،

(۱) کتاب یا لکھی ہوئی چیز۔ ﴿يَسْأَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ ۙ﴾ (4/ النساء: 153) ”مطالبہ کرتے ہیں آپ ﷺ سے اہل کتاب کہ آپ ﷺ اتروا دیں اُن پر کتاب آسمان سے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿وَمَا اَهْلُكُنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتٰبٌ مَّعْلُوْمٌ ۙ﴾ (15/ الحجر: 4) ”اور کوئی بستی ہم نے غارت نہیں کی مگر اُس کا وقت لکھا ہوا تھا مقرر۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

(۲) قانون الہی۔ ﴿وَلَا تَعْزِمُوْا عَقْدَةَ النَّكَاحِ حَتّٰی يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهُ ۙ﴾ (2/ البقرة: 235) ”اور نہ ارادہ کرو نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جاوے عدت مقررہ اپنی انتہا کو۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ﴿لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ

فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٨﴾ (8/ الانفال: 68) ”اگر اللہ ہی کا ایک قانون پہلے سے نہ ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا اُس کے بارہ میں تم پر کوئی سخت سزا نازل ہوتی۔“ (ترجمہ ماجدی)

(۳) اللہ تعالیٰ کا وہ رجسٹر جس میں ہر چیز محفوظ ہے یعنی لوح محفوظ۔ ﴿وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ ﴿٥٠﴾﴾ (50/ ق: 4) ”اور ہمارے پاس تو (پورا) رجسٹر (ہی) محفوظ ہے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ تفسیر عثمانیؒ میں آیت کے اس حصے کی وضاحت یوں کی گئی ہے: ”یعنی یہ نہیں کہ آج سے معلوم ہے بلکہ ہمارا علم قدیم ہے حتیٰ کہ اُن میں قبل وقوع ہی سب اشیاء کے سب حالات ایک کتاب میں جو ”لوح محفوظ“ کہلاتی ہے لکھ دیئے تھے اور اب تک ہمارے پاس وہ کتاب موجود چلی آتی ہے۔“ ﴿إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ ط﴾ (22/ الحج: 70) ”یہ سب لکھا ہوا ہے کتاب میں۔“ اس آیت میں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے (عثمانیؒ) (۴) خط اور پیغام۔ ﴿قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا اِیُّیُّ اُلْقِیْ اِلَیَّ كِتَابٌ كَرِیْمٌ ﴿٢٩﴾﴾ (27/ النمل: 29) ”(بلقیس) نے کہا اے اہل دربار میرے پاس ایک معزز خط ڈالا گیا ہے۔“ (ترجمہ ماجدی)

(۵) احکام الہی، احکام۔ ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ط﴾ (2/ البقرة: 129) ”اے ہمارے پروردگار ان میں ایک پیغمبر اُنہی میں سے بھیج جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب (الہی) اور دانائی کی تعلیم دے اور انہیں پاک (وصاف) کرے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ اس آیت مبارکہ میں اور البقرة 151، آل عمران 164، الجمعة آیت 2 میں کتاب سے عام طور پر احکام الہیہ مراد لیے گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ﴿فِيهَا كُتِبَ قِسْمَةُ ط﴾ (98/ البقرة: 3) ”جن میں لکھی ہوں سچی اور درست باتیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں کتاب سے مراد احکام ہیں۔ (بحوالہ ضیاء القرآن)

(۶) لوگوں کے اعمال نامے۔ ﴿وَيَقُولُونَ يَوْمَئِذٍ إِنَّ هَٰذَا الَّذِي كُنَّا نَعْتَدُ صَغِيرَةً وَ لَا كَبِيرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا ﴿١٨﴾﴾ (18/ الکہف: 49) ”اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہو گئی ہو۔“ (ترجمہ تفہیم القرآن) ﴿وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَ جَاءَءِ بِالْذِّبِّينَ وَ الشَّهَادَةِ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يظْلَمُونَ ﴿٣٩﴾﴾ (39/ الزمر: 69) ”کتاب اعمال لا کر رکھ دی جائے گی، انبیاء اور تمام گواہ حاضر کر دیے جائیں گے، لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اُن پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔“ (ترجمہ تفہیم القرآن)

(۷) اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا کلام۔ اس معنی کے لحاظ سے کبھی تو کتاب کا اطلاق بطور اسم جنس تمام آسمانی کتابوں پر ہوتا ہے جیسے فرمایا ﴿هَٰذَا نَتْلُوْهُ اَوْ لَا تَحْبُوْهُمْ وَلَا يَحْبُوْكُمْ وَ تَوَّصَّوْنَ بِالْكِتَابِ كُلِّهٖ ط﴾ (3/ آل عمران: 119) ”تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، حالانکہ تم تمام کتب آسمانی کو ماننتے ہو۔“ (ترجمہ تفہیم القرآن) یا فرمایا ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ اِلَى الْكِتَابِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ﴿٣٩﴾﴾ (3/ آل عمران: 23) ”کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب الہی سے حصہ دیا گیا تھا انہیں کتاب اللہ کی طرف بلا یا جاتا ہے کہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے۔“ اس آیت میں الْكِتَابِ اور كِتَابِ اللہ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تفسیر ماجدیؒ فرماتے ہیں: ”الکتاب یہاں بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ یعنی کتاب الہی اپنے عمومی و کلی مفہوم میں۔ اور اسی کا ایک جزء توریت ہے۔ کِتَابِ اللہ اسی عمومی و کلی کتاب کا دوسرا جزء قرآن ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔“ کبھی اس کا اطلاق تورات پر ہوتا ہے جیسے فرمایا ﴿وَ اِذْ اَتَيْنَا مُوسٰی الْكِتَابَ ﴿٢﴾﴾ (2/ البقرة: 53) ”اور جب ہم نے دی موسیٰؑ کو کتاب۔“ کبھی اس کا اطلاق انجیل پر ہوتا ہے جیسے فرمایا ﴿قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اَنِیْ الْكِتَابُ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿١﴾﴾

(19/ مريم: 30) ”وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا مجھ کو اُس نے کتاب دی ہے اور مجھ کو اُس نے نبی کیا۔“ کبھی اس کا اطلاق مجموعہ صحائف انبیاء بنی اسرائیل پر ہوتا ہے جیسے فرمایا ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ كَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَقَالَتِ النَّصْرَىٰ كَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ وَهُمْ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ ۚ﴾ (2/ البقرة: 113) ”اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں درآنحالیکہ وہ سب (ایک ہی) کتاب (آسمانی) پڑھتے ہیں۔“ تفسیر ماجدی کے مطابق آیت میں الکتاب سے مراد مجموعہ صحائف انبیاء بنی اسرائیل مراد ہے جس کو آج عہد نامہ عتیق کہتے ہیں۔ کبھی اس کا اطلاق قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتب سماویہ پر ہوتا ہے جیسے فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ﴾ (4/ النساء: 136) ”اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو اُس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کی ہے اور اُس (جس) کتاب پر بھی جو وہ اُس سے قبل نازل کر چکا ہے۔“ اس آیت میں وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تفسیر ماجدی فرماتے ہیں: ”(الْكِتَابِ) سے مراد یہاں جس کتاب ہے۔ یعنی ان کتابوں پر ایمان لایا جائے جو قرآن سے قبل نازل ہو چکی ہیں۔“ اور کبھی اس کا اطلاق قرآن مجید پر ہوتا ہے جیسے فرمایا ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۚ فِيهِ ۙ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝﴾ (2/ البقرة: 2) ”یہ کتاب (کہ) کوئی شبہ اس میں نہیں، ہدایت ہے اللہ سے ڈر رکھنے والوں کے لیے۔“ قرآن مجید کی اصطلاح میں اہل کتاب سے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں۔ یہود کو تورات دی گئی اور نصاریٰ کو انجیل دی گئی۔

(۸) تحریری معاہدہ یعنی مَكَاتِبَةٌ ﴿وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ﴾ (24/ النور: 33) ”اور تمہارے ملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں ان سے مکاتبت کرلو۔“ (ترجمہ تفہیم القرآن)

(۹) تقدیر کا لکھا یا قسمت میں جو کچھ لکھا ہے۔ ﴿أُولَٰئِكَ يَتْلَوْنَ مَا كُتِبَ لَهُمْ لَا يُزِيدُونَ﴾ (7/ الاعراف: 37) ”انہیں مل جائے گا اُن کا حصہ جو اُن کی قسمت میں لکھا ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

مَكْتُوبٌ اسم المفعول ہے۔ لکھا ہوا۔ یعنی وہ عبارت جو ضبط تحریر میں لائی گئی یا وہ آواز جو ریکارڈ کی گئی۔ ﴿يَجِدُونَ مَا كُتِبَ لَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ﴾ (7/ الاعراف: 157) ”وہ لوگ پائیں گے اس کو لکھا ہوا اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں۔“

كَاتِبٌ اسم الفاعل ہے۔ لکھنے والا۔ ﴿وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ﴾ (2/ البقرة: 282) ”اور انکار نہ کرے کوئی لکھنے والا کہ وہ لکھے جیسا کہ اس کو سکھا یا اللہ نے۔“

اُكْتُبُ فعل امر ہے۔ تو لکھ۔ ﴿إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَايِنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَالْكُتُبُ ۚ﴾ (2/ البقرة: 282) ”جب بھی تم لوگ آپس میں کوئی ادھار کا معاملہ کرو ایک مقررہ مدت کے لیے تو اسے لکھ لو۔“

(مفاعله) مَكَاتِبَةٌ باہم خط و کتابت کرنا۔ تحریری معاہدہ کرنا۔ مکاتبت کے لفظی معنی تو ہیں ”لکھا پڑھی“ مگر اصطلاح میں یہ لفظ اس معنی میں بولا جاتا ہے کہ کوئی غلام یا لونڈی اپنی آزادی کے لیے اپنے آقا کو ایک معاوضہ ادا کرنے کی پیشکش کرے۔ اور جب آقا اسے قبول کر لے تو دونوں کے درمیان شرائط کی لکھا پڑھی ہو جائے (تفہیم القرآن)۔ معاوضہ کو ”بدل کتابت“ اور معاہدہ کرنے والے غلام کو مَكَاتِبٌ کہتے ہیں۔ معاوضہ مال کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور مالک کے لیے کوئی خاص خدمت سر انجام دینے کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔

كَاتِبٌ فعل امر ہے۔ تو خط و کتابت کر۔ تو تحریری معاہدہ کر۔ ﴿فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۚ﴾ (24/ النور: 33) ”تو تم

لوگ تحریری معاہدہ کروان سے، اگر تم لوگ جانتے ہو ان میں کوئی بھلائی۔“

(افتعال) اِكْتَنَابًا گھڑ کے لکھنا۔ کسی سے لکھوانا۔ ﴿وَقَالُوا اَسَا طِيرُ الْاَوَّلِينَ اَلَا تَنْتَبِهًا﴾ (25/ الفرقان: 5) ”اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے، اس شخص نے لکھوا لیا ہے انہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

ر ی ب

(ض)

رَيْبًا

کسی کا کسی کو شک میں ڈالنا۔

رَيْبٌ

شک۔ شبہ (یہ مصدر ہے لیکن بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے)۔ رَيْبٌ ایسے تردد اور وہم کو کہتے ہیں جس کی کوئی بنیاد نہ ہو اور ذرا غور کرنے سے ختم ہو جائے۔ وہ شک یا گمان جس کی حقیقت بعد میں اس کے برخلاف منکشف ہو جائے۔ رَيْبٌ کا استعمال جب مَنُونٌ (زمانہ) کے ساتھ ہو تو اس سے گردش زمانہ یا حوادث زمانہ مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ زمانہ کی گردشوں کی تعین اوقات میں شک رہتا ہے کہ خدا جانے کب گردش کا وقت آجائے، اس لیے یہ معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ انسان کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ یا گردش، انسان کی موت ہوتی ہے اس لیے رَيْبُ الْمُنُونِ سے حادثہ موت بھی مراد لی جاتی ہے۔ حادثہ موت میں رَيْبٌ یعنی شک سے یہ مراد نہیں کہ موت واقع ہونے میں شک و شبہ ہے بلکہ اس لحاظ سے رَيْبٌ کہا جاتا ہے کہ موت کا وقت طے نہیں، اس لیے انسان تردد میں رہتا ہے کہ نہ جانے کب موت کا وقت آجائے۔ عربی زبان میں رَيْبُ الْمُنُونِ کا محاورہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے کے برے انجام کا منتظر ہو۔ ﴿اَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ تَتَرَبَّصُّ بِهٖ رَيْبُ الْمُنُونِ﴾ (52/ الطور: 30) ”کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے ہم منتظر ہیں اُس پر گردش زمانہ کے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ پھر رَيْبٌ کا لفظ ذہنی اضطراب، تہمت یا سوؤ ظن کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

رَيْبَةً

شک۔ شبہ۔ ﴿لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رَيْبَةً فِي قُلُوبِهِمْ﴾ (9/ التوبة: 110) ”ہمیشہ رہے گا، ان کی عمارت سے جو انہوں نے بنائی، شبہ ان کے دلوں میں“

(افعال)

اِرَابَةً

کسی کا کسی کو شک میں ڈالنا، تہمت لگانا، بے قرار کرنا، بے چین کرنا، الجھن میں ڈالنا۔

مُرَيْبٌ

اسم الفاعل ہے۔ (۱) شک کرنے والا (جو خود بھی شک میں مبتلا ہو اُسے بھی مریب کہتے ہیں) (۲) شک میں ڈالنے والا۔ (۳) بے چین کرنے والا۔ ﴿مَتَاعٌ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرَيْبٍ﴾ (50/ ق: 25) ”بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، شبہ ڈالنے والا۔“ ضیاء القرآن کے مطابق اس آیت میں مریب دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی شک کرنے والا بھی اور شک میں ڈالنے والا بھی۔

(افتعال)

اِرْتِيَابًا

شک کرنا۔ شبہ میں پڑنا۔ ﴿وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَاَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ لَا تَرْءَوْنَ﴾ (57/ الحديد: 14) ”لیکن تم لوگوں نے خود کو فتنہ میں مبتلا کیا، گوگو میں رہے اور شبہ میں پڑے۔“

مُرْتَابٌ

اسم الفاعل ہے۔ شک کرنے والا۔ ﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ﴾ (40/ المؤمن: 34) ”اس طرح اللہ گمراہ کرتا ہے اس کو جو ہے اسراف کرنے والا شک کرنے والا۔“

هُدًى (ہدی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

و ق ی

(ض)

وَقَايَةً، وَقَاءً

کسی کو تکلیف یا نقصان سے بچانا (یہ فعل ثلاثی مجرد میں متعدی ہے)۔ ﴿وَوَقَّاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ﴾ (52/ الطور: 18) ”اور ان کو بچایا ان کے رب نے دوزخ کے عذاب سے۔“

یہ واحد مذکر مخاطب میں مضارع تَقِيْ تھو۔ مجزوم ہونے کی وجہ سے ”ی“ گر گئی۔ ﴿وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْنَاهُ﴾ (40/ المؤمن: 9) ”اور جس کو تو نے بچایا برائیوں سے اس دن تو یقیناً تو نے رحمت کی اس پر۔“  
 فعل امر ہے۔ تو بچا۔ اس کی گردان قِ۔ قِيَا۔ قُوا۔ قِ۔ قِيَا۔ قَيْنِ آتی ہے۔ ﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (2/ البقرة: 201) ”اور تو بچا ہم کو آگ کے عذاب سے۔“

اسم الفاعل ہے۔ بچانے والا۔ ﴿وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ﴾ (13/ الرعد: 34) ”اور نہیں ہے ان کے لئے اللہ سے کوئی بھی بچانے والا۔“

نقصان یا تکلیف سے بچنا۔ پرہیز کرنا۔ اصطلاحاً ہر اس چیز سے بچنا جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہو۔ (یہ فعل باب افتعال میں لازم ہے)۔ ﴿وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى﴾ (4/ النساء: 77) ”اور آخرت بہتر ہے اس کے لئے جو اللہ کی ناراضگی سے بچا۔“ اتَّقَى فُلَانٌ بِكَذَا کا مطلب ہے کسی چیز کو کسی دوسری چیز سے بچنے کے لیے ذریعہ بنانا، جس چیز کو بچنے کا ذریعہ بنایا جائے اس پر ’ب‘ کا صلہ داخل ہوتا ہے، جیسے الزمر آیت 24 میں فرمایا ﴿يَتَّقِي بِوَجْهِهِ﴾ یعنی وہ سخت عذاب سے بچنے کے لیے اپنے چہرے کو ڈھال بناتا ہے۔

مضارع مجزوم ہے شرط ہونے کی وجہ سے۔ ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ (65/ الطلاق: 2) ”اور جو بچتا ہے اللہ کی ناراضگی سے تو اللہ بناتا ہے اس کے لئے نکلنے کا راستہ۔“

فعل امر ہے۔ تو بچ۔ ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ﴾ (2/ البقرة: 206) ”اور جب کہا جائے اس سے کہ تو بچ اللہ کی ناراضگی سے۔“

اسم الفاعل جمع کا صیغہ ہے۔ بچنے والے۔ ﴿وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ (2/ البقرة: 177) ”اور وہ لوگ ہی بچنے والے ہیں اللہ کی ناراضگی سے۔“

افعل التفضیل ہے۔ دوسروں سے یا سب سے زیادہ اللہ کی ناراضگی سے بچنے والا۔ پرہیز گار۔ ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى﴾ (92/ البیل: 17) ”اور دور کیا جائے گا اس سے یعنی آگ سے زیادہ پرہیز گار کو۔“

پرہیز گاری۔ بچنا۔ تقویٰ۔ اتَّقَى سے اسم ہے۔ لغت میں تو تقویٰ کے معنی ہیں نفس کو اس چیز سے بچنا اور حفاظت میں رکھنا کہ جس سے خوف ہو (جَعَلَ النَّفْسَ فِي وَاقِيَةٍ مِّمَّا يَخَافُ)۔ عرف شرع میں ”تقویٰ“ نفس کو ہر اس چیز سے بچانے کا نام ہے جو گناہ کی طرف لے جائے۔ (لغات القرآن ج ۲ ص ۱۷۰)۔ مولانا عبدالمجید دریا بادی لکھتے ہیں ”تقویٰ الہی سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کی پابندی زندگی کے ہر شعبہ میں بلا استثناء رکھی جائے۔“ تقویٰ پر مزید تفصیل آگے نوٹ 3 میں دیکھیں۔ ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾ (5/ المائدہ: 2) ”اور باہم تعاون کرو نیکی اور پرہیز گاری میں۔“

(۱) اسم ذات ہے۔ پرہیز گاری۔ ﴿اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ﴾ (3/ آل عمران: 102) ”تم لوگ اللہ کی ناراضگی سے بچو جیسا کہ حق ہے اس کی ناراضگی سے بچنے کا۔“ (۲) وَفِي يَفْعِي کا مصدر بھی استعمال ہوتا ہے۔

صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ باب افتعال میں فاعلہ کی ”و“ کو ”ت“ میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس لئے فَعِيلٌ کے وزن پر وَفِي کے بجائے تَقِي اسم الفاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ کی ناراضگی سے بچنے والا۔ ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ (19/ مریم: 63) ”یہ وہ جنت ہے جس کا ہم وارث

بنائیں گے اپنے بندوں میں سے اس کو جو تقویٰ پر دوام کرنے والا تھا۔“

### لَا رَيْبَ

سورۃ الفاتحہ میں آپ لفظ اَلْحَمْدُ میں لام استغراق پڑھ چکے ہیں، جو مذکورہ چیز کی تمام جنس اور ہر شکل و صورت کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ اب نوٹ کریں کہ رَیْب کے ساتھ جو لا ہے یہ لائے نفی جنس ہے، جو مذکورہ چیز کی تمام جنس اور شکل و صورت کی نفی کرتا ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور اس کی تنوین کو ختم کرتا ہے اور واحد آتا ہے۔ اس لئے لَا رَیْب میں ہر قسم کے شک کی نفی شامل ہے۔

### ترکیب

آیت نمبر 2 کی ایک سے زیادہ ترکیبیں ممکن ہیں اور کی بھی گئی ہیں۔ اس کی ایک سادہ اور عام فہم ترکیب یہ ہے کہ ذَلِکَ الْکِتٰبُ مرکب اشاری اور مبتداء ہے، لَا رَیْبَ فِیْہِ، پورا جملہ اس کی خبر اول ہے۔ اس میں لا، لائے نفی جنس ہے اور رَیْب اس کا اسم اور فِیْہِ قائم مقام خبر ہے۔ آگے ہُدٰی خبر ثانی ہے اور لَمُتَّقِیْنَ متعلق خبر ہے۔ ہُدٰی مصدر ہے اور یہاں بمعنی ہَادٍ (ہدایت دینے والا) ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ	اَللّٰہُ	ذَلِکَ الْکِتٰبُ	لَا رَیْبَ فِیْہِ	ہُدٰی	لَمُتَّقِیْنَ
البقرة: 1-2	الف لام ميم	یہ کتاب	کوئی شک نہیں ہے اس میں	ہدایت ہے	تقویٰ اختیار کرنے والوں کیلئے

### نوٹ-1

ذَلِکَ اشارہ بعید ہے۔ اس لحاظ سے ذَلِکَ الْکِتٰبُ کا ترجمہ ”وہ کتاب“ ہونا چاہیے۔ لیکن عام طور پر اس کا ترجمہ یہ ”کتاب“ کیا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت حضرت عبدالماجد دریا بادیؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں ”ذَلِکَ اسم اشارہ ہے۔ اور اشارہ بعید کا ترجمہ اردو میں ”وہ“ سے کیا جاتا ہے۔ لیکن بعد ہمیشہ بعد مکان یا بعد زمان ہی نہیں ہوتا۔ بعد منزلت و علوئے مرتبت بھی بعد ہی کی قسمیں ہیں۔ اور ہَذَا کے مقابلہ میں ذَلِکَ اسی بلندی منزلت کے اظہار کے لیے آتا ہے۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۶)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ”ذَلِکَ اگرچہ عام طور پر اُس مشاڈ الیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جو دور ہو لیکن ایسے مشاڈ الیہ کے لیے بھی یہ استعمال ہوتا ہے جو حساً تو نزدیک ہو لیکن اپنی شان اور رتبہ کے اعتبار سے بہت بلند اور دسترس سے دور ہو۔ اس لیے ترجمہ میں قرب حسی اور بعد رتبی دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے“ (یہ فی شان کتاب“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۲۹)

رتبہ کی بلندی ظاہر کرنے کے لئے اشارہ بعید کے استعمال کی قرآن مجید میں ذَلِکَ الْکِتٰبُ کے علاوہ اور بھی متعدد مثالیں ہیں۔ جیسے ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا﴾ (2/ البقرة: 187) ﴿تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تَنْتَوِيهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ط﴾ (2/ البقرة: 252) ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبُوهَا لِلنَّاسِ﴾ (29/ العنكبوت: 43) لیکن سورۃ یوسف کی آیات (31-32) میں اس کا فوری تقابل سامنے آتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق عزیز مصر کی بیوی کے رویہ کی جب شہرت ہوئی اور شہر کی خواتین نے اس پر ملامت کی، تو اس نے خواتین کو بلایا اور یوسف علیہ السلام کو ان کے سامنے کیا۔ ان کی شکل و صورت کی خوبی کی تعریف میں انہوں نے کہا یہ کوئی بشر نہیں ہے۔ لیکن چونکہ وہ یوسف علیہ السلام کے کردار کی بلندی سے واقف نہ تھیں، اس لئے ان کے قول میں اشارہ قریب استعمال ہوا۔ مَا هَذَا بَشَرًا۔ عزیز مصر کی بیوی نے جواب میں کہا کہ یہ ہے جس کے متعلق تم مجھے ملامت کرتی ہو۔ چونکہ اسے یوسف علیہ السلام کی عظمت کا تجربہ تھا، اس لیے اس کے قول میں اشارہ بعید آیا۔ فَذَٰلِكَ الَّذِي كُنْتُمْ تُدْعَوْنَ لِيَوْمَ فِیْہِ۔ مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں ”لفظ ذَلِکَ کسی دور کی چیز کی طرف اشارے کے لیے آتا ہے اور کِتَاب سے مراد قرآن کریم ہے، رَیْب کے معنی شک و شبہ، معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں، یہ موقع بظاہر اشارہ بعید کا نہیں تھا، کیونکہ اسی قرآن کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو لوگوں کے سامنے ہے، مگر اشارہ بعید سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ سورۃ فاتحہ میں جس صراط مستقیم کی درخواست کی گئی تھی یہ سارا قرآن اس درخواست کا جواب بصورت قبولیت اور صراط مستقیم کی تشریح و تفصیل ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے یہ دعا مانگی اور قرآن بھیج دیا، جو ہدایت کا آفتاب ہے، جو شخص ہدایت چاہتا ہے وہ اس کو پڑھے، سمجھے اور اس کے مقتضی پر عمل کرے۔ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۱۰۷)

### نوٹ-2

قرآن کو ﴿هُدٰی لِلنَّاسِ﴾ (2/ البقرة: 185) کہا گیا ہے یعنی قرآن تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔ لیکن یہاں اسے ہُدٰی لَمُتَّقِیْنَ کہا گیا ہے۔ یعنی قرآن صرف متقی لوگوں کیلئے ہدایت ہے۔ اس وجہ سے کچھ لوگوں کے ذہن میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ قرآن میں بالقوہ (Potentially) ہدایت موجود ہے جو ہر شخص کیلئے ہے۔ لیکن اس سے بالفعل ہدایت صرف وہ لوگ حاصل کرتے ہیں جن کے دل میں اللہ کی

ناراضگی سے بچنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ یہ بات ایسے ہی ہے جیسے پنجاب یونیورسٹی کے دروازے ہر شخص کیلئے کھلے ہوئے ہیں لیکن اس میں داخلہ کے لئے بی۔ اے ہونا ضروری ہے۔ پھر داخلہ ملنے کے بعد بھی یہاں سے علم صرف وہ حاصل کرتا ہے جو فیس ادا کرے اور نظم کی پابندی کرے، ورنہ داخلہ ملنے کے بعد بھی محروم رہتا ہے۔ (از محترم جناب لطف الرحمن خان صاحب)۔ ”قرآن حکیم کے ایک طرف ہدیٰ للعالمین اور ہدیٰ للناس ہونے اور دوسری طرف ہدیٰ للمنتقین یا للمؤمنین ہونے پر ایک عالم کی بات بہت اچھی لگی کہ پہلی تعبیر میں استحقاق بتانا مقصود ہے جبکہ دوسری تعبیر میں افادیت بتانا مقصود ہے کہ استحقاق سب کا ہے لیکن افادیت مؤمنین و متقین کے حق میں ظاہر ہوگی جیسے کسی گاؤں یا کالونی میں بجلی کے کھمبے لگ کر بجلی کی سپلائی ہو جانے پر اس سے فائدہ اٹھانے کا استحقاق سب کا ہے لیکن افادیت اسی کے حق میں ظاہر ہوگی جو میٹر لگا کر کنکشن حاصل کرے گا۔ (مفتی سعید صاحب)

## نوٹ-3

**تقویٰ:** تقویٰ کا لفظ ہماری دین کی بنیادی اصطلاحات میں سے ہے۔ اللہ کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت ہے وہ مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتی ہے ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاهُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ ۚ﴾ (49/ الحجرات: 13) ”لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“

**تقویٰ کی تعریف:** ”تقویٰ کی تعریف متعدد تعبیرات سے کی گئی، لیکن سب سے زیادہ جامع تعریف وہ ہے جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے پر فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! کبھی آپ کا ایسے راستہ پر بھی گزر ہوا ہوگا جو کانٹوں سے پُر ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کئی بار ہوا ہے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ایسے موقع پر آپ نے کیا کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دامن سمیٹ لیا اور نہایت احتیاط سے چلا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس تقویٰ اسی کا نام ہے، یہ دنیا ایک خارستان ہے، گناہوں کے کانٹوں سے بھری پڑی ہے، اس لیے دنیا میں اس طرح چلنا اور زندگی گزارنا چاہیے کہ دامن گناہوں کے کانٹوں سے نہ اُلجھے، اسی کا نام تقویٰ ہے۔“ (معاف القرآن، ج ۲، ص ۲۴۱)۔ قرآن مجید میں جو بار بار آتا ہے اتَّقُوا اللَّهَ تو اس کے معنی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی یوں بیان کرتے ہیں: ”بہر حال پہلے فرمایا کہ ڈرتے رہو اللہ سے لیکن یہ ڈر ایسا نہیں جیسے آدمی سانپ بچھو یا شیر بھیڑیے سے ڈر کر دور بھاگتا ہے۔ بلکہ اس بات سے ڈرنا کہ کہیں اس کی خوشنودی اور رحمت سے دور نہ جا پڑو۔“ (تفسیر عثمانی، ص ۱۵۰)

**حق تقویٰ کیا ہے:** سورہ آل عمران، آیت 102 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ﴾ ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔“ حق تقویٰ کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ربیع اور قتادہ اور حسن بصری نے یہ فرمائی ہے جو مرفوعاً خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے: حَقُّ تَقَاتِهِ هُوَ أَنْ يُطَاعَ فَلَا يُعْطَىٰ وَيُذَكَّرُ فَلَا يُنْسَىٰ وَيُشْكَرُ فَلَا يُكْفَرُ (بحر محیط) ”حق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت ہر کام میں کی جائے کوئی کام اطاعت کے خلاف نہ ہو اور اس کو ہمیشہ یاد رکھیں کبھی بھولیں نہیں اور اس کا شکر ہمیشہ ادا کریں کبھی ناشکری نہ کریں۔“ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۱۲۷)

**تقویٰ کے درجات:** ”تقویٰ کے کئی درجات ہیں، ادنیٰ درجہ کفر و شرک سے بچنا (اور ایمان لانا ہے)۔ اس معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان کو متقی کہا جاسکتا ہے، اگرچہ گناہوں میں مبتلا ہو، اس معنی کے لیے بھی قرآن میں کئی جگہ لفظ متقین اور تقویٰ استعمال ہوا ہے۔ دوسرا درجہ جو اصل میں مطلوب ہے وہ ہے اس چیز سے بچنا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ نہیں، تقویٰ کے فضائل و برکات جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں وہ اسی درجہ پر موعود ہیں۔ تیسرا درجہ تقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے خاص نائبین اولیاء اللہ کو نصیب ہوتا ہے، کہ اپنے قلب کو ہر غیر اللہ سے بچانا اور اللہ کی یاد اور اس کی رضا جوئی سے معمور رکھنا۔ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۱۲۷)

**تقویٰ کے انعامات:** تقویٰ کے انعامات خود قرآن مجید نے سورۃ الطلاق کی آیت نمبر 2، 3، 4، 5 میں بیان کر دیے ہیں۔ ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۚ﴾ ”جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔“ ﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ﴾ ”اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ جو اللہ پر بھروسہ کرے اس



کے لیے وہ کافی ہے۔“ ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝﴾ ”جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے معاملہ میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے۔“ ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ۝﴾ ”جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اُس کی برائیوں کو اُس سے دُور کر دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔“ اسی طرح الانفال کی آیت 29 میں فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ط﴾ ”اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں ایک فیصلہ کی چیز دے دے گا اور تم سے دُور کر دے گا تمہارے گناہ اور تمہیں بخش دے گا۔“ (ترجمہ ماجدی)

روزہ، تقویٰ کے حصول کا ذریعہ: اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ کی آیت 183 میں فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾ ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔“

تقویٰ سے قریب اعمال: قرآن مجید میں دو کاموں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ تقویٰ سے قریب ہیں (۱) سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 237 میں فرمایا ﴿وَأَنْ تَعُوْا أَقْرَبَ لِلتَّقْوَىٰ﴾ ”اور (اے اہل حق) تمہارا (اپنے حقوق کو) معاف کر دینا (بہ نسبت وصول کرنے کے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے (کیونکہ معاف کرنے سے ثواب ملتا ہے، اور ثواب کا کام کرنا ظاہر ہے کہ تقویٰ کی بات ہے) (ترجمہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی) (۲) سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 8 میں فرمایا ﴿إِعْبُدُوا ۖ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ ”انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔“ (ترجمہ، حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی)

تقویٰ کی جگہ: تقویٰ کی جگہ سیدہ یعنی دل ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین دفعہ اشارہ کر کے فرمایا، التَّقْوَىٰ هُنَا یعنی پرہیزگاری اس جگہ ہے۔ (پوری حدیث مبارکہ کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۴، ص ۹۳، حدیث نمبر ۱۳)

### آیت 3:

﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝﴾

ع م ن

سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ ڈکشنری المنجد کے مطابق مادہ ”ع م ن“ اگر باب سَمِعَ سے آئے تو معنی ہوتے ہیں ”مطمئن ہونا“ اور اگر باب ضَرَبَ سے آئے تو معنی ہوتے ہیں ”بھروسہ کرنا، اعتبار کرنا۔“ لیکن قرآن مجید میں یہ مادہ تینوں معانی میں باب سَمِعَ سے آیا ہے، اس لئے تینوں معانی باب سَمِعَ کے تحت دیئے گئے ہیں۔ (واللہ اعلم)

(س) اَمَّنًا۔ اَمَّنًا۔ (1) مطمئن ہونا۔ امن میں ہونا (لازم)۔ ﴿فَإِذَا أَمْنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعْ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ﴾ (2/ البقرہ: 196) ”پس جب تم امن میں ہو تو جس نے فائدہ اٹھایا عمرہ کا حج تک تو (اس پر واجب ہے) جو میسر ہو قربانی کے جانور میں سے۔“

(2) کسی معاملہ میں کسی پر بھروسہ کرنا (متعدی)۔ ﴿وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَّهُ بِقِطْعَةٍ بِوُدِّهِ إِلَيْكَ ۚ﴾ (3/ آل عمران: 75) ”اور اہل کتاب میں وہ بھی ہے کہ اگر تو بھروسہ کرے اس پر ڈھیروں (چیز یا امانت) کے بارے میں تو وہ ادا کرے گا اس کو تیری طرف۔“

(3) کسی کی بات کا اعتبار کرنا۔ ﴿قَالَ هَلْ أُمِنُّكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أُمِنْتُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ط﴾ (12/ یوسف: 64) ”اس نے یعنی یعقوبؑ نے کہا کیا میں اعتبار کروں تم لوگوں کا اس کے بارے میں سوائے اس کے کہ جیسے میں نے اعتبار کیا تم لوگوں کا اس کے بھائی کے بارے میں اس سے پہلے۔“

(4) کسی چیز سے نڈر ہونا۔ بے خوف ہونا۔ بے فکر ہونا۔ ﴿ءَاَمِنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ﴾ (67/ الملک: 16) ”کیا تم اس سے نڈر ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں ہے وہ کہیں تم کو زمین میں دھسا نہ دے۔“

﴿فَأَكْمَنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيِّنًا وَهُمْ نَائِمُونَ﴾ (7/ الاعراف: 97) ”تو کیا بستیوں والے اس

سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری سختی آئے اُن پر رات کے وقت اس حال میں کہ وہ سوئے ہوں؟“

مصدر کے علاوہ اسم بھی ہے مطلب ہے امن۔ چین۔ ﴿ثُمَّ أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنٌ نُعَاسًا يَكْغْشِي  
طَآئِفَةً مِّنْكُمْ﴾ (3/ آل عمران: 154) ”اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت  
طاری کردی کہ وہ اونگھنے لگے۔“

أَمْنَةٌ

اسم المفعول ہے۔ جس سے بے خوف ہوا جائے، نڈر ہوا جائے۔ ﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَا مُنُونٍ﴾ (70/ المعارج: 28) ”بے شک اُن کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے کوئی بے خوف ہو۔“

مَا مُنُونٌ

ج: اُمْنُون۔ مونث: اَمْنَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ امن والا۔ پُر امن۔ ﴿وَ إِذْ قَالَ لِأَبْنَاهُمْ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا  
بَلَدًا آمِنًا﴾ (2/ البقرة: 126) ”اور جب کہا ابراہیمؑ نے اے میرے رب! تو بنادے اس کو امن والا شہر۔“ یعنی پُر  
امن شہر۔

اِمْنٌ

مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم المظرف ہے۔ امن کی جگہ۔ ﴿ثُمَّ أَبْلَغَهُ مَا مَنَّهُ ط﴾ (9/ التوبة: 6) ”پھر تم پہنچا دو اس کو، اس  
کے امن کی جگہ۔“

مَا مَنٌ

امانت دار ہونا۔

(ک)

ج: اَمَانَاتٌ۔ امانت۔ ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ﴾ (33/ الاحزاب: 72) ”بیشک ہم  
نے پیش کیا اس امانت کو آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر۔“ ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْنَتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رُءُوفٌ﴾ (23/ المؤمنون: 8) ”اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں کی اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

أَمَانَةٌ

أَمَانَةٌ

فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ امانت دار۔ امن والا۔ ﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ (26/ الشعراء: 107) ”بیشک میں  
تم لوگوں کے لئے امانت دار رسول ہوں۔“

أَمِينٌ

یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ لازم ہو تو معنی ہوتے ہیں امن میں ہونا۔ مطمئن ہونا۔ بے خوف ہو  
جانا۔ ایمان لانا۔ کسی کی بات کی تصدیق کرنا (تصدیق کرنے سے اختلاف ختم ہو جاتا ہے اور امن ہو جاتا ہے) ﴿إِنَّ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالصَّالِيَةَ وَالْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلُوا صَالِحًا فَلَهُمْ  
أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط﴾ (2/ البقرة: 62) ”یقین جانو کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے ہوں یا یہودی، عیسائی ہوں یا  
صابی، جو بھی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا، اُس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔“ اگر متعدی ہو  
تو معنی ہوتے ہیں کسی کو امن دینا۔ جیسے فرمایا ﴿الَّذِينَ أَطَعَهُمْ مِّنْ جُوعٍ ط وَ أَمْنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ط﴾ (106/ قزیش: 4) ”جس نے اُن کو بھوک میں کھانے کو دیا اور انہیں خوف سے امن دیا۔“ اَمْنٌ یُّؤْمِنُ کے ساتھ عموماً  
”لِ“ اور ”بِ“ کا صلہ بھی آتا ہے اَمْنٌ لِّ کا مطلب ہے کسی بات کو تسلیم کر لینا خواہ اس میں دلی یقین شامل نہ ہو۔ جبکہ  
اَمْنٌ بِ کا مطلب ہے دلی یقین سے کسی کی بات کو تسلیم کرنا۔ البتہ قرآن مجید میں اس قاعدے کا استثناء بھی ہے۔ سورۃ  
العنکبوت، آیت 26 میں فرمایا: ﴿فَأَمْنٌ لِّكَ لَوْ ط﴾ پھر لوطؑ نے اُن (حضرت ابراہیمؑ) کی تصدیق کی۔ یہاں آیت کا  
سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہاں قلبی یقین کے ساتھ حضرت لوطؑ کا حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے کا ذکر ہے (واللہ اعلم)۔

إِيمَانًا

(افعال)

اسم ذات بھی ہے۔ ایمان۔ قلبی تصدیق۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ  
اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ط﴾ (9/ التوبة: 23) ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا  
رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔“ یہ لفظ بھی ہمارے دین کی بنیادی اصطلاحات میں سے ہے۔ کسی چیز کی دل  
سے تصدیق کرنا ایمان ہے۔ ایمان کا محل قلب ہے۔ حقیقی ایمان اس وقت معتبر ہے جب زبان سے اقرار بھی ہو اور دل

إِيمَانٌ

سے تصدیق بھی۔ اگر دل میں تصدیق ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں تو معتبر نہیں اسی طرح زبان سے تصدیق کا اظہار یا فرمانبرداری کا اقرار اس وقت معتبر نہیں جب تک دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق نہ ہو۔ اسی لیے ایمان مجمل کی تعریف ہے۔ ”أَمَدْتُ بِاللَّهِ كَمَا هُوَ بِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ وَقَبْلْتُ جَمِيعَ أَحْكَامِهِ إِقْرَارًا بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيقًا بِالْقَلْبِ“ میں ایمان لایا اللہ پر جیسے وہ اپنے ناموں اور صفات سے ظاہر ہے اور میں نے قبول کیے اُس کے تمام احکام زبان سے اقرار کرتے ہوئے اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے۔“ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ ان الفاظ میں ”ایمان“ کی شرح کرتے ہیں ”لغت میں کسی کی بات کو کسی کے اعتماد پر یقینی طور سے مان لینے کا نام ایمان ہے، اسی لیے محسوسات و مشاہدات میں کسی کے قول کی تصدیق کرنے کو ایمان نہیں کہتے، مثلاً کوئی شخص سفید کپڑے کو سفید یا سیاہ کو سیاہ کہہ رہا ہے اور دوسرا اس کی تصدیق کرتا ہے اس کو تصدیق کرنا تو کہیں گے ایمان لانا نہیں کہا جائے گا، کیونکہ اس تصدیق میں قائل کے اعتماد کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہ تصدیق مشاہدہ کی بنا پر ہے اور اصطلاح شرع میں خبر رسول ﷺ کو بغیر مشاہدہ کے محض رسول ﷺ کے اعتماد پر یقینی طور سے مان لینے کا نام ایمان ہے۔“ پھر آگے فرماتے ہیں: ”اس تعریف میں ماننے کا نام ایمان بتلایا گیا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محض جانے کو ایمان نہیں کہتے، کیونکہ جہاں تک جانے کا تعلق ہے وہ تو ابلیس و شیطان اور بہت سے کفار کو بھی حاصل ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ کے صدق کا یقین تھا، مگر اس کو ماننا نہیں اس لیے وہ مومن نہیں۔“ (معارف القرآن، ج ۱، ص: ۱۰۹)۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، تفسیر عثمانی میں فرماتے ہیں: ”ایمان شرعی دو چیزوں کا نام ہے صحیح معرفت اور تسلیم و انقیاد (بات ماننا، تابعدار ہونا) یعنی خدا اور رسول ﷺ کے جملہ ارشادات کو صحیح صادق سمجھ کر تسلیم و قبول کے لیے اخلاص سے گردن جھکا دینا۔ اس تسلیمی جزء کے لحاظ سے ایمان فی الحقیقت تمام قوانین و احکام الہیہ کے ماننے اور جملہ حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد و اقرار ہے۔“ (تفسیر عثمانی، ص: ۱۳۹)۔

ایمان اور اطمینان میں فرق: ایمان اور اطمینان کا فرق واضح کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ سورۃ البقرة کی آیت نمبر 260 (اس آیت مبارکہ میں حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اے اللہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا آپؑ کو اس پر ایمان نہیں تو حضرت ابراہیمؑ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ایمان تو ہے لیکن یہ درخواست اس لیے کر رہا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہو جائے) کے تحت لکھتے ہیں: ”انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اس کے مشاہدہ میں نہ ہو اس کی کیفیات کی کھوج لگانے کی فکر میں رہا کرتا ہے، اس میں اس کا خیال مختلف راہوں پر چلتا ہے، جس میں ذہنی انتشار کی تکلیف بھی برداشت کرتا ہے، اس ذہنی انتشار کو رفع کر کے قلب کو سکون مل جانے ہی کا نام اطمینان ہے، اسی کے لیے حضرت خلیل اللہؑ نے یہ درخواست پیش فرمائی تھی۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان اور اطمینان میں کیا فرق ہے، ایمان اس اختیاری یقین کا نام ہے جو انسان کو رسول ﷺ کے اعتماد پر کسی غیب کی بات کے متعلق حاصل ہو جائے اور اطمینان سکون قلب کا نام ہے۔ بعض اوقات نظروں سے غائب کسی چیز پر یقین کامل تو ہوتا ہے، مگر قلب کو سکون اس لیے نہیں ہوتا کہ اس کی کیفیات کا علم نہیں ہوتا، یہ سکون صرف مشاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے، حضرت خلیل اللہؑ کو بھی حیات بعد الموت پر تو کامل ایمان و یقین تھا، سوال صرف کیفیت احیاء کے متعلق تھا۔“

ایمان اور یقین میں فرق: حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ ایمان اور یقین میں فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ایمان اور ایقان کے درمیان تھوڑا سا فرق ہے جس کو سمجھ لینا چاہیے۔ ایمان کے معنی تصدیق کرنے اور مان لینے کے ہیں۔ اس کا ضد کفر و انکار اور تکذیب ہے۔ ایقان کے معنی یقین کرنے کے ہیں۔ اس کا ضد گمان اور شک ہے جس طرح کسی شے پر یقین رکھنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی اس پر ایمان بھی رکھتا ہو (حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے جو نشانیاں دکھائیں فرعون کو پورا یقین تھا کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں لیکن اس یقین کے باوجود وہ ان پر ایمان نہیں لایا (اسی طرح کسی چیز پر ایمان رکھنے کے لیے اس پر یقین کرنا شرط نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آدمی کا ایمان محض گمان غالب پر مبنی ہو اور وہ آہستہ آہستہ گمان کی منزل سے نکل کر یقین کی منزل تک پہنچے اور اس طرح اس کے ایمان کی تکمیل ہو جائے۔“ (تدبر قرآن، ج 1، ص 93)

ج: اٰمِنُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو ایمان لا۔ ﴿وَيٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ وَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا﴾ (46/ الاحقاف: 17) ”تیرے لئے تباہی ہے۔ تو ایمان لا۔ یقیناً اللہ کا وعدہ حق ہے۔“ ﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ﴾ (2/ البقرہ: 13) ”اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ تم لوگ ایمان لاؤ جیسے لوگ (صحابہؓ) ایمان لائے۔“

ج: مُؤْمِنُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ یہ لفظ جب انسان کے لیے بولا جائے تو اس کے دو معنی لیے جاتے ہیں (۱) اصطلاحی معنی یعنی ایمان لانے والا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کی تصدیق کرنے والا مثلاً ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ط﴾ (64/ النبا: 2) ”وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن۔“ (۲) عام معنی یعنی یقین کرنے والا۔ مثلاً ﴿وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَكُوْنَا صٰدِقِيْنَ ۝۱۵﴾ (12/ یوسف: 17) ”اور آپ ہماری بات کا یقین نہ کریں گے چاہے ہم سچے ہی ہوں۔“

یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے امن دینے والا اور یہ لفظ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے مثلاً ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقَدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ﴾ (59/ الحشر: 23) ”کوئی الہ نہیں سوائے اس کے جو بادشاہ ہے، پاک ہے، سلامتی ہے، امن دینے والا ہے۔“

ج: مُؤْمِنَاتٌ۔ ایمان لانے والی۔ ﴿وَ اٰكَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَ لَاْ اَعْجَبَنْتُكُمْ ج﴾ (2/ البقرہ: 221) ”بے شک مسلمان لونڈی بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے اگرچہ وہ پسند آئے تھیں۔“ ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ مَّ﴾ (9/ التوبہ: 71) ”اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔“

کسی کو امانت دار بنانا۔ کسی کو امین بنانا۔ کسی کا اعتبار کرنا۔ ماضی مجہول واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ وہ جس کو امین بنایا گیا۔ جس پر اعتبار کیا گیا۔ ﴿فَلْيُوْذِ الَّذِيْ اٰوْتِىْنَ اَمٰنَتَهُ﴾ (2/ البقرہ: 283) ”پس چاہیے کہ ادا کرے وہ جس پر اعتبار کیا گیا اُس کی امانت کو۔“

غ ی ب

(ض)

غَيْبًا

غَيْبٌ

پوشیدہ ہونا۔ غیر حاضر ہونا۔ کسی چیز کا انسان کے علم و احساس سے بالاتر ہونا۔ ج: غَيْبٌ۔ اسم ذات ہے۔ حواس سے پوشیدہ چیز یا بات۔ لفظ غیب پورے قرآن مجید میں بصورت نکرہ کہیں نہیں آیا، مضموم بھی آیا ہے، مفتوح بھی اور مکسور بھی مگر ہر جگہ معرفہ ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”قرآن میں لفظ غیب سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور ان کا علم براءت عقل (یعنی عقل کی فوری رسائی) اور حواسِ خمسہ کے ذریعہ نہیں ہو سکتا، اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات بھی آجاتی ہیں، تقدیری امور، جنت و دوزخ کے حالات، قیامت اور اس میں پیش آنے والے واقعات بھی، فرشتے، تمام آسمانی کتابیں اور تمام انبیاء سابقین بھی۔“ (معارف القرآن، ج 1، ص ۱۰۹)۔ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ عَلٰمُ الْغُيُوْبِ ۝۱۵﴾ (5/ المائدہ: 116) ”بیشک تو ہی تمام غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔“

ج: غٰیِبُوْنَ۔ مونث: غٰیِبَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ غائب ہونے والا یعنی غائب۔ ﴿وَمَا مِنْ غٰیِبَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۲۷﴾ (27/ النمل: 75) ”اور نہیں ہے کوئی بھی غائب ہونے والی چیز آسمانوں میں اور زمین میں مگر وہ ایک واضح کتاب میں ہے۔“

غٰیِبٌ

اسم ذات ہے۔ پستی۔ گہرائی۔ تاریکی۔ نشیبی زمین۔ ”ہر وہ چیز جو کسی چیز کو چھپالے اور غائب کر دے۔ اس لیے قبر کو بھی غِیَابَةٌ کہا جاتا ہے۔“ (معارف) ﴿قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَ اَلْقُوْهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ﴾ (12/ یوسف:10) ”کہا ان میں سے ایک کہنے والے نے قتل مت کرو یوسفؑ کو اور اس کو ڈال دو کنویں کی گہرائی میں۔“

غِیَابَةٌ

پیٹھ پیچھے کسی کا عیب بیان کرنا اس طرح کہ اگر وہ اُسے سنتا تو اُسے برا لگتا۔ غیبت کرنا۔ چغلی کرنا۔ صاحب تفہیم القرآن فرماتے ہیں: ”غیبت کی تعریف یہ ہے کہ ”آدمی کسی شخص کے پیٹھ پیچھے اس کے متعلق ایسی بات کہے جو اگر اسے معلوم ہوتو اس کو ناگوار گزرے۔“ یہ تعریف خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جسے مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور دوسرے محدثین نے نقل کیا ہے، اس میں حضور ﷺ نے غیبت کی یہ تعریف بیان فرمائی ہے: ذَكَرَكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُهُ۔ قِيلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ اغْتَابْتَهُ وَ إِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهْتَنَهُ۔ غیبت یہ ہے کہ ”تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے جو اسے ناگوار ہو۔“ عرض کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات پائی جاتی ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو اس صورت میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہو تو، تو نے اس کی غیبت کی، اور اگر اس میں وہ موجود نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان لگایا۔ ایک دوسری روایت جو امام مالک نے مؤطا میں حضرت مُطَلِّب بن عبد اللہ سے نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: إِنْ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا الْغَيْبَةُ؟ فَقَالَ أَنْ تَذْكُرَ مِنَ الْمَرْءِ مَا يَكْرَهُهُ أَنْ يَسْمَعَ۔ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ إِنْ كَانَ حَقًّا؟ قَالَ إِذَا قُلْتَ بَاطِلًا فَذَلِكَ الْبُهْتَانُ۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا غیبت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ کہ تو کسی شخص کا ذکر اس طرح کرے کہ وہ سنے تو اسے ناگوار ہو۔“ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر چہ میری بات حق ہو؟ آپ ﷺ نے جواب دیا اگر تیری بات باطل ہو تو یہی چیز بھڑبھتان ہے۔“ ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے خلاف اس کے پیچھے جھوٹا الزام لگانا بہتان ہے اور اس کے واقعی عیوب بیان کرنا غیبت۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۹۰)

لَا يَغْتَابُ

فعل نہی ہے۔ ﴿وَلَا يَغْتَابُ بَعْضُكُمُ بَعْضًا﴾ (49/ الحجرات:12) ”تم میں سے کوئی غیبت نہ کرے کسی کی۔“

يُقِيمُونَ (ق و م): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

ص ل و

پیٹھ کے درمیان میں مارنا۔ نرم ہونا (ثلاثی مجرد سے قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا)۔ (اس کا مصدر خلاف قاعدہ صَلَّاهُ استعمال ہوتا ہے) دعا کرنا۔ دعا دینا۔ تحسین و تعظیم کرنا۔ نشوونما دینا۔ بڑھانا۔ نماز پڑھنا (نماز کی اصل دعا ہی ہے)۔ چنانچہ محاورہ ہے صَلَّيْتُ عَلَيْهِ میں نے اسے دعا دی، نشوونما دی اور بڑھایا۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ وَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ کہ جب کسی کو کھانے پر بلایا جائے تو اسے چاہیے کہ قبول کر لے اور اگر روزہ دار ہے تو وہ ان کے لیے دعا کر کے واپس چلا آئے۔“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے دعا (صلوٰۃ) کرنے کے معنی ہوتے ہیں ان کو نشوونما دینا، بڑھانا، ان پر اپنی رحمت کا نزول کرنا۔ جب دعا (صلوٰۃ) کی نسبت بندوں کی طرف ہو، خواہ فرشتے ہوں یا انسان تو اس کے معنی نزول رحمت کی دعا اور استغفار یعنی دعائے مغفرت کے ہوتے ہیں۔ یعنی فرشتے اور انسان اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ جن کے حق میں ہم دعا کر رہے ہیں تو ان پر اپنا فضل فرما اور انہیں اپنی عنایات سے نواز۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ وَ مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ (33/ الاحزاب:56) ”اللہ اور اس کے ملائکہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔“ یعنی اللہ رحمت نازل فرماتا ہے اور فرشتے نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

(ن) صَلَّوْا

(تفعیل) صَلَّاهُ

صَلَاةٌ

اسم ذات بھی ہے۔ اس لفظ کا قرآنی املا صَلَوَاتٌ ہے اور اس کی جمع صَلَوَاتٌ ہے۔ نماز، شفقت و رحمت، عبادت گاہ، دعا۔ اصطلاح شرع میں وہ خاص عبادت صَلَوَاتٌ کہلاتی ہے جس کو نماز کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل بھی دعائی ہے، اسی لیے اسے صَلَوَاتٌ کہا جاتا ہے۔ اور عربی زبان کا یہ اسلوب ہے کہ کسی چیز کے جزء ہی کو اس چیز کا نام دے دیا جاتا ہے۔ اسے تَسْبِيَةُ الشَّيْءِ بِاسْمِ الْجُزْءِ کہتے ہیں۔ ﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ﴾ (2/ البقرة: 238) ”پابندی کرو سب نمازوں کی اور خصوصاً درمیانی نماز کی۔“ ﴿أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ﴾ (2/ البقرة: 157) ”یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر اُن کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے۔“

قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ صَلَوَاتٌ کی اضافت ضمیر بنی آدم کی طرف ہے وہاں یہ الف کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ جو لام سے ملا ہوا ہے۔ مثلاً صَلَاتُكَ، صَلَاتِي، صَلَاتُهُمْ وغیرہ۔ البتہ دو جگہ ضمیر مخاطب کی طرف اضافت کے باوجود واو ہی کے ساتھ لکھا ہوا ہے جو لام سے ملا ہوا ہے۔ ﴿لَٰكِن صَلَاتُكَ سَكَنٌ لَهُمْ ط﴾ (9/ التوبة: 103) (ب) ﴿قَالُوا يَشْعَبُ أَصْلُوكَ تَأْمُرُكَ﴾ (11/ هود: 87)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو قرأتیں ہیں اس لیے یہاں اس لفظ کو یوں لکھا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ کبھی عبادت گاہ کو بھی صَلَاةٌ کہہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں گَنَائِسُ یعنی یہود کی عبادت گاہوں کو صَلَوَاتٌ کہا گیا ہے۔ مثلاً ﴿لَهُدًى مَّتَّ صَوَامِعُ وَبَيْعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ﴾ (22/ الحج: 40) ”تو راہبوں کے صومعے، عیسائیوں کے گرجے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں ویران ہو چکی ہوتیں۔“ قرآن مجید میں صَلَاةٌ کی نسبت تمام جہان کی طرف بھی کی گئی ہے۔ مثلاً ﴿كُلُّ قَدٍّ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ط﴾ (24/ النور: 41) ”ہر ایک کو معلوم ہے اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح۔“ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ”یاد رہے کہ لفظ صَلَوَاتٌ کچھ اصطلاحی نماز کے ساتھ مخصوص نہیں، قرآن نے ملائکہ اور بشر سے گزر کر تمام جہان کی طرف صَلَوَاتٌ کی نسبت کی ہے (النور- 41) اور یہ بھی بتلادیا کہ ہر چیز کی تسبیح و صلوة کا حال اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی صَلَوَاتٌ و تسبیح کس رنگ کی ہے۔“ (تفسیر عثمانی، ص ۴۱۰)۔ حضرت مولانا عبدالماجد ریابادی صَلَوَاتٌ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”صلوة کے لفظی معنی دعا کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں ایک مخصوص ہیئت کی معروف عبادت کا نام ہے۔ اور یہ نام بھی اسی سے پڑا کہ دعا ہی اس عبادت کا جزو اعظم ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ نماز تو یکسر دعا ہے۔ دعا زبان سے بھی، دل سے بھی، اعضائے ظاہری سے بھی۔ یعنی دعا قولی، دعا قلبی، دعا فعلی کا مجموعہ۔ (تفسیر ماجدی، ص ۷)“

صَلِّ

ج: صَلُّوا۔ فعل امر ہے۔ تو دعا کر۔ نماز پڑھ۔ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ط﴾ (108/ الکہف: 2) ”پس آپ صَلِّ لِرَبِّكَ نماز پڑھیں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں۔“ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ﴾ (33/ الاحزاب: 56) ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم لوگ دعا کرو ان کے لئے یعنی درود بھیجو۔“

مُصَلِّ

ج: مُصَلِّونَ، مُصَلِّينَ۔ اسم الفاعل کا صیغہ ہے۔ نماز پڑھنے والا۔ ﴿قَالُوا لِمَ نَكُ مِنَ الْمَصَلِّينَ﴾ (74/ المدثر: 43) ”ان لوگوں نے کہا ہم نہیں تھے نماز ادا کرنے والوں میں سے۔“

مُصَلَّى

اسم المفعول ہے جو بطور اسم الظرف استعمال ہوتا ہے۔ نماز کی جگہ۔ ﴿وَ اتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ رَبِّهِمْ مُصَلًّى ط﴾ (2/ البقرة: 125) ”اور تم لوگ بنا لو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ میں سے نماز ادا کرنے کی جگہ۔“

مِنَّا

مرکب ہے۔ اصل میں ’مِنْ‘ اور ’مِنَّا‘ تھا۔ مِنْ حرف جر اور مَا اسم موصولہ یا زائدہ یا مصدریہ یا استفہامیہ ہو سکتا ہے۔ اگر مَا استفہامیہ ہو تو اس کے الف کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے اور یوں لکھا جاتا ہے مِمَّا۔ یاد کر لیں کہ ’مِنَّا‘ بھی کئی قسم کا ہے۔ مَا پہلے دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے (۱) حرفیہ (۲) اسمیہ۔ پھر حرفیہ کی چار قسمیں ہیں: نافیہ عاملہ، نافیہ غیر عاملہ، مصدریہ، زائدہ۔ اور ما اسمیہ کی تین قسمیں ہیں: استفہامیہ، موصولہ، ظرفیہ۔ مزید تفصیل کے لیے عربی کا معلم، ج ۴، ص ۵۹ دیکھیں۔

## ر ز ق

(ن)

رِزْقًا

معاوضہ کے بغیر کوئی چیز دینا پھر دیتے رہنا۔ عطیہ جاریہ دینا۔ روزی دینا۔ عطا کرنا۔ ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ط﴾ (30/ الروم: 40) ”اللہ وہ ہی ہے جس نے تم لوگوں کو پیدا کیا پھر اس نے تم لوگوں کو روزی دی، پھر وہ تم لوگوں کو موت دے گا پھر وہ تم لوگوں کو زندہ کرے گا۔“

رِزْقٌ

ج: اَرْزَاقٌ۔ اسم ذات ہے۔ وہ چیز جو عطیہ جاریہ کے طور پر دی جائے۔ جو چیز ایک مرتبہ دی جائے اسے رِزْقَةٌ کہتے ہیں۔ پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”الرِّزْقُ فِي اللُّغَةِ النَّصِيبُ وَالْعَطَاءُ وَ يُطْلَقُ عَلَى الْحِسْبِ وَالْمَعْنَوِيِّ۔ یعنی لغت میں رزق کہتے ہیں حصہ اور بخشش کو خواہ حسی ہو یا معنوی۔ مال، اولاد، علم و معرفت اسی لحاظ سے سب رزق ہیں۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۳۱)۔ صاحب تفہیم القرآن فرماتے ہیں: ”رزق عربی زبان میں محض خوارک تک محدود نہیں بلکہ عطا، نصیب اور بخشش کے معنی میں عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی انسان کو دیا ہے حتیٰ اولاد تک، اس کا رزق ہے۔ مشہور دعا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرِزْقْنَا اِتِّبَاعَهُ یہاں رزق سے مراد توفیق ہے۔“ (واللہ اعلم) (تفہیم القرآن)۔ صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں: ”رزق کا لفظ کلام عرب میں بڑے وسیع معنی رکھتا ہے۔ اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں آجاتی ہیں خواہ ظاہری و مادی ہوں، مثلاً مال، صحت و اولاد، یا معنوی و روحانی ہوں، مثلاً علم و حکمت، فہم سلیم وغیرہ۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۸)۔ عربی محاورے میں بولا جاتا ہے رِزْقْتُ عِلْمًا مجھے علم دیا گیا۔ امام راغب نے اس لفظ کی بہت عمدہ وضاحت کی ہے۔ اب اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ فرماتے ہیں: الرِّزْقُ۔ وہ عطیہ جو جاری ہو۔ پھر یہ مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) دنیوی عطاء: اس کے اندر سب نعمتیں آجاتی ہیں خواہ ظاہری ہوں جیسے مال و دولت، صحت، اولاد وغیرہ، خواہ روحانی ہوں جیسے علم و حکمت، فہم اور تدبر وغیرہ۔ مثلاً ﴿وَأَنْفَقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاهُمْ﴾ (63/ المنافقون: 10) ”جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔“ اور ﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ (2/ البقرة: 3) ”اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“ ان دونوں آیات میں رزق اسی وسیع اور عام معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿قَالَ يٰٓأَيُّهَا الرِّزْقُ اِنِّ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَرَزَقْنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ط﴾ (11/ صود: 88) ”آپ نے کہا اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا بھی کی ہو مجھے اپنی جناب سے عمدہ روزی۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ یہاں رِزْقًا حَسَنًا سے مراد علم وحی ہے۔

(۲) اخروی عطاء: مثلاً ﴿بَلْ اَحْيَاۤءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ (3/ آل عمران: 169) ”وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔“ اور ﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ (19/ مریم: 62) ”اور انہیں اُس میں اُن کا رزق صبح و شام ملتا رہے گا۔“ ان دونوں آیات میں رزق سے انعامات اخروی مراد ہیں۔

(۳) حصہ: مثلاً ﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنْتُمْ تُكَدِّبُوْنَ﴾ (56/ الواقعة: 82) ”اور اس نعمت میں اپنا حصہ تم نے یہ رکھا ہے کہ اسے جھٹلاتے ہو؟“ اس آیت میں رزق سے مراد حصہ ہے اور مطلب یہ کہ نعمت الہی کی تکذیب کو تم نے اپنا حصہ بنالیا ہے۔

(۴) طعام (کھانا): مثلاً ﴿فَلْيَاۤتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ﴾ (18/ الکہف: 19) ”چاہیے کہ وہ وہاں سے تمہارے لیے کچھ کھانے کے لیے لائے۔“ آیت میں رزق سے مراد کھانا ہے جو انسانی غذا بنتا ہے۔

(۵) بارش: مثلاً ﴿وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُوْنَ﴾ (51/ الذاریات: 22) ”آسمان ہی میں ہے تمہارا رزق بھی اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔“ اس آیت میں عام طور پر مفسرین نے رزق سے مراد بارش لی ہے اس لیے کہ

وہ زمین سے حاصل ہونے والے رزق و غذا یاات کا سبب ہے۔ (واللہ اعلم)۔

فَعَلَّیٰ اَرْضُیْ فَعَلَّیٰ اَرْضُیْ فَعَلَّیٰ اَرْضُیْ ﴿۱۴﴾ (14 / ابراہیم: 37) ”اور تو انہیں عطا کر پھلوں میں سے شائد کہ وہ لوگ شکر ادا کریں۔“

ج: رَزَقُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ عطا کرنے والا۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ اور انسانوں دونوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ ﴿وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوْ خَبِيْرُ الرِّزْقِيْنَ﴾ ﴿۵۵﴾ (22 / الحج: 58) ”اور یقیناً اللہ ہی سب سے بہتر عطا کرنے والا ہے۔“

﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَاشٍ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرَزَقِيْنَ﴾ ﴿۱۵﴾ (15 / الحج: 20) ”اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے تمہارے لیے بھی اور اُن بہت سی مخلوقات کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔“

فَعَلَّیٰ كِیْ وَزْنٍ پْرَ اِسْمِ مَبَالِغِہٖ۔ یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرّٰزِقُ﴾ ﴿۵۱﴾ (51 / الذّٰرِیٰت: 58) ”یقیناً اللہ ہی بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔“

## ن ف ق

(ن۔س) نَفَقًا، نَفَقًا، نَفَقًا (۱) خرچ ہو جانا۔ ختم ہو جانا۔ کچھ باقی نہ رہنا۔ (۲) چیزوں کا خوب لین دین ہونا۔ مال بکنا، بازار کا پر رونق ہو جانا، اس معنی کے لحاظ سے یہ لفظ کساد کی ضد ہے جیسے اردو میں کساد بازاری کہہ دیتے ہیں یعنی مندرا۔ نَفَقَ الشَّيْءُ عَمَّا مَطْلَبُہٗ وہ چیز چلی گئی، ختم ہو گئی۔ نَفَقَتِ الدَّارُ اَہْمُہَا کا مطلب ہے روپیہ ختم ہو گیا۔ نَفَقَتِ الدَّابَّةُ کَمَّا مَطْلَبُہَا کا مطلب ہے گھوڑا مر گیا۔ (قرآن مجید میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا)

ج: نَفَقَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ خرچہ۔ خرچ ہونے والی چیز۔ ﴿وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُہُ﴾ ﴿۲﴾ (2 / البقرة: 270) ”اور جو تم لوگ خرچ کرو کسی خرچہ میں سے یا منت مانگو کسی منت میں سے تو یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔“

سَرَنَکَ۔ سرنگ کے بھی دو منہ ہوتے ہیں۔ ﴿فَاِنْ اَسْتَفْتٰ اَنْ تَبْتَغِیْ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ﴾ ﴿۶﴾ (6 / الانعام: 35) ”تو اگر آپ ﷺ میں استطاعت ہے کہ آپ ﷺ تلاش کر لیں کوئی سرنگ زمین میں۔“

(انفال) اِنْفَاقًا جس نے خرچ کیا الفتح سے پہلے (یعنی فتح مکہ سے پہلے) اور قتال کیا۔ ﴿لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلًا﴾ ﴿۵۷﴾ (57 / الحدید: 10) ”براہر نہیں ہے تم میں سے وہ جس نے خرچ کیا الفتح سے پہلے (یعنی فتح مکہ سے پہلے) اور قتال کیا۔“

ج: اَنْفَقُوا۔ فعل امر ہے۔ تو خرچ کر۔ ﴿وَ اَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنٰکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّآتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ﴾ ﴿۱۰﴾ (10 / المنافقون: 63) ”اور تم لوگ خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو عطا کیا اس سے پہلے کہ آئے تم میں سے کسی ایک کو موت۔“

ج: مُنْفِقُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ خرچ کر نیوالا۔ ﴿وَالْمُنْفِقِیْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَادِ﴾ ﴿۱۵﴾ (3 / آل عمران: 17) ”اور خرچ کرنے والے اور مغفرت مانگنے والے راتوں کے پچھلے پہر میں۔“

(مفاعله) مُنَافَقَةً وَ نِفَاقًا دُورِ خَاہُونَا۔ دوغلا ہونا۔ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ اِخْوَانُہُمْ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ ﴿۵۹﴾ (59 / الحشر: 11) ”کیا آپ ﷺ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دُورِ خَاہُونَا ہوئے، وہ لوگ کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا۔“ نَافِقًا اور نَفَقَةً، گوہ (زمین پر رینگ کر چلنے والا ایک بڑے سائز کا جانور) کے بھٹ (کھوہ، بل) کو کہتے ہیں جس کے کم از کم دو منہ ہوتے ہیں ایک دہانے سے گوہ داخل ہوتی ہے اور شکاری اس سوراخ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دوسرے سوراخ سے باہر نکل جاتی ہے۔ نفاق اور منافقت اصطلاح قرآنی میں اسی دُورِ خَاہُونَا کا نام ہے، بظاہر زبان سے آدمی



مومن ہونے کا اقرار کرتا ہے اور دکھاوے کی نمازیں بھی پڑھتا ہے لیکن دل میں کافر رہتا ہے اسلام کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے ایسے آدمی کو عرفِ شریعت میں منافق کہا جاتا ہے لیکن اگر عقیدہ مومنانہ ہو اور عمل کافرانہ تو دورِ نخی کی یہ بھی ایک شکل ہوتی ہے ایک دروازہ (عقیدہ) سے آدمی اسلام کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے اور دوسرے (عمل کے) راستہ سے خارج ہوتا ہوا نظر آتا ہے لیکن قرآنی اصطلاح میں ایسے آدمی کو منافق نہیں کہا جاتا بلکہ فاسق اور عاصی کہا جاتا ہے۔ (البتہ حدیث پاک میں ایسے شخص کو بھی منافق کا نام دیا گیا ہے یعنی ”عملی منافق“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”منافق کی تین علامتیں ہیں اس کے بعد مسلم نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ کیا ”اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرے۔ اس کے بعد بخاریؒ و مسلمؒ دونوں متفق ہیں (وہ تین علامتیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔“ (متفق علیہ، بحوالہ مظاہر حق جدید، ج ۱، ص: ۱۳۴، از مفتی سعید صاحب)

**مُنافِقٌ** ج: مُنَافِقُونَ۔ مونث: مُنَافِقَةٌ۔ ج: مُنَافِقَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ دُورِ خا ہونے والا یعنی منافق۔ ﴿يَحْدَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُكْذَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ط﴾ (9/ التوبة: 64) ”ڈرتے ہیں منافق کہ نازل کر دی جائے ان کے بارے میں کوئی سورت جو جتلا دے ان کو وہ، جو ان کے دلوں میں ہے۔“ ﴿الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ مَّ﴾ (9/ التوبة: 67) ”منافق مرد اور منافق عورتیں، ان کے بعض، بعض سے ہیں یعنی سب ایک جیسے ہیں۔“

### ترکیب

الَّذِينَ اسم موصول ہے۔ يُؤْمِنُونَ فعل مضارع ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل، آگے بِالْعَيْبِ جار مجرور متعلق ہیں يُؤْمِنُونَ سے۔ جملہ فعلیہ یُؤْمِنُونَ اپنے متعلق سے مل کر صلہ ہے الَّذِينَ کا اور صلہ اور موصولہ مل کر صفت ہیں الْمُتَّقِينَ کی اسی لیے محلاً حالت جبر میں ہیں۔ وُ عطف کا ہے اور آگے جملہ فعلیہ یُؤْمِنُونَ عطف ہے یُؤْمِنُونَ پر اور الصَّلَاةُ مفعول بہ ہے۔ یہ جملہ بھی صفت ہے الْمُتَّقِينَ کی۔ وُ عطف کا ہے اور مِنَّا، مِن حرف جارہ اور ما موصول کا مرکب ہے۔ رَزَقْنَا فعل + فاعل اور ہم ضمیر اس کا مفعول، پورا جملہ فعلیہ صلہ ہے ما موصول کا اور جار مجرور متعلق ہیں آگے جملہ فعلیہ یُؤْمِنُونَ سے۔ یُؤْمِنُونَ بھی عطف ہے یُؤْمِنُونَ پر اور یہ جملہ بھی صفت ہے الْمُتَّقِينَ کی۔ مِنَّا رَزَقْنَاهُمْ کو اصل فعل یُؤْمِنُونَ سے پہلے لا کر اس حقیقت میں تاکید اور زور پیدا کیا گیا ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

الَّذِينَ	يُؤْمِنُونَ	بِالْعَيْبِ	وَيُؤْمِنُونَ	الصَّلَاةِ
وہ لوگ جو	ایمان لاتے ہیں	غیب پر	اور جو لوگ قائم رکھتے ہیں	نماز کو
وَمِنَّا	رَزَقْنَاهُمْ	يُؤْمِنُونَ ﴿٩﴾		
اور اس میں سے جو	ہم نے عطا کیا ان کو	وہ لوگ خرچ کرتے ہیں		

### ترجمہ

### البقرة: 3

**نوٹ-1** قرآن مجید میں صلوٰۃ کے ساتھ اکثر و بیشتر اقامت کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کردہ نماز کو اس کے ظاہری نظام اور باطنی روح کے ساتھ ادا کرنے کی تاکید ہے۔ جبکہ آیت فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّی (نہ اس نے تصدیق کی اور نہ اس نے نماز پڑھی) (القیلۃ: 31) میں وَلَا صَلَّی سے مراد ہے کہ اس نے رسمی نماز بھی نہیں پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسمی نماز پڑھنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے إِنَّ الْمَصْلِيْنَ كَثِيْرٌ وَالْمُقْبِلِيْنَ لَهَا قَلِيْلٌ (نماز پڑھنے والے بہت ہیں جبکہ اس کو قائم کرنے والے کم ہیں)۔

**نوٹ-2** قرآن مجید میں انفاق سے مراد انفاق فی سبیل اللہ ہی ہوتا ہے خواہ فی سبیل اللہ کے الفاظ ساتھ نہ بھی لکھے ہوں۔ جس طرح صرف ایمان کا ذکر ہو تب بھی اس سے مراد وہ ایمان ہوتا ہے جو قرآن و سنت کے مطابق ہو۔ مولانا مودودیؒ سورۃ الحج کی آیت 35 کے تحت ”انفاق“ کی وضاحت

کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اللہ نے کبھی حرام و ناپاک مال کو اپنا رزق نہیں فرمایا ہے۔ اس لیے آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو پاک رزق ہم نے انہیں بخشا ہے اور جو حلال کمائیاں ان کو عطا کی ہیں ان میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ پھر خرچ سے مراد بھی ہر طرح کا خرچ نہیں ہے بلکہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جائز ضروریات پوری کرنا، رشتہ داروں اور ہمسایوں اور حاجت مند لوگوں کی مدد کرنا، رفاہ عام کے کاموں میں حصہ لینا، اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے مالی ایثار کرنا مراد ہے۔ بے جا خرچ، اور عیش و عشرت کے خرچ اور ریاکارانہ خرچ وہ چیز نہیں ہے جسے قرآن ”انفاق“ قرار دیتا ہو۔ بلکہ یہ اس کی اصطلاح میں اسراف اور تبذیر ہے۔ اسی طرح کنجوسی اور تنگ دلی کے ساتھ جو خرچ کیا جائے کہ آدمی اپنے اہل و عیال کو بھی تنگ رکھے اور خود بھی اپنی حیثیت کے مطابق اپنی ضرورتیں پوری نہ کرے، اور خلق خدا کی مدد بھی اپنی استطاعت کے مطابق کرنے سے جی چرائے، تو اس صورت میں اگرچہ آدمی خرچ تو کچھ نہ کچھ کرتا ہی ہے، مگر قرآن کی زبان میں اس خرچ کا نام ”انفاق“ نہیں ہے۔ وہ اس کو ”بخل“ اور ”فحش نفس“ کہتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج 3، ص 226)

#### آیت: 4

﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۖ﴾

يُؤْمِنُونَ (ع م ن): البقرة آیت 3 دیکھیں۔

”ب“ حرف جارہ ہے اور ”ما“ استفہامیہ، مصدریہ یا موصولہ ہو سکتا ہے۔ ”ما“ استفہامیہ ہونے کی صورت میں الف حذف کر دیا جاتا ہے اور بے لکھا جاتا ہے تاکہ ”ما“ استفہامیہ اور ”ما“ موصولہ میں فرق ہو سکے۔

بِ

ن ز ل

(ض)

نُزُولًا

اُترنا۔ بلندی سے کسی چیز کا نیچے آنا۔ اس کی ضد صعود اور عروج دونوں ہیں۔ ﴿وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعُجُّ فِيهَا﴾ (57/ الحدید: 4) ”اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے۔“ ﴿وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (57/ الحدید: 16) ”اور جو اُترحق میں سے۔“

مَنْزِلٌ

ج: مَنْزِلٌ۔ اسم الظرف ہے۔ اُترنے کی جگہ۔ ٹھہرنے کی جگہ۔ ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ﴾ (10/ یونس: 5) ”وہ ہے جس نے بنایا سورج کو روشن اور چاند کو نور اور اس کے لئے طے کر دیں منزلیں۔“ نَزْلٌ کا اسم مرہ ہے۔ ایک بار کا نزول۔ ایک مرتبہ اُترنا۔ ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ﴾ (53/ النجم: 13) ”اور انہوں نے ﷺ نے اس (فرشتہ) کو ایک بار اور بھی اترتے دیکھا ہے۔“

نُزْلٌ

اسم ذات ہے۔ وہ چیز جو مہمان کے سواری سے اُترتے ہی یعنی آتے ہی اصل دعوت سے پہلے پیش کی جائے۔ ابتدائی مہمان نوازی۔ حضرت مفتی شفیع فرماتے ہیں: ”نُزْلٌ اصلاً مہمان کی اس خاطر تواضع کو کہا جاتا ہے جو اصل دعوت سے پہلے کی جائے۔ بعد کے کھانے کو ضیافۃ یا مأدبۃ کہتے ہیں۔“ (معارف القرآن، ج 4، ص 43) ﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزْلًا﴾ (18/ الکہف: 102) ”یقیناً ہم نے تیار کیا جہنم کو کافروں کے لئے ابتدائی مہمان نوازی کے طور پر۔“

إِنْزَالًا

(افعال)

اُتارنا۔ اتارنے کے لیے انزال کا لفظ عام ہے۔ یہ لفظ کسی چیز کو مکمل طور پر ایک ہی دفعہ اتارنے کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ﴾ (2/ البقرة: 174) ”بیشک وہ لوگ چھپاتے ہیں اس کو جو اُتارا اللہ نے الکتاب میں سے۔“ قرآن مجید میں لباس، مویشی اور لوہے کے اتارنے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے مثلاً ﴿يَبْنِيْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِي سُوَاتِكُمْ وَرِيشًا﴾ (7/ الاعراف: 26) ”اے اولاد آدم کی ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرماں ہیں اور اتارے آرائش کے کپڑے۔“ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت میں اَنْزَلْنَا کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اتارنے سے مراد اُس کا مادہ وغیرہ پیدا کرنا اور اُس

کے تیار کرنے کی تدبیر بتلانا ہے۔ گواتار نے کالفظ اکثر اس موقع پر بولتے ہیں جہاں ایک چیز کو اوپر سے نیچے لایا جائے۔ مگر بہت دفعہ اس سے مکانی فوق و تحت مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ جو مرتبہ کے اعتبار سے اونچا ہو، اس کی طرف سے کوئی چیز نیچے والوں کو عطا کیے جانے پر بھی یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَلَاثِينَ أَزْوَاجًا﴾ (39/ الزمر: 6) یا ﴿وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ﴾ (57/ الحديد: 25) (تفسیر عثمانی، ص ۲۰۴)۔ انزال کالفظ خَلَقُ (پیدا کرنا) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالمجید دیریا بادی الاعراف 26 میں انزلنا کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”انزلنا کے لفظی معنی تو اتارنے کے ہیں۔ یہاں خَلَقْنَا کا مراد قرار دیا گیا ہے۔ لفظ انزال میں اس کی برکتوں کی طرف اشارہ ہے کہ گویا وہ آسمان سے اُترا ہوا ہے۔ غور کیا جائے تو ہر لباس اپنی تیاری کے لیے اسباب آسمانی ہی کا محتاج نظر آئے گا۔ ریشم، اُون، سوت، سب کی پیداوار کے آخری، ظاہری اسباب جا کر بارش ہی پر ٹھہرتے ہیں۔ (تفسیر ماجدی، ص ۳۶۷)۔ چنانچہ حضرت آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ”اے بنی آدم ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا ہے جو تمہارے پردہ والے بدن کو چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے۔“ اسی طرح سورۃ الزمر آیت 6 میں بھی انزل کے لفظ کا ترجمہ پیدا کیے سے ہی کرتے ہیں۔ ”اور تمہارے لیے اُس نے چار پایوں کے آٹھ (تعداد میں) جوڑے پیدا کیے۔“ پیر کرم شاہ صاحب الاعراف 26 کے تحت فرماتے ہیں: ”انزلنا کاللفظی معنی تو اوپر سے نیچے اتارنا ہے۔ یہاں لباس کے لیے اس کا استعمال بطور مجاز (مجاز یعنی کہ ظاہری معنی کے علاوہ جو معنی لیے جاتے ہیں) ہے یعنی بارش جو کپاس وغیرہ کی روئیدگی اور حیوانات (جن کی اُون سے گرم کپڑے بنتے ہیں) کی زندگی کا سبب ہے۔ وہ کیونکہ اوپر سے نازل ہوتی ہے تو گویا لباس بھی اوپر سے ہی نازل ہوا۔ تَسْبِيَةُ الْمُسَبَّبِ بِاسْمِ السَّبَبِ (مسبب کا نام سبب والا رکھنا، یہاں مسبب لباس ہے اور سبب بارش) اور بعض علما نے کہا انزل بمعنی خلق ہے۔ اور یہ استعمال بھی عام ہے۔ جیسے ﴿وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَلَاثِينَ أَزْوَاجًا﴾ (39/ الزمر: 6) (ضیاء القرآن، ج ۲، ص: ۲۲)۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ انزال کالفظ اتارنے کے لیے عام ہے۔ مرتبہ کے اعتبار سے جو اونچا ہو، اس کی طرف سے نیچے والوں کو کوئی چیز ملے تو اس پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور خلق (پیدا کرنا) کے معنوں میں بھی اس کا استعمال عام ہے۔ (واللہ اعلم)

مُنْزِلٌ

ج: مُنْزِلُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ اُتارنے والا۔ میزبان۔ مہمان نواز۔ ﴿أَلَا تَرَوْنَ إِنِّي أَوْفَى الْكَيْلِ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ﴾ (12/ یوسف: 59) ”کیا تم لوگ دیکھتے نہیں کہ میں پورا ناپتا ہوں پیمانے کو اور میں سب سے بہتر ہوں اُتارنے والوں میں یعنی بہترین مہمان نواز ہوں۔“

مُنْزِلٌ

ج: مُنْزِلُونَ۔ اسم المفعول ہے۔ اُتارا ہوا۔ ﴿أَنْ يُهْدَكُمُ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزِلِينَ﴾ (3/ آل عمران: 124) ”کہ تم لوگوں کی مدد کرے تمہارا رب تین ہزار فرشتوں سے جو اُتارے گئے۔“

مُنْزِلًا

(تفعیل)

کسی چیز کو بدرجہ اُتارنا۔ رفتہ رفتہ اُتارنا۔ ﴿ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ (2/ البقرة: 176) ”یہ اس لئے کہ اللہ نے بدرجہ اُتارنا کتاب کو حق کے ساتھ۔“ ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 82) ”اور ہم بدرجہ اُتارتے ہیں قرآن میں سے جو شفاء ہے اور رحمت ہے مومنوں کیلئے۔“

مُنْزِلٌ

اسم الفاعل ہے۔ بدرجہ اُتارنے والا۔ رفتہ رفتہ اُتارنے والا۔ ﴿قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنْزِلُهَا عَلَيْكُمْ﴾ (5/ المائدہ: 115) ”کہا اللہ نے کہ میں بدرجہ اُتارنے والا ہوں اس کو تم لوگوں پر۔“

مُنْزِلٌ

اسم المفعول ہے۔ بدرجہ اُتارا ہوا۔ ﴿وَالَّذِينَ اتَّبَعَتْهُمْ يُعَلِّمُونَ أَنَّهُ مُنْزِلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ (6/ الانعام: 114) ”اور جن لوگوں کو ہم نے دی کتاب وہ لوگ جانتے ہیں کہ وہ (یعنی قرآن) بدرجہ اُتارا ہوا ہے



(استفعال) اِسْتِخَارًا

پیچھے ہونا۔ ﴿فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِرُونَ ۖ﴾ (7/ الاعراف: 34) ”توجب آجائے گی ان لوگوں کی اجل تو نہ وہ لوگ پیچھے ہوں گے ایک گھڑی اور نہ آگے ہوں گے۔“

مُسْتَأْخِرٌ

اسم الفاعل ہے۔ پیچھے رہنے والا اور وہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔ ﴿وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِرِينَ مِنْكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ۖ﴾ (15/ الحجر: 24) ”اور ہم نے جان رکھا ہے آگے بڑھنے والوں کو تم میں سے اور جان رکھا ہے پیچھے رہنے والوں کو۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”پہلے جو لوگ تم میں سے ہو گزرے ہیں اُن کو بھی ہم نے دیکھ رکھا ہے، اور بعد کے آنے والے بھی ہماری نگاہ میں ہیں۔“ (ترجمہ تفہیم القرآن)

آخِرٌ

فاعل کا وزن ہے۔ آخری۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝﴾ (2/ البقرہ: 8) ”اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ لوگ مومن نہیں ہیں۔“

آخِرَةٌ

یہ ضد ہے دنیا کی۔ دنیا مشتق ہے دُنُو سے جس کے معنی قریب ہونا کے ہیں خواہ یہ قرب ذاتی، حکمی، مکانی، زمانی یا بلحاظ مرتبہ کے ہو۔ چونکہ وہ حال کے بہت ہی قریب ہے اس لیے اسے دنیا کہتے ہیں۔ اسی طرح آخرت کو اس کے متاخر اور پیچھے ہونے کی وجہ سے آخرت کہتے ہیں۔ اصل میں دنیا اور آخرت دونوں دو صفتیں تھیں اب ان پر اسمیت غالب آئی اور استعمال میں دنیا و آخرت اسم کہلائے جانے لگے۔ اصل میں آخرت کا معنی دار البقا ہے یعنی مرنے کے بعد انسانوں کو دوسرے جہان میں جو دائمی زندگی حاصل ہوگی اور اس زندگی میں رُوح اور جسم دونوں کا کلی طور پر اتصال ہوگا اور نیک اور بدکار لوگوں کو اپنے اپنے اعمال کے بدلے میں جنت یا دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ اسی لحاظ سے آخرت کی ضد عاجلہ، دنیا، ادنیٰ، اولیٰ سب قرآن میں استعمال ہوئی ہیں۔ مولانا عبدالمجید دریابادی فرماتے ہیں: ”الْآخِرَةُ سے مراد ہے دارالآخرت یا عالم آخرت۔ یعنی وہ عالم جو موجودہ زندگی کے بعد شروع ہوگا۔ اُسے آخرۃ کہا ہی اسی لحاظ سے جاتا ہے کہ وہ اس زندگی کے خاتمہ کے بعد پیش آئے گا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر کہیں دارالآخرہ سے آیا ہے اور کہیں صرف آخرۃ سے۔ جزا و سزا کے لیے ایک مستقل آئندہ عالم پر یقین رکھنا دین صحیح کے لوازم میں سے ہے۔“ (تفسیر ماجدی ص 8)۔ مولانا مودودی نے اس لفظ کی بہت خوبصورت وضاحت کی ہے وہ آگے نوٹ 2 میں دیکھیں۔

آخِرٌ

ج: اَخْرَوْنَ، اَخْرَيْنَ۔ اَفْعَلُ کا وزن ہے۔ دوسرا۔ ﴿الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۖ﴾ (15/ الحجر: 96) ”وہ لوگ جو بناتے ہیں اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود۔“ ﴿كَبَا أَشْشَاكُم مِّنْ ذُرِّيَّتِهِ قَوْمِ اَخْرَيْنَ ۖ﴾ (6/ الانعام: 133) ”جس طرح اُس نے تمہیں کچھ اور لوگوں کی نسل سے اُٹھایا ہے۔“

اُخْرَى

فَعْلُ کے وزن پر اُخْرٌ کا مونث ہے۔ دوسری۔ اس کی جمع فَعْلٌ کے وزن پر اُخْرٌ آئی چاہیے تھی لیکن خلافِ قاعدہ اُخْرٌ (غیر منصرف) آتی ہے۔ ﴿وَأُخْرَى تُحِبُّونَهَا ۖ﴾ (61/ القف: 13) ”اور دوسری، تم لوگ پسند کرتے ہو جس کو۔“ ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۖ﴾ (2/ البقرہ: 184) ”تو گنتی ہے دوسرے دنوں میں۔“ کبھی اس کا معنی ”پیچھے سے، پچھلی طرف سے“ ہوتا ہے جیسے فرمایا ﴿وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ﴾ (3/ آل عمران: 153) ”اور رسول ﷺ پکارتا تھا تم کو تمہارے پیچھے سے۔“ (ترجمہ شیخ الہند) کبھی اس سے مراد ”بعد والا یا بعد والی“ ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿حَتَّىٰ إِذَا أَذَاكُمُ فِيهَا جَمِيعًا ۖ قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأَوْلِهِمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَضَلُّونَا ۖ فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ﴾ (7/ الاعراف: 38) ”حتیٰ کہ جب سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ہر بعد والا گروہ پہلے گروہ کے حق میں کہے گا کہ اے رب! یہ لوگ تھے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا لہذا انہیں آگ کا دوا ہر عذاب دے۔“ اس آیت کے تحت صاحب احسن البیان

فرماتے ہیں: ”اُخْرٰی“ (پچھلے) سے مراد بعد میں داخل ہونے والے اور اُوْکٰی (پہلے) سے مراد ان سے پہلے داخل ہونے والے ہیں۔ اور کبھی اُخْرٰی مطلقاً ”دوسرے“ کے معنی میں بھی آتا ہے جس میں مقدم اور مؤخر کا مفہوم نہیں ہوتا چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرٰی﴾ (20/طہ: 37) ”اور احسان کیا تھا ہم نے تجھ پر ایک بار اور بھی۔“ حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس آیت میں اُخْرٰی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”یہ نعمتیں جن کا ذکر آگے آتا ہے زمانہ وقوع کے اعتبار سے پہلی ہیں یہاں جو ان کو اُخْرٰی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ نعمتیں اس کے بعد کی ہیں بلکہ لفظ اُخْرٰی کبھی مطلقاً دوسرے کے معنی میں بھی آتا ہے جس میں مقدم مؤخر کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا یہاں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے۔“ (معارف القرآن، ج ۶، ص ۸۲)

ی ق ن

<p>روشن و ثابت ہونا۔ قرآن مجید میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا۔ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ کسی چیز کا ثبوت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے سمجھ میں آ جانا۔ یقین آنا۔ یقین، زوال شک کو کہتے ہیں۔ یقین اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس کا ہونا یقینی ہو اسی لیے عربی میں یقین بمعنی موت بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَكُنَّا نَكْذِبُ يَوْمَ الدِّينِ﴾ ﴿حَتَّىٰ آتَيْنَا الْيَقِينَ﴾ (74/المدثر: 46-47) ”اور ہم جھٹلایا کرتے تھے بدلے کے دن کو یہاں تک کہ آیا ہم کو یقین۔“ اس آیت میں اکثر مفسرین نے یقین سے موت مراد لی ہے۔ (ایمان اور یقین میں فرق کے لیے البقرة آیت 3 دیکھیں)۔</p>	<p>يَقِيْنًا (س) يَقِيْنٌ</p>
<p>یقین کرنا۔ ﴿قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (2/البقرة: 118) ”ہم واضح کر چکے ہیں نشانیوں کو ایسی قوم کے لئے جو یقین کرتے ہیں۔“ ج: مُوقِنُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ یقین کرنے والا۔ ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنُ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ (6/الانعام: 75) ”اور اس طرح ہم نے دکھائی ابراہیمؑ کو زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اور اس لئے کہ وہ ہو جائے یقین کرنے والوں میں سے۔“</p>	<p>اِيْقَانًا (افعال) مُوْقِنٌ</p>
<p>یقین حاصل کرنا۔ یقین کے ساتھ جان لینا۔ واضح طور پر جان لینا۔ ﴿وَمَا جَعَلْنَا عَدٰى تَهُمُ الْاِلٰهَ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اٰتُوْا الْكِتٰبَ﴾ (74/المدثر: 31) ”اور ہم نے نہیں بنایا ان کی گنتی کو گمراہ آزمائش ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا، تاکہ یقین حاصل کریں وہ لوگ جنہیں دی گئی کتاب۔“ ج: مُسْتَيْقِنُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ یقین حاصل کرنے والا۔ ﴿قُلْتُمْ مَا نَنْذِرُكُمۡ مَّا السَّاعَةُ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ﴾ (45/الحاشیہ: 32) ”تم لوگوں نے کہا ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے، ہم گمان نہیں کرتے مگر</p>	<p>اِسْتِيْقَانًا (استفعال) مُسْتَيْقِنٌ</p>

ترکیب

یہ پوری آیت بھی آیت 2 میں اَلْمُتَّقِيْنَ کی صفت ہے۔ وُ عطف کا ہے اور اَلَّذِيْنَ عطف ہے آیت 3 کے اَلَّذِيْنَ پر۔ یُوْمُنُوْنَ اس کا صلہ ہے۔ بِہَا میں ما اسم موصول ہے اور اُنْزِلَ اس کا صلہ۔ اُنْزِلَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر ”ہو“ اس کا نائب الفاعل ہے۔ اِلَيْكَ متعلق ہے اُنْزِلَ سے۔ آگے وُ مَا میں وُ عطف کا ہے اور ”ہما“ کے ”ما“ پر عطف ہے۔ اُنْزِلَ اس کا صلہ ہے۔ مِنْ قَبْلِكَ متعلق ہے اُنْزِلَ سے۔ بِالْاٰخِرَةِ جار مجرور متعلق ہیں یُوْمُنُوْنَ سے اور ”ہم“ مبتدا ہے اور یُوْمُنُوْنَ اس کی خبر۔ بِالْاٰخِرَةِ کو تاکید اور حصر کے لیے مقدم کیا گیا ہے اور اَلْاٰخِرَةِ صفت ہے۔ اس کا موصوف محذوف ہے۔ اَلْاٰخِرَةِ مونث ہے اس لئے اس کا موصوف مذکر نہیں ہو سکتا لازماً مونث ہوگا جیسے وَاِلَّا السَّاعَةُ الْاٰخِرَةُ یعنی آخری گھڑی پر۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ	البقرة: 4
وَالَّذِينَ	اور وہ لوگ جو
يُؤْمِنُونَ	ایمان لاتے ہیں
بِآ	اس پر جو
أُنزِلَ	اُتارا گیا
إِلَيْكَ	آپ ﷺ کی طرف
وَمَا	اور جو
أُنزِلَ	اُتارا گیا
مِنْ قَبْلِكَ	آپ ﷺ سے پہلے
وَبِالْآخِرَةِ	اور آخرت پر
هُمْ	وہ لوگ
يُوقِنُونَ	یقین کرتے ہیں

**نوٹ: 1** اِنْزَالٌ اور تَنْزِيلٌ دونوں کے معنی ہیں اُتارنا۔ جبکہ ان میں فرق یہ ہے کہ اِنْزَالٌ میں زیادہ تر کسی چیز کو ایک دفعہ اُتارنے کا مفہوم ہوتا ہے۔ اور تَنْزِيلٌ میں کسی چیز کو رفتہ رفتہ اُتارنے کے معنی ہوتے ہیں۔ نزول قرآن کے لئے اِنْزَالٌ اور تَنْزِيلٌ، دونوں کے مختلف صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اس کو سمجھنے میں ایک حدیث سے مدد ملتی ہے جس کا مفہوم ہے کہ قرآن پاک پہلے لوح محفوظ سے ایک ہی دفعہ آسمان دنیا پر نازل ہوا (انزال) پھر وہاں سے رفتہ رفتہ نازل ہوتا رہا (تنزیل)۔

**نوٹ: 2** آخرت: آخرت ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق بہت سے عقائد کے مجموعے پر ہوتا ہے۔ اس میں حسب ذیل عقائد شامل ہیں:

(۱) یہ کہ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

(۲) یہ کہ دنیا کا موجودہ نظام ابدی نہیں ہے بلکہ ایک وقت پر، جسے صرف خدا ہی جانتا ہے، اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

(۳) یہ کہ اس عالم کے خاتمے کے بعد خدا ایک دوسرا عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوع انسانی کو جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی، بیک وقت دوبارہ پیدا کرے گا، اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لے گا، اور ہر ایک کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

(۴) یہ کہ خدا کے اس فیصلے کی رو سے جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جو لوگ بد ٹھہریں گے وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

(۵) یہ کہ کامیابی و ناکامی کا اصلی معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی و بدحالی نہیں ہے، بلکہ درحقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو خدا کے آخری فیصلے میں کامیاب ٹھہرے، اور ناکام وہ ہے جو وہاں ناکام ہو۔

عقائد کے اس مجموعے پر جن لوگوں کو یقین نہ ہو وہ قرآن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے، کیونکہ ان باتوں کا انکار تو درکنار، اگر کسی کے دل میں ان کی طرف سے شک اور تذبذب کی کیفیت بھی ہو، تو وہ اس راستہ پر نہیں چل سکتا جو انسانی زندگی کے لیے قرآن نے تجویز کیا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۵۱)

### آیت: 5

﴿أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾

هُدًى (ہدای): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ رَبُّ (رب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ف ل ح

(ن) فَلَحًا پھاڑنا۔ زمین میں ہل چلانا۔ عربی میں کہا جاتا ہے اَلْحَدِيدُ بِالْحَدِيدِ يُفْلَحُ۔ لوہا، لوہے کو کاٹتا ہے۔ پھر فَلَا حُ کسان کو کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین کو پھاڑتا ہے (بیج بونے کے لیے)۔ ثلاثی مجرد سے فعل یا اسم قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

(افعال) فَلَا حًا اس کا مصدر اِفْلَاحٌ کے بجائے فَلَا حُ استعمال ہوتا ہے۔ کامیاب ہونا۔ مراد پالینا۔ مشکلات اور رکاوٹوں کو پھاڑ کے یعنی عبور کر کے اپنا مطلوب حاصل کر لینا۔ (فعل لازم ہے)۔ فلاح ایسی کامیابی کو کہتے ہیں جو کسی کی اپنی محنت اور عمل کے نتیجے میں ہو۔ یہ لفظ خسران کی ضد ہے جس کا معنی نقصان اور گھٹا ہوا ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں، فَلَا حُ کے معنی کامیابی کے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) دنیوی (۲) اُخروی۔ دنیوی فلاح ان سعادتوں کو حاصل کر لینے کا نام ہے جن

سے دنیاوی زندگی خوشگوار ہوتی ہے یعنی بقاء مال اور عزت و دولت۔ اخروی فلاح چار چیزوں کو حاصل کرنے کا نام ہے۔ (ل) بقا بلا فنا (ب) غنا بلا فقو (ج) عزت بلا ذلت (د) علم بلا جہالت۔ اسی لیے کہا گیا ہے لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ۔ یعنی آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ (مفردات القرآن۔ تلخیصاً)۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادی فرماتے ہیں: ”فلاح عربی میں بڑے ہی وسیع معنی میں آتا ہے۔ دنیا و آخرت کی ساری خوبیوں کا جامع ہے۔ اس لیے المفلحون کا پورا ترجمہ ”کامیاب“ ”بامراد“ وغیرہ کسی اُردو لفظ سے ہونا دشوار ہی ہے۔ امام لغت زبیدی کا قول ہے کہ ائمہ لسان کا اس پر اتفاق ہے کہ کلام عرب میں جامعیت خیر کے لیے فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ موجود نہیں۔ لَيْسَ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ كَلِمَةٌ أَجْمَعُ مِنْ لَفْظَةِ الْفَلَاحِ لِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ كَمَا قَالَ أَئِمَّةُ اللِّسَانِ (تاج)۔“ (تفسیر ماجدی ص ۸)۔ یہی بات پیر کرم شاہ صاحب نے ان الفاظ میں بیان کی ہے: ”فلاح کسی ادھوری اور جزوی کامیابی کو نہیں کہتے بلکہ فلاح اس مکمل کامیابی کو کہا جاتا ہے جس کے دامن میں دنیا و آخرت کی ساری سعادتیں اور برکتیں سمٹ آئی ہوں۔ لیس فی کلام... ائمة اللسان (تاج)۔“ ائمہ لغت نے تصریح کی ہے کہ عربی زبان میں فلاح کے لفظ سے زیادہ اور کوئی لفظ نہیں جو دنیا و آخرت دونوں کی خیرات و برکات پر دلالت کرتا ہو۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱ ص ۳۲)۔

مُفْلِحٌ

ج: مُفْلِحُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ مراد پانے والا۔ ”قرآن مجید میں مفلحون کا لفظ صرف انہی لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو آخرت میں فلاح پانے والے (ہیں)۔ اخروی کامیابی کے دروازے جن کے لیے کھول دیئے جائیں گے، ہاں اَفْلَحَ کا لفظ ایک جگہ فرعون و موسیٰ کے قصہ میں دنیوی کامیابی کے لیے استعمال کیا گیا وہ بھی اللہ کا مقولہ نہیں ہے بلکہ دوسروں کا مقولہ اللہ نے نقل کیا ہے، فرمایا ہے ﴿وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَىٰ ۝﴾ (20/ طہ: 64) ”آج جو غالب آئے گا وہی کامیاب ہوگا۔“ (لغات القرآن)

ترکیب

أُولَئِكَ کا اشارہ گذشتہ آیت نمبر 2 میں الْمُتَّقِينَ کی طرف ہے۔ نیز اس آیت میں أُولَئِكَ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ عَلٰی هُدًى قائم مقام خبر ہے۔ هُدًى نکرہ موصوفہ ہے اور مِّن رَّبِّهِمْ اس کی صفت ہے۔ آگے أُولَئِكَ مبتداء ہے الْمُفْلِحُونَ اس کی خبر اور درمیان میں هُمْ ضمیر فاصل ہے جو حصر کا مفہوم پیدا کر رہی ہے۔

ترجمہ	أُولَئِكَ	عَلٰی هُدًى	مِّن رَّبِّهِمْ	وَأُولَئِكَ	هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝
بہی لوگ	ہدایت پر ہیں	اپنے رب کی طرف سے	اور یہ لوگ	ہی مراد پانے والے ہیں	

البقرة: 5

آیت: 6

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝﴾

ل ک ف ر

(ن) كُفِّرُوا، كُفِّرُوا، كُفِّرُوا کسی چیز کو بادینا، کسی چیز کو اس طرح چھپا دینا کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ پھر اس بنیادی مفہوم کے ساتھ

یہ الفاظ قرآن مجید میں شکر اور ایمان کے مقابلے میں استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا مفہوم ہے:

(ل) ناشکری کرنا یا ناقدری کرنا۔ ناشکری کو بھی کفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ ناشکر محسن کے احسانات کو چھپاتا ہے۔ (ب) ایمان لانے سے انکار کرنا۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی معرفت، اسکی وحدانیت، نیکی بدی کا شعور، جذبہ شکر وغیرہ انسان کی فطرت میں ڈال کر اسے دنیا کی امتحان گاہ میں بھیجا جاتا ہے۔ یہ چیزیں جب اس کے اندر سے



ابھر کر شعور کی سطح پر آنا چاہتی ہیں تو کچھ لوگ اسے دبا دیتے ہیں یا چھپا لیتے ہیں۔ اسکے بعد ہی وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ ناشکری کریں یا انکار کریں۔ کُفْرُ زیادہ تر دین سے انکار کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کُفْرَانُ زیادہ تر نعمت کے انکار اور ناقدری کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور کُفُورُ دونوں قسموں کے انکار پر بولا جاتا ہے۔ اصطلاح شریعت میں جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے ان میں سے کسی چیز کے انکار کا نام کفر ہے۔ ﴿وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ١٥﴾ (31/ لقمان: 12) ”اور جو شکر کرے تو کچھ نہیں سوائے اسکے کہ وہ شکر کرتا ہے اپنے ہی لئے اور جس نے ناشکری کی تو بیشک اللہ بے نیاز، حمد کیا ہوا ہے۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ اِزْدَادُوا كُفْرًا لَّنْ تَقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۖ﴾ (3/ آل عمران: 90) ”یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے چلے گئے کفر میں، ہرگز قبول نہیں کی جائے گی ان کی توبہ۔“

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۝﴾ (17/ بنی اسرائیل: 89) ”ہم نے مختلف پیرایوں میں بیان کی ہے لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال، تو نہ مانا لوگوں کی اکثریت نے مگر ناشکری کرتے ہوئے۔“

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ ۖ﴾ (21/ الانبیاء: 94) ”تو جو عمل کرے نیکیوں میں سے اس حال میں کہ وہ مومن رہے تو کسی قسم کی کوئی ناقدری نہیں ہے اسکی کوشش کے لئے۔“ کُفْرُ کا لفظ بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے بمعنی کفر، انکار۔ ﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝﴾ (2/ البقرة: 108) ”اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے تو وہ بھٹک گیا سیدھے راستے سے۔“

ج: اُكْفُرُوا۔ فعل امر ہے۔ تو کفر کر۔ ﴿كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلنَّاسِ اكْفُرُوا ۖ﴾ (59/ الحشر: 16) ”شیطان کی مثال کی مانند جب اس نے کہا انسان سے کہ تو ناشکری کر یا انکار کر۔“

ج: کَافِرُونَ، كُفَّارٌ اور كُفْرَةٌ۔ اسم الفاعل ہے (مذکر)۔ کفر کرنے والا، انکار کرنے والا، ناشکری کرنے والا۔ ﴿وَيَقُولُ الْكَافِرُ لِيَكُنْتَنِي كُنْتُ تُرِبًا ۖ﴾ (78/ النبا: 40) ”اور کہے گا انکار کرنے والا اے کاش میں مٹی ہوتا۔“ ﴿قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِينَ آمَنْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۝﴾ (7/ الاعراف: 76) ”وہ متکبر لوگ کہنے لگے ہم تو اُس چیز کے منکر ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ ۖ﴾ (2/ البقرة: 161) ”بیشک جن لوگوں نے انکار کیا اور وہ لوگ مر گئے اس حال میں کہ وہ لوگ انکار کرنے والے ہی رہے، ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے۔“ ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ الْفَجَرَةُ ۖ﴾ (80/ عبس: 42) ”یہی لوگ تو ہیں کافر فاجر۔“

کسان کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں دبائے اور چھپانے والا ہوتا ہے۔ ﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ ۖ﴾ (57/ الحديد: 20) بارش کی مثال کی مانند جو بھلی لگی کسانوں کو۔“

رات کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ سب چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔

ج: كُوفِرُوا۔ اسم الفاعل ہے (مؤنث)۔ انکار کرنے والی۔ ناشکری کرنے والی۔ ﴿وَ أَخْرَى كَافِرَةٌ يَدْرُوْنَهُمْ مِّثْلَهُمْ ۚ رَأَى الْعَيْنُ ۖ﴾ (3/ آل عمران: 13) ”اور دوسری فوج کافروں کی ہے دیکھتے ہیں یہ ان کو اپنے سے دو چند صریح آنکھوں سے۔“ ﴿وَلَا تُنْسِكُوا بِعَصَمِ الْكُوفِرِ ۖ﴾ (60/ المؤمن: 10) ”اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو۔“

اُكْفُرُ

كَافِرٌ

كَافِرَةٌ

كَفَّارٌ ﴿٣٩﴾ ﴿٣٩/ الزمر: 3﴾ ”یقیناً اللہ ہدایت نہیں دیتا اس کو جو بہت زیادہ انکار کرنے والا جھوٹا ہے۔“  
فَعَالٌ كَافِرٌ ﴿٣٩﴾ ﴿٣٩/ الزمر: 3﴾ ”یقیناً اللہ ہدایت نہیں دیتا اس کو جو بہت زیادہ انکار کرنے والا جھوٹا ہے۔“  
فَعُولٌ كَافِرٌ ﴿٣٩﴾ ﴿٣٩/ الزمر: 3﴾ ”یقیناً اللہ ہدایت نہیں دیتا اس کو جو بہت زیادہ انکار کرنے والا جھوٹا ہے۔“  
﴿٣٩﴾ ﴿٣٩/ الزمر: 3﴾ ”یقیناً اللہ ہدایت نہیں دیتا اس کو جو بہت زیادہ انکار کرنے والا جھوٹا ہے۔“

صیغہ تعجب ہے جو اظہار تعجب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿قَتِيلَ الْإِنْسَانِ مَا أَكْفَرَهُ﴾ ﴿٣٩﴾ ﴿٣٩/ الزمر: 3﴾ ”(کافر) انسان پر اللہ کی مار، وہ کیسا ناشکرا ہے۔“

کسی کی ناپسندیدہ چیز کو اس سے دور کرنا، کسی چیز کو اس طرح چھپانا اور ڈھانپنا کہ گویا وہ کبھی تھی ہی نہیں۔ غلطی کا جرم نامہ ادا کر کے اس کی سزا کو دور کرنا۔ کفارہ ادا کرنا۔ ﴿كَفَرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾ ﴿٣٩﴾ ﴿٣٩/ الزمر: 3﴾ ”اس نے یعنی اللہ نے دور کیا ان کی برائیوں کو ان سے اور اس نے اصلاح کی ان کی حالتوں کی۔“ (نوٹ: جو ہرئی فرماتے ہیں کہ ثواب مٹ جائے تو اس کے لیے احباط کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اگر گناہ معاف کر دیے جائیں تو ان کے لیے ”تکفیر“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ التَّكْفِيرُ فِي الْمَعَاصِي كَالْحَبَاطِ فِي الثَّوَابِ)۔ (بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۳۰۴)

فعل امر ہے۔ تو دور کر۔ ﴿رَبَّنَا فَاعْفُ رَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَكَّلْنَا مَعَ الْبَرَارِ﴾ ﴿٣٩﴾ ﴿٣٩/ آل عمران: 193﴾ ”اے ہمارے رب تو بخش دے ہمارے لئے ہمارے گناہوں کو اور تو دور کر دے ہم سے ہماری برائیوں کو اور تو موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ۔“

کفارہ کے لغوی معنی ہیں ”چھپانے والی چیز“ جو چیز گناہ کو دور کر دے اور اسے چھپا دے، کفارہ کہلاتی ہے یعنی گناہ کا شرعی اتار۔ کسی نیکی کو گناہ کا ”کفارہ“ قرار دینے کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ نیکی اس گناہ پر چھا جائے اور اسے ڈھانپ لے، جیسے کسی دیوار پر داغ لگ جائے اور اس پر سفیدی پھیر کر اسے مٹا دیا جائے۔ نوٹ: کفارہ گناہ سے متعلق ہوتا ہے۔ جبکہ فِدْيَةٌ، عبادت میں کوتاہی سے متعلق ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم) ﴿ذَلِكَ كَفَّارَةٌ لِّأَيِّمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ﴾ ﴿٣٩﴾ ﴿٣٩/ المائدہ: 89﴾ ”یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھا کر توڑ دو۔“

س و ی

ہموار ہونا۔ حالت یا مقدار میں برابر ہونا۔ درمیان میں ہونا۔ درست ہونا۔ قرآن مجید میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا۔ البتہ اس کا مصدر سَوَّاءٌ آیت زیر مطالعہ میں استعمال ہوا ہے۔

مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ (۱) برابر۔ ﴿وَذُوَا كُو تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً﴾ ﴿٣٩﴾ ﴿٣٩/ النساء: 89﴾ ”یہ لوگ تو دل سے چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے یہ لوگ کفر کر رہے ہیں تاکہ تم (سب) برابر ہو جاؤ۔“ (ترجمہ ماجدئی)  
﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ ﴿٣٩﴾ ﴿٣٩/ آل عمران: 64﴾ ”تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ﴿فَأَنبِئْهُمْ عَلَى سَوَاءٍ﴾ ﴿٣٩﴾ ﴿٣٩/ الانفال: 58﴾ ”تو بھیج دے ان کا عہد ان کی طرف ایسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر۔“ (ترجمہ شیخ الہند) (۲) کسی چیز کا درمیان یا وسط۔ ﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ ﴿٣٩﴾ ﴿٣٩/ البقرة: 108﴾ ”اور جو تبدیل کرتا ہے کفر کو ایمان کے بدلے تو وہ بھٹک گیا ہے راستہ کے درمیان سے یعنی سیدھے راستے سے۔“ ﴿فَاطْلَعَ قَرَاهُ فِي سَوَاءِ الْجَبِينِ﴾ ﴿٣٩﴾ ﴿٣٩/ الصافات: 55﴾ ”پس اس نے جھانکا تو اس نے دیکھا اس کو بھڑکتی آگ کے وسط میں۔“ (۳) پورا، تمام۔ ﴿وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً

لِّلسَّائِلِينَ ﴿٥٠﴾ ﴿٤١/حم السجدة:10﴾ ”اور اُسی نے زمین کے اوپر پہاڑ بنادیے اور اُس (زمین) میں فائدے کی چیزیں رکھ دیں اور اُسی میں اُس (پر رہنے والوں) کی غذائیں رکھ دیں (یہ سب) چاردن میں پورے ہیں پوچھنے والوں کے لیے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ اور حضرت شیخ الہند سَوَاءٌ لِّلسَّائِلِينَ کا ترجمہ کرتے ہیں ”پورا ہوا پوچھنے والوں کو۔“ اور پھر حاشیہ میں فرماتے ہیں: ”یعنی یہ سب کام چاردن میں ہوا۔ دو روز میں زمین پیدا کی گئی اور دو روز میں اس کے متعلقات کا بندوبست ہوا۔ جو پوچھے یا پوچھنے کا ارادہ رکھتا ہے اُسے بتلا دو کہ یہ سب مل کر پورے چاردن ہوئے بدون کسر اور کمی و بیشی کے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: یعنی (پوچھنے والوں کا) جواب پورا ہوا۔“ نوٹ: نہ اس کا تشبیہ بنایا جاتا ہے اور نہ جمع۔

فَعِبِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہر لحاظ سے کمی یا زیادتی سے پاک۔ سیدھا۔ کامل۔ درمیانی۔ ﴿قَالَ اَيْنَتْكَ اَلَا تُكَلِّمُ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ ﴿١٩/مریم:10﴾ ”اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا تیری نشانی ہے کہ تو کلام نہیں کرے گا لوگوں سے تین کامل راتیں یعنی تین رات اور دن۔“ یا ”(اللہ نے) فرمایا تمہارے لیے نشان یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین راتیں نہ بول سکو گے درآنحالیکہ تم تندرست ہو گے۔“ (ترجمہ ماجدی)

سَوِيًّا

صاف، ہموار۔ درمیانی۔ جس چیز کی دونوں طرفیں برابر ہوں۔ یہ صفت بھی ہے، ظرف بھی ہے اور مصدر بھی۔ ﴿فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سَوِيًّا﴾ ﴿٥٨/ط:58﴾ ”سو، ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلے میں ایک ایسا ہی جادو سو بھڑالے ہمارے اور اپنے بیچ میں ایک وعدہ نہ ہم خلاف کریں گے اُس کا اور نہ تو ایک میدان صاف میں۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ آیت میں مَكَانًا سَوِيًّا کے بارے میں صاحب احسن البیان لکھتے ہیں: ”صاف ہموار جگہ، جہاں ہونے والے مقابلے کو ہر شخص آسانی سے دیکھ سکے یا ایسی برابر کی جگہ، جہاں فریقین سہولت سے پہنچ سکیں۔“ (احسن البیان، ص ۸۶۳)

سَوِيًّا

کسی چیز کو کمی یا زیادتی سے پاک کرنا۔ ہر لحاظ سے مناسب و موزوں بنانا یعنی نوک پلک درست کرنا۔ ہموار یا برابر کرنا۔ ﴿الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ﴾ ﴿٨٧/الاعلى:2﴾ ”جس نے پیدا کیا پھر نوک پلک درست کی۔“ ﴿رَفَعَ سَبْكَهَا فَسَوَّىٰ﴾ ﴿٧٩/النزغ:28﴾ ”اس نے بلند کیا اس کی یعنی آسمان کی چھت کو پھر اسے درست کیا۔“ ﴿اِذْ نَسَوَيْكُمْ يَرْبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿٩٨/اشعراء:98﴾ ”جب ہم تم کو برابر کرتے تھے پروردگار عالم کے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

(تفعیل) تَسْوِيَّةٌ

مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ ﴿يَوْمَئِذٍ يُؤَذِّنُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ كَوْ تَسْوَىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ﴾ ﴿٤/النساء:42﴾ ”جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور پیغمبر کی نافرمانی کی ہے وہ اُس روز تمنا کریں گے کہ کاش زمین اُن پر برابر کر دی جائے۔“ (ترجمہ ماجدی)

تَسْوَىٰ

دو یا زیادہ چیزوں کو برابر کرنا۔ ﴿حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا﴾ ﴿١٨/الکہف:96﴾ ”یہاں تک کہ جب اس نے برابر کر دیا پہاڑوں کے دونوں کناروں کے درمیان کو، تو اس نے کہا تم لوگ پھونکو۔“

(مفاعله) مُسَاوَاةٌ

(1) استوی کے بعد اگر دو فاعل آئیں (یعنی اگر معطوف علیہ اور معطوف مل کر فاعل ہو) تو اس کے معنی ہوتے ہیں دونوں میں برابری کرنا۔ ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَ الْبَصِيرُ ۚ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَ النُّورُ﴾ ﴿١٣/الرعد:16﴾ ”آپ ﷺ کہیے کیا برابر ہوتے ہیں اندھا اور بصیرت والا یا کیا برابر ہوتے ہیں اندھیرے اور نور۔“

(2) اگر دو فاعل نہ ہوں، یعنی ایک ہی فاعل ہو، تو پھر اس کے معنی سنبھلنے، درست ہونے اور سیدھا ہونے کے ہوتے ہیں

(افتعال) اِسْتَوَاءٌ

جیسے فرمایا: ﴿ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۖ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۚ﴾ (النجم: 6، 7) ”زور آورنے، پھر سیدھا بیٹھا اور وہ تھا اونچے کنارہ پر آسمان کے۔“ (ترجمہ شیخ البند) یا فرمایا: ﴿وَلَنَبَا بِكَ بِرَبِّكَ أَشَدَّ ۖ وَاسْتَوَىٰ﴾ (قصص: 14) ”اور جب پہنچ گیا اپنے زور پر اور سنبھل گیا۔“ (ترجمہ شیخ البند)

(3) اِسْتَوَىٰ اِلَىٰ۔ ارادہ کرنا۔ متوجہ ہونا۔ قصد کرنا۔ ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ اِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ﴾ (41/حم السجدة: 11) ”پھر وہ متوجہ ہوا آسمان کی طرف اس حال میں کہ وہ دھواں تھا۔“

(4) اِسْتَوَىٰ عَلٰی۔ غالب آنا۔ قرار پکڑنا۔ قائم ہونا۔ جم کر بیٹھنا۔ ﴿يَا الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ﴾ (25/الفرقان: 59) ”جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، چھ دنوں میں پھر وہ قائم ہوا عرش پر۔“ جب اللہ تعالیٰ کے لیے استویٰ علی استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کہ تخت حکومت پر اس طرح قابض ہونا کہ اس کا کوئی حصہ اور گوشہ اقتدار سے باہر نہ رہے اور قبضہ اور تسلط میں کسی قسم کی مزاحمت اور گڑبڑ نہ پائی جائے۔ سب کام اور انتظام برابر ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۲۰۹)۔ ﴿وَاسْتَوَىٰ عَلَى الْجُودِيِّ﴾ (11/هود: 44) ”اور قرار پکڑا اُس کشتی نے جو دی پہاڑ پر یعنی وہ کشتی جو دی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔“ ”جم کر بیٹھنے کے معنوں میں یہ آیت ہے۔“ ﴿لَتَسْتَوُوا عَلَى ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ﴾ (43/الزخرف: 13) ”تا کہ تم اُن کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو پھر جب تم اُس پر جم کر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی اس نعمت کو یاد کرو۔“ (ترجمہ ماجدی)

## ن ذ ر

کسی حادثے کی وجہ سے کسی غیر واجب چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینا۔ منت ماننا (امام راغب)۔ ﴿اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا﴾ (19/مریم: 26) ”میں نے منت مانی رحمن کے لئے ایک روزے کی۔“

ج: نَذَرٌ۔ اسم ذات ہے۔ منت۔ نذر۔ ”نذر یہ ہے کہ آدمی اپنی کسی مراد کے برآنے پر کسی ایسے خرچ یا کسی ایسی خدمت کو اپنے اوپر لازم کر لے، جو اس کے ذمے فرض نہ ہو۔ اگر یہ مراد کسی حلال و جائز امر کی ہو، اور اللہ سے مانگی گئی ہو، اور اس کے برآنے پر جو عمل کرنے کا عہد آدمی نے کیا ہے، وہ اللہ ہی کے لیے ہو تو ایسی نذر اللہ کی اطاعت میں ہے اور اس کا پورا کرنا اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو ایسی نذر کا ماننا معصیت اور اس کا پورا کرنا موجب عذاب ہے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۲۰۸) ﴿وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ ۚ﴾ (2/البقرة: 270) ”اور جو تم لوگ انفاق کرو کسی خرچے میں سے یا جو تم لوگ منت مانو کسی منت میں سے تو یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔“ ﴿ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلِيُوفُوا نَّذْرَهُمْ وَلِيُكَلِّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۖ﴾ (22/الحج: 29) ”پھر ان لوگوں کو چاہیے کہ اتاریں اپنے میل کچیل اور پوری کریں اپنی منتیں اور طواف کریں قدیم گھر کا یعنی خانہ کعبہ کا۔“

کسی متوقع خطرہ سے خبردار ہونا۔ چوکنا ہونا۔ باب سماع سے فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ (س) نَذَرًا (انفال) اِنْدَارًا، نَذَرًا کسی متوقع خطرے سے خبردار کرنا۔ وارنگ دینا۔ ”ایسی خبر دینا جس سے خوف پیدا ہو۔ اردو میں اس کا ترجمہ ڈرانے سے کیا جاتا ہے لیکن مطلقاً ڈرانے کو انداز نہیں کہتے۔ بلکہ ایسا ڈرانا جو شفقت اور رحمت کی بناء پر ہو۔ جیسے والدین اولاد کو نَذَرًا

آگ سے، سانپ وغیرہ سے ڈراتے ہیں۔ اس میں شفقت اور ہمدردی کا پہلو ہوتا ہے۔ جبکہ ڈاکو اور چور جو انسانوں کو ڈراتے ہیں اس میں شفقت کا پہلو نہیں ہوتا اس لیے ان کے ڈرانے کو انذار اور ان لوگوں کو نذیر نہیں کہا جاتا۔ جبکہ انبیاء کو خصوصیت کے ساتھ نذیر کا لقب دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ آئندہ آنے والے مصائب سے ازراہ شفقت لوگوں کو ڈراتے ہیں۔“ (معارف القرآن)۔ پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”نَذَر کے مادہ کا اطلاق اس ڈرانے پر ہوتا ہے جس میں کم از کم دو خصوصیتیں ہوں۔ ایک تو وہ ڈرانا بروقت ہو۔ یوں نہیں کہ جب پتھر آسمان سے برسنے شروع ہو جائیں تو خطرہ کا الارم بجنے لگے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انذار سے مقصد صرف عذاب کی خبر دینا نہیں ہوتا بلکہ اصل مقصد اس شخص کی خیر خواہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کا انتظام کر لے۔ لسان العرب میں ہے کہ عرب کہتے ہیں: أَنْذَرْتُ الْقَوْمَ مَسِيرَ الْعَدُوِّ إِلَيْهِمْ فَنَذَرُوا أَمَى عَلِمَتْهُمْ ذَلِكَ فَعَلِمُوا وَتَحَذَرُوا یعنی میں نے قوم کو دشمن کے حملے سے خبردار کیا۔ پس انہوں نے اپنا بچاؤ کر لیا۔“ (ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۳۳۵)۔ ﴿وَأَوْحَىٰ إِلَيْنَا هَذَا الْقُرْآنَ لِأَنَّذَرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ط﴾ (6/ الانعام: 19) ”اور وحی کیا گیا میری طرف یہ قرآن تاکہ میں خبردار کروں تم لوگوں کو اس کے ذریعہ سے اور اس کو جس کو وہ پہنچے۔“

ج: أَنْذَرُوا۔ فعل امر ہے۔ تو خبردار کر۔ ﴿وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ﴾ (14/ ابراہیم: 44) ”اور خبردار کیجئے لوگوں کو اس دن سے جب آئے گا ان کے پاس عذاب۔“

ج: مُنْذِرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ خبردار کرنے والا۔ ڈرانے والا۔ صاحب لغات القرآن فرماتے ہیں: ”ہر پیغمبر عذاب الہی سے سرکشوں اور نافرمانوں کو ڈراتا ہے اس لیے ہر پیغمبر کو منذر کہا جاتا ہے اور چونکہ ہر پیغمبر کے ڈرانے کا اصل مقصد ہدایت کرنا ہوتا ہے اس لیے بعض ترجمہ کرنے والوں نے منذر کا ترجمہ ہادی بھی کیا ہے۔“ (لغات القرآن، ج ۵، ص: ۴۵۱) ﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (13/ الرعد: 7) ”کچھ نہیں سوائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خبردار کرنے والے ہیں اور ہر ایک قوم کیلئے ایک ہدایت دینے والا ہے۔“

ج: مُنْذَرٌ۔ اسم المفعول ہے۔ جس کو خبردار کیا گیا۔ جو ڈرایا گیا یعنی جس کو سرکشی اور نافرمانی کی سزا سے ڈرایا گیا۔ ﴿وَأَخْرَجْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلَايَتِنَا فَاُنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ﴾ (10/ یونس: 73) ”اور ہم نے ڈبویا ان لوگوں کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، تو دیکھ کیسا تھا خبردار کئے جانے والوں کا انجام۔“

ج: نَذِيرٌ۔ فَعِيلٌ کا وزن ہے اسم الفاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس کے معنی خبردار ہونے والا کے بجائے خبردار کرنے والا، ڈرانے والا ہیں۔ نوٹ: صاحب لغات القرآن فرماتے ہیں: ”یاد رکھو کہ قرآن مجید میں ہر جگہ نذیر یعنی ڈرانے والے سے مراد ہے نافرمانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا۔“ (لغات القرآن، ج ۶، ص: ۴۰۰) ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ (34/ سبا: 28) ”اور ہم نے نہیں بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مگر تمام انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا ہوتے ہوئے۔“ ﴿وَقَدْ خَلَّتِ النَّذِيرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ﴾ (46/ الاحقاف: 21) ”اور گزر چکے ہیں خبردار کرنے والے ان کے سامنے اور ان کے پیچھے۔“

حرف عطف ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) متصل (۲) منقطع۔

(۱) متصل: وہ ہے جس سے پہلے ہمزہ تسویہ (سَوَاءٌ) کا ہمزہ آئے جیسے سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ۔ ایسی صورت میں 'ا' کے معنی 'خواہ' یا 'چاہے' کے ہوتے ہیں۔ اور اَمْ کے معنی 'یا' کے ہوتے ہیں۔ کسی جملہ میں ء کے بعد اگر اَمْ لانا ہو تو، زیادہ تر ء کے بعد فعل ماضی لاتے ہیں اور اَمْ کے بعد فعل مضارع لاتے ہیں۔ پھر مضارع میں ماضی کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے اس پر لَمْ داخل کرتے ہیں۔ یا اس سے پہلے ایسا ہمزہ استفہام آتا ہے جس کو اَمْ کے ساتھ ملانے سے کسی چیز کا تعین مقصود ہو۔ جیسے أَزِيدُ عِنْدَكَ أَمْ عَمْرٍ۔ ایسی صورت میں اَمْ کے معنی 'او' (یا) کے ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسے متصل کہتے ہیں کیونکہ اس سے ماقبل اور مابعد آپس میں ملے ہوتے ہیں۔

(۲) منقطع: یعنی وہ جو متصل کے خلاف ہو۔ اس صورت میں اَمْ کے وہ معنی جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوتے 'اضْرَابُ' ہے یعنی پہلی بات سے اعراض کرنا تبھی یہ منقطع کہلاتا ہے۔ ایسے اَمْ کے کئی معنی ہوتے ہیں مثلاً، یا، خواہ، کیا، بَلْ (بلکہ)۔ بَلْ اور ہمزہ (بَلْ أ) استفہام کے لیے آتا ہے۔ عموماً اس سے پہلے کوئی سوال ہوتا ہے۔ جس کو چھوڑ کر اَمْ (بمعنی بَلْ أ) سے کوئی دوسرا سوال پوچھا جاتا ہے مثلاً ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ﴾ یا ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ أَصْحَبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا﴾ ۶۔ اَمْ بعض دفعہ زندہ بھی آتا ہے۔

يُؤْمِنُونَ (عمر ن): البقرة آیت 3 دیکھیں۔

### ترکیب

إِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ الَّذِينَ، اسم موصول اور كَفَرُوا، اس کا صلہ۔ صلہ اور موصول مل کر اسم ہوئے إِنَّ کے۔ آگے جملہ اسمیہ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ تک خبر اول ہے إِنَّ کی۔ اس میں سَوَاءٌ مبتدا ہے اور عَلَيْهِمْ جار مجرور متعلق ہیں سَوَاءٌ سے۔ اَمْ ہمزہ تسویہ ہے۔ اَنْذَرْتُ فعل اور اس میں شامل ضمیر اُس کا فاعل اور هُمْ اس کا مفعول بہ۔ اَمْ حرف عطف ہے اور جملہ لَمْ تُنْذِرْهُمْ عطف ہے اَنْذَرْتَهُمْ پر اور جملہ ءَأَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ، سَوَاءٌ کی خبر ہے اور محلاً حالت رفع میں ہے۔ آگے جملہ فعلیہ لَا يُؤْمِنُونَ خبر ثانی ہے إِنَّ کی۔ اس میں لَا نفی کا ہے۔ اس آیت کی اور ترکیب بھی کی گئی ہیں۔

ترجمہ	إِنَّ	الَّذِينَ كَفَرُوا	سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ	ءَأَنْذَرْتَهُمْ
البقرة: 6	یقیناً	جن لوگوں نے انکار کیا	برابر ہے ان پر	خواہ آپ خبردار کریں ان کو
		اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ	لَا يُؤْمِنُونَ ۱	
		یا آپ خبردار نہ کریں ان کو	وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے	

نوٹ: 1

کفر: حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”کفر کے لفظی معنی چھپانے کے ہیں، ناشکری کو بھی کفر اس لیے کہتے ہیں کہ محسن کے احسان کو چھپانا ہے (مطلب انسان اپنے محسن کے احسان کو چھپاتا ہے)۔ اصطلاح شریعت میں جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے ان میں سے کسی چیز کے انکار کا نام کفر ہے، مثلاً ایمان کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور اس کا ثبوت قطعی و یقینی ہے اُن سب چیزوں کی دل سے تصدیق کرنا، اور حق سمجھنا، اس لیے جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن تعلیمات میں سے جن کا ثبوت یقینی اور قطعی ہے کسی ایک کو بھی حق نہ سمجھے اور اس کی تصدیق نہ کرے وہ کافر کہلائے گا۔“ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۱۱۷)۔

حضرت مولانا مودودیؒ نے ”کفر“ کی وضاحت نہایت خوبصورت انداز میں کی ہے، فرماتے ہیں: ”کفر کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں۔ اسی سے انکار کا مفہوم پیدا ہوا اور یہ لفظ ایمان کے مقابلے میں بولا جانے لگا۔ ایمان کے معنی ہیں ماننا، قبول کرنا، تسلیم کر لینا۔ اس کے برعکس کفر کے معنی ہیں نہ ماننا، رد کر دینا، انکار کرنا۔ قرآن کی رُو سے کفر کے روئے کی مختلف صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ انسان سرے سے خدا ہی کو نہ مانے، یا اُس کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم نہ کرے اور اس کو اپنا اور ساری کائنات کا مالک اور معبود ماننے سے انکار کر دے، یا اسے واحد مالک اور معبود نہ مانے۔

دوسرے یہ کہ اللہ کو تو مانے مگر اُس کے احکام اور اُس کی ہدایات کو واحد منع علم و قانون تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔

تیسرے یہ کہ اصولاً اس بات کو بھی تسلیم کر لے کہ اسے اللہ ہی کی ہدایت پر چلنا چاہیے، مگر اللہ اپنی ہدایات اور اپنے احکام پہنچانے کے لیے جن پیغمبروں کو واسطہ بناتا ہے، انہیں تسلیم نہ کرے۔

چوتھے یہ کہ پیغمبروں کے درمیان تفریق کرے اور اپنی پسند یا اپنے تعصبات کی بنا پر ان میں سے کسی کو مانے اور کسی کو نہ مانے۔  
پانچویں یہ کہ پیغمبروں نے خدا کی طرف سے عقائد، اخلاق اور قوانین حیات کے متعلق جو تعلیمات بیان کی ہیں اُن کو یا اُن میں سے کسی چیز کو قبول نہ کرے۔  
چھٹے یہ کہ نظریے کے طور پر تو ان سب چیزوں کو مان لے مگر عملاً احکام الہی کی دانستہ نافرمانی کرے اور اس نافرمانی پر اصرار کرتا رہے، اور دنیوی زندگی میں اپنے رویے کی بنا طاعت پر نہیں بلکہ نافرمانی ہی پر رکھے۔

یہ سب مختلف طرز فکر و عمل اللہ کے مقابلے میں باغیانہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک رویے کو قرآن کفر سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مقامات پر قرآن میں کفر کا لفظ کفرانِ نعمت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور شکر کے مقابلے میں بولا گیا ہے۔ شکر کے معنی یہ ہیں کہ نعمت جس نے دی ہے انسان اس کا احسان مند ہو، اس کے احسان کی قدر کرے، اس کی دی ہوئی نعمت کو اسی کی رضا کے مطابق استعمال کرے، اور اُس کا دل اپنے محسن کے لیے وفاداری کے جذبے سے لبریز ہو۔ اس کے مقابلے میں کفر یا کفرانِ نعمت یہ ہے کہ آدمی یا تو اپنے محسن کا احسان ہی نہ مانے اور اسے اپنی قابلیت یا کسی غیر کی عنایت یا سفارش کا نتیجہ سمجھے، یا اُس کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری کرے اور اسے ضائع کر دے، یا اُس کی نعمت کو اس کی رضا کے خلاف استعمال کرے، یا اس کے احسانات کے باوجود اس کے ساتھ غدر اور بے وفائی کرے۔ اس نوع کے کفر کو ہماری زبان میں بالعموم احسان فراموشی، نمک حرامی، غداري اور ناشکرے پن کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۱۲۹)

### آیت 7:

﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۷﴾

خ ت م

(ض)

خَتَمًا

(1) مہر لگانا کہ اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر نہ جاسکے یعنی محفوظ کر لینا، بند کر دینا۔ اس کے ساتھ علی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ﴾ (36/ یسین: 65) ”اس دن ہم مہر لگا دیں گے ان کے مونہوں پر۔“  
(2) کسی کام سے فارغ ہونا، ختم کرنا۔

(3) کسی چیز کے آخر تک پہنچ جانا۔ اسی معنی میں ختم قرآن بولتے ہیں یعنی قرآن کو آخر تک پڑھ لینا۔  
حضرت مولانا مودودی ”ختم“ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”عربی لغت میں محاورے کی رو سے ”ختم“ کے معنی مہر لگانے، بند کرنے، آخر تک پہنچ جانے اور کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہو جانے کے ہیں۔ خَتَمَ الْعَمَلُ کے معنی میں فَرَغَ مِنَ الْعَمَلِ، ”کام سے فارغ ہو گیا۔“ خَتَمَ الْإِنَاءَ کے معنی ہیں ”برتن کا منہ بند کر دیا اور اس پر مہر لگا دی تاکہ نہ کوئی چیز اس میں سے نکلے اور نہ کچھ اس کے اندر داخل ہو۔“ خَتَمَ الْكِتَابَ کے معنی ہیں ”خط بند کر کے اس پر مہر لگا دی تاکہ خط محفوظ ہو جائے۔“ خَتَمَ عَلَى الْقَلْبِ ”دل پر مہر لگا دی کہ نہ کوئی بات اس کی سمجھ میں آئے، نہ پہلے سے جی ہوئی کوئی بات اس میں سے نکل سکے۔“ خَتَمُوا كُلَّ مَشْرُوبٍ ”وہ مزاج کسی چیز کو پینے کے بعد آخر میں محسوس ہوتا ہے۔“ خَاتِمَةُ كُلِّ شَيْءٍ، عَاقِبَتُهُ وَ آخِرَتُهُ، ”ہر چیز کے خاتمہ سے مراد ہے اس کی عاقبت اور آخرت۔“ خَتَمَ الشَّيْءُ،

بَلِّغْ آخِرَهُ“ کسی چیز کو ختم کرنے کا مطلب ہے اس کے آخر تک پہنچ جانا۔“ اسی معنی میں ختم قرآن بولتے ہیں اور اسی معنی میں سورتوں کی آخری آیات کو خواتیم کہا جاتا ہے۔ خَاتَمُ الْقَوْمِ، آخِرُهُمْ ”خاتم القوم سے مراد ہے قبیلے کا آخری آدمی۔“ (ملاحظہ ہو لسان العرب، قاموس اور اقرب الموارد) (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۱۳۹)

اسم ذات ہے۔ وہ چیز جس سے مہر لگائی جائے جیسے لاکھ، گیلہ آٹا، گیلی مٹی وغیرہ۔ ﴿يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ ۝ خِتْمُهُ مَسْكٌ ۖ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۝﴾ (83/ المطففين: 25-26) ”ان کو پلائی جائے گی خالص شراب مہر لگی ہوئی۔ اس کی مہر مشک ہے اور چاہیے کہ اس میں جان کھپائیں جان کھپانے والے۔“

خَتَامُ

اس کے تین معنی ہیں (۱) مہر (۲) ختم کرنے والا (۳) آخری۔ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ ۚ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۝﴾ (33/ الاحزاب: 40) ”اور نہیں ہیں محمد ﷺ کسی ایک کے باپ، تمہارے مردوں میں سے، اور لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں۔“ اس آیت میں خَاتَمَ النَّبِيِّينَ کے عام طور پر تین طرح سے ترجمے کیے گئے ہیں مثلاً (۱) حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں: ”اور مہر سب نبیوں پر۔“ یعنی آپ ﷺ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلے پر مہر لگ گئی۔ اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی۔ بس جس کو ملنی تھی مل چکی۔ یا دوسرے لفظوں میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد انبیاء کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا اور اس پر مہر لگا دی گئی تاکہ کوئی کذاب، دجال اس میں داخل نہ ہو سکے۔ (۲) تفسیر احسن البیان میں اس کا ترجمہ ”تمام نبیوں کے ختم کرنے والے“ سے کیا گیا ہے۔ یعنی انبیاء کے سلسلے کو ختم کرنے والے۔ (۳) حضرت مولانا عبد الماجد دریا بادی فرماتے ہیں: ”اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں“ خَاتَمُ اور خَاتِمَةُ، دونوں کے معنی لغت میں آخر کے ہیں۔ قوم کے آخری فرد کو خَتَامُ، خَاتَمُ اور خَاتِمَةُ کہا جاتا ہے۔ کسی چیز کے آخر کو خاتمة اشیٰ کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے حضور ﷺ کو خاتم النبیین کہا جاتا ہے۔ کہ وہ تمام نبیوں سے آخر میں تشریف لائے۔ (واللہ اعلم)

خَاتَمُ

اسم المفعول ہے۔ جس پر مہر لگا دی جائے۔ مہر لگا ہوا۔ ﴿يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ ۝﴾ (83/ المطففين: 25) ”ان کو پلائی جائے گی خالص شراب مہر لگی ہوئی۔“

مَخْتُومٌ

ق ل ب

(ض)

قَلْبًا

کسی چیز کو ایک حالت یا رخ سے دوسری طرف پھیرنا، پلٹنا یا موڑنا۔ ﴿وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ۝﴾ (29/ العنکبوت: 21) ”اور اس کی طرف ہی تم لوگ پلٹائے جاؤ گے۔“ عربی زبان میں قَلْبُ الْأَمْرِ کا مطلب ہوتا ہے کسی معاملے کو الٹ پلٹ کر دیکھنا اور جانچنا کہ اس کا ہر پہلو صاف ظاہر ہو جائے۔

قَلْبٌ

ج: قُلُوبٌ۔ اسم ذات ہے۔ دل (کیونکہ یہ ہر لمحہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹتا رہتا ہے۔) مولانا عبد الماجد دریا بادی فرماتے ہیں: ”دل سے مراد سینہ کے اندر کا وہ مضغہ گوشت نہیں جو طبی اصطلاح میں دل کہلاتا ہے۔ بلکہ وہ دل مراد ہے جو محاورہ زبان میں احساس، عقل، ارادہ سب کا مرکز ہے۔ انسانی بول چال میں دل اسی کو کہا جاتا ہے اور افعال ارادی کا صدور اسی سے ہوتا ہے۔ توریت، انجیل اور دوسرے صحیفے سب میں یہی محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔“ ﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ ۖ﴾ (64/ التغابن: 11) ”اور جو ایمان لاتا ہے اللہ پر تو وہ ہدایت دیتا ہے اس کے دل کو۔“ ﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا﴾ (7/ الاعراف: 179) ”ان کے دل ہیں (لیکن) وہ لوگ سمجھتے نہیں ان سے۔“



(تفعیل) تَقْلِبًا کسی چیز کو بار بار پلٹنا (اس میں مبالغے کا مطلب ہوتا ہے)۔ ﴿وَنُقَلِّبُھُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ﴾ (18/ الکہف: 18) ”اور ہم بار بار پلٹتے ہیں ان کو دائیں جانب اور بائیں جانب یعنی ہم ان کی کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔“

(تفعّل) تَقْلَبًا کسی چیز کا خود بار بار پلٹنا، گھومنا پھرنا۔ ﴿قَدْ نَرٰی تَقَلَّبَ وَجْھَکَ فِی السَّمَاۗءِ﴾ (2/ البقرة: 144) ”ہم نے دیکھ لیا ہے آپ ﷺ کے چہرے کا بار بار پلٹنا آسمان میں۔“ ﴿لَا یُعْزِزُکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْاِلَادِ﴾ (3/ آل عمران: 196) ”ہرگز دھوکا نہ دے آپ ﷺ کو شہروں میں ان لوگوں کا گھومنا پھرنا جنہوں نے کفر کیا۔“

اسم المفعول ہے جو بطور اسم ظرف استعمال ہوتا ہے۔ گھومنے پھرنے کی جگہ۔ ﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مُتَقَلِّبَکُمْ وَ مَثُوْکُمْ﴾ (47/ محمد: 19) ”اللہ جانتا ہے تمہارے گھومنے پھرنے کی جگہ کو اور تمہارے واپس ہونے کی جگہ کو۔“

(انفعال) اِنْقِلَابًا کسی چیز کا خود ایک حالت یا رخ سے دوسری طرف پھرنا یا پلٹنا۔ ﴿اَفَاَیْنَ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ اَنْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ﴾ (3/ آل عمران: 144) ”تو کیا اگر وہ یعنی حضور ﷺ انتقال کر جائیں یا قتل کئے جائیں تو تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اپنی ایڑیوں کے بل۔“

ج: مُنْقَلِبُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پھرنے والا۔ پلٹنے والا۔ ﴿قَالُوْۤا اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ﴾ (7/ الاعراف: 125) ”ان لوگوں نے کہا بیشک ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔“

اسم المفعول ہے جو بطور اسم ظرف استعمال ہوتا ہے پلٹنے کی جگہ۔ ﴿وَسِیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَنّٰی مُنْقَلِبٌ یُّنْقَلِبُوْنَ﴾ (26/ الشعراء: 227) ”اور جان لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا کہ کون سی پلٹنے کی جگہ وہ لوگ پلٹیں گے۔“

### س م ع

(س) سَمَاعًا ، سَمِعًا سنا۔ کسی بات کو سن کر سمجھنا۔ ﴿رَبَّنَا اِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ﴾ (3/ آل عمران: 193) ”اے ہمارے رب بیشک ہم نے سنا ایک ندا دینے والے کو کہ وہ ندا دیتا ہے ایمان کیلئے۔“

نوٹ: سَمِعٌ مصدر بھی ہے اور اسم بھی۔ بطور مصدر استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے سنا۔ بطور اسم یہ لفظ ”سننے کی قوت“ اور ”کان“ دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ سَمِعٌ بمعنی کان، واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ج: اِسْمَعُوا۔ فعل امر ہے۔ توسن۔ ﴿خُذُوْۤا مَا اَتٰیْنٰکُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اَسْمَعُوْۤا﴾ (2/ البقرة: 93) ”تم لوگ پکڑو جو ہم نے دیا تم لوگوں کو مضبوطی سے اور تم لوگ سنو۔“

سَمِیْعٌ فَعِیْلٌ کا وزن ہے اسم الفاعل کے معنی میں۔ سننے والا۔ ﴿اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ (2/ البقرة: 127) ”یقیناً تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔“

فَعَالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بہت زیادہ سننے والا۔ کان دھرنے والا۔ خوب کان لگا کر سننا کبھی تو جاسوسی کے لیے ہوتا ہے، اور کبھی قبول کرنے اور ماننے کے لیے، چنانچہ سَمَاعٌ کا استعمال جاسوس اور مطیع (ماننے والا) دونوں کے لیے ہوتا ہے۔ ﴿سَمْعُوْنَ لَلْکِذِبِ سَمْعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخِرِیْنَ﴾ (5/ المائدہ: 41) ”جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے، وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کے۔“ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت میں سَمْعُوْنَ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”سَمْعُوْنَ کے معنی ہیں بہت زیادہ سننے والے اور کان دھرنے والے، پھر ”بہت زیادہ سنا“، کبھی تو

جاسوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے معنی ہوتے ہیں ”بہت زیادہ قبول کرنے والا“ جیسے ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ میں سننے کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے یہاں پہلے معنی مراد لیے ہیں۔ لیکن ابن جریر وغیرہ محققین نے دوسرے معنی پر حمل کیا ہے۔ ”سَمَاعُونَ لِلْكَذِبِ“ یعنی جھوٹ اور باطل کو بہت زیادہ ماننے اور قبول کرنے والے سَمَاعُونَ لقوم آخرین یعنی دوسری جماعت جس نے ان کو بھیجا اور خود تمہارے پاس نہیں آئی ان کی بات بہت زیادہ ماننے والے۔“ (تفسیر عثمانی، ص ۱۵۱)

کسی کو سنانا۔ ﴿فَأَنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ الْقُلُوبَ﴾ (30/ الروم: 52) ”یقیناً آپ ﷺ نہیں سنا تے مردوں کو اور آپ ﷺ نہیں سنا تے بہروں کو پکار۔“

اسم الفاعل ہے۔ سنانے والا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنِ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ﴾ (35/ فاطر: 22) ”بیشک اللہ سنا تاتا ہے اسکو جس کو وہ چاہتا ہے۔ اور آپ ﷺ سنانے والے نہیں ہیں ان کو جو قبروں میں ہیں۔“

اسم المفعول ہے۔ جس کو سنایا جائے۔ ﴿وَأَسْمِعْ عَذَابَ مُسْمِعٍ﴾ (4/ النساء: 46) ”اور سنو اور تمہیں سنوایا نہ جائے۔“  
نوٹ: اِسْمِعْ عَذَابَ مُسْمِعٍ: یہ محاورہ دو طرح سے بولا جاتا ہے (۱) بطور بدعا۔ یعنی تم سنو اور بہرے ہو جاؤ اور کچھ نہ سن سکو۔ (۲) بطور دعا۔ یعنی سنو اور تمہیں کوئی بری بات نہ سنی پڑے اور تو ہمیشہ غالب اور معزز رہے۔

سننے کی کوشش کرنا۔ کان لگانا۔ ﴿لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَاِئِكَةِ﴾ (37/ الصافات: 8) ”وہ لوگ کان نہیں لگا سکتے عالم بالا کی طرف۔“ (يَسْمَعُونَ، اصل میں يَكْتَسِمِعُونَ تھا۔ ’ت‘، ’س‘ سے بدل گئی اور پھر دونوں ’س‘ کا ادغام ہو گیا۔ یا در ہے کہ اس خصوصی قاعدے کا تعلق باب تفعّل اور تفاعل سے ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر باب تفعّل اور تفاعل کے ’ف‘ کلمہ پر اگر مندرجہ ذیل دس حروف میں سے کوئی حرف آجائے تو ان ابواب کی ’ت‘ تبدیل ہو کر وہی حرف بن جاتی ہے جو ’ف‘ کلمہ پر آیا ہو۔ اس کے بعد ان پر ادغام کے قواعد کا اطلاق ہوتا ہے۔ وہ دس حروف یہ ہیں: ”ث، ذ، ز، س، ش، ص، ط، ظ۔“ (اس قاعدے کی تفصیل کے لیے ”آسان عربی گرامر“ از لطف الرحمن خان صاحب، حصہ سوم، صفحہ ۶۴ دیکھیں)۔

دھیان سے سننا۔ غور سے سننا۔ ﴿الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ﴾ (39/ الزمر: 18) ”جو لوگ دھیان سے سنتے ہیں بات کو پھر پیروی کرتے ہیں اس کی اچھی طرح۔“

ج: اِسْتَمِعُوا۔ فعل امر ہے۔ دھیان سے سنو۔ ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ (7/ الاعراف: 204) ”اور جب قرآن پڑھا جائے تو دھیان سے سنو اس کو اور خاموش رہو۔“

ج: مُسْتَمِعُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ دھیان سے سننے والا۔ ﴿فَاذْهَبَا بِأَيْتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ﴾ (26/ الشعراء: 15) ”پس تم دونوں جاؤ ہماری نشانوں کے ساتھ۔ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں پوری طرح سننے والے ہیں۔“

ب ص ر

(ک) بَصَارَةٌ دیکھنا۔ دیکھ کر سمجھنا اور جاننا۔ ﴿بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ﴾ (20/ طہ: 96) ”میں نے دیکھ کر سمجھا اسے جو وہ لوگ نہیں سمجھے۔“

ج: أَبْصَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ (۱) آنکھ۔ (۲) دیکھنے کی قوت (بینائی) بینائی دل کی ہو یا آنکھ کی دونوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (۳) دیکھ کر سمجھنے کی جس۔ ﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَصْلَهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً﴾ (45/ الباقیہ: 23) ”تو کیا آپ ﷺ نے دیکھا اس کو جس نے بنایا معبود اپنی خواہش کو اور گمراہ کیا اس کو اللہ نے علم کے باوجود اور اس نے مہر لگا دی اس کی سماعت پر اور اس کے دل پر اور اس نے بنایا اس کی بصارت پر ایک پردہ۔“

بَصَرٌ

ج: بَصَائِرٌ۔ اس کا لفظی مطلب ہے بینائی لیکن یہ صرف دل کی بینائی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی دل کی وہ روشنی یا نور جس سے انسان چیزوں کی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے۔ پھر یہ لفظ سمجھنے کی صلاحیت، نشان عبرت، سمجھ میں آنے والی دلیل اور حجت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾ (12/ یوسف: 108) ”یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ﴿قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ (6/ الانعام: 104) ”اب تمہارے پاس روشن دلائل تمہارے پروردگار کے پاس سے پہنچ چکے ہیں۔“ ﴿بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ﴾ (75/ القیلمہ: 14) اس آیت کا ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ یہ کرتے ہیں، ”بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ دلیل ہے۔“ اور حضرت مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ”بلکہ اصل یہ ہے کہ انسان خود ہی اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا۔“ اس آیت میں بَصِيرَةٌ سے اکثر بزرگوں نے ”حجت“ مراد لی ہے۔

بَصِيرَةٌ

فَعِيلٌ کا وزن ہے۔ اسم الفاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ دیکھنے والا۔ ﴿وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾ (2/ البقرة: 96) اور اللہ دیکھنے والا ہے اس کو جو یہ لوگ کرتے ہیں۔“

بَصِيرٌ

دیکھنا اور دکھانا (لازم اور متعدی)۔ سمجھ بوجھ رکھنا۔ ﴿أَفَسِحْرٌ هَذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ﴾ (52/ الطور: 15) ”تو کیا یہ بھی سحر ہے یا تمہیں نظر نہیں آتا۔“

(افعال) إِبْصَارًا

فعل امر ہے۔ تو دیکھ۔ ﴿وَأَبْصُرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ﴾ (37/ الصافات: 175) ”اور آپ ﷺ انہیں دیکھتے رہیں سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے۔“

أَبْصُرْ

ج: مُبْصِرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ دیکھنے والا، دکھانے والے، سمجھانے والا، چیزوں کو واضح کرنے والا۔ جو خود واضح ہو وہ بھی مُبْصِرٌ ہے اور جو دوسرے کو واضح اور روشن کر دے وہ بھی مُبْصِرٌ ہے۔ دن خود بھی روشن ہے اور دوسری چیزوں کو بھی روشن کرنے والا ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْيَلَّ لَتَسْكُنُوا فِيهِ وَاللَّهُارَ مُبْصِرًا﴾ (10/ یونس: 67) ”وہ وہی (اللہ) تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ تم اس میں چین پاؤ اور دن کو (بنایا) دکھلانے والا۔“ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی اس آیت میں ”مُبْصِرٌ“ کا ترجمہ ”دکھلانے والا“ سے کیا ہے۔

مُبْصِرٌ

﴿وَاتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 59) ”اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی اُن کے سمجھانے کو پھر ظلم کیا اُس پر۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ) ”اور ہم نے (قوم) ثمود کو اونٹنی دی تھی بصیرت کے ذریعے کے طور پر لیکن اُنہوں نے (بڑا) ظلم اُس کے ساتھ کیا۔“ (ترجمہ ماجدؒ) ”مُبْصِرَةٌ کے معنی ایک تو خود روشن چیز کے ہیں اور دوسرے اس چیز کو

مُبْصِرَةٌ

بھی کہتے ہیں جس سے دوسری چیزوں پر روشنی پڑے۔“ (تفسیر ماجدی)

(تفعیل) تَبَصَّرَ تَفَعَّلَ باب تفعیل کے مصدر کا دوسرا وزن ہے، تَبَصَّرَ اسی وزن پر ہے۔ دکھانا اور سمجھانا۔ ﴿وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۖ تَبَصَّرَ وَ ذِكْرَى﴾ (50/ بق: 7-8) ”اور اُگائی اُس نے ہر قسم کی رونق کی چیز سمجھانے کو اور یاد دلانے کو۔“

يُبَصِّرُونَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ اُنہیں دکھائے جائیں گے۔ ﴿يُبَصِّرُوهُمْ ط﴾ (70/ المعارج: 11) ”حالانکہ وہ انہیں دکھا بھی دیے جائیں گے۔“

(استفعال) اِسْتَبَصَّرَا بصیرت طلب کرنا۔ سوچ بچار کرنا۔

مُسْتَبَصِّرُونَ ج: مُسْتَبَصِّرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ سوچ بچار کرنے والا۔ ﴿وَذِكْرَ لَّهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبَصِّرِينَ﴾ (29/ العنکبوت: 38) ”اور مزین کیا ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال کو پس اس نے روک دیا ان کو راستہ سے حالانکہ وہ لوگ تھے غور و فکر کرنے والے۔“

نوٹ: دیکھنے کے لیے قرآن مجید میں ’ب ص ر‘ کے علاوہ ’ر ی‘ اور ’ن ظ ر‘ کے مادے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ تینوں میں کچھ بنیادی فرق ہے۔ ’ر ی‘ کا لفظ دیکھنے کے لیے عام ہے۔ چاہے آنکھوں سے دیکھنا ہو، غور و فکر کے لیے دیکھنا ہو، یا خواب میں دیکھنا ہو۔ نَظَرَ کا لفظ بھی دونوں طرح کے دیکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آنکھوں سے یا غور و فکر کے لحاظ سے۔ لیکن عام طور پر اس کا استعمال آنکھوں سے دیکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ اور ’بَصَرَ‘ کا لفظ اگرچہ ہر طرح کے دیکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر دل سے دیکھنے اور سمجھنے بوجھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ الاعراف کی آیت 198 میں تینوں الفاظ ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ ﴿وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرْهَقُهُمْ يُنْظَرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ﴾ ”اور اگر تم انہیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو وہ سن نہ سکیں اور آپ ﷺ انہیں دیکھیں گے کہ گویا آپ ﷺ کی طرف نظر کر رہے ہیں درآنحالیکہ انہیں کچھ نہیں سوجھ رہا ہے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ اس میں تَنْزِي کا لفظ خیال کرنے کے لیے، نَظَرَ کا لفظ آنکھوں سے دیکھنے کے لیے اور بَصَرَ کا لفظ دیکھنے اور سمجھنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

غ ش و

(س) غَشَاوَةٌ کسی کا کسی پر چھا جانا۔ ڈھانپ لینا۔

اسم ذات ہے۔ پردہ۔ ﴿وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ (2/ البقرة: 7) ”اور ان کی بصارت پر ایک پردہ ہے۔“

ج: غَوَّاشٍ۔ اسم الفاعل ہے، واحد مؤنث کا صیغہ۔ ڈھانپنے والی، چھا جانے والی۔ ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ط﴾ (88/ الغاشية: 1) ”کیا پہنچی تجھ کو چھا جانے والی کی خبر۔“ یہ لفظ بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے یعنی اوڑھنے والی چیز، اوڑھنا۔ ﴿لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَّاشٌ ط﴾ (7/ الاعراف: 41) ”ان کے لیے آتش دوزخ کا کچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا۔“

مَغْشَىٰ اسم المفعول ہے۔ جس پر ڈھانپا گیا۔ ﴿رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُنْظَرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنْ الْمَوْتِ ط﴾ (47/ محمد: 20) ”تو تم نے دیکھا کہ جن کے دلوں میں بیماری تھی وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت چھا گئی ہو۔“

(افعال) اِغْشَاءٌ ایک چیز کو دوسری چیز سے ڈھانپ دینا۔ ﴿يَغْشَى الْيَلَّ النَّهَارَ﴾ (7/ الاعراف: 54) ”وہ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن سے۔“

(تفعیل) تَغْشِيَةً بتدریج کسی پر کسی چیز کو چھادینا۔ ڈھانپ دینا۔ ﴿فَغَشَّيْهَا مَا غَشَّى﴾ (53/ النجم: 54) ”پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

(تفعّل) تَغَشَّيْ جھکف کسی پر چھا جانا۔ ڈھانپ لینا۔ ﴿فَلَمَّا تَغَشَّيْهَا حَمَلَتْ حَبْلًا خَفِيفًا﴾ (7/ الاعراف: 189) ”پھر جب اس نے ڈھانپ لیا اس کو تو اس نے اٹھایا ایک ہلکا حمل۔“

(استفعال) اِسْتِغْشَاءٌ کسی چیز سے خود کو ڈھانپنا۔ ﴿حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ﴾ (11/ هود: 5) ”جس وقت وہ لوگ خود کو ڈھانپتے ہیں اپنے کپڑوں سے۔“

### ترکیب

خَتَمَ فعل اور اللہ فاعل ہے۔ عَلٰی قُلُوبِهِمْ پہلا اور عَلٰی سَبْعِهِمْ دوسرا متعلق فعل ہے۔ سَبْعٌ مصدر ہے اور مصادر جمع کی صورت میں نہیں لائے جاتے اس لیے سَبْعٌ مفرد لایا گیا ہے جب کہ قُلُوبٌ اور اَبْصَارٌ جمع ہیں۔ عَلٰی اَبْصَارِهِمْ کو اگر خَتَمَ کا تیسرا متعلق فعل مانا جائے تو اگلا لفظ غِشَاوَةٌ بے معنی ہو جاتا ہے۔ اس طرح معلوم ہو گیا کہ پہلا جملہ عَلٰی سَبْعِهِمْ پر مکمل ہو گیا ہے۔ اسی لیے یہاں وقف مطلق کی علامت ”ط“ بھی ہے جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں ٹھہرنا چاہیے۔ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ سے دوسرا جملہ شروع ہوتا ہے۔ اس میں اِسْتِغْشَاءُ ہے۔ عَلٰی اَبْصَارِهِمْ قائم مقام خبر مقدم ہے اور غِشَاوَةٌ مبتداء مؤخر مکررہ ہے جبکہ خبر مخدوف ہے۔ اسی طرح سے لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ میں لَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے اور مرکب توصیفی عَذَابٌ عَظِيمٌ مبتداء مؤخر مکررہ ہے اور خبر مخدوف ہے۔

خَتَمَ	اللَّهُ	عَلٰی قُلُوبِهِمْ	وَعَلٰی سَبْعِهِمْ ط	وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ
مہر لگادی	اللہ نے	ان کے دلوں پر	اور ان کی سماعت پر	اور ان کی بصارتوں پر

ترجمہ

البقرة: 7

غِشَاوَةٌ	وَلَهُمْ	عَذَابٌ عَظِيمٌ ٥
ایک پردہ ہے	اور ان کیلئے	ایک عظیم عذاب ہے

### نوٹ: 1

ختم قلوب کی حقیقت: دلوں پر مہر لگ جانے کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجدی دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ”اللہ کی طرف سے مہر لگ جانے کا یہ فعل بندہ کے کفر و اختیار کے بعد ہوتا ہے نہ کہ اس کے قبل۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ اس کا سبب۔ فطرت سلیم ہر انسان کو عطا ہوئی ہے، اور اس میں دلائل حق پر غور و فکر کی استعداد بھی شامل ہے۔ لیکن انسان جب اپنے ارادہ و عقل کا غلط استعمال کرنے لگتا ہے، اور آسمانی ہدایتوں اور خداوندی نشانوں سے مسلسل منہ موڑے ہوئے قانونِ شیطانی پر چلنے کی ٹھان لیتا ہے تو سلسلہٴ غضبی کے تحت میں آ جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے سلسلہٴ رحمت سے خارج ہو جاتا ہے، اور نصرتِ الہی اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اب ہر روشنی اسے تاریک اور ہر تاریکی اسے روشن نظر آنے لگتی ہے۔ اس نے اپنے لیے جو کچھ اختیار کیا، وہی اللہ تعالیٰ اسے بحیثیت علت العلل و مسبب الاسباب اپنے قانونِ تکوینی (نہ کہ قانونِ رضا) کے ماتحت دینے لگتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں انسان کے عقل و حواس پر مہر لگ جانے کے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ یہ مہر خداوندی کوئی مادی چیز نہیں۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۹)۔

پیر کرم شاہ صاحبؒ سادہ الفاظ میں ختم قلوب کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ”یہاں بھی بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تو غریب کیونکر ایمان لاتے۔ اُن کی خدمت میں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ انسان کے اعمال پر

کوئی نتیجہ اور اثر مرتب ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر انسان جسمانی صحت کے اصولوں کو لگا تا توڑتا رہے تو اس کا بلا نوش معدہ جو ہر چیز ہضم کر لیا کرتا تھا کیا غذا ہضم کرنے سے معذور نہیں ہو جاتا؟ کیا اس کا جگر خون پیدا کرنا چھوڑ نہیں دیتا؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو روحانی صحت کے بھی چند اصول ہیں جن کی پابندی سے روحانی قوتیں نشوونما پاتی ہیں۔ اور جن کی پیہم خلاف ورزیوں سے وہ قوتیں ناکارہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ دل سے حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت سلب ہو جاتی ہے۔ آنکھیں دیکھتی تو ہیں لیکن عبرت حاصل نہیں کرتیں۔ کان سنتے تو ہیں لیکن نصیحت قبول نہیں کرتے۔ بس اسی کیفیت کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ ان کفار کی پیہم نافرمانیوں سے حق سمجھ لینے کے باوجود اس سے مسلسل انکار کرنے کی وجہ سے ان کے دل و دماغ اور دیدہ و گوش (دیکھنا اور سننا) کی ساری قوتیں ناکارہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ تو ان کی یہ محرومیاں نتیجہ ہیں ان مسلسل نافرمانیوں کا۔ اور طبعی اثر ہے اُن کی ہٹ دھرمی اور تعصب کا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پہلے ہی انہیں ہوش و فہم سے محروم کر دیا گیا تھا تا کہ وہ حق کو سمجھ ہی نہ سکیں۔ اس حقیقت کو قرآن کریم نے متعدد موقعوں پر اس قدر واضح فرمایا ہے کہ غلط فہمی کی گنجائش تک باقی نہیں چھوڑی۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ كُفْرَهُمْ (النساء: 155) یعنی ان کے کفر و انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی۔ یعنی پہلے سے ان کے دل مہر شدہ نہ تھے بلکہ ان کے کفر و انکار اور اس پر ان کے شدید اصرار کی پاداش میں انہیں اس نعمت سے محروم کر دیا گیا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (المطففين: 14) یعنی جو کثرت وہ کیا کرتے تھے ان کا میل اُن کے دلوں پر جم گیا ہے اور ان کے دلوں کا روشن آئینہ اس قدر مکر رہ گیا ہے کہ آفتاب ہدایت کی روشن کرنیں اس میں چمک پیدا نہیں کر سکتیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۳۳)

## نوٹ: 2

حق قبول کرنے کی صلاحیت کے ماند پڑ جانے یا ختم ہو جانے کے لیے قرآن مجید میں تین طرح کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ ان میں سے پہلا درجہ ہے دلوں پہ زنگ لگنے کا جس کو قرآن نے ﴿رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ﴾ کہا ہے۔ اس سے اگلا درجہ دلوں پر مہر لگ جانے کا ہے۔ جس کے لیے قرآن نے ﴿خَتَمَ اللَّهُ﴾ یا ﴿طَبَعَ اللَّهُ﴾ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اور آخری اور سب سے سخت درجہ ہے دلوں پر تالے لگ جانے کا جس کو قرآن نے یوں فرمایا ﴿أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ چنانچہ حضرت مولانا ادیس کا ندھلوی صاحب اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے قلب پر لگ جاتا ہے پس اگر توبہ کر لی اور اس گناہ سے باز آ گیا تو دل کو صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر کوئی اور گناہ کیا تو وہ نقطہ اور بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس کے دل کو گھیر لیتا ہے اور یہی وہ دین (زنگ) ہے جس کی حق تعالیٰ نے ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ میں خبر دی ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح، پوری حدیث کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۲، ص ۵۴۱)۔ پس جس طرح ہم ظاہری سیاہی اور سفیدی اور زنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس سے کہیں زائد ملائکہ اللہ قلوب بنی آدم کی سیاہی اور سفیدی اور زنگ کا معائنہ کرتے ہیں مجاہدؓ فرماتے ہیں کہ دین یعنی زنگ کا درجہ ختم اور طبع سے کم ہے اور ختم اور طبع کا درجہ اقفال سے کم ہے اور اقفال سب سے زائد سخت ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ کیا ان کے دلوں پر قفل ہیں۔“ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۷۰)

## آیت: 8

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝۸﴾

## انسان:

اس کے مادے کے بارے میں اختلاف ہے۔

(1) پہلی رائے یہ ہے کہ انسان ”ءن س“ (س) اِنْسُ یا اِنْسُ، سے ہے جس کے معنی ہیں مانوس ہونا۔ چنانچہ انسان کا مطلب ہوگا ایسی مخلوق جو آپس میں انس (پیار و محبت) رکھتی ہو اور ایک دوسرے سے جان پہچان رکھتی ہو۔ اس لحاظ سے اس کی ضد و خُش ہوگی۔ شعر:

مَا سِبْوَ الْإِنْسَانُ إِلَّا لِإِنْسِهِ وَالْقَلْبُ قَلْبٌ لِأَنَّهُ يَتَقَلَّبُ

انسان کا نام اس کے انس ہی کی وجہ سے رکھا گیا ہے اور دل، دل ہے اس لیے کہ وہ بدلتا رہتا ہے۔

(2) دوسری رائے یہ ہے کہ انسان ”عن س“ (افعال) اِنْسَانُ، سے ہے۔ اس کے معنی ہیں دور سے دیکھنا، محسوس کرنا، کسی چیز کا ادراک کرنا۔ انسان کو اِنْسَانُ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بھی ظاہر ہے اور آنکھوں سے اس کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی ضد جَنُّ ہوگی جس کے معنی ہیں پوشیدہ، مخفی۔ اسی سے جَنُّ (جن) بنا ہے کیونکہ وہ ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

(3) تیسری رائے یہ ہے کہ انسان ”ن س ی“ (س) نَسِيًا، نَسِيًا، سے ہے۔ جس کے معنی ہیں بھول جانا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ انسان کو انسان یا اِنْسِيًا اس لیے کہا گیا کہ اس سے عہد لیا گیا تھا جسے وہ بھول گیا۔ مقولہ ہے اَوَّلُ النَّاسِ اَوَّلُ نَاسٍ تمام انسانوں میں سب سے پہلا انسان وہ ہے جو سب سے پہلے بھولا۔

(4) چوتھی رائے یہ ہے کہ انسان ”ن و س“ (ن) نَوَسًا، سے ہے۔ جس کے معنی ہیں مضطرب ہونا، جھولنا، حرکت کرنا۔ اور انسان کو انسان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی طبیعت میں اضطراب ہے اور اس کا مزاج بدلتا رہتا ہے۔

**اِنْسُ** اسم جنس ہے۔ واحد یعنی ایک شخص بھی مراد ہو سکتا ہے اور جمع یعنی تمام نوع انسانی (مذکر، مؤنث) بھی مراد ہو سکتی ہے۔ چنانچہ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ اِنْسٌ وَلَا جَانٌّ﴾ (55/ الرحمن: 39) ”تو اس دن نہیں پوچھا جائے گا اس کے گناہ کے بارے میں کسی انسان سے اور نہ ہی کسی جن سے۔“ ﴿وَكُنْ لَكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِطِينَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ (6/ الانعام: 112) ”اور اسی طرح ہم نے بنایا ہر نبی کے لیے دشمن جنوں اور انسانوں کے شیطانوں کو۔“ واحد کے لیے اِنْسِيٌّ بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فَلَنْ اَكْلَمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا﴾ (19/ مریم: 26) ”تو میں ہرگز بات نہیں کروں گی آج کے دن کسی انسان سے۔“

**اِنْسَانُ**: یہ بھی اسم جنس ہے۔ یہ لفظ بول کر عموماً تمام بنی نوع انسان (مذکر مؤنث) مراد لیے جاتے ہیں۔ ”ال“ لگا دیں تو یہ اَلْاِنْسَانُ بن جائے گا۔ پھر ”ال“ جنس کا بھی ہو سکتا ہے، استغراق کا بھی، عہد خارجی یا عہد ذہنی کا بھی۔ ﴿وَخَلَقَ الْاِنْسَانَ ضَعِيفًا﴾ (4/ النساء: 28) ”اور پیدا کیا گیا انسان کمزور۔“ یہاں ”ال“ جنس کا ہے۔

اِنْسَانُ اور اِنْسُ کی جمع نَاسٌ، اُنَاسٌ اور اَنَاسِيٌّ ہے۔

**نَاسٌ** اس میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ اس پر ”ال“ داخل ہو تو یہ اَلنَّاسُ بن جائے گا۔ اَلنَّاسُ اسم جمع ہے یعنی جو کسی جماعت پر بولا جائے۔ معنوی لحاظ سے اس سے حال اور مستقبل کے سب انسان مراد ہوتے ہیں، خواہ مرد ہوں یا عورتیں، بچے ہوں یا بڑے، اچھے ہوں یا برے، مسلمان ہوں یا کافر، سب کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ البتہ خطابی صورت میں ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے خطابی صورتوں میں الناس سے وہی لوگ مراد ہوں گے جن میں مخاطب ہونے کی صلاحیت ہے یعنی عاقل اور بالغ۔ دیوانے اور بچے اگرچہ الناس میں لُغَةً شامل ہیں لیکن خطابی شکل میں خطاب اُن کی طرف نہیں ہوتا۔ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا كُنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (2/ البقرة: 24) ”لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے تو ڈرو اُس آگ سے، جس کا ایندھن نہیں گے انسان اور پتھر۔“

**اُنَاسٌ** عموماً انسانوں کے ایک بڑے گروہ کو کہا جاتا ہے۔ جو تقسیم کار، قبیلہ یا کسی وجہ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ ﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرِئَهُمْ ط﴾ (2/ البقرة: 60) ”ہر قبیلہ نے جان لیا کہ کون سی جگہ اس کے پانی لینے کی ہے۔“

**اَنَاسِيٌّ** یہ بھی عموماً انسانوں کے ایک بڑے گروہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿لَنُنَجِّيَنَّ بِهِ بَلَدًا مَّيِّتًا وَ سُقِّيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا اَنْعَامًا وَ اَنَاسِيَّ كَثِيْرًا﴾ (25/ الفرقان: 49) ”تا کہ ایک مُردہ علاقے کو اُس کے ذریعے زندگی بخشے اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو سیراب کرے۔“

**مَنْ** مَنْ اسم ہے جو اکثر ذوی العقول (جو عقل رکھتے ہیں مثلاً انسان، جن اور فرشتے) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ واحد، جمع، متنیہ، مذکر، مؤنث سب کے لیے مَنْ ہی استعمال ہوتا ہے۔ مَنْ، شرطیہ، استفہامیہ، استفہامیہ انکاریہ، موصولہ اور موصوفہ ہو سکتا ہے۔ مَنْ کے صلہ، صفت وغیرہ میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی آیت میں کبھی تو اس کی ظاہری لفظی شکل کی رعایت کرتے ہوئے فعل کا صیغہ واحد یا مفرد ضمیر عائد لائی جاتی ہے اور کبھی معنی کی رعایت

کرتے ہوئے فعل یا ضمیر کو جمع بھی لایا جاتا ہے، جیسے آیت زیر مطالعہ میں مَنْ کے بعد يَقُولُ واحد کا صیغہ لا کر اس کی لفظی رعایت کی گئی ہے (کیونکہ مَنْ اصلاً واحد لفظ ہے) اور آگے اَمَّا جمع کا صیغہ لا کر اس کی معنوی رعایت کی گئی ہے کیونکہ مَنْ آیت میں جمع کے معنی میں آیا ہے۔ مَنْ کا ”ن“ ہمیشہ ساکن رہتا ہے اور اگر آگے ملانا ہو تو زید دے کر ملایا جاتا ہے۔

## ق و ل

- (ن) قَوْلَا کہنا، بولنا۔ ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط﴾ (2/ البقرة: 30) ”اور جب کہا آپ کے رب نے بیشک میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔“ قَالَ کا صلہ جب علی کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف کوئی بات گھڑ لینا، کسی پر بہتان لگانا۔ (ماجدی)
- قَبِلَ ماضی مجہول ہے۔ کہا گیا۔ ﴿وَإِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ ط﴾ قَالُوا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿۱۱﴾ (2/ البقرة: 11) ”اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ارے! ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔“ (ترجمہ ماجدی)
- یُقَالُ مضارع مجہول ہے۔ کہا جاتا ہے۔ ﴿مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ط﴾ (41/ حم السجدة: 43) ”نہیں کہا جاتا آپ ﷺ سے مگر جو کہا گیا ہے رسولوں سے آپ ﷺ سے پہلے۔“
- قَبِلَ اسم ذات ہے۔ بات۔ ﴿وَمَنْ اٰصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۴﴾﴾ (4/ النساء: 122) ”اور اللہ سے زیادہ سچا کون ہے بلحاظ بات کے۔“
- قَوْلُ جمع کی جمع: اقْوَالُ۔ اسم ذات ہے۔ بات۔ ﴿اِنَّكَ لَقَوْلٌ رَّسُوْلٌ کَرِیْمٌ ﴿۱﴾﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلٍ شَاعِرٍ ط﴾ (69/ الحاقة: 40-41) ”یقیناً یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے اور یہ کسی شاعر کی بات نہیں ہے۔“
- قُلْ جمع اقْوَالُ۔ فعل امر ہے۔ تو کہہ۔ ﴿قُلْ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَوْ اللّٰهُ ط﴾ (2/ البقرة: 140) ”آپ ﷺ کہیے تم لوگ زیادہ جانتے ہو یا اللہ۔“
- قَاتِلُ اسم الفاعل ہے۔ کہنے والا۔ ﴿قَالَ قَاتِلْ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ﴾ (12/ یوسف: 10) ”کہا ان میں سے ایک کہنے والے نے تم لوگ قتل مت کرو یوسف کو۔“
- تَقْوَلَا (تفعل) بات گھڑنا۔ کسی کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو اس نے نہیں کہی۔ اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ لینا۔ اس کے ساتھ بھی عام طور پر علی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلٰیْنَا بَعْضُ الْاَقَاوِیْلِ ﴿۱﴾﴾ لَا خِذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ﴿۲﴾﴾ (69/ الحاقة: 44-45) ”اور اگر وہ غلط منسوب کرتے ہم پر باتوں میں کوئی تو ہم ضرور پکڑتے ان کو قوت کے ساتھ۔“

اَمَّا اور مُؤْمِنِیْنَ (عمر ن): البقرة آیت 3 دیکھیں۔

اللّٰہ (ع ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

اَلِیَوْمِ: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔

اَلْاٰخِرِ (ع خ ر): البقرة آیت 4 دیکھیں۔

## ترکیب

آیت زیر مطالعہ کی ترکیب پہلے ایک مثال سے سمجھ لیں۔ اگر ہم کہیں کہ مِنَ النَّاسِ کَافِرٌ تو اس میں مِنَ النَّاسِ قائم مقام خبر مقدم ہے جبکہ خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے اور کَافِرٌ مبتداء موخر ہے۔ اس کا سادہ جملہ یوں ہوتا اَلْکَافِرُ مَوْجُوْدٌ مِنَ النَّاسِ اور اس کا مطلب ہوتا کہ کافر ”یعنی خاص کافر“ لوگوں میں موجود ہے۔ لیکن جب مبتداء کو موخر کر کے نکرہ کر دیا تو اب مِنَ النَّاسِ کَافِرٌ کا مطلب ہو گیا کہ لوگوں میں سے کوئی کافر ہے یعنی لوگوں میں سب کافر نہیں ہیں بلکہ کچھ کافر ہیں۔ یہ رعایت اردو میں لفظ ”بھی“ سے ادا ہوتی ہے۔ اس لئے اس جملہ کا ترجمہ ہوگا ”لوگوں میں کافر بھی ہیں۔“

چنانچہ مِنَ النَّاسِ میں ”و“ استثنائیہ ہے اور مِنَ النَّاسِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ مِنَ تبیضیہ ہے (یعنی لوگوں میں سے کچھ لوگ)۔ خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے اور مَنْ مبتداء موخر ہے۔ اور اس مَنْ کو موصول یا نکرہ موصوفہ، دونوں مانا گیا ہے۔ موصول ہونے کی صورت میں اگلا جملہ فعلیہ یَقُوْلُ اَمَّا بِاللّٰهِ وَ



بِأَيُّوْمِ الْاٰخِرِ اس کا صلہ بنے گا۔ نکرہ موصوفہ ماننے کی صورت میں یہ جملہ فعلیہ اس کی صفت بنے گا۔ يَقُولُ کا صیغہ مَنْ کی لفظی رعایت کے لحاظ سے لایا گیا ہے۔ جبکہ معنوی لحاظ سے یہ جمع ہے۔ ترجمہ ہوگا ”وہ کہتے ہیں“ اور آگے اَمَّا بِاللّٰهِ وَبِأَيُّوْمِ الْاٰخِرِ وہ بات ہے جو وہ کہتے ہیں۔ اس میں اَمَّا فعل اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے اور اَمَّا جمع کا صیغہ مَنْ کی معنوی رعایت کے لحاظ سے لایا گیا ہے۔ اور آگے بِاللّٰهِ وَبِأَيُّوْمِ الْاٰخِرِ متعلق فعل ہے۔ ان کے درمیان ”و“ عطف کا ہے۔ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ میں ”و“ حالیہ ہے، ”مَا“ نافیہ ہے، هُمْ مبتدا اور بِمُؤْمِنِيْنَ اس کی خبر۔ ”ب“ زائدہ تاکید کے لیے ہے۔ حضرت مولانا عبدالماجد ریا بادیؒ اس اسلوب کے متعلق لکھتے ہیں ”قرآن مجید میں یہ ترکیب جہاں جہاں بھی آئی ہے وہاں اس وصف کی نفی کامل مراد رہی ہے۔ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ان میں ایمان ذرا بھی نہیں۔ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ آپ ﷺ کا پروردگار بندوں کے حق میں ذرا سا بھی ظالم نہیں ہے۔“

ترجمہ	وَمِنَ النَّاسِ	مَنْ	يَقُولُ	اَمَّا
البقرة: 8	اور لوگوں میں سے	وہ (بھی) ہیں جو	کہتے ہیں	ہم ایمان لائے
	بِاللّٰهِ وَبِأَيُّوْمِ الْاٰخِرِ	وَ	مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ①	
	اللہ پر اور آخری دن پر	حالانکہ	وہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں ہیں	

**نوٹ: 1** وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ، آیت کے اس حصے کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد ریا بادیؒ فرماتے ہیں: ”یعنی ان کے دل میں ایمان کا گرز ذرہ برابر بھی نہیں، ایمان انہیں چھو بھی نہیں گیا۔ بِمُؤْمِنِيْنَ، حرف باء تاکید کے لیے ہے۔ ظاہری سیاق کا تقاضا تھا کہ فعل ماقبل قَالُوا اَمَّا کی تردید و تغلیط میں مَا اَمْنُوا یا اسی قسم کا کوئی اور فعل ماضی ہی لایا جاتا (اور فعل میں ماضی حال یا مستقبل کا مفہوم ہوتا ہے) لیکن یہاں تاکید اور زور کے لیے بجائے فعل کے اسم فاعل لایا گیا، کہ ان لوگوں سے نفی ایمان کی، ماضی، حال، مستقبل ہر زمانہ سے متعلق نکل آئے۔ (تفسیر ماجدی)

**نوٹ: 2** واؤ کی اقسام: آیت زیر مطالعہ میں تین مختلف طرح کے واؤ آئے ہیں۔ شروع میں واؤ استنافیہ ہے۔ اَمَّا بِاللّٰهِ وَبِأَيُّوْمِ الْاٰخِرِ میں واؤ عطف کا ہے اور وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ میں واؤ حالیہ ہے۔ نوٹ کر لیں کہ واؤ کی بھی کئی قسمیں ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل چار قسمیں زیادہ استعمال ہوتی ہیں۔

(1) **واؤ قسمیہ:** (عامل)۔ اس کے معنی ہیں ”قسم ہے“۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ یہ صرف اسم پر داخل ہوتا ہے اور اپنے اسم کو جردیتا ہے، جیسے وَالْعَصْرِ (قسم ہے زمانے کی)۔ اس کے بعد دوبارہ واؤ آئے تو دوسرا واؤ عطف کا ہوگا۔ جیسے وَالَّتِيْنَ وَالَّذِيْنَ میں پہلا واؤ قسمیہ ہے اور دوسرا عطف کا ہے۔

(2) **واؤ عاطفہ:** (غیر عامل)۔ اس کے معنی ہیں ”اور“ یہ واؤ دو چیزوں کو ایک حکم میں جمع کرنے کے لیے آتا ہے۔ یہ غیر عامل ہوتا ہے یعنی کوئی اعرابی تبدیلی نہیں لاتا۔

(3) **واؤ حالیہ:** (غیر عامل)۔ اس کے معنی ہوتے ہیں ”اس حال میں کہ یا حالانکہ“۔ حال عام طور پر تو وہ نکرہ اسم ہوتا ہے جو فعل کے واقع ہونے کے وقت فاعل یا مفعول کی حالت کو بیان کرے۔ یہ حالت نصب میں ہوتا ہے۔ مثلاً جَاءَ الْاَمِيْرُ مَاثِيًّا (سر دار چلتا ہوا آیا) اس مثال میں مَاثِيًّا حال ہے فاعل، الْاَمِيْرُ کا۔ جس کا حال بیان کیا جائے اسے ذوالحال کہتے ہیں۔ (قرآن مجید سے مثال: سورہ آل عمران کی آیت 39 میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَبْشِرُكَ بِبَيْحِيْ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَيِّدًا وَ حَصُوْرًا وَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ، اس آیت مبارکہ میں مُصَدِّقًا، سَيِّدًا، حَصُوْرًا، نَبِيًّا، یہ سب حضرت یحییٰؑ کے حال ہیں)۔ حال اسم کے علاوہ پورا جملہ (اسمیہ یا فعلیہ) بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً جَاءَ الْخَلِيْلُ يَضْحَكُ (خلیل ہنستا ہوا آیا)۔ اس میں جملہ فعلیہ يَضْحَكُ، خلیل کا حال ہے۔ (قرآن مجید سے مثال: سورہ البقرہ کی آیت 15 میں فرمایا: وَيَمْدُ هُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ، اس آیت مبارکہ میں جملہ فعلیہ يَعْمَهُوْنَ حال ہے يَمْدُ هُمْ میں ہُمْ ضمیر کا)۔ کبھی حال اور ذوالحال کے درمیان ایک رابطہ (جوڑنے والے) کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ رابطہ اکثر واؤ ہوتا ہے جسے واؤ حالیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً جَاءَ الرَّشِيْدُ وَهُوَ يَضْحَكُ۔ رشید اس حال میں آیا کہ وہ ہنس رہا تھا۔ اس میں جملہ اسمیہ هُوَ يَضْحَكُ، رشید کا حال ہے اور محلاً منصوب ہے۔ درمیان میں واؤ حالیہ ہے۔ (قرآن مجید سے مثال: سورہ البقرہ کی آیت زیر مطالعہ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ، میں واؤ حالیہ ہے اور جملہ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ حال

ہے مَنْ کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تعلیم کردہ دعائیں واؤ حالہ اور واؤ عاطفہ کا فوری تقابل بہت واضح ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ۔ اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اَنْ اُشْرِکَ بِكَ۔ کہ میں (کسی کو) شریک کروں تیرے ساتھ۔ وَاَعْلَمُ۔ اس حال میں کہ (واؤ حالہ) میں جانتا ہوں۔ وَاَسْتَغْفِرُكَ۔ اور (واؤ عاطفہ) میں مغفرت مانگتا ہوں تجھ سے بِمَا لَا اَعْلَمُ۔ اس کی جو میں نہیں جانتا۔

(4) واؤ استئنائیہ: (غیر عامل)۔ یہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں پچھلی بات کو چھوڑ کر نئی بات شروع کرنی ہو۔ چنانچہ اس کے بعد اگر فعل مضارع آئے تو وہ حالت رفع میں آتا ہے مثلاً لِّتَبَيِّنَ لَّکُمْ طَوَقُفُیْ فِی الْاَحْصَاہِ مَا نَشَاءُ اس مثال میں واؤ عاطفہ نہیں ہے۔ ورنہ لِّتَبَيِّنَ کی طرح نُفُودُ بھی حالت نصب میں ہوتا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ اس واؤ سے ایک نئی بات شروع کر دی گئی ہے جس کا پچھلی بات سے تعلق نہیں ہے۔ یہ واؤ بھی غیر عامل ہے۔ (واؤ کی اور بھی کئی قسمیں ہیں جو لغات القرآن حصہ ۶ سے دیکھی جاسکتی ہیں)۔

**نوٹ: 3** مَنْ کی اقسام: ترکیب میں بتایا گیا ہے کہ ”مَنْ التَّائِسِ“ میں مَنْ تبعیضیہ ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ مَنْ، جو حرف جر ہے، بھی کئی طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

(1) مَنْ تبعیضیہ: اس کا مطلب ہوتا ہے ”کسی چیز میں سے کچھ یا کل میں سے بعض“۔ جیسے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں یا آیت زیر مطالعہ میں فرمایا وَمَنْ التَّائِسِ مَنْ اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں..... وغیرہ۔

(2) مَنْ بیانیہ: یہ کسی چیز کی وضاحت اور بیان کے لیے آتا ہے۔ مثلاً البقرہ 155 میں فرمایا: وَلَکِن لَّیْسَ لَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالتَّحَرَّاتِ ط ”ہم تمہیں آزمائیں گے کسی چیز سے۔ پھر ”کسی چیز“ کی وضاحت کے لیے مَنْ بیانیہ آیا۔ یعنی وہ چیز ہے خوف، بھوک، الخ۔ اسی طرح الحج کی آیت 30 میں فرمایا: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ پس تم بچتے رہو گندگی سے پھر مَنْ بیانیہ سے اس گندگی کی وضاحت کی کہ وہ گندگی بت ہیں۔ سو تم بتوں سے بچتے رہو۔ پھر اسی طرح سورہ الفتح کی آیت 29 میں فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا یہاں بھی مِنْهُمْ میں مَنْ بیانیہ ہے (بحوالہ تفسیر ماحدئی) مراد سارے ہی صحابہؓ ہیں۔ آل عمران کی آیت 172 میں فرمایا: لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاَتَّقُوا اَجْرٌ عَظِیْمٌ یہاں بھی مِنْهُمْ میں مَنْ بیانیہ ہے یعنی تمام صحابہؓ ہی نیک اور متقی ہیں۔ (بحوالہ تفسیر ماحدئی)۔

(3) مَنْ سببیہ: یہ کسی حکم کی وجہ اور سبب بتانے کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً البقرہ کی آیت 202 میں فرمایا اُولٰٓئِکَ لَہُمْ فَصِیْبٌ مِّمَّا کَسَبُوْا ط ”انہی لوگوں کو بڑا حصہ ملے گا (دونوں جہانوں میں) بسبب اُن کی (نیک) کمائی کے“۔ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت میں مِمَّا میں مِنْ سببیہ ہے۔ یا سورۃ البقرہ کی آیت 19 میں فرمایا: یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَہُمْ فِیْ اٰذَانِہُمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ ”ٹھونستے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب“۔ اس آیت میں بھی ”مَنْ“ سببیہ ہے۔ یا سورۃ نوح کی آیت 25 میں فرمایا: مِمَّا حَاطَتْ اِیْمُہُمْ اُغْرِقُوْا فَاَدْخَلُوْا نَارًا یہاں بھی مِنْ سببیہ ہے (بحوالہ تفسیر ماحدئی) اور ”مَا“ تاکید کے لیے۔ مطلب ہے اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ غرق کیے گئے اور وہ آگ میں داخل ہوئے۔

(4) مَنْ زائدہ: مَنْ کبھی زائدہ بھی ہوتا ہے۔ مَنْ زائدہ یا تو تحسین کلام کے لیے آتا ہے یا عموم کا معنی پیدا کرنے کے لیے یا پھر تاکید کے لیے آتا ہے۔ جیسے الانعام کی آیت 59 میں فرمایا: وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ اَسْ وَّ رَقۃٍ لَفْظًا مجرور ہے مَنْ زائدہ کی وجہ سے لیکن محلاً مرفوع ہے تَسْقُطُ کے فاعل ہونے کی وجہ سے۔ اگر ہوتا مَا تَسْقُطُ وَرَقۃٍ تو معنی ہونے تھے نہیں گرتا کوئی پتہ..... لیکن مَنْ زائدہ لگ جانے کی وجہ سے وَرَقۃً میں تاکید اور عموم کے معنی پیدا ہوئے ہیں، اردو زبان میں اس کی ترجمانی ہوگی نہیں گرتا کوئی بھی پتہ۔ اسی طرح سورۃ الانعام کی آیت 38 میں فرمایا: وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اَسْ میں دَابَّةٍ لَفْظًا مجرور ہے مَنْ زائدہ کی وجہ سے اور محلاً مرفوع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے، ترجمانی ہوگی نہیں ہے کوئی بھی چلنے والا زمین میں۔ اسی آیت میں آگے فرمایا مَا فَزَعُنَا فِی الدُّنْیَا مِنْ شَیْءٍ..... شَیْءٍ لَفْظًا مجرور ہے مَنْ زائدہ کی وجہ سے لیکن محلاً منصوب ہے فَزَعُنَا کے مفعول ہونے کی وجہ سے۔ ترجمانی ہوگی اور ہم نے نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی بھی چیز۔ اسی طرح کی اور کئی مثالیں قرآن مجید سے دیکھی جاسکتی ہیں۔ مَنْ زائدہ ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں۔ (۱) اس سے پہلے نفی، نہی یا استفہام ہو۔ (۲) مجرور، مکرہ ہو۔ (۳) مجرور، فاعل، مفعول یا مبتدا ہو۔ (واللہ اعلم)

(5) مَنْ بمعنی عَنْ: یعنی مَنْ کا استعمال عَنْ کے معنوں میں جیسے فرمایا فَوَیْلٌ لِّلنَّفْسِیۃِ قُلُوْبُہُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰهِ ط (الزمر: 22) یہاں مَنْ سے مراد ہے عَنْ

ذِكْرِ اللَّهِ۔ مطلب ہے اللہ کی یاد کو چھوڑ کر جن کے دل سخت پڑ گئے۔ ان کے لیے ویل ہے یا فرمایا یُونُیْکَا قَدْ کُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا (الانبیاء: 97) یعنی ہائے اس کو چھوڑ کر ہم غفلت میں تھے۔ یہاں بھی مِّنْ بمعنی عَنْ ہذا ہے۔

(6) مِّنْ بمعنی 'ب': یعنی مِّنْ کا استعمال 'ب' کے معنوں میں۔ جیسے فرمایا یَنْظُرُونَ مِّنْ طَرَفٍ خَفِیٍّ ط (الشوری: 45) وہ دیکھیں گے چوری کی نگاہ سے۔ مِّنْ یہاں 'ب' کا ہم معنی ہے۔

(7) مِّنْ بمعنی 'فی': یعنی مِّنْ کا استعمال 'فی' کے معنوں میں جیسے فرمایا یَاٰیْہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیْ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ (الجمعة: 9) یہاں مِّنْ، 'فی' کا ہم معنی ہے۔

(8) مِّنْ بمعنی 'علی': یعنی مِّنْ کا استعمال 'علی' کے معنوں میں جیسے فرمایا وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِالْیَنَّا ط (الانبیاء: 77) یہاں مِّنْ الْقَوْمِ بمعنی 'علی الْقَوْمِ' ہے۔ (واللہ اعلم) مِّنْ کے اور بھی استعمالات ہیں جو کہ لغات القرآن حصہ پنجم سے دیکھے جاسکتے ہیں۔

### آیت: 9

﴿يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ ط

خ د ع

(ف) خَدَعًا دھوکا دینا۔ ﴿وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ﴾ ط (8/ الانفال: 62) ”اور اگر وہ لوگ ارادہ کریں کہ وہ لوگ آپ ﷺ کو دھوکا دیں تو بیشک آپ ﷺ کے لئے اللہ کافی ہے۔“  
خَادِعٌ اسم الفاعل ہے۔ دھوکا دینے والا۔ ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ ط (4/ النساء: 142) ”بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی)۔“  
(مفاعله) خَدَاعًا دوسرے کو دھوکا دینے کی کوشش کرنا۔ جو کچھ دل میں ہو اُس کے خلاف ظاہر کرنا۔ فریب دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

اللَّهُ (ع ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ اٰمَنُوْا (ع م ن): البقرة، آیت 3 دیکھیں۔

ن ف س

(ک) نَفَاسَةً پسندیدہ ہونا۔ نفیس ہونا۔ قرآن مجید میں ثلاثی سے فعل استعمال نہیں ہوا۔  
نَفْسٌ اور نَفْسٌ۔ عربی زبان میں یہ لفظ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً  
(1) سانس کے لیے جو ناک اور منہ کے ذریعے بدن کے اندر جاتا ہے جس پر زندگی کا دار و مدار ہے۔ (اس کے لیے نَفْسٌ بھی استعمال ہوتا ہے)۔  
(2) زندگی یا حیات کے لیے۔  
(3) ہر جان اور ہر جاندار کے لیے جیسے آل عمران- 185 میں فرمایا کُلُّ نَفْسٍ ذَٰئِقَةُ الْمَوْتِ ط ”ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔“ (ترجمہ ماجدی)  
(4) انسانی وجود، آدمی، شخص کے لیے جیسے البقرة- 48 میں فرمایا وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا ”اور ڈرو

اُس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی کے کچھ بھی۔“ (ترجمہ شیخ الہند) یا آیت 281 میں فرمایا: **وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ** ”اور ڈرتے رہو اُس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔“ (ترجمہ شیخ الہند) یا آیت 44 میں فرمایا: **أَتَا مُرُوءَ النَّاسِ بِالْبِرِّ وَتَنَسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ** ”کیا تم دوسرے لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔ آیت زیر مطالعہ میں بھی **أَنْفُسُ** انہیں معنوں میں ہے۔

(5) روح کے لیے۔ جیسے الانعام آیت۔ 93 میں فرمایا: **لَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ خُذُوا أَنْفُسَكُمْ** اس آیت کا حضرت شیخ الہند ترجمہ کرتے ہیں: ”اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم ہوں موت کی سختیوں میں اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں۔“ اور حاشیہ میں فرماتے ہیں: ”یعنی روح قبض کرنے اور سزا دینے کو ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔“ اسی طرح حضرت عبدالمجید دریا بادیؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ”کاش آپ اُس وقت دیکھیں جب (یہ) ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ (اُن کی طرف) بڑھا رہے ہوں کہ اپنی جانیں (جلد) نکالو۔“ اور آگے حاشیہ میں فرماتے ہیں: ”خُذُوا أَنْفُسَكُمْ سے یہ بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ انسان کی جان یا روح اس کے جسم سے الگ یا مغایر ایک چیز ہے۔“ صاحب مفردات القرآن نے بھی نفس بمعنی روح کے تحت یہی آیت حوالے کے طور پر لکھی ہے۔ یا فرمایا الزمر آیت۔ 42 میں **اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فِيمِيسُكُ الَّتِي قُضِيَ عَلَيْهَا الْمَوْتُ وَيُرْسِلُ الْخُلَآئِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى** اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے، پھر جن پر موت کا حکم لگا چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔“ (ترجمہ حسن البیان)، حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی روحیں) حالت نیند میں، پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو جن کی موت کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری روحوں کو مقرر میعاد تک۔“ تفسیر معارف القرآن میں بھی حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے اس آیت میں نفس سے روح ہی مراد لی ہے۔ (واللہ اعلم)

(6) دل، جی کے لیے۔ جیسے المائدہ کی آیت۔ 116 میں فرمایا: **تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ** ”تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے۔“ (ترجمہ ماجدئ) یا بنی اسرائیل کی آیت۔ 25 میں فرمایا: **رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ** ”تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اُس کو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔“ (ترجمہ ماجدئ) ”تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

(7) نفس بمعنی ذات۔ آل عمران کی آیت۔ 30 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَيُحْيِي دُرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ** ”اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔“ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”اس آیت میں نفس بمعنی ذات ہے۔ اور یہاں نَفْسَهُ کی اضافت اگرچہ لفظی لحاظ سے مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرہ کو چاہتی ہے لیکن من حیث المعنی دونوں سے ایک ہی ذات مراد ہے۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ ہر قسم کی دوئی سے پاک ہے۔“ (مفردات القرآن، ج ۲، ص: ۱۰۷۰) یا المائدہ کی آیت۔ 116 میں فرمایا: **لَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ** ”اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے۔“ (ترجمہ ماجدئ) آگے حاشیہ میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ”مَا فِي نَفْسِكَ بعض اہل باطل نے حق تعالیٰ کی تجسیم نکالنا چاہی ہے، اور

کہا ہے کہ نفس سے مراد شخص ہوتی ہے۔ لیکن جیسا کہ امام رازیؒ نے فرمایا اول تو نفس وذات مراد ہیں۔ شخصیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور پھر نفسی کے مقابلہ میں نفسی لا نا ہی بہ قاعدہ مشاکلت عربی اسلوب بیان میں فصیح تر ہے۔“ (تفسیر ماجدی- ۳۱۹)۔

نفس سے اگر روح اور جان مراد ہو تو مؤنث استعمال ہوتا ہے اور اگر شخص مراد ہو تو مذکر استعمال ہوتا ہے۔  
نفس کی تین حالتیں: نفس مطمئنہ، نفس امارہ، نفس لوامہ: نفس کی تین حالتوں کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ”محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے لیکن اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہو اور اللہ کی عبادت و فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا اُس نفس کو ”مطمئنہ“ کہتے ہیں۔ يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمِئِنَّةُ اُنْجِیْ اِلٰی رَّبِّكَ رَاضِیَةً مَّرْضُوبَةً (الفجر- 27-28) اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات و خواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا اُس کو ”نفس امارہ“ کہتے ہیں کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے۔ وَمَا أُبْرِئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ط (یوسف- 53) اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت و غضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر اُن چیزوں کو برا جانتا ہے اور اُن سے دُور بھاگتا ہے اور کوئی برائی یا کوتاہی ہو جانے پر شرمندہ ہو کر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اُس کو ”نفس لوامہ“ کہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”آدمی کا جی اول کھیل میں اور مزوں میں غرق ہوتا ہے ہرگز نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ ایسے جی کو ”امارہ بالسوء“ کہتے ہیں۔ پھر ہوش پکڑا، نیک و بد سمجھا تو باز آ یا کبھی (غفلت ہوئی تو) اپنی خو پر دوڑ پڑا پیچھے کچھ سمجھ آئی تو اپنے کیے پر پچھتا نے اور ملامت کرنے لگا۔ ایسا نفس (جی) ”لوامہ“ کہلاتا ہے پھر جب پورا سنور گیا، دل سے رغبت نیکی ہی پر ہو گئی بیہودہ کام سے خود بخود بھاگنے لگا اور بدی کے ارتکاب بلکہ تصور سے تکلیف پہنچے گی وہ نفس ”مطمئنہ“ ہو گیا۔“ (تفسیر عثمانیؒ- ۷۶)

(تفعّل) تَتَفَقَّسًا سانس لینا، ظاہر ہونا۔ ﴿وَالصُّبْحُ إِذَا تَنَفَّسَ﴾ (81/ التویر: 18) ”قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے یعنی ظاہر ہو۔“

(تفاعل) تَتَنَافَسًا اس کا معنی ہے کہ چند آدمیوں کا کسی خاص مرغوب و محبوب چیز کو حاصل کرنے کے لیے جھپٹنا اور دوڑنا تاکہ دوسروں سے پہلے وہ اس کو حاصل کر لے۔ بطور مقابلہ رغبت کرنا۔ کسی چیز کے لئے جان کھپانا۔ ﴿وَ فِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ﴾ (83/ المطففين: 26) ”اور اس میں چاہئے کہ جان کھپائیں جان کھپانے والے۔“  
ج: مُتَنَافِسُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ جان کھپانے والا۔ اوپر آیت 26 دیکھیں سورہ المطففين کی۔

ش ع ر

(ن) شَعْرًا کسی چیز میں بال بھرنا یا لگانا۔  
شُعُورًا، شَعْرًا بال کی طرح بار یک علم حاصل کرنا۔ ”حواس“ سے کسی محسوس چیز کا ادراک حاصل کرنا۔ شعور حاصل کرنا۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ”شعور عربی میں علم حسی کو کہتے ہیں۔ اور اسی کا نام اُردو میں احساس ہے اور مَشَاعِرُ انسان کے آلات حواس کو کہتے ہیں۔“ ﴿إِنْ حَسَبْتُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ﴾ (26/ الشعراء: 113) ”نہیں ہے ان کا حساب مگر میرے رب کے ذمہ، کاش تم لوگ شعور سے کام لیتے۔“  
علم لطیف میں کلام کرنا یعنی شعر کہنا۔

شَعْرٌ

ج: اَشْعَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ بال۔ ﴿وَمِنْ أَصْوَابِهَا وَأَشْعَارُهَا أَثَاكٌ﴾ (16/ النحل: 80) ”اور (اسی نے بنائے ہیں) بھیڑوں کی صوف اور اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بالوں سے مختلف گھریلو سامان۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

ج: اَشْعَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ موزوں (مناسب، درست، وزن میں ہونا) کلام۔ شعر۔ شعر اصل میں لطیف علم کا نام ہے لیکن عرف عام میں موزوں اور مقفیٰ کلام کو شعر کہا جانے لگا۔ یعنی وہ کلام جس کا وزن بھی ہو اور قافیہ بھی۔ اور شعر کہنے والے کو شاعر کہا جاتا ہے۔ کفار حضور کو شاعر اور قرآن مجید کو شعر کہا کرتے تھے۔ لیکن بعض حقیقت شناس لوگوں نے کہا ہے کہ حضور پر شاعر ہونے کی تہمت لگانے سے کفار کا مقصد موزوں اور مقفیٰ کلام بنانے کی تہمت لگانا نہیں تھا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ قرآن اسلوب شعری سے بہت بلند ہے اور اس حقیقت کو عجمی عوام بھی سمجھ سکتے ہیں پھر فصحاء عرب کا کیا ذکر ہے۔ بلکہ وہ تو آپ پر (نعوذ باللہ) جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے کیونکہ عربی زبان میں شعر بمعنی کذب (جھوٹ) اور شاعر بمعنی کاذب (جھوٹا) استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ جھوٹے دلائل کو اَدْلَةُ شَعْرِيَّةٌ کہا جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن نے شعراء کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنُ اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں اور شعر چونکہ جھوٹ کا پلندہ ہوتا ہے اس لیے مقولہ مشہور ہے کہ أَحْسَنُ الشُّعْرِ أَكْذَبُهُ۔ سب سے بہتر شعر وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ پر مشتمل ہو۔ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ (36/ یٰسین: 69) ”اور ہم نے تعلیم نہیں دی ان کو شاعری کی اور یہ شایان شان بھی نہیں ہے ان کے۔“

شَاعِرٌ

ج: شَعْرَاءُ۔ اسم الفاعل ہے۔ شعر کہنے والا۔ ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلٍ شَاعِرٍ ط﴾ (69/ الحاتہ: 41) ”اور یہ کسی شعر کہنے والے کا کلام نہیں ہے۔“ ﴿وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنُ ط﴾ (26/ اشراء: 224) ”اور شاعر لوگ، ان کی پیروی کرتے ہیں گمراہ لوگ۔“

شَعِيرَةٌ

ج: شَعَائِرُ۔ اسم ذات ہے۔ علامت یا نشان۔ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ع﴾ (2/ البقرة: 158) ”بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔“ شعائر اللہ سے وہ مقامات عبادت، زمانے، اوقات، اعمال یا مخصوص اشیاء مراد ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی علامتیں قرار دیا ہے۔ مقامات عبادت میں کعبۃ اللہ، عرفہ، مزدلفہ، منیٰ، جمرات ثلاثہ، صفا، مروہ، اور تمام مساجد شامل ہیں۔ زمانے یا اوقات میں ماہ رمضان، حج کے ایام، عیدین، اشھر حرم، ایام تشریق اور جمعہ شامل ہیں۔ اعمال میں اذان، اقامت، باجماعت نماز اور نماز عیدین شامل ہیں۔ مخصوص اشیاء میں قربانی کے جانور، احرام، کتب سماویہ، یہاں تک کہ تمام حدود و فرائض شامل ہیں۔ حضرت مولانا عبدالماجد ربابی فرماتے ہیں: ”شَعَائِرُ اللہ یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں یا علامتیں، دین الہی کے وہ شعائر جو طاعتوں میں بطور علم کام دیں۔ شَعَائِرُ جمع ہے شَعِيرَةٌ کی اور اس کے معنی ہیں علامت کے۔ اصطلاح میں مراد مناسک حج کی علامتیں ہیں۔“ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ حصہ اول باب ۷، شعائر اللہ کی تعظیم و احترام میں فرماتے ہیں: ”شعائر الہیہ سے ہماری مراد وہ ظاہری و محسوس امور اور اشیاء ہیں جن کا تقرر اسی لیے ہوا ہے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ ان امور و اشیاء کو خدا کی ذات سے ایسی مخصوص نسبت ہے کہ ان کی عظمت و حرمت کو لوگ خود اللہ تعالیٰ کی عظمت و حرمت سمجھتے ہیں۔ اور ان کے متعلق کسی قسم کی کوتاہی کو ذات الہی کے متعلق کوتاہی سمجھتے ہیں۔“ پھر آگے چل کر فرماتے ہیں: ”بڑے بڑے شعائر الہیہ چار ہیں، قرآن حکیم، کعبۃ اللہ، نبی کریم اور نماز۔“ شعائر اللہ کی مزید وضاحت، اگر اللہ نے چاہا، تو اسی سورہ مبارکہ کی آیت 158 کے تحت کی جائے گی۔

## (1) نشانی یا علامت۔ مَشْعُرٌ

(2) اسم الظرف ہے۔ شعور حاصل کرنے کی جگہ۔ ﴿فَإِذَا أَقَضْتُمْ مِنْ عَرَفْتِ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ (البقرة: 198) ”پس جب تم لوگ فارغ ہو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو شعور حاصل کرنے کی محترم جگہ کے پاس۔“  
 الْمَشْعَرُ الْحَرَامُ: مشعر حرام ایک پہاڑ کا نام ہے، جو مزدلفہ میں واقع ہے، مشعر کے معنی شعار اور علامت کے ہیں اور حرام بمعنی محترم و مقدس کے ہے، معنی یہ ہیں کہ یہ پہاڑ شعار اسلام کے اظہار کے لیے ایک مقدس مقام ہے، اس کے آس پاس کے میدان کو مزدلفہ کہتے ہیں۔ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۴۸۸)۔ ”مشعر کے لفظی معنی نشانی یا علامت کے ہیں۔ اور حرام یعنی محترم یا مقدس اس کی تعظیمی صفت ہے۔ نام اُس خاص مقام کا بھی ہے، جو مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے، اور خود سارے مزدلفہ کو بھی المشعر الحرام ہی کہتے ہیں۔“ (تفسیر ماجدی، ۱۰۳)

(افعال) اِشْعَارًا خبر دینا۔ شعور دینا۔ آگاہ کرنا۔ ﴿فَلْيَايَسِّرْكُمْ يَرْزُقْ مِنْهُ وَلْيَتَنَزَّلْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا﴾ (البقرة: 19) ”پس اسے چاہیے کہ وہ تمہارے لیے لائے اس میں سے کچھ کھانا اور چاہیے کہ وہ نرمی کرے اور ہرگز اطلاع نہ دے تمہاری کسی ایک کو۔“

## ترکیب

يُخْدِعُونَ فعل، اس میں جمع مذکر غائب کی ضمیر فاعل ہے۔ لفظ اللہ منصوب ہونے کی وجہ سے مفعول اول ہے اور وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مفعول ثانی ہے۔ آگے و حال یہ ہے اور ما نافیہ ہے۔ مَا يَخْدِعُونَ منفی جملہ ہے جس کا استثنیٰ آگے الّا سے بیان ہوا ہے اور یہ تاکید کے لیے ہے۔ یہ بھی بات میں زور پیدا کرنے کا ایک انداز ہے۔ مثلاً اگر ہم کہیں کہ اللہ ہے، تو یہ ایک سادہ سی خبر ہے۔ مگر جب ہم کہتے ہیں کہ کوئی اللہ نہیں ہے سوائے اللہ کے تو خبر وہی رہتی ہے لیکن بات کا لہجہ بالکل تبدیل ہو جاتا ہے۔ نوٹ کریں کہ یہاں يَخْدِعُونَ اَنْفُسَهُمْ (وہ لوگ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں)، کہنے کے بجائے مَا يَخْدِعُونَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ (وہ لوگ دھوکا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو) کہا گیا ہے۔ اَنْفُسَهُمْ مفعول بہ ہے يَخْدِعُونَ کا۔ آگے و عطف کا ہے اور مَا يَشْعُرُونَ عطف ہے جملہ مَا يَخْدِعُونَ پر۔ اس کو استثناء فیہ اور حالیہ بھی مانا گیا ہے۔

ترجمہ	يُخْدِعُونَ	اللہ	وَالَّذِينَ	اٰمَنُوا
البقرة: 9	وہ لوگ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں	اللہ کو	اور ان لوگوں کو جو	ایمان لائے

و	مَا يَخْدِعُونَ	اِلَّا اَنْفُسَهُمْ	وَمَا يَشْعُرُونَ
حالانکہ	وہ لوگ دھوکہ نہیں دیتے	مگر اپنے آپ کو	اور نہ ہی وہ لوگ سمجھتے ہیں

## نوٹ: 1

يُخْدِعُونَ اللہ: ”مخادعت کے معنی ہیں دھوکا دینے کی کوشش کرنا عام اس سے کہ وہ دھوکا کامیاب ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ یہاں مخادعت کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے اور خدع کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے، جہاں لفظ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے وہاں تو مخادعت استعمال ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے کی خواہش تو کوئی شخص اپنی حماقت کے سبب سے کر سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کو دھوکا دے نہیں سکتا۔ برعکس اس کے خود ان کے لیے خدع کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ جو شخص خدا کو دھوکا دینے کا ارادہ کرتا ہے وہ اپنی اس کوشش میں تو ناکام رہتا ہے لیکن خود اپنے آپ کو وہ ضرور دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔“ (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۱۸)

## نوٹ: 2

وَمَا يَشْعُرُونَ: ”شعور کا لفظ کسی محسوس چیز کے ادراک کے لیے آیا کرتا ہے۔ یہاں اس لفظ کا استعمال اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اگرچہ خدا کو دھوکہ دینے کی کوشش میں خود دھوکا کھا جانا ایک محسوس ہونے والی چیز ہے لیکن یہ برخود غلط لوگ ہوشیاری و چالاک کی زعم کے باوجود اتنے غبی

ہیں کہ اس حقیقت کا احساس نہیں کر رہے ہیں کیونکہ ابھی اس کا نتیجہ ان کے سامنے نہیں آیا ہے۔“ (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۱۹)

### آیت: 10

﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ إِنَّمَا كَانَ نَبِيُّكَ نُذِيرًا ۚ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُوا بِالْآيَاتِ وَالنَّذِيرِ ۚ﴾

قُلُوبُ (ق ل ب): البقرة آیت 7 دیکھیں۔

م ر ض

(س) مَرَضًا - ﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾ (26/ الشراء: 80) ”اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔“  
مَرَضٌ اور مَرَضٌ اسم ذات ہے۔ بیماری۔ اس کی دو قسمیں ہیں (ل) مرض جسمانی: مثلاً وَلَا عَلَى الْمَرْيِضِ حَرْجٌ ”اور نہ بیمار آدمی پر الزام ہے۔“ (ب) مرض اخلاقی: مرض کا لفظ اخلاق کے بگڑنے پر بھی بولا جاتا ہے اس سے برے اخلاق مراد ہوتے ہیں مثلاً: شک، بزدلی، جہالت، حسد، نفاق وغیرہ۔ جس طرح جسمانی مرض انسان کے بدن کو کمزور کرتے ہیں اسی طرح برے اخلاق انسان کے دین کو کمزور کرتے ہیں مثلاً: آیت زیر مطالعہ اور ﴿وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا﴾ (33/ الاحزاب: 12) ”اور جب کہا منافقوں نے اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں مرض ہے ہم سے وعدہ نہیں کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے مگر فریب کا۔“ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ’مرض‘ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”مرض اور بیماری اس کیفیت کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے اعتدال مناسب سے نکل جائے، اور اس کے افعال میں خلل پیدا ہو جائے، جس کا آخری نتیجہ ہلاکت اور موت ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں اُن نفسانی کیفیات کو بھی مرض کہا جاتا ہے جو نفس انسانی کے کمال میں خلل انداز ہوں، اور جن کی وجہ سے انسان اپنے انسانی اعمال سے محروم ہوتا چلا جائے جس کا آخری نتیجہ روحانی موت و ہلاکت ہے۔“ (معارف القرآن، ج ۱، ص: ۱۲۴)۔ صاحب تدبر قرآن فرماتے ہیں: ”مرض کا لفظ قرآن میں عموماً دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک کینہ اور حسد کے معنی میں۔ دوسرے نفاق کے معنی میں۔ جن مقامات میں یہ لفظ نفاق کے ساتھ استعمال ہوا ہے وہاں تو یہ واضح طور پر کینہ اور حسد کے معنی میں ہے لیکن جن مقامات میں یہ تھا استعمال ہوا ہے۔ وہاں یا تو دونوں معانی اس کے اندر جمع ہیں یا قرینہ اس کے دونوں معانی میں سے کسی ایک معنی کو متعین کرتا ہے۔“ (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۱۹)۔

مَرِيضٌ

ج: مَرِيضٌ - فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بیمار۔ ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (2/ البقرة: 185) ”اور جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو گنتی ہے یعنی شمار پورا کرنا ہے دوسرے دنوں میں۔“ ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّقْطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرِيضًا أَوْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ﴾ (4/ النساء: 102) ”اور کوئی گناہ نہیں ہے تم لوگوں پر اگر تم میں ہوں کچھ لوگ تکلیف میں بارش کے سبب سے، یا تم ہو بیمار، کہ تم کھول دو اپنے ہتھیار۔“

ز ی د

(ض) زِيَادَةً، زَيْدًا، (1) بڑھنا، زیادہ ہونا (لازم)۔ ﴿وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ﴾ (37/ الصافات: 147) ”اور ہم نے بھیجا اُن کو ایک لاکھ لوگوں کی طرف یا وہ لوگ زیادہ ہوں گے۔“  
(2) کسی چیز کے پورا ہونے پر اس میں اضافہ کرنا، بڑھانا، زیادہ کرنا (متعدی)۔ ﴿إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَ



﴿زِدْنَاهُمْ هُدًى﴾ (18/ البقرة: 13) ”بیشک وہ کچھ نوجوان تھے جو ایمان لائے اپنے رب پر اور ہم نے بڑھایا ان کو بلحاظ ہدایت کے۔“ ﴿وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةً نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ ۚ وَسَيَرْحَمُ الْمُحْسِنِينَ﴾ (2/ البقرة: 58) ”اور تم لوگ داخل ہو دروازے میں سجدہ کرنے والوں کی حالت میں اور کہتے ہوئے کہ گناہ معاف ہوں تو ہم بخش دیں گے تمہارے لئے تمہاری خطاؤں کو اور ہم زیادہ دیں گے احسان کرنے والوں کو۔“

مضارع مجزوم ہے۔ ﴿مَنْ كَانَ يُؤْيِدُ حَرْثَ الْأُخْرَىٰ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ﴾ (42/ الشوری: 20) ”جو ارادہ کرتا ہے آخرت کی کھیتی کا تو ہم اضافہ کرتے ہیں اس کے لئے اس کی کھیتی میں۔“

فعل نہی ہے۔ تو مت بڑھا۔ ﴿وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا﴾ (71/ نوح: 24) ”اور تو مت بڑھا ظالموں کو مگر گمراہی میں۔“

فعلی امر ہے۔ تو بڑھا۔ ﴿أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ (73/ المزمل: 4) ”یا آپ ﷺ اضافہ کریں اس پر اور ترتیل سے پڑھیں قرآن کو جیسا کہ ترتیل کا حق ہے۔“ ﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ (20/ طہ: 114) ”اور آپؐ کہیے اے میرے رب تو بڑھا مجھ کو بلحاظ علم کے۔“

اسم ذات ہے۔ اضافہ، زیادتی۔ ﴿إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ﴾ (9/ التوبة: 37) ”بیشک مبینے پیچھے کرنا اضافہ ہے کفر میں۔“

اسم ذات ہے۔ اضافی چیز۔ ﴿لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ﴾ (50/ قی: 35) ”ان کے لئے اس میں ہے جو وہ لوگ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی چیزیں ہیں۔“

بڑھنا، زیادہ ہونا۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ اِزْدَادُوا كُفْرًا لَّنْ نُّعَذِّبَهُمْ﴾ (3/ آل عمران: 90) ”بیشک جن لوگوں نے ناشکری کی اپنے ایمان کے بعد پھر وہ لوگ زیادہ ہوئے بلحاظ ناشکری کے تو ہرگز قبول نہیں کی جائے گی ان کی توبہ۔“ (نوٹ: ’زی‘ مادہ جب باب افتعال میں استعمال ہوتا ہے تو افتعال کی ’ت‘ تبدیل ہو کر ’ذ‘ میں بدل جاتی ہے۔ اور یہ ایک استثنائی صورت ہے۔ باب افتعال کے خصوصی قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ باب افتعال کے ’ف‘ کلمہ پر اگر ’ذ‘ آجائے تو باب کی ’ت‘ تبدیل ہو کر وہی حرف بن جاتی ہے۔ چنانچہ اس قاعدے کے لحاظ سے ’ت‘ کو ’ز‘ میں تبدیل ہونا چاہیے تھا لیکن خلاف قاعدہ ’ت‘، ’ذ‘ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس قاعدہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو آسان عربی گرامر از لطف الرحمن خان صاحب۔ حصہ سوم، صفحہ ۶۳)

اللَّهُ (عل ۵): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ع ذ ب

(ض)	عَذَابًا	پیاس کی شدت کی وجہ سے کچھ کھانے کے قابل نہ رہنا۔ روکنا۔
(س)	عَذَابًا	پانی کا کافی دار ہونا۔
(ک)	عَذْوَبَةً	پانی کا میٹھا اور خوشگوار ہونا۔ (ثلاثی مجرد سے کوئی فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا)۔
	عَذَابٌ	صفت ہے۔ خوشگوار پانی۔ میٹھا پانی۔ ﴿وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَ هَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾ (25/ الفرقان: 53) ”اور وہی ہے جس نے ملائے دو سمندر، یہ خوشگوار شیریں ہے اور یہ نمکین تلخ ہے۔“
	عَذَابٌ	اسم ذات ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کو تکلیف دے، مشقت میں ڈالے۔ عذاب۔ ﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي

الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠﴾ (2/البقرة: 114) ”ان کے لیے ہے دنیا میں رسوائی اور ان کے لیے ہے آخرت میں عظیم عذاب۔“

(تفعیل) تَعَذِّبًا کسی کو تکلیف دینا۔ عذاب دینا۔ ﴿وَآخِرُونَ مُرْجُونَ لَأَمْرٍ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَبْتُوبُ عَلَيْهِمْ ط﴾ (9/التوبہ: 106) ”اور کچھ دوسرے لوگ موقوف رکھے گئے اللہ کے فیصلے کے لیے، چاہے وہ عذاب دے ان کو اور یا وہ توبہ قبول کرے ان کی۔“

مُعَذِّبٌ م: مُعَذِّبُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ عذاب دینے والا۔ ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ (8/الانفال: 33) ”اور نہیں ہے اللہ ان کو عذاب دینے والا اس حال میں کہ وہ لوگ مغفرت طلب کرتے ہیں۔“

ع ل م

(س) اَلْبَا دُکھی ہونا، تکلیف اٹھانا۔ ﴿وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ط﴾ (4/النساء: 104) ”اور تم لوگ سستی مت کرو اس قوم یعنی کافروں کی تلاش میں۔ اگر تم لوگ تکلیف اٹھاتے ہو تو یقیناً وہ لوگ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں جیسے تم لوگ تکلیف اٹھاتے ہو۔ اور تم لوگ امید رکھتے ہو اللہ سے جس کی وہ لوگ امید نہیں رکھتے۔“

فَعِيلٌ کا وزن ہے۔ دردناک، تکلیف دینے والا۔ عَذَابٌ أَلِيمٌ (دردناک عذاب)۔

ل و ن

(ن) كَوَّنَا کسی چیز کا اپنا وجود پانا۔ کسی نئی بات کے وجود میں آنے کی خبر دینا۔ واقع ہونا۔ ہو جانا (مصدری معنی)۔ كَانَ فعل ناقص بھی ہے اور فعل تام بھی۔ فعل ناقص کی صورت میں جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے۔ مبتدا حالت رفع میں ہی رہتا ہے جبکہ خبر حالت نصب میں آجاتی ہے۔ مبتدا کو اس کا اسم اور خبر کو كَانَ کی خبر کہتے ہیں۔ فعل تام کی صورت میں اس کا صرف اسم ہوتا ہے اور خبر نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں كَانَ فعل ہوتا ہے اور اسم دراصل اس کا فاعل ہوتا ہے۔ فعل اور فاعل مل کر بات مکمل کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اس کا معنی ہوتا ہے ”موجود ہونا“ یا ”پایا جانا۔“

كَانَ کے معنوی استعمالات: (1) ماضی: كَانَ سے ماضی مراد لیا جاتا ہے۔ مثلاً ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً﴾ ”یقیناً حضرت ابراہیمؑ اپنی ذات میں ایک پوری امت تھے۔“ کبھی اس سے ماضی بعید مراد لیا جاتا ہے جیسے فرمایا: ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ ”ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔“ (یاد کر لیجئے کہ فعل ماضی پر كَانَ داخل کرنے سے بھی ماضی بعید کے معنی پیدا ہوتے ہیں)۔ کبھی اس سے ماضی استمراری (یعنی ماضی میں کسی کام کا مسلسل ہوتے رہنا) مراد لیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں كَانَ کا مضارع پر داخل ہونا ضروری ہے۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”ہماری بات کے لیے بھی كَانَ استعمال ہوتا ہے یہاں تک کہ بات کرتے ہوئے ایک لمحہ پہلے کے وقت کے لیے بھی اس کا استعمال جائز ہے۔ جیسے فرمایا ﴿كَيْفَ نُنَكِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْهُدَى صَبِيًّا﴾ ”ہم کیسے گفتگو کریں اس سے جو (ایک سینڈ پہلے) جھولے میں بچہ تھا۔“ کبھی كَانَ ”ماضی غیر منقطع“ کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی ایک چیز جو ماضی میں تھی اس کا وجود یا حیثیت حال میں بھی ویسے ہی ہے۔ مثلاً ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ﴾ اس کے معنی ہیں ”کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ فِي عِلْمِ اللَّهِ“ یعنی تم اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی سے بہترین

امت تھے اور اب بھی بہترین امت ہو۔

(2) کَانَ کا استعمال جب اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ ہو تو اس سے دوام اور ازلیت کے معنی لیے جاتے ہیں یعنی وہ صفت ہمیشہ سے ہے، اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی بالکل اسی طرح جیسے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے، اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا: ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ ”اللہ تعالیٰ ہر چیز سے ازلاً ابداً خوب واقف ہے۔“ ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا﴾ ”اللہ کی ازلی ابدی قدرت ہر چیز کو محیط ہے۔“

(3) کَانَ کا استعمال جب کسی چیز کی ایسی صفت سے متعلق ہو جو اس میں موجود ہو تو معنی ہوتے ہیں کہ وہ صفت اس چیز کے ساتھ لازم و ملزوم ہے اور بہت ہی کم اس سے جدا ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا﴾، ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا﴾، ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ ان آیات میں انسان کی جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد ہے کہ اکثر انسانوں کی یہ لازمی صفات ہیں اور شاذ و نادر ہی ان سے الگ ہوتی ہیں۔ اسی طرح شیطان کے متعلق فرمایا: ﴿وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَدُوًّا﴾، ﴿وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾ یعنی یہ دونوں صفات خذول اور کفور، شیطان کی لازمی صفات میں سے ہیں۔ اسی طرح باطل کے متعلق فرمایا: ﴿إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ یعنی باطل ہمیشہ مٹ جاتا ہے اور کبھی قائم اور دائم نہیں رہتا۔

(4) ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونے کے لیے بھی کَانَ کا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ﴿وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ اکثر بزرگوں نے اس آیت کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ ابلیس انکار اور تکبر کر کے کافروں میں سے ہو گیا۔ ﴿فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ﴾ ”تب پیچھے لگ گیا اس کے شیطان تو وہ ہو گیا گمراہوں میں سے۔“ (واللہ اعلم)

(5) کَانَ کبھی مستقبل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾ ”وہ دن جس میں شر عمومی ہوگا (یعنی قیامت کا دن)۔“ (تخصیص از مفردات القرآن ولغات القرآن)

اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ ہو جانے والا۔

ج: کَانَتْ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ ہو جانے والی۔ کائنات سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے امر کُن کے نتیجے میں ہو جانے والی تمام چیزیں۔

کَانِ

کَانَتْ

کُنْ

مَكَانٌ

مَكَانَةٌ

فعل امر ہے۔ تو ہو جا۔ ﴿وَ كُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝﴾ (7/ الاعراف: 144): ”اور تو ہو جا شکر کرنے والوں میں سے۔“ مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ واقع ہونے کی جگہ۔ پھر مطلقاً جگہ۔ ٹھکانہ وغیرہ کے معانی میں آتا ہے۔ ﴿وَإِذَا بَدَلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ﴾ (16/ النحل: 101) ”اور جب ہم بدلتے ہیں کسی آیت کو کسی آیت کی جگہ۔“ ﴿أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا﴾ (5/ المائدہ: 60) ”وہ لوگ زیادہ برے ہیں ٹھکانے کے لحاظ سے۔“

مَفْعَلَةٌ کا وزن ہے۔ یہ بھی اسم ظرف کا وزن ہے۔ لفظی معنی ہیں مقام، جگہ۔ مجازاً (یعنی کسی لفظ کے غیر حقیقی معنی) اس سے ”حالت“ اور ”طریقہ“ مراد لیا جاتا ہے۔ ﴿قُلْ يُقَوِّرْ أَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ﴾ (6/ الانعام: 135) ”آپؐ کہہ دیجئے اے میری قوم والو! عمل کرتے رہو اپنے طریقے پر۔“ (ترجمہ ماجدی) ”تو کہہ دے اے لوگو! تم کام کرتے رہو اپنی جگہ پر۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”آپؐ فرما دیجئے کہ اے میری قوم تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو۔“ (ترجمہ حسن البیان) یا فرمایا: ﴿قُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ ط﴾ (11/ ہود: 121) ”اور آپؐ اُن لوگوں سے کہہ دیجئے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو۔“ (ترجمہ ماجدی)۔

مَكِينٌ

فَعِيلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے کَوْنٌ مصدر سے۔ اس سے بھی مختلف معنی مراد لیے جاتے ہیں مثلاً معزز، مرتبہ والا، مضبوط، محفوظ اور مکان میں رہنے والا۔ ﴿ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ﴾ (23/ مومنون: 13) ”پھر ہم نے اُسے نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں۔“ (ترجمہ ماجدی) ﴿ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ﴾ (81/ التوبة: 20) ”جو قوت والا ہے عرش والے (اللہ) کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔“ (ترجمہ احسن البیان) ﴿قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَكُنْيًا مَكِينٌ أَمِينٌ﴾ (12/ يوسف: 54) ”تو اُن سے کہا گیا کہ تم آج سے ہمارے ہاں (ہر طرح) معزز اور معتبر ہو۔“ (ترجمہ ماجدی)

(استفعال) اِسْتِكَانَةً وجود چاہنا۔ عاجزی کرنا۔ جھک جانا۔ ﴿وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا﴾ (3/ آل عمران: 146) ”اور نہ وہ کمزور ہوئے اور نہ وہ جھکے۔“

ل ك ذ ب

(ض) كَذِبًا، كَذِبًا

جانتے بوجھتے کسی کو غلط خبر دینا۔ جھوٹ بولنا۔ دل اور زبان کی ہم آہنگی نہ ہونا۔ ﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ﴾ (39/ الزمر: 60) ”اور قیامت کے دن تو دیکھے گا ان لوگوں کو جنہوں نے جھوٹ کہا اللہ پر کہ ان کے چہرے کالے ہیں۔“ كَذِبٌ، صِدْقٌ کی ضد ہے۔ کذب (جھوٹ)، قول (بات) میں بھی ہوتا ہے، فعل میں بھی اور عقیدے میں بھی۔ کوئی بات اگر حقیقت کے مطابق نہ ہو تو وہ جھوٹ ہے۔ اسی طرح اس کا استعمال افعال جوارح (جوارح کی جمع۔ انسان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء) کے لیے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص جنگ کا حق ادا کر دے اور جو کچھ اس پر واجب تھا وہ کر دکھائے تو کہا جاتا ہے صَدَقَ فِي الْقِتَالِ یعنی وہ جنگ میں سچا رہا اور اگر اس کے خلاف ہو تو کہا جاتا ہے كَذَبَ فِي الْقِتَالِ وہ جنگ میں جھوٹا رہا یعنی بودا (بزدل، کمزور، پھٹس پھٹسا) ثابت ہوا۔ اسی طرح کذب کا استعمال ایسی بات کے لیے بھی ہوتا ہے جو بظاہر تو صحیح ہو لیکن عقیدے کے مطابق نہ ہو۔ جیسے فرمایا: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ﴾ بے شک منافق جھوٹے ہیں۔ منافق حضورؐ کی نبوت کی زبانی گواہی تو دیتے تھے لیکن چونکہ دل سے آپؐ کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرتے تھے اسی لیے ان کو جھوٹا کہا گیا۔

کَذِبٌ اسم ذات ہے۔ جھوٹ، جھوٹی بات۔ ﴿وَإِنَّ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ﴾ (40/ المومن: 28) ”اور اگر وہ جھوٹ بولنے والا ہے تو اس پر ہے اس کا جھوٹ۔“

اسم الفاعل ہے۔ جھوٹ بولنے والا، جھوٹا۔ اوپر آیت المومن: 28 دیکھیں۔

مَكْدُوبٌ اسم المفعول ہے بمعنی جھوٹ۔ لفظی معنی ہے جو جھوٹ بولا گیا۔ غَيْرُ مَكْدُوبٍ کا معنی ہے جھوٹ کے بغیر۔ ﴿ذَلِكَ وَعَدٌ غَيْرُ مَكْدُوبٍ﴾ (11/ ہود: 65) ”یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے۔“

كَذَابٌ فَعَالٌ کا وزن ہے۔ اسم المبالغہ۔ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا۔ بہت بڑا جھوٹا۔ ﴿وَقَالَ الْكَاذِبُونَ هَذَا سَجَرٌ كَذَابٌ﴾ (38/ ص: 4) ”اور کہا انکار کرنے والوں نے کہ یہ بڑا جھوٹا جاوگر ہے۔“

(تفعیل) تَكْذِيبًا، كَذَابًا كَذَابًا بھی باب تفعیل میں بطور مصدر استعمال ہوتا ہے۔ جھٹلانا۔ کسی کو جھوٹا قرار دینا چاہے وہ حقیقت میں سچا ہو یا واقعی جھوٹا ہو، دونوں حالتوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے البتہ قرآن مجید میں اس کا استعمال اللہ تعالیٰ، اُس کے انبیاء اور اُن کی بتائی ہوئی باتوں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کے لیے یہ استعمال ہوا ہے۔ ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ﴾ (2/ البقرة: 39) ”اور جن لوگوں نے انکار کیا اور جھٹلایا ہماری نشانیاں کو، وہ لوگ آگ والے ہیں۔“ ﴿وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَابًا﴾ (78/ النباء: 28) ”اور ہماری آیتوں کو انہوں نے بالکل جھٹلادیا۔“

مُكَذِّبٌ ﴿١٠﴾ فِي قُلُوبِهِمْ قَائِمٌ مَقَامُ خَيْرٍ مُّقَدِّمٌ هُوَ خَيْرٌ مَوْجُودٌ مَحْذُوفٌ هُوَ اور مَرَضٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ فَزَادَ میں 'ف' نتیجہ ظاہر کرنے کے لیے ہے اور فعل زَادَ کا مفعول هُمْ کی ضمیر ہے جبکہ مَرَضًا تمیز ہے۔ لَهُمْ قَائِمٌ مَقَامُ خَيْرٍ مُّقَدِّمٌ ہے، خبر واجب محذوف ہے اور مرکب توصیفی عَذَابٌ اَلِيمٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ بِمَا میں 'ب' سبب ہے اور 'ما' موصول ہے۔ کَانُوا يَكْذِبُونَ ماضی استمراری ہے اور یہ پورا جملہ صلہ ہے 'ما' کا اور صلہ اور موصول مجرور ہیں 'ب' سبب کی وجہ سے اور جار مجرور مل کر متعلق خبر ہیں۔

## ترکیب

فِي قُلُوبِهِمْ قَائِمٌ مَقَامُ خَيْرٍ مُّقَدِّمٌ هُوَ خَيْرٌ مَوْجُودٌ مَحْذُوفٌ هُوَ اور مَرَضٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ فَزَادَ میں 'ف' نتیجہ ظاہر کرنے کے لیے ہے اور فعل زَادَ کا مفعول هُمْ کی ضمیر ہے جبکہ مَرَضًا تمیز ہے۔ لَهُمْ قَائِمٌ مَقَامُ خَيْرٍ مُّقَدِّمٌ ہے، خبر واجب محذوف ہے اور مرکب توصیفی عَذَابٌ اَلِيمٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ بِمَا میں 'ب' سبب ہے اور 'ما' موصول ہے۔ کَانُوا يَكْذِبُونَ ماضی استمراری ہے اور یہ پورا جملہ صلہ ہے 'ما' کا اور صلہ اور موصول مجرور ہیں 'ب' سبب کی وجہ سے اور جار مجرور مل کر متعلق خبر ہیں۔

ترجمہ	فِي قُلُوبِهِمْ	مَرَضٌ	فَزَادَ	هُمْ	اللَّهُ
البقرة: 10	ان کے دلوں میں	ایک مرض ہے	تو بڑھایا	ان کو	اللہ نے
	مَرَضًا	وَلَهُمْ	عَذَابٌ اَلِيمٌ	بِمَا	كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿١٠﴾
	مرض کے لحاظ سے	اور ان کیلئے	ایک دردناک عذاب ہے	اس سبب سے جو	وہ لوگ جھوٹ کہتے تھے

## نوٹ: 1

”حضور کریم ﷺ کے خلاف منافقین کے دل میں عداوت کے جو جذبات پرورش پا رہے تھے اور حسد اور غصہ کی جو چنگاریاں چب رہی تھیں ان کو قرآن نے مرض سے تعبیر فرمایا ہے۔ جب وہ حضور کریم ﷺ اور اسلام کی روز افزوں عزت اور ترقی کو دیکھتے تو حسد و عناد کے شعلے بھڑک اُٹھتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تنبیہ فرماتا ہے کہ اگر انہوں نے اس مرض کو یونہی بڑھنے دیا اور اس کا علاج نہ کیا تو جس طرح جسمانی بیماریاں جسمانی موت کا باعث بنتی ہیں اسی طرح ان کا یہ مرض ان کے قلب و روح کا گلا گھونٹ کر رکھ دے گا۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۳۵)

## نوٹ: 2

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فَزَادَهُمْ میں 'ف' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”فَزَادَهُمْ میں حرف 'ف' بہت اہم ہے۔ یہ گویا اس کا اعلان ہے کہ آگے جس فعل کا ذکر آ رہا ہے وہ محض بطور ثمرہ یا نتیجہ کے پیدا ہوا ہے۔ حق تعالیٰ کی جانب اس قسم کے افعال کا انتساب صرف مجازی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ اللہ نے خواہ مخواہ ان سے یہ افعال کرا چھوڑے۔ اس نے تو صرف وہ حالات و اسباب پیدا کر دیئے، جن سے ان بدنصیبوں نے اپنے مرض کے بڑھانے کا کام لیا، ورنہ اگر وہ اپنی عقل و ارادہ کا صحیح استعمال کرتے تو انہیں اسباب و حالات سے ہدایت بھی پاسکتے تھے۔ یہ سزا بھی جو کچھ ملی ٹھیک جرم کے مناسب حال ہی ملی ہے۔ اس قسم کے افعال کا حق تعالیٰ کی جانب انتساب، قدیم صحیفوں کا بھی ایک محاورہ عام ہے۔ ”اسرائیل نے مجھے نہ چاہا تب میں نے انہیں ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا۔“ (زبور ۸: ۱۰، ۱۱) ”بس خدا نے منہ موڑ کر انہیں چھوڑ دیا کہ آسمانی فوج کو پوچھیں“ (اعمال ۷: ۴۲) ”خدا نے ان کے دلوں کی خواہشوں کے مطابق انہیں ناپاکی میں چھوڑ دیا کہ ان کے بدن آپس میں بے حرمت کیے جائیں۔“ (رومیون ۱: ۲۴)۔ (تفسیر ماجدی، ص: ۱۰)۔

اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ صاحب فرماتے ہیں: ”یہاں حسد کے بڑھانے کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے جو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے تو یہ درحقیقت اس سنت کو اس نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے جس کے تحت یہ فعل انجام پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے سینہ کو ایمان و اسلام کی جلوہ گاہ بنانے کے بجائے اس کو بغض و حسد ہی کی پرورش گاہ بنائے رکھنا چاہتا ہے تو اس کے سامنے اسی طرح کے حالات و واقعات ظاہر ہوتے ہیں جو اس کی اسی بس بھری فصل کی آبیاری کرتے ہیں۔ یہود کو مسلمانوں پر حسد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی نعمت کیوں دے دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام اور اس کی برکتوں کی روز افزوں ترقی نے ان کے اس حسد کے اسباب میں اور زیادہ اضافہ کیا اور یہ اضافہ برابر ہوتا ہی رہا یہاں تک کہ اس چیز نے ان کو بالکل تباہ کر کے چھوڑا۔ (تذکرہ قرآن، ج ۱، ص: ۱۱۹)

## آیت: 11-12

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۖ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۝﴾

إِذَا

یہ ظرف زمان ہے یعنی اس میں کام کرنے یا ہونے کے ”وقت“ کا مفہوم ہوتا ہے۔ عام طور پر اس کا ترجمہ ”جب، جب، جب کبھی بھی، اس وقت، اچانک، ناگہان“ سے کیا جاتا ہے۔ اِذَا کے ترجمے میں عموماً مستقبل کا مفہوم ہوتا ہے خواہ وہ ماضی پر آیا ہو جیسے فرمایا: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ﴾ ”جب آسمان پھٹ جائے گا۔“ قسم کے بعد آئے تو حال کے لیے بھی آتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَاللَّجُجُ إِذَا هَوَىٰ﴾ ”اور قسم ہے ستارے کی جب وہ گرنے لگے۔ اِذَا میں شرط کا مفہوم بھی ہوتا ہے۔ اِذَا شرطیہ کے بعد ہمیشہ فعل آتا ہے۔ اِذَا بعض دفعہ مناجات یعنی کسی چیز کے اچانک پیش آنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اس وقت اس کے بعد اسم کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ اسے اِذَا اَلْفَجَائِبَةِ کہتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ كَسُعَى﴾ ”پس اچانک وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔“

قِيلَ اور قَالُوا (ق ول): البقرة آیت 8 دیکھیں۔

ف س د

(ن-ض) فَسَادًا کسی چیز کا نظم بگڑ جانا، کسی چیز کا حد اعتدال سے تجاوز کر جانا، خراب ہونا۔ یہ صلاح کی ضد ہے۔ ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفُتْسَدَتِ الْأَرْضُ﴾ (البقرة: 251) ”اور اگر نہ ہوتا اللہ کا دفع کرنا لوگوں کو، ان کے بعض کو بعض سے، تو زمین بگڑ جاتی یعنی اجتماعی نظام کا توازن بگڑ جاتا۔“

فسَادٌ اسم ذات ہے۔ نظم کی خرابی یا بگاڑ۔ ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ (30/ الروم: 41) ”ظاہر ہوئی نظم کی خرابی خشکی اور تری میں بسبب اس کے جو کما لوگوں کے ہاتھوں نے۔“

(افعال) اِفْسَادًا کسی چیز کا نظم بگاڑنا، کسی چیز کا توازن بگاڑنا، خراب کرنا۔ ﴿وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اتَّخَذُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ﴾ (7/ الاعراف: 127) ”اور کہا سرداروں نے فرعون کی قوم میں سے، کیا تو چھوڑتا ہے موسیٰ اور ان کی قوم کو تاکہ وہ لوگ فساد مچائیں زمین میں۔“

مُفْسِدٌ ج: مُفْسِدُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نظم بگاڑنے والا۔ ﴿إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ (18/ الکہف: 94) ”بیٹک یا جوج اور ماجوج نظام بگاڑنے والے ہیں زمین میں۔“

ع ر ض

(ن) اَرْضًا کسی جگہ کا سرسبز اور خوش منظر ہونا۔  
اَلْأَرْضُ اسم ذات ہے۔ زمین۔ ”ارض ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو۔“ (ماجدی)

إِنَّمَا ایک لفظ ہے اس میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور مَا کافہ ہے۔ جو اِنَّ کے عمل کو روک دیتا ہے۔ یہ حصر کا مفہوم دیتا ہے اور اس کے معنی ہیں۔ ”کچھ نہیں سوائے اس کے کہ“ یا ”بات اتنی ہے بس کہ“ اسی طرح اِنَّمَا ہے یعنی اَنَّ حرف مشبہ بالفعل اور مَا کافہ جو اَنَّ کے عمل کو روک دیتا ہے۔ اب ایک اہم بات نوٹ کریں اِنَّ اور مَّا (یعنی اِنَّ مَا) دو لفظ ہیں۔ اس میں ما موصولہ ہے اور اِنَّ کا اسم ہے۔ اس کے معنی ہیں ”بے شک وہ جو کہ“ قرآن مجید

میں کہیں کہیں اِنَّ مَا كُوْا ”اِنَّكُمَا“ بھی لکھا گیا ہے لیکن عبارت میں فرق صاف پتہ چل جاتا ہے۔ مثلاً: ﴿اِنَّكُمَا تَوَعَّدُوْنَ لَوَاقِعٍ﴾ (المرسلات: 7) ”جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔“ یہاں ’مَا‘ موصولہ ہے اور اِنَّ کا اسم ہے۔ اسی طرح اَنَّ مَا کو بھی اکٹھا ”اِنَّكُمَا“ لکھا گیا ہے۔ مثلاً: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنَّكُمَا تُبْلٰی لَهُمْ خَيْرٌ لَّا نَفْسِهِمْ ط﴾ (آل عمران: 178) ”اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں یہ اُن کے حق میں بہتر ہے۔“ یہاں بھی مَا کو موصولہ یا مصدر یہ مانا گیا ہے۔ یا فرمایا: ﴿وَاَعْلَمُوْا اَنَّكُمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ (الانفال: 41) ”اور جان لو کہ جو غنیمت بھی تم حاصل کرو۔“ یہاں بھی مَا اسم موصول ہے اور اَنَّ کا اسم ہے۔ (واللہ اعلم)

## ص ل ح

(ف) صَلَاحًا نظم کا ٹھیک ہونا، درست ہونا، نیک ہونا۔ صلاح کا لفظ کبھی فساد کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی سَيِّئَةً (برائی) کے مقابلے میں۔ ﴿جَدْتُ عَدْنٍ يَّدْ خُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اَبَائِهِمْ وَازْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ﴾ (13/ الرعد: 23) ”عدن کے باغات، وہ لوگ داخل ہوں گے اس میں اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور ان اولادوں میں سے بھی جو نیکو کار ہوں گے۔“

ج: صَلَاحُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نیک، اچھا، بھلا، اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر کا نام جو قوم شمود کی طرف بھیجے گئے تھے۔ مولانا مودودی فرماتے ہیں: ”صَلَح سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے خیالات اور عقائد میں، اپنی نیت اور ارادوں میں اور اپنے اقوال و افعال میں راہِ راست پر قائم ہو اور فی الجملہ اپنی زندگی میں نیک رویہ رکھتا ہو۔“ ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾ (18/ الکہف: 110) ”پس جو امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملاقات کی، تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے۔“ ﴿وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا﴾ (7/ الاعراف: 73) ”اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالِح کو بھیجا۔“

ج: صَلَاحَاتٌ۔ صَلَاح کا مونث۔ قرآن مجید میں صرف صَلَاحَاتٌ استعمال ہوا ہے۔ یعنی نیکیاں، اچھے کام، نیک عورتیں۔ مولانا عبد الرشید نعمانی فرماتے ہیں: ”قرآن مجید میں صرف ایک مقام پر لفظ صَلَاحَاتٌ نیک عورتوں کے لیے استعمال ہوا ہے ارشاد ہے ﴿فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ﴾ ”پھر جو عورتیں نیک ہیں سو تابعدار ہیں۔“ اور باقی سب جگہ پر نیکیوں کے لیے آیا ہے۔ (لغات القرآن، ج ۴، ص ۱۳)

صَلَح۔ امام راغب فرماتے ہیں: ”الصَّلَحُ کا لفظ خاص کر لوگوں سے باہمی نفرت کو دور کر کے امن و سلامتی پیدا کرنے پر بولا جاتا ہے چنانچہ اصْطَلَحُوا وَتَصَالَحُوا کے معنی باہم امن و سلامتی سے رہنے کے ہیں قرآن میں ہے: ﴿اَنْ يُصْلِحَ بَيْنَهُمَا صُلْحًا ط وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ط﴾ (4/ النساء: 128) ”کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں اور صلح ہی بہتر ہے۔“ (مفردات القرآن، ج ۲، ص ۵۹۰)

(افعال) اِصْلَاحًا نظم کو درست کرنا، نظم کی خرابی کو دور کرنا، اصلاح کرنا، نیک ہونا، سنورنا۔ ﴿اِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاصْلَحُوا﴾ (24/ النور: 5) ”سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد، اور (اپنی) اصلاح کی۔“ ﴿ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهَا وَاصْلَحَ﴾ (6/ الانعام: 54) ”پھر اُس کے بعد توبہ کر لے اور نیک ہو جائے۔“ امام راغب فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کی اصلاح کرنا کبھی تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فطرۃً صالح بنایا اور کبھی اس کے معنی اس سے خرابی اور نقص کو دور کرنے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے: ﴿وَاصْلَحْ بِاللّٰهِمْ﴾ ”اور ان کی حالت

سنواری۔ ”يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ“ ”وہ تمہارے لیے تمہارے اعمال درست کر دے گا۔“ ﴿وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي﴾ ”اور میرے لیے میری اولاد میں صلاح پیدا کر۔“ اور آیت کریمہ: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ شریروں کے کام سنوارا نہیں کرتا“، کے معنی یہ ہیں کہ مفسد لوگ چونکہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی مخالفت کر کے خرابیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کے برعکس ذات باری تعالیٰ ہر کام میں اصلاح کو پسند کرتی ہے۔ لہذا یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے اعمال کو درست قرار دے۔“ (مفردات القرآن، ج ۲، ص ۵۹۰)

ج: مُصْلِحُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نظم کی خرابی دور کرنے والا۔ اصلاح کرنے والا۔ نیک۔ ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ ۖ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ﴾ (هود: 117) ”اور نہیں ہے تیرا رب کہ وہ ہلاک کرے بستیوں کو ظلم کے ساتھ، اس حال میں کہ ان کے لوگ اصلاح کرنے والے ہوں۔“

آلا

یہ حروف تنبیہ میں سے ہے۔ یہ وہ حروف ہیں جن کے ذریعے سے کسی کو خبردار کیا جاتا ہے۔ عام طور پر اس کا ترجمہ ”خبردار ہو جاؤ“ ”آگاہ ہو جاؤ“ ”سنو“ اور ”جان لو“ سے کیا جاتا ہے۔ آلا تخصیض کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے حروف تخصیض وہ ہوتے ہیں جن سے کسی کو ترغیب دلائی جائے اور کسی کام پر آمادہ کیا جائے۔ اس صورت میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے ”کیوں نہیں“ اور یہ ہمیشہ فعل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ آلا، استفتاح یعنی کلام کے شروع کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ کبھی حرف استفہام ”آ“ اور ”لا“ نافیہ ساتھ آتے ہیں تب بھی آلا ہی بنتا ہے۔ جس کے معنی ہوتے ہیں ”کیا نہیں“۔ ان دونوں میں فرق عبارت کے مفہوم سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً: ﴿أَلَا يَتَّقُونَ﴾ (الشعراء: 11) ”کیا وہ پرہیزگاری نہ کریں گے۔“ یا فرمایا ﴿أَلَا تَسْتَبِشُونَ﴾ (الشعراء: 25) ”کیا تم سن نہیں رہے۔“ یا فرمایا: ﴿أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ (النور: 22) ”کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کر دے۔“ (واللہ اعلم)

لَکِنْ اور لَکِنَّ

لَکِنَّ حروف مشبہ بالفعل سے ہے۔ لَکِنْ اور لَکِنَّ کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں کے معنی ہیں ”لیکن“۔ البتہ ان کے استعمال میں فرق ہے۔ لَکِنْ اسم اور فعل دونوں پر آتا ہے اور غیر عامل ہے یعنی یہ اپنے اسم یا فعل مضارع میں کوئی اعرابی تبدیلی نہیں لاتا۔ جبکہ لَکِنَّ فعل پر نہیں آتا بلکہ صرف اسم پر آتا ہے اور یہ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے۔

يَشْعُرُونَ (ش ع ر): البقرة آیت 9 دیکھیں۔

ترکیب

”وَ“ استنافیہ ہے۔ اِذَا ظرف زمان اور شرطیہ ہے۔ قِيلَ ماضی مجہول ہے اور لَکُمْ جار مجرور مل کر اس کا نائب الفاعل ہے۔ لَا تُفْسِدُوا فعل نہی ہے اور فی الأرض اس کا متعلق فعل ہے۔ قَالُوا فاعل و فاعل اور یہ جملہ جواب شرط ہے۔ نَحْنُ مبتداء ہے اور اسم الفاعل مُصْلِحُونَ اس کی خبر ہے۔ اَلَا حرف تنبیہ ہے۔ اِنَّهُمْ میں ہُمْ کی ضمیر اِنَّ کا اسم ہے۔ اس کی خبر اَلْمُفْسِدُونَ معرف باللام ہے اس لئے درمیان میں ضمیر فاعل ہُمْ لائی گئی ہے۔ لَکِنْ مخفف ہے لَکِنَّ سے اور غیر عامل ہے۔ لَا يَشْعُرُونَ مضارع منفی ہے۔

ترجمہ

البقرة: 11-12

وَإِذَا قِيلَ	لَهُمْ	لَا تُفْسِدُوا	فِي الْأَرْضِ
اور جب بھی کہا جاتا ہے	ان لوگوں سے	تم لوگ فساد مت پھلاؤ	زمین میں
قَالُوا	إِنَّمَا نَحْنُ	مُصْلِحُونَ ⑩	آلا
وہ لوگ کہتے ہیں	ہم تو بس	اصلاح کرنے والے ہیں	آگاہ ہو جاؤ
إِنَّهُمْ	هُمُ الْمُفْسِدُونَ	وَلَکِنْ	لَا يَشْعُرُونَ ⑪
بے شک وہ لوگ	ہی فساد پھیلانے والے ہیں	اور لیکن	وہ لوگ سمجھتے نہیں



**نوٹ:** فساد فی الارض: حضرت مولانا عبدالماجد ریابادی فرماتے ہیں: ”اس سے معلوم ہوا کہ قانون شریعت کے علاوہ کسی دین جاہلی پر قائم رہنا، اس کے طور طریقوں کی اشاعت کرنا فساد فی الارض کے مرادف ہے۔ امن عالم و نظام اقوام قائم جب ہی رہ سکتا ہے جب عملدار آمد قانون شریعت پر رہے۔ اس راہ سے انحراف، بلکہ سرمو تجاوز کرنا بھی دنیا کو بد نظمی، ابتری، کشت و خون اور ہر قسم کی طبقاتی جنگ و کشمکش کو دعوت دینا ہے۔ چنانچہ دنیا عملاً اس کا تجربہ بارہا کر چکی ہے، اور اس وقت بھی کر رہی ہے۔ اسلام کے اس پہلو پر کہ وہ نظام عالم کا بہترین ضامن ہے، اللہ مراتب میں اضافہ کرے، ہمارے زمانہ میں اقبال نے شاعرانہ زبان میں خوب ہی لکھ دیا ہے۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۱۱)

حضرت مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں: ”فساد فی الارض قرآن مجید کی ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم اس نظام حق کو بگاڑنا یا اس کو بگاڑنے کی کوشش کرنا ہے جو اللہ واحد کی عبادت اور اس کے احکام و قوانین کی اطاعت پر مبنی ہوتا ہے اور جس کی دعوت انبیائے کرامؑ لے کر آتے ہیں۔ قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ جس طرح اس کائنات کا نظام تکوینی اس وجہ سے قائم ہے کہ اس کے اندر ایک ہی رب قدیر و قہار کا ارادہ کار فرما ہے، اگر اس کے اندر کسی اور کارور و اختیار بھی چلتا ہوتا تو یہ آن کے آن میں درہم برہم ہو کے رہ جاتا اسی طرح اس کے نظام تشریفی کے اندر اگر کسی اور کی عبادت و اطاعت کے جواز یا دخل کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے اس کا مزاج بالکل ہی بگڑ کے رہ جاتا ہے اور یہ بگاڑ سارے نظام تمدن کو خراب کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس وجہ سے ہر وہ کوشش قرآن کے نزدیک فساد فی الارض کے حکم میں داخل ہے جو اس بگاڑ کا دروازہ کھولے اگرچہ یہ کوشش بظاہر اصلاح کے نیک ارادہ ہی کے ساتھ کیوں نہ کی جائے۔“ (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۱۹)

### آیت: 13

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَ لَكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾﴾

إِذَا: البقرة آیت 11 دیکھیں۔ قِيلَ اور قَالُوا (ق و ل): البقرة آیت 8 دیکھیں۔  
أَمْنُوا (ع م ن) اور دوسرے متعلقہ صیغوں کے لیے: البقرة آیت 3 دیکھیں۔

کَمَا

مركب ہے۔ ك تشبیہ و جر ہوتا ہے اور ما کو موصول یا مصدر یہ مانا جاتا ہے۔ ما، موصول ہونے کی صورت میں اگلا جملہ صلہ ہوتا ہے اور صلہ اور موصول مل کر محلاً حالت جر میں ہوتے ہیں۔ ما، مصدر یہ ہونے کی صورت میں ما، اگلے فعل کے ساتھ مل کر مصدری معنی پیدا کر دیتا ہے اور محلاً حالت جر میں ہوتا ہے۔ کَمَا سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو کسی کام کے کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

النَّاسُ: البقرة آیت 8 دیکھیں۔

س ف ہ

(س) سَفَاهَةً، سَفْهًا جسم کا ہلکا ہونا، بے وقوف ہونا، احمق ہونا، پست اخلاق والا ہونا۔ ﴿وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ﴾ (البقرة: 130) ”اور کون منہ پھیرتا ہے ابراہیمؑ کے دین سے مگر وہ جو بے وقوف ہو الجحاط اپنے نفس کے۔“

سَفَاهَةً اسم ذات ہے۔ بے وقوفی، حماقت، بے عقلی۔ ﴿إِنَّا لَنَرِيكَ فِي سَفَاهَةٍ﴾ (7/ الاعراف: 66) ”بیشک ہم خیال کرتے ہیں تم کو بے وقوفی میں۔“

سَفِيْهُ ج: سَفْهَاءُ۔ فَعِيْلُ کے وزن پر صفت ہے۔ بے وقوف، کم عقل، جسے اپنے نفع و نقصان کی پوری تمیز نہ ہو۔ ﴿فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا أَوْ ضَعِيْفًا﴾ (2/ البقرة: 282) ”پس اگر جس پر حق ہے وہ بے وقوف ہو یا ضعیف ہو۔“

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَنْ قِبَلَتِهِمْ﴾ (البقرة: 142) ”کہیں گے لوگوں میں سے بے وقوف لوگ، کس چیز نے پھیر دیا ان لوگوں کو ان کے قبلہ سے۔“

آلا: البقرة آیت 12 دیکھیں۔ لکن: البقرة آیت 12 دیکھیں۔ يَعْلَمُونَ (ع ل م): الفاتحة آیت 1 دیکھیں۔

## ترکیب

وُعطف کا ہے۔ اِذَا ظرف زمان اور شرطیہ ہے۔ قِيلَ، ماضی مجہول ہے۔ اور لَهُمْ جار مجرور مل کر اس کا نائب الفاعل ہے۔ اٰمَنُوا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر (اَنْتُمْ) ہے۔ کَمَا اٰمَنَ النَّاسُ متعلق فعل ہے اور اٰمَنَ کا فاعل النَّاسُ ہے۔ اَلنَّاسُ پُر الٰہ عہد خارجی ہے یعنی ایسے لوگوں کی بات ہو رہی ہے جو کہنے اور سننے والے کے ذہنوں میں موجود ہیں۔ یعنی صحابہؓ۔ اگلا جملہ قَالُوا..... السُّفَهَاءُ تک جواب شرط ہے۔ اَنْتُمْ میں آ استفہامیہ ہے اور اَنْتُمْ کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے اور کَمَا اٰمَنَ السُّفَهَاءُ متعلق فعل ہے۔ اَلسُّفَهَاءُ فاعل ہے اٰمَنَ کا اور اس پر بھی الٰہ عہد خارجی ہے۔ یہاں بھی صحابہؓ ہی مراد ہیں۔ یعنی کفار صحابہؓ کو بے وقوف کہتے تھے (معاذ اللہ)۔ اَلَا حرف تنبیہ ہے۔ اِنَّهُمْ میں اِن کا اسم ہے اور اس کے بعد والا اِنھُمْ ضمیر فاعل ہے، کیونکہ اِن کی خبر اَلسُّفَهَاءُ معرف باللام ہے۔ لکن مخفف ہے لکن سے اور غیر عامل ہے، آگے لَا يَعْلَمُونَ مضارع منفی ہے۔

ترجمہ	وَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ	اٰمَنُوا	کَمَا	اٰمَنَ النَّاسُ
البقرة: 13	اور جب بھی کہا جاتا ہے ان لوگوں سے	تم لوگ ایمان لاؤ	جیسا کہ	ایمان لائے یہ لوگ (یعنی صحابہؓ)
قَالُوا	اَنْتُمْ	کَمَا	اٰمَنَ السُّفَهَاءُ	وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾
وہ لوگ کہتے ہیں	کیا ہم ایمان لائیں	جیسے کہ	ایمان لائے یہ بیوقوف لوگ	اور لیکن وہ جانتے نہیں ہیں
اَلَا	اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ	وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾	اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ	وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾
آگاہ ہو جاؤ!	یقیناً وہ لوگ ہی بیوقوف ہیں	اور لیکن وہ جانتے نہیں ہیں	ایمان لائے یہ بیوقوف لوگ	اور لیکن وہ جانتے نہیں ہیں

نوٹ: 1: قَالُوا فعل ماضی ہے۔ لیکن چونکہ بات اِذَا سے شروع ہوئی ہے۔ اس لئے قِيلَ کی طرح قَالُوا کا ترجمہ بھی حال میں کیا گیا ہے۔

نوٹ: 2: حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”چھٹی آیت میں (یعنی آیت زیر مطالعہ میں) منافقین کے سامنے صحیح ایمان کا ایک معیار رکھا گیا کہ اٰمَنُوا کَمَا اٰمَنَ النَّاسُ ”یعنی ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے اور لوگ“ اس میں لفظ ”ناس“ سے مراد باتفاق مفسرین صحابہ کرامؓ ہیں، کیونکہ وہی حضرات ہیں جو نزول قرآن کے وقت ایمان لائے تھے، کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہی ایمان معتبر ہے جو صحابہ کرامؓ کے ایمان کی طرح ہو، جن چیزوں میں جس کیفیت کے ساتھ ان کا ایمان ہے اسی طرح کا ایمان دوسروں کا ہوگا تو ایمان کہا جائے گا، ورنہ نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا ایمان ایک کسوٹی ہے، جس پر باقی ساری امت کے ایمان کو پرکھا جائے گا، جو اس کسوٹی پر صحیح نہ ہو اس کو شرعاً ایمان اور ایسا کرنے والے کو مومن نہ کہا جائے گا، اس کے خلاف کوئی عقیدہ اور عمل خواہ ظاہر میں کتنا ہی اچھا نظر آئے اور کتنی ہی نیک نیتی سے کیا جائے اللہ کے نزدیک ایمان معتبر نہیں، ان لوگوں نے صحابہ کرامؓ کو شبہا یعنی بیوقوف کہا، اور یہی ہر زمانے کے گمراہوں کا طریقہ رہا ہے، کہ جو ان کو صحیح راہ بتلائے اس کو بیوقوف جاہل قرار دیتے ہیں، مگر قرآن کریم نے بتلادیا کہ درحقیقت وہ خود ہی بیوقوف ہیں کہ ایسی کھلی نشانیاں پر ایمان نہیں رکھتے۔“ (معارف القرآن، ج ۱، ص: ۱۲۵)

## آیت: 14

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۖ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ ۖ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَؤُونَ ۝﴾

اذا: البقرة آیت 11 دیکھیں۔

ل ق ی

کسی کے سامنے آنا، ملنا، کسی کو پالینا، کسی چیز کا حس اور بصیرت سے ادراک کر لینا۔ ﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۖ وَإِذَا خَلَوْا عَصَوْا عَلَىٰكُمْ الْأَمْلَ مِنَ الْغَيْظِ ط﴾ (3/ آل عمران: 119) ”اور جب بھی تمہارے سامنے آتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوتے ہیں تو انگلیاں چباتے ہیں تم پر غصہ سے۔“ ﴿أَصَابُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝﴾ (19/ مریم: 59) ”ان لوگوں نے ضائع کیا نماز کو اور پیروی کی خواہشات کی تو عنقریب وہ ملیں گے گمراہی سے۔“ ﴿بَلْ هُمْ بِلِقَائِي رَبِّهِمْ كَافِرُونَ ۝﴾ (32/ السجدة: 10) ”بلکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کا انکار کرنے والے ہیں۔“

(س) لِقَاءَ

مضارع مجزوم ہے۔ ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝﴾ (25/ الفرقان: 68) ”اور جو یہ کرے گا تو وہ ملے گا عذاب سے۔“

يَلْقَى

اسم الفاعل ہے۔ ملنے والا۔ ﴿أَفَبْنِ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَا قِيَّةُ﴾ (28/ القصص: 61) ”تو کیا وہ جس سے وعدہ کیا ہم نے، ایک اچھا وعدہ، اور وہ ملنے والا ہے اس سے۔“

لَاقٍ

کسی کو کسی کے سامنے کرنا۔ کسی چیز کو اس طرح ڈالنا کہ وہ دوسرے کو سامنے سے نظر آئے۔ زمین پر پھینکنا۔ ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۖ﴾ (4/ النساء: 94) ”اور تم لوگ مت کہو اس سے جس نے ڈالنا تمہاری طرف سلام یعنی سلام کیا کہ تو مومن نہیں ہے۔“ ﴿قَالَ الْقَوَّاءُ فَلَبَّأَ أَلْقَوْا سَحَرًا أَعْيَيْنَ النَّاسِ﴾ (7/ الاعراف: 116) ”موتیٰ نے کہا تم لوگ ڈالو۔ پس جب ان لوگوں نے ڈالنا تو انہوں نے جادو کیا لوگوں کی آنکھوں پر۔“ ﴿سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ (3/ آل عمران: 151) ”ہم ڈال دیں گے ان کے دلوں میں جنہوں نے نفرت کیا رعب کو۔“ ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَقُولُونَ أَفَلَا مَهْمُ﴾ (3/ آل عمران: 44) ”اور آپ ﷺ ان کے پاس نہیں تھے جس وقت وہ لوگ ڈال رہے تھے اپنے قلم یعنی قلم کے ذریعہ فرعون کا لکھ رہے تھے۔“ اس میں يَلْقَوْنَ مضارع ہے لیکن اِذْ کی وجہ سے ماضی میں ترجمہ ہوگا۔

(افعال) اِلْقَاءَ

اَلْفَىٰ اِلَىٰ — قَوْلًا کا مطلب ہے کسی سے بات کرنا جیسے فرمایا: ﴿فَالْقَوَّاءُ إِلَيْهِمْ اَلْقَوْلَ﴾ (16/ النحل: 86) ”تو وہ اُن سے کہیں گے۔“

اَلْفَىٰ اِلَىٰ — سَلَمًا کا مطلب ہے کسی کے سامنے عاجزی ظاہر کرنا، اطاعت کا اقرار کرنا۔ جیسے فرمایا: ﴿وَالْقَوَّاءُ اِلَىٰ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَامَ﴾ (16/ النحل: 87) ”اور آپ پڑیں اللہ کے آگے اُس دن عاجز ہو کر۔“ (ترجمہ شنبہ) اَلْفَىٰ اِلَىٰ — مَوَدَّةً کا مطلب ہے کسی سے دوستی بڑھانا۔ جیسے فرمایا: ﴿تَلْقَوْنَ إِلَيْهِمْ بِأَمْوَدَةٍ﴾ (60/ المؤمنة: 1) ”تم اُن کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو۔“

ماضی مجہول ہے۔ ﴿فَلَوْ لَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ﴾ (43/ الزمر: 53) ”تو کیوں نہیں ڈالے گئے ان پر کنگن سونے کے۔“

أُلْقِيَ

فعل امر ہے۔ تو ڈال۔ ﴿وَأُلْقِ مَا فِي يَدَيْكَ﴾ (20/ طہ: 69) ”اور تو ڈال جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے۔“ اس کی جمع اَلْقُوا آتی ہے۔ اوپر دیکھیں الاعراف: 116۔

أَلْقِ

فعل امر غائب ہے۔ چاہیے کہ وہ ڈالے۔ ﴿أَن أَفْذِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْنِ فِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ﴾ (20/ طہ: 39) ”کہ تو (یعنی موسیٰ کی والدہ) رکھ دے ان کو تابوت میں، پھر تو رکھ دے اس کو دریا میں، پھر دریا کو چاہیے کہ وہ ڈال دے اس کو ساحل پر۔“ نوٹ کر لیں کہ فَلْيُلْقِ میں لام امر ساکن ہو گیا ہے۔ جبکہ لام کی ساکن نہیں ہوتا۔

فَلْيُلْقِ

ج: مُلْقُونَ، مُلْقِينَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ڈالنے والا۔ ﴿قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ﴾ (26/ الشعراء: 43) ”کہا ان سے موسیٰ نے کہ تم لوگ ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو۔“

مُلْقِ

ج: مُلْقِيَاتٌ۔ مُلْقٍ کی مؤنث ہے۔ ڈالنے والی۔ ﴿فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا﴾ (77/ المرسلات: 5) ”پھر (دلوں میں خدا کی) یاد ڈالتی ہیں۔“ (ترجمہ تفہیم القرآن)

مُلْقِيَةٌ

کسی کے سامنے پھینکنا۔ دینا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کو وحی کرنا اور عطا کرنا۔ ﴿فَوْقَهُمُ اللَّهُ شَرُّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّهْمُ نَصْرَةً وَسُورًا﴾ (76/ الدھر: 11) ”تو بجا یا ان کو اللہ نے اس دن کے شر سے اور عطا کی ان کو تازگی اور سرور۔“

تَلْقِيَةٌ

(تفعیل)

مضارع مجہول ہے۔ ﴿وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ﴾ (41/ حم السجدة: 35) ”اور نہیں دی جاتی (یہ صفت) مگر بڑے نصیب والوں کو۔“

يُلْقِي

(مفاعله) مُلَاقَاةٌ اور لِقَاءٌ ایک دوسرے کے سامنے آنا۔ ایک دوسرے سے ملنا۔ ملاقات کرنا۔ ﴿فَدَرَهُمْ حَتَّىٰ يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ﴾ (52/ الطور: 45) ”تو آپ چھوڑ دیں ان کو یہاں تک کہ وہ لوگ ملاقات کریں اپنے اس دن سے جس میں وہ بے ہوش ہوں گے۔“

مُلَاقٍ

ج: مُلَاقُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ملاقات کرنے والا۔ ﴿إِنِّي كُنْتُ أَنَّىٰ مُلْقٍ حَسَابِيَّةٍ﴾ (69/ الحاتمة: 20) ”بیشک مجھے گمان تھا کہ میں ملاقات کرنے والا ہوں اپنے حساب سے۔“ ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوَةٌ﴾ (2/ البقرة: 223) ”اور چھو اللہ سے یعنی اس کی ناراضگی سے اور جان لو کہ تم لوگ ملاقات کرنے والے ہو اس سے۔“

مُلَاقٍ

تَفْعَالٌ کا وزن ہے۔ علمائے کرام نے بتایا ہے کہ اس وزن پر عربی میں دو ہی الفاظ آتے ہیں، ایک تَبْيَانٌ اور دوسرا تَلْقَاءٌ۔ تَلْقَاءٌ کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ یہ لُتْقِ یَلْقِ کے متعدد مصادر میں سے ایک مصدر ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ باب مفاعله کا ظرف ہے یعنی ملاقات کی جگہ یا سمت۔ صاحب لغات القرآن فرماتے ہیں: تَلْقَاءٌ طرف، لِقَاءٌ سے، جس کے معنی ملاقات کرنے کے ہیں۔ اسم ہے۔ ملاقات کرنے اور آنے سامنے ہونے کی جگہ کو تَلْقَاءٌ کہتے ہیں اور اسی اعتبار سے طرف اور جہت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ (لغات القرآن، ج ۲، ص ۱۸۰) ”﴿تَلْقَاءُ أَصْحَابِ النَّارِ﴾ (7/ الاعراف: 47) ”آگ والوں کی طرف۔“ ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تَلْقَاءَ مَدْيَنَ﴾ (28/ القصص: 22) ”اور جب موسیٰ مدین کی طرف ہو لیے۔“ فَعَلَ الْأَمْرَ مِنْ تَلْقَاءِ نَفْسِهِ کا مطلب ہوتا ہے کہ اس نے اس کام کو خود بخود، بغیر کسی کے مجبور کیے ہوئے، اپنے جی سے کیا۔ جیسے فرمایا: ﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تَلْقَائِي نَفْسِي﴾ (10/ یونس: 15) ”آپ کہہ دیجئے میں یہ نہیں کر سکتا کہ اس میں اپنے جی سے ترمیم کر دوں۔“ (ترجمہ ماجدی)

تَلْقَاءُ

(تفعّل)

تَنَكَّلِي

بتکلف کسی کے سامنے آنا۔ شوق اور رغبت کے ساتھ کسی کا استقبال کرنا اور اُس کو قبول کرنا (معارف القرآن)۔  
بتکلف کسی سے کچھ حاصل کرنا۔ سیکھنا۔ ﴿فَتَنَكَّلَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَتٍ﴾ (2/ البقرة: 37) ”تو سیکھے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات۔“ ﴿لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّيْهُمْ الْمَلَائِكَةُ﴾ (21/ الانبياء: 103) ”ان لوگوں کو غمگین نہیں کرے گی بڑی گھبراہٹ اور استقبال کریں گے ان کا فرشتے۔“

مُتَنَكِّلِي

اسم الفاعل ہے۔ لینے والا۔ اس کا تثنیہ مُتَنَكِّلِيَانِ (دو لینے والے) قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿إِذْ يَتَنَكَّلَى الْمُنْتَكَلَيْنِ عَنِ الْبَيْتَيْنِ وَ عَنِ الشَّجَرِ قَعِيدٌ﴾ (50/ ق: 17) ”جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔“ (ترجمہ حسن البیان)

تَنَكَّلِي

مضارع مجہول ہے۔ اصل میں تَنَكَّلَى تھا۔ ایک ’ت‘ حذف ہوگئی۔ مطلب ہے اُسے سکھایا جاتا ہے۔ ﴿وَإِنَّكَ لَتَنَكَّلِي الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلَيْهِ﴾ (27/ النمل: 6) ”بے شک آپ سَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اللہ حکیم و علیم کی طرف سے قرآن سکھایا جا رہا ہے۔“ (ترجمہ حسن البیان)

نوٹ: باب تفعیل میں مضارع مجہول کی بھی یہی شکل ہوتی ہے یعنی تَنَكَّلَى لیکن ان معنوں میں یعنی کسی سے کچھ سیکھنا یا حاصل کرنا باب تفعّل سے ہی استعمال ہوتا ہے۔

(افتعال)

التِّقَاءُ

اہتمام سے ملنا۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾ (3/ آل عمران: 155) ”یہی تک جن لوگوں نے منہ موڑا تم میں سے جس دن ملیں دو فوجیں۔“ ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ﴾ (5/ البقرة: 19) ”اس نے بہا دو سمندروں کو وہ دونوں ملتے ہیں، ان کے مابین ایک پردہ ہے، وہ حد سے نہیں بڑھتے۔“

(تفاعل)

تَلَقَّيْ

ایک دوسرے سے ملاقات کرنا۔ باہم جمع ہونا۔ اس کا مصدر تَلَقَّيْ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿يُلَقِّي الْوَيْحَ مِنَ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ﴾ (40/ مؤمن: 15) ”وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وہی نازل فرماتا ہے۔ تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔“ (ترجمہ حسن البیان)

أَمْنُوْا (عمرن) اور دوسرے متعلقہ صیغوں کے لیے البقرة آیت 3 دیکھیں۔ قَالُوا (ق و ل): البقرة آیت 8 دیکھیں۔

خ ل و

(ن)

خَلَاءٌ اور خُلُوْفٌ کسی چیز، جگہ یا زمانہ کا خالی ہونا۔ تنہا ہونا۔ علیحدہ ہونا۔ یہ لفظ ظرف زمان اور مکان دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور زمانہ میں چونکہ گزرنے کا مفہوم ہوتا ہے اس لیے یہ گزرے ہوئے زمانے، گزرنے، ہو چکنے اور چھوڑ کر چلے جانے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ﴾ (2/ البقرة: 134) ”وہ ایک امت تھی جو گزر چکی۔ اس کے لئے جو اس نے کمایا اور تمہارے لئے ہے جو تم نے کمایا۔“ ﴿وَلَهَا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (2/ البقرة: 214) ”اور ابھی آیا نہیں تم لوگوں کے پاس ان لوگوں کی طرح یعنی ان کے جیسے حالات جو گزرے تم سے پہلے۔“ یہ فعل جب الی کے ساتھ آتا ہے تو معنی ہوتے ہیں تنہائی میں ملنا۔ ﴿وَإِذَا خَلَا بِعَضُفٍ إِلَىٰ بَعْضٍ﴾ (2/ البقرة: 76) ”اور جب تنہائی میں ملتے ہیں ان کے بعض، بعض سے۔“

خَالٍ

اسم الفاعل ہے گزرنے والا۔ گزشتہ۔ اس کی مؤنث خَالِيَةٌ آتی ہے اور اَيَّامٌ خَالِيَةٌ کا مطلب ہوتا ہے گزشتہ دن،

گزشتہ ایام۔ ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾ (69/ البقرة: 24) ”کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ اُن اعمال کے بدلے میں جو تم گزشتہ ایام میں کر چکے ہو۔“ (ترجمہ ماجدی)

(تفعیل) تَخْلِيَةً کسی کو گزرنے دینا۔ آزاد چھوڑنا۔ چھوڑ دینا۔

فعل امر کا صیغہ ہے۔ جمع مذکر حاضر۔ تم چھوڑ دو۔ ﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾ (9/ التوبة: 5) ”پس اگر وہ لوگ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تم لوگ چھوڑ دو ان کا راستہ۔“

(تفعّل) تَخَلَّى بتکلف خالی ہونا۔ ﴿وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ۖ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ﴾ (84/ الانشقاق: 3-4) ”اور جب زمین دراز کی جائے گی اور وہ ڈال دے گی جو اس میں ہے اور وہ خالی ہو جائے گی۔“

شَيْطَانُ (ش ط ن) (ش ی ط): اَعُوذُ بِاللّٰهِ دیکھیں۔ اِنَّهَا: البقرة آیت 11 دیکھیں۔

ه ز ع

(ف۔س) هُزُوًا ، هُزْءًا مذاق اڑانا۔ کسی کا مذاق بنانا۔

هُزُوٌ اسم ذات بھی ہے۔ مذاق۔ ہنسی۔ مذاق کا ذریعہ۔ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا﴾ (2/ البقرة: 231) ”اور تم لوگ مت بناؤ اللہ کی آیات کو مذاق کا ذریعہ۔“

(استفعال) اِسْتَهْزَأَ کسی سے مذاق کرنا۔ کسی چیز کو خلاف عقل اور عجیب سمجھ کر مذاق اڑانا۔ ﴿أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ﴾ (9/ التوبة: 65) ”کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسولؐ سے تم لوگ مذاق کرتے ہو۔“

مُسْتَهْزِءٌ ج: مُسْتَهْزِءُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ مذاق کرنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

وُعطف کا ہے۔ اِذَا ظرف زمان اور شرطیہ ہے۔ فعل لَقُوا کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُمْ ہے اور الَّذِينَ اسم موصول اور آگے جملہ فعلیہ اَمَنُوا اس کا صلہ۔ صلہ اور موصول مل کر مفعول ہیں لَقُوا کے۔ جملہ قَالُوا اَمَنَّا بطور جواب شرط ہے اِذَا کا۔ اسی طرح سے فعل خَلُّوا کا فاعل بھی اس میں شامل ضمیر هُمْ ہے اور اِلٰی شَيْطَانِهِمْ متعلق فعل کہلائے گا۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور نَا اس کا اسم۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ اور مَعَكُمْ ظرف ہے اور اِنَّ کی محذوف خبر سے متعلق ہے۔ اِنَّهَا کلمہ حصر ہے۔ نَحْنُ، مبتدا ہے۔ مُسْتَهْزِءُونَ اسم الفاعل ہے اور نَحْنُ کی خبر ہے۔

ترجمہ	وَإِذَا	لَقُوا	الَّذِينَ آمَنُوا	قَالُوا
اور جب کبھی	وہ لوگ ملتے ہیں	ان لوگوں سے جو ایمان لائے	تو وہ کہتے ہیں	
	وَأَمَّا	وَإِذَا	خَلُّوا إِلَى	قَالُوا
ہم ایمان لائے	اور جب بھی	تنہائی میں ملتے ہیں	اپنے شیطانوں سے	تو کہتے ہیں
	إِنَّا	مَعَكُمْ	إِنَّمَا نَحْنُ	مُسْتَهْزِءُونَ ﴿١٤﴾
بیشک ہم	تمہارے ساتھ ہیں	ہم تو بس	مذاق کرنے والے ہیں	

نوٹ

آیت میں لفظ شَيْطَانُ کے بارے میں حضرت مولانا عبدالماجد ریابادی فرماتے ہیں: ”شیطان کا لفظ عربی میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ ہر سرکش اور ہر بھڑکانے والے کو شیطان کہتے ہیں۔ انسان، جنات، حیوانات سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں شیاطین سے مراد رؤساء یہود و منافقین لیے گئے ہیں جو اپنی سرکشی و طغیان کے لحاظ سے خود ہی شیطان بنے ہوئے تھے۔ نیز اُن کے کاہن جن کے یہ لوگ بہت معتقد تھے۔“

## آیت: 15

﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝﴾

اللَّهُ (ع ل ۵): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ یَسْتَهْزِئُ (ه ز ع): البقرة آیت 14 دیکھیں۔

م د د

(ن)

مَدَدًا

مدد دینا۔

مَدًّا

دراز کرنا، مہلت دینا، پھیلانا، کسی چیز کو لمبائی میں کھینچنا اور بڑھانا۔ اسی سے عرصہ دراز کو مدت کہتے ہیں۔ ﴿الَّذِينَ تَزَوَّجُوا بَنَاتَهُمْ بِالْحُرِّ مَدًّا﴾ (25/ الفرقان: 45) ”کیا آپ ﷺ نے دیکھا نہیں اپنے رب (کی قدرت) کو کہ اس نے کیسے دراز کیا سائے کو۔“ ﴿سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا﴾ (19/ مریم: 79) ”ہم لکھ لیں گے جو وہ کہتا ہے اور ہم دراز کریں گے اس کے لئے عذاب جیسا کہ دراز کرنے کا حق ہے۔“ جب آنکھوں کے لیے اس کا استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے نظر اٹھا کر کسی کی طرف دیکھنا۔ ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ﴾ (15/ الحجر: 88) ”مت ڈال اپنی آنکھیں اُن چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے اُن میں سے کئی طرح کے لوگوں کو۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ لَا تَمُدَّنَّ فعل نہی کا صیغہ ہے اور یاد کر لیں کہ ن ثقلید کا استعمال فعل نفی اور فعل نہی میں سے فعل نہی کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

مَدَدٌ

مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ مدد۔ ﴿وَكُوْنُ جُنُودًا مَدَدًا﴾ (18/ الکہف: 109) ”اور اگر ہم لے آئیں اس کے جیسا بطور مدد کے۔“

مَدَّةٌ

اسم ذات ہے۔ معین عرصہ۔ مدت۔ ﴿فَاْتِمُوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلَىٰ مَدَّتِهِمْ ط﴾ (9/ التوبة: 4) ”تو تم لوگ پورا کرو ان سے کیا ہوا وعدہ ان کی مدت تک۔“

مِدَادٌ

اسم ذات ہے۔ سیاہی۔ روشنائی۔ ﴿لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لَّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَذَ كَلِمَاتِ رَبِّي﴾ (18/ الکہف: 109) ”اگر ہوتا سمندر سیاہی میرے رب کے فرمانوں کے لئے تو ختم ہو جاتا سمندر قبل اس کے کہ ختم ہوتے میرے رب کے فرمان۔“

مَمْدُوْدٌ

اسم المفعول ہے۔ دراز کیا ہوا۔ بڑھایا ہوا۔ کثیر۔ ﴿وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُوْدًا﴾ (74/ المدثر: 12) ”اور میں نے بنایا اس کے لئے بڑھایا ہوا مال (یعنی کثرت سے مال دیا)۔“

اِمْدَادًا

(افعال)

مدد کرنا۔ بوقت ضرورت دینا۔ حسب خواہش دینا۔ وقتاً فوقتاً دینا۔ ﴿اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَبَنِيْنَ﴾ (26/ الشعراء: 133) ”اس نے مدد کی تمہاری چوپایوں سے اور بیٹوں سے۔“ ﴿وَ اَمَدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَ لَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝﴾ (52/ الطور: 22) ”اور ہم ان کو ہر طرح کے پھل اور گوشت جس چیز کو بھی اُن کا جی چاہے گا، خوب دیے چلے جائیں گے۔“ (ترجمہ تفہیم القرآن)

مُمِدٌّ

اسم الفاعل ہے۔ مدد کرنے والا۔ ﴿اِنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ (8/ الانفال: 9) ”کہ میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے۔“

تَمْدِيْدًا

(تفعیل)

کسی چیز کو پھیلانا۔

اسم المفعول ہے۔ پھیلا یا ہوا۔ ﴿فِي عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ﴾ (104/ البقرة: 9) ”پھیلائے ہوئے ستونوں میں (یعنی بڑے بڑے لمبے ستونوں میں)۔“

ط غ ی

(ف)

طَغِيَانًا

نافرمانی میں حد سے گزرنا۔ سرکشی کرنا۔ طَغَى الْمَاءُ کا مطلب ہے پانی میں طغیانی آجانا یعنی پانی کا بلند ہو کر اپنے کناروں سے باہر آجانا۔ ﴿إِذْ هَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى﴾ (20/ ط: 24) ”آپؑ جاسیں فرعون کی طرف بیشک اس نے سرکشی کی۔“ ﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِكَبَّاسٍ﴾ (96/ العلق: 6) ”بیشک انسان سرکشی کرتا ہے۔“

طَاغٍ

ج: طَاغُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ سرکشی کرنے والا۔ حد سے گزرنے والا۔ ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ﴾ (51/ الذریات: 53) ”بلکہ وہ لوگ سرکشی کرنے والی قوم ہیں۔“

طَاغِيَةٌ

اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ سرکشی کرنے والی۔ حد سے گزرنے والی۔ ﴿فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ﴾ (69/ الحاقة: 5) ”سو ثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے۔“

لَا تَطْغَ

فعل نہی ہے۔ تو سرکشی مت کر۔ حد سے تجاوز مت کر۔ ﴿أَلَا تَطْغَوْا فِي الْغِيَانِ﴾ (55/ الرحمن: 8) ”کہ تم لوگ حد سے تجاوز مت کرو ترازو میں یعنی تول میں۔“

طَغِيَانٌ

اسم ذات بھی ہے۔ حد سے بہت زیادہ تجاوز۔ بہت زیادہ سرکشی۔ ﴿فَنَكَرُوا لِلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لِقَاءَنَا فِي طَغِيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (10/ یونس: 11) ”تو ہم چھوڑ دیتے ہیں ان لوگوں کو جو امید نہیں رکھتے ہماری ملاقات کی کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔“

طَغَوٰى

طَغِيَانٌ سے اسم ہے۔ سرکشی، نافرمانی۔ ﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا﴾ (91/ الشمس: 11) ”قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر تکذیب کی۔“

طَاغُوْتَ

سرکشی کا ذریعہ۔ واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ (16/ النحل: 36) ”اور ہم نے بھیجا ہے ہر امت میں ایک رسول کہ تم لوگ عبادت کرو اللہ کی اور تم لوگ بچو سرکشی کے ذریعوں سے۔“ امام راغب لفظ طَاغُوت کی وضاحت کرتے ہوئے مفردات القرآن میں فرماتے ہیں: ”طَاغُوت سے مراد ہر وہ شخص ہے جو حدود شکن ہو (یعنی حدود اللہ کو توڑنے والا ہو) اور ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے اسے طَاغُوت کہا جاتا ہے۔“ صاحب مترادفات القرآن اسی لفظ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”طَاغُوت ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا غلامی اختیار کی جائے خواہ یہ کوئی نظام ہو یا کوئی شخصیت۔“ (مترادفات القرآن - ۵۸۷)۔ مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ”طَاغُوت کا صحیح ترجمہ مشکل ہی ہے۔ اُردو میں اس کے لیے قریب ترین لفظ شیطان کا ہو سکتا ہے۔ اپنے عام و وسیع معنی میں عربی میں اس کا اطلاق ہر معبود باطل اور ہر سرکش پر ہوتا ہے۔“ (تفسیر ماجدیؒ ج: ۱۳۸)۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص جو اللہ کی نافرمانی میں حد سے گزرنے والا ہو وہ طَاغُوت ہے۔ اس اعتبار سے اس کا اطلاق کاہن اور غیب جاننے کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے پر ہوتا ہے جو اپنے جھوٹے دعوؤں سے لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ اس کا اطلاق ساحر پر بھی ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق شیطان پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے اللہ کے احکام کی نافرمانی کی۔ اور وہ سب سے بڑا سرکش ہے۔ اس کا اطلاق بتوں اور تمام معبودان باطل پر بھی ہوتا ہے کیونکہ ان کے ذریعے سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر بھی ہوتا



ہے جو کسی گمراہ مذہب، غلط نظریے اور کسی بُرے عمل کا بانی اور کرتا دھرتا ہو۔ گویا تمام سرکشی کے ذرائع، طاغوت ہیں۔ کسی کو طاغی (سرکش) کہنے کی بجائے اگر طاغوت (سرکش) کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ انتہا درجے کا سرکش ہے۔ مثال کے طور پر کسی کو حسین کے بجائے اگر یہ کہا جائے کہ وہ حسن ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خوبصورتی میں درجہ کمال کو پہنچا ہوا ہے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۴، ص: ۳۶۵)۔ مولانا مودودیؒ نے اس لفظ کی بہت خوبصورت تشریح کی ہے فرماتے ہیں: ”طاغوت لغت کے اعتبار سے ہر اُس شخص کو کہا جائے گا جو اپنی جائز حد سے تجاوز کر گیا ہو۔ قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقائی و خداوندی کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اصولاً اس کی فرمانبرداری ہی کو حق مانے، مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ اس کا نام فسق ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری سے اصولاً منحرف ہو کر یا تو خود مختار بن جائے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔ یہ کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر اس کے ملک اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے۔ اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے، اسی کا نام طاغوت ہے اور کوئی شخص صحیح معنوں میں اللہ کا مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اس طاغوت کا منکر نہ ہو۔“ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص: ۱۹۶)۔ اب قرآن مجید کی یہ آیت پڑھیے: ﴿الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَكَّمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ط﴾ (4/ النساء: 60) ”اے نبی! آپ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔“ اس آیت مبارکہ سے آپ کو طاغوت کی ایک اور قسم بھی معلوم ہوگئی یعنی وہ بھی طاغوت ہے جو احکام الہی کے خلاف اپنے وضع کردہ قوانین کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرے۔ مولانا مودودیؒ اس آیت یعنی النساء: 60 کے تحت فرماتے ہیں: ”یہاں صریح طور پر ”طاغوت“ سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون الہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، اور وہ نظام عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔“ مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ اسی آیت میں طاغوت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”(طاغوت سے) یہاں مراد ہر غیر اللہ کی حکومت و اقتدار ہے۔“ طاغوت کے لفظ کی مندرجہ بالا وضاحت کے بعد اب قرآن مجید کی یہ آیت پڑھیے: ﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا ط﴾ (2/ البقرة: 256) ”اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے تو، اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔“

سرکشی پر اکسانا، ابھارنا، آمادہ کرنا۔ ﴿رَبَّنَا مَا أَطْعَيْتُهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ﴾ (50/ ق: 27) ”اے ہمارے رب میں نے سرکشی پر نہیں اکسایا اس کو بلکہ وہ تھادور کی گمراہی میں۔“

(افعال) اِطْعَاءً

ع م ہ

(ف۔س)

عَمَّهَا

فقدان بصیرت کی وجہ سے بھٹکانا۔ دل کا اندھا ہونا۔ حیران ہونا۔ حیرانگی کی وجہ سے تڑد میں پڑھنا۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ”عمہ اُس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ بھائی نہ دے اور وہ ادھر ادھر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور ہاتھ پاؤں مارتا پھرے۔ وحی الہی کی روشنی سے محرومی کے بعد انسان کی واقعی یہی حالت ہو جاتی ہے۔“ (تفہیم ماجدیؒ، ص: ۱۱)۔ آیت زیر مطالعہ۔

## ترکیب

لفظ اللہ مبتداء اور یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ ’و عطف کا ہے اور یَمْدُهُمْ جملہ فعلیہ عطف ہے یَسْتَهْزِئُ پر۔  
فِي طُعْيَانِهِمْ، يَمْدُهُمْ کا متعلق فعل ہے۔ جملہ فعلیہ يَعْبَهُونَ حال ہے يَمْدُهُمْ میں هُمْ ضمیر کا۔

ترجمہ	اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ	وَ	يَمْدُهُمْ
البقرة: 15	اللہ مذاق کرتا ہے اُن سے یعنی اللہ سزا دے رہا ہے انہیں اس مذاق کی	اور	وہ ڈھیل دیتا ہے ان کو
	فِي طُعْيَانِهِمْ		يَعْبَهُونَ ⑤
	ان کی سرکشی میں		اور حالت یہ ہے کہ عقل کے اندھے ہیں

## نوٹ: 1

آیت مبارکہ کے تراجم اور قاعدہ مشاکلت: آیت زیر مطالعہ میں یَسْتَهْزِئُ کا ترجمہ ہمارے بعض بزرگوں نے تو اس لفظ کا ظاہری معنی (ہنسی، مذاق) لے کر کیا ہے اور بعض بزرگوں نے اس کا ترجمہ عربی کے ایک خاص اسلوب کی مناسبت سے کیا ہے جو اس آیت مبارکہ میں استعمال ہوا ہے۔ جن بزرگوں نے اس کا لفظی ترجمہ کیا ہے وہ یوں ترجمہ کرتے ہیں: ”اللہ ہنسی کرتا ہے اُن سے“ (شیخ الہندؒ)، ”اللہ بھی ان سے مذاق کرتا ہے“ (حسن البیان)، ”اللہ ان سے مذاق کرتا ہے“ (تفہیم القرآن) اور جن بزرگوں نے اس خاص اسلوب کی مناسبت سے ترجمہ کیا ہے وہ یوں ترجمہ کرتے ہیں: ”اللہ سزا دے رہا ہے انہیں اس مذاق کی“ (ضیاء القرآن)۔ معلوم ہوا کہ ہمارے بزرگوں نے دونوں طرح سے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیا ہے۔ یہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اس خاص اسلوب کی وضاحت کر دی جائے کیونکہ جن بزرگوں نے اس لفظ کا ظاہری ترجمہ کیا ہے انہوں نے بھی حاشیہ میں اس اسلوب کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً ترجمہ شیخ الہندؒ کے حاشیہ میں لکھا ہے ”تمسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تمسخر کا بدلہ اور سزا اُن کو دے گا۔“ اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس اسلوب کی دوسری آیات پڑھتے وقت سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ چنانچہ اس اسلوب کو ”مشاکلت“ کہتے ہیں۔ اس کی سادہ الفاظ میں وضاحت کرتے ہوئے صاحب ضیاء القرآن اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: ”اہل عرب میں یہ عام محاورہ ہے کہ جب کوئی کام کسی فعل کی سزا دینے کے لیے کیا جائے تو اس کی تعبیر بھی اسی لفظ سے کر دیتے ہیں جس لفظ سے اس فعل کی تعبیر کی گئی ہو جس پر سزا یا عتاب کیا جا رہا ہے مثلاً ﴿وَجَزَّوْا سَيِّئَةً سَيِّئَةً مِّثْلُهَا﴾ یعنی بُرے فعل کی جزاء بھی اسی طرح بُری ہوا کرتی ہے۔ حالانکہ سزا جو عدل و انصاف کا عین تقاضا ہوتا ہے بُری نہیں ہوتی۔ یا ﴿تَسُوا اللَّهَ فَاْتَسُوهُمْ﴾ انہوں نے خدا کو بھلا دیا اور خدا نے اُن کو بھلا دیا۔ حالانکہ خدا کی ذات بھول سے پاک ہے لیکن ان کے بھلانے پر جو سزا دی گئی اُس کو بھلانے سے تعبیر کیا گیا۔ اسی طرح استہزاء پر منافقین کو جو سزا دی گئی اُس کو بھی استہزاء سے بیان کر دیا۔ کیونکہ یہ استعمال محاورہ عرب کے عین مطابق تھا۔ اس لیے کفار جو قرآن پر اعتراض کرنے کے لیے کسی ادنیٰ سے بہانے کے متلاشی رہتے تھے اس استعمال پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔“ اسی طرح حضرت سورہ آل عمران کی آیت 54 ﴿وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ط﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ”عربی میں کسی برے اور ناپسندیدہ فعل پر جو سزا دی جاتی ہے اسے اسی لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں اگرچہ وہ سزا کتنی مناسب اور قرین انصاف کیوں نہ ہو۔ مثلاً ﴿وَجَزَّوْا سَيِّئَةً سَيِّئَةً مِّثْلُهَا﴾ یعنی برائی کا بدلہ برائی کی سزا برائی نہیں ہوتی بلکہ عین انصاف ہوا کرتی ہے یا مثلاً ﴿فَمِنْ أَعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاَعْتَدُوا عَلَيْهِ﴾ یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو۔ حالانکہ زیادتی اور تعدی کی روک تھام کرنا زیادتی اور ظلم نہیں بلکہ دین اور اخلاق کے تمام ضابطے اس کے درست ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی (آل عمران۔ 54) حضرت مسیحؑ کے قتل کرنے کی جو مکارانہ سازش ان یہودیوں نے کر رکھی تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ناکام بنانے کی جو تدبیر کی گئی اُسے مکر سے تعبیر فرما دیا اور اس میں کوئی نقص نہیں۔“ حضرت مولانا عبدالماجد ریا بادئی البقرہ کی آیت 193 ﴿فَإِنْ أَنْتَهُوْا فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَالْاَعْلَىٰ عَلَيْهِ﴾ کے تحت لکھتے ہیں: ”عُدْوَان، اس کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں۔ یہاں سزا اور سزائے قتل کے معنی میں ہے۔ عربی اسلوب بیان میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ جزاء عمل کے موقع پر بعینہ وہی لفظ بول دیا جاتا ہے جو خود اس عمل کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً مکر کے مقابلہ میں مکر ہی کا لفظ، کید کی سزا کے موقع پر لفظ کید کا استعمال، استہزاء کے معاوضہ میں لفظ استہزاء قس علیٰ ہذا۔ اس صنعت کا نام مشاکلت ہے اور قرآن مجید نے عربی بلاغت کی دوسری صنعتوں کی طرح اس کا بھی بار بار استعمال کیا ہے، چنانچہ یہاں سزائے عدوان کے موقع پر

خود لفظ عدوان کا لانا اسی طرز پر ہے۔“ اور اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت 54 ﴿وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ط﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ”عربی زبان میں ایک قاعدہ مشاکلت کا ہے۔ یعنی کسی فعل کی سزا یا جواب کو بھی بجنسہ اسی فعل کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے اور اس طرز ادا میں مطلق کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً کسی نے زید پر حملہ کیا، اور زید نے اس کا جواب دیا۔ تو عربی محاورہ میں یوں کہیں گے کہ اس نے زید پر حملہ کیا اور زید نے اس پر حملہ کیا حالانکہ زید کا ”حملہ“ مطلق نہ ہو گا۔ بلکہ صرف سزائے حملہ ہوگی یا زیادہ سے زیادہ ”جوابی حملہ“ یا کوئی مجھے ٹھگ لے اور میں اس سے انتقام لوں تو عربی میں پیرایہ ادا یہ ہوگا کہ اس نے مجھے ٹھگا۔ اور میں نے بھی اسے ٹھگ لیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ میری طرف سے ٹھگنے کی سزا ہی ملے گی۔ اس اصل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں سے کہ (۱) ﴿وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ط﴾ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی ”مکر“ کیا۔ (۲) ﴿إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ط﴾ وَاَكِيدُ كَيْدًا ط﴾ وہ ”کید“ سے کام لیتے ہیں اور میں بھی ”کید“ سے کام لیتا ہوں۔ (۳) ﴿وَجَزَّوْا سَیِّئَةً سَیِّئَةً مِّثْلُهَا﴾ ”برائی“ کی سزا ویسی ہی ایک ”برائی“ ہے۔ (۴) ﴿قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ط﴾ اللہ یُسْتَهْزِئُ بِهِمْ ط﴾ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو محض ہنسی کرتے ہیں۔ اللہ ان سے ”ہنسی“ کرتا ہے۔ (۵) ﴿فَمِنَ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ ط﴾ جو تم پر زیادتی کرتا ہے، تم اس پر ”زیادتی“ کرو۔ (اسی اسلوب کی النساء کی 142 آیت بھی ہے۔ ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ط﴾ (مرتب)۔ جو اشکال محض ترجمہ کی بنا پر پیدا ہوتا ہے وہ از خود ساقط ہو جاتا ہے۔ ان تمام مثالوں میں جوابی اور سزائی ”مکر“ نہ مکر ہے، نہ ”کید“ کید ہے۔ نہ ”سیئہ“ سیئہ ہے، نہ ”استہزاء“ استہزاء، نہ ”زیادتی“ زیادتی ہے۔ بلکہ ہر موقع پر مراد صرف سزائے مکر، سزائے کید، سزائے سیئہ، سزائے استہزاء، اور سزائے اعتداء ہے۔ تو اس جوابی و تعزیری مکر اللہ پر کوئی سوال ہی نہیں عائد ہوتا۔ لیکن اس کے علاوہ عربی میں مکر میں کوئی ذم کا پہلو لازمی طور پر ہے بھی نہیں۔ مکر محمود بھی ہو سکتا ہے۔ اور مکر مذموم بھی۔ اصل معنی صرف خفیہ تدبیر، گہری تدبیر یا انگریزی میں Plan کے ہیں۔ پس جس کسی ہندی نے اردو کے مکر و فریب پر قیاس کر کے مکر اللہ پر حرف گیری کی ہے، اس نے خود اپنی جہالت کا پردہ فاش کیا ہے۔“ (تفسیر ماجدی، 169)

## نوٹ: 2

آیت زیر مطالعہ کی ترکیب میں بتایا گیا ہے کہ فی طُغْيَانِهِمْ، يَمْدُهُمْ سے متعلق ہے۔ اس کو يَعْصَهُونَ سے متعلق ماننے کی گنجائش بھی ہے۔ اس سے معنی میں جو باریک فرق پڑتا ہے اُسے پہلے سمجھ لیں۔ فی طُغْيَانِهِمْ کو اگر يَمْدُهُمْ کے ساتھ مانیں تو مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ بھٹکتے رہیں۔ اور اگر اسے ہم يَعْصَهُونَ کے ساتھ مانیں تو مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ لیکن حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں: ”جاننا چاہیے کہ آیت میں فی طُغْيَانِهِمْ فعل يَمْدُهُمْ کے متعلق ہے مگر تراجم دہلویہ جدیدہ میں اس کو يَعْصَهُونَ کے متعلق کر دیا (جس سے معنی بگڑ کر معتزلہ کے موافق اور اہل سنت کے خلاف اور استعمال اہل عرب کے مخالف ہو گئے) جو غلط ہے اور جاننے والے اس کو خوب جانتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی، ص ۵)۔ اسی طرح کی سورہ اعراف کی آیت 186 بھی ہے جس میں فرمایا: ﴿وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ط﴾ (الاعراف: 186) ”اور اللہ چھوڑے رکھتا ہے اُن کو اُن کی شرارت میں سرگرداں۔“

## نوٹ: 3

اندھے پن کے لیے قرآن مجید میں عَمِيَ (ع م ی) عَمِيَہ (ع م ہ) اور اَكْمَه (ک م ہ) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اندھا پن بھی دو طرح کا ہے۔ ایک ظاہری آنکھوں کا اندھا پن ہے اور دوسرا دل یا بصیرت کا اندھا پن ہے۔ اس مناسبت سے ان تینوں الفاظ میں کچھ بنیادی فرق ہیں۔ عَمِيَ کا لفظ ظاہری آنکھوں اور بصیرت، دونوں قسم کے اندھے پن کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً ظاہری آنکھوں کے اندھے پن کے لیے فرمایا: ﴿أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى ط﴾ (ممس: 2) ”اس بات پر کہ اُن کے پاس نابینا آیا۔“ یا فرمایا ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ط﴾ (الرعد: 16) ”آپ کہیے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے۔“ (ترجمہ ماجدی) اور بصیرت کے اندھے پن کے لیے فرمایا ﴿وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةً فَعَبُوا وَصَبُّوا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَبُّوا كَثِيرٌ مِّنْهُمْ ط﴾ (المائدہ: 71) ”اور گمان یہی کرتے رہے کہ وبال کچھ نہ پڑے گا سو اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی پھر بھی اُن میں کے بہت سے اندھے اور بہرے ہی رہے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ حاشیے میں حضرت فرماتے ہیں: ”عَمُوا عَنِ الْهُدَىٰ وَصَبُّوا عَنِ سَمَاعِ الْحَقِّ“ یعنی ہدایت سے اندھے ہو گئے اور حق سننے سے بہرے ہو گئے۔“ یا فرمایا: ﴿وَمَا أَنْتَ بِهْدَىٰ الْعُنَىٰ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ط﴾ (النمل: 81) ”اور آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے راستہ دکھانے والے نہیں۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ بلکہ لُح کی آیت 46 میں بصارت اور دل، دونوں کے لیے تَفَعَّى کا

لفظ استعمال ہوا ہے ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْلَىٰ الْأَبْصَارَ وَلَكِنْ تَعْلَىٰ الْقُلُوبِ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (الحج: 46) ”اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں اَلْعُلَىٰ کی مذمت آئی ہے وہاں بصیرت کا اندھا پن مراد لیا گیا ہے، اور بصیرت کے اندھے پن سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص حق کو نہ پہنچانے اور شک اور شبہ میں مبتلا ہو جائے۔ (واللہ اعلم)۔

عَمَہ کا لفظ خاص دل یا بصیرت کے اندھے پن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور بصیرت کی کمی کا لازمی نتیجہ حیرانی اور بھٹکنا ہے اس لیے یہ لفظ حیران ہونا اور بھٹکنا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

اَكْمَمَہ کا لفظ پیدائشی اندھے پن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَتُوبِخِي الْأَكْمَمَہَ وَالْأَبْرَصَ بِأَذْنِي﴾ (المائدہ: 110) ”اور تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔

### آیت 16:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ ۖ فَمَا رَبَحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾ ﴿١٦﴾

ش ر ی

(ض) شَرَاءٌ سوداگری کرنا۔ خرید و فروخت کرنا۔ ”گو شَرَاءُ کے معنی خریدنے اور بیچنے دونوں کے ہیں لیکن بیشتر اس کا استعمال بیچنے ہی کے لیے ہوتا ہے۔“ (لغات القرآن، ج ۳ ص ۲۷۴)۔ ﴿وَلَيْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ط كَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ ﴿١٦﴾

(2/ البقرة: 102) ”اور کتنا برا ہے جو ان لوگوں نے سودا کیا اپنے آپ کا۔ کاش وہ لوگ جانتے ہوتے۔“

(افتعال) اِشْتَرَاءٌ اشتراء کا لفظ لغات اضداد میں سے ہے یعنی یہ لفظ دو متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا مطلب خریدنا بھی ہے اور بیچنا بھی۔ قرآن مجید میں عام طور پر خریدنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً آیت زیر مطالعہ میں خریدنے کے معنوں میں ہے یا فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ﴾ (12/ يوسف: 21) ”اور کہا اُس نے جس نے خریدا اُس کو مصر سے۔“ اس کے علاوہ بیچنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ﴾ (2/ البقرة: 90) ”بری ہے وہ چیز جس کے عوض میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ حاشیے میں حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ”اشتراء لغات اضداد میں سے ہے۔ خریدنے اور فروخت کرنے دونوں کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں بیچنے کے معنی میں ہے الاشتراء لھننا بمعنی البیع (معالم) (معناہ باعوا) (بیضاوی)۔“ ان معنوں کے علاوہ اشتراء کا لفظ ایک کام کے بدلے دوسرے کام کو اختیار کرنے اور ایک چیز کو دوسری چیز سے بدل لینے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

الضَّلَالَةُ (ض ل ل): الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔ اَلْهُدَىٰ اور مُهْتَدِينَ (ھ د ی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

ر ب ح

(س) رُبْحًا نفع بخش ہونا۔ یہ فعل لازم ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

ت ج ر

(ض) (ن) تِجَارَةً سوداگری کرنا۔ تِجَارَةً اسم ذات بھی ہے۔ سوداگری۔ سرمایہ۔ بیوپار۔ آیت زیر مطالعہ۔

كَانُوا (ك و ن): البقرة آیت 10 دیکھیں۔

## ترکیب

أُولَئِكَ مبتداء ہے۔ اَلَّذِينَ موصول اور اِشْتَرَوْا الضَّلَلَةَ بِالْهُدَى جملہ فعلیہ اس کا صلہ ہے۔ موصول اور صلہ مل کر پورا جملہ اُولَئِكَ کی خبر ہے۔ رَبَّحْتُ (واحد مونث غائب کا صیغہ) فعل اور تَجَارَتُهُمْ اس کا فاعل ہے، آیت مبارکہ کے اس حصے کا ترجمہ ”اُن کی تجارت نے اُن کو نفع نہ دیا۔“ کرنا غلط ہے کیونکہ اس کی عربی یہ ہوتی فَمَا رَبَّحْتُهُمْ تَجَارَتُهُمْ۔ یہ عربی جملہ غلط ہے کیونکہ رَبَّحْتُ فعل لازم ہے اور اس کے ساتھ مفعول ہُمْ نہیں آ سکتا چنانچہ صحیح ترجمہ ہوگا اُن کی تجارت نفع بخش نہ ہوئی (واللہ اعلم)۔ ”ما“ نافیہ ہے اور کَانُوا میں شامل ہُمْ کی ضمیر کَانَ کا اسم ہے اور مُهْتَدِينَ اس کی خبر ہے اس لئے حالت نصب میں ہے۔ اِشْتَرَوْا دراصل اِشْتَرَوْا ہے۔ آگے ملانے کے لئے واو پر ضمہ (پیش) آئی ہے۔

ترجمہ	اُولَئِكَ	الَّذِينَ	اِشْتَرَوْا	الضَّلَلَةَ	بِالْهُدَى	فَمَا رَبَّحْتُ
البقرة: 16	یہ لوگ ہیں	جن لوگوں نے	خریدا	گمراہی کو	ہدایت کے بدلے	تو نفع بخش نہ ہوئی
	تَجَارَتُهُمْ	وَمَا كَانُوا	مُهْتَدِينَ ⑤			
	ان کی تجارت	اور وہ لوگ نہیں تھے	ہدایت پانے والے			

## نوٹ: 1

صلہ اور اس کا استعمال: عربی میں مفعول کے ساتھ صلہ کے استعمال کے متعلق ایک ابتدائی بات سمجھ لیں۔ آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ متعلق خبر اور متعلق فعل زیادہ تر مرکب جاری بن کر آتے ہیں۔ جیسے الرَّجُلُ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ۔ اس میں مرکب جاری فِي الْمَسْجِدِ متعلق خبر ہے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالسَّوِطِ اس میں مرکب جاری بِالسَّوِطِ متعلق فعل ہے۔

اب نوٹ کریں کہ یہی حروف جارہ کبھی مفعول کے ساتھ آتے ہیں تو انہیں صلہ کہتے ہیں۔ جو مفعول صلہ کے بغیر آتے ہیں انہیں مفعول بنفسہ کہتے ہیں۔ مفعول پر صلہ آنے کی وجہ سے معنی میں کچھ فرق پڑتا ہے۔ اس بات کو اب چند مثالوں سے سمجھ لیں۔ سَعَلْتُ زَيْدًا۔ اس میں زَيْدٌ مفعول ہے۔ اور بنفسہ آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے میں نے زید سے پوچھا۔ سَعَلْتُ عَنْ زَيْدٍ۔ اب زید کے ساتھ عَنْ کا صلہ آیا ہے۔ اور اب مطلب ہوگا میں نے زید کے بارے میں پوچھا۔ قرآن مجید میں ہے۔ ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي﴾ (البقرة: 186) اس میں جس سے پوچھا جارہا ہے، اس کیلئے ضمیر مفعولی ”ک“ بنفسہ آئی ہے۔ اور جس کے بارے میں پوچھا جارہا ہے اس کے لئے ضمیر مفعولی ”نِ“ ”عَنْ“ کے صلہ کے ساتھ آئی ہے۔ جبکہ عِبَادِي فاعل ہے۔ ترجمہ: ”اور جب میرے بندے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے بارے میں پوچھیں۔“

غَفَرْتُ لِلْوَلَدِ كَذِبَهُ۔ اس میں جس کو معافی دی جارہی ہے وہ اَلْوَلَدُ ہے اور اس کے ساتھ لام کا صلہ آیا ہے اور جو غلطی معاف کی جارہی ہے وہ كَذِبُهُ ہے۔ اور یہ بنفسہ آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے میں نے لڑکے کے لئے اس کا جھوٹ معاف کیا۔ قرآن مجید میں ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾ (39/ الزمر: 53) اس میں جو غلطی معاف کی جارہی ہے۔ وہ اَلذُّنُوبُ ہے جو بنفسہ آئی ہے۔ جَمِيعًا (کل کے کل) حرف تاکید ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ دوسری جگہ ہے۔ ﴿يَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ (61/ الف: 12) ”اس میں جس کو معافی دی جارہی ہے اس کے لئے ضمیر مفعولی ”کُمْ“ کے ساتھ لام کا صلہ آیا ہے۔ اور جو غلطی معاف کی جارہی ہے وہ ذُنُوبُكُمْ ہے جو بنفسہ ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ معاف کر دے گا تم لوگوں کے لئے تمہارے گناہ۔ ایک اور جگہ ہے۔ ﴿يَغْفِرُ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ﴾ (71/ نوح: 4) ”اب مطلب ہو گیا کہ وہ معاف کر دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں میں سے کچھ۔“

## نوٹ: 2

کوئی مفعول کب بنفسہ آتا ہے اور کب کس صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ اس بات کا علم ہمیں ڈکشنری سے ہوتا ہے۔ فعل اِشْتَرَى۔ يَشْتَرِي (افتعال) کے متعلق نوٹ کر لیں کہ خریدی جانے والی چیز کا ذکر اس میں بنفسہ آتا ہے۔ اور قیمت کے طور پر جو چیز دی جاتی اس پر ب کا صلہ آتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں الضَّلَلَةَ بنفسہ آیا ہے۔ اس لئے یہ چیز ہے جو خریدی گئی یعنی حاصل کی گئی۔ جبکہ اَلْهُدَى پر ب کا صلہ آیا ہے۔ اس لئے یہ وہ قیمت ہے جو ادا کی گئی۔ (واللہ اعلم)

## آیت: 17

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٍ لَا يَبْصُرُونَ ۖ﴾

م ث ل

- (ن) مَثَلًا کسی کے جیسا ہونا۔ مانند ہونا۔
- (ض) مُثَلَّةً مثالی سزا دینا۔ قتل کے بعد ناک کان وغیرہ اعضاء کاٹ دینا۔
- (ک) مَثُولًا فضیلت والا ہونا۔ کسی کے سامنے سیدھا کھڑا ہونا۔ ((مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُمَثَّلَ لَهُ الرَّجَالُ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) (حدیث)۔ ”جو پسند کرتا ہے کہ کھڑے رہیں اس کے لئے لوگ، تو اسے چاہیے کہ وہ بنا لے اپنا ٹھکانہ آگ میں۔“
- مِثْلُ اسم صفت ہے۔ مانند۔ مشابہ۔ ﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾ (2/ البقرة: 275) ”یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے کہا کچھ نہیں سوائے اس کے کہ خرید و فروخت سود کی مانند ہے۔“
- مَثَلٌ ج: اُمَثَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ اس سے مراد ہے ایسی بات جو کسی دوسری بات سے ملتی جلتی ہو اور ان میں سے کسی ایک کے ذریعے دوسری کا مطلب واضح ہو جاتا ہو۔ مثل مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
- (1) مثال یا مشابہت بیان کرنے کے لیے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبَ مَثَلٍ فَاذْكُرُوا لَهُ ط﴾ (22/ الحج: 73) ”اے لوگو ایک مثال دی جاتی ہے تو دھیان سے سنو اس کو۔“ ﴿وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝﴾ (14/ ابراہیم: 25) ”اور اللہ مثالیں دیتا ہے لوگوں کے لئے شاید وہ لوگ یاد دہانی حاصل کریں۔“
- (2) حالت، صفت یا کیفیت بیان کرنے کے لیے۔ مثلاً: ﴿لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ط﴾ (16/ النحل: 60) ”بری حالت ہے اُن لوگوں کی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔“ (ترجمہ ماجدئ) ”جو نہیں مانتے آخرت کو اُن کی بری مثال ہے۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”اُن لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بری صفیں ہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ یا فرمایا: ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ ط﴾ (47/ محمد: 15) ”جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اُس کی کیفیت یہ ہے کہ۔“ (ترجمہ ماجدئ) ”احوال اُس بہشت کا جس کا وعدہ ہوا ہے ڈرنے والوں سے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)
- (3) مَثَلٌ جب معرف باللّٰم ہو تو اس سے ”عظیم الشان صفت“ یا ”شان“ مراد لی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ایسا صرف دو جگہ ہے اور دونوں جگہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے: ﴿وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَى ط﴾ (16/ النحل: 60) ”اور اللہ کے لیے اعلیٰ صفات ثابت ہیں۔“ (ترجمہ ماجدئ) ﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَى فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط﴾ (30/ الروم: 27) ”اور اُس کی شان سب سے اُوپر ہے آسمان اور زمین میں۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”اور آسمانوں اور زمین میں اُس کی شان سب سے اعلیٰ ہے۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کے لیے مَثَلٌ کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے البتہ مِثْلٌ کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”لفظ مَثَلٌ بفتح میم و ثاء ہر ایسی چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو دوسرے سے کچھ مماثلت اور مناسبت رکھتی ہو بالکل اس جیسی ہونا اس کے مفہوم میں داخل نہیں اسی لیے حق تعالیٰ کے لیے

مَثَلٌ ہونا تو قرآن میں کئی جگہ آیا ہے، ایک یہیں (یعنی سورہ الروم آیت 27) دوسرے فرمایا ﴿مَثَلٌ نُورٌ كَمَشْكُوَةٍ﴾ لیکن مَثَلٌ اور مثال سے حق تعالیٰ کی ذات پاک اور وراء الوراء ہے۔ (واللہ اعلم) (معارف القرآن، ج ۶، ص ۷۳۸)۔ اسی طرح حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں: ”مَثَلٌ (بفتح تین) جس کے معنی مثال کے ہیں، اور معنی میں شریک فی الوصف کے ہے اس کا اللہ کے لیے لانا جائز ہے۔ اور اللہ کے مثل (بہ کسرہ میم) کا بیان کرنا، جس کے معنی شریک فی النوع کے ہیں، ناجائز۔ (تفسیر ماجدی، ص ۸۳۷)۔ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (42/ الشوریٰ: 11) ”اُس جیسی کوئی چیز نہیں۔“ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغب فرماتے ہیں: ”اب رہا یہ سوال کہ اگر یہاں مثل بمعنی مشابہ ہے تو پھر کاف تشبیہ کیوں لایا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کو تاکید فی غرض سے یک جا لایا گیا ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں نہ تو مَثَلٌ کا استعمال صحیح ہے اور نہ ہی کاف کا اس لیے یکبارگی دونوں کی نفی کر دی ہے۔“ (مفردات القرآن، ج ۲، ص: ۹۸۵)

ج: مَثَلَاتٌ۔ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ عبرتناک سزا۔ ایسی سزا جو انسان کو سب کے سامنے رسوا کر دے اور جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔ یہی معنی نکال کے بھی ہیں۔ ﴿وَقَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلَاتُ﴾ (13/ الرعد: 6) ”اور گزر چکی ہیں ان سے پہلے عبرتناک سزائیں۔“

امَثَلٌ۔ مونث: مَثَلٌ۔ اسم التفضیل ہے۔ زیادہ فضیلت والا۔ افضل واعلیٰ۔ خوب روشن، خوب واضح۔ ﴿إِذْ يَقُولُ امْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا﴾ (20/ طہ: 104) ”جب بولے گا اُن میں اچھی راہ روش والاتم نہیں رہے مگر ایک دن۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ ﴿يُرِيدُنَ أَنْ يُخْرِجُكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمْ وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَى﴾ (20/ طہ: 63) ”یہ دونوں چاہتے ہیں کہ نکال دیں تم لوگوں کو تمہاری زمین سے اپنے جادو سے اور لے جائیں تمہارے اعلیٰ طور طریقوں کو۔“

ج: تَمَثَّلٌ۔ اسم جامد ہے اور اسم ذات ہے۔ تصویر۔ کسی چیز کا مجسمہ۔ مورتی۔ تمثال کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تفسیر القرآن فرماتے ہیں: ”تمثال عربی زبان میں ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو کسی قدرتی شے کے مشابہ بنائی جائے، قطع نظر اس سے کہ وہ کوئی انسان ہو یا حیوان، کوئی درخت ہو یا پھول یا دریا یا کوئی دوسری بے جان چیز۔“ (تفسیر القرآن، ج ۲، ص ۱۸۰)۔ ﴿مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ﴾ (21/ الانبیاء: 52) ”کیا ہیں یہ مجسمے جن کیلئے تم لوگ اعتکاف کرتے ہو۔“

نوٹ: تَمَثَّلٌ، ت کی زبر کے ساتھ مصدر ہے اور تَمَثَّلٌ، ت کی زیر کے ساتھ تصویر کو کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن) کسی کے جیسا ہو جانا۔ کسی دوسرے کی صورت جیسا ہونا۔ مشابہ ہو جانا۔ کسی دوسرے کا سا کردار ادا کرنا۔ ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ (19/ مریم: 6) ”تو وہ اس کے لئے مکمل آدمی جیسا ہو گیا۔“

و ق د

(ض) وَقُودًا اور وَقْدًا۔ آگ کا بھڑکنا۔ چمکنا۔ جلنا۔  
اسم ذات ہے۔ ایندھن، جس سے آگ جلائی جاتی ہے۔ Fuel۔ ﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (2/ البقرة: 24) ”تو بچو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔“  
(افعال) اِيقَادًا۔ آگ کو بھڑکانا یا جلانا۔ کسی چیز کو چمکانا۔ ﴿كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ﴾ (5/ المائدہ: 64) ”جب کبھی وہ لوگ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کے لیے تو بجھا دیتا ہے اس کو اللہ۔“

مضارع مجہول ہے۔ جس کو بھڑکایا جاتا ہے یا جس کو جلایا جاتا ہے۔ ﴿كَانَهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ﴾ (24/ النور: 35) ”گویا ایک چمک دار ستارہ ہے، چراغ روشن کیا جاتا ہے ایک نہایت مبارک درخت یعنی زیتون سے۔“

يُوقَدُ

فعل امر ہے۔ توجلا۔ توبھڑکا۔ ﴿فَاَوْقَدُ لِي يَهَامُنْ عَلَى الظِّلِّينِ﴾ (28/ القصص: 38) ”تو اے ہامان میرے لیے مٹی کو آگ میں پکا۔“

اَوْقَدُ

اسم المفعول ہے۔ واحد مذکر۔ بھڑکایا ہوا۔

مُوقَدٌ

اسم المفعول ہے۔ واحد مؤنث۔ بھڑکائی ہوئی۔ ﴿كَانَ اللَّهُ الْبَاقِدُ﴾ (104/ الصم: 6) ”وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔“

مُوقَدَةٌ

آگ جلانا۔ سلگانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

(استفعال) اِسْتَيْقَادًا

ن و ر

روشن ہونا۔

نُورًا

(ن)

نُورٌ

ج: اَنُورًا۔ اسم ذات ہے۔ پھیلنے والی روشنی جو اشیاء کو دیکھنے اور سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ نور۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ نور کی دو قسمیں ہیں ایک ہے دنیاوی نور اور دوسرا ہے اخروی نور۔ دنیاوی نور کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق بصیرت سے ہے یعنی جو بصیرت سے دیکھا جاتا ہے جیسے عقل کا نور، علم کا نور، قرآن کا نور وغیرہ۔ اور دوسرا وہ جس کا تعلق نظر سے ہے یعنی جو آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے جیسے ستاروں، سورج اور چاند کا نور۔ چنانچہ وہ نور جس کا تعلق بصیرت سے ہے اس کے متعلق فرمایا ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ (5/ المائدہ: 15) ”بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آچکی ہے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ”نُورٌ سے اشارہ ہے رسالت محمدؐ کی جانب اور کِتَابٌ مُبِينٌ سے قرآن مجید کی جانب۔“ یا فرمایا: ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا النُّوْرَ فِيْهَا هُدًى وَنُورًا﴾ (5/ المائدہ: 44) ”بیشک ہم نے نازل کیا تورات کو اس میں ہدایت اور نور ہے۔“ یا فرمایا: ﴿اَوْ مَنْ كَانَ مِيْتًا فَاحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَّشْهِيْ بِهٖ فِي النَّاْسِ كَمَنْ قَتَلْتُمْ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ (6/ الانعام: 122) ”کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اُس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اُس کے لیے ایک نور بنا دیا کہ اُس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے وہ اُس کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہے (اور) اُن سے نکلنے نہیں پاتا۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ”نُورًا يَّشْهِيْ بِهٖ“ ضمیر اس نور کی طرف ہے اور نور سے مراد نورِ ایمان اور نورِ ہدایت ہے۔“ یا فرمایا: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَكَ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (39/ الزمر: 22) ”اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے۔ (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس نے ان باتوں سے کوئی سبق نہ لیا؟)۔“ (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ اور وہ نور جس کا تعلق ظاہری آنکھوں سے دیکھنے سے ہے اُس کے متعلق فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ﴾ (6/ الانعام: 1) ”تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے زمین اور آسمان بنائے، روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں۔“ (ترجمہ تفہیم القرآن) یا فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاً وَالْقَمَرَ نُورًا﴾ (10/ یونس: 5) ”وہ اللہ وہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ اور اخروی نور کے متعلق فرمایا: ﴿نُورُهُمْ يَسْعٰی بَيِّنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰتِنَا لَنَا نُورًا وَاعْفُ لَنَا﴾



(66/ التحريم: 8) ”اُنْ كَانُورٌ دُوْرٌ رَہَا ہُوْكَ اُنْ كَے سامنے اور اُنْ كَے داہنے اور وہ کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے پروردگار تو پورا کر دے ہمارے لیے ہمارے نور کو اور تو بخش دے ہمیں۔“

نَاوُ اسم ذات ہے۔ آگ۔ جہنم۔ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ (2/ البقرة: 39) ”اور جن لوگوں نے انکار کیا اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، وہ لوگ آگ والے ہیں۔“ ﴿اَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُورُوْنَ﴾ (56/ الواقعة: 71) ”اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو۔“

(افعال) اِنَارَةٌ روشن ہونا، چمکنا (لازم)۔ روشن کرنا۔ روشنی دینا۔ کسی چیز کو واضح کرنا۔ (متعدی)۔ درخت پر پھول آنا۔ خوبصورت ہونا۔

مُنِيْرٌ اسم الفاعل ہے۔ خود بھی روشن اور دوسروں کو روشن کرنے والا۔ ﴿وَ دَاعِيًا اِلٰى اللّٰهِ بِاٰذِنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾ (33/ الاحزاب: 46) ”اور اللہ کی طرف بلانے والا ہوتے ہوئے اس کی اجازت سے اور روشن کرنے والا چراغ ہوتے ہوئے۔“

## ض و ع

(ن) ضِيَاءٌ ، ضَوْءٌ روشن ہونا۔  
ضَوْءٌ ج: ضِيَاءٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ روشنی۔ ﴿مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (28/ القصص: 71) ”کون معبود ہے اللہ کے سوا جو لاتا ہے تم لوگوں کے لئے روشنیاں۔“  
(افعال) اِصْلَاحٌ روشن ہونا۔ روشن کرنا۔ (لازم و متعدی) ﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يَضِيْءُ﴾ (24/ النور: 35) ”قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے۔“

ضِيَاءٌ اور نُورٌ کا فرق آگے نوٹ 2 میں دیکھیں۔

## لَبَّأ

(1) حرفِ جازم ہے لہٰذا کی طرح فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے اور اس کو جزم دیتا ہے اور مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے جیسے ﴿وَلَبَّآ يَدُ خَلٍ اِلَیْمَانٍ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ط﴾ (الحجرات: 14) ”ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔“  
(2) حرف شرط ہے۔ ماضی کے دو جملوں پر آتا ہے۔ پہلا جملہ شرط اور دوسرا جزاء ہوتا ہے۔ لَبَّآ کی جزاء کا فعل ماضی ہونا بالاتفاق صحیح ہے بلکہ جمہور کے نزدیک شرط ہے جیسے ﴿فَلَبَّآ نَجَّیْکُمْ اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ط﴾ (بنی اسرائیل: 67) ”جب اُس نے بچا کر تم کو خشکی تک پہنچا دیا تو تم نے روگردانی کی۔“ کبھی لَبَّآ کی جزاء کے مقام پر ایسا جملہ اسمیہ واقع ہوتا ہے جس کا آغاز اِذَا فُجِّئَیْہ سے ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿فَلَبَّآ نَجَّیْہُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَاھُمْ یُشْرِکُوْنَ ط﴾ (العنکبوت: 65) ”جب اُس نے ان کو بچا کر خشکی تک پہنچا دیا تو ایک دم وہ شرک کرنے لگے۔“ یا اس کے شروع میں فاء ہوتی ہے جیسے ﴿فَلَبَّآ نَجَّیْہُمْ اِلَی الْبَرِّ فَبَیْنَهُمْ مَّقْتَصِدٌ ط﴾ (لقمان: 32) ”جب اس نے ان کو بچا کر خشکی تک پہنچا دیا تو ان میں سے کچھ لوگ سیدھی چال پر رہے۔“ اور کبھی لَبَّآ کی جزاء پر فعل مضارع آتا ہے جیسے ﴿فَلَبَّآ ذَهَبَ عَنْ اِبْرِہِیْمَ الرَّوْعُ وَ جَاءَتْہُ الْبُشْرٰی یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمٍ لُّوْطٍ ط﴾ (هود: 74) ”جب ابراہیم کے دل سے خوف جاتا رہا اور خوشخبری پہنچ گئی تو ہمارے فرشتوں سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے۔“

(3) کبھی لَبَّآ استثنائیہ بھی آتا ہے، اِلَّا کا ہم معنی، جیسے فرمایا: ﴿اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّبَّآ عَلَیْہَا حَافِظٌ ط﴾ (الطارق: 4) ”کوئی نفس نہیں مگر اس پر نگران (فرشتہ) مامور ہے۔“

(4) بعض لوگ قائل ہیں کہ لَبَّآ مصدر ہے اصل میں لَبَّآ تھا جس کی تین گرا دی گئی۔ اس کا معنی ہے جَمْعًا ”جمع کرنا۔“ (واللہ اعلم)

ح و ل

(ن)

حَوْلًا

کسی چیز کا متغیر ہونا یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا۔ دوسری چیزوں سے الگ ہونا۔ دو چیزوں کے درمیان حائل ہونا یا آڑ بن جانا۔ دو چیزوں کے درمیان حائل کرنا، جدائی ڈالنا۔ ﴿وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ﴾ (11/هود: 43) ”اور حائل ہوئی ان دونوں کے درمیان موج۔ ﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ﴾ (8/الانفال: 24) ”اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جایا کرتا ہے۔“ (ترجمہ حسن البیان)

جِبِلَّ

ماضی مجہول ہے۔ حائل کیا گیا۔ ﴿وَجِبِلَّ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ﴾ (34/سبا: 54) ”اور حائل کی گئی یعنی رکاوٹ ان کے اور جو وہ چاہتے تھے اس کے درمیان۔“

حَوْلٌ

اسم ظرف ہے۔ (1) کسی کے ارد گرد کی جگہ۔ ماحول۔ ﴿قَالَ لِمَنْ حَوْلُكَ أَلَا تَسْتَبْشِرُونَ﴾ (26/الشعراء: 25) ”اس نے کہا ان سے جو اس کے ارد گرد تھے کیا تم لوگ غور سے سنتے نہیں ہو؟۔“ (2) ایک سال۔ کیونکہ اس عرصہ میں زمین سورج کے ارد گرد اپنی حرکت یعنی گردش مکمل کرتی ہے۔ ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (2/البقرة: 233) ”اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال۔“

(3) حَوْلٌ کا لفظ مالی، بدنی اور جسمانی تینوں قسم کی قوت پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کا مطلب ہے اللہ کے سوا کچھ حیلہ اور قوت نہیں۔ (مفردات)

حَوْلٌ

مصدر ہے۔ پھرنا۔ پلٹنا۔ جگہ بدلنا۔ ﴿خُلِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حَوْلًا﴾ (18/الکہف: 108) ”ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ وہ اُن سے کہیں اور نکلنا چاہیں گے۔“ (ترجمہ ماجدئ)

حِيلَةً

اسم ذات ہے۔ مقصد تک پہنچنے کیلئے پوشیدہ حرکت۔ خفیہ تدبیر اچھی ہو یا بری۔ حضرت مولانا عبدالمجید دریا بادی فرماتے ہیں: ”حِيلَةً عربی میں تدبیر کے لیے عام ہے۔ اردو کے ”بہانہ“ کے مرادف نہیں۔“ ﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا﴾ (4/النساء: 98) ”وہ لوگ استطاعت نہیں رکھتے کسی خفیہ تدبیر کی اور نہ کوئی راستہ پاتے ہیں۔“

(تفعیل)

تَحْوِيلًا

کسی چیز کو متغیر کرنا یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا۔ تبدیل کرنا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔ ﴿فَلَا يَبْلُكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا﴾ (17/بنی اسرائیل: 56) ”اور وہ لوگ اختیار نہیں رکھتے تکلیف کو دور کرنے کا تم لوگوں سے اور نہ ہی تبدیل کرنے کا۔“

ذ ه ب

(ف)

ذَهَابًا

جانا۔ ﴿ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ط﴾ (11/هود: 10) ”گئیں بُرائیاں مجھ سے۔“ ذَهَبَ فعل لازم ہے جب اس کے ساتھ ’ب‘ تعدیہ آتا ہے تو مطلب ہوتا ہے لے جانا۔ ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَبْعِهِمْ وَأَبْصَارُهُمْ ط﴾ (2/البقرة: 20) ”اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے اُن کے سننے کی قوت اور اُن کی بینائی۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ عربی محاورے میں ذَهَابٌ نَفْسٍ سے موت مراد لی جاتی ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ ط﴾ (35/فاطر: 8) ”سو اُن پر افسوس کر کر کے کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان نہ جاتی رہے۔“ (ترجمہ ماجدئ)

إِذْهَبَ

فعل امر ہے۔ توجا۔ ﴿إِذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ﴾ (20/طہ: 24) ”آپ جاییے فرعون کی طرف۔“

ذَاهَبٌ	اسم الفاعل ہے۔ جانے والا۔ ﴿إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي﴾ (37/ الصافات: 99) ”میں جانے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔“
مَذْهَبٌ	اسم الظرف ہے۔ جانے کی جگہ یعنی راستہ۔ اعتقاد پر عمل کرنے کا طریقہ۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔
ذَهَبًا (س)	کان میں سونا دیکھ کر حیران ہونا۔ قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔
ذَهَبٌ	اسم ذات ہے۔ سونا۔ ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصَحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ﴾ (43/ الزخرف: 71) ”طواف کریں گے ان پر سونے کے پیالوں کے ساتھ۔“
إِذْهَابًا (افعال)	لے جانا۔ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ط﴾ (35/ فاطر: 34) ”اللہ کا شکر ہے جو لے گیا ہم سے غم کو۔“

لفظ اللہ کے لیے آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ت ر ك

تَرَكًا (ن)	کسی چیز کو چھوڑ دینا۔ ﴿لِلرَّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ﴾ (4/ النساء: 7) ”مردوں کے لیے ایک حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑا والدین نے۔“
أَتْرَكَ	فعل امر ہے۔ تو چھوڑ۔ ﴿وَاتْرِكِ الْبَهِرَ رَهَاطًا﴾ (44/ الدخان: 24) ”اور آپ چھوڑ دیں سمندر کو تھما ہوا۔“
تَارِكٌ	ج: تَارِكُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ چھوڑنے والا۔ ﴿أَيْنَمَا لَتَّارِكُونَ إِلَهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ط﴾ (37/ الصفت: 36) ”کیا ہم لوگ اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے ہیں ایک مجنون شاعر کے لیے۔“
يُتْرَكَ	مضارع مجہول ہے۔ اس کو چھوڑا جاتا ہے۔ وہ چھوڑا جائے گا۔ ﴿أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هُمْنَا أَمِينُونَ﴾ (26/ الشعراء: 146) ”کیا چھوڑیں رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے خوف۔“

ظ ل م

ظُلُمًا (ض)	اس کا اصل مفہوم ہے کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنا خواہ کی یا زیادتی کر کے یا اس کے صحیح وقت یا اصلی جگہ سے ہٹا کر۔ عربی میں اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔ وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ۔ پھر ظلم کا لفظ حق سے تجاوز کرنے، زیادتی کرنے، کمی کرنے، گھٹانے اور نقصان اٹھانے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ط﴾ (65/ الطلاق: 1) ”اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی حدود سے تو اس نے ظلم کیا اپنے آپ پر۔“ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ (4/ النساء: 40) ”بیشک اللہ ظلم نہیں کرتا ذرہ بھر بھی۔“ ﴿كَلِمَاتُ الْجَنَّتَيْنِ اتَتْ أَكْلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا﴾ (18/ الکہف: 33) ”دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کی پیداوار میں ذرا کمی نہ رہتی۔“ (ترجمہ جلدی)۔ اس آیت مبارکہ میں یہ لفظ کمی کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
ظُلْمٌ	(ظلم کی مزید تشریح آگے نوٹ 3 میں دیکھیں)۔
ظُلْمٌ	اسم ذات بھی ہے۔ زیادتی۔ ظلم۔ نقصان۔ خسارہ۔ ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (31/ لقمان: 13) ”بیشک شرک ایک عظیم ظلم ہے۔“
ظَلَمٌ	اسم فاعل ہے۔ ظلم کرنے والا۔ نا انصاف۔ نقصان اٹھانے والا۔ ﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (2/ البقرة: 229) ”اور جو تجاوز کرتے ہیں اللہ کی حدود سے تو وہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں۔“ مولانا

مودودیؒ فرماتے ہیں: ”ظالم کا لفظ نہایت معنی خیز ہے ”ظلم“ دراصل حق تلفی کو کہتے ہیں۔ ظالم وہ ہے جو کسی کا حق تلف کرے جو شخص خدا کی نافرمانی کرتا ہے، وہ درحقیقت تین بڑے بنیادی حقوق تلف کرتا ہے۔ اولاً خدا کا حق، کیونکہ وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے۔ ثانیاً اُن تمام چیزوں کے حقوق جن کو اس نے اس نافرمانی کے ارتکاب میں استعمال کیا اس کے اعضائے جسمانی، اس کے قوائے نفس، اس کے ہم معاشرت انسان، وہ فرشتے جو اس کے ارادے کی تکمیل کا انتظام کرتے ہیں، اور وہ اشیاء جو اس کام میں استعمال ہوتی ہیں، ان سب کا اس پر یہ حق تھا کہ وہ صرف ان کے مالک ہی کی مرضی کے مطابق ان پر اپنے اختیارات استعمال کرے۔ مگر جب اس کی مرضی کے خلاف اس نے ان پر اختیارات استعمال کیے، تو درحقیقت ان پر ظلم کیا۔ ثالثاً خود اپنا حق، کیونکہ اس پر اس کی ذات کا یہ حق ہے کہ وہ اسے تباہی سے بچائے، مگر نافرمانی کر کے جب وہ اپنے آپ کو اللہ کی سزا کا مستحق بناتا ہے، تو دراصل اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے، انہی وجوہ سے قرآن میں جگہ جگہ گناہ کے لیے ظلم اور گناہ گار کے لیے ظالم کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔“ (تفہیم القرآن ج ۱، ص ۶۶) ﴿وَيَا أَدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (۱۵) ﴿(7/ الاعراف: 19)﴾ ”اور اے آدم! رہو تم اور تمہاری بیوی جنت میں اور کھاؤ جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس (خاص) درخت کے ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے اپنا نقصان کرنے والوں سے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ”میرے نزدیک یہاں فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ کا ترجمہ اگریوں کیا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا ”پھر ہو جاؤ گے نقصان اٹھانے والوں میں سے۔“ ظلم کے معنی نقصان اور کمی و کوتاہی کے آتے ہیں جیسا کہ ﴿وَلَمْ تَظْلِمُ مِنْهُ شَيْئًا﴾ (الکہف: 33) میں۔“

ظَلُومٌ

فَعُولُ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بہت ظلم کرنے والا۔ ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ (14/ ابراہیم: 34) ”بیشک انسان بہت ظلم کرنے والا بڑا ناشکرا ہے۔“ صاحب لغات القرآن فرماتے ہیں: ”واضح رہے کہ قرآن مجید میں ”ظلم“ انسان کی صفت بیان ہوئی ہے اور انسان سے جنس انسان مراد ہے اور جب جنس کو مبالغہ کے صیغہ سے متعسف کیا جائے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ صفت اس جنس کے تمام افراد میں یا بعض میں مبالغہ ہی کے ساتھ پائی بھی جائے ہاں اگر پائی جائے تو بہتر ضرور ہے چنانچہ یہ بات یہاں بھی موجود ہے کہ اکثر افراد انسانی ظلم شدید کے مرتکب ہیں۔ تاہم یہ چیز ضروری اور لازمی نہیں ہے۔ اور روح المعانی میں ہے کہ شاید ”ظلم جہول“ (جیسے سورۃ الاحزاب آیت 72 میں فرمایا اِنَّكَ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا) سے یہ مراد ہو کہ جس کی شان ظلم کرنا اور جہالت ہو۔ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ حجتہ اللہ البالغہ میں رقمطراز ہیں: ”بلاشبہ ظلم (وہ) ہے جو عادل نہ ہو اور اس میں عدل کی صلاحیت موجود ہو۔ اور جہول یہ ہے کہ جو عالم نہ ہو اور اس کی شان یہ ہو کہ وہ عالم بن سکے۔“ (لغات القرآن، ج ۴، ص ۱۳۸)

ظَلَمٌ

فَعَالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بہت زیادہ ظلم کرنے والا۔ ﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَيَبْظُلُّهُمُ لِلْعَبِيدِ﴾ (3/ آل عمران: 182) ”اور یہ کہ اللہ ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے بندوں پر۔“ صیغہ مبالغہ میں نفی کر کے معمولی ظلم کی بھی شدید نفی کی گئی ہے۔ صاحب لغات القرآن فرماتے ہیں: ”واضح رہے کہ آیت شریفہ وَإِنَّ اللَّهَ لَيَبْظُلُّهُمُ لِلْعَبِيدِ اور اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر“ اور اسی طرح دیگر آیات میں کہ جہاں حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی سے نفی ظلم کے سلسلہ میں مبالغہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور ظَلَمٌ کا لفظ لایا گیا تو ظَلَمٌ میں مبالغہ کمیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ کیفیت کے لحاظ سے یعنی ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ ظلم نہیں کرتا اور تھوڑا کرتا ہے۔“ (لغات القرآن، ج ۴، ص ۱۳۱)

اسم التفضیل ہے۔ زیادہ ظالم۔ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا﴾ (18/ البقرة: 57) ”

اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس کو یاد دلائی گئیں اس کے رب کی آیات تو اس نے منہ موڑا ان سے۔“

(س) ظَلَمًا

تاریک ہونا۔ اندھیرا ہونا۔

ظُلُمَةً

ج: ظُلُمَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ تاریکی۔ اندھیرا۔ جہالت، شرک، فسق و فجور۔ محاورہ عرب میں یہ لفظ مصیبتوں، حادثات

اور آفات کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾

(2/ البقرة: 257) ”اللہ ولی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے وہ نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے نور کی طرف۔“

(افعال) اِظْلَامًا

اندھیرا اچھا جانا۔ اندھیرے میں ہونا۔ ﴿وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا﴾ (2/ البقرة: 20) ”اور جب اندھیرا اچھا جاتا ہے

ان پر تو کھڑے رہتے ہیں۔“

مُظْلِمٌ

ج: مُظْلِمُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ اندھیرے میں ہونے والا۔ تاریکی میں پڑا ہوا۔ ﴿وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ ۖ نَسْلَخُ مِنْهُ

النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ﴾ (36/ یٰسین: 37) ”اور نشانی ہے ان کے لئے رات، ہم کھینچ لیتے ہیں اس میں سے دن کو

تو وہ اندھیرے میں ہونے والے ہیں۔“

يُبْصِرُونَ (ب ص ر): البقرة آیت 7 دیکھیں۔

ترکیب

مَثَلُهُمْ مبتداء ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ ک حرف تشبیہ ہے اور مَثَلٌ اسم مجرور ہے اور مضاف ہے۔ الَّذِي اسم موصول ہے

اور اسْتَوْقَدُوا اصلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مضاف الیہ ہے مَثَلٌ کا۔ اور جار مجرور مل کر متعلق خبر ہے۔ مَثَلُهُمْ میں ’ہم‘ ضمیر گزشتہ آیات میں بیان

کردہ کافر، یہود اور منافقوں کے اُس گروہ کے لیے ہے جو بالآخر ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم) کَمَثَلِ الَّذِي فِيهِ مِنَ الظُّلُمَاتِ

بارے میں ہمارے بزرگوں کی دورائے ہیں اور اس کا ترجمہ بھی دونوں طرح کیا گیا ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ الَّذِي یہاں واحد استعمال ہوا ہے۔ اس

رائے کے مطابق جن بزرگوں نے ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہیں: ”ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی۔“ (حضرت شیخ الہند)۔ ”ان کی مثال ایسی ہے جیسے

ایک شخص نے آگ روشن کی۔“ (تفہیم القرآن) وغیرہ۔ اور زیادہ تر ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ الَّذِي یہاں بمعنی الظُّلُمَاتِ استعمال ہوا ہے

کیونکہ اس کے بعد ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ میں ’ہم‘ جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔ الَّذِي کا لفظ جمع کے معنوں میں قرآن مجید میں اور جگہ بھی استعمال ہوا ہے مثلاً:

﴿وَحُضِّنْتُمْ كَالَّذِي خَاصُّوا﴾ (التوبة: 69) ”اور تم لوگ بھی گھسے جیسے وہ لوگ گھسے تھے۔“ اور ﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾

(الزمر: 33) ”اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور خود بھی اُس کو سچ جانتا تو یہی لوگ تو پرہیزگار ہیں۔“ دونوں جگہ الَّذِي جمع کے معنوں میں ہے۔ گویا آیت

زیر مطالعہ ان معنوں میں ہے۔ مَثَلٌ قِصَّتِهِمْ كَمَثَلِ قِصَّةِ الَّذِينَ اسْتَوْقَدُوا نَارًا (ابن کثیر)۔ ہمارے بزرگوں نے اس ترکیب کے لحاظ سے بھی ترجمہ

کیا ہے۔ مثلاً ”ان کی (عجیب) مثال تو ان کی سی (عجیب) مثال ہے جنہوں نے آگ جلائی.....“ (ماجدی) (واللہ اعلم)۔ لَبَّأ حرف شرط ہے اور اَضَاءَتْ مَا

حَوْلَهُ شرط ہے۔ ذَهَبَ اللَّهُ سے اخیر تک جواب شرط ہے۔ اَضَاءَتْ میں ضمیر فاعلی ہی، نَارٌ یعنی آگ کے لئے ہے۔ ”مَا“ اسم موصول ہے اور حَوْلَهُ اس کا

صلہ اور دونوں مل کر مفعول بہ ہیں اَضَاءَتْ کا۔ حَوْلَهُ میں ضمیر ’ہ‘ الَّذِي اسْتَوْقَدُوا نَارًا کے لیے ہے یعنی وہ شخص جس نے آگ جلائی۔ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ

میں ذَهَبَ فعل لازم ہے اور اللہ اس کا فاعل۔ بِنُورِهِمْ میں ’ب‘ تعدیہ کا ہے جو فعل لازم کو متعدی کر دیتا ہے اس لیے ہم ترجمہ کریں گے کہ اللہ اُن کے نور کو لے

گیا۔ تَرَكَ میں ضمیر فاعلی ہو، اللہ کے لئے ہے اور ہُمْ اس کا مفعول۔ فِي ظُلُمَاتٍ متعلق فعل ہے۔ لَا يَبْصِرُونَ پورا جملہ فعلیہ حال ہے جو مَثَلُهُمْ میں ہُمْ

کی حالت بیان کر رہا ہے۔

مَثَلُهُمْ	كَمَثَلِ الْآيَةِ	اسْتَوْفَدَ نَارًا	فَكَلِمًا أَضَاءَتْ
ان لوگوں کی مثال	اس شخص کی مثال کی مانند ہے جس نے	جلایا آگ کو	پھر جب اس نے روشن کیا
مَا حَوْلَهُ	ذَهَبَ اللَّهُ	بِنُورِهِمْ	وَتَرَكَهُمْ
اس کو جو اس کے ارد گرد تھا	تو اللہ لے گیا	ان کا نور	اور اس نے چھوڑ دیا ان کو
فِي ظُلُمَاتٍ		لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾	
اندھیروں میں		اس حال میں کہ وہ لوگ نہیں دیکھتے	

## نوٹ: 1

حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ تشبیہ اور تمثیل کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”تمثیل اگرچہ تشبیہ ہی کی نوعیت کی ایک چیز ہے لیکن تشبیہ اور تمثیل میں بڑا فرق ہے۔ ایک عام تشبیہ میں اصلی نگاہ مشبہ اور مشبہ بہ پر ہوتی ہے ان دونوں کے اجزا کو الگ الگ ایک دوسرے کے مقابل میں رکھ کے دیکھا جاتا ہے کہ ان میں باہم دگرگنتی مشابہت و مطابقت پائی جاتی ہے اور پھر اسی مطابقت و مشابہت کے لحاظ سے اس تشبیہ کا حسن و قبح متعین ہوتا ہے لیکن تمثیل میں اجزا کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی بلکہ اس میں صورت واقعہ کو صورت واقعہ سے تشبیہ دی جاتی ہے اگر ایک صورت حال اور دوسری صورت حال میں پوری پوری مطابقت موجود ہے اور تمثیل صورت حال کی پوری تصویر نگاہوں کے سامنے پیش کر رہی ہے تو وہ تمثیل مکمل ہے، اگرچہ تشبیہ کے وہ تمام ضوابط اس پر منطبق نہ ہو رہے ہوں جو ایک تشبیہ کے مکمل ہونے کے لیے اہل فن نے ضروری قرار دیے ہیں۔ (تدبر قرآن، ج ۱، ص: ۱۲۹)

## نوٹ: 2

نور اور ضیاء میں فرق: حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ”بعض کے نزدیک ”نور“ عام ہے ”ضیاء“ سے۔ ”ضیاء“ خاص اُس نور کو کہتے ہیں جو زیادہ تیز اور چمکدار ہو بعض نے کہا کہ جس کی روشنی ذاتی ہو، وہ ضیاء اور جس کی دوسرے سے مستفاد (کسی دوسرے سے فائدہ حاصل کرنا) ہو، وہ ”نور“ ہے سورج کی روشنی عالم اسباب میں کسی دوسرے کرہ سے حاصل نہیں ہوئی۔ چاند کی روشنی البتہ سورج سے مستفاد ہے۔ اور بعض محققین نے دونوں میں یہ فرق بتلایا ہے کہ ”نور“ مطلق روشنی کو کہتے ہیں ”ضیاء“ اور ”ضوء“ اُس کے انتشار (پھیلاؤ) کا نام ہے سورج کی روشنی کا پھیلاؤ چونکہ زیادہ ہے اس لیے ”ضیاء“ سے تعبیر فرمایا۔“ (واللہ اعلم) (تفسیر عثمانی، ص ۲۷۶)۔ مولانا عبدالمجید ریابادیؒ فرماتے ہیں: ”ضیاء“ وہ روشنی ہے جو اپنی ذاتی، مستقل حیثیت رکھتی ہو۔ نور وہ روشنی ہے جو ضیاء سے مستعار (مانگا ہوا، ادھار لیا ہوا) ہو۔ اس کا انعکاس (عکس) ہو۔ قرآن مجید نے (چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے عرب کے ایک امی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن نے) دو لفظ الگ الگ لا کر جدید سائنس کے اس بیان پر مہر تصدیق لگا دی کہ چاند بذات خود بے نور ہے، اس میں چمک دک جو کچھ ہے وہ سورج کے عکس سے ہے۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۴۶۶)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ سورہ یونس کی آیت 5 کے تحت فرماتے ہیں: ”یہاں ایک امر غور طلب ہے کہ سورج کی روشنی کے لیے ضیاء کا لفظ اور چاند کی روشنی کے لیے نور کا لفظ استعمال فرمایا اس کی حکمت یہ ہے کہ ضیاء اس روشنی کو کہتے ہیں جو ذاتی ہو اور نور اس کو کہتے ہیں جو ذاتی نہ ہو بلکہ کسی دوسری چیز سے حاصل ہو۔ کیونکہ سورج کی روشنی ذاتی ہے اس لیے اس کے لیے ضیاء کا لفظ استعمال کیا اور قمر کی روشنی سورج سے مستفاد ہے اس لیے اس کے لیے نور کا لفظ مستعمل ہوا۔“ (واللہ اعلم)۔ (ضیاء القرآن، ج ۲، ص: ۳۸۰)۔ ”ضیاء میں روشنی کے ساتھ تپش کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور نور ٹھنڈی روشنی کو کہتے ہیں۔“ (تدبر قرآن)۔

## نوٹ: 3

ظلم: جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا کہ کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنے یا اس کی مخصوص جگہ سے ناجائز طریقے سے ہٹا دینے کا نام ظلم ہے۔ اسی سے عربی کا محاورہ ہے، ظَلَمْتُ السَّقَاءَ یعنی میں نے مشکیزے کے دودھ کا بے وقت استعمال کیا۔ ”سقاء“ اس مشکیزہ کو کہتے ہیں جس میں پانی اور دودھ وغیرہ رکھا جائے۔ جب مشکیزے میں دودھ کو دہی جمانے کی غرض سے رکھا جائے اور دہی بننے سے پہلے ہی اس کو پی لیا جائے تو ایسے موقع پر یہ محاورہ بولتے ہیں۔ استعمال شدہ دودھ ظَلِيمٌ کہلاتا ہے۔ اسی طرح عربی میں ظَلَمْتُ الْأَرْضَ کے معنی ہیں میں نے زمین کو ایسی جگہ سے کھودا جہاں سے کھودنا نہیں چاہیے تھا۔ وہ جگہ مَظْلُومَةٌ کہلاتی ہے اور جوٹی اس زمین سے نکلتی ہے وہ بھی ظَلِيمٌ کہلاتی ہے۔ ظلم کی ضد عدل ہے جو چیز بھی عدل و انصاف کے منافی ہوگی یا حق سے تجاوز ہوگی

وہ ظلم ہوگا۔ گویا ظلم کے لفظ کا دائرہ استعمال بہت وسیع ہے۔ چنانچہ کسی بھی چیز میں کمی و بیشی ہو اور اس کی یا بیشی کی مقدار کم ہو یا زیادہ کسی بھی قسم کا حق سے تجاوز ہو خواہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر، اس پر ظلم کا اطلاق ہوتا ہے۔ پھر یہ لفظ مادی اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مادی لحاظ سے اس کی مثال الکھف کی آیت 33 ہے۔ علمائے کرام نے ظلم کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ (1) وہ ظلم جو انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی قسم شرک ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان: 13) ”شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“ شرک کو اس لیے ظلم کہتے ہیں کیونکہ اس میں مشرک خالق حقیقی کو معبود بنانے کی بجائے مخلوق کو معبود بٹھراتا ہے۔ گویا کسی شے کو اپنی اصل جگہ پر رکھنے کی بجائے غلط جگہ پر رکھنے کی یہ بدترین مثال ہے۔ اسی طرح کفر و نفاق اور اللہ پر جھوٹ باندھنا بھی وہ ظلم ہے جو انسان اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ (2) وہ ظلم جو انسان ایک دوسرے پہ کرتا ہے۔ مثلاً: ﴿إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط﴾ (الشوری: 42) ”ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔“ ﴿وَمَنْ قَتَلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لوكَيْهِ سُلْطٰنًا﴾ (بنی اسرائیل: 33) ”اور جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے۔“ (3) وہ ظلم جو انسان خود اپنے آپ پر کرتا ہے۔ ﴿فَإِنَّهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ﴾ (فاطر: 32) ”اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے۔“ ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي﴾ (القصص: 16) ”پھر وہ کہنے لگا: اے میرے رب، میں نے اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا، مجھے معاف کر دے۔“ علمائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ یہ تینوں قسم کے ظلم اصل میں وہ ظلم ہیں جو انسان اپنے آپ پر ہی کرتا ہے اسی لیے قرآن حکیم میں کئی جگہ فرمایا: ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ (النحل: 33) ”اُن پر اللہ نے ذرا بھی ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔“ ﴿وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ (البقرة: 57) ”اور انہوں نے ہم پر زیادتی نہیں کی بلکہ اپنی ہی جانوں پر زیادتی کرتے تھے۔“ آخرت میں سزا کے لحاظ سے بھی ظلم کی تین قسمیں ہیں۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”ظلم کی ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا، دوسری قسم وہ ہے جس کی مغفرت ہو سکے گی، اور تیسری قسم وہ ہے کہ جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ لیے بغیر نہ چھوڑے گا۔ پہلی قسم کا ظلم شرک ہے، دوسری قسم کا ظلم حقوق اللہ میں کوتاہی ہے، اور تیسری قسم کا ظلم حقوق العباد کی خلاف ورزی ہے۔“ (ابن کثیر بحوالہ مسند بزار، بحوالہ معارف القرآن، ج ۲، ص: ۵۵۰)۔

### آیت: 18

﴿صُمُّ بَكْمٌ عُمًى فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝۱۸﴾

ص م م

(س) صَمًّا اونچا سننا یا بالکل نہ سننا۔ بہرا ہونا۔ ﴿وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةً فَعَبَّوْا وَصَبُّوا﴾ (5/ المائدہ: 71) ”اور ان لوگوں نے گمان کیا کہ کوئی آزمائش نہ ہوگی تو وہ لوگ اندھے اور بہرے ہوئے۔“

صَمًّا ج: صُمُّ - أَفْعَلُ الوان و عیوب ہے بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ بہرا۔ ﴿مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَى وَالْأَصْبَحِ﴾ (11/ ہود: 24) ”دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرہ۔“ ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝﴾ (8/ الانفال: 22) ”بیشک جانداروں میں بدترین، اللہ کے نزدیک، بہرے گوئے ہیں جو عقل استعمال نہیں کرتے۔“

(افعال) اَصْبَمًا کسی کو بہرا کرنا۔ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ۝﴾ (47/ محمد: 23) ”وہ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی پس اس نے انہیں بہرا کیا اور ان کی بصارت کو اندھا کیا۔“

ب ك م

(س) بَكْمًا گونگا ہونا۔

ج: بُكْمٌ۔ اَفْعَلُ الوان وعیوب ہے بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ گونگا۔ اوپر آیت نمبر (8/ الانفال: 22)

اَبْكُم

ع م ی

(س) عی

عِی کا لفظ ظاہری آنکھوں اور بصیرت، دونوں قسم کے اندھے پن کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً ظاہری آنکھوں کے اندھے پن کے لیے فرمایا: ﴿اَنْ جَاءَكَ الْاَعْمٰی ط﴾ (عس: 2) ”اس بات پر کہ اُن کے پاس نابینا آیا۔“ یا فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَ الْبَصِیْرُ ط﴾ (الرعد: 16) ”آپؐ کیسے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے۔“ (ترجمہ ماجدئ) اور بصیرت کے اندھے پن کے لیے فرمایا: ﴿وَحَسِبُوْا اَلَّا تَكُوْنُوْنَ فِتْنَةً فَعَمَّوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ثُمَّ عَمَّوْا وَصَمُّوْا کَثِیْرًا مِّنْهُمْ ط﴾ (المائدہ: 71) ”اور گمان یہی کرتے رہے کہ وہ بال کچھ نہ پڑے گا سو اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی پھر بھی اُن میں کے بہت سے اندھے اور بہرے ہی رہے۔“ (ترجمہ ماجدئ) حاشیے میں حضرت فرماتے ہیں: ”عَمَّوْا عَنِ الْهُدٰی وَ صَمُّوْا عَنْ سَمَاعِ الْحَقِّ“ یعنی ہدایت سے اندھے ہو گئے اور حق سننے سے بہرے ہو گئے۔“ یا فرمایا: ﴿وَمَا اَنْتَ بِهٰدِی الْاَعْمٰی عَنْ صَلٰتِهِمْ ط﴾ (النمل: 81) ”اور آپؐ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے راستہ دکھانے والے نہیں۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔ بلکہ اُن کی آیت 46 میں بصارت اور دل، دونوں کے لیے تَعْمٰی کا لفظ استعمال ہوا ہے ﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمٰی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمٰی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ط﴾ (الحج: 46) ”اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں اَلْعَمٰی کی مذمت آئی ہے وہاں بصیرت کا اندھا پن مراد لیا گیا ہے اور بصیرت کے اندھے پن سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص حق کو نہ پہچانے اور شک اور شبہ میں مبتلا ہو جائے۔ (واللہ اعلم)۔ عِی عَلَیْہ کے معنی ہیں کہ اس پر فلاں معاملہ اس طرح غیر واضح اور مشتبہ ہو گیا ہے کہ گویا وہ اس سے اندھا ہے اور اسے کچھ بھائی نہیں دیتا یعنی اسے کچھ سمجھ نہیں آتی۔ ﴿فَعَبِیْتُ عَلَیْهِمُ الْاَنْبَاۃَ یَوْمَیْنِ ط﴾ (28/ القصص: 66) ”تو اس روز ان پر تمام خبریں اندھی ہو جائیں گی۔“

عِی

مصدر کے علاوہ اسم ذات کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ مراد ہے اندھا پن۔ نابینائی۔ ﴿وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْ اٰذَانِهِمْ وَقُرْءَانٌ هُوَ عَلَیْهِمْ عَمٰی ط﴾ (41/ حم السجده: 44) ”اور جو یقین نہیں لاتے اُن کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ قرآن اُن کے حق میں اندھا پا ہے۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”اور جو ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں تو بہرہ پن اور بوجھ ہے اور یہ اُن پر اندھا پن ہے۔“ (ترجمہ احسن البیان)

اَعْلٰی

ج: عُمٰی اور عُمِیَانٌ۔ اَفْعَلُ الوان وعیوب ہے۔ بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ اندھا۔ ﴿مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ کَالْاَعْمٰی وَالْاَصْمٰی وَالْبَصِیْرِ وَالسَّمِیْعِ ط﴾ (11/ ہود: 24) ”دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرہ اور ایک دیکھنے والا اور سننے والا ہو۔“ عُمٰی آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِآیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخْرُوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَ عُمِیَانًا ط﴾ (25/ الفرقان: 73) ”اور وہ لوگ کہ جب اُن کو سمجھائیے اُن کے رب کی باتیں، نہ پڑیں اُن پر بہرے اندھے ہو کر۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔

عَمِ یَا عِی

ج: عَمُّوْنَ اور عَمِیْنٌ۔ اصل میں عِی تھا۔ قاعدے کے اطلاق کے بعد عِی ہو گیا (حالت رفع)۔ فَعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ اندھا۔ ﴿بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ط﴾ (27/ النمل: 66) ”بلکہ یہ اس کی طرف سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔“ ﴿اِنَّهُمْ کَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنًا ط﴾ (7/ الاعراف: 64) ”بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے۔“ (دونوں ترجمے تفسیر ماجدئ سے لکھے گئے ہیں)۔



- (افعال) اِعْمَاءٌ اندھا کر دینا۔ ﴿اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاصْبِرْ لَهُمْ وَاَعْلَىٰ اَبْصَارُهُمْ ۝﴾ (47/ محمد: 23) ”یہی لوگ تو ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے سو انہیں بہرہ کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔“ باب افعال کے پہلے صیغے میں مادہ ع م ی کی اصلی شکل اَعْمَى ہوتی ہے جو قاعدہ کے تحت تبدیل ہو کر اَعْلَى ہو جاتی ہے۔ اَفْعَلُ کے وزن پر اس کی اصلی شکل اَعْمَى ہوتی ہے اور یہ بھی تبدیل ہو کر اَعْلَى ہو جاتی ہے۔ ان میں تیز عبارت کے سیاق و سباق سے ہوتی ہے۔
- (تفعیل) تَعْيِيَةً اندھا کر دینا۔ چھپا دینا۔ کسی چیز کی حقیقت کو پوشیدہ کر دینا۔ ﴿وَ اٰثِنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِيْ فَعَيِّتْ عَلَيْكُمْ ط﴾ (11/ ہود: 28) ”اور اس نے یعنی اللہ نے دی مجھ کو رحمت اپنے پاس سے تو وہ پوشیدہ کر دی گئی تم لوگوں پر۔“ (نوٹ: اندھے پن کے لیے قرآن مجید میں جو مختلف الفاظ آئے ہیں، اس کے لیے آیت 15 کے تحت نوٹ 3 بھی دیکھ لیں)۔

ر	ج	ع
---	---	---

اس مادہ سے مندرجہ ذیل مصادر استعمال ہوئے ہیں۔

- (ض) (ا) رُجُوعًا (لازم) لوٹنا، پلٹنا، واپس ہونا۔ ﴿وَلَبَّآ رَجَعٌ مُّؤْتَىٰ اِلٰی قَوْمِهِ﴾ (7/ الاعراف: 150) ”اور جب واپس ہوئے موئیٰ اپنی قوم کی طرف۔“
- (ب) رَجَعًا (متعدی) کسی کو لوٹانا، پلٹانا، واپس کرنا۔ ﴿فَرَجَعْنَاكَ اِلٰی اُمِّكَ﴾ (20/ طہ: 40) ”اور ہم نے واپس کیا آپ کو آپ کی والدہ کی طرف۔“
- (ج) مَرَجَعًا (1) مصدر میمی ہے۔ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ واپس ہونا۔ واپس کرنا۔ لوٹنا۔ ﴿اِلٰی اللّٰهِ مَرَجِعُكُمْ ۝﴾ (11/ ہود: 4) ”اللہ کی طرف ہے تم کو لوٹ کر جانا۔“ (2) یہ ظرف مکان بھی ہے مَفْعَلُ کے وزن پر۔ مطلب ہے لوٹنے کی جگہ۔
- (د) رُجُعِي (لازم) یہ بھی مصدر ہے۔ پھرنا۔ لوٹنا۔ فُعْلٰی کے وزن پر بھی اکثر مصادر آتے ہیں۔ یہی وزن (فُعْلٰی) فعل التفضیل میں واحد مؤنث کا بھی ہے۔ ﴿اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرَّجْعٰی ۝﴾ (96/ اعلق: 8) ”بے شک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے۔“
- رَجْعٌ اسم ذات ہے۔ (ا) واپسی۔ ﴿ذٰلِكَ رَجْعُكَ بَعِيْدٌ ۝﴾ (50/ ق: 3) ”وہ دور کی واپسی ہے۔ یعنی محال ہے۔“ (2) بارش (کیونکہ سمندر کا پانی اس کی طرف واپس آتا ہے)۔ ”رَجْعٌ کے لغوی معنی ہیں، لوٹنا۔ پلٹنا۔ بارش بھی بار بار اور پلٹ پلٹ کر ہوتی ہے، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بادل، سمندروں سے ہی پانی لیتے ہیں اور پھر وہی پانی زمین پر لوٹا دیتے ہیں، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کہا۔ بعض کہتے ہیں بطور تفاؤل عرب بارش کو رَجْعٌ کہتے تھے تاکہ وہ بار بار ہوتی رہے۔“ (فتح القدیر بحوالہ تفسیر احسن البیان، ص ۱۷۰۸)۔ ﴿وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝﴾ (86/ الطارق: 11) ”قسم ہے بارش والے آسمان کی۔“ حضرت مولانا مودودی فرماتے ہیں: ”آسمان کے لیے ذات الرجیع کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ رَجْعٌ کے لغوی معنی تو پلٹنے کے ہیں، مگر مجازاً عربی زبان میں یہ لفظ بارش کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ بس ایک ہی دفعہ برس کر نہیں رہ جاتی بلکہ بار بار اپنے موسم میں اور کبھی خلاف موسم پلٹ پلٹ کر آتی ہے اور وقتاً فوقتاً برسی رہتی ہے۔ ایک اور وجہ بارش کو رَجْعٌ کہنے کی یہ بھی ہے کہ زمین کے سمندروں سے پانی بھاپ بن کر اٹھتا ہے اور پھر پلٹ کر زمین ہی پر برستا ہے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۳۰۵)
- رَجْعٌ ج: اَرْجِعُوا۔ فعل امر ہے۔ تم واپس ہو۔ پلٹو۔ ﴿وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمْ اِجْعُوا فَاِجْعُوا﴾ (24/ النور: 28) ”اور اگر کہا جائے تم لوگوں سے کہ واپس جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔“

ج: رَاجِعُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واپس ہونے والا۔ ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط﴾ (2/ البقرة: 156)  
 ”ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہم اس کی طرف ہی پلٹنے والے ہیں۔“

(تفاعل) تَرَاجَعًا باہم مل جانا۔ باہم رجوع کرنا۔ اپنی اپنی جگہ واپس ہونا۔ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا﴾ (2/ البقرة: 230)  
 ”تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر کہ وہ باہم مل جائیں۔“

صُمُّ، بُكْمٌ اور عُمًى یہ تینوں خبر ہیں اور ان کا مبتداء هُمْ محذوف ہے۔ لَا يَرْجِعُونَ جملہ فعلیہ اپنے مبتداء فَهُمْ کی خبر ہے۔

ترکیب

ترجمہ	صُمُّ	بُكْمٌ	عُمًى	فَهُمْ	لَا يَرْجِعُونَ ط
البقرة: 18	(وہ) بہرے ہیں	گونگے ہیں	اندھے ہیں	پس وہ لوگ	نہیں پلٹیں گے

## آیت: 19

﴿أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۗ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝۱۹﴾

ص و ب

(ن) صَوْبًا اوپر سے اترنا۔ بارش برسنا (ٹھیک مقدار میں)  
 صَيْبٌ دراصل صَوْبٌ (بارش) سے فَعِيلٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ زور کی بارش۔ Rain Storm۔ اصل میں صَوَيْبٌ تھا۔ ’و‘، ’ی‘ میں تبدیل ہوگئی اور پھر ادغام ہو کر صَيْبٌ بن گیا۔ آیت زیر مطالعہ۔  
 ٹھیک جگہ اترنا۔ نشانہ پر لگنا۔  
 (ض) صَيْبًا اسم ذات ہے۔ ٹھیک بات۔ ﴿لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا ط﴾ (78/ النبا: 38) ”وہ لوگ بات نہیں کریں گے سوائے اس کے جسے اللہ اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے گا۔“  
 (افعال) إِصَابَةً پالینا۔ پکڑ لینا۔ ارادہ کرنا۔ ٹھیک نشانے پر لگنا۔ ٹھیک جگہ پر پہنچنا۔ (اس کا استعمال خیر اور شر، دونوں طرح کے اوپر سے ٹپک پڑنے والے حادثات و واقعات کے لئے ہوتا ہے)۔ ﴿مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۚ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنَ نَفْسِكَ ط﴾ (4/ النساء: 79) ”جو پہنچی تم کو کوئی بھلائی تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچی تم کو کوئی برائی تو وہ تمہاری اپنی طرف سے ہے۔“ أَصَابَ کے ساتھ جب ’ب‘ تعدیہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کہ ٹھیک نشانے پر پہنچانا۔  
 ڈالنا۔ ﴿قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ ط﴾ (7/ الاعراف: 156) ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا عذاب میں اُسی پر واقع کرتا ہوں جس کے لیے میں چاہتا ہوں۔“  
 يُصِيبُ مضارع مجزوم ہے۔ ﴿إِنْ تُصِيبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ط﴾ (9/ التوبة: 50) ”اگر پہنچتی ہے تم کو کوئی بھلائی تو ان لوگوں کو برا لگتا ہے۔“

ج: مَصَائِبٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ اصل میں تو اس تیر کو کہتے ہیں جو ٹھیک نشانے پر جا کر بیٹھے۔ عربی میں ایسے تیر کو سہمٌ مَصِيبٌ کہتے ہیں۔ اس کے بعد عرف عام میں ہر حادثہ اور واقعہ کے ساتھ یہ لفظ مخصوص ہو گیا۔ ٹھیک نشانے پر لگنے

والی۔ ناگہانی آفت۔ غم۔ تکلیف۔ ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ط﴾ (64/التغابن: 11) ”نہیں پہنچتی کوئی آفت مگر اللہ کی اجازت سے۔“ فقہ کی اصطلاح میں غور و فکر اور اجتہاد کے نتیجے میں صحیح رائے تک پہنچنے والے کو مُصِيب اور غلط رائے پر پہنچنے والے کو مُخْطِئ کہہ دیتے ہیں۔

الْسَّمَاءِ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ظَلُمْتُ (ظ ل م): البقرة آیت 17 دیکھیں۔

ر ع د

(ف۔ن) رَعْدًا بادل کا گرجنا۔ کڑکنا۔  
رَعْدٌ اسم ذات ہے۔ بادل کی گرج۔ کڑک۔ Thunder۔ اس کا تعلق سننے سے ہے۔ رَعْدُ اس فرشتے کا نام بھی ہے جو بارش برسانے پر مامور ہے۔

ب ر ق

(ن) بَرَقًا چمکنا۔ کسی چیز کا جگمگانا۔  
(س) بَرَقًا چندھیا جانا۔ حیران ہونا۔ ﴿فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ط﴾ (75/القیامۃ: 7) ”تو جب چندھیا جائے گی آنکھ۔“ بَرَقٌ کے معنی بجلی کے ہیں اور اسی اعتبار سے اس کے معنی ’چمکنے‘ کے آنے لگے۔ لیکن جب آنکھ کے ساتھ اس کا استعمال ہو (باب سمع میں) تو اس کے معنی خوف اور دہشت سے پتلیوں کے پھرنے، نظر کے چندھیا جانے اور خیرہ ہونے کے آتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ سورة القیامۃ کی آیت 7 کے تحت فرماتے ہیں: ”اصل میں بَرَقَ الْبَصَرُ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کے لغوی معنی بجلی کی چمک سے آنکھوں کے چندھیا جانے کے ہیں۔ لیکن عربی محاورے میں یہ الفاظ اسی معنی کے لیے مخصوص نہیں ہیں بلکہ خوف زدگی، حیرت، یا کسی اچانک حادثہ سے دوچار ہو جانے کی صورت میں اگر آدمی ہک دک رہ جائے اور اس کی نگاہ اُس پریشان کن منظر کی طرف جم کر رہ جائے جو اس کو نظر آ رہا ہو تو اس کے لیے بھی یہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔“ (تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۱۶۵)

بَرَقٌ اسم ذات ہے۔ بجلی کی چمک۔ Lightning۔ اس کا تعلق دیکھنے سے ہے۔  
ج: أَبَارِقُ۔ اسم ذات ہے۔ جگ۔ ایسا برتن جس کا دستہ اور ٹوٹی ہو۔ آفتابہ (ماجدی، نباء القرآن) ﴿يُطَوِّفُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ مُخَلَّدُونَ ط﴾ (56/الواقعة: 17-18) ”طواف کریں گے ان پر ہمیشہ رہنے والے لڑکے آنجوروں اور آفتابوں کے ساتھ۔“

اِسْتَبْرَقٌ ریشم کا بنا ہوا موٹا کپڑا۔ گاڑھا ریشم۔ Thick Silk۔ اس کا ہمزہ، ہمزۃ القطع ہے۔ ﴿وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَ اِسْتَبْرَقٍ ط﴾ (18/الکہف: 31) ”اور وہ لباس پہنیں گے سبز کپڑے کے جو باریک ریشم کے اور گاڑھے ریشم کے ہوں گے۔“

ج ع ل

(ف) جَعَلًا یہ لفظ ہر کام کرنے کے لیے بولا جاسکتا ہے اور ’فَعَلَ‘ اور ’صَنَعَ‘ وغیرہ افعال کی نسبت عام ہے۔ یہ پانچ طرح استعمال ہوتا ہے۔

(1) بمعنی صَارَ وَ طَفِقَ اس صورت میں متعدی نہیں ہوتا۔ (بلکہ فعل لازم ہوتا ہے) جیسے جَعَلَ زَيْدٌ يَقُولُ كَذَا یعنی زید یوں کہنے لگا۔

(2) بمعنی اَوْجَدَ (یعنی ایجاد اور پیدا کرنا) اس صورت میں یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ﴾ (6/ الانعام: 1) ”اور اس نے اندھیرے اور روشنی بنائی۔“ ﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ﴾ (67/ الملک: 23) ”اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔“

(3) ایک شے کو دوسری شے سے پیدا کرنا اور بنانا جیسے فرمایا: ﴿جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا﴾ (16/ النحل: 72) ”اسی نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کے جوڑے بنائے۔“ ﴿وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَائًا﴾ (16/ النحل: 81) ”اور اُس نے پہاڑوں میں تمہارے لیے غاریں بنائیں۔“

(4) بمعنی تصبیر یعنی کسی شے کو ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کر دینا اس صورت میں عام طور پر دو مفعول ہوتے ہیں جیسے فرمایا: ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا﴾ (2/ البقرة: 22) ”وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔“ ﴿إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا﴾ (43/ الزخرف: 3) ”بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن بنایا ہے۔“

(5) کسی چیز پر کسی چیز کا سچا یا جھوٹا حکم لگا دینا۔ حق کی مثال جیسے: ﴿إِنَّا رَأَوُوهُ إِلَیْكَ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ (28/ القصص: 7) ”ہم ان کو تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) اسے پیغمبر بنا دیں گے۔“ اور باطل کی مثال جیسے: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا﴾ (6/ الانعام: 136) ”اور (یہ لوگ) خدا ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں یعنی کھیتی اور چوپایوں میں سے خدا کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں۔“ ﴿وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَدَنَ﴾ (16/ النحل: 57) ”اور یہ لوگ خدا کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔“ (تلیخ از مفردات القرآن، ج 1، ص 183)

جِ اجْعَلُوا۔ فعل امر ہے۔ تو بنا تو مقرر کر۔ ﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّي آيَةً﴾ (19/ مریم: 10) ”انہوں نے کہا اے میرے رب تو مقرر کر دے میرے لیے ایک نشانی۔“

اجْعَلْ

فعل نہی ہے۔ تو مت بنا۔ ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 22) ”تو مت بنا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود۔“

لَا تَجْعَلْ

اسم الفاعل ہے۔ بنانے والا۔ مقرر کرنے والا۔ کرنے والا۔ ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ (2/ البقرة: 30) ”بیشک میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔“

جَاعِلٌ

ص ب ع

انگلی سے اشارہ کر کے بتانا۔

صَبَعًا

(ف)

ج: أَصَابِعُ۔ اسم ذات ہے۔ انگلی۔ (أَصْبَغُ عربی کے ان چند الفاظ میں سے ہے جس کی متعدد شکلوں کا استعمال جائز ہے۔ دراصل اس کا ہمزہ بھی اور عین کلمہ (ب) بھی تینوں حرکات کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح دونوں حروف کی مختلف حرکات کے امتزاج سے جتنی شکلیں بنیں گی وہ سب جائز ہیں)۔

إِصْبَغُ

ع ذ ن

کان لگانا۔ سننا۔ خبردار ہونا۔ جاننا۔ عام طور پر اس کے ساتھ ’الی‘ یا ’ل‘ کا صلہ لگتا ہے۔ ﴿وَإِذْنَتْ لِرَبِّهَا وَ

أَذْنًا

(س)

حُفَّتْ ۝ ﴿٨٤﴾ (الانشقاق: 5) ”اور وہ سنے گی اپنے رب کے حکم کو اور اس پر واجب بھی ہے۔“

اجازت دینا۔ اس صورت میں بھی اس کے ساتھ عام طور پر ’ل‘ کا صلہ آتا ہے۔ ﴿يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ﴾ (طہ: 20) ”اس دن نفع نہیں دے گی شفاعت سوائے اس کے جس کو اجازت دے گا رحمن۔“  
نوٹ: اَذِنَ لِ: اگر اَذِنُ مصدر سے ہوتا ہے اس کے معنی ہوتے ہیں کان لگا کر کسی کی بات سننا اور حکم کی تعمیل کرنا اور اگر اَذِنُ مصدر سے ہوتا ہے اس کے معنی ہوتے ہیں اجازت دینا۔

فعل امر ہے۔ تو اجازت دے۔ یاد کر لیں اِذْنٌ کو جب ماقبل سے ملا کر پڑھا جائے تو تبدیل شدہ ہمزہ واپس آ جاتا ہے جیسے ف (اِذْنٌ)۔ فَأَذْنُ۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اِذْنُنِي﴾ (9/ التوبة: 49) ”اور ان میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے آپ ﷺ اجازت دیں مجھ کو۔“

ج: اَذْنٌ۔ اسم ذات ہے۔ کان۔ اَذْنٌ واحد، تشنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہو جاتا ہے۔ ﴿لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكُرَةً وَتَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ﴾ (69/ المائدة: 12) ”تا کہ ہم بنادیں اس کو تمہارے لئے یاد دہانی اور یاد رکھے اس کو یاد رکھنے والا کان۔“ ﴿اَمْرٌ لَهُمْ اِذَا نُسِئُوا بِهَا﴾ (7/ الاعراف: 195) ”کیا ان کے کان ہیں وہ لوگ سنتے ہیں جس سے۔“ استعارہ کے طور پر ہر وہ شخص جو ہر ایک کی بات سن کر اسے مان لے اُسے اَذْنٌ کہہ دیتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَيَقُولُونَ هُوَ اُذْنٌ ط﴾ ”اور کہتے ہیں وہ نرا کان ہے۔“ یعنی ہر ایک کی بات سن کر مان لیتا ہے۔ مبالغہ کا مفہوم پیدا کرنے کے لیے تمام وجود کو جسم کے ایک حصے کا نام دیا گیا۔ (استعارہ: لفظی معنی ہیں کسی سے کچھ مانگ لینا۔ علم بیان کی اصطلاح میں اس سے مراد ہوتا ہے کسی لفظ کے غیر حقیقی معنی مراد لینا۔ یہ مجازی معنی کی ایک قسم ہے۔ فیروز اللغات۔ ۶۱)

اَذَانٌ اسم ذات ہے۔ اعلان۔ پکار۔ نماز کی اذان۔ ﴿وَ اِذَا نُسِئُوا مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ﴾ (9/ التوبة: 3) ”اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے۔“

اِذْنٌ اسم ذات ہے۔ اجازت۔ ﴿وَمَا هُمْ بِضَآئِرٍ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط﴾ (2/ البقرة: 102) ”اور وہ تکلیف پہنچانے والے نہیں ہیں اس سے کسی ایک کو بھی مگر اللہ کی اجازت سے۔“

اِذْنَانَا (افعال) سنا۔ آگاہ کرنا۔ خبردار کرنا۔ ﴿فَقُلْ اِذْنُكُمْ عَلَى سَوَآءٍ ط وَاِنْ اَدْرٰى اَقْرَبُ اَمْرٌ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝﴾ (21/ الانبياء: 109) ”تو آپ ﷺ کہہ دیجئے میں نے آگاہ کیا تم لوگوں کو پوری طرح اور میں نہیں جانتا آیا وہ قریب ہے یا دور ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔“

تَاْذِيْنًا (تفعیل) اعلان کرنا۔ خبر دینا۔ سنا۔ پکارنا۔ اذان دینا۔ ﴿فَاِذَا نَ مَوْذِنٌ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ عَلَى الظَّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (7/ الاعراف: 44) ”تو پکارا ایک پکارنے والے نے ان کے مابین کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔“

مَوْذِنٌ اسم الفاعل ہے۔ پکارنے والا۔ اوپر الاعراف آیت 44 دیکھیں۔

اِذْنٌ فعل امر ہے۔ تو پکار۔ ﴿وَ اِذَا نَ فِي النَّآسِ بِالْحَجِّ﴾ (22/ الحج: 27) ”اور آپ ﷺ پکاریے لوگوں کو حج کے لیے۔“

تَاْذِنًا (تفعل) کان کھول کر سنا دینا۔ جتلا دینا۔ کسی فیصلے کا اعلان کرنا۔ اطلاع دینا۔ خبردار کرنا۔ نوٹس دینا۔ ﴿وَ اِذَا تَاْذَنَ رَبُّكُمْ لِيَنْ شَكَرْتُمْ لَآ زِيْدُكُمْ﴾ (14/ ابراہیم: 7) ”اور جب سنا دیا تمہارے رب نے اگر تم لوگ شکر کرو گے تو میں لازماً زیادہ دوں گا تم کو۔“

(استفعال) اِسْتَعْذَرْنَا اجازت طلب کرنا۔ ﴿اِسْتَعْذَرْنَا اُولُوا الظُّلُمِ مِنْهُمْ﴾ (9/ التوبة: 86) ”اجازت طلب کی آپ ﷺ سے ان میں سے صاحب حیثیت لوگوں نے۔“

## ص ع ق

- (ف) صَاعِقَةً بجلی گرنا۔ بجلی گرانا۔  
 (س) صَعَقًا، صَعَقًا صعت ہے۔ مردہ۔ بیہوش۔ ﴿فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا﴾ (7/ الاعراف: 143) ”پس جب تجلی ڈالی اس کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اس کو پاش پاش اور گر پڑے موسیٰ بیہوش ہو کر۔“  
 صَاعِقَةً صواعق اسم ذات ہے۔ صَاعِقَةً کے اصل معنی بیہوش کرنے والی چیز کے ہیں پھر یہ لفظ آسمان سے گرنے والی بجلی جو ہلاک کر دے۔ چیخ۔ عذاب اور کڑک کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فَاَخَذَ تَكْمُ الصَّعِقَةُ﴾ (2/ البقرة: 55) ”تو پکڑا تم کو زوردار چیخ نے۔“

## ح ذ ر

- (س) حَذَرًا آنے والے خطرے سے ہوشیار رہنا۔ محتاط رہنا۔ بچنا۔ ڈرنا۔ ﴿يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ اَنْ تُنْزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ﴾ (9/ التوبة: 64) ”ڈرتے ہیں منافق کہ اتاری جائے ان پر کوئی سورت جو خبر دے ان کو اس کی جو ان کے دلوں میں ہے۔“ نظم و نشر میں کسی چیز سے محتاط و ہوشیار رہنے کی دعوت دیتے ہوئے تکرار کے ساتھ بولا جاتا ہے: اَلْحَذَرُ اَلْحَذَرُ۔  
 حَذَرًا ح: اِحْذَرُوا۔ فعل امر ہے۔ تم بچو۔ ﴿اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ﴾ (64/ النفاہن: 14) ”بیشک تمہارے جوڑوں میں اور تمہاری اولاد میں تمہارے دشمن ہیں بس تم لوگ ان سے محتاط رہو۔“  
 لِيَحْذَرُ امر غائب ہے۔ چاہیے کہ وہ بچے۔ ﴿فَلِيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ اَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ﴾ (24/ النور: 63) ”پس چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم سے کہ ان کو پہنچے کوئی آزمائش۔“  
 حَذَرًا ح: حَاذِرُونَ اسم الفاعل ہے۔ (1) خطرے سے بچنے والا۔ ہتھیار بند۔ مسلح۔ (2) ڈرنے والا۔ خطرہ رکھنے والا۔ ﴿وَ اِنَّا لَجَبِيْعٌ حَذِرُونَ﴾ (26/ الشعراء: 56) ”اور ہم سب کو اُن سے خطرہ ہے۔“ (ترجمہ ماجد)۔ ”اور یقیناً ہم بڑی جماعت ہیں اُن سے چوکنا رہنے والے۔“ (ترجمہ احسن البیان)  
 حَذَرًا اسم ذات ہے۔ ڈر۔ خوف۔ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ (2/ البقرة: 243) ”کیا آپ ﷺ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے، موت کے ڈر سے۔“  
 حَذَرًا اسم ذات ہے۔ ذریعہ بچاؤ۔ ہر وہ چیز جس کے ذریعے بچاؤ کیا جائے۔ ہتھیار۔ اسلحہ۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ﴾ (4/ النساء: 71) ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم لوگ پکڑو اپنے ہتھیار۔“

مَحْذُورٌ اسم المفعول ہے۔ وہ چیز جس سے بچا جائے۔ ڈرنے کی چیز۔ قابل خوف۔ ﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 57) ”بیشک تیرے رب کا عذاب بچنے کی چیز ہے۔“

تَحْذِيرًا (تفعیل) محتاط رہنے کی تلقین کرنا۔ ڈرانا۔ ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ط﴾ (3/ آل عمران: 28) ”اور اللہ تم کو محتاط رہنے کی تلقین کرتا ہے اپنے نفس سے۔“

## م و ت

یہ مادہ باب (ن) (س) (ض) تینوں ابواب سے استعمال ہوتا ہے کیونکہ سورہ مریم کی آیت 23 میں مِتُّ کا صیغہ استعمال ہوا ہے (واحد متکلم) جو کہ باب (ض) یا باب (س) سے ہو سکتا ہے۔ اور باب (ن) سے یہ مِتُّ بنتا ہے۔ اسی طرح فعل امر مَوْتُوْا (واحد: مَتُّ) باب (ن) سے استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)

مَوْتًا (ن) (س) (ض) آگ کا بجھنا۔ کسی جاندار چیز کا بے جان ہونا۔ مرنا۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ﴾ (2/ البقرة: 161) ”بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ مرے اس حال میں کہ وہ کافر تھے، تو یہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے۔“

تَبَّتْ مضارع مجزوم ہے۔ ﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ط﴾ (39/ الزمر: 42) ”اللہ قبض کر لیتا ہے جان کو اس کی موت کے وقت اور اس کو بھی جو نہیں مرتی ہے اپنی نیند میں۔“

مَتُّ ج: مَوْتُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو مر جا۔ ﴿فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مَوْتُوْا ق﴾ (2/ البقرة: 243) ”تو کہا ان لوگوں سے اللہ نے کہ تم لوگ مر جاؤ۔“

مَيِّتٌ ج: مَيِّتُونَ۔ اموات۔ اسم صفت ہے۔ وہ چیز جس میں پہلے جان تھی اب نہیں ہے۔ مردہ۔ ﴿وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ (3/ آل عمران: 27) ”اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے۔“ مَيِّتٌ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو آئندہ مرنے والا ہو۔ جیسے فرمایا: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾ (39/ الزمر: 30) ”بیشک تم کو مردہ ہونا ہے اور ان لوگوں کو بھی مردہ ہونا ہے۔“ ﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أََمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ط﴾ (2/ البقرة: 28) ”تم لوگ کیسے انکار کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم لوگ مردہ تھے تو اس نے زندہ کیا تم لوگوں کو۔“

مَيِّتٌ اور مَيِّتَةٌ ج: مَوْتِي۔ اسم صفت ہے۔ بے جان چیز۔ مردہ۔ ﴿وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا لِّنُخْرِجَ بِهِ بَلْدَةً مَّيِّتًا﴾ (25/ الفرقان: 48-49) ”اور ہم نے نازل کیا آسمان سے پاک پانی تاکہ ہم زندہ کریں اس سے کسی مردہ شہر کو۔“ ﴿وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيِّتَةُ ط أَحْيَيْنَاهَا﴾ (36/ یسین: 33) ”اور ایک نشانی ہے ان کے لیے مردہ زمین، ہم نے زندہ کیا اس کو۔“ ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُخْرِجُ الْمَوْتِي ط﴾ (2/ البقرة: 260) ”اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب تو دکھا دے مجھے کہ تو کیسے زندہ کرے گا مردوں کو۔“

مَوْتٌ اور مَوْتَةٌ اسم ذات ہے۔ بے جان ہونے کی کیفیت۔ موت۔ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَٰلِقَةُ الْمَوْتِ ط﴾ (3/ آل عمران: 185) ”ہر جان موت کو پکھنے والی ہے۔“ ﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَى ط﴾ (44/ الدخان: 56) ”وہ لوگ نہیں پکھیں گے اس میں موت کو سوائے پہلی موت کے۔“

مَبَاتٌ اسم ظرف زمان ہے۔ مردہ رہنے کا عرصہ۔ زمانہ موت۔ ﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَ لَهُمْ

كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا سَوَاءٌ مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ط (45/ الباقية: 21) ”کیا گمان کیا ان لوگوں نے جنہوں نے ارتکاب کیا برائیوں کا، کہ ہم ان کو بنا دیں گے ان لوگوں کی طرح جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے، تاکہ برابر کر دیں ان کا عرصہ حیات اور ان کا زمانہ موت۔“ مَمَاتٌ کا لفظ مصدر میمی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، مطلب ہوتا ہے ”مرنا“۔ ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (6/ الانعام: 162) ”آپؐ فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میری ساری عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔“

(افعال) اِمَاتَةٌ کسی کو موت دینا۔ مردہ کرنا۔ ﴿فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ط﴾ (2/ البقرة: 259) ”تو موت دی اس کو اللہ نے ایک سو برس تک پھراٹھایا اسکو“، کوئی اگر کسی اور کو مارے تو کوئی اور فعل استعمال ہوگا (مثلاً: أَهْلَكَ)۔ لیکن اِمَاتٌ، يُمِيتُ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ اسی سے اَلْمُمِيتُ (اسم الفاعل بمعنی موت دینے والا) اللہ کا صفاتی نام ہے۔

اللَّهُ (ع ل ۵): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ح و ط

(ن) حَوَّطًا حفاظت کرنا۔ دیکھ بھال کرنا۔  
(افعال) اِحَاطَةً چاروں طرف سے گھیرنا۔ احاطہ کرنا۔ کسی شے پر اس طرح چھا جانا، گھیر لینا یا قابو پانا کہ وہ فرار نہ ہو سکے۔ اس کے ساتھ ’ب‘ کا صلہ آتا ہے۔ عربی میں یوں نہیں کہتے اِحَاطَةً بلکہ یوں کہتے ہیں اِحَاطَ بِهِ۔ ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ (2/ البقرة: 255) ”اور وہ لوگ احاطہ نہیں کرتے کسی چیز کا اس کے علم میں سے مگر جو وہ چاہے۔“  
مُحِيطٌ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ گھیرنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔  
مُحِيطَةٌ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ گھیرنے والی۔ ﴿وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ﴾ (29/ العنكبوت: 54) ”یقیناً جہنم چاروں طرف سے گھیرنے والی ہے کافروں کو۔“

كَافِرِينَ (ك ف ر): البقرة آیت 6 دیکھیں۔

ترکیب

’اَوْ‘ حرف عطف ہے بمعنی ’یا‘۔ دو چیزوں میں برابری بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً جَالِسِ الْحَسَنِ اَوْ ابْنِ سَيِّدِينَ چاہے تو حسن کے پاس بیٹھ یا ابن سیرین کے۔ دونوں کے پاس بیٹھنا برابر ہے۔ یہاں اَوْ سے مراد ہے کہ منافقوں کو خواہ آگ جلانے والوں سے تشبیہ دو چاہے مینہ سے بھاگنے والوں سے، دونوں برابر ہیں۔ (حقانیؒ)۔ كَصَيِّبٍ، آیت 17 میں كَمَثَلِ پر عطف ہے۔ اور صَيِّبٍ سے پہلے مضاف مخذوف ہے۔ سادہ جملہ یوں ہوتا۔ اَوْ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ اصْحَابِ صَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ (حقانیؒ)۔ مَثَلُهُمْ مبتدا مخذوف ہے۔ كَصَيِّبٍ، مخذوف خبر کے متعلق ہے۔ مِّنَ السَّمَاءِ، صَيِّبٍ کی صفت ہے۔ یعنی ان کی مثال بارش میں گھرے ہوئے لوگوں کی مثال کی مانند ہے۔ تفسیر عثمانی کے حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ”دوسری مثال ان منافقین کی ان ”لوگوں“ کی سی ہے کہ ان پر آسمان سے مینہ شدت کے ساتھ پڑ رہا ہو۔“ آگے ظَلُمْتُ، رَعُدٌ، اور بَرَقٌ مبتدا مؤخر مکررہ ہیں۔ ان کی خبر موجودہ مخذوف ہے اور فیئہ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ فیئہ میں ضمیر صَيِّبٍ کے لیے ہے، السَّمَاءِ کے لیے نہیں کیونکہ السَّمَاءِ کے لیے ’ہا‘ آتی ہے۔ (واللہ اعلم)۔ يَجْعَلُونَ فِعْل ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُمْ ہے۔ اَصَابَهُمْ اس کا مفعول ہے۔ فِي اِذَا نِهْمُ متعلق فعل ہے۔ مِّنَ الصَّوَاعِقِ میں مِّنْ سببیہ ہے۔ یعنی کڑک کے سبب سے اور حَذَرَ الْمَوْتِ، مفعول لہ ہے يَجْعَلُونَ کا۔ یعنی موت کے ڈر کی وجہ سے۔ مطلب یہ ہے کہ کڑک کے سبب سے



وہ اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور یہ سارا فعل اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں موت کا خوف ہے۔ گویا کانوں میں انگلیاں ڈالنے کی دو وجہیں ہیں۔ کڑک اور موت کا خوف۔ (واللہ اعلم)

حَذَرَ الْمَوْتِ میں یہ بات نوٹ کر لیں کہ حَذَرَ ماضی کا پہلا صیغہ نہیں ہے۔ یہ اسم حَذَرَ ہے جو منصوب ہونے کی وجہ سے حَذَرَ ہوا۔ پھر مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین ختم ہوئی تو حَذَرَ استعمال ہوا۔ اَللّٰهُ مُبْتَدِئُ، مُجِیْطٌ خبر اور بِالْكَافِرِيْنَ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ	أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ	فِيهِ	ظَلُمْتُ	وَرَعْدٌ
البقرة: 19	یا آسمان سے بارش کی مانند ہے	اس میں	اندھیرے ہیں	اور بادل کی گرج ہے
وَبَرَقٌ ۚ	يَجْعَلُونَ	أَصَابِعَهُمْ	فِي أَذَانِهِمْ	مِّنَ الصَّوَاعِقِ
اور بجلی کی چمک ہے	وہ لوگ رکھتے ہیں	اپنی انگلیوں کو	اپنے کانوں میں	کڑک کے سبب سے
حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ	وَاللّٰهُ مُجِیْطٌ	بِالْكَافِرِيْنَ ۙ		
موت کے ڈر سے	اور اللہ گھیرنے والا ہے	کافروں کو		

### آیت: 20

﴿يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيهِ ۖ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ عَالٍ عَنِ اللَّهِ لَهُمْ قُدْرَةٌ ۚ وَهُمْ فِي يَدٍ لِّغَالِيٍّ ۝۲۰﴾

ل ک و د

(س) کَوْدًا (ل) یہ افعال مقاربہ میں سے ہے۔ ماضی اور مضارع دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ کسی دوسرے فعل کے ساتھ بطور معاون فعل استعمال ہوتا ہے۔ بنیادی مفہوم ہے قریب ہونا۔ یہ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

(i) اگر جملہ مثبت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ”کام کرنے کے قریب ہونا لیکن نہ کرنا“۔ مثلاً: ﴿يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ﴾ ”قریب ہے کہ بجلی اچک لے اُن کی نظروں کو (لیکن اس نے ایسا نہیں کیا)۔“ ﴿إِنْ كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْ لَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۖ﴾ (25/ الفرقان: 42) ”قریب تھا کہ وہ ہمیں بہکا دے ہمارے خداؤں سے اگر نہ ہوتا کہ ہم ڈٹے رہتے ان پر۔“ ﴿تَكَادُ السَّمُوتُ يَنْفَطَرْنَ مِنْهُ ۖ﴾ (19/ مریم: 90) ”قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اس سے۔“

(ii) اگر اس کے ساتھ حرف نفی آجائے تو پھر اس کے معنی ہوتے ہیں ”قریب تھا کہ نہ کرے لیکن کر لیا“ یا ”لگتا نہیں تھا کہ کرے لیکن کر لیا“۔ مثلاً: ﴿فَنَبِّحُهَا مَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۖ﴾ (2/ البقرة: 71) ”پس ان لوگوں نے ذبح کیا اس گائے کو اور لگتا نہیں تھا کہ وہ لوگ کریں گے۔“ یا فرمایا: ﴿لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۖ﴾ (18/ الکہف: 93) ”جو کوئی بات ہی نہیں سمجھتے تھے۔“

(ب) بعض بزرگوں نے اس کا معنی ہم و اراد بھی کیے ہیں یعنی پختہ ارادہ کرنا۔ مثلاً: ﴿إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا ۖ﴾ (20/ طہ: 15) ”یقیناً قیامت آنے والی ہے، میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں خفیہ رکھوں اس کو۔“

افعال مقاربت کی مزید تشریح عربی کا معلم حصہ سوم، ص ۸۶ سے دیکھیں۔

الْبَرَقُ: (ب ر ق) البقرة آیت 19 دیکھیں۔

خ ط ف

(س) خُطِفَ، خُطِفًا أُچک لینا۔ ﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا حَرَّمَ مِنَ السَّمَاءِ فَتُخْفَفُ الظُّلُمُ﴾ (الحج: 31) ”اور جس نے شرک کیا

اللہ کے ساتھ تو گویا کہ وہ گرا آسمان سے پس اچک لے جاتے ہیں اس کو پرندے۔“

الْخُطْفَةُ اسم ذات بھی ہے۔ مراد ہے اچکی ہوئی چیز۔ جسم کا وہ حصہ جس کو درندہ چھوٹا کر اُتار لے۔ (مصباح) ﴿إِلَّا مَنْ خُطِفَ

الْخُطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ ثَقِيبٌ﴾ (37/ الصافات: 10) ”مگر جو کوئی ایک آدھ بات اچک لے بھاگے تو (نوراً ہی)

اس کے پیچھے دکھتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے۔“

(تفعّل) تَخَطَّفَا کھینچ کر یا گھسیٹ کر لے جانا۔ اچک لینا۔ ﴿تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾ (8/ الانفال: 26) ”تم لوگ ڈرتے

تھے کہ تم کو زبردستی لے جائیں گے لوگ۔“

أَبْصَارُ (ب ص ر): البقرة آیت 7 دیکھیں۔

ك ل ل

(ض) كَلَّا، كَلَّا تھکنا۔ والد اور اولاد کے بغیر ہونا۔

اسم ہے۔ وہ شخص جس کا نہ باپ ہو نہ بیٹا۔ بیکار آدمی جس سے کسی فائدے کی امید نہ ہو۔ بوجھ۔ واحد، تثنیہ، جمع سب

کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ﴾ (16/ النمل: 76) ”اور وہ ایک بوجھ ہے اپنے آقا پر۔“ (کَلٌّ

قرآن مجید میں ایک ہی دفعہ استعمال ہوا ہے مندرجہ بالا آیت میں)۔

كَلَّا حرف الردع ہے۔ ردع کے معنی ہیں ”جھڑک دینا“، ”انکار کر دینا“۔ كَلَّا ما قبل کلام کی نفی کے لیے آتا ہے اور عام

طور پر اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے ”ہرگز نہیں“۔ مثلاً: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَكَدًّا أَطَّلَعَ

الْغَيْبَ أَمْ آتَاهُ مِنَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا﴾ (19/ مریم: 77-79) ”بھلا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے ہماری

آیتوں سے کفر کیا اور کہنے لگا (اگر میں دوبارہ زندہ ہوا بھی تو یہی) مال اور اولاد مجھے وہاں ملے گا کیا اُس نے غیب کی خبر پا

لی ہے یا اللہ کے یہاں سے عہد لے لیا ہے، ہرگز نہیں۔“ اور اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔ كَلَّا کبھی حَقًّا (بے

شک، یقیناً) کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِكَبَّارٍ﴾ (96/ العلق: 6) ”بے شک انسان

سرکش کرتا ہے۔“ اس آیت میں كَلَّا کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالمجید دریا بادی فرماتے ہیں: ”كَلَّا

ہمیشہ تردید ہی کے معنی میں نہیں بلکہ کبھی زور و تاکید کے موقع پر یقیناً کے معنی میں بھی آتا ہے۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۸۷)

كُلٌّ لفظاً واحد ہے اور معنی کے لحاظ سے جمع۔ مذکر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث کے لیے بھی استعمال ہوتا

ہے۔ كُلٌّ ہمیشہ مضاف استعمال ہوتا ہے۔ اگر مضاف الیہ مذکور نہ ہو تو محذوف مانا جاتا ہے۔ كُلٌّ دو طرح کا ہوتا ہے،

مجموعی اور افرادی۔ كُلٌّ افرادی ہمیشہ نکرہ، مفرد کی طرف مضاف ہوتا ہے جس کا ترجمہ ہوتا ہے ہر ایک، جیسے كُلٌّ

إِنْسَانٍ (ہر انسان)، بِكُلِّ شَيْءٍ عَلَيْهِمْ (ہر چیز کا علم رکھنے والا)، كُلٌّ كِتَابٍ (ہر ایک کتاب)۔ كُلٌّ مجموعی معرف

باللام کی طرف مضاف ہوتا ہے یا اس ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہے جو معرف باللام کی طرف راجع ہوتی ہے، اس وقت مجموعہ افراد پر دلالت کرتا ہے اور ترجمہ ہوتا ہے سب، پورا۔ **كُلُّ النُّفُورِ** (سب قوم، پوری قوم) **فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ** (سب فرشتوں نے سجدہ کیا)، **لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ** (تا کہ سب مذہبوں پر اُس کو غالب کر دے)۔ کبھی اس سے ایک چیز کے تمام اجزاء مراد ہوتے ہیں، جیسے **كُلُّ الرُّمَّانِ** (پورا انار یعنی اس کے سب اجزاء، چھلکا، دانہ، عرق وغیرہ)، **كُلُّ الْكِتَابِ** (کل کی کل کتاب یعنی وہ پوری کتاب جس کی بات ہو رہی ہے)۔ **كُلُّ** مجموعی اور افرادی کے علاوہ کبھی **كُلُّ** بمعنی بعض بھی آتا ہے جیسے فرمایا: **ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا** (بعض پہاڑوں پر اُن کا ایک ایک حصہ رکھ دو)۔ یا فرمایا: **فَلَنُأْخِضَنَّ فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ** (ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو دو کو چڑھا لو) اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد ریا بادیؒ فرماتے ہیں: ”اس **كُلِّ** سے مراد یقیناً آبائی اور ہوائی اور زمینی جانوروں کے سارے انواع و اقسام نہیں ہو سکتے بلکہ مراد صرف خشکی ہی کے جانور ہیں اور ان میں بھی صرف وہ جو عادتاً انسان کے کام آتے رہتے ہیں۔ لفظ **كُلِّ** کے اس محدود معنی میں استعمال کی مثالیں قرآن مجید ہی میں بہ کثرت مل جاتی ہیں۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۴۹۹)۔ قرآن پاک اور فصحاء عرب کے کلام میں کہیں بھی یہ لفظ معرف باللام یعنی **الْكُلُّ** استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)

کَلَمًا

**كَلَمًا** مرکب ہے۔ **كُلٌّ** اور **مَا** سے۔ یہ ظرف کے تکرار کا مفہوم دیتا ہے اور مطلب ہوتا ہے۔ جب کبھی بھی، جس جس وقت۔ اس میں ظرف کا مفہوم **مَا** کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اس لیے اسے **مَا** مصدر یہ ظرفیہ کہتے ہیں۔ اور اسی ظرفیت کی وجہ سے **كُلٌّ** ہمیشہ منصوب رہتا ہے۔۔ اکثر **كَلَمًا** کے بعد فعل ماضی آتا ہے۔ جیسے **﴿كَلَمًا فُضِّجَتْ جُودُهُمْ﴾** (4/ النساء: 56) ”جب کبھی بھی اُن کی جلدیں جل جائیں گی۔“ **﴿كَلَمًا أَضَاءَ لَهُمْ﴾** (2/ البقرة: 20) ”جب کبھی چمکتی ہے اُن کے لیے۔“ **﴿كَلَمًا دَعَوْهُمْ﴾** (71/ نوح: 7) ”جب کبھی میں نے اُنہیں بلایا۔“ اس میں شرط کا مفہوم بھی ہوتا ہے۔

کَلَالَةً

لغوی معنی ہیں کمزور اور ضعیف۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ کلالہ اصل میں مصدر ہے جو کلال کے معنی میں ہے، اور کلال کے معنی ہیں تھک جانا، جو ضعف پر دلالت کرتا ہے (یعنی معنی ہوئے کمزور اور ضعیف) باپ بیٹے والی قرابت کے سوا قرابت کو کلالہ کہا گیا، اس لیے کہ وہ قرابت باپ بیٹے کی قرابت کی نسبت سے کمزور ہے۔ پھر کلالہ کا اطلاق اس مرنے والے (مرد یا عورت) پر بھی کیا گیا جس نے نہ اولاد چھوڑی اور نہ والد، اور اس وارث پر بھی اطلاق کیا گیا جو مرنے والے کا ولد (اولاد) اور والد نہ ہو، لغت کے اعتبار سے جو اشتقاق بتلایا اس کا تقاضا ہے کہ لفظ ”ذو“ مقدر ہو، اور کلالہ بمعنی ”ذو کلالہ“ ہوگا، یعنی ضعیف رشتہ والا، پھر اس مال موروث پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا، جو ایسی میت نے چھوڑا ہو جس کا کوئی ولد (اولاد) اور والد نہ ہو۔ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۲) امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”**الْكَلَالَةُ** باپ اور اولاد کے علاوہ جو وارث بھی ہو وہ **کَلَالَةٌ** ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ **کَلَالَةٌ** ہر اس وارث کو کہتے ہیں جو اولاد کے علاوہ ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ”**کَلَالَةٌ**“ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: **مَنْ مَاتَ وَكَيْسَ لَهُ وَكَدٌّ وَلَا وَالِدٌ** کہ **کَلَالَةٌ** ہر اس میت کو کہتے ہیں جس کا باپ اور اولاد زندہ نہ ہوں۔ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے خود میت کو کلالہ قرار دیا ہے اور کلالہ کے یہ دونوں معنی صحیح ہیں کیونکہ ”**کَلَالَةٌ**“ مصدر ہے جو وارث اور موروث دونوں پر بولا جاسکتا ہے۔“ (مفردات القرآن، ج ۲، ص ۹۲۵)

تاکید تثنیہ مذکر کے لیے آتا ہے۔ یعنی دونوں مذکر۔ یہ لفظ، لفظاً مفرد ہے لیکن معنی کے اعتبار سے تثنیہ ہے۔ اس لیے مفرد بھی استعمال ہوتا ہے اور تثنیہ بھی۔ بغیر مضاف الیہ کے استعمال نہیں ہوتا۔ اگر مضاف الیہ اسم ظاہر ہو تو رفع، نصب اور جر میں اس کا الف باقی رہتا ہے۔ جیسے جَاءَ كَلَا الرَّجُلَانِ اور رَأَيْتُ كَلَا الرَّجُلَيْنِ اور مَكْرَزْتُ بِكَلَا الرَّجُلَيْنِ۔ مگر جب مضاف الیہ ضمیر ہو تو حالت رفع میں كَلَا هُمَا اور نصب جر میں كَلَيْهِمَا (ی کے ساتھ) آئے گا۔ جیسے رَأَيْتُ الرَّجُلَيْنِ كَلَيْهِمَا۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّمَا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا﴾ (بنی اسرائیل: 23) ”اگر تیری موجودگی میں اُن میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔“

تاکید تثنیہ مؤنث کے لیے آتا ہے۔ یعنی دونوں مؤنث۔ اس کا استعمال بھی کلا کی طرح ہے۔ ان دونوں کی طرف (یعنی کلا اور کلتا) جب ضمیر راجع ہو تو واحد کی ضمیر لائی جاتی ہے۔ جیسے ﴿كَلْنَا الْجَنَّتَيْنِ اَتَتْ اُكُلَهَا﴾ (الکہف: 33) ”دونوں باغ خوب پھلے پھولے۔“

اضَاءَ (ض و ع): البقرة آیت 17 دیکھیں۔

م ش ی

(ض) مَشِيًا قصد اور ارادہ سے چلنا۔ ﴿اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا﴾ (7/ الاعراف: 195) ”کیا ان کے پاؤں ہیں وہ لوگ چلتے ہیں جن سے۔“ ”ب“ صلے کے ساتھ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی چیز کو لے کر چلنا۔ ﴿وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّارِ﴾ (6/ الانعام: 122) ”اور ہم نے اُس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اُس کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔“ (ترجمہ حسن البیان)

ج: اِمْشُوا۔ فعل امر ہے۔ تو چل۔ ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا﴾ (67/ الملک: 15) ”وہی ہے جس نے کر دیا تمہارے لئے زمین کو پست و مطیع تو تم لوگ چلو اس کے راستوں میں۔“

مَشَى اسم ذات ہے۔ چال۔ ﴿وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ﴾ (31/ لقمان: 19) ”اور تم میانہ روی کرو اپنی چال میں۔“

مَشَاءَ فَعَالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ چلنے والا۔ ﴿هَبْأَزِ مَشَاءٍ بِنَبِيٍّ﴾ (68/ القلم: 11) ”بہت طعنے دینے والا، چغلی لیے پھرنے والا۔“ مَشَاءَ اصل میں مَشَائٍ تھا جو قاعدے کے مطابق تبدیل ہو کر مَشَاءَ استعمال ہوتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ کسی اسم کے حرف علت (و، ی) کے ماقبل اگر الف زائدہ ہو تو اس و، ی کو ہمزہ میں بدل دیتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو آسان عربی گرامر از لطف الرحمن خان صاحب حصہ سوم، ص 92)

مَشِيَّةً ارادہ۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

إِذَا: البقرة آیت 11 دیکھیں۔ اَظْلَمُ (ظ ل م): البقرة آیت 17 دیکھیں۔ قَامُوا (ق و م): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

لَوْ

لَوْ کئی طرح استعمال ہوتا ہے۔

(i) بطور حرف شرط۔ ماضی کے دو جملوں پر آتا ہے۔ پہلا جملہ شرط اور دوسرا اجزا ہوتا ہے۔ جس طرح اِنْ مستقبل کے لیے آتا ہے اسی طرح لَوْ ماضی میں ایک غیر تکمیل شدہ شرط کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ اِنْ کے ترجمے میں کہا جائے گا اگر ایسا ہوگا یا نہ ہوگا تو ایسا ہوگا یا نہ ہوگا۔ لَوْ کے ترجمے میں کہا جائے گا اگر ایسا ہو گیا ہوتا یا نہ ہوا ہوتا تو ایسا ہو جاتا یا نہ ہو جاتا۔ لَوْ کے جواب پر اکثر لام استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا﴾ (الواقعة: 65) یا آیت زیر

مطالعہ میں فرمایا ﴿لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ﴾ اور کبھی نہیں بھی آتا۔ جیسے فرمایا: ﴿لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا﴾ (الواقعة: 70)۔ اگر جملہ منفی ہو تب بھی لام نہیں آتا جیسے فرمایا: ﴿لَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ﴾ (الانعام: 112)۔

(ii) لَوْ پرواؤ بڑھا کر لَوْ پڑھیں تو مطلب ہوتا ہے ”اگرچہ“ اور اس کے بعد ہمیشہ فعل ماضی آتا ہے۔ ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ (التوبة: 33) ”اگرچہ مشرک ناگوار سمجھیں۔“ ﴿وَلَوْ اعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْغَيْثِ﴾ (المائدة: 100) ”اگرچہ (اے مخاطب) تم کو ناپاک کی کثرت اچھی معلوم ہو۔“ و لَوْ کے بعد جوابی جملہ نہیں آتا بلکہ ایک جملہ پہلے ہی آ جاتا ہے۔

(iii) لَوْ کبھی اُن مصدریہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن فعل مضارع کو نصب نہیں دیتا۔ ایسا اکثر اس وقت ہوتا ہے جب لَوْ، وَدَّ، یُودُّ کے بعد آتا ہے۔ وَدَّ وَالْوَدُّ نَدْنُہُنْ آپ ﷺ کے ڈھیلے پڑ جانے کو وہ دل سے چاہتے ہیں۔ یُودُّ أَحَدَهُمْ لَوْ یَعْبُرُ أَلْفَ سَنَةٍ ہزار برس زندہ رہنے کو ان میں سے ہر ایک دل سے چاہتا ہے۔ وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ أَهْلِ الْکُتُبِ لَوْ یُرِیدُ وَنَکْمٌ مِّنْ بَعْدِ إِيْمَانِکُمْ کُفَّارًا ”ایمان کے بعد تمہارے کافر بنادینے کے خواہش مند بکثرت اہل کتاب ہیں۔“

(iv) لَوْ کبھی کاش کے معنی بھی دیتا ہے۔ جس سے جملہ میں ماضی تہنی کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ ایسی صورت میں جملے میں جواب شرط نہیں آتا۔ جیسے لَوْ کَانُوا یَعْلَمُونَ ”کاش وہ لوگ جانتے ہوتے۔“ فَلَوْ اَنَّ لَنَا کَوْنٌ ”کاش ایک بار اور ہم کو دنیا میں جانا مل جاتا۔“ (لَوْ کے اور استعمالات بھی ہیں جولغات القرآن، ج ۵، ص ۲۳۲ اور مصباح الغات، ص ۷۹۵ سے دیکھے جاسکتے ہیں)۔

### ش ی ع

(ف) شَيْئًا، مَّشِیئَةً چاہنا۔ خواہش کرنا۔ ﴿مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ (18/ الکہف: 39) ”جو چاہا اللہ نے، کوئی قوت ہے ہی نہیں مگر اللہ سے۔“

شَیْءٌ ج: أَشْیَاءٌ۔ اسم ذات ہے۔ اللہ کی مشیت کا ظہور یا وجود۔ ہر وہ چیز جو جانی پہچانی جائے اور جس کی خبر دی جاسکے۔ ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (2/ البقرة: 29) ”اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“ ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ تُبَدِّلَ لَكُمْ تَسْأَلُوهَا﴾ (5/ المائدہ: 101) ”تم لوگ مت پوچھو چیزوں کے بارے میں اگر وہ ظاہر کی جائیں تو تم کو بُری لگیں۔“ مَشِیئَةً اسم ذات ہے۔ خواہش۔ چاہت۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

اللَّهُ (ع ل ۵): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ذَهَبَ (ذ ھ ب): البقرة آیت 17 دیکھیں۔ سَمِعَ (س م ع): البقرة آیت 7 دیکھیں۔

### ق د ر

(ن۔ض۔س) (۱) قَدَرًا کسی چیز کا اندازہ کرنا، اس کی دیکھ بھال کرنا اور اسکی تدبیر کرنا۔ اندازہ لگانا۔ ﴿الَّذِي نَخْلُقُكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۖ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۖ إِلَى قَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۖ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقَدِرُونَ﴾ (77/ المرسلات: 20-23) ”کیا ہم نے پیدا نہیں کیا تم کو ایک بے وقعت پانی سے پھر ہم نے رکھا اس کو ایک محفوظ ٹھکانے میں ایک معلوم اندازے تک، پھر ہم نے اندازہ کیا تو ہم کیا ہی اچھا اندازہ کرنے والے ہیں۔“ جب یہ لفظ رزق کے متعلق استعمال ہو تو اس کے معنی رزق کی تنگی کے ہوتے ہیں اور اس کی ضد بسط آتی ہے۔ مثلاً ﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾ (13/ الرعد: 26) ”اللہ کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے وہ چاہتا ہے اور اندازہ لگاتا ہے یعنی جس کو چاہتا ہے ناپ تول کر دیتا ہے۔“ علی کے صلے کے ساتھ بھی ”تنگ کرنا“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ پھر یہ تنگی یا تو رزق کی ہو سکتی ہے جیسے

فرمایا: ﴿وَمَنْ قُدِّرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ﴾ (65/الطلاق: 7) ”اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو۔“ یا حالات کی جیسے فرمایا: ﴿وَذَا النُّونِ إِذْ ذُهِبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ (21/الانبیاء: 87) ”اور مچھلی والے پیغمبر کا بھی ذکر کیجئے جب کہ وہ خفا ہو کر چلے گئے اور یہ سمجھے کہ ہم اُن پر تنگی نہ کریں گے۔“ (ترجمہ ماحدی)۔ آگے حاشیے میں حضرت فرماتے ہیں: ”قدر بمعنی استطاعت وقابول نہیں، ضیق و تنگی کے مفہوم میں ہے۔“

(۲) قُدِّرَ

قابو یافتہ ہونا۔ قدرت رکھنا۔ طاقت رکھنا۔ ﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا ثَلَاثِينَ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ﴾ (16/الاحقاف: 76) ”اللہ ایک مثال دیتا ہے دو آدمیوں کی، ان میں کا ایک گونگا ہے وہ قدرت نہیں رکھتا کسی چیز پر۔“ علی کے صلے کے ساتھ اس مصدر سے صیغہ استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کو قابو کرنا، کسی کو پکڑنا۔ ﴿وَذَا النُّونِ إِذْ ذُهِبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ (21/الانبیاء: 87) بعض بزرگوں نے اس آیت میں نَقْدِرَ عَلَيْهِ کا ترجمہ ”قابو کرنا، پکڑنا سے بھی کیا ہے مثلاً: ”اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اُس کو۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ ”مچھلی والے حضرت یونسؑ کو یاد کرو جب کہ وہ غصے سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اُسے نہ پکڑ سکیں گے۔“ (ترجمہ حسن البیان)

(۳) قَدَّرَ

کسی کی عظمت کا ادراک کرنا۔ تعظیم کرنا۔ کسی کی عظمت کو پہچاننا۔ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ (6/الانعام: 91) ”اور ان لوگوں نے تعظیم نہیں کی اللہ کی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے۔“

قَدَرُ

اسم ذات ہے۔ (i) اندازہ۔ ﴿وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ﴾ (43/الزمر: 11) ”اور جس نے نازل کیا آسمان سے پانی ایک اندازے سے۔“ ﴿إِلَى قَدَرٍ مَعْلُومٍ﴾ (77/المرسلات: 22) ”ایک معلوم اندازے تک۔“ (ii) وہ تو انین فطرت جن کے تحت کوئی چیز وجود میں آتی اور ترتیب پاتی ہے اور یہ صفت اللہ تعالیٰ سے خاص ہے اور صرف اچھے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ (54/الفرقان: 49) ”ہم نے ہر چیز اندازہ مقررہ کے ساتھ پیدا کی ہے۔“

(iii) اصطلاح شرح میں لفظ قَدَرُ بمعنی تقدیر الہی بھی استعمال ہوتا ہے۔ (معارف)۔

قَدَرُ

اسم ذات ہے۔ (i) کسی چیز کی عظمت۔ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدَرِ﴾ (97/القدر: 1) ”اور ہم نے اتارا اس کو عظمت والی رات میں۔“

(ii) قدر و قیمت، اندازہ۔ ﴿قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ (65/الطلاق: 3) ”اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا اندازہ۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”اللہ نے ہر شے کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔“ (ترجمہ ماحدی)

(iii) قَدَرُ کے دوسرے معنی تقدیر و حکم کے بھی آتے ہیں۔ (معارف)۔

قَادِرُ

ج: قَادِرُونَ۔ فاعل کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ قدرت رکھنے والا۔ اندازہ کرنے والا۔ قابو پانے والا۔ طاقت رکھنے والا۔ ﴿الَّذِينَ يُقَدِّرُونَ عَلَى أَنْ يُخَيَّرَ الْهَوَىٰ﴾ (75/القيامة: 40) ”کیا وہ قدرت رکھنے والا نہیں ہے اس پر کہ وہ زندہ کرے مردہ کو۔“ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مبارک ایسی ہے کہ جو مکمل طور پر قدرت رکھنے والی ہے۔ اس لیے کسی انسان کو مطلقاً هُوَ قَادِرٌ کہنا درست نہیں۔ البتہ یوں کہا جاسکتا ہے هُوَ قَادِرٌ عَلَى كَذَا یعنی وہ اس چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

مَقْدُورُ

اسم المفعول ہے۔ مقرر کردہ۔ وہ جو ٹھہرایا جا چکا۔ ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا﴾ (33/الاحزاب: 38) ”اور اللہ تعالیٰ کے کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں۔“

فَعِيلٌ کے وزن پر صیغہ مبالغہ ہے۔ اسم الفاعل کے معنی میں۔ ہر وقت قدرت رکھنے والا۔ ﴿وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾ (22/ الحج: 39) ”بیشک اللہ ان کی مدد پر ہر وقت قدرت رکھنے والا ہے۔“ قدیر اُس کو کہتے ہیں جو حکمت کے مطابق جو کچھ چاہے کرے اسی لیے اللہ کے سوا کسی مخلوق کو قدرین نہیں کہہ سکتے۔ قرآن مجید یا حدیث میں کسی جگہ انسان، فرشتے، جن یا کسی مخلوق کو قدرین نہیں کہا گیا۔ (واللہ اعلم)

قَدِيرٌ

ج: قُدُّوْزٌ۔ ہانڈیاں۔ دیگیں۔ ﴿وَقُدُّوْزٌ ذُّسِيَّتٌ ط﴾ (34/ سبا: 13) ”اور چوہوں پر جی ہوئی مضبوط دیگیں۔“  
مِفْعَالٌ کے وزن پر اسم الآلہ ہے۔ اندازہ کرنے کا پیمانہ۔ مقدار۔ ﴿ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ (32/ السجدة: 5) ”پھر وہ چڑھ جاتا ہے اس کی طرف ایک ایسے دن میں، جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے جس سے تم لوگ گنتی کرتے ہو۔“

قُدْرٌ

مِقْدَارٌ

کسی کو اندازہ یا قدر و قیمت یا قدرت دینا۔ تجویز کرنا۔ کسی چیز کو خاص اندازے پر بنانا۔ مقرر کرنا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”تقدیر کے معنی کسی چیز کو زمانہ یا مکان یا صفات کے اعتبار سے ایک مخصوص مقدار اور پیمانہ پر رکھنے کے ہیں۔ رات اور دن کے اوقات کو ایک خاص پیمانہ پر رکھنے کے لیے قرآن کریم نے فرمایا وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، مکانی فاصلے اور مسافت کو ایک خاص پیمانہ پر رکھنے کے لیے دوسری جگہ ملک شام اور سبائ کی درمیانی بستیوں کے متعلق فرمایا وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ اور عام مقادیر کے متعلق فرمایا وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا (معارف القرآن، ج ۴، ص ۵۰۵)۔ ﴿الَّذِي خَلَقَ فَسُوَّىٰ ۖ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ﴾ (87/ الاعلى: 2-3) ”جس نے پیدا کیا اور نوک پلک درست کی اور جس نے اندازہ کیا پھر ہدایت دی۔“ ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ﴾ (36/ یس: 39) ”اور چاند، ہم نے مقرر کیں اس کی منزلیں یہاں تک کہ وہ ہو گیا پرانے کھجور کی ٹہنی کی مانند۔“

تَقْدِيرًا (تفعیل)

یہ مصدر بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے۔ طے شدہ بات۔ تقدیر۔ اندازہ۔ (Decree)۔ ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ (36/ یس: 38) ”اور سورج وہ تیرتا ہے اپنے مدار پر۔ یہ علم والے بالادست کا طے شدہ امر ہے۔“

تَقْدِيرٌ

اہتمام سے قابو حاصل کرنا۔

اِقْتِدَارًا (افتعال)

ج: مُقْتَدِرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ قابو پانے والا۔ قابو یافتہ۔ ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾ (18/ الکہف: 45) ”اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قابو یافتہ ہے۔“ ﴿فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُونَ﴾ (43/ الزخرف: 42) ”سو ہم اُن پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔“

مُقْتَدِرٌ

ترکیب

يَكَادُ فعل مقاربه ہے۔ اَلْبَرَقُ فاعل ہے۔ اور يَخْطِفُ اصل فعل ہے۔ اس میں شامل ضمیر ’هُوَ‘ اس کا فاعل ہے جو کہ اَلْبَرَقُ کے لیے ہے۔ اَبْصَارُهُمْ مفعول ہے۔ فعل مضارع اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے یکاد کی اور یکاد اپنے اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ کُلَّمَا بھی اِذَا کی طرح حرف شرط ہے۔ اَصْأَاءَ لَهُمْ اس کی شرط اور مَشَوْ فِيهِ جواب شرط ہے۔ اِذَا کی شرط اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ ہے اور قَامُوا جواب شرط ہے۔ لَوْ شَاءَ اللَّهُ میں لَوْ نمی نہیں بلکہ شرطیہ ہے۔ لَذَهَبَ جواب شرط ہے۔ لَذَهَبَ کا صلہ ب، سَمِعَهُمْ پر ظاہر ہے اور اَبْصَارُهُمْ میں محذوف ہے۔ اِذَا کی شرط حالت جر میں آیا ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور لَفْظُ اللَّهِ اس کا اسم، عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ متعلق خبر اور قَدِيرٌ خبر ہے۔ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ کو خبر سے مقدم کرنے کی وجہ سے حصر کا مفہوم پیدا ہوا ہے۔ اَصْأَاءَ۔ مَشَوْا۔ اَظْلَمَ اور قَامُوا ماضی کے صیغے ہیں لیکن کُلَّمَا اور اِذَا کی وجہ سے ان کا ترجمہ حال میں ہوگا۔

يَكَادُ	الْبَرَقُ	يَخْطَفُ	أَبْصَارَهُمْ ط	كُلَّمَا	أَضَاءَ لَهُمْ
قریب ہے کہ	بجلی	اچک لے	ان کی بصارت کو	جب کبھی	چمکتی ہے اُن کے لیے
مَشَاوِفِيهِ ٧	وَإِذَا	أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ	قَامُوا ط	وَهُلُوكَ چلتے ہیں اس میں	اور جب کبھی
وَكُوشَاءَ اللّٰهُ	لَذَهَبَ	بِسَمْعِهِمْ	وَأَبْصَارِهِمْ ط	اور اگر اللہ چاہتا	تو لے جاتا
إِنَّ اللّٰهَ	عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ	قَدِيرٌ ٥	وَهُلُوكَ چلتے ہیں اس میں	اور اگر اللہ چاہتا	تو لے جاتا
بِشْكِ اللّٰهِ	ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے	اور اگر اللہ چاہتا	تو لے جاتا	تو لے جاتا

**نوٹ** آیت نمبر- 17 اور 18 میں دی گئی پہلی مثال میں ہے کہ اللہ ان کے باطنی نور کو لے گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ مثال کافروں، یہودیوں اور منافقین میں سے اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے اپنے ضعفِ ایمان کے مرض کا علاج نہیں کیا اور آخر کار کفر و نفاق میں مبتلاء ہو گئے۔ اب وہ ایسے مقام پر ہیں جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہے۔

جبکہ آیت نمبر- 19 اور 20 میں دی گئی دوسری مثال میں ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو لے جاتا یعنی ان کی صلاحیتیں ابھی باقی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ مثال منافقوں میں سے ایسے لوگوں کی ہے جن کی مہلت ابھی باقی ہے اور ان کا مرض ابھی لا علاج نہیں ہوا ہے۔ جو چاہے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر علاج کر لے۔ (واللہ اعلم)

## آیت: 21

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ٢١﴾

النَّاسُ: البقرة آیت 8 دیکھیں۔ اَعْبُدُوا (ع ب د): الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔ رَبُّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

خ ل ق

(ن)

خَلَقًا وَخَلَقَةً خلق کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

(i) کسی چیز کو بنانے کے لیے اس کا اندازہ لگانا، منصوبہ بنانا یا خاکہ تیار کرنا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انجینئر ایک عمارت بنانے سے پہلے یہ ارادہ کرتا ہے کہ اسے ایسی اور ایسی عمارت فلاں خاص مقصد کے لیے بنانی ہے اور اپنے ذہن میں اس کا نقشہ سوچتا ہے کہ اس مقصد کے لیے زیر تجویز عمارت کی تفصیلی صورت اور مجموعی شکل یہ ہونی چاہیے۔

(ii) خلق کا عام مفہوم یہ ہے کہ ایک چیز سے دوسری چیز بنائی جائے۔ پہلے مادہ موجود ہو تو اس سے کوئی دوسری چیز ایجاد کی جائے۔ جیسے ارشاد باری ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ (4/ النساء: 1) ”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا۔“ اس صورت میں اس کی نسبت غیر اللہ کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:



﴿وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ﴾ (5/ المائدة: 110) ”اور جب تو بناتا تھا گارے سے پرندے کی صورت۔“

(iii) کبھی خلق، ابداع کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قرآن کریم میں جیسے خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ آتا ہے، ایسے ہی يَخْلُقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بھی آتا ہے۔ اس صورت میں اس کی نسبت غیر اللہ کی طرف نہیں ہو سکتی۔ (ابداع یعنی مادہ اور سابقہ مثال کے بغیر بنانا)۔

(iv) عام لوگوں کے لیے خلق کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (ل) کسی چیز کو بنانے کے لیے اندازہ کرنا۔ (ب) جھوٹ بولنا یا جھوٹ گھڑنا۔ مثلاً ﴿إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا﴾ (29/ العنکبوت: 17) ”تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوائے یہی بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

یہ لفظ مصدر کے علاوہ (1) اسم ذات بھی ہے بمعنی پیدائش۔ ﴿وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (3/ آل عمران: 191) ”اور وہ لوگ غور و فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں۔“

(2) مخلوق کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ﴿هَذَا خَلْقُ اللَّهِ﴾ (31/ لقمان: 11) ”یہ اللہ کی مخلوق ہے۔“

(3) اور ہر وہ مقام جہاں خلق کا لفظ کلام کے متعلق استعمال ہوا ہے اس سے جھوٹ ہی مراد ہے۔ اس بنا پر اکثر لوگ قرآن کے متعلق خلق کا لفظ استعمال نہیں کیا کرتے تھے۔ (مفردات)

اسم الفاعل ہے۔ پیدا کرنے والا۔ اندازہ کرنے والا۔ منصوبہ بنانے والا۔ ﴿قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (13/ الرعد: 16) ”آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔“

فَعَالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بہت زیادہ پیدا کرنے والا۔ ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ﴾ (15/ الحجر: 86) ”بیشک تیرا رب ہی سب کچھ پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“

چکنا ہونا۔ نرم ہونا۔ قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

اچھے اخلاق والا ہونا۔ قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا

ج: اخلاق۔ عادت، خصلت، اخلاقی خوبیاں۔ ﴿إِنَّ هَذَا إِلَّا خَلْقُ الْأَوَّلِينَ﴾ (26/ الشعراء: 137) ”اور کچھ

نہیں یہ باتیں عادت ہے اگلے لوگوں کی۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَى خَلْقٍ عَظِيمٍ﴾ (68/ القلم: 4) ”اور

بے شک آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر ہیں۔“ (ترجمہ ماحدی)۔ اس آیت میں خَلْق کی وضاحت کرتے ہوئے پیر

کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”پہلے یہ سمجھیے کہ خَلْق کس کو کہتے ہیں۔ امام فخر الدین رازیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے

رقطراز ہیں۔ اَلْخَلْقُ مَلَكَ نَفْسًا يَبْتَغِي عَلَى الْمَتَّصِفِ بِهَا الْإِتْيَانُ بِالْأَفْعَالِ الْجَبِيلَةِ۔ یعنی خلق، نفس

کے اس ملکہ اور استعداد کو کہتے ہیں جس میں وہ پایا جائے، اس کے لیے افعال جمیلہ اور خصال حمیدہ پر عمل پیرا ہونا آسان

اور سہل ہو جائے۔ (کبیر)۔ پھر فرماتے ہیں کسی اچھے اور خوب صورت فعل کا کرنا الگ چیز ہے، لیکن اس کو سہولت اور آسانی

سے کرنا الگ چیز ہے۔ کوئی کام خَلْق اسی وقت کہلائے گا جب اس کے کرنے میں تکلف سے کام لینے کی نوبت نہ آئے

(کبیر)۔ یعنی جس طرح آنکھ بے تکلف دیکھتی ہے کان بے تکلف سنتے ہیں، زبان بے تکلف بولتی ہے اسی طرح سخاوت،

شجاعت، حیا، حق گوئی، تقویٰ وغیرہ تجھ سے کسی تردد اور توقف کے بغیر صدور پذیر ہونے لگیں تو اس وقت ان امور کو تیرے

اخلاق شمار کیا جائے گا۔“ (ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۳۳۱)

اسم ذات ہے۔ بھلائی کا حصہ۔ وہ فضیلت جو انسان اپنے اخلاق سے حاصل کرتا ہے۔ ﴿أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي

الْآخِرَةِ﴾ (3/ آل عمران: 77) ”وہ لوگ ہیں جن کے لئے بھلائی کا کوئی حصہ نہیں ہے آخرت میں۔“

خَلَقُ

خَالِقُ

خَلَّاقُ

خَلَقًا

خُلُوقًا

خُلُقُ

(س)

(ک)

(تفعل) تَخْلِقًا (شکل و صورت بنانا۔ کسی صورت کے ابتدائی نقش و نگار بنانا۔  
 اسم المفعول ہے۔ واحد مؤنث کا صیغہ۔ جس کی شکل بنائی گئی۔ شکل دیا ہوا۔ ﴿فَإِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ (22/ البقرة: 5) ”تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔“ (ترجمہ تفہیم القرآن)  
 (افتعال) اخْتَلَقًا (جھوٹ گھڑنا۔ ﴿إِنَّ هَذَا إِلَّا اخْتِلَافٌ﴾ (38/ ص: 7) ”نہیں ہے یہ مگر جھوٹ گھڑنا۔“)

قَبْلُ: البقرة آیت 4 دیکھیں۔

لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ ”شاید کہ“۔ عربی زبان میں لَعَلَّ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں کسی چیز کے حاصل ہونے کی توقع اور امید ہو لیکن یقین نہ ہو یا اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کسی چیز کا اندیشہ ظاہر کرنا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جب یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے تو تعجب ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ بندوں سے بندوں کے محاورے میں کلام کرتا ہے اور جس موقع پر بندے اس کلمہ کو استعمال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی اس موقع پر استعمال کرتا ہے۔ البتہ بندوں اور اللہ تعالیٰ کے استعمال میں فرق یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے تو معنی میں قطعیت آ جاتی ہے اور شک کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں لَعَلَّ کے ساتھ کُمُ یا هُمْ کی ضمیر لگا کر فعل مضارع آیا ہے، مثلاً تَتَّقُونَ۔ تَهْتَدُونَ۔ تَشْكُرُونَ وغیرہ۔ وہاں اس کا اصل مفہوم یہ ہوتا ہے کہ یہ کام کرنے کا ایک موقع فراہم کیا گیا ہے، اب جس کا جی چاہے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ اردو محاورہ میں یہ مفہوم لفظ ”تا کہ“ سے صحیح طور پر ادا ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالمجید دریا بادی فرماتے ہیں: ”لَعَلَّ“ ہے تو اظہار شک اور امید و آرزو کے لیے۔ لیکن قرآن مجید میں جہاں حق تعالیٰ کی طرف سے ادا ہوا ہے، تو کسی فعل کی آرزو کی جگہ اس کے وقوع کا اور شک و احتمال کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔ اور اردو ترجمہ ”تا کہ“ سے بھی جائز ہو گیا ہے۔“ (تفسیر ماجدی، ص 13)

تَتَّقُونَ (وق ی): البقرة آیت 2 دیکھیں۔

ترکیب یا۔ حرف ندا ہے۔ اَيُّهَا النَّاسُ منادوی ہے۔ النَّاسُ چونکہ معرف باللام ہے اور مذکر ہے اس لیے اس سے پہلے اَيُّهَا کا اضافہ ہوا ہے۔ اَعْبُدُوا۔ فعل امر ہے۔ اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ رَبِّكُمْ مفعول ہے۔ الَّذِي اسم موصول ہے اور اگلے جملہ خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ اس کا صلہ ہے۔ اس میں الَّذِي عطف ہے خَلَقَكُمْ میں کُمُ ضمیر پر یعنی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے۔ موصول اور صلہ مل کر صفت ہے رَبِّكُمْ میں رَبِّ کی۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے کُمُ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ تَتَّقُونَ اس کی خبر ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ کا ترجمہ عام طور پر ہمارے بزرگوں نے تَتَّقُونَ کے لفظ کا اصطلاحی مفہوم لے کر لیا ہے یعنی ”تا کہ تم پر ہیزگار بن جاؤ۔“ البتہ کچھ بزرگوں نے اس کے لفظی مفہوم ”بچنا، محفوظ رہنا“ سے بھی ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: ”اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ (شاہی محاورہ میں ’عجب نہیں‘ کا لفظ وعدہ کے موقع پر بولا جاتا ہے۔) اور صاحب تدبر قرآن ترجمہ کرتے ہیں: ”اے لوگو! بندگی کرو اپنے اس خداوند کی جس نے تم کو بھی پیدا کیا اور ان کو بھی جو تم سے پہلے گزرے ہیں، تا کہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہو۔“

ترجمہ	يَا أَيُّهَا النَّاسُ	اَعْبُدُوا	رَبِّكُمْ	الَّذِي	خَلَقَكُمْ
البقرة: 21	اے لوگو	تم لوگ بندگی کرو	اپنے اُس رب کی	جس نے	پیدا کیا تم لوگوں کو
	وَالَّذِينَ	مِنْ قَبْلِكُمْ	لَعَلَّكُمْ	تَتَّقُونَ	
	اور ان لوگوں کو بھی جو	تم سے پہلے تھے	تا کہ تم لوگ	پرہیزگار بن جاؤ	

## آیت: 22

﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَدَادًا ۖ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾

جَعَلَ (ج ع ل): البقرة آیت 19 دیکھیں۔  
الْأَرْضُ (ع ر ض): البقرة آیت 11 دیکھیں۔

ف ر ش

(ن-ض) فَرَشًا وَفِرَاشًا کسی چیز کو بچھانا۔ کشادہ کرنا۔ ﴿وَالْأَرْضُ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْبَهْدُونَ﴾ (51/ الذاریات: 48) ”اور زمین، ہم نے بچھایا اس کو، تو ہم کیا ہی اچھا بچھانے والے ہیں۔“

فِرَاشٌ ج: فُرُشٌ- فِعَالٌ کے وزن پر اسم المفعول ہے۔ بچھائی ہوئی چیز۔ بچھونا۔ بستر۔ ﴿مُتَّكِئِينَ عَلَى فُرُشٍ بَطَاطِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ط﴾ (55/ الرحمن: 54) ”تکیہ لگانے والے بچھونوں پر، ان کا استر (یعنی اندر کا کپڑا) ہے موٹے ریشم کا۔“

فُرُشٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ بچھونا۔ چوپایوں کے چھوٹے بچے جو زمین سے لگے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور جن پر بوجھ نہیں لاداجاتا۔ ﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةٌ وَفَرَشَاتٌ﴾ (6/ الانعام: 142) ”اور چوپایوں میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے جانور۔“

فَرَاشَةٌ ج: فَرَأَشٌ۔ اسم ذات ہے۔ پروانہ۔ پتنگ۔ ﴿يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ﴾ (101/ القارعة: 4) ”جس دن لوگ ہو جائیں گے پھیلانے ہوئے پتنگوں کی مانند۔“

السَّمَاءُ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ب ن ی

(ض) بِنَاءً، بُنْيَا بنانا۔ تعمیر کرنا۔ ﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ﴾ (51/ الذاریات: 47) ”اور آسمان، ہم نے بنایا اس کو ہاتھوں سے۔“  
فعل امر ہے۔ تو بنا۔ تو تعمیر کر۔ ﴿إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ﴾ (66/ التحریم: 11) ”اور جب اس نے کہا اے میرے رب! تو بنا میرے لئے اپنے پاس ایک گھر جنت میں۔“

بِنَاءٌ فِعَالٌ کے وزن پر اسم المفعول ہے۔ جو چیز بنائی جائے۔ پھر یہ لفظ عمارت، چھت یا بلندی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔ اصل میں بنائی تھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ کسی اسم کے حرف علت (و یا ی) کے ماقبل اگر الف زائدہ ہو تو اس و یا ی کو ’ء‘ سے بدل دیتے ہیں۔ اس لیے بُنَايٌ، بِنَاءٌ ہو گیا۔

مَبْنِيَّةٌ اسم المفعول ہے۔ واحد مونث۔ ناقص یا ئی کا اسم المفعول ”مَفْعِيَّةٌ“ کے وزن پر آتا ہے۔ اور اس کی مؤنث کا وزن ہے مَفْعِيَّةٌ۔ اسی پر مَبْنِيَّةٌ ہے۔ مطلب ہے بنائی ہوئی، تیار کی ہوئی۔ ﴿لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ﴾ (39/ الزمر: 20) ”البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اُن کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر بنے بنائے (تیار) بالا خانے ہیں۔“ (ترجمہ جدید)

فَعَلَانٌ كَاوَرَنَ هُـ۔ بہت زیادہ بنا ہوا۔ عمارت۔ ﴿فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا ط﴾ (18/ البقرة: 21) ”تو ان لوگوں نے کہا تم لوگ تعمیر کرو ان پر ایک عمارت۔“ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَانَهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُومٌ ۝﴾ (61/ الصف: 4) ”بے شک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اُس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔“ (ترجمہ احسن البیان)

بُنْيَانٌ

فَعَالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بہت زیادہ تعمیر کرنے والا۔ معمار۔ ﴿وَالشَّيْطَانُ كُلُّ بَنَاءٍ وَغَوَاصٍ ۝﴾ (38/ ص: 37) ”اور شیاطین جو سب معمار اور غوطہ لگانے والے تھے۔“ یہ بھی اصل میں بَنَاءٌ تھا۔ ’ی‘ سے پہلے الف زائد ہونے کی وجہ سے ’ی‘، ’ء‘ میں تبدیل ہو گئی۔

بَنَاءٌ

اَنْزَلَ (ن ز ل): البقرة آیت 4 دیکھیں۔

م و ہ

پانی پلانا۔ دو چیزوں کو ملانا۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔  
اسم ذات ہے۔ پانی۔ (یہ دراصل مَوَّہ ہے جو قاعدے کے مطابق مَآء کے بجائے مَآء استعمال ہوتا ہے)۔

(ن) مَوْهًا

مَاءٌ

خ ر ج

باہر نکلنا۔ ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط﴾ (2/ البقرة: 149) ”اور جہاں سے بھی آپ ﷺ نکلیں تو رخ کریں اپنے چہرے کا مسجد حرام کی طرف۔“ ﴿فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِّنْ سَبِيلٍ ۝﴾ (40/ المؤمن: 11) ”تو ہم نے اعتراف کیا اپنے گناہوں کا تو کیا نکلنے کیلئے کوئی راستہ ہے۔“  
فعل امر ہے۔ تو نکل۔ ﴿فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ﴾ (7/ الاعراف: 13) ”تو تیرے لئے نہیں تھا کہ تو تکبر کرے اس میں پس تو نکل جا۔“

(ن) خُرُوجًا

اسم الفاعل ہے۔ نکلنے والا۔ ﴿وَمَا هُمْ بِخُرُوجِينَ مِنَ الدَّارِ ۝﴾ (2/ البقرة: 167) ”اور وہ لوگ نکلنے والے نہیں ہیں آگ سے۔“

خَارِجٌ

اسم الظرف ہے۔ نکلنے کی جگہ۔ نکلنے کا راستہ۔ ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝﴾ (65/ الطلاق: 2) ”اور جو تقویٰ کرتا ہے اللہ سے تو وہ بنا دیتا ہے اس کے لئے کوئی نکلنے کا راستہ۔“

مَخْرَجٌ

اسم ذات ہے۔ سرمایہ۔ خرچ۔ محصول۔ ٹیکس۔ خراج وغیرہ۔ ﴿فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَى أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝﴾ (18/ البقرة: 94) ”تو کیا ہم مقرر کر دیں تیرے لئے کوئی سرمایہ اس بات پر کہ تو بنادے ہمارے اور ان کے مابین ایک دیوار۔“

خَرْجٌ

اسم ذات ہے۔ مال۔ مزدوری۔ خراج۔ اجر و ثواب۔ عطا وغیرہ۔ خَرَّاجٌ کا لفظ عموماً زمین کے لگان پر بولا جاتا ہے اور خَرَّاجٌ اور خَرْجٌ دونوں تقریباً ہم معنی ہیں۔ (ضیاء القرآن) ﴿أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَّاجٌ رَّبُّكَ خَيْرٌ ۝﴾ (23/ المؤمنون: 72) ”کیا آپ طلب کرتے ہیں اُن سے کچھ معاوضہ (آپ کے لیے) تو آپ کے رب کی عطا بہتر ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

خَرَّاجٌ

باہر نکالنا۔ ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ ۝﴾ (7/ الاعراف: 32) ”آپ ﷺ کہہ دیجئے کس نے حرام کیا اللہ کی اس زینت کو جو اس نے نکالی اپنے بندوں کیلئے۔“

(افعال) اِخْرَاجًا

ج: أَخْرِجُوا- فعل امر ہے۔ تو نکال۔ ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ﴾ (4/ النساء: 75) ”اے ہمارے رب! تو نکال ہم کو اس بستی سے۔“

مُخْرِجٌ اسم الفاعل ہے۔ نکالنے والا۔ ﴿وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ﴾ (2/ البقرة: 72) ”اور اللہ نکالنے والا ہے جو تم لوگ چھپایا کرتے تھے۔“

مُخْرَجٌ اسم المفعول ہے۔ نکالا جانے والا یعنی جس کو نکالا جائے۔ ﴿أَيَعِدْكُمْ أَتُكْمِرُ إِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا﴾ (23/ المؤمنون: 35) ”کیا وہ وعدہ دیتا ہے تم کو کہ جب تم مردہ ہو گے اور ہو جاؤ گے مٹی اور ہڈیاں تو تم نکالے جانے والے ہو۔“

(استفعال) اسْتَخْرَجَا کسی چیز میں سے کچھ نکالنا۔ ﴿ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ ط﴾ (12/ يوسف: 76) ”پھر اس نے نکالا اس کو اپنے بھائی کے سامان میں سے۔“ کسی آیت یا حدیث سے کوئی مسئلہ نکالنا بھی استخراج یا استنباط کہلاتا ہے۔

ث	م	ر
---	---	---

(ن)

ثَمَرًا

ثَمَرٌ

پھل دار ہونا۔ پھل والا ہونا۔ قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔  
اسم ذات ہے۔ پھل۔ پھلوں کے لیے یہ لفظ عام ہے۔ اس کی واحد ثَمَرَةٌ آتی ہے اور جمع ثَمَرَاتٌ اور ثَمَارٌ آتی ہے۔ ﴿كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ﴾ (2/ البقرة: 25) ”جب کوئی پھل انہیں کھانے کو دیا جائے گا۔“ ثَمَرَاتٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿أَنْظُرُوا إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْجِهِ ط﴾ (6/ الانعام: 99) ”تم لوگ دیکھو اس کے پھل کی طرف جب وہ پھل دے اور اس کے پکنے کی طرف۔“ حضرت مفتی محمد شفیع ثمرۃ کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ثَمَرَاتٌ، ثمرہ کی جمع ہے، ہر نفع آور چیز سے حاصل ہونے والے نتیجہ کو اس کا ثمرہ کہا جاتا ہے، اس لیے لفظ ثَمَرَاتٌ میں وہ تمام چیزیں بھی شامل ہیں جو انسان کی غذا بنتی ہیں، اور وہ چیزیں بھی جو اس کا لباس بنتی ہیں، اور وہ چیزیں بھی جو اس کے رہنے سہنے کا مکان بنتی ہیں۔“ (معارف القرآن، ج ۵، ص ۲۵۴)۔ حضرت سورہ ابراہیم کی آیت 37 کے تحت فرماتے ہیں: ”ثَمَرَاتٌ، ثمرۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں پھل اور عادتہ ان پھلوں کو کہا جاتا ہے جو کھائے جاتے ہیں۔ اور کبھی لفظ ثمرہ نتیجہ اور پیداوار کے معنی میں بھی آتا ہے جو کھانے کی چیزوں سے زیادہ عام ہے، ہر نفع آور چیز کے نتیجہ اور حاصل کو اس کا ثمرہ کہا جاسکتا ہے، مشینوں اور صنعتی کارخانوں کے ثمرات ان کی مصنوعات کہلائیں گی، ملازمت اور مزدوری کا ثمرہ وہ اجرت اور تنخواہ کہلائے گی جو اس کے نتیجہ میں حاصل ہوئی۔“ (معارف القرآن، ج ۵، ص ۲۶۵) امام راغب فرماتے ہیں: ”مجازاً ہر چیز کے نفع پر ثمر کا لفظ بولا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے ثَمَرَةُ الْعِلْمِ، الْعَمَلِ الصَّالِحِ کہ علم کا ثمرہ نیک عمل ہے وَ ثَمَرَةُ الْعَمَلِ الصَّالِحِ، الْجَنَّةُ اور نیک عمل کا ثمرہ جنت ہے۔“ بطور کنایہ ثَمَرٌ کا لفظ مطلق مال و دولت یا کمائے ہوئے مال پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ﴾ (الکہف: 34)۔ اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”لفظ ثمر درختوں کے پھل کو بھی کہا جاتا ہے، اور مطلق مال و زر کو بھی، اس جگہ (الکہف: 34) حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ سے یہی دوسرے معنی منقول ہیں (ابن کثیر)۔ قاموس میں ہے کہ لفظ ثمرہ درخت کے پھل اور انواع مال و زر سب کو کہا جاتا ہے۔“ (معارف القرآن، ج ۵، ص ۵۹۲)۔ اولاد کو بھی والدین کا ثمر قرار دیا گیا ہے۔

پھل دینا۔ ﴿كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ﴾ (6/ الانعام: 141) ”تم لوگ کھاؤ اس کے پھل میں سے جب بھی وہ پھل دے۔“

(افعال)

إِثْمَارًا

رَزَقًا (رزق): البقرة آیت 3 دیکھیں۔ اَللّٰهُ (عل ۵): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ن د د

(ض)

نَدَا  
نَدَّ

کسی کا ہم پلہ ہونا۔ مد مقابل ہونا۔

ج: اَنْدَادُ۔ اسم صفت ہے۔ ہم پلہ۔ ہم سر۔ مد مقابل۔ برابر کا مخالف۔ Rival۔ آیت زیر مطالعہ۔ نَدَّ عربی زبان میں اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کے جیسی بھی ہو اور اس کے مخالف بھی۔ تفسیر ماجدی میں ہے نَدَّ عربی میں کہتے ہیں مثل و مشابہ کو بھی اور مخالف و مد مقابل کو بھی چنانچہ انداد کے معنی اضداد (مخالف ہونا) اور اشباہ (کسی کے جیسا ہونا) دونوں کیے گئے ہیں۔ (ص: ۱۴)۔ ”کسی کے جیسا ہونا“ کے لیے عربی میں مِثْلٌ اور نَدَّ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ مِثْلٌ عام ہے اور ہر طرح کی شرکت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ نَدَّ خاص ہے اور اس کو کہتے ہیں جو کسی شے کی ذات اور جوہر میں شریک ہو اور یہ بھی مماثلت کی ایک قسم ہے۔ اس لیے ہر نَدَّ کو مثل کہہ سکتے ہیں، لیکن ہر مثل کو نَدَّ نہیں کہہ سکتے۔ اسی مفہوم کو واضح کرنے کے لیے ہمارے بزرگوں نے اس کا ترجمہ ”ہم سر اور مد مقابل“ سے کیا ہے۔ مثلاً صاحب تفہیم القرآن، البقرة آیت 165 کا ترجمہ کرتے ہیں۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا﴾ ”کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مد مقابل بناتے ہیں۔“ اور بعض بزرگوں نے اس کا ترجمہ، ”برابر کا مخالف“، ”شریک و ہم سر“، وغیرہ الفاظ سے کیا ہے۔ انگلش کا لفظ ”Rival“ اس لفظ کے مفہوم کے صرف ایک جز ”مخالف“ کی ترجمانی کرتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ اس وضاحت کے بعد اب نوٹ کیجئے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا نَدَّ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر ویسی ہی صفات ماننا جیسی کہ اللہ تعالیٰ کی ہیں اور جو حقوق اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ہیں ان میں سے سب یا بعض اس بناوٹی معبود کو دینا۔ البقرة آیت 165 کے تحت مولانا مودودی ”انداد“ کے اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”یعنی خدائی کی جو صفات اللہ کے لیے خاص ہیں ان میں سے بعض کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور خدا ہونے کی حیثیت سے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں، وہ سب یا ان میں سے بعض حقوق یہ لوگ ان دوسرے بناوٹی معبودوں کو ادا کرتے ہیں۔ مثلاً سلسلہ اسباب پر حکمرانی، حاجت روائی، مشکل کشائی، فریاد رسی، دعائیں سننا اور غیب و شہادت ہر چیز سے واقف ہونا، یہ سب اللہ کی مخصوص صفات ہیں۔“ اور آگے فرماتے ہیں: ”جو شخص خدا کی ان صفات میں سے کسی صفت کو بھی کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے، اور اُس کے ان حقوق میں سے کوئی ایک حق بھی کسی دوسرے کو دیتا ہے وہ دراصل اُسے خدا کا مد مقابل اور ہمسر بناتا ہے۔ اور اسی طرح جو شخص یا جو ادارہ ان صفات میں سے کسی صفت کا مدعی ہو اور ان حقوق میں سے کسی حق کا انسانوں سے مطالبہ کرتا ہو، وہ بھی دراصل خدا کا مد مقابل اور ہمسر بنتا ہے خواہ زبان سے خدائی کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔“ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک صحابی نے ایسے ہی کہہ دیا: ”مَا شَاءَ اللَّهُ وَمَا شِئْتُ“ یعنی جو اللہ چاہے اور جو آپ ﷺ چاہیں۔“ آپ ﷺ نے انہیں فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: ((أَجَعَلْتَنِي لِلَّهِ نَدًّا؟ مَا شَاءَ اللَّهُ وَحْدَهُ)) ”کیا تو نے مجھے اللہ کا مد مقابل بنا دیا ہے؟ (بلکہ وہی ہوگا) جو تنہا اللہ چاہے۔“ (ان الفاظ میں یہ حدیث علامہ محمد بن عبد الوہاب نے ”کتاب التوحید“ میں نسائی کے حوالے سے درج کی ہے۔ مسند احمد میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((أَجَعَلْتَنِي وَاللَّهِ عَدًّا؟)) ”کیا تو نے مجھے اور اللہ کو برابر کر دیا؟“۔ صوفیاء کرام نے ”انداد“ کی تفسیر یہ فرمائی

ہے: ”ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے اور اس کے احکام کی تعمیل سے روک دے وہ ”انداد“ سے ہے۔ خواہ وہ بت ہوں، گمراہ رئیس ہوں، مال و دولت ہو، فرزند و زن ہوں یا علم و فن ہر چیز جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہو وہ ”نِدُّ“ ہے اور پاش پاش کر دینے کے لائق ہے۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۱۱۳)۔ تفسیر ابن جریر طبری میں متعدد صحابہ کرامؓ سے آیت زیر مطالعہ میں انداد کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ یہاں انداد سے مراد وہ حکام ہیں جن کی اطاعت خدا کی نافرمانی میں کی جاتی ہو گو یا اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے غیر اللہ کی اطاعت کرنا، غیر اللہ کی پرستش کی طرح شرک ہے۔ (بحوالہ فی ظلال القرآن، ج ۱، ص: ۱۳۴)

نِدُّ اور ضِدُّ کا فرق بھی ذہن میں رہے۔ ضِدُّ ان دو چیزوں کو کہا جاتا ہے جو ایک جنس کے تحت ہوں مگر ان میں سے ہر ایک اپنی خاص صفات اور خصوصیات کی وجہ سے دوسری سے مخالف ہو اور ان میں انتہائی دوری ہو اور کبھی جمع نہ ہو سکتی ہوں۔ مثلاً سیاہی اور سفیدی، دونوں کی جنس رنگ ہے لیکن دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے ہیں اور دونوں کی متضاد خصوصیات بھی ہیں۔ اسی طرح، خیر اور شر ہے یا دن اور رات وغیرہ۔ جب کہ نِدُّ میں دونوں چیزوں کی صفات اور خصوصیات کو ایک جیسا بھی مانا جاتا ہے اور ایک دوسرے کے مخالف بھی مانا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ لَا نِدَّ لَهُ وَلَا ضِدُّ لَهُ۔ یعنی نہ اس کا کوئی نِدُّ ہے (یعنی جو اللہ تعالیٰ جیسی صفات رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے مد مقابل بھی ہو) اور نہ اس کا کوئی ضِدُّ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جنس کی کوئی اور چیز ہے ہی نہیں اس لیے ضِدُّ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مختصراً: ایک جیسی صفات کے ساتھ ہم پلہ، ہم سر اور مخالف نِدُّ ہے اور مخالف صفات کے ساتھ مد مقابل ضِدُّ ہے۔ (واللہ اعلم)۔

تَعْلَمُونَ (ع ل م): الفاتحہ آیت ۱ دیکھیں۔

### ترکیب

الَّذِيْ غَزَتْ آيَاتِ فِي رَبِّكُمْ پر عطف ہے۔ اور پورا جملہ اس کی صفت ہے۔ جَعَلَ فعل، لَكُمْ متعلق فعل اور الْأَرْضُ مفعول ہے۔ فِرَاشًا کو جَعَلَ کا مفعول ثانی بھی مانا جاسکتا ہے اور الْأَرْضُ کا حال بھی۔ السَّمَاءُ مفعول ہے جَعَلَ کا۔ بِنَاءً کو مفعول ثانی بھی مانا جاسکتا ہے اور حال بھی۔ أَنْزَلَ کی ضمیر فاعلی الَّذِيْ یعنی رَبِّكُمْ کے لئے ہے۔ مِنَ السَّمَاءِ متعلق فعل ہے۔ مَاءً مفعول ہے۔ أَخْرَجَ کی ضمیر فاعلی رَبِّكُمْ کے لئے ہے۔ بِه کی ضمیر مَاءً کے لئے ہے۔ مِنَ الثَّمَرَاتِ متعلق فعل، رِزْقًا مفعول بہ ہے اور لَكُمْ متعلق ہے۔ دوسری ترکیب کے مطابق مِنَ الثَّمَرَاتِ کو مفعول مانا گیا ہے اور رِزْقًا لَكُمْ کو مفعول لہ مانا گیا ہے۔ لَا تَجْعَلُوا فعل نہی ہے۔ لِلّٰہِ متعلق فعل اور اَنْدَادًا مفعول ہے۔ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ کا واو حالیہ ہے۔ أَنْتُمْ مبتداء اور تَعْلَمُونَ جملہ فعلیہ بن کر اس کی خبر ہے۔

الَّذِيْ جَعَلَ	لَكُمْ	الْأَرْضُ	فِرَاشًا	وَالسَّمَاءُ
جس نے بنایا	تمہارے لئے	زمین کو	بچھونا/فرش	اور آسمان کو

بِنَاءً	وَأَنْزَلَ	مِنَ السَّمَاءِ	مَاءً	فَاخْرَجَ
چھت	اور اس نے اتارا	آسمان سے	پانی کو	پھر اس نے نکالا

بِه	مِنَ الثَّمَرَاتِ	رِزْقًا	لَكُمْ	فَلَا تَجْعَلُوا	لِلّٰہِ
اس سے	پھلوں میں سے	رزق کو	تمہارے لئے	پس تم لوگ مت بناؤ	اللہ کے

اَنْذَادًا	وَ	اَنْتُمْ	تَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾
ہمسرا اور مد مقابل	اس حال میں کہ	تم لوگ	جانتے ہو

**نوٹ: 1** ہدایت اور ضلالت کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عبادت کی دعوت تمام انسانوں کو دی جا رہی ہے۔ فرمایا کہ جب تمہارا اور کائنات کا خالق اللہ ہے، تمہاری تمام ضروریات کا مہیا کرنے والا وہی ہے، تو پھر تم اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ دوسروں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اگر تم عذاب خداوندی سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو، جانتے بوجھتے شرک کا ارتکاب مت کرو۔ (حسن البیان، ص ۱۳)

**نوٹ: 2** حضرت مولانا عبدالماجد دریابدیؒ اَلَّذِي جَعَلَ لَكُمْ فِي اَرْضِيَا فِلْكِيَا مَاهِيَةً بَيَانِ كَرْنَا، يَا اِن كِي اَرْضِيَا فِلْكِيَا مَاهِيَةً بَيَانِ كَرْنَا کی جان یا اصل رُوح جَعَلَ لَكُمْ ہے۔ مقصود زمین یا آسمان کی ہیئت بیان کرنا، یا ان کی ارضیاتی یا فلکیاتی ماہیت بیان کرنا کسی درجہ میں بھی نہیں۔ بیان صرف یہ کرنا ہے کہ زمین ہو یا آسمان، کوئی بھی از خود نہیں بن گئے ہیں، بلکہ جو کچھ اور جیسے بھی کچھ ہیں، اللہ کے بنائے ہوئے، اور اسی قادر مطلق کے زیر فرمان ہیں۔ دوسری تعلیم ساتھ ہی ساتھ یہی، کہ زمین و آسمان انسان کے لیے خلق ہوئے ہیں۔ انسان زمین و آسمان کے لیے خلق نہیں ہوا ہے۔ مقصود و مطلوب انسان ہے۔ زمین و آسمان دونوں، باذن الہی، اسی خلیفۃ اللہ کے خادم ہیں۔ پھر یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ انسان اپنے ان خدائی خادموں کے آگے جھکنے لگے۔ اور اُلٹا انہیں کو معبود قرار دے کر ان کی پرستش کرنے لگے۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۱۳)

### آیت: 23

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ۚ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٠﴾﴾

اِنْ چار طرح استعمال ہوتا ہے۔

- (1) اِنْ شرطیہ: اِنْ شرطیہ کے معنی ہیں ”اگر“۔ یہ حروف عاملہ میں سے ہے۔ مضارع کو جزم دیتا ہے۔ ﴿إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ﴾ (8/ الانفال: 38) ”اگر وہ باز آجائیں تو معاف کر دیے جائیں گے ان کے لیے جو گناہ پہلے ہو چکے۔“ یہی کثیر الاستعمال ہے۔
- (2) اِنْ مخففہ: جو اِنْ ثقلیہ سے مخفف ہو کر اِنْ بنتا ہے۔ یہ کبھی عمل کرتا ہے اور کبھی نہیں۔ یہ تحقیق اور ثبوت کے معنی دیتا ہے۔ اس کی خبر پر لام تاکید (ل) لگا ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ۖ﴾ (15/ الحجر: 78) ”بلاشبہ اصحاب الایکہ ظالم تھے۔“ اس لام تاکید کو لام فارقہ کہتے ہیں۔
- (3) اِنْ نافیہ: اِنْ نافیہ کے معنی ہیں ”نہیں“۔ یہ غیر عامل ہے۔ یہ جملہ اسمیہ پر بھی آتا ہے اور جملہ فعلیہ پر بھی۔ جیسے الانعام کی آیت 116 میں فرمایا: ﴿إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ﴾ (جملہ فعلیہ) ﴿وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۚ﴾ (جملہ اسمیہ) ”سو کچھ نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں اپنے خیال کے اور کچھ نہیں مگر قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔“ ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۖ﴾ (74/ المدثر: 25) ”نہیں ہے یہ مگر بشر کا کلام۔“ اس کے بعد اکثر اِلَّا و لَبَّيْآ آتا ہے۔ مگر ہر جگہ ضروری نہیں۔ مثلاً ﴿إِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلَاطِينٍ بِهَذَا ۖ﴾ (10/ یونس: 68) ”تمہارے پاس کوئی بھی دلیل اس دعوے کی نہیں۔“ (ترجمہ ماجدی) اس آیت مبارکہ میں اِنْ نافیہ ہے۔ (ماجدی)

(4) اِنْ زائدہ: اِنْ زائدہ جو مآ نافیہ کے بعد آتا ہے اور مآ نافیہ کی تاکید یا تحسین کلام کے معنی دیتا ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کا ایک شعر ہے:

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِي لَكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِي بِمُحَمَّدٍ

”میں نے اپنے اشعار کے ذریعے سے محمد ﷺ کی تعریف نہیں کی بلکہ محمد ﷺ کے ذریعے میں نے اپنے اشعار کی تعریف کی۔“

اس میں مآ کے بعد اِنْ زائدہ ہے اور تحسین کلام کے لیے آیا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثال الاحقاف: 26 ہے۔ جس میں فرمایا ﴿وَلَقَدْ مَكَنَّهُمْ



فِيهَا إِنَّ مَكِّكُمْ فِيهِ» اور ہم نے اُن لوگوں کو جو قدرت دی تھی وہ قدرت تم لوگوں کو نہیں دی۔ اس آیت میں بھی مہا کے بعد اِن زائدہ ہے اور تحسین کلام کے لیے ہے۔

كُنْتُمْ (ك و ن): البقرة آیت 10 دیکھیں۔ رَيْبٌ (ر ی ب): البقرة آیت 2 دیکھیں۔ مِمَّا: البقرة آیت 3 دیکھیں۔ نَزَّلْنَا (ن ز ل): البقرة آیت 4 دیکھیں۔ عَبْدٌ (ع ب د): الفاتحة آیت 1 دیکھیں۔

ع ت ی

(ض) اِنْبِئَانًا (1) کسی تک پہنچنا۔ آنا۔ خواہ کوئی خود آئے یا اُس کا حکم پہنچے یا اس کا نظم و نسق جاری ہو۔ خیر اور شر دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فعل لازم ہے۔ ﴿وَهَلْ اَتٰكَ نَبُوُّ الْخَصْمِ م﴾ (38/ ص: 21) ”کیا تم کو پہنچی جھگڑالو کی خبر۔“ ﴿اَتْتَهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ع﴾ (9/ التوبة: 70) ”ان کے پاس آئے ان کے رسول واضح دلیلوں کے ساتھ۔“ ﴿اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ط﴾ (16/ النحل: 1) ”آگیا اللہ کا فیصلہ، اب اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔“ ب کے صلے کے ساتھ متعدی ہو جاتا ہے۔ اُتی کا مطلب ہے آنا اور اُتی ب کا مطلب ہے لانا اور کسی کو کوئی چیز دینا۔ قرآن مجید میں ہے ﴿وَاَتُوا بِهٖ مُّتَشَابِهًا ط﴾ (2/ البقرة: 25) ”اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل پھل دیے جائیں گے۔“ اس سورت میں اس کا مہول بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کہ مندرجہ بالا آیت مبارکہ سے واضح ہے۔

(2) کوئی کام کرنا۔ کوئی حرکت یا کرتوت کرنا۔ ﴿وَالَّتِي يٰۤاٰتَيْنِ الْفٰحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ﴾ (4/ النساء: 15) ”تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں۔“ ﴿وَلَوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اٰتٰتُوْنَ الْفٰحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝﴾ (27/ النمل: 54) ”اور لوٹ کا (ذکر کر) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بدکاری کرتے ہو اس حال میں کہ تم سمجھ رکھتے ہو۔“ ﴿يَفْرَحُوْنَ بِمَا اٰتٰوْا﴾ (3/ آل عمران: 188) ”وہ لوگ خوش ہوتے ہیں اُس پر جو انہوں نے کیا۔“

مضارع مجزوم ہے۔ ﴿اِنْ يَّشَآءُ يُّدْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝﴾ (14/ ابراہیم: 19) ”اگر وہ چاہے تو لے جائے تم لوگوں کو اور وہ ایک نئی مخلوق لے آئے۔“ ﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّآتِ رَبُّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ط﴾ (20/ طہ: 74) ”بیشک جو پہنچا اپنے رب کے پاس اس حال میں کہ وہ مجرم ہے تو یقیناً اس کے لئے جہنم ہے۔“

فعل امر ہے۔ تو پہنچ۔ تو آ۔ ب کے صلے کے ساتھ مطلب ہوگا ”تولا“۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يٰۤاٰتِيْ بِالْشَّيْءِ مِنَ الشَّرْقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾ (2/ البقرة: 258) ”بیشک اللہ سورج کو لاتا ہے مشرق سے، پس تو لے آ اس کو مغرب سے۔“

اسم الفاعل ہے۔ آنے والا۔ ﴿اِنْ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاۤتٍ ۝﴾ (6/ الانعام: 134) ”تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً آنے والی ہے۔“ ﴿فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاۤتٍ ط﴾ (29/ العنکبوت: 5) ”پس اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت یقیناً آنے والا ہے۔“ یہ جب مضاف بنتا ہے تو اس کی شکل اُتی بن جاتی ہے۔ ﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا اِنِّیْ الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ط﴾ (19/ مریم: 93) ”آسمان اور زمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں۔“ ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتٰیہٗ یَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝﴾ (19/ مریم: 95) ”یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اُس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں۔“ نوٹ کر لیں مضارع میں واحد متکلم کے صیغے کی بھی یہی شکل ہوتی ہے اس لیے دونوں میں فرق سیاق و سباق سے ہوتا ہے۔ جب اس کے ساتھ ب کا صلہ لگتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ”لانے والا“ ﴿قَالَ عَفْرِیْتُ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتٰیۤکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ ۝﴾ (27/ النمل: 39) ”کہا ایک دیو نے جنوں میں سے میں لاؤں گا آپ کے پاس اُس کو اس سے پہلے کہ آپ کھڑے ہوں اپنی جگہ سے۔“

اسم الفاعل ہے۔ مونث کا صیغہ۔ آنے والی۔ ﴿وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ﴾ (15/ الحجر: 85) ”اور بے شک قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔“

اْتِيَتْ

ناقص یا ئی میں اسم المفعول کا وزن مَفْعِيٌّ ہوتا ہے۔ مَاتِيٌّ اسی وزن پر بنا ہے۔ لیکن یہ اسم الفاعل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا مطلب ہوتا ہے آنے والا۔ پورا ہو کر رہنے والا۔ (لغات القرآن، ج ۵، ص ۲۶۲)۔ ﴿كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًا﴾ (19/ مریم: 61) ”بے شک اُس کا وعدہ پورا ہونے والا ہی ہے۔“ (ترجمہ احسن البیان) ”بے شک اُس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے۔“ (ترجمہ ماجدی)

مَاتِيٌّ

(افعال) اِيْتَاءٌ

کسی تک پہنچانا۔ دینا۔ عطا کرنا۔ ﴿وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ﴾ (9/ التوبة: 18) ”اور اس نے قائم کی نماز اور ادا کی زکوٰۃ۔“ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”قرآن مجید میں عموماً زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا لفظ اِيْتَاءٌ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ لفظ اِيْتَاءٌ لغت میں عطاء کرنے کے معنی میں آتا ہے، امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا وَالْاِيْتَاءُ الْاِعْطَاءُ وَخَصَّ وَضْعُ الصَّدَقَةِ فِي الْقُرْآنِ بِالْاِيْتَاءِ، یعنی ایتاء کے معنی عطاء فرمانے کے ہیں، اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ایتاء کے لفظ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔“ اور ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطاء کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنا دیا جائے۔ اور علاوہ زکوٰۃ و صدقات کے بھی لفظ ایتاء قرآن کریم میں مالک بنا دینے ہی کے لیے استعمال ہوا ہے، مثلاً اَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ، یعنی دے دو عورتوں کو ان کے مہر، ظاہر ہے مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب رقم مہر پر عورت کو مالکانہ قبضہ دیدے۔“ (معارف القرآن، ج ۴، ص ۴۱۰)۔ حضرت مولانا مودودی فرماتے ہیں: ”عربی زبان میں ”دینے“ (ایتاء) کا لفظ صرف مال یا کوئی مادی چیز دینے ہی کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ معنوی چیزیں دینے کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے مثلاً کسی شخص کی اطاعت قبول کر لینے کے لیے کہتے ہیں اَتَيْنْتَهُ مِنْ نَفْسِي الْقَبُولِ کسی شخص کی اطاعت سے انکار کر دینے کے لیے کہتے ہیں اَتَيْنْتَهُ مِنْ نَفْسِي الْاِبَاءَةِ۔“ (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۲۸۶)۔ عام طور پر اس کے دو مفعول ہوتے ہیں یعنی کس کو دیا اور کیا دیا۔ عربی محاورے میں اِيْتَاءٌ عَنِ الْيَمِينِ کا مطلب ہوتا ہے ”کسی پر زور اور دباؤ ڈالنا۔“ جیسے فرمایا: ﴿قَالُوا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَا عَنِ الْيَمِينِ﴾ (37/ الصافات: 28) ”(تابعین) کہیں گے کہ تمہاری ہی آمد ہم پر بڑے زور سے ہوا کرتی تھی۔“ (ترجمہ ماجدی) حاشیے میں حضرت فرماتے ہیں: ”اِيْتَاءٌ عَنِ الْيَمِينِ کے معنی محاورہ میں زور اور دباؤ ڈالنے کے آتے ہیں۔“ یا اس محاورے سے مراد لی جاتی ہے ”کسی کو نیکی اور بھلائی کے راستے سے روکنا۔“ کیونکہ عربی میں یَمِين سے خیر اور برکت بھی مراد لی جاتی ہے۔ تفسیر عثمانی میں یہ دونوں باتیں بیان کر دی گئیں ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند الصافات: 28 کا ترجمہ کرتے ہیں: ”بولے تم ہی تھے کہ آتے تھے ہم پر داہنی طرف سے۔“ اور حاشیے میں حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں: ”یَمِين“ (داہنے ہاتھ) میں عموماً زور و قوت زائد ہوتی ہے یعنی تم ہی تھے جو ہم پر چڑھے آتے تھے بہکانے کو زور دکھلا کر اور مرغوب کر کے۔ یا یَمِين سے مراد خیر و برکت کی جانب لی جائے یعنی تم ہی تھے کہ ہم پر چڑھائی کرتے تھے بھلائی اور نیکی سے روکنے کے لیے۔“ (تفسیر عثمانی ص ۵۹۵)

مضارع مجزوم ہے۔ ﴿وَاَنْتُمْ مِمَّا لَمْ يُوْتْ اَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ﴾ (5/ المائدہ: 20) ”اور اس نے دیا تم لوگوں کو جو اس نے نہیں دیا کسی ایک کو تمام جہانوں میں سے۔“

يُوْتِ

ج: اَتُوا۔ فعل امر ہے۔ تو پہنچا۔ تو دے۔ ﴿وَاِلٰذَا الْفُرْيَانِ حَقَّ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 26) ”اور تو پہنچا قرابت والوں کو ان کا حق۔“ ﴿وَاقْبِمْو الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ (2/ البقرة: 43) ”اور تم قائم کرو نماز اور تم دوزکوٰۃ۔“

اِتِ

ماضی مجہول ہے۔ دیا گیا۔ ﴿وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ﴾ (2/ البقرة: 136) ”اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو۔“ ﴿إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (2/ البقرة: 144) ”بیشک جن لوگوں کو دی گئی کتاب وہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے۔“

اُوتِيَ

س و ر

(ن)

سُوْرًا

دیوار پر چڑھنا۔

سُوْرٌ

اسم ذات ہے۔ شہر پناہ۔ شہر کی چار دیواری کو سُوْر کہتے ہیں۔ فصیل۔ دیوار۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”یہ لفظ دراصل شہر پناہ کے لیے بولا جاتا ہے، جو بڑے شہروں کے گرد غنیم (ڈاکو، دشمن) سے حفاظت کے لیے بڑی مضبوط اور مستحکم چوڑی دیوار سے بنایا جاتا ہے، ایسی دیواروں میں فوج کے حفاظتی دستوں کی کمین گاہیں بھی بنی ہوتی ہیں جو حملہ آوروں سے باخبر رہتے ہیں۔“ (معارف القرآن، ج ۳، ص ۵۶۷) ﴿فَضْرِبَ بَيْنَهُمُ سُوْرًا﴾ (57/ الحدید: 13) ”تو بنادی گئی ان کے درمیان ایک فصیل۔“

سُوْرَةٌ

ج: سُوْرٌ۔ اسم ذات ہے۔ (1) فضیلت میں بلند۔ (2) شہر کی چار دیواری۔ (3) کسی چیز کا بقیہ اور بچا ہوا حصہ (4) قرآن مجید کی سورت۔ باقی تفصیل آیت بسم اللہ کے بعد دیکھیں۔ ﴿سُوْرَةٌ أَنْزَلْنَاهَا﴾ (24/ النور: 1) ”یہ ایک سورت ہے، ہم نے اتارا اس کو۔“ ﴿فَاتَّبَعُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ﴾ (11/ ہود: 13) ”تو تم لوگ لے آؤ اس کے جیسی دس سورتیں۔“ ج: اَسُوْرَةٌ اور اَسَاوِرٌ۔ اسم ذات ہے۔ کنگن۔ ﴿فَلَوْ لَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسُوْرَةٌ﴾ (43/ الزخرف: 53) ”تو کیوں نہیں ڈالے گئے اس پر کنگن سونے کے۔“ ﴿يُحْلَوْنَ فِيهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ﴾ (18/ الکہف: 31) ”وہ لوگ پہنائے جائیں گے اس میں سونے کے کنگن۔“

سِوَارٌ

دیوار پھلانگنا۔ ﴿إِذْ تَسُوْرُوا الْهَيْحَابَ﴾ (38/ ص: 21) ”جب ان لوگوں نے پھلانگنا محراب کو۔“

تَسُوْرًا

(تَفْعَلُ)

مِثْلُ (مِثْلُ ل): البقرة آیت 17 دیکھیں۔

د ع و

(ن) دُعَاءٌ، دَعْوَةٌ، دَعْوَى (1) کسی کو پکارنا، مانگنا یا دعا کرنا۔ ﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ﴾ (39/ الزمر: 8) ”اور جب بھی چھوٹی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو وہ پکارتا ہے اپنے رب کو۔“ جب اس کے ساتھ ’ل‘ کا صلہ استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کے حق میں دعا کرنا جیسے دَعَا لَہُ، اس نے اس کے حق میں دعا کی۔ جب اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کو بد دعا دینا۔ جیسے دَعَا عَلَیْہِ۔ اس نے اس کو بد دعا دی۔

(2) کسی کو یاد کرنا۔ اس کا ذکر کرنا۔

(3) کسی کو کسی چیز کی طرف دعوت دینا۔ کسی کام یا مقصد کے لیے بلانا۔ ان معنوں میں اس کے ساتھ عام طور پر رانی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ﴾ (41/ حم السجدة: 33) ”اور کون زیادہ اچھا ہے، بلحاظ بات کے، اس سے جس نے بلایا اللہ کی طرف۔“

(4) کسی چیز کے بارے میں دعویٰ کرنا کہ یہ چیز یوں ہے۔ ﴿أَنْ دَعُوا لِلَّحْمَنِ وَلَكِنَّ﴾ (91/ مریم: 91) ”اس بات پر کہ لوگوں نے رحمان کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا۔“

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”دعا کا لفظ قرآن میں دو معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے، ایک اللہ کا ذکر، اس کی حمد و ثناء، تسبیح و تمجید کے ساتھ۔ دوسرے حاجات و مشکلات کے وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرنا اور مصائب و آفات سے نجات اور مشکلات کی آسانی کی درخواست کرنا۔“ (معارف القرآن، ج ۴، ص ۱۲۹) اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ”قرآن کریم کی وہ آیات جہاں دَعَا یَدْعُو کے فاعل مُشْرک ہیں اور مفعول ان کے معبودانِ باطل ہیں۔ وہاں تمام متقدمین علماء تفسیر نے دعاییدعو کا معنی عَبْدٌ یُعْبُدُ (عبادت کرنا) کیا ہے۔“ (ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۱۱۴)

ج: دُعُوا۔ ماضی مجہول ہے۔ بلایا گیا۔ پکارا گیا۔ ﴿إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ﴾ (40/ مومن: 12) ”جب بھی پکارا گیا اللہ واحد کو تو تم لوگوں نے انکار کیا۔“ ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ (24/ النور: 51) ”مومنوں کی بات تو بس یہ ہوتی ہے کہ جب بھی انہیں بلایا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔“

دُعِيَ

ج: يُدْعُونَ۔ مضارع مجہول ہے۔ بلایا جاتا ہے۔ پکارا جاتا ہے۔ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ﴾ (61/ الصف: 7) ”اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھوٹ باندھا اللہ پر اس حال میں کہ اسے بلایا جاتا ہے اسلام کی طرف۔“ ﴿يُدْعُونَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ﴾ (3/ آل عمران: 23) ”ان لوگوں کو بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان، تو منہ موڑتا ہے ان میں سے ایک فریق۔“

يُدْعَى

فعل نہی ہے۔ تو مت پکار۔ ﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونُ مِنَ الْمُعَذِّبِينَ﴾ (26/ الشعراء: 213) ”پس تو مت پکار اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پھر تو ہو جائے گا عذاب دیئے ہوئے لوگوں میں سے۔“

لَا تَدْعُ

فعل امر ہے۔ تو پکار۔ تو بلا۔ تو مانگ۔ تو دعا کر۔ ﴿فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُثْبِتُ الْأَرْضُ﴾ (2/ البقرة: 61) ”پس تو پکار ہمارے لئے اپنے رب کو کہ وہ نکالے ہمارے لئے اس میں سے جو اگاتی ہے زمین۔“ ﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (16/ النحل: 125) ”تو بلا اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت سے اور اچھی نصیحت سے۔“

ادْعُ

اسم الفاعل ہے۔ پکارنے والا۔ بلانے والا۔ ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ (2/ البقرة: 186) ”اور جب بھی تجھ سے پوچھیں میرے بندے میرے بارے میں تو یقیناً میں قریب ہوں، میں جواب دیتا ہوں پکارنے والے کی پکار کا جب بھی وہ پکارتا ہے مجھ کو۔“

دَاعٍ

اسم ذات بھی ہے۔ دعا۔ پکار۔ بلاوا۔ دعوت۔ اوپر آیت نمبر۔ (2/ البقرة: 186) دیکھیں اسم ذات بھی ہے۔ پکار۔ بلاوا۔ دعا۔ ﴿إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ (3/ آل عمران: 38) ”بیشک تو ہر وقت اور ہر حال میں دعا کا سننے والا ہے۔“

دَعْوَةٌ

دُعَاءٌ

اسم ذات بھی ہے۔ پکار۔ دعا۔ ﴿فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا ظَالِمِينَ﴾ (5)

دَعْوَى

(7/ الاعراف: 5) ”تو نہیں تھی ان کی پکار جب آیا ان کے پاس ہمارا عذاب، سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا کہ بیشک ہم ظالم تھے۔“ ﴿دَعَوْهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَجِيتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ﴾ (10/ یونس: 10) ”اُسی میں اُن کا قول ہوگا پاک ہے تو اے اللہ اور اُس میں اُن کی (باہمی) دعا ”سلام“ ہوگی۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ”دعویٰ یہاں دونوں موقعوں پر دیا یا پکار کے معنی میں لیا گیا ہے۔“

باپ کے علاوہ کسی اور سے منصوب کر کے پکارنا۔ منہ بولا بیٹا کہنا۔

ج: اَدْعِيَاءُ۔ اسم ذات ہے۔ منہ بولا بیٹا۔ لے پالک۔ فَعِيلٌ کا وزن ہے بمعنی مَفْعُولٌ۔ یعنی مَدْعُوٌ۔ جس کو پکارا گیا۔ یعنی جس کو بیٹا کہہ کر پکارا گیا ہو۔ ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اِبْنَاءَكُمْ﴾ (33/ الاحزاب: 4) ”اور اس نے یعنی اللہ نے نہیں بنایا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے۔“

طلب کرنا۔ مانگنا۔ ﴿لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَّا يَدْعُونَ﴾ (36/ یس: 57) ”ان کے لئے ہے وہاں میوہ اور ان کے لئے ہے جو وہ مانگیں گے۔“

(افعال) اِدْعَاءٌ

دَعَى

(افتعال) اِدْعَاءٌ

ش ہ د

حاضر ہونا۔ موقع پر موجود ہونا۔ معائنہ کرنا۔ ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُبِّهُ ط﴾ (2/ البقرہ: 185) ”تو جو موجود ہو اس مہینے میں یا دیکھے اس مہینہ کو تو اسے چاہیے کہ وہ روزے رکھے اس کے۔“

(س-ک) (ل) شَهِدَا

گواہی دینا۔ ﴿وَتَكَلِّمُنَا اَيْدِيَهُمْ وَسُكُوتُهُمْ اَرْجُلُهُمْ﴾ (36/ یسین: 65) ”اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پیر۔“ گواہی عینی بھی ہو سکتی ہے اور قلبی بھی۔ عینی گواہی وہ ہے جس کی بنیاد انسان کا اپنا مشاہدہ ہو یعنی جس معاملے کو انسان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ اور قلبی گواہی وہ ہے جس کی بنیاد بصیرت ہو۔ بصیرت، دل کی اس روشنی یا بینائی کو کہتے ہیں جس سے انسان چیزوں کی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے۔ مثلاً کلمہ شہادت، جو ہر مسلمان گواہی دیتا ہے۔ حالانکہ کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور صحابہؓ کے علاوہ دوسرے مسلمانوں نے رسول اللہؐ کو بھی نہیں دیکھا۔ ہر مسلمان یہ گواہی بصیرت کی بنیاد پر دیتا ہے۔ پھر یہی قلبی گواہی اپنی ذات سے متعلق ہو تو معنی ہوتے ہیں ”اقرار کرنا“ مثلاً: ﴿قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ اَنْفُسِنَا﴾ (6/ الانعام: 130) ”اور وہ سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر اقرار کرتے ہیں۔“ (ترجمہ حسن البیان)۔ کسی کے حق میں گواہی دینے سے وہ گواہی ایک طرح سے اس کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے یہ لفظ کسی کے حق میں گواہی دے کر اس کی مدد کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے شہید کا ایک معنی ”مددگار“ بھی کیا گیا ہے۔ کبھی شہادت کے معنی ”فیصلہ کرنے“ کے بھی آتے ہیں۔ مثلاً: ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا﴾ (12/ یوسف: 26) ”اور گواہی دی ایک گواہ نے جو اس عورت کے خاندان سے تھا۔“ اس آیت کے تحت علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: ”یہاں شَهِدَ شَاهِدٌ، حَكَمَ حَاكِمٌ کے معنی میں ہے کہ ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کر دیا۔ کیونکہ شہادت کے لیے شاہد کا موقع پر حاضر ہونا ضروری ہے اور جس نے یہ بات کہی وہ موقع پر موجود نہ تھا۔ (بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۴۲۵)۔ ”شہادت“ کا اصطلاحی معنی ہے ”اللہ کی راہ میں جان دینا“۔ گویا جان دینے والے کو عقیدہ آخرت اور جزا و سزا پر اتنا پختہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنی جان دے کر اس کی گواہی پیش کرتا ہے۔ شَهِدَ کے ساتھ علیٰ کا صلہ آئے تو عام طور پر اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف گواہی دینا اور اگر لُ' کا صلہ آئے تو معنی ہوتے ہیں کسی کے حق میں گواہی دینا۔ (واللہ اعلم)

(ب) شَہَادَۃً

مَشْهَدٌ

(1) مصدر مبیہ ہے۔ حاضر ہونا۔ موجود ہونا۔

(2) اسم ظرف مکان یا زمان ہے۔ حاضری کی جگہ یا حاضری کا وقت۔ شہادت گاہ۔ ﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ (19/مریم: 37) ”پس کافروں کے لیے ”ویل“ ہے ایک بڑے سخت دن کی حاضری سے۔“ (ترجمہ احسن البیان)

اِشْهَدُ

ج: اِشْهَدُوا۔ فعل امر ہے۔ تو گواہی دے۔ تو گواہ رہ۔ ﴿وَأَشْهَدُوا أُنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ﴾ (11/ہود: 54) ”اور تم لوگ گواہ رہو کہ میں بری ہوں اس سے جو تم لوگ شرک کرتے ہو۔“

شَاهِدٌ

ج: شَاهِدُونَ۔ شُھُودٌ۔ اَشْهَادٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ حاضر رہنے والا۔ گواہی دینے والا۔ ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا﴾ (12/یوسف: 26) ”اور گواہی دی ایک گواہی دینے والے نے اس کے گھر والوں میں سے۔“ ﴿أَمْرٌ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ إِنَّا نَحْنُ شَهِدُونَ﴾ (37/الصافات: 150) ”کیا ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا اور وہ دیکھ رہے تھے۔“ ﴿وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ۖ وَبَنِينَ شُھُودًا﴾ (74/مدثر: 13، 14) ”اور میں نے بنایا اس کے لئے کثیر مال اور حاضر رہنے والے بیٹے۔“ ﴿وَيَقُولُ الْإِشْهَادُ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى رَبِّهِمْ﴾ (11/ہود: 18) ”اور کہیں گے گواہی دینے والے یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ کہا اپنے رب پر۔“

شَهِيدٌ

ج: شُھَدَاءُ۔ فَعِيلٌ کا وزن ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں گواہی دینے والا۔ کسی جگہ موجود ہونے والا۔ حاضر۔ نگران۔ مدد کرنے والا (ابن عباسؓ)۔ ﴿لَتَكُونُوا شُھَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ (2/البقرہ: 143) ”تا کہ تم لوگ ہو جاؤ گواہی دینے والے لوگوں پر اور ہو جائیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں پر گواہی دینے والے۔“ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے وہ ہستی جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہ ہو۔ اور کبھی اس مفہوم کے ساتھ یہ معنی بھی شامل ہوتا ہے کہ وہ قیامت میں خلق پر گواہ ہوگا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (22/الحج: 17) ”اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔“ اصلاح شرع میں شہید وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا ہو۔ حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ”شہید کے اصل معنی گواہ کے ہیں۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے ایمان کی صداقت پر اپنی زندگی کے پورے طرز عمل سے شہادت دے۔ اللہ کی راہ میں لڑ کر جان دینے والے کو بھی شہید اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ جان دے کر ثابت کر دیتا ہے کہ وہ جس چیز پر ایمان لایا تھا اسے واقعی سچے دل سے حق سمجھتا تھا اور اسے اتنا عزیز رکھتا تھا کہ اس کے لیے جان قربان کرنے میں بھی اس نے دریغ نہ کیا۔ ایسے راست باز لوگوں کو بھی شہید کہا جاتا ہے جو اس قدر قابل اعتماد ہوں کہ جس چیز پر وہ شہادت دیں اس کا صحیح و برحق ہونا بلا تامل تسلیم کر لیا جائے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص: ۷۰)۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں: ”شہید کا وزن فاعیل بمعنی فاعل ہے۔ وہ شخص جو کبھی نورِ برہان اور قوت بیان سے اور کبھی شمشیر و سنان سے دین الہی کی حقانیت کی شہادت دے، وہ شہید کہلاتا ہے اور راہِ خدا میں قتل ہونے والے کو اسی مناسبت سے شہید کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی جان قربان کر کے دین کی حقانیت کی گواہی دی۔ اس کے معاً بعد امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ وہی افراد جو دنیا میں دین کی صداقت کے شاہد رہے وہی قیامت کے روز لَتَكُونُوا شُھَدَاءَ عَلَى النَّاسِ کے مصداق ہوں گے۔“ (بحوالہ فیاء القرآن، ج ۱، ص: ۳۶۲)

مَشْهُودٌ

اسم المفعول ہے۔ جسے حاضر کیا جائے۔ جو دکھلایا جائے۔ جس کا معائنہ کیا جائے۔ جس کے لیے گواہی دی جائے۔ ﴿ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْجُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ﴾ (11/ہود: 103) ”وہ جمع کیے جانے والا دن ہے لوگوں کو اور وہ حاضر کیے جانے والا دن ہے۔“

ج: شَهِادَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ ظاہر یا حاضر چیز۔ گواہی، وہ بیان جو اس علم کی بنیاد پر ہو جو مشاہدہ بصیرت یا مشاہدہ بصر کے ذریعے حاصل ہو۔ ﴿وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَلِيمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ (9/توبہ: 105) ”اور تم لوگ لوٹائے جاؤ گے حاضر اور غائب کے جاننے والے کی طرف۔“ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ﴾ (2/البقرة: 140) ”اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے چھپایا گواہی کو جو اس کے پاس ہے اللہ کی طرف سے۔“ ﴿فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ﴾ (24/نور: 6) ”ان میں سے ایک کی گواہی چار گواہیاں ہیں۔“ کسی کو گواہ بنانا۔ ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيِّ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ﴾ (7/اعراف: 172) ”اور جب نکالا تیرے رب نے آدم کی اولاد کو ان کی پشتوں سے اور ان کو گواہ بنایا ان کے نفس پر۔“

شَهِادَةٌ

(افعال) اِشْهَدَا

ج: اَشْهَدُوا۔ فعل امر ہے۔ تو گواہ بنا۔ ﴿وَ أَشْهَدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ (2/البقرة: 282) ”اور تم لوگ گواہ بناؤ جب خرید و فروخت کرو۔“

اَشْهَدُ

(استفعال) اِسْتَشْهَدَا

ج: اِسْتَشْهَدُوا۔ فعل امر ہے۔ گواہ طلب کرو۔ ﴿فَاِسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِنَ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ (4/النساء: 15) ”تو تم لوگ گواہ طلب کرو ان عورتوں پر اپنوں میں سے چار۔“

اِسْتَشْهَدُ

دُونُ

دُونُ کا لفظ عربی زبان میں تین مختلف معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک، کسی اونچی چیز کے مقابلے میں نیچے ہونا۔ دوسرے، کسی افضل و اشرف چیز کے مقابلے میں کم تر ہونا۔ تیسرے، کسی چیز کے ماسوا یا اس کے علاوہ ہونا۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۲۷۰)

اللَّهُ (ع ل ۵): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ص د ق

سچ بولنا۔ سچ کر دکھانا۔ سچائی کا مطلب ہے کہ (1) دل اور زبان میں ہم آہنگی ہو (2) بات واقعہ کے مطابق ہو اور (3) عمل قول کے مطابق ہو۔ ﴿هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ (33/الاحزاب: 22) ”یہ ہے وہ جو ہم سے وعدہ کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول نے۔“ ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّسُولَ بِالْحَقِّ﴾ (48/الفتح: 27) ”بیشک اللہ نے عملاً سچ کر دیا اپنے رسول کے خواب کو حق کے ساتھ۔“ صدق کی ضد کذب ہے۔ (کذب کی لغت کے لیے آیت 10 دیکھیں) اصل میں صدق اور کذب، قول (بات) سے متعلق ہیں۔ کوئی بات سچ اس وقت ہوتی ہے جب دل اور زبان میں بھی ہم آہنگی ہو اور جس کے متعلق جو بات کہی گئی ہو وہ بھی حقیقت میں ویسا ہی ہو۔ اگر ان میں سے کوئی شرط پوری نہ ہو تو یہ ”صدق تام“ (یعنی مکمل سچ) نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون کی آیت 1 میں منافقین کو جو جھوٹا قرار دیا ہے تو وہ اس وجہ سے ہے کہ منافقین زبان سے تو سچ بول رہے تھے اور حضور کے بارے میں جو خبر دے رہے تھے (کہ آپ اللہ کے رسول ہیں) وہ بھی صحیح تھی لیکن دل میں اس کے خلاف عقیدہ رکھتے تھے اس لیے ان کی اس گواہی کو سچ نہیں مانا گیا۔ نیز صدق کا استعمال افعال جوارح (جارجہ کی جمع)۔ انسان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کے لیے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص جنگ کا حق ادا کر دے تو کہا جاتا ہے صَدَقَ فِي الْقِتَالِ وہ جنگ میں سچا رہا یعنی جو کچھ اس پر لازم تھا اس نے کر دکھایا مطلب جان توڑ کر لڑا اور اپنے عمل سے بہادری ثابت کر دی اور اگر اس کے خلاف ہو تو کہا جاتا ہے کہ كَذَبَ فِي الْقِتَالِ وہ جنگ میں جھوٹا رہا یعنی

(ن) صِدْقًا

بزدل ثابت ہوا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ (الاحزاب: 23) ”ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔“ نیز اہل عرب کی یہ عادت ہے کہ جس چیز میں ظاہری یا باطنی فضیلت ہو یا جب وہ کسی چیز کی خوبی بیان کریں تو اسے صدق کی طرف مضاف کر دیتے ہیں یعنی وہ چیز اتنی عمدہ ہے کہ اس سے بھلائی کی جو توقع کی جائے گی وہ چیز اس پر پوری اترے گی اور توقع کرنے والے کی تصدیق کر دے گی۔ اسی لیے قرآن مجید میں قَدَمَ صَدِّقٍ، اونچا مرتبہ، بلند مرتبہ (یونس: 2)، مُبَوِّأً صَدِّقٍ، پسندیدہ جگہ (یونس: 93)، مُدْخَلَ صَدِّقٍ، سچا داخل کرنا، مُخْرَجَ صَدِّقٍ، سچا نکالنا (بنی اسرائیل: 80)، لِسَانَ صَدِّقٍ، سچا بول، ذکر خیر (مریم: 50، اور الشعراء: 84) اور مَفْعَدِ صَدِّقٍ، سچی بیٹھک، اعلیٰ مقام (القمر: 55) کے الفاظ آئے ہیں۔ یاد رہے کہ صَدِّق کا تعدیہ کبھی دو مفعلوں کی طرف بھی ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدًا﴾ (آل عمران: 152) ”بے شک اللہ نے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ اُس نے سچا کر دیا۔“

ج: صَادِقُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ سچ کہنے والا۔ سچ کرنے والا۔ سچا۔ ﴿وَإِنَّ يَكُ صَادِقًا يُصِيبُكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ﴾ (40/ المؤمن: 28) ”اور اگر وہ ہوا سچ کہنے والا تو آن پہنچے گا اس میں سے بعض جس کا وہ وعدہ کرتا ہے تم سے۔“ ﴿ذَلِكَ جَزَاءُ الَّذِينَ يَبْغِيهِمْ﴾ ط ﴿وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾ (6/ الانعام: 146) ”یہ ہم نے جزا دی ان کو ان کی سرکشی کے سبب سے اور یقیناً ہم سچ کہنے والے ہیں۔“

اَصْدَقُ اسم التفضیل ہے۔ زیادہ سچا۔ ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾ (4/ النساء: 122) ”اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے، بلحاظ بات کے۔“

صَدِّقُ اسم ذات بھی ہے۔ سچائی۔ ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ﴾ (39/ الزمر: 32) ”اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھوٹ کہا اللہ پر اور جھٹلایا سچائی کو جب وہ آئی اس کے پاس۔“

صَدِيقُ اسم ذات ہے۔ دوست۔ ﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ﴾ ط ﴿وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ﴾ (26/ الشعراء: 100-101) ”تو نہیں ہے ہمارے لئے کوئی شفاعت کرنے والا اور نہ کوئی گرم جوش دوست۔“

صَدِيقُ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بہت سچا۔ انتہائی سچا۔ صَدِيقُ وہ ہے جس سے کثرت سے سچائی ظاہر ہو اور وہ کبھی جھوٹ نہ بولے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ صدیق وہ ہے جس کو سچائی کی عادت کی وجہ سے جھوٹ بولنا ہی نہ آتا ہو۔ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ﴾ (57/ الحديد: 19) ”اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر وہ لوگ ہی کامل سچے ہیں۔“ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”لفظ صَدِيقُ بکسر صاد قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے اس کے معنی اور تعریف میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ جس شخص نے عمر میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ صدیق ہے بعض نے فرمایا کہ جو شخص اعتقاد اور قول و عمل ہر چیز میں صادق ہو یعنی جودل میں اعتقاد ہو ٹھیک وہی زبان پر ہو اور اس کا ہر فعل اور ہر حرکت و سکون اسی اعتقاد اور قول کے تابع ہو۔ روح المعانی اور مظہری وغیرہ میں اسی آخری معنی کو اختیار کیا ہے اور پھر صدیقیت کے درجات متفاوت (مختلف، فرق والے) ہیں۔ اصل صدیق تو نبی و رسول ہی ہو سکتا ہے اور ہر نبی و رسول کے لیے صدیق ہونا وصف لازم ہے مگر اس کا عکس نہیں کہ جو صدیق ہو اس کا نبی ہونا ضروری ہو بلکہ غیر نبی بھی جو اپنے نبی و رسول کے اتباع میں صدق کا یہ مقام حاصل کر لے وہ بھی صدیق کہلائے گا۔“



حضرت مریم کو خود قرآن کریم نے اُمّہ صدیقہ کا خطاب دیا ہے حالانکہ جمہور اُمت کے نزدیک وہ نبی نہیں، اور کوئی عورت نبی نہیں ہو سکتی۔“ (معارف القرآن، ج ۶، ص ۳۴)

حضرت مولانا مودودیؒ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”صَدِّیقُ سے مراد وہ شخص ہے جو نہایت راست باز ہو، جس کے اندر صداقت پسندی اور حق پرستی کمال درجہ پر ہو، جو اپنے معاملات اور برتاؤ میں ہمیشہ سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کرے، جب ساتھ دے تو حق اور انصاف ہی کا ساتھ دے اور سچے دل سے دے، اور جس چیز کو حق کے خلاف پائے اس کے مقابلہ میں ڈٹ کر کھڑا ہو جائے اور ذرا کمزوری نہ دکھائے۔ جس کی سیرت ایسی ستھری اور بے لوث ہو کہ اپنے اور غیر کسی کو بھی اس سے خالص راست روی کے سوا کسی دوسرے طرز عمل کا اندیشہ نہ ہو۔“ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص: ۳۷۰)۔ حضرت مولانا مودودیؒ نے اس لفظ کی مزید وضاحت تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۳۱۶ پر بھی کی ہے۔ وہاں سے بھی ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

صَدَقَةٌ

ج: صَدَقَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ خیرات۔ زکوٰۃ۔ یہ عملی سچائی کا مظہر ہے اور لفظ صدقہ فرض خیرات یعنی زکوٰۃ اور نفلی خیرات، دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿يَسْحَقُ اللَّهُ الزَّالِمِينَ وَيُزِيهِ الصَّدَقَاتِ ط﴾ (2/ البقرة: 276) ”اللہ بے برکت کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔“ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”صدقہ لغت میں مال کے اس جزء کو کہا جاتا ہے جو اللہ کے لیے خرچ کیا جائے (قاموس)۔ امام راغبؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ صدقہ کو صدقہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا دینے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے قول و فعل میں صادق ہوں، اس کے خرچ کرنے کی کوئی غرض دنیوی نہیں، بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر رہا ہوں، اسی لیے جس صدقہ میں کوئی نام و نمود یا دنیوی غرض شامل ہو جائے قرآن کریم نے اس کو کالعدم قرار دیا ہے۔ لفظ صدقہ اپنے اصلی معنی کی رو سے عام ہے، نفلی صدقہ کو بھی کہا جاتا ہے، فرض زکوٰۃ کو بھی، نفل کے لیے اس کا استعمال عام ہے ہی، فرض کے لیے بھی قرآن کریم میں بہت جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً اور آیت زیر بحث (توبہ: 60) إِنَّهَا الصَّدَقَاتُ وغیرہ، بلکہ قرطبیؒ کی تحقیق تو یہ ہے کہ قرآن میں جب مطلق لفظ صدقہ بولا جاتا ہے تو اس سے صدقہ فرض ہی مراد ہوتا ہے، اور روایات حدیث میں لفظ صدقہ ہر نیک کام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان سے خوش ہو کر ملنا بھی صدقہ ہے، کسی بوجھ اٹھانے والے کا بوجھ اٹھوا دینا بھی صدقہ ہے، کنویں سے پانی کا ڈول اپنے لیے نکالا اس میں سے کسی دوسرے کو دے دینا بھی صدقہ ہے، اس حدیث میں لفظ صدقہ مجازی طور پر عام معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔“ (معارف القرآن، ج ۴، ص ۳۹۵)

حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ”صَدَقَہ اردو زبان میں تو بہت ہی برے معنوں میں بولا جاتا ہے، مگر اسلام کی اصطلاح میں یہ اُس عطیے کو کہتے ہیں جو سچے دل اور خالص نیت کے ساتھ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے دیا جائے، جس میں کوئی ریا کاری نہ ہو، کسی پر احسان نہ جتایا جائے، دینے والا صرف اس لیے دے کہ وہ اپنے رب کے لیے عبادیت کا سچا جذبہ رکھتا ہے۔ یہ لفظ صدق سے ماخوذ ہے اس لیے صداقت عین اس کی حقیقت میں شامل ہے۔ کوئی عطیہ اور کوئی صرف مال اُس وقت تک صدقہ نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تہ میں انفاق فی سبیل اللہ کا خالص اور بے کھوٹ جذبہ موجود نہ ہو۔“ (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۳۱۵)

صَدَقَةٌ

ج: صَدَقَاتٌ۔ بیوی کا حق مہر۔ ﴿وَأَنۢتُمۡ النِّسَاءُ صَدَّقْتِهِنَّ نِحْلَةً ط﴾ (4/ النساء: 4) ”اور عورتوں کے مہر خوشنودی کے ساتھ ادا کرو۔“ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”صَدَقَةُ اور صَدَاق عورتوں کے مہر کو کہا جاتا ہے، ملا علی قاریؒ

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: وَسُيِّئَ بِهِ لِأَنَّهُ يَظْهَرُ بِهِ صِدْقُ مَيْلِ الرَّجُلِ إِلَى الْمِرْأَةِ، یعنی مہر کو صداق اور صدقہ اس لیے کہتے ہیں کہ ”صدق“ کے اس مادہ میں سچ کے معنی ہیں، اور مہر سے بھی چونکہ شوہر کا اپنی بیوی کی طرف سچا میلان ظاہر ہوتا ہے اس لیے اس مناسبت سے مہر کو صداق کہنے لگے۔“ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۲۹۹)

(تفعیل) تَصَدِّقًا (1) کسی کو سچا قرار دینا، کسی کی تصدیق کرنا۔ (2) سچ کر دکھانا۔ ﴿وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بَيَّوْمَ الدِّينِ﴾ (70/ المعارف: 26) ”اور جو لوگ سچا قرار دیتے ہیں یعنی تصدیق کرتے ہیں بدلے کے دن کی۔“

مُصَدِّقُ اسم الفاعل ہے۔ تصدیق کرنے والا۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آؤُتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بَمَا نُنَزِّلُكُمْ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ﴾ (4/ النساء: 47) ”اے لوگو جن کو دی گئی کتاب، تم لوگ ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے۔“

(تفعیل) تَصَدَّقًا (تَصَدَّقُ، اصَّدَقَ، اَصَّدَقُ) (ماضی) اور يَتَصَدَّقُ، يَصَّدَقُ (مضارع)۔ اپنے حق سے دست بردار ہونا۔ دوسرے کو حق سے زیادہ دینا۔ خیرات کرنا۔ ﴿وَإِنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (2/ البقرة: 280) ”اور یہ کہ تم لوگ اپنا حق چھوڑ دو، بہتر ہے تمہارے لئے۔“

تَصَدَّقُ فعل امر ہے۔ تُو زیادہ دے۔ تُو خیرات کر۔ ﴿فَاَوْفِرْ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ (12/ يوسف: 88) ”پس تو پورا بھر ہمارے لئے پیمانے کو اور زیادہ دے۔“

مُتَصَدِّقُ اور اسم الفاعل ہے۔ خیرات کرنے والا۔ ﴿وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ﴾ (33/ الاحزاب: 35) ”اور خیرات کرنے والا اور خیرات کرنے والیاں اور روزے والے اور روزے والیاں۔“ ﴿إِنَّ الْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ﴾ (57/ الحديد: 18) ”بیشک خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں۔“

### ترکیب

’و‘ استثنافیه ہے۔ یعنی اس سے نیا جملہ شروع ہو رہا ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے اور آگے کُنْتُمْ فِي رَيْبٍ سے عَلٰی عَبْدِنَا تک پورا جملہ شرط ہے۔ اس میں کُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور فِي رَيْبٍ متعلق خبر ہے۔ مِمَّا میں مِنْ حرف جر ہے اور مَّا موصول ہے۔ اگلا جملہ فعلیہ نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا، صلہ ہے مَّا موصول کا۔ نَزَّلْنَا فعل ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے۔ عَلٰی عَبْدِنَا، متعلق فعل ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں، مِنْ کی وجہ سے اور جار مجرور مل کر صفت ہیں رَيْبٍ کی۔ آگے فَاَتُوا سے شروع ہونے والا جملہ جواب شرط ہے۔ اس میں فُ جواب شرط کے لیے ہے اور اِئْتُوا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ بِسُورَةٍ متعلق فعل ہے۔ بِسُورَةٍ میں بُ تعدیہ کا ہے جس سے معنی ہو جائیں گے ”تم لے آؤ ایک سورۃ“، مِّنْ مِّثْلِهِ صفت ہے سورت کی۔ اگر ہوتا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ تو مطلب ہوتا ”اس کے جیسی ایک سورۃ“، لیکن یہاں مِنْ کی وجہ سے معنی ہوں گے ”ایک سورۃ جو کسی بھی لحاظ سے یا کسی بھی پہلو سے اس کے جیسی ہو“ (مِنْ تبییضیہ)۔ مزید یہ کیا گیا کہ سورہ پر اِلْ داخل نہیں کیا یعنی کوئی خاص سورت مراد نہیں لی گئی۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ قرآن مجید کی چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی اس دعویٰ میں شامل ہو گئی۔ (واللہ اعلم)۔ وَاَدْعُوا میں دُعُ عطف کا ہے اور اَدْعُوا عطف ہے فَاَتُوا پر۔ اَدْعُوا میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے آگے شَهِدَآءُکُمْ اس کا مفعول ہے اور مِّنْ دُونِ اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ اگلا جملہ اِنْ کُنْتُمْ صِدِّقِينَ پھر جملہ شرطیہ ہے۔ کُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے اور صِدِّقِينَ اس کی خبر ہے۔ اس کا جواب شرط محذوف ہے جو کہ فَاَفْعَلُوا ذٰلِكَ ہو سکتا ہے۔ (درویشؒ)۔

ترجمہ	وَإِنْ	كُنْتُمْ	فِي رَيْبٍ	مِمَّا	نَزَّلْنَا	عَلٰی عَبْدِنَا
البقرة: 23	اور اگر	تم لوگ ہو	کسی شک میں	اس کے بارے میں جو	ہم نے اتارا	اپنے بندے پر

فَاتُوا	بِسُورَةٍ	مِّنْ مِّثْلِهِ	وَادْعُوا	شُهَدَاءَكُمْ
تو تم لوگ آؤ	ایک سورہ کے ساتھ	کسی طرح اس کے جیسی	اور تم لوگ بلاؤ	اپنے مددگاروں کو
مِّنْ دُونِ اللَّهِ	إِنْ كُنْتُمْ	صَادِقِينَ ۝۳۱		
اللہ کے علاوہ	اگر تم لوگ ہو	صدیقین ۳۱		سچے

نوٹ: 1 حرف شرطِ اِنْ عام طور پر ماضی پر نہیں آتا۔ لیکن اگر آئے تو پھر ماضی کا ترجمہ حال میں ہوتا ہے۔ اس لئے اِنْ كُنْتُمْ کے معنی ہیں اگر تم لوگ ہو۔

نوٹ: 2 اَتَى (پہنچنا۔ آنا) اور جَاءَ (آنا)، یہ دو فعل ایسے ہیں جن کے ساتھ مفعول آتا ہے، حالانکہ یہ دونوں افعال لازم ہیں۔ جیسے هَلْ أَتَاكَ (کیا وہ پہنچا/ آیا تیرے پاس)۔ اِذْجَاءَ هُمْ (جب وہ آیا ان کے پاس) اس کو ایک استثناء کی صورت بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں افعال کے مفعول سے پہلے عام طور پر لفظ عِنْدَ محذوف ہوتا ہے۔ جیسے هَلْ أَتَاكَ دراصل هَلْ أَتَى عِنْدَكَ ہے۔ اور اِذْجَاءَ هُمْ دراصل اِذْجَاءَ عِنْدَهُمْ ہے۔ اس طرح دراصل یہ مفعول نہیں بلکہ متعلق فعل ہوتا ہے۔ جیسے جَلَسَ عَلَى الْكُرْسِيِّ (وہ بیٹھا کرسی پر) میں عَلَى الْكُرْسِيِّ متعلق فعل ہے۔ (از لطف الرحمن خان صاحب)

## آیت: 24

﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا لَنْ تَفْعَلُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝۳۲﴾

اِنْ: البقرة آیت 23 دیکھیں۔

ف ع ل

(ف) فَعَلًا کرنا۔ ﴿فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (2/ البقرة: 85) ”اُن کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں۔“ ﴿أَتَهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الشُّفَهَاءُ مِنَّا﴾ (7/ الاعراف: 155) ”کیا تو ہلاک کرے گا ہمیں بسبب اُس کے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا۔“

فَعَلَ فعل امر ہے۔ تو کر۔ ﴿قَالَ يَا بَنِي إِسْرَءِيلَ أَفَعَلَ مَا تَقُولُونَ﴾ (37/ الصافات: 102) ”اُس نے کہا، ”ابا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالئے۔“

فَاعِلٌ اسم الفاعل ہے۔ کرنے والا۔ ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايٍ إِنْنِي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا﴾ (18/ الکہف: 23) ”اور کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کیجیے کہ میں کل یہ کام کر دوں گا۔“

مَفْعُولٌ اسم المفعول ہے۔ وہ کام جو کیا جائے۔ ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾ (4/ النساء: 47) ”اور ہے اللہ کا کام کیا گیا۔“

فِعْلٌ ج: أَفْعَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ کام۔ ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فَعَلِ الْخَيْرَاتِ﴾ (21/ الانبیاء: 73) ”اور ہم نے اُن کی طرف نیک کاموں کے کرنے کی وحی کی۔“ (بعض کے نزدیک فَعْلٌ بطور مصدر بھی استعمال ہوتا ہے)۔

فَعَّالٌ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بہت زیادہ کام کرنے والا۔ وہ ہستی جو چاہے کر گزرے۔ ﴿إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ (11/ ہود: 107) ”یقیناً تیرا رب جو کچھ چاہے کر گزرتا ہے۔“

اَتَّقُوا (وقی): البقرة آیت 2 دیکھیں۔ اَلتَّارُّ (نور): البقرة آیت 17 دیکھیں۔ وَقُودٌ (وقد): البقرة آیت 17 دیکھیں۔ اَلنَّاسُ: البقرة آیت 8 دیکھیں۔

ح ج ر

(ن)

حَجَرًا

منع کرنا۔ روک دینا۔ سخت ہونا۔ جب قاضی کسی کو اس کی بے وقوفی یا کم سنی کی وجہ سے اس کے اپنے مال کو خرچ کرنے سے روک دے تو کہتے ہیں حَجَرَ الْقَاضِي عَلَى فُلَانٍ قَاضِي نے فلاں کو خرچ کرنے سے روک دیا۔ اس مادے کے تمام مشتقات میں بندش اور روک کا مفہوم لازمی ہوتا ہے۔

حَجْرٌ

ج: حَجُورٌ۔ اسم ذات ہے۔ ممنوع۔ حفاظت۔ حرام چیز۔ گود۔ عقل۔ اصل میں جس جگہ کے ارد گرد پتھروں سے احاطہ کیا گیا ہوا ہے حَجْرٌ کہا جاتا ہے۔ اسی لیے حطیم کعبہ اور دیارِ ثمود کو حجر کہا گیا۔ حطیم کعبہ، خانہ کعبہ کا وہ حصہ ہے جسے قریش مکہ نے خانہ کعبہ میں شامل نہیں کیا تھا۔ اس لیے طواف کرنے والوں کے لیے اس کے اندر سے طواف کرنا منع ہے۔ طواف کرتے وقت اس کے بیرونی حصے سے گزر جانا چاہیے، جسے دیوار سے ممتاز کر دیا گیا ہے اور ثمود کے بارے میں فرمایا ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسِلِينَ﴾ (حجر: 80) ”اور حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔“ چونکہ پتھروں سے کسی جگہ کا احاطہ کرنے سے اصل مقصد حفاظت اور روک تھام ہوتی ہے اسی لیے انسانی عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نقصان دہ، غلط اور حرام چیزوں سے روکتی ہے (اس مفہوم کے اعتبار سے اسے نُهْيَةٌ بھی کہتے ہیں)۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ﴾ (الفجر: 5) ”کیا اس میں قسم ہے عقل والے کیلئے۔“ اور جس چیز سے روکا اور منع کیا جائے وہ بھی حجر کہلاتی ہے۔ ﴿وَقَالُوا هَذِهِ اَنْعَامٌ وَّاحَرَّتْ حَجْرُهُ﴾ (6/ الانعام: 138) ”اور ان لوگوں نے کہا یہ مویشی اور کھیتی ہیں جو منع ہے یعنی ان کو کھانا منع ہے۔“ گود کو بھی حجر اس لیے کہتے ہیں کہ گود میں بچے کی حفاظت ہوتی ہے۔ ﴿وَرَبَّائِكُمُ الْيَتَىٰ فِي حُجُورِكُمْ﴾ (4/ النساء: 23) ”اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں ہیں۔“

حَجَرٌ

ج: حَجَارَةٌ۔ اسم ذات ہے۔ سخت مٹی۔ پتھر۔ ﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ (2/ البقرة: 60) ”تو ہم نے کہا تم مارو اپنی لاٹھی کو اس پتھر پر۔“ ﴿ثُمَّ قَسَتْ فُلُوبُكُم مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ (2/ البقرة: 74) ”پھر سخت ہو گئے تمہارے دل اسکے بعد تو وہ پتھروں کی مانند ہیں یا زیادہ شدید بلحاظ سختی کے۔“

حُجْرَةٌ

ج: حُجْرَاتٌ۔ سخت مٹی کا بنایا ہوا کمرہ۔ حجرہ۔ ”اصل لغت میں حجرہ ایک چار دیواری سے گھرے ہوئے مکان کو کہتے ہیں جس میں کچھ صحن ہو کچھ مسقف (جس پر چھت ڈالی گئی ہو) عمارت ہو۔“ (معارف القرآن)۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يِنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ (49/ الحجرات: 4) ”بیشک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر عقل نہیں کرتے۔“

مَحْجُورٌ

اسم المفعول ہے۔ سخت کیا ہوا۔ منع کیا ہوا۔ مضبوط۔ ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُولُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُورًا﴾ (25/ الفرقان: 22) ”جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اُس روز مجرموں کے لیے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور یہ (کفار) کہیں گے کہ پناہ پناہ۔“ (ترجمہ ماجد) ”جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اُس روز مجرموں کے لیے اور فرشتے کہیں گے تمہارے لیے (جنت کا داخلہ) قطعاً حرام ہے۔“ (ترجمہ فیاء القرآن)۔

حَجْرٌ مَّحْجُورٌ: حَجْرًا مَّحْجُورًا ایک محاورہ ہے۔ جاہلیت کا دستور تھا کہ جب کسی کے سامنے کوئی ایسا شخص آ جاتا جس سے اسے اذیت کا خوف ہوتا تو وہ حَجْرًا مَّحْجُورًا کہہ دیتا (یعنی ہم تمہاری پناہ چاہتے ہیں) یہ الفاظ سن کر دشمن

اسے کچھ نہ کہتا، تو قرآن نے یہاں بیان کیا کہ کفار بھی (عذاب کے) فرشتوں کو دیکھ کر (حسب عادت) یہ الفاظ کہیں گے کہ شاید عذاب سے پناہ مل جائے۔ مولانا عبد الماجد دریا بادی فرماتے ہیں: ”حَجْرًا مَّحْجُورًا ایک محاورہ ہے۔ عہد جاہلیت میں جب کسی کو کوئی بلا پیش آتی یا کوئی اپنے دشمن کو دیکھ پاتا اور خیال یہ ہوتا کہ وہ اس پر حملہ کرے گا تو یہی لفظ پکار کر کہتا۔ جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں دور دور۔ (تفسیر ماجدی، ص ۵۳)۔ صاحب ضیاء القرآن نے یَقُولُونَ کا فاعل فرشتے مراد لیا ہے۔ اس صورت میں حَجْرٌ موصوف ہوگا اور مَحْجُورٌ اس کی صفت برائے تاکید ہوگی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۵۹)

دو چیزوں کے درمیان مضبوط رکاوٹ یا آڑ کو بھی حَجْرٌ مَحْجُورٌ کہتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحَجْرًا مَّحْجُورًا﴾ (25/ الفرقان: 53) ”اور اس نے بنایا ان دونوں کے مابین ایک پردہ اور ایک مضبوط رکاوٹ۔“ قرآن مجید میں حَجْرٌ مَحْجُورٌ دو جگہ ہی استعمال ہوا ہے۔ ایک سورہ الفرقان کی آیت 22 میں جہاں یہ محاورے کے طور پر آیا ہے اور دوسرا سورہ الفرقان ہی کی آیت 53 میں جہاں یہ مضبوط رکاوٹ کے معنی میں آیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ع د د

شمار کرنا۔ گننا۔ ﴿ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مَقْدَرُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ﴾ (32/ السجدة: 5) ”پھر وہ چڑھے گا اس کی طرف ایک دن میں، اس کی مقدار ہے ایک ہزار سال جس سے تم لوگ شمار کرتے ہو۔“ ﴿لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا﴾ (19/ مريم: 94) ”اُس نے اُن کو احاطے میں لے رکھا ہے اور انہیں خوب شمار کر رکھا ہے۔“

ج: عَادُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ گننے والا۔ شمار کرنے والا۔ ﴿لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ فَسَلِّ الْعَادِينَ﴾ (23/ المؤمنون: 113) ”ہم رہے ایک دن یا دن کا کوئی حصہ، تو پوچھ لو گننے والوں سے۔“

اسم المفعول ہے (مذکر)۔ گنا ہوا۔ شمار کیا ہوا۔ ﴿وَمَا نُوَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مُّعَدَّدٍ﴾ (11/ هود: 104) ”ہم اُسے ایک گنی ہوئی مدت کے لیے ملتوی کیے ہوئے ہیں۔“

ج: مُعَدُّو دَاتٍ۔ اسم المفعول ہے (مؤنث)۔ گنی ہوئی۔ شمار کی ہوئی۔ ﴿لَنْ تَنَسُّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مُّعَدَّدَةً﴾ (2/ البقرة: 80) ”ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو آگ مگر گنے ہوئے چند دن۔“ ﴿وَإِذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مُّعَدَّدَاتٍ﴾ (2/ البقرة: 203) ”اور تم لوگ یاد کرو اللہ کو گنے ہوئے دنوں میں۔“

اسم ذات ہے۔ گنتی۔ شمار۔ ﴿فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضَعُفٌ نَّاصِرًا وَ أَقَلُّ عَدَدًا﴾ (72/ الجن: 24) ”تو وہ لوگ جان لیں گے کون زیادہ کمزور ہے بلحاظ مددگار کے اور زیادہ قلیل ہے بلحاظ گنتی کے۔“

اسم ذات ہے۔ گنی ہوئی چیز۔ گنتی۔ شمار۔ شمار کی ہوئی مدت۔ عورت کی مدت بھی اسی معنی میں ہے یعنی اس کے گنے ہوئے دن۔ شرعی اصطلاح میں اس مدت کو عدت کہا جاتا ہے جس میں عورت ایک شوہر کے نکاح سے نکلنے کے بعد دوسرے نکاح سے ممنوع ہوتی ہے۔ یہ مدت گزر جانے کے بعد اس سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا ہے۔ ﴿إِنَّ عِدَّةَ

الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا﴾ (9/ التوبة: 36) ”بیشک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں۔“ ﴿قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ﴾ (18/ الکہف: 22) ”آپ ﷺ کہے میرا رب زیادہ جانتا ہے ان کی مدت کو۔“ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ (65/ الطلاق: 1) ”اے نبی (اپنی امت

(ن) عَدَا

عَادٌ

مُعَدُّو دٌ

مُعَدُّو دَةٌ

عَدَدٌ

عِدَّةٌ

سے ہو کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو اُن کی عدت (کے دنوں کے آغاز) میں اُنہیں طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو۔“ (ترجمہ حسن البیان)

عَدَّةٌ ج: عَدَّةٌ - ساز و سامان - مال - ہتھیار وغیرہ۔ ﴿وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً﴾ (9/ توبہ: 46) ”اگر اُن کا ارادہ جہاد کے لیے نکلنے کا ہوتا تو وہ ضرور اس سفر کے لیے سامان کی تیاری رکھتے۔“

(افعال) اِعْدَادًا اُعِدَّ تیار کرنا۔ ﴿وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ (4/ 93) ”اور اس نے تیار کیا اس کے لئے ایک عظیم عذاب۔“ ماضی مجہول ہے۔ تیار کیا گیا۔ ﴿وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (3/ آل عمران: 133) ”اور جنت، جس کی چوڑائی آسمان اور زمین ہیں، وہ تیار کی گئی متقی لوگوں کیلئے۔“

ج: اِعْدُوا - فعل امر ہے۔ تیار کر۔ ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ (8/ الانفال: 60) ”اور تم لوگ تیار کرو ان کے لئے جو تم سے ہو سکے قوت میں سے۔“

(تفعیل) تَعْدِيدًا کثرت سے گننا۔ بار بار گننا۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عِدُّوا عِدَّاتِهِمْ﴾ (104/ اہم: 2) ”جس نے جمع کیا مال کو اور بار بار گننا اس کو۔“

(افتعال) اِعْتَدَا اِهْتِمَام سے شمار کرنا۔ گننا۔ ﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا﴾ (33/ الاحزاب: 49) ”تو اُن پر تمہارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شمار کرو۔“

كَافِرِينَ (ك ف ر): البقرة آیت 6 دیکھیں۔

### ترکیب

’ف‘ استثنائیہ ہے۔ یعنی اس سے نئی بات شروع ہو رہی ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے اور جملہ لَمْ تَفْعَلُوا شرط ہے۔ کَمْ جواز م مضارع میں سے اور تَفْعَلُوا مجزوم ہے۔ آگے ’وَاعْتَرَضِيهِ‘ اور كُنْ تَفْعَلُوا شرط اور جواب شرط کے درمیان، جملہ معترضہ ہے۔ كُنْ نواصب مضارع میں سے ہے اور یہ تَفْعَلُوا منصوب ہے۔ فَاتَّقُوا النَّارَ میں ’ف‘ جواب شرط کے لیے ہے۔ اور اتَّقُوا النَّارَ جواب شرط ہے۔ اتَّقُوا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ’انتم‘ ہے اور النَّارَ اس کا مفعول بہ ہے۔ فَاتَّقُوا میں ’ف‘ کے بارے میں حضرت مولانا عبدالماجد ریا پادئی فرماتے ہیں: ”’ف‘ نتیجہ کو بتلارہا ہے۔ یعنی جب قرآن کی پیش کی ہوئی دلیل کے جواب سے عاجز آچکے ہو، اور اپنے انکار پر کوئی دلیل خود رکھتے نہیں ہو، تو اب انکار حق کیے چلے جانا بجز عناد و خبث نفس کے اور کس چیز کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ اور جہنم کا عذاب آتشیں اسی معاندانہ انکار حق کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے۔“ اَلَّتِي اسم موصول ہے۔ وَقُودُهَا مرکب اضافی، مبتدا ہے۔ النَّاسُ اس کی خبر، ’وُعطف‘ کا ہے اور اَلْحِجَارَةُ عطف ہے النَّاسُ پر۔ یہ سارا جملہ اسمیہ صلہ ہے، اَلَّتِي کا اور صلہ اور موصول مل کر صفت ہیں اَلنَّارَ کی۔ اُعِدَّتْ، ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر ’ہی‘ ہے جو کہ اَلنَّارَ کے لیے ہے۔ لِّلْكَافِرِينَ متعلق فعل ہے اور یہ جملہ حال ہے اَلنَّارَ کا۔

ترجمہ	فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا	وَكُنْ تَفْعَلُوا	فَاتَّقُوا النَّارَ	الَّتِي وَقُودُهَا
البقرة: 24	تو اگر تم لوگ نہ کر سکو	اور تم لوگ ہرگز نہ کر سکو گے	تو بچو اس آگ سے	جس کا ایندھن

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ	اُعِدَّتْ	لِّلْكَافِرِينَ
انسان اور پتھر ہیں	جو تیار کی گئی ہے	کافروں کیلئے

## نوٹ: 1

قرآن مجید اور نبی اکرمؐ کا انکار کرنے والوں کو جو ایک سورۃ بنانے کا چیلنج دیا گیا وہ کئی پہلوؤں سے تھا۔ ایک پہلو تو زبان کی فصاحت و بلاغت تھی۔ یعنی قرآن مجید کی زبان کی جو فصاحت اور بلاغت ہے اس جیسی یا اس سے ملتی جلتی کوئی ایک سورۃ بناؤ۔ دوسرا پہلو اس میں یہ بھی تھا کہ قرآن مجید انسانی زندگی کے مختلف حصوں کے بارے میں جو راہنمائی اپنی آیات میں پیش کر رہا ہے، اس سے بہتر کوئی ہدایت ہے تو لاؤ۔ ہمارے بزرگوں نے اپنی تفاسیر میں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا ہے مثلاً حضرت مولانا عبدالماجد ریا بادیؒ آیت مبارکہ کا ترجمہ کرتے ہیں ”اور اگر تم (یہ) نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے“ پھر حاشیے میں فرماتے ہیں: ”(قیامت تک) اللہ اکبر! کس زور کی تحدی ہے اور وہ بھی ایک اُمی کی زبان سے اپنی عقل و حکمت، اپنے علوم و فنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا کیسا جوش اُس وقت بھی آیا ہوگا، اور آج بھی آ رہا ہے۔ لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی! کتنے نئے نئے مسلک روز پیدا ہو رہے ہیں، کیسی کیسی ”isms“ ہر روز اُٹھ رہی ہیں، اور دنیا کو راہِ نجات دکھانے میں سب کی سب بیکار رہی ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ سب گویا قرآن کے جوابات ہی ہیں۔ ہر جواب ناکام اور شرمناک حد تک ناکام!“ (تفسیر ماجدی، ص ۱۵)

## نوٹ: 2

”الْحَجَارَةُ كَالْفِظِ“ اگرچہ عام ہے لیکن موقع کلام سے واضح ہے کہ اس سے مراد وہی تراشے ہوئے پتھر ہیں جن کی دیوی دیوتا کی حیثیت سے پرستش ہوتی ہے۔ ان کو دوزخ میں پھینکنے سے مقصود دراصل ان کو عذاب دینا نہیں بلکہ ان کے پرستاروں کے عذاب میں اضافہ کرنا ہوگا۔ اس طرح ان کو دکھایا جائے گا کہ جن کے آگے وہ دنیا میں ڈنڈوت کرتے رہے ہیں اور جن کی ضیافت کے لیے دودھ اور حلوے پیش کرتے رہے ہیں ان کی یہاں کیا گت بن رہی ہے۔“ (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۳۹)

## آیت: 25

﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلًّا رَزَقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأَتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥﴾﴾

## ب ش ر

(ن-ض-س) بَشِّرًا اور بَشِيرًا کھال کو چھیل کر اسے ظاہر کرنا۔ خوش ہونا۔ خوش کرنا۔ (کیونکہ خوشی میں چہرے کی جلد جگمگاٹھتی ہے)۔ خوشخبری۔ بشارت، جس کو سن کر چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہو جائیں۔ ﴿فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٧﴾﴾ (البقرة: 97) ”تو یقیناً انہوں نے یعنی جبریلؑ نے نازل کیا اس کو آپ ﷺ کے دل پر اللہ کے حکم سے تصدیق کرنے والا ہوتے ہوئے اس کی جو پہلے سے ہے اور ہدایت اور بشارت ہوتے ہوئے مومنوں کے لئے۔“

بَشِيرٌ فَعِيلٌ کا وزن ہے۔ خوش خبری دینے والا۔ ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ (البقرة: 119) ”یقیناً ہم نے بھیجا آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا ہوتے ہوئے۔“

ج: بَشِيرٌ۔ خوش خبری دینے والی۔ ﴿وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ﴾ (الفرقان: 48)

”اور وہی ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے۔“

بَشِّرْ

اسم ذات ہے۔ انسان۔ کھال، جلد۔ ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (18/ البقرة: 110) ”آپؐ کہنے کہ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ میں ایک بشر ہوں تم لوگوں کی مانند۔“ عربی زبان میں بَشَرٌ، انسان کی جلد کی اوپر کی سطح کو کہتے ہیں اسی سے انسان کو بَشَرٌ کہتے ہیں کیونکہ اس کی جلد دوسرے حیوانات کے مقابلے میں اون، بالوں اور پشم وغیرہ سے کافی حد تک صاف ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد زیادہ ظاہر دکھائی دیتی ہے۔ بشر کا لفظ واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ البتہ اس کا تشبیہ بَشَرِیْنِ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿فَقَالُوا أَتُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾ (23/ المؤمنون: 47) ”تو کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لائیں۔“ بشر کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب انسان کی جسمانی بناوٹ، اس کے ظاہری جسم، اس کے فطری تقاضے، ضروریات اور کمزوریوں کا ذکر کرنا مقصود ہو۔ جیسے اوپر المؤمنون کی آیت 47 سے واضح ہے۔ اور بشر کے مقابلے میں مَلَكٌ (بمعنی فرشتہ) کا لفظ ہے جو مادی پہلو، یعنی ظاہری جسم اور فطری ضروریات سے پاک ہوتا ہے۔ کفار کا ہمیشہ یہی اعتراض رہا کہ ہم اپنے ہی جیسے ایک بشر جو ہماری طرح پیدا ہوتا ہے اور مرتا ہے، کھاتا پیتا، بازاروں میں چلتا پھرتا اور اپنی ضروریات ہماری طرح ہی پوری کرتا ہے تو اس میں آخر کیا فوقیت ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ ہاں اگر کوئی فرشتہ ہوتا، جو ان ضروریات سے پاک ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ درج ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے: ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 94-95) ”اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کے بھیجا ہے۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ اگر فرشتے زمین میں آباد ہوتے جو چلتے پھرتے اور آرام کرتے تو ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتہ ہی پیغمبر بنا کر بھیجتے۔“ قرآن مجید میں بشر کا لفظ خاص جلد کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿لَوْ أَحَاطَ لِلْبَشَرِ﴾ (74/ المدثر: 29) ”جلد کو جھلسا دینے والی۔“

(افعال) اِبْشَارًا خوشخبری حاصل کرنا۔ بشارت لینا۔

ج: اَبَشِرُوا۔ فعل امر ہے۔ تو بشارت لے۔ ﴿وَأَبَشِرُوا بِالْجَنَّةِ﴾ (41/ حم السجدة: 30) ”اور تم لوگ بشارت لو جنت کی۔“

(تفعیل) تَبَشِيرًا خوشخبری سنانا۔ بشارت دینا۔ ایسی خوشخبری دینا کہ جس سے سرور پیدا ہو۔ بَشِّر۔ یُبَشِّرُ باب تفعیل میں دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ جس کو بشارت دی جاتی ہے وہ بِنَفْسِهِ (براہ راست بغیر صلہ کے) آتا ہے۔ اور جو بشارت دی جاتی ہے۔ اس پر کبھی ب کا صلہ آتا ہے اور کبھی اَنْ یا اَنَّ آتا ہے۔

فعل امر ہے۔ تو خوشخبری سنا۔ تو بشارت دے۔ ﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ (2/ البقرة: 25) ”آپؐ خوشخبری دے دیجئے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے کہ اُن کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔“ اور قرآن مجید میں یہ جو فرمایا ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ (3/ آل عمران: 21) ”تو آپؐ بشارت دیں اُن لوگوں کو ایک دردناک عذاب کی۔“ تو یہ اس لیے فرمایا کہ بشیر کا لفظ بطور استعارہ کے کبھی کبھی غصے کے اظہار کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ بشیر کے لفظ سے تنبیہ کی گئی ہے یعنی خبردار کیا گیا ہے اور آگاہ کیا گیا ہے کہ سب سے بہتر خوشخبری جو وہ سن سکتے ہیں وہ عذاب الیم کی ہے جس میں وہ قیامت کے دن مبتلا ہوں گے۔ عذاب کے متعلق بَشِّرُ کا لفظ بطور تمکیم (ڈانٹ) استعمال ہوتا ہے۔



حضرت مولانا عبدالمجید دریابادیؒ النساء کی آیت 138 ﴿بَشِّرِ الْمُتَّقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ”بشیر کے معنی ہمیشہ خوشخبری ہی کے نہیں ہوتے۔ لغت میں عام ہے ہر ایسی خبر کے لیے جس کا اثر چہرہ سے ظاہر ہونے لگے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بشارت یہاں طنز و زجر کے معنی میں ہو۔ اور عرب ایسے موقع پر ایسا ہی استعمال کرتے ہیں۔ اردو میں (بھی) تو طنزیہ موقع پر کہتے ہیں۔ لو، اب اپنا انعام لو۔ اب تو مزہ پایا۔ اب دیکھو اپنا تماشا۔“ (تفسیر ماجدیؒ ص ۲۵۶) اور صاحب ضیاء القرآن بھی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: ”بشارت کا عام استعمال تو خوشخبری کے معنی میں ہوتا ہے اور اس عذاب الیم کی خبر کو بشارت سے تعبیر کرنا بطور طنز ہے۔ اور علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ ہر اس اچھی یا بری خبر کو بشارت کہتے ہیں جس کے سننے کے بعد اس کے اثرات چہرہ پر نمایاں ہو جائیں۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۴۰۴)

(مفاعله) مُبَشِّرَةً باہم رہنا سہنا۔ مباشرت کرنا۔ ”مُبَشِّرَةً“ کے اصل معنی تو ایک کی جلد کو دوسرے کی جلد کے ساتھ ملانا کے ہیں مگر کنایۂ عورت سے مجامعت کرنا کے معنی میں آجاتا ہے۔“ (مفردات القرآن)

فعل امر ہے۔ تو مباشرت کر۔ ﴿فَالَّذِينَ بَشِّرُوا هُنَّ﴾ (2/ البقرة: 187) ”تو اب تم لوگ مباشرت کرو ان سے یعنی اپنی بیویوں سے۔“

بَاشِرٌ

(استفعال) اِسْتَبَشِرُوا خوش ہونا۔ خوشی منانا۔

ج: اِسْتَبَشِرُوا۔ فعل امر ہے۔ تو خوش ہو جا۔ تو خوشی منا۔ ﴿فَاِسْتَبَشِرُوا بِبَيْعِكُمْ﴾ (9/ التوبة: 111) ”پس تم لوگ خوشی مناؤ اپنے سودے کی۔“

اِسْتَبَشِرُ

اسم الفاعل ہے۔ خوشی منانے والا۔ ﴿صَاحِكَةً مُسْتَبَشِرَةً﴾ (80/ عبس: 39) ”ہشاش ہشاش اور خوش و خرم ہوں گے۔“

مُسْتَبَشِرٌ

اٰمَنُوْا (ع مر ن): البقرة آیت 3 دیکھیں۔

ع م ل

(س) عَمَلًا کام کرنا۔ عمل ہر اس فعل کو کہتے ہیں جو کسی جاندار سے ارادۂ صادر ہو۔ عمل کا لفظ، فعل سے خاص ہے۔ کیونکہ فعل کا لفظ حیوانات اور کبھی جمادات کی طرف بھی منسوب ہو جاتا ہے مگر عمل کا لفظ ان کی طرف بہت کم منسوب ہوتا ہے۔ عمل کا لفظ اچھے اور برے دونوں قسم کے افعال پر بولا جاتا ہے۔ ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (2/ البقرة: 62) ”جو ایمان لایا باللہ پر اور آخری دن پر اور اُس نے نیک عمل کیا تو اُس کا اجر ہے اُس کے رب کے پاس۔“ اور برے کام کے لیے فرمایا: ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ﴾ (4/ النساء: 123) ”جو بھی بُرائی کرے گا اُس کی جزا پائے گا۔“

عَمَلًا

ج: اَعْمَالٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ کام۔ ﴿فَاَسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَا اُضِيعُ عَمَلًا عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ (3/ آل عمران: 195) ”پس اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول فرمائی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا۔“ ﴿اِنَّهُ عَمَلٌ غَنِيٌّ صَالِحٌ﴾ (11/ هود: 46) ”اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں۔“ ﴿وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عَمِلُوْنَ﴾ (23/ المؤمنون: 63) ”اور اُن کے لیے اُس کے سوا بھی بہت سے اعمال ہیں جنہیں وہ کرنے والے ہیں۔“

عَمَلٌ

ج: اَعْمَلُوا۔ فعل امر ہے۔ تو کر۔ ﴿فَاعْمَلْ اِنَّا عَمِلُوْنَ ۝﴾ (41/ حم السجدة: 5) ”پس تو کر بے شک ہم بھی کرنے والے ہیں۔“ ﴿قُلْ يَقَوْمِ اَعْمَلُوا عَلٰی مَكَاتِبِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ﴾ (6/ الانعام: 135) ”آپؐ کہہ دیجئے اے میری قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بے شک میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔“

ج: عَامِلُوْنَ۔ عَامِلِیْنَ۔ کام کرنے والا۔ ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَا اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِّمَّنْ ذَكَرَ اَوْ اُنْفِیْ ۚ﴾ (3/ آل عمران: 195) ”پس اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول فرمائی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا۔“ ﴿وَنِعْمَ اَجْرُ الْعَمِلِیْنَ ۝﴾ (3/ آل عمران: 136) ”کتنا اچھا ہے بدلہ نیک عمل کرنے والوں کا۔“ ﴿اِنَّا عَمِلُوْنَ ۝﴾ (11/ ہود: 121) ”بے شک ہم بھی عمل کرنے والے ہیں۔“

ج: عَامِلَاتٌ اور عَوَامِلٌ۔ کام کرنے والی۔ ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝﴾ (88/ الغاشیہ: 3) ”اور محنت کرنے والے تھکے ہوئے ہوں گے۔“

الصُّلْحِ (صل ح): البقرة آیت 11 دیکھیں۔

ج ن ن

(ن) (ا) جَنَّا کسی چیز کو ڈھانپ کر چھپا دینا کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ ڈھانپنا۔ چھپا دینا۔ ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الْاَیْلُ رَا كُوْكَبًا ۚ﴾ (6/ الانعام: 76) ”تو جب ڈھانپ دیا اس کو رات نے، اس نے دیکھا ایک تارا۔“ اس مصدر سے جَنَّ (جن)، جَنَّةٌ (دیوانگی)، جَنَّةٌ (ڈھال)، جَنَّةٌ (جنت) مشتق ہیں۔

(ب) جُنُوْنَا چھپی ہوئی عقل والا ہونا۔ دیوانہ ہونا۔

جَنَّ اسم ذات ہے۔ جن۔ انسانوں اور فرشتوں کے علاوہ ایک مخلوق جو آگ سے بنائی گئی اور ان کو جن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مخلوق ہم سے چھپی ہوئی ہے۔ ہماری طرح یہ بھی احکام شرعیہ کے مکلف ہیں ان میں تو والد و تناسل کا سلسلہ بھی ہے اور نیک و بد بھی ہیں۔ ﴿فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِیْسَ ۚ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِ ۝﴾ (18/ الکہف: 50) ”تو ان لوگوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ تھا جنوں میں سے تو وہ نکلا یعنی اس نے خلاف ورزی کی اپنے رب کے حکم کی۔“

جَانَّ فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ لیکن یہ لفظ زیادہ تر جن کے اسم جمع کے طور پر اور سانپ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جس طرح ابوالبشر کا نام آدم ہے اسی طرح ابوالجن کا نام الْجَانُّ ہے۔ صاحب ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ”جَانَّ جنوں کے پہلے باپ کا نام ہے۔ جس طرح آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی اسی طرح جَانَّ کی تخلیق خالص آگ سے ہوئی۔ پھر جنوں کی نسل کو چلانے کے لیے ازدواج کا وہی نظام یہاں بھی جاری ہے جو انسانوں میں ہے۔“ (ضیاء القرآن، ج 5، ص ۷۰)۔ ﴿وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝﴾ (55/ الرحمن: 15) ”اور اس نے پیدا کیا جنوں کو آگ کی لو سے۔“ ﴿فَلَمَّا رَاَهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا ۝﴾ (28/ القصص: 31) ”تو جب اس نے دیکھا اس کو لہراتا ہوا گویا کہ وہ سانپ ہے تو وہ چلا پیٹھ پھیرے کر۔“

جَنَّةٌ اسم ذات ہے۔ جن۔ دیوانگی، چونکہ دیوانگی عقل کو چھپا دیتی ہے اس لیے اسے جَنَّةٌ کہتے ہیں۔ ﴿الَّذِیْ یُؤْسُوْسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝﴾ (114/ الناس: 5-6) ”جو وسوسہ اندازی کرتا ہے لوگوں کے سینوں میں، جنات اور انسانوں میں سے۔“ ﴿مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جَنَّةٍ ۝﴾ (7/ الاعراف: 184) ”نہیں ہے ان کے صاحب کو کسی

قسم کی کوئی دیوانگی۔“

جُنَّةٌ ڈھال۔ کیونکہ اس سے انسان اپنے آپ کو چھپاتا ہے۔ ﴿إِتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً﴾ (البقرة: 2) ”اُنہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔“

ج: جَنَّاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ بہشت۔ جنت۔ درختوں والا ہر وہ باغ جس کے درخت زمین کو چھپالیں جنت کہلاتا ہے۔ اصطلاح شرع میں مراد وہ عظیم الشان باغ ہے جو بے شمار نعمتیں لیے ہوئے عالم آخرت میں نیک لوگوں کے لیے مخصوص ہے اور آج نظروں سے پوشیدہ ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”بہشت کو جنت یا تو دیوی باغات سے تشبیہ دے کر کہا گیا ہے، اگرچہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اور یا اس لیے کہ بہشت کی نعمتیں ہم سے مخفی رکھی گئی ہیں جیسے سورہ السجدہ کی آیت 17 میں فرمایا: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ ”کوئی تنفس نہیں جانتا کہ اُن کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے۔“ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جَنَّاتٌ جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ بہشت سات ہیں۔ (۱) جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ (۲) جَنَّةُ عَدْنٍ (۳) جَنَّةُ النَّعِيمِ۔ (۴) دَارُ الْخُلْدِ (۵) جَنَّةُ الْمَأْوٰی (۶) دَارُ السَّلَامِ (۷) عَلَیِّیْنِ (بحوالہ مفردات القرآن، ج ۱، ص ۱۹۳)۔ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ﴾ (البقرة: 82) ”اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے نیک، وہ لوگ جنت والے ہیں۔“ ﴿وَمَسْكِنٌ طِبَّيَّةً فِي جَنَّةِ عَدْنٍ ط﴾ (التوبة: 72) ”اور پاکیزہ ٹھکانوں کا عدن کے باغات میں۔“

مَجْنُونٌ مَجْنُونٌ کا وزن ہے۔ اسم صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ دیوانہ، پاگل۔ ﴿إِنَّمَا لَتَّارِكُوا إِلَهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ط﴾ (الصافات: 36) ”کیا ہم چھوڑ دیں اپنے خداؤں کو ایک دیوانے شاعر کے لئے۔“

جَنِینٌ فَعِيلٌ کا وزن ہے۔ فَعِيلٌ کا وزن فاعل اور مفعول، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ جَنِینٌ اگر مفعول کے معنوں میں ہو تو مراد ہوتا ہے چھپایا ہوا، ڈھانپا ہوا اور پھر اس سے وہ بچہ مراد ہوتا ہے جو ماں کے پیٹ میں ہو۔ اس صورت میں اس کی جمع اَجِنَّةٌ آتی ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ﴾ (النم: 53) ”اور وہ وقت یاد کرو جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔“ جَنِینٌ اگر فاعل کے معنی میں ہو تو مراد ہوتی ہے چھپانے والی۔ اور اس صورت میں یہ لفظ قبر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ج ر ی

(ض)

جَرِيًّا

بہنا۔ جاری ہونا۔ چلنا۔ تیزی سے گزر جانا (لازم)۔ ﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ط﴾ (البقرة: 25) ”اور آپؐ خوشخبری دے دیجئے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل کیے کہ اُن کے لیے ایسے باغات ہیں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔“ جَرِيٌّ يَجْرِي کے ساتھ جب ”ب“ کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے لے کر چلنا۔ لے جانا۔ ﴿وَالْفُلُكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ﴾ (البقرة: 164) ”اور کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا۔“

اسم الفاعل ہے۔ مذکر۔ بننے والا۔

جَارٍ

ج: جَارِيَاتٌ اور جَوَارٍ - اسم الفاعل ہے۔ مؤنث۔ بننے والی۔ کشتی۔ ﴿فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝﴾ (88/ البقرة: 12) ”اس میں ہے بننے والا چشمہ۔“ ﴿إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝﴾ (69/ الحاقة: 11) ”بیشک جب پانی اونچا ہوا تو ہم نے سوار کیا تم لوگوں کو کشتی میں۔“ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝﴾ (42/ الشوری: 32) ”اور اس کی نشانیوں میں سے کشتیاں ہیں سمندر میں پہاڑیوں کی مانند۔“ ﴿فَالْجُرِيدِ يُسْرًا ۝﴾ (51/ الزاریات: 3) ”پھر نرمی سے چلنے والی کشتیوں کی۔“

مَجْرٍ مَفْعَلٌ کا وزن ہے۔ (1) اسم الظرف زمان ہے، مطلب ہے بننے کا وقت۔ (2) اسم الظرف مکان ہے، مطلب ہے بننے کی جگہ۔ (3) مصدر میسی ہے، مطلب ہے بہنیا چلنا۔ ﴿وَقَالَ اذْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِيهَا وَمُرسِهَا﴾ (11/ هود: 41) ”اور نوحؑ نے کہا آؤ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا ہے اور اس کا ٹھہرنا۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ”مَجْرِيهَا عربی تلفظ میں ی کی آواز صرف یا معروف کی ہے چنانچہ قرآن مجید کے قاری بھی ہر جگہ اس قاعدہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ لیکن اس خاص موقع پر مجری کی ی کی آواز یائے مجہول کی نکلے گی اور اسے بجائے ”مجری“ کے ”مجرے“ ہی پڑھا جائے گا۔“ اس آیت کے تحت صاحب ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ”مجدری و مدرسی ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں ہو سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں کشتی چلنے کے وقت اور اس کے ساحل پر لنگر انداز ہونے کے وقت۔ یا اس جگہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں جہاں وہ چلتی ہے اور جہاں وہ رکتی ہے یا یہ دونوں مصدر میسی ہیں یہاں پھر مضاف (وقت) محذوف ماننا پڑے گا۔ ای وقت جریہا و وقت ارسائہا۔“ (ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۳۶۲)

تَحْتَ

ج: تَحْتُ۔ نیچے۔ اسم ظرف مکان ہے۔ یہ فوق (اوپر) کی ضد ہے۔ اس لفظ کے لیے اضافت لازم ہے اور جب مضاف الیہ محذوف ہو تو مبنی پر ضمہ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿لَا تَكُونُوا مِنْ قَوْمِهِمْ وَمَنْ تَحْتِ اَنْجِلْهُمْ ۝﴾ (المائدہ: 66) ”تو وہ ضرور کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے پاؤں کے نیچے سے بھی۔“ ﴿جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ۝﴾ (البقرة: 25) ”(نعت کے) باغ میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔“ حدیث میں ہے لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَظْهَرَ التَّحْوُتُ کہ قیامت قائم نہیں ہوگی تا وقتیکہ مینے لوگ غلبہ حاصل نہ کر لیں۔“ (تخصیص از مفردات القرآن)۔ تحت اور اسفل میں فرق یہ ہے کہ تحت اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری کے نیچے ہو مگر اسفل کسی چیز کے نیچے جسے کہتے ہیں جیسے اَلْمَالُ تَحْتَهُ (مال اس کے نیچے ہے)۔ اَسْفَلُهُ اَغْلَظُ مِنْ اَعْلَاهُ (اس کا نیچا حصہ اعلیٰ حصہ سے سخت ہے)۔

ن ه ر

(ف) نَهْرًا کسی کو جھڑکنا۔ پانی کا اپنے بننے کے لئے راستہ بنانا۔  
لَا تَنْهَرُ فعل نہی ہے۔ تو مت جھڑک۔ ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا آفٌ وَلَا تَنْهَرُهُمَا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 23) ”تو تم مت کہو ان دونوں سے آف تک اور تم مت جھڑکو ان دونوں کو۔“  
نَهْرٌ ج: اَنْهَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ دریا۔ نہر۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۝﴾ (2/ البقرة: 249) ”بیشک اللہ تم لوگوں کو آزمانے والا ہے ایک نہر سے۔“ ﴿وَيَجْعَلُ لَكُمْ جَنَّتٍ وَيَجْعَلُ لَكُمْ اَنْهَارًا ۝﴾ (71/ نوح: 12) ”اور وہ بنادے گا تمہارے لئے باغات اور وہ بنادے گا تمہارے لئے نہریں۔“  
نَهَارٌ اسم ذات ہے۔ دن۔ ﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ بِالْاَيْلِ وَالْاَنْهَارِ﴾ (2/ البقرة: 274) ”جو لوگ خیرات کرتے ہیں اپنے مال رات میں اور دن میں۔“

کُلُّهَا: البقرة آیت 20 دیکھیں۔ رَزَقُوا اور متعلقہ صیغے (رزق): البقرة آیت 3 دیکھیں۔  
تَمَرَةً (ثمر): البقرة آیت 22 دیکھیں۔ قَبْلُ: البقرة آیت 4 دیکھیں۔ اَتُوا (عاتی): البقرة آیت 23 دیکھیں۔

ش ب ہ

ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

(تفعیل)	تَشَبَّهَ	(1) کسی چیز کو کسی چیز کے مانند کرنا۔ ملتا جلتا کرنا۔ (2) شبہ یا شک میں ڈالنا (اتنا ملتا جلتا کرنا کہ فرق مشکل ہو جائے) ماضی مجہول ہے۔ مانند کیا گیا۔ مشکوک کیا گیا۔ ﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط﴾ (4/ النساء: 157) ”اور انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے ان کو سولی چڑھایا لیکن ان پر شبہ ڈال دیا گیا۔“
(تفاعل)	تَشَابَهَا	ایک دوسرے کے مانند ہونا۔ ﴿إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْهِ ط﴾ (2/ البقرة: 70) ”بیشک تمام گائیں باہم ملتی جلتی ہوئیں ہم پر۔“
	مُتَشَابِهٌ	اسم الفاعل ہے۔ باہم مانند ہونے والا۔ ﴿وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ط﴾ (6/ الانعام: 99) ”اور زیتون اور انار، ملتے جلتے ہونے والے اور باہم مانند ہونے والے۔“ اور آیت زیر مطالعہ۔
(انفعال)	اِشْتَبَاهَا	کسی کے مانند ہونا۔
	مُشْتَبِهٌ	اسم الفاعل ہے۔ کسی کے مانند ہونے والا۔ ﴿وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ط﴾ (6/ الانعام: 99) ”اور زیتون اور انار، ملتے جلتے ہونے والے اور باہم مانند ہونے والے۔“

ز و ج

(ن)

زَوْجًا

زَوْجٌ

بھڑکانا۔ ملانا۔

ج: اَزْوَاجٌ۔ اسم ذات ہے۔ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(1) جوڑا اور جوڑے کا ہر فرد۔ جن حیوانات میں نر اور مادہ ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک دوسرے کا زوج ہے۔ مثلاً شوہر، بیوی کا زوج ہے اور بیوی، شوہر کی زوج ہے۔ اور میاں بیوی دونوں مل کر بھی ایک زوج ہیں۔ عورت کے لیے فرمایا: ﴿وَقُلْنَا يَا اِمْرَاَتُ اسْكُنِي اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ (البقرة: 35) ”اور ہم نے کہا اے آدمؑ آپ اور آپ کی بیوی جنت میں رہیں۔“ اور مرد کے لیے فرمایا: ﴿قَدْ سَبَّحَ اللّٰهُ قَوْلَ النَّبِيِّ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا﴾ (المجادلہ: 1) ”یقیناً اللہ نے سن لی اُس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپ سے تکرار کر رہی تھی۔“ عام طور پر بیوی کو زَوْجَةٌ (ہ) کے ساتھ بھی کہہ دیتے ہیں۔

(2) حیوانات کے علاوہ دوسری چیزوں میں سے جفت (دو چیزوں) کو زوج کہا جاتا ہے۔ جیسے موزے اور جوتے وغیرہ۔

(3) بہت سے درختوں میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں ان کو اس مناسبت سے بھی زوج کہا جاسکتا ہے اور کبھی لفظ زوج ”ایک خاص قسم“ کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے درختوں کی ہر قسم کو زوج کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً ﴿اَوْ لَمْ يَبْرُوا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اُنْبِئْتُنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝﴾ (اشعراء: 7) ”کیا نہیں دیکھتے وہ زمین کو کتنی اگائیں ہم نے

اُس میں ہر ایک قسم کی خاصی چیزیں۔“ (ترجمہ شیخ البند) ”کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اُس میں کس قدر بوٹیاں عمدہ عمدہ قسم کی اگائی ہیں۔“ (ترجمہ ماجدی) ”کیا انہوں نے زمین پر نظریں نہیں ڈالی کہ ہم نے اُس میں ہر طرح کے نفیس جوڑے کس قدر اگائے ہیں۔“ (ترجمہ حسن البیان) ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ ثُبَاتٍ شَتَّى ۝﴾ (طہ: 53) ”پھر نکالی ہم نے اُس سے طرح طرح کی سبزی۔“ (ترجمہ شیخ البند) ”پھر ہم نے اُس کے ذریعے سے مختلف قسم کے طرح طرح کے نباتات پیدا کیے۔“ (ترجمہ ماجدی) ”پھر اُس برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔“ (ترجمہ حسن البیان)

(4) کبھی زوج سے مراد ”ساتھی“ ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿اَحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَعْْبُدُوْنَ ۝﴾ (37/ الصافات: 22) ”جمع کر لو مشرکوں اور اُن کے ہم مشربوں کو اور ان کو جن کی وہ عبادت اللہ کو چھوڑ کر کیا کرتے تھے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ اس آیت کے حاشیے میں حضرت لکھتے ہیں: ”زوج کے لفظی معنی ساتھی یا مقارن کے ہیں۔ یہاں ازواج بیویوں کے معنی میں نہیں بلکہ رفیقوں، ہم مشربوں کے مرادف ہے۔“ امام راغبؒ نے بھی اس آیت میں ازواج سے ساتھی مراد لیے ہیں۔ شاہ عبداللہ القادر دہلویؒ نے بھی آیت کریمہ میں ازواج کا ترجمہ ”ساتھیوں“ سے کیا ہے۔

(5) کبھی زوج سے مراد ”قسم“ یا ”گروہ“ ہوتا ہے۔ (جیسے اوپر نمبر 3 میں بھی بیان ہوا) ﴿وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۝﴾ (56/ الواقعة: 7) ”اور تم تین قسم کے ہو جاؤ گے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ حاشیے میں حضرت فرماتے ہیں: ”زوج یہاں صنف یا قسم کے معنی میں ہے۔“ یا فرمایا: ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا فَمِنْهُمْ زَهْرَةٌ اَلْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۝﴾ (طہ: 131) ”اور اپنی نگاہیں ہرگز اُن چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے اُن میں سے مختلف لوگوں کو آرائش دنیا کی دے رکھی ہیں۔“ (ترجمہ حسن البیان)۔ اس آیت کے حاشیے میں بھی حضرت مولانا عبدالماجد ریابادیؒ فرماتے ہیں: ”ازواجاً فَمِنْهُمْ سے مراد کافروں کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین وغیرہ۔“

(6) زوج کا تثنیہ (زوجان، زوجین) جب استعمال ہو تو اس سے بھی مختلف معنی مراد لیے جاتے ہیں مثلاً (ل) کبھی اس سے ایک ہی جوڑے کے دونوں فرد، نر اور مادہ مراد ہوتے ہیں مثلاً: ﴿قُلْنَا اٰحِبُّلِ فِیْهَا مِنْ کُلِّ زَوْجَیْنِ اُنْثٰی ۝﴾ (ہود: 40) ”تو ہم نے نوحؑ کو فرمایا سوار کر لو کشتی میں ہر جنس سے نر اور مادہ دو۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت کے حاشیے میں فرماتے ہیں: ”زوج جوڑے کے ہر فرد کو بھی کہتے ہیں جس طرح عورت کو بھی زوج کہا جاتا ہے اور مرد کو بھی زوج۔ قرآن کریم میں ہے ﴿وَاَخْلَقْنَا مِنْهَا زَوْجَهَا ۝﴾ اس سے اس کا زوج پیدا کیا۔ اس لیے زوجین جب تثنیہ ہوگا تو اس سے جوڑے کے دونوں فرد نر اور مادہ مراد ہوں گے قرآن مجید میں ہے ﴿وَاَنۡتَ اَخْلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذِّکَرِ وَالْاُنْثٰی ۝﴾ اس نے زوجین یعنی نر اور مادہ پیدا کیے۔ (ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۳۶۰) (ب) کبھی اس سے ”مقابل کی چیزیں“ مراد ہوتی ہیں۔ مثلاً ﴿وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّکُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ (الذاریات: 49) ”اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم کی بنایا تاکہ تم سمجھو۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ حاشیے میں حضرت فرماتے ہیں: ”زَوْجَیْنِ سے یہاں مراد مقابل کی چیزیں ہیں۔ مثلاً گرمی سردی، جوہر عرض، آسمان زمین، پستی بلندی، بڑی چھوٹی، اٹھی سیدھی، وحدت کثرت، نور ظلمت و قس علیٰ ہذا۔ کائنات بھری پڑی ہے ایسی ہی اعداد یا متقابالات سے۔“ حضرت شیخ البندؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ”اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے تاکہ تم دھیان کرو۔“ حاشیے میں حضرت فرماتے ہیں: ”یعنی نر اور مادہ، جیسا کہ

ابن زید نے کہا۔ اور آج جدید حکماء اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ہر ایک نوع میں نر اور مادہ کی تقسیم پائی جاتی ہے اور یا زوجین سے متقابل و متضاد چیزیں مراد ہیں۔ مثلاً رات دن، زمین آسمان، اندھیرا اجالا، سیاہی سفیدی، صحت و مرض، کفر و ایمان وغیرہ۔ (ج) اور کبھی اس سے مراد ”دو قسمیں“ ہوتا ہے۔ مثلاً ﴿فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٌ﴾ (الرّحمن: 52) ”اور ان بانگوں میں ہر میوہ کی دو دو قسمیں ہوں گی۔“ (ترجمہ ماجدی)

(7) قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے ان تمام مفاہیم کے مجموعے کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ﴿وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا﴾ (الزخرف: 12) ”اور جس نے بنائے سب چیز کے جوڑے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ”یعنی دنیا میں جتنی چیزوں کے جوڑے ہیں اور مخلوق کی جتنی قسمیں اور متماثل یا متقابل انواع ہیں سب کو اللہ ہی نے پیدا کیا۔“ صاحب احسن البیان اس آیت کے حاشیے میں فرماتے ہیں: ”یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا، نر اور مادہ، نباتات، کھتیاں، پھل، پھول اور حیوانات سب میں نر اور مادہ کا سلسلہ ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ایک دوسرے کی مخالف چیزیں ہیں جیسے روشنی اور اندھیرا، مرض اور صحت، انصاف اور ظلم، خیر اور شر، ایمان اور کفر، نرمی اور سختی وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں ازواج، اصناف کے معنی میں ہے۔ تمام انواع و اقسام کا خالق اللہ ہے۔“

(1) کسی کو کسی کا جوڑا بنانا۔ نکاح کر دینا۔ ﴿ذَوِّجْنَاهُمْ لَكِنِّي لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ﴾ (الاحزاب: 37) ”ہم نے جوڑا بنایا آپ ﷺ کا اس کو، تاکہ نہ رہے مومنوں پر کوئی گناہ اپنے منہ بولوں کی بیویوں میں۔“

(2) ساتھی بنا دینا۔ اکٹھا کر دینا۔ جمع کر دینا۔ ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنْكَاءً وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ لَا أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَ إِنْكَاءً﴾ (الشوری: 42) ”جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی۔“ اس آیت مبارکہ میں یَزَوِّجُ کا معنی ہے جمع کر دینا، اکٹھا کر دینا۔ اور اسی طرح فرمایا ﴿وَإِذَا التُّفُوسُ زُوِّجَتْ﴾ (التویر: 81) ”اور جب جانیں جسموں سے ملا دی جائیں گی۔“

ط ه ر

(ن-ک) طَهَّرًا اور طَهَارَةً پاک ہونا۔ ﴿وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهَرْنَ﴾ (2/ البقرہ: 222) ”اور ان سے قربت مت کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔“

(ف) طَهَّرًا گندگی دور کرنا۔ پاک کرنا۔

فَعُولُ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ پاک کرنے والا۔ بہت پاک کیا ہوا۔ ﴿وَسَقَّيْنَاهُمُ شَرَابًا طَهُورًا﴾ (76/ الدھر: 21) ”اور پلائے گا ان کو، ان کا رب نہایت پاکیزہ شراب۔“ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”طہور کا لفظ عربی زبان میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ طہور اس کو کہا جاتا ہے جو خود بھی پاک ہو اور دوسری چیزوں کو بھی اس سے پاک کیا جاسکے۔“ (معارف القرآن، ج ۶، ص ۲۸۴)۔ ﴿وَ أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا﴾ (25/ الفرقان: 48) ”اور ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں۔“ اس آیت میں طہور کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”لفظ طہور معنوی اعتبار سے تطہیر کو چاہتا ہے۔ کیونکہ طاہر (پاکیزہ) دو قسم پر ہوتا ہے ایک وہ جو خود تو پاک ہو مگر دوسری چیز کو بھی پاک کرنے کی اس میں صلاحیت نہ ہو جیسے کپڑا کہ گویہ پاک ہے مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکتا۔ دوم وہ جو خود بھی پاک ہو اور دوسری چیز کو بھی پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے پانی چنانچہ قرآن پاک نے پانی کو طہور کہہ کر اس

معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (مفردات القرآن، ج ۲، ص ۶۳۹)۔ صاحب احسن البیان فرماتے ہیں: ”طَهَّرُوْهُ (بَفَتْحِ الطَّاءِ) فَعُولُ كَـ وَزَنْنٌ پُرَّ آ لے کے معنی میں ہے یعنی ایسی چیز جس سے پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔ جیسے وضو کے پانی کو وضو اور ایندھن کو قود کہا جاتا ہے، اس معنی میں پانی طَاحِرٌ (خود بھی پاک) اور مُطَهَّرٌ (دوسروں کو پاک کرنے والا) بھی ہے۔ حدیث میں بھی ہے ((اِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا يَنْجَسُهُ شَيْءٌ)) (ابوداؤد، ترمذی وغیرہ) ”پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔“ ہاں اگر اس کا رنگ یا بو یا ذائقہ بدل جائے تو ایسا پانی ناپاک ہے۔ کمانی الحدیث۔“ (تفسیر احسن البیان، ص ۱۰۰۵)۔ حدیث میں مٹی اور زمین کو بھی طہور کہا گیا ہے۔ (مظاہر حق جدید ج ۱، ص ۳۸۵)

فعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ پاک۔ ﴿ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ط﴾ (2/ البقرة: 232) ”اس میں تمہاری بہترین صفائی اور پاکیزگی ہے۔“

پاک کرنا۔ کثرت سے یا بار بار پاک کرنا۔ یہ لفظ ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی نجاستوں سے پاکیزگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ظاہری نجاست کو دور کرنے کے لیے فرمایا: ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۖ وَتِلْكَ اَبْكَ فَطَهِّرْ ۖ﴾ (74/ المدثر: 3-4) ”اور اپنے پروردگار کی بڑھائی کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔“ اور باطنی برائیوں کو صاف کرنے کے لیے فرمایا: ﴿اِنَّمَّا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَاَيُّهَا كُمْ تَطْهِّرًا ۖ﴾ (33/ الاحزاب: 33) ”اے (پیغمبر کے) اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے جیسا کہ پاکیزگی کا حق ہے۔“

فعل امر ہے۔ تو پاک کر۔ تو پاک رکھ۔ ﴿وَاَطْهَرُ بَيْتِيْ لِلطَّائِفِيْنَ﴾ (22/ الحج: 26) ”اور پاک رکھ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کیلئے۔“

اسم الفاعل ہے۔ پاک کرنے والا۔ ﴿وَرَاٰ فَعَاكَ اِلٰى وَمُطَهَّرِكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (3/ آل عمران: 55) ”اور میں اٹھانے والا ہوں آپ کو اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں آپ کو ان سے جنہوں نے انکار کیا۔“

ج: مُطَهَّرُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ مذکر۔ خوب پاک کیا ہوا۔ ﴿لَا يَمَسُّهٖ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۖ﴾ (56/ الواقعة: 79) ”نہیں چھو سکتے اُس کو مگر پاک لوگ۔“

اسم المفعول ہے۔ مؤنث۔ خوب پاک کی ہوئی۔ ﴿وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ﴾ (2/ البقرة: 25) ”اور اُن کے لیے بیویاں ہیں صاف ستھری۔“

تَطَهَّرَا (تفعّل) کوشش کر کے خود کو پاک کرنا۔ پاک ہونا۔ پاک رہنا۔ ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَّطَهَّرُوْا ۖ﴾ (9/ التوبہ: 108) ”اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ پاک رہیں۔“

ج: اِطَهَّرُوْا۔ فعل امر ہے۔ خود کو پاک کر۔ پاک ہو۔ ﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۖ﴾ (5/ المائدہ: 6) ”اور اگر تم لوگ ہو ناپاک تو خود کو پاک کرو۔“

مُتَطَهِّرٌ اور مُطَهِّرٌ ج: مُتَطَهِّرُوْنَ اور مُطَهِّرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پاک ہونے والا۔ خود کو پاک رکھنے والا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝﴾ (2/ البقرة: 222) ”بیشک اللہ پسند کرتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو اور وہ پسند کرتا ہے خود کو پاک رکھنے والوں کو۔“ ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَهِّرِيْنَ ۝﴾ (9/ التوبہ: 108) ”اور اللہ پسند کرتا ہے خود کو پاک رکھنے والوں کو۔“



(ن)

خُلُوْدًا

کسی تبدیلی کے بغیر عرصہ دراز تک ایک حالت میں رہنا۔ ہمیشہ رہنا۔ صاحب لغات القرآن فرماتے ہیں: ”کسی شے کے بربادی سے بچنے اور اپنی حالت پر باقی رہنے کا نام ”خلود“ ہے، اسی بنا پر اہل عرب عام طور پر خلود کا استعمال اس چیز کے لیے کرتے ہیں کہ جو دیر پا ہو، اور اس میں تغیر و فساد مدت کے بعد پیدا ہو، چنانچہ چولہے کے ان تین پتھروں کو جن پر دیگ چڑھائی جاتی ہے اسی لیے خَوَالِدُ کہتے ہیں کہ وہ دیر تک قائم رہتے ہیں، عالم آخرت کے لیے جہاں خُلُوْد کا استعمال ہوتا ہے، وہاں اس کے اصلی معنی ہیں تمام اشیاء کا اپنی اپنی حالت پر برقرار رہنا۔“ (لغات القرآن، ج ۲، ص ۳۲۲)۔ مولانا عبد الماجد دریابادی فرماتے ہیں: ”خلود کے اصل معنی ہیں کسی چیز کا ایک حال پر قائم و برقرار رہنا اور اس کے اندر کوئی تغیر، کوئی خرابی نہ پیدا ہونا۔ اس سے ثانوی مفہوم دوام و ہمیشگی کا پیدا ہو گیا۔ خود قرآن مجید میں اس معنی میں بہت صاف طور پر آیا ہے، جہاں خالد کو باقی کے معنی میں لے کر فانی سے اس کا تقابل کیا ہے۔ ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخُلْدُونَ﴾ (الانبیاء: 34) ”اور خلود فی الجنة اور خلود فی النار سے مراد ہے جنت کی نعمتوں یا جہنم کے عذاب کا دوام اور اہل جنت اور اہل جہنم کا کبھی اپنے اپنے مقام سے باہر نہ نکلنا اہل جنت کے تنعم اور اہل جہنم کے عذاب کا دائم و غیر منقطع ہونا امت کے اجماعی مسلمات میں سے ہے۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۲۳)۔ جنت بھی ہمیشہ رہے گی، جنتی بھی ہمیشہ رہے گا اور جنت کی نعمتیں بھی ہمیشہ رہیں گی۔ ﴿وَتَتَخَدُّونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ﴾ (26/ الاشرار: 129) ”اور تم لوگ بناتے ہو قلعے شائد کہ تم لوگ ہمیشہ رہو گے۔“ ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ﴾ (50/ قی: 34) ”یہ دن ہمیشگی کا ہے۔“

خَالِدٌ

ج: خَالِدُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ہمیشہ رہنے والا۔ ﴿اُولَٰئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (2/ البقرة: 82) ”وہ لوگ جنت والے ہیں، وہ لوگ اس میں ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے ہیں۔“

خُلْدٌ

اسم ذات ہے۔ دوام۔ ہمیشگی۔ ﴿ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ﴾ (10/ یونس: 52) ”پھر کہا جائے گا ان لوگوں سے جنہوں نے ظلم کیا تم لوگ چکھو ہمیشگی کا عذاب۔“

(افعال)

اِخْلَادًا

یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے معنی ”سدا رہنا، ہمیشہ رہنا“ بھی ہیں اور ”کسی کو دوام بخشنا، ہمیشگی دینا“ بھی ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهُ اَخْلَدَهُ﴾ (الاحزاب: 3) اس آیت مبارکہ میں اَخْلَدَهُ کے دونوں طرح ترجمے کیے گئے ہیں مثلاً: ”خیال کرتا ہے کہ اس کا مال سدا کو رہے گا اس کے ساتھ۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”وہ یہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا۔“ (ترجمہ ماجدی) ”وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اُسے لافانی بنا دیا ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے حاشیے میں صاحب احسن البیان فرماتے ہیں: ”اَخْلَدَهُ کا زیادہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ”اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا“، یعنی یہ مال، جسے وہ جمع کر کے رکھتا ہے، اس کی عمر میں اضافہ کر دے گا اور اسے مرنے نہیں دے گا۔“

اس فعل کے ساتھ جب ’الی‘ کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کی طرف مائل ہونا۔ کسی ایک طرف جھک جانا۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَابْتِغَىٰ هَاهُنَا﴾ (7/ الاعراف: 176) ”اور اگر ہم چاہتے تو بلند کر دیتے اُس کا رتبہ ان آیتوں کے باعث لیکن وہ تو جھک گیا پستی کی طرف اور پیروی کرنے لگا اپنی خواہش کی۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آگے حاشیے میں حضرت فرماتے ہیں: ”اَخْلَدَ کا صلہ جب ’الی‘ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے اس چیز کی طرف مائل ہونا۔“

(تفعل)

تَخْلِيْدًا

کسی کو بیشکلی دینا۔ ہمیشہ کیلئے بنانا۔

ج: مُخَلَّدُونَ۔ اسم المفعول ہے۔ ہمیشہ کیلئے بنایا ہوا۔ بیشکلی دیا ہوا۔ ﴿يُطَوَّفُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ مُخَلَّدُونَ﴾

(56/ واقعہ: 17) ”طواف کریں گے ان پر بیشکلی دیئے ہوئے لڑکے۔“

ترکیب

بَشِّرُ فعل امر ہے۔ آگے اَلَّذِيْنَ سے ملانے کے لئے اسے کسرہ دی گئی ہے۔ اَلَّذِيْنَ (موصول) اَمْنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (صلہ) یہ پورا جملہ، موصول اور صلہ مل کر، بَشِّرُ کا مفعول اول ہے۔ اَنَّ لَهُمْ جَنَّتٍ، وہ بشارت ہے جسے دینے کا حکم ہے۔ اس طرح یہ بَشِّرُ کا مفعول ثانی ہے۔

اَنَّ لَهُمْ جَنَّتٍ میں جَنَّتٍ مبتداء مؤخر مکررہ ہے اور اَنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ لَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ اس کی خبر ثَابِتٌ يٰۤاَوَّحِبُّ مَذْرُوفٌ ہے۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ، یہ جملہ جَنَّتٍ کی صفت اول ہے۔ تَجْرِيْ فعل ہے، اَلْاَنْهَارُ اس کا فاعل اور مِنْ تَحْتِهَا متعلق فعل ہے۔ تَحْتِهَا میں ہا کی ضمیر جَنَّتٍ کے لئے ہے۔

كُلَّمَا حرف شرط ہے رَزَقُوا سے لے کر رَزَقًا تک بیان شرط ہے اور قَالُوا سے لے کر مُتَشَابِهًا تک جواب شرط ہے۔ یہ پورا جملہ شرطیہ جَنَّتٍ کی دوسری صفت ہے۔

رَزَقُوا ماضی مجہول ہے لیکن شرط ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔ اس میں شامل ضمیر اس کا نائب الفاعل ہے۔ مِنْهَا میں ہا کی ضمیر جنت کے لئے ہے۔ مِنْ ثَمَرَةٍ متعلق ہے رَزَقًا سے اور رَزَقًا مفعول ثانی ہے رَزَقُوا کا۔ دوسری صورت میں مِنْ ثَمَرَةٍ مفعول ثانی ہے رَزَقُوا کا جو اصل میں ثَمَرَةٌ تھا، مِنْ تبعیضیہ کی وجہ سے حالت جر میں چلا گیا اس لیے محلاً منصوب ہے۔ اور رَزَقًا مفعول لہ ہے۔ (واللہ اعلم)۔ آگے هٰذَا مبتداء ہے اور الَّذِيْ رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ موصول اور صلہ مل کر خبر ہے۔

اُنَّوَابہ کو سمجھ لیں۔ اَنّی۔ یٰۤاَنّٰی (آنا) فعل لازم ہے جس کا مجہول نہیں آتا۔ لیکن جب اس کے ساتھ ب کا صلہ آئے تو یہ متعدی استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں کوئی چیز لانا یا کسی کو کوئی چیز دینا۔ اس صورت میں اس کا مجہول استعمال ہو جاتا ہے۔ یہاں پر اُنَّوَابہ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا نائب الفاعل ہے۔ بہ جار مجرور اس کے متعلق ہیں اور ’ہ‘ ضمیر ثَمَرَةٍ کے لیے ہے اور متشابہًا، اس کا حال ہے۔ یعنی وہ پھل جو انہیں دیے جائیں گے وہ باہم ملتے جلتے ہوں گے۔ یہاں اُنَّوَابہ ”دینا“ کے معنوں میں ہے اور ہمارے بزرگوں نے تراجم بھی اسی طرح کیے ہیں مثلاً ”اور دیے جائیں گے ان کو پھل ایک صورت کے“ (ترجمہ شیخ البند) ”اور انہیں وہ (واقعی) دیا ہی جائے گا ملتا جلتا ہوا۔“ (ترجمہ ماحدی) ”اور دیا گیا انہیں پھل (صورت میں) ملتا جلتا۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن) وغیرہ۔

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ یہ مرکب توصیفی مبتداء مؤخر مکررہ ہے۔ جبکہ لَهُمْ فِيْهَا قائم مقام خبر مقدم ہے۔ هُمْ مبتداء، فِيْهَا متعلق خبر اور خَلِيْدُونَ خبر ہے۔

ترجمہ	وَبَشِّرِ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
البقرة: 25	اور آپ ﷺ بشارت دیجئے	ان لوگوں کو جو	ایمان لائے	اور نیک عمل کیے

اَنَّ	لَهُمْ	جَنَّتٍ	تَجْرِيْ	مِنْ تَحْتِهَا	الْاَنْهَارُ
کہ	ان کیلئے	باغات ہیں	بہتی ہیں	جن کے نیچے سے	نہریں

كُلَّمَا	رَزَقُوا	مِنْ ثَمَرَةٍ	رَزَقًا	قَالُوا
جب بھی	ان کو دیا جائے گا	کوئی پھل	کھانے کو	وہ لوگ کہیں گے

هَذَا الَّذِي	رُزِقْنَا	مِنْ قَبْلُ	وَأَتُوْا بِهِ	مُتَشَابِهًا
یہ ہے جو	ہم کو دیا گیا	(اس) سے پہلے	اور انہیں دیا جائے گا وہ (پہلے)	باہم ملتا جلتا

  

وَلَهُمْ فِيهَا	اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ	وَهُمْ	فِيهَا	خَلِدُونَ ﴿٥﴾
اور ان کے لیے ہیں اس میں	پاک کیے ہوئے جوڑے	اور وہ لوگ	اس میں	ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے ہیں

نوٹ: حروفِ اِنّ - اَنّ - اُنّ کے متعلق چند باتیں ذہن نشین کر لیں:

- (1) اِنَّ کے معنی ہیں ”بیشک“ جبکہ اَنَّ کے معنی ہیں ”کہ“۔ یہ دونوں حروف اسم پر داخل ہوتے ہیں اور دونوں اپنے اسم کو منصوب کرتے ہیں۔
- (2) اِنَّ جملہ کے شروع میں آتا ہے جبکہ اَنَّ جملہ کے درمیان میں آتا ہے۔ البتہ قَالَ یا اس کے مشتقات سے شروع ہونے والے جملوں کے درمیان میں اِنَّ آتا ہے لیکن ایسی صورت میں اِنَّ کے معنی ”کہ“ ہوتے ہیں۔ اس کا دوسرا استثناء یہ ہے کہ اگر خبر پر لام تاکید (لام مزحلقة) آ رہا ہو تو پھر جملے کے درمیان میں اَنَّ کی بجائے اِنَّ آتا ہے اور ایسی صورت میں بھی اس کا ترجمہ ”کہ“ کیا جاتا ہے۔ مثلاً سورۃ المنافقون کی پہلی آیت: ﴿اِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۚ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱﴾۔
- (3) اُن کے معنی ہیں ”کہ“ جبکہ اِنْ کے معنی ہیں ”اگر“۔ یہ دونوں حروف فعل پر داخل ہوتے ہیں۔ اُن مضارع کو منصوب کرتا ہے جبکہ اِنْ مضارع کو مجزوم کرتا ہے۔ اُن مفسرہ ہمیشہ اس فعل کے بعد آتا ہے جس میں کہنے کے معنی پائے جائیں خواہ کہنے کے معنی پر اس فعل کی دلالت لفظی ہو جیسے کہ ﴿فَاَوْحَيْنَا لِلّٰهِ اَنْ اَصْنَعْ الْفُلْكَ﴾ (المومنون: 27) ”پھر ہم نے اس کو حکم بھیجا یہ کہ تو کشتی بنا۔“ یا دلالت معنوی جیسے ﴿وَاَنْطَلَقَ الْبَلَاءُ مِنْهُمْ اِنْ اَمَشُوا﴾ (ص: 6) ”اور ان میں سے کئی سردار چل کھڑے ہوئے کہ چلو۔“ یعنی ان کے اٹھ کر چلنے کا مطلب گویا یہ کہنا ہے کہ تم بھی چلو۔

## آیت: 26

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ط فَامَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّ  
الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ وَ أَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَا ذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۙ يُضِلُّ بِهِ  
كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٦﴾﴾

إِنَّ: البقرة آیت 25 کے آخر میں نوٹ دیکھیں۔ اللہ (عل ۵): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

5 5 7

- (س) (ا) حَيَاءٌ شرمنا۔ حیا کرنا۔  
(ب) حَيَاتٌ زندہ ہونا۔ زندہ رہنا۔ ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ (8/ الانفال: 42) ”تا کہ جو ہلاک ہو، دلیل پر ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی دلیل پر زندہ رہے۔“ ﴿فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ﴾ (۷۴: ۲۰) ”تو یقیناً اس کے لئے جہنم ہے، نہ وہ مرے گا اس میں اور نہ زندہ رہے گا۔“  
حَيَوَةٌ اسم ذات ہے۔ زندگی۔ ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (67/ الملک: 2) ”جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ وہ آزمائے تم لوگوں کو کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا ہے بلحاظ عمل کے۔“  
حَيَوَانٌ اسم ذات ہے۔ اصل زندگی۔ حقیقی زندگی جس کے بعد موت نہیں۔ یہ حی ی (س) کا مصدر بھی ہے اور حَيَاتٌ سے زیادہ

بلغ اور پر زور بھی ہے۔ اصل میں فَعْلَانُ کے وزن پہ حَيَّيَانٌ تھا۔ یائے ثانی کو و میں تبدیل کر دیا۔ یہ قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے مندرجہ ذیل آیت میں۔ ﴿وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوَانُ ۝﴾ (29/ العنکبوت: 64) ”اور دارِ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جس کے بعد موت نہیں)۔“

ج: أَحْيَاءُ۔ اسم صفت ہے۔ زندہ۔ ﴿وَتُخْرِجُ النِّجَىٰ مِنَ النَّبِیِّتِ وَتُخْرِجُ النَّبِیِّتَ مِنَ النَّجَىٰ ۝﴾ (3/ آل عمران: 27) ”اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ میں سے اور تو نکالتا ہے مردہ کو زندہ میں سے۔“ ﴿وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ط﴾ (35/ فاطر: 22) ”اور برابر نہیں ہیں زندہ اور مردہ۔“ ح: جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے وہ ہستی جو ہمیشہ سے زندہ ہے، اب بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی اور جس کے متعلق موت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اَلْحَیُّ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی میں سے ہے۔ ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۝ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝﴾ (2/ البقرة: 255) ”اللہ، وہ زندہ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔“

ج: حَیَاتٌ۔ اسم جنس ہے۔ ہر قسم کا سانپ۔ مذکر اور مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿قَالَ اَلْقَهَا لِمَوْلٰی ۝﴾ (20/ طہ: 19-20) ”اللہ تعالیٰ نے کہا تو ڈال دے لاشی کو اے موسیٰ، تو انہوں نے ڈالا اس کو، پھر اُسی وقت وہ لاشی سانپ بن گئی دوڑتی ہوئی۔“

(1) اسم ظرف زمان ہے۔ زندہ رہنے کا زمانہ، عرصہ حیات۔ (2) مصدر میمی ہے مطلب ہے ”جینا“۔ ﴿اَنْ تَجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۚ سَوَآءٌ مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ط﴾ (45/ الباقیہ: 21) ”کہ ہم بنادیں گے ان کو ان کی مانند جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں، برابر یعنی ایک جیسا، ان کا جینا اور ان کا مرنا۔“

اسم فعل ہے۔ غفلت سے جاگو۔ متوجہ ہو۔ آؤ۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر کا نام۔ ﴿وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰی وَعِیْسٰی وَ اِلْيَاسَ ط كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝﴾ (6/ الانعام: 85) ”اور زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو (ہم نے ہدایت دی) سب نیک لوگوں میں سے تھے۔“

کسی کو زندگی دینا۔ درازی عمر کی دعا دینا۔ سلام کرنا۔ وہ کلمہ جس کے ذریعے سے کسی آنے والے یا ملنے والے شخص کا استقبال کیا جاتا ہے جیسے سلام یا خوش آمدید یا اھلاً وسھلاً وغیرہ ﴿وَ اِذَا جَآءَكَ بِمَا لَمْ یُحِیْكَ بِہِ اللّٰهُ ۝﴾ (58/ الباقیہ: 8) ”اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو اُن لفظوں سے سلام کرتے ہیں جن لفظوں سے اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا۔“ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ تَحِیَّۃ کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”تحیہ کے لفظی معنی ہیں کسی کو ”حَیَّاکَ اللّٰہ“ کہنا، یعنی اللہ تم کو زندہ رکھے۔ قبل از اسلام عرب کی عادت تھی کہ جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو ”حَیَّاکَ اللّٰہ“ یا ”اَنْعَمَ اللّٰہُ بِکَ عَیْنًا“ یا اَنْعَمَ صَبَاحًا وغیرہ الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے، اسلام نے اس طرز تحیہ کو بدل کر اَلْسَلَامُ عَلَیْکُمْ کہنے کا طریقہ جاری کیا، جس کے معنی ہیں ”تم ہر تکلیف اور رنج و مصیبت سے سلامت رہو۔“ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۵۰۱)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ”تحیہ باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس کا اصلی معنی زندگی کی درازی کی دعا دینا ہے۔ واصل التحیۃ الدعاء بالحیاء (قرطبی) اور اس کا معنی ملک بھی ہے التحیات اللہ میں یہی معنی ملحوظ ہے۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۳۷۳)۔ علامہ عثمانیؒ سورہ ابراہیم، آیت 23 تَحِیَّتُهُمْ فِیْہَا سَلَامٌ کے تحت فرماتے ہیں: ”حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ دنیا میں ”سلام“ دعاء ہے سلامتی مانگنے کی وہاں (یعنی جنت میں) ”سلام“ کہنا مبارکباد ہے سلامتی ملنے پر۔“

فعل امر ہے۔ تو دعا دے۔ تو سلام کر۔ ﴿وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّاتِهِ فَحَبِّتُوا بِأَحْسَنِ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا﴾ (4/ النساء: 86) ”اور جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظ دعا سے تو سلام دو تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اُس سے یا (کم از کم) دہرا دو وہی لفظ۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

(افعال) اِحْيَاءُ زندہ کرنا۔ ﴿وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ (16/ النحل: 65) ”اور اللہ نے نازل کیا آسمان سے پانی، پھر اس نے زندہ کیا اس سے یعنی پانی سے زمین کو اس کی موت کے بعد۔“ نوٹ کر لیجئے کہ مضارع معروف يُحْيِي کو قرآن مجید میں ایک ہی اور کھڑی زیر کے ساتھ یُحْيِي لکھا جاتا ہے اور اسی طرح اس کے باقی صیغے لکھے جاتے ہیں مثلاً أُحْيِي، تُحْيِي وغیرہ۔ اگر آگے ملانا ہو تو ایک ی اور زیر کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ جیسے يُحْيِي اللَّهُ يَأْتِي الْمَوْتِیَ وغیرہ۔ اگر اس کے بعد ضمیر ہو تو پھر دو ’ی‘ کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسے يُحْيِيكُمْ۔ اور اگر مضارع منصوب ہو تو اصل شکل يُحْيِي مَبْنِي ہے جس کو پھر یُحْيِي لکھا جاتا ہے جیسے لُتْنِي (الفرقان: 49) (واللہ اعلم)

اسم الفاعل ہے۔ مذکر۔ زندہ کرنے والا۔ ﴿إِنَّ ذَٰلِكَ لَمَنْحِي الْمَوْتِیَ﴾ (30/ الروم: 50) ”بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔“

(استفعال) اِسْتَحْيَاءُ زندہ رہنے دینا۔ کسی بات سے حیا کرنا۔ شرم کرنا۔ اِسْتَحْيَاءُ اگر حِیَاۃ سے مشتق ہو تو معنی ہوگا طَلَبُ الْحِیَاۃِ زندگی چاہنا، زندہ رہنے دینا۔ اگر حِیَاۃ سے مشتق ہو تو معنی ہوگا حیا کرنا، شرمنا، شرم کا اظہار کرنا۔ قرآن مجید میں دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔ ﴿يُذَيِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ﴾ (28/ القصص: 4) ”وہ ذبح کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیتا ان کی عورتوں کو۔“ ﴿وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ﴾ (33/ الاحزاب: 53) ”اور اللہ شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے سے۔“ ﴿فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتَحْيَاءٍ﴾ (28/ القصص: 25) ”اتنے میں اُن دونوں عورتوں میں سے ایک اُن کی طرف شرم و حیا سے چلتی ہوئی آئی۔“

ج: اِسْتَحْيُوا۔ فعل امر ہے۔ تو زندہ رکھ۔ تو حیا کر۔ ﴿قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ﴾ (40/ المؤمن: 25) ”ان لوگوں نے کہا تم لوگ قتل کرو ان کے بیٹوں کو جو ایمان لائیں اس کے ساتھ اور زندہ رکھو ان کی عورتوں کو۔“

اُن: البقرة آیت 25 کے آخر میں نوٹ دیکھیں۔

ض ر ب

(ض) ضَرْبًا عربی زبان کا یہ ایک کثیر المعانی لفظ ہے۔ اس کا بنیادی مفہوم ہے، ”ایک چیز کو دوسری چیز پر واقع کرنا۔“ چونکہ اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں اس لیے مختلف موقعوں پر اس کے مختلف معانی آتے ہیں۔ مثلاً

(1) مارنا۔ ﴿يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ﴾ (8/ الانفال: 50) ”وہ یعنی فرشتے مارتے ہیں انکے چہروں پر اور ان کی پیٹھوں پر۔“ جس چیز کے ساتھ مارا جائے اس پر ’ب‘ کا صلہ آتا ہے جیسے فرمایا: ﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ (2/ البقرة: 60) ”تو ہم نے کہا آپ ماریں اپنی لاٹھی سے اس پتھر کو۔“

(2) چلنا۔ سفر کرنا، کیونکہ انسان چلتے وقت زمین پر پاؤں رکھتا ہے۔ اس صورت میں اس کے ساتھ عام طور پر ”فی“ کا صلہ آتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ (4/ النساء: 101) ”اور جب بھی تم لوگ سفر کرو زمین میں تو تم لوگوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم لوگ قصر کرو نماز میں۔“ ﴿لَا

يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ ﴿2/ البقرة: 273﴾ ”وہ زمین پر چلنے پھرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔“ ﴿فَاضْرِبْ لَهُمُ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا﴾ ﴿20/ طہ: 77﴾ ”اور اُن کے لیے دریا میں خشک راستہ بنا لیجئے۔“

(3) ایک چیز کو دوسری چیز پر لازم کر دینا، مسلط کر دینا، چسپاں کر دینا یا تھوپ دینا۔ اس صورت میں عموماً ”علی“ کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَضَرَبْتَ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةَ﴾ ﴿2/ البقرة: 61﴾ ”اور تھوپ گئی ان لوگوں پر ذلت۔“ ﴿وَضَرَبْتَ عَلَيْهِمُ الْمُسْكَنَةَ﴾ ﴿3/ آل عمران: 112﴾ ”اور ان پر محتاجی و مغلوبی مسلط کر دی گئی۔“ ﴿فَضَرَبْنَا عَلَىٰ أَذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا﴾ ﴿18/ الکہف: 11﴾ ”سو ہم نے غار میں اُن کے کانوں پر ساہا سال تک (نیند کا) پردہ ڈالے رکھا۔“ یعنی اُن کے کانوں پر نیند کا پردہ مسلط کر دیا گیا اور اُن کے کان بند کر دیے تاکہ کوئی آواز اُن کی نیند میں خلل پیدا نہ کرے۔

(4) بنانا۔ ایک اینٹ کو دوسری اینٹ پر لگانا۔ ﴿فَضَرَبَ بَيْنَهُمُ بُسُورًا﴾ ﴿57/ الحدید: 13﴾ ”تو بنادی گئی ان کے مابین ایک دیوار۔“

(5) ضَرْبَ مَثَلًا کا مطلب ہے مثال دینا۔ بیان کرنا۔ کسی ایک بات سے دوسری بات کو واضح کرنا۔ ﴿وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ﴾ ﴿24/ النور: 35﴾ ”اور اللہ بیان کرتا ہے مثالیں لوگوں کے لئے۔“ ضرب المثل مشہور لفظ ہے۔

(6) منہ پھیر لینا۔ نظر انداز کر دینا۔ اس صورت میں عام طور پر ’عَنْ‘ کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ضَرْبَتْ عَنْهُ کا مطلب ہے میں نے اسے چھوڑ دیا یا میں اس سے رُک گیا۔ ﴿فَضَرَبَ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُسْرِفِينَ﴾ ﴿43/ الزخرف: 5﴾ ”کیا پھیر دیں گے ہم تمہاری طرف سے یہ کتاب موڑ کر اس سبب سے کہ تم ہو ایسے لوگ کہ حد پر نہیں رہتے۔“ (ترجمہ شیخ البند)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی چیز سے منہ پھیر لے اور اسے نظر انداز کر دے تو عرب کہتے ہیں ”قَدْ ضَرَبْتُ عَنْهُ صَفْحًا إِذَا أَعْرَضْتُ عَنْهُ وَتَرَكْتُهُ“ (قرطبی) علامہ ابن منظور اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَيُّ نَهْمِكُمْ وَلَا نَعْرِفُكُمْ مَا يَجِبُ عَلَيْكُمْ لِأَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُسْرِفِينَ اَيُّ لَأَنْ أَسْرَفْتُمْ (لسان العرب) یعنی کیا ہم تم کو نظر انداز کر دیں گے اور تمہیں ان فرائض و واجبات سے مطلع نہیں کریں گے جن کی تعمیل تم پر لازمی ہے اور یہ اس لیے کہ تم اسراف کے خوگر ہو ”صفحاً“ کے متعلق علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ یہ ضَرْبُ کا مفعول مطلق ہے جیسے قَعَدْتُ جُلُوسًا۔ اسے مفعول لہ اور حال بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس وقت صَفْحًا صَافِحِينَ کے معنی میں ہوگا۔ (روح المعانی، بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۴۰۱)۔

مَثَلًا (مرث ل): البقرة آیت 17 دیکھیں۔

ب ع ض

(س)

بَعْضًا  
بَعْضٌ

مجھ سے تکلیف پہنچنا۔

کسی چیز کا جز یا حصہ۔ ﴿فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا﴾ ﴿2/ البقرة: 73﴾ ”تو ہم نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم لوگ مارو اس کو یعنی مقتول کو اس کے یعنی گائے کے ٹکڑے سے۔“ ﴿وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمُ بَعْضًا﴾ ﴿29/ العنکبوت: 25﴾ ”اور لعنت کریں گے تم میں سے کچھ لوگ کچھ لوگوں پر۔“

اسم جنس ہے۔ مچھر۔ بَعُوضَةٌ۔ ایک مچھر۔ مچھر کا بچہ۔ یہ بَعْضٌ سے مشتق ہے، چونکہ تمام حیوانات کی بہ نسبت اس کا جسم ذرا سا ہوتا ہے اس لیے اس کو ”بَعُوضَةٌ“ کہنے لگے۔

بَعُوضٌ

ف و ق

(ن)

فَوْقًا

فَوْقٌ

بلند ہونا۔ اوپر ہونا۔

طرف بھی ہے اور بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کے مفاہیم بھی متعدد ہیں۔ (1) کسی کے اوپر ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ﴾ (2/ البقرة: 63) ”اور ہم نے بلند کیا تمہارے اوپر طور کو۔“ اس صورت میں اس کی ضد تحت ہے جس کے معنی نیچے کے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا آبًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتَ أَزْجَلِكُمْ﴾ (6/ الانعام: 65) ”کہہ دو کہ وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے۔“ فَوْقٌ اگر حالت جر میں ہو تو عموماً اس کے معنی ”اوپر یا اوپر سے“ مراد ہوتے ہیں جیسے: مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتَ أَزْجَلِكُمْ، مِّنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ، مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ، وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِّنْ فَوْقِهَا، عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ۔

(2) کسی جگہ سے بلند سطح یا بلندی کی جانب سے۔ ﴿إِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ﴾ (33/ الاحزاب: 10) ”جب وہ لوگ آئے تمہارے پاس تم سے بلند جگہ سے اور تم سے پست جگہ سے۔“ اس صورت میں اس کی ضد اسفل آتی ہے یعنی پستی کی جانب سے۔

(3) گنتی میں زیادہ۔ ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ﴾ (4/ النساء: 11) ”پھر اگر ان کی لڑکیاں دو سے زیادہ ہیں۔“ (4) جسامت کے لحاظ سے بڑا یا چھوٹا۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿بَعُوضَةً فَبَا فَوْقَهَا﴾ اس آیت مبارکہ میں فَوْقَهَا کے دونوں معنی بیان کیے گئے ہیں یعنی مچھر یا مچھر سے بڑی چیز (جیسے مکھی یا مکڑی) یا چھوٹی چیز (جیسے مچھر کا پر یا بازو جیسے بعض احادیث میں آیا بھی ہے)۔

(5) حقارت اور ذلت میں زیادہ۔ آیت زیر مطالعہ میں ﴿بَعُوضَةً فَبَا فَوْقَهَا﴾ میں فَوْقَهَا سے بعض بزرگوں نے ”حقارت میں زیادہ ہونا“ معنی مراد لیے ہیں۔ یعنی مچھر اور مچھر سے بھی زیادہ حقیر چیز۔ (واللہ اعلم)

(6) رتبہ اور فضیلت میں زیادہ۔ ﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ﴾ (43/ الزخرف: 32) ”اور ہم نے بلند کیا ان میں سے کچھ لوگوں کو رتبہ میں زیادہ کچھ لوگوں سے۔“

(افعال)

إِفَاكَةً

(1) بے ہوشی یا غشی کے بعد ہوش میں آنا۔ مرض کے بعد قوت پانا۔ صحت یاب ہونا۔ ﴿وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ﴾ (7/ الاعراف: 143) ”اور گرے موسیٰ بے ہوش ہو کر پھر جب ہوش آیا تو کہا پاکی تیری ہے۔“

(2) دودھ دوہنے کے بعد دودھ کا پھر تھنوں میں لوٹ آنا۔

فَوَاقٌ

درمیانی وقفہ۔ وہ وقفہ جو دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے۔ دوہنے والا ایک مرتبہ دودھ دوہنے کے بعد پھر بچے کو پینے کے لیے چھوڑ دیتا ہے، بچے کے پینے سے جانور کے تھنوں میں دوبارہ دودھ اُتر آتا ہے۔ اور دودھ دوہنے والا بچے کو ہٹا کر خود

دوبارہ دہ لیتا ہے۔ اس درمیانی وقفے کا نام اصل لغت میں فواق ہے اور بعض کے نزدیک اس کے معنی سکون، راحت اور افاتہ کے ہیں (واللہ اعلم)۔ ﴿وَمَا يَنْظُرُ هَؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝﴾ (38/ ص: 15) ”انہیں صرف ایک چیخ کا انتظار ہے جس میں کوئی توقف اور ڈھیل نہیں ہے۔“ یعنی صور پھونکنے کے بعد اتنا وقفہ بھی نہیں ملے گا جتنا دو مرتبہ دودھ دھونے کے درمیان ہوتا ہے، بلکہ صور پھونکنے کی دیر ہوگی کہ قیامت کا زلزلہ برپا ہو جائے گا۔

**اَمَّا** حرف ہے جو کسی اجمال کی تفصیل کے لیے آتا ہے اور اَحَدُ الشَّيْئَيْنِ (دو چیزوں میں سے ایک) کے معنی دیتا ہے۔ یہ کلام میں دوبار استعمال ہوتا ہے۔ اس میں شرط کا مفہوم بھی ہوتا ہے اس لیے اس کے جواب پر کلمہ ”ف“ آتا ہے۔ اَمَّا کے بعد جو اسم آتا ہے وہ مبتدا اور جس پر ”ف“ آئے وہ خبر ہوتی ہے۔

اَمَّا کبھی کلام کی ابتداء کے لیے بھی آتا ہے جیسے اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّهُ كَذَّابٌ۔

اٰمَنُوْا (ع مر ن): البقرة آیت 3 دیکھیں۔ يٰعَلَمُوْنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ح ق ق

(ن-ض)

حَقًّا

کسی چیز یا بات کا کسی چیز یا بات کے مطابق اور موافق ہونا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”حق کے اصل معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں۔ جیسا کہ دروازے کی چول اپنے کڑھے میں اس طرح فٹ آ جاتی ہے کہ وہ استقامت کے ساتھ اس میں گھومتی رہتی ہے۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر یہ لفظ مختلف مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے۔ (1) ثابت ہونا یعنی کسی چیز کا دعویٰ کے مطابق ہونا۔ ﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝﴾ (17/ بنی اسرائیل: 16) ”اور جب کبھی ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ہلاک کریں کسی بستی کو تو ہم حکم دیتے ہیں اس کے خوشحال لوگوں کو، پھر وہ حکم عدولی کرتے ہیں اس میں، تو ثابت ہوتی ہے بات اس بستی پر، تو ہم تباہ کرتے ہیں اس کو جیسے تباہ کرنے کا حق ہے۔“ (2) سچ ہونا یعنی کسی دعوے کا چیز کے مطابق ہونا۔ ﴿فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّا لَذَٰلِكَ لَآيِقُونَ ۝﴾ (37/ الصافات: 31) ”تو سچ ہوا ہم پر ہمارے رب کا فرمان، بیشک ہم چکھنے والے ہیں یعنی عذاب چکھنے والے ہیں۔“ (3) بامقصد ہونا یعنی کسی چیز کا اس کے مقصد کے مطابق ہونا۔ (4) واجب اور لازم ہونا۔ جو چیز ثابت ہو، سچ ہو اور بامقصد ہو، اسے لازم ہونا چاہیے۔ ﴿أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۖ ط﴾ (39/ الزمر: 19) ”تو کیا جس پر لازم ہوا عذاب کا فرمان۔“ ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾ (30/ الروم: 47) ”اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔“

ماضی مجہول ہے۔ اُس پر لازم ہوا۔ اُس پر ثابت ہوا۔ ﴿وَإِذْ نَتَّ لِرَبِّهَا وَحَقَّتْ ۖ﴾ (84/ الانشقاق: 2) ”اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان اور اُس پر فرض بھی یہی ہے۔“

حَقٌّ

اسم ذات بھی ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”الْحَقُّ لِلْفِعْلِ وَالْقَوْلِ: اَلْوَقِيعُ بِحَسَبِ مَا يُجِبُّ وَ قَدَرِ مَا يُجِبُّ وَ فِي الْوَقْتِ الَّذِي يُجِبُّ۔ یعنی وہ قول یا عمل حق ہے جو اس طرح واقع ہو جس طرح اس کا ہونا ضروری ہے اور اسی مقدار اور اسی وقت میں ہو جس مقدار میں اور جس وقت میں اس کا ہونا واجب ہے جیسے قرآن مجید کے بارے میں خود قرآن میں فرمایا گیا: ﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ (آل عمران: 3) ”اتاری تجھ پر کتاب سچی۔“ اس آیت کے حاشیے میں علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ”یعنی قرآن کریم جو عین حکمت کے موافق، نہایت بروقت، سچائی اور انصاف کو اپنی آغوش میں لے کر اترتا۔“ حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ”حق کا لفظ باطل کی ضد ہے اور بالعموم یہ دو معنوں میں استعمال

حَقٌّ



ہوتا ہے۔ ایک صحیح اور سچی اور مطابق عدل و انصاف اور مطابق حقیقت بات، خواہ وہ عقیدہ و ایمان سے تعلق رکھتی ہو یا دنیا کے معاملات سے دوسرے، وہ حق جس کا ادا کرنا انسان پر واجب ہو، خواہ وہ خدا کا حق ہو یا بندوں کا حق یا خود اپنے نفس کا حق۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۲۵۳)۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ لفظ ”حق“ کئی طرح استعمال ہوتا ہے جس کی مختصر سی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(1) ثابت شدہ حقیقت، ثابت شدہ سچائی، ٹھیک بات۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ط﴾ (2/ البقرة: 144) ”اور جن کو ملی ہے کتاب وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ ہی ٹھیک ہے اُن کے رب کی طرف سے۔“

(2) ہر وہ چیز جو با مقصد ہو اور حکمت کے تحت بنائی گئی ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا ہر کام حق ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ط﴾ (10/ یونس: 5) ”نہیں پیدا کیں اللہ نے یہ چیزیں مگر با مقصد۔“ ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط﴾ (6/ الانعام: 73) ”اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا حق کے ساتھ۔“ یعنی یہ تخلیق پر حکمت اور با مقصد ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مراد ہوتا ہے وہ ہستی جو حکمت کے تحت چیزوں کو ایجاد کرے۔ اسی لیے اَلْحَقُّ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿فَذَلِّكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ الْحَقُّ ط﴾ (10/ یونس: 32) ”سو یہ اللہ ہے رب تمہارا سچا۔“ ﴿ثُمَّ رُدُّوْا اِلٰی اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقُّ ط﴾ (6/ الانعام: 62) ”پھر وہ سب واپس لائے جائیں گے اپنے مالک حقیقی کے پاس۔“ (4) کسی چیز کے بارے میں اس طرح اعتقاد رکھنا جیسا کہ فی الحقیقت وہ ہے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جزا و سزا، جنت و دوزخ کے متعلق فلاں کا اعتقاد حق ہے۔ ﴿فَهَدٰى اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اٰخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاٰذِنِهِ ط﴾ (2/ البقرة: 213) ”پھر ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اُس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے۔“ (5) ثابت شدہ لازم چیز۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تَقٰوٰتِهٖ﴾ (3/ آل عمران: 102) ”اے لوگو تم لوگ تقویٰ کرو اللہ کا، جیسا اس کا تقویٰ لازم ہے۔“ ﴿وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 26) ”اور تو دے قرابت والے کو اسکی ثابت شدہ لازم چیز یعنی اس کا حق۔“

حَقِیْقٌ

سزاوار، لائق، ثابت، قائم۔ حَقٌّ سے بروزن فَعِیْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ ﴿حَقِیْقٌ عَلٰی اَنْ لَّا اَقُوْلَ عَلٰی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقُّ ط﴾ (7/ الاعراف: 105) ”قائم ہوں اس بات پر کہ نا کہوں اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے۔“ اس آیت کے تحت علامہ عثمانی فرماتے ہیں: ”اکثر مفسرین نے حقیق کے معنی جدیر (لائق) کے لیے ہیں۔ اسی لیے ”علی“ کو بمعنی ”با“ لینا پڑا ہے یعنی میری شان کے یہی لائق ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی ناحق اور غلط بات نہ کہوں بعض نے ”حقیق“ کو بمعنی ”حریص“ لیا ہے لیکن مترجم محقق رحمۃ اللہ نے ”حقیق“ کو ”قائم و ثابت“ کے معنی میں لیا۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں بدون ادنیٰ تزلزل اور تذبذب کے پوری مضبوطی اور استقلال کے ساتھ اس پر قائم ہوں کہ سچ کے سوا کوئی چیز زبان سے نہ نکالوں، خدا کا پیام بلا کم و کاست تم کو پہنچا دوں۔ اور تمہاری تکذیب و تحریف کی وجہ سے ذرا بھی نہ ڈرگاؤں۔“ بعض قراتوں میں حَقِیْقٌ عَلٰی بھی آیا ہے۔ اس کے مطابق حقیق کا معنی ”واجب“ ہوگا۔ یعنی مجھ پر واجب ہے کہ سچی بات ہی کہوں۔ چنانچہ بعض بزرگوں نے ترجمہ کیا ہے ”واجب ہے مجھ پر کہ میں نہ کہوں اللہ پر سوائے سچی بات کے۔“ (ترجمہ فیاء القرآن)۔ قرآن مجید میں حقیق ایک ہی دفعہ استعمال ہوا ہے مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں۔

حَاقٌ

فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل۔ ثابت، سچا، لازم ہونے والا۔

حَاقُّ کی مونث۔ ثابت، سچی، لازم ہونے والی۔ ﴿الْحَاقَّةُ ۝ مَا الْحَاقَّةُ ۝﴾ (69/ العنکبوت: 1-2) ”ثابت ہونے والی، کیا ہے ثابت ہونے والی یعنی قیامت۔“ الحاقہ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”لفظ حاقہ کے معنی حق اور ثابت کے بھی آتے ہیں اور دوسری چیزوں کو حق ثابت کرنے والی چیز کو بھی حاقہ کہتے ہیں۔ قیامت پر یہ لفظ دونوں معنی کے استعمال سے صادق آتا ہے کیونکہ قیامت خود بھی حق ہے اور اس کا وقوع ثابت اور یقینی ہے اور قیامت مومنین کے لیے جنت اور کفار کے لیے جہنم ثابت اور مقرر کرنے والی بھی ہے۔“ (معارف القرآن، ج ۸، ص ۵۴۵)۔

أَحَقُّ فعل التفضیل ہے۔ زیادہ حقدار۔ ﴿وَنَحْنُ أَحَقُّ بِإِلْمَلِكٍ مِنْهُ﴾ (2/ البقرة: 247) ”اور ہم اس سے زیادہ حقدار ہیں سلطنت کے۔“

ثابت کرنا۔ ﴿وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ﴾ (10/ یونس: 82) ”اور اللہ ثابت کرتا ہے سچ کو اپنے فرمانوں سے اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ۔“

حَقُّ دار ہونا۔ مستحق ہونا۔ ﴿فَإِنْ عَثَرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّ إِشْمًا فَآخَرُونَ يَقُولُونَ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَیٰنِ﴾ (5/ المائدة: 107) ”پھر اگر پتہ چل جائے کہ وہ دونوں مستحق ہوئے گناہ کے تو دوسرے دو کھڑے ہوں اُن دونوں کی جگہ پر اُن لوگوں میں سے جن کا حق دیا گیا جو زیادہ قریب ہوں میت کے۔“

رَبُّ (رب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ کَفَرُوا (ک ف ر): البقرة آیت 6 دیکھیں۔ یَقُولُونَ (ق و ل): البقرة آیت 8 دیکھیں۔

ر و د

(ن) رَوَدًا نرمی کے ساتھ بار بار کسی چیز کی طلب میں گھومنا۔ چلنا پھرنا۔

رَوِيْدٌ دراصل اِرْوَاد کی تصغیر ہے اور اس کے معنی ہیں ”کسی کو تھوڑی تھوڑی مہلت دیتے جانا۔“ یا ”آہستہ آہستہ، چپکے چپکے کسی کی رسی دراز کرتے جانا تاکہ وہ اپنے انجام کو پہنچ جائے۔“ ﴿فَبَهْلِلِ الْكَلْبَيْنِ أَمَّهُمَا رَوِيْدًا﴾ (86/ الطارق: 17) ”سو ڈھیل دے منکروں کو، ڈھیل دے اُن کو تھوڑے دنوں۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ ”پس آپ کفار کو تھوڑی سی مہلت اور دے دیں، کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت صاحب ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ”رَوِيْدٌ، اِرْوَاد سے حروف زوائد کو حذف کر کے رَوِيْدٌ اس کی تصغیر بنائی گئی ہے۔ اس کو تصغیر ترخیم کہتے ہیں یہ راودت الریح و تَرَوُدٌ رَوَدًا سے ماخوذ ہے جب ہوا آہستہ آہستہ چلے اور یہ لفظ ہمیشہ مصغری استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں دھمکی دی جا رہی ہے۔“ (ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۵۳۸)۔ اور رَوِيْدٌ قرآن مجید میں صرف ایک ہی دفعہ مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)

(افعال) اِرَادَةً طلب کرنا۔ چاہنا۔ خواہش کرنا۔ ارادہ کرنا۔ ارادہ نام ہے اس قوت کا جس میں خواہش، ضرورت اور آرزو کے ملے جلے جذبات ہوں۔ اس کا مرکز دل ہے۔ صاحب تذکر القرآن فرماتے ہیں: ”ارادہ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو قطعی فیصلہ اور حتمی ارادہ کے معنی میں، دوسرے چاہنے کے معنی میں جب پہلے معنی مراد ہوتے ہیں تو اس کے بعد اُلّیٰ آتا ہے اور جب مجرد چاہنے کے معنی میں آتا ہے تو اس کے بعد ’اُن‘ آتا ہے مثلاً ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ (33/ الاحزاب: 33) ”اللہ کا ارادہ تو بس یہ ہے، اے اہل بیت نبی کہ تم سے ناپاکی کو دور کرے۔“ ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (9/ التوبة: 55) ”اللہ تو بس یہ ارادہ کیے ہوئے ہے کہ اس کے ذریعے سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے۔“ ﴿وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ﴾

(4/ النساء: 27) ”ہاں، اللہ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے۔“ ﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۡ أَرَادَ أَنۡ يَّتَذَكَّرَ﴾ (25/ الفرقان: 62) ”اور وہ ہے جس نے بنیارات کو اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے، اس کے لئے جو چاہے کہ وہ یاد دہانی حاصل کرے۔“ اللہ تعالیٰ کے لیے جب یہ لفظ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کام کا فیصلہ کرنا جیسے فرمایا: ﴿إِنۡ أَرَادَ بِكُمْ سُوَءًاۢ أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةًۭ ط﴾ (33/ الاحزاب: 17) ”یعنی اگر اللہ تمہاری برائی کا فیصلہ کرے یا تم پر اپنا فضل و کرم کرنا چاہے۔“ یا کسی کام کا حکم دینا۔ ﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْاَيْسَرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (2/ البقرة: 188) ”اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنا چاہتا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ آسان کاموں کا حکم دیتا ہے اور ایسے کاموں کا حکم نہیں دیتا جس سے تم سختی میں مبتلا ہو جاؤ۔ ارادہ کا لفظ حیوانات اور جمادات دونوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں دیوار کے متعلق فرمایا: ﴿فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنۡ يَنْقَضَ فَكَفَّ مَهُطًا﴾ (18/ الکہف: 77) ”تو وہاں اُن دونوں نے ایک دیوار پائی جو گراہی چاہتی تھی۔ تو اس نے اسے ٹھیک کر دیا۔“ اور عربی زبان میں کہا جاتا ہے فَرَسِي ثَرِيدُ التَّنْبَنِ میری گھوڑی بھوسہ کھانا چاہتی ہے۔ (واللہ اعلم)

(مفاعله) رَوَادًا، مُرَادَةً کسی کو پھسلانا، بہکانا۔ کسی کو ایسے کام کے لیے آمادہ کرنا جس کو کرنے کا وہ ارادہ نہ رکھتا ہو۔ عربی میں کہتے ہیں رَاوَدْتُ فَلَانًا عَنْ كَذَا میں نے اس کو اس کام سے پھسلانے کی کوشش کی۔ عام طور پر اس کے ساتھ عَنْ کا صلہ آتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿قَالَ هِيَ رَاوَدَّتْنِي عَنْ نَفْسِي﴾ (12/ يوسف: 26) ”یوسفؑ نے کہا: یہی مجھے پھسلانے کی کوشش کر رہی تھی۔“ ﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ﴾ (54/ القمر: 37) ”اور یقیناً انہوں نے پھسلایا اس کو یعنی حضرت لوطؑ کو ان کے مہمان کے بارے میں تو ہم نے مٹا دیا ان کی آنکھوں کو۔“

يُضِلُّ (ض ل ل): الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔

ل ک ث ر

(ک) کَثْرَةً تعداد اور مقدار میں زیادہ ہونا۔ فضیلت میں زیادہ ہونا۔ ﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ط﴾ (4/ النساء: 7) ”اس میں سے جو کم ہو اس میں یا زیادہ ہو۔“ اسم ذات بھی ہے۔ زیادتی۔ کثرت۔ ﴿لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ط﴾ (5/ المائدہ: 100) ”برابر نہیں ہوتے خبیث اور پاکیزہ چاہے بھلی لگے تجھ کو خبیث کی کثرت۔“ افعِلْ تفضیل ہے۔ زیادہ تر۔ اکثریت۔ ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ط﴾ (7/ الاعراف: 187) ”اور لیکن لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی۔“ کَثِيرٌ (ضد قَلِيلٌ)۔ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بمعنی زیادہ۔ مقدار اور تعداد دونوں صورتوں میں آتا ہے۔ اس کا استعمال عام ہے۔ مادی اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ط﴾ (2/ البقرة: 269) ”اور جسے حکمت عطا کی گئی۔ اسے گویا بہت بھلائی دے دی گئی۔“ مذکورہ آیت میں کَثِيرٌ کا استعمال مقدار کے لیے معنوی طور پر ہوا ہے اور درج ذیل آیت کے ٹکڑا میں اس کا استعمال حسی طور پر ہے اور تعداد کے لیے ہے۔ ﴿فَاتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ط وَ كَثِيرٌ مِنْهُمْ فُتِنُوا ط﴾ (57/ الحدید: 27) ”تو جو لوگ ان میں سے ایمان لائے انہیں ہم نے ان کا بدلہ دیا۔ اور زیادہ تو ان میں سے نافرمان ہی

تھے۔“ اور اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔

کَثِيرٌ کا مونث۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعَّهُ لَكَ أَضْعَافًا كَثِيرَةً﴾ (2/ البقرة: 245)

”تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے۔“

کَثُرَ کسی چیز کی بہتات۔ یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

کوثر، کُثِرَ یا کُثِرَتْ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا وزن فَوَعْلٌ ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا اتنا کثیر ہونا کہ

اس کا اندازہ نہ لگایا جاسکے۔ جو چیز تعداد میں، قدر و قیمت میں اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو اسے عرب کوثر

کہتے ہیں۔ ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ (108/ الکوثر: 1) ”بیشک ہم نے عطا کیا آپ کو بے انتہا۔“ علمائے تفسیر نے

الکوثر کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں جو کہ کتب تفسیر میں سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالمجید دریا

بادی فرماتے ہیں: ”کوثر کے لفظی معنی خیر کثیر کے ہیں اور یہ لفظ دنیا اور آخرت، دونوں کی ساری بھلائیوں کا جامع ہے۔“

زیادہ کرنا۔ ﴿فَاكْثُرُوا فِيهَا فَنَسَادَ﴾ (89/ النجر: 12) ”پھر انہوں نے زیادہ کیا اس میں فساد کو۔“

بدرتج زیادہ کرنا۔ ﴿وَإِذْ كُرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَثُرْكُمْ﴾ (7/ الاعراف: 86) ”اور یاد کرو جب تم لوگ تھوڑے

تھے تو اس نے زیادہ کیا تم لوگوں کو۔“

تکثر کے تین معنی ہیں: (1) زیادہ سے زیادہ کثرت حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ کثرت میں تمام فوائد و منافع، مال و

دولت، سامان عیش، اسباب لذت، وسائل قوت و اقتدار، اولاد، سب شامل ہیں۔

(2) کثرت کے حصول میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔

(3) کثرت پر فخر کرنا۔ ﴿وَتَفَاخَرُوا بَيْنَكُمْ وَتَكَاثَرُوا فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ﴾ (57/ الحدید: 20) ”اور ایک

دوسرے پر فخر کرنا تمہارے مابین اور ایک دوسرے سے زیادہ ہونے کی کوشش کرنا مال میں اور اولاد میں۔“

کسی چیز کی کثرت چاہنا۔ جمع کرنا۔ ﴿وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سَتَكُنْتُ مِنَ الْخَيْرِ﴾ (7/ الاعراف: 188)

”اور اگر میں جانتا ہوتا غیب کو تو میں جمع کرتا بھلائی میں سے۔“

يَهْدِي (ہد دی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

ف س ق

(ن-ک) فُسُقًا اور فُسُوقًا فُسُقٌ کے لغوی معنی ہیں نکلتا۔ جب چوہا اپنے بل سے نکلتا ہے تو عرب کہتے ہیں فَسَقَتِ الْفَأْرَةُ مِنْ حُجْرِهَا۔ اسی

طرح کھجور جب اپنے چھلکے سے باہر نکل آتی ہے تو عرب کہتے ہیں فَسَقَ الرَّطْبُ عَنْ قَشْرِهِ۔ شریعت کی اصطلاح

میں فسق کے معنی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے گناہ کر کے خارج ہو جانا۔ اطاعت کے دائرے سے باہر نکلنا۔

نافرمانی کرنا۔ اسلام سے پہلے فسق کا لفظ انسانوں کے لیے استعمال نہیں ہوتا تھا بلکہ صرف کھجور کا اپنے چھلکے سے باہر نکلنے

کے لیے یہ لفظ بولا جاتا تھا۔ انسانوں کے لیے فسق کا لفظ قرآن کریم نے استعمال کیا۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿فَسَجَدُوا إِلَّا

إِبْلِيسَ ط كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ط﴾ (18/ البقرہ: 50) ”تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

وہ تھا جنوں میں سے تو وہ نکل گیا اپنے رب کے حکم سے۔“ ﴿وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَكْسِبُ لَهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا

يَفْسُقُونَ ط﴾ (6/ الانعام: 49) ”اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں ان کو عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی

کرتے ہیں۔“ (اس لفظ کی مزید تشریح آگے نوٹ 2 میں دیکھیں)۔

فُسُقُ اسم ذات ہے۔ نافرمانی۔ ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفُسُقٌ ط﴾ (6/ الانعام: 121) ”اور تم

لوگ مت کھاؤ اس میں سے جس پر نہیں لیا گیا اللہ کا نام اور یقیناً یہ نافرمانی ہے۔“

فُسُوقُ یہ بھی اسم ذات ہے۔ نافرمانی۔ گناہ۔ ﴿وَكُذِّبَ إِلَيْكُمْ الْكُفْرُ وَالْفُسُوقُ وَالْعِصْيَانُ ط﴾ (49/ الحجرات: 7) ”اور

اُس نے ناپسند بنا دیا تمہارے لیے کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو۔“ ﴿يُنْسِ الْإِسْمَ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ع﴾

(49/ الحجرات: 11) ”ایمان کے بعد فسق برانام ہے۔“

فَاسِقٌ ج: فَاسِقُونَ: اسم الفاعل ہے۔ نافرمانی کرنے والا۔ ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ ط﴾ (49/ الحجرات: 6) ”اگر کوئی

فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے۔“ ﴿فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ع﴾ (3/ آل عمران: 82)

”تو جو وعدہ سے پھرے اس کے بعد تو وہ لوگ ہی نافرمانی کرنے والے ہیں۔“

### ترکیب

إِنَّ حرف مشبہ بالفعل اور اللہ اس کا اسم ہے۔ لَا یَسْتَحِجّی سے لے کر فَمَا فَوْقَهَا تک پورا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اس میں لَا نفی کا ہے اور فعل مضارع یَسْتَحِجّی کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُوَ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اَنْ حرف مصدریہ ہے جس نے اگلے فعل یَضْرِبُ کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں اور اَنْ نواصب مضارع میں سے بھی ہے اس لیے یَضْرِبُ حالت نصب میں ہے۔ مثلاً مفعول بہ ہے یَضْرِبُ کا۔ اور یہ مصدر مؤول، مفعول بہ ہے یَسْتَحِجّی کا۔ مثلاً کے آگے جو مَآ ہے اسے ”ما بہامیہ“ کہتے ہیں۔ جو کمرہ اسم کے عموم اور ابہام کو اور زیادہ کر دیتا ہے یعنی اس کے مفہوم کو اور غیر واضح کر دیتا ہے۔ مثلاً عربی میں اِنِّیْ کِتَابًا کا مطلب ہے تم مجھے ایک کتاب دو۔ اِنِّیْ کِتَابًا مَّا کا مطلب ہے تم مجھے کوئی سی بھی کتاب دے دو۔ چنانچہ مثلاً مَّا کا مطلب ہے کوئی سی بھی مثال۔ صاحب تفسیر ماجدی فرماتے ہیں: ”مثلاً کا لفظ خود کمرہ تھا، مَّا کے اضافے نے اس کے وصف تنکیر کو اور بڑھا دیا۔“ بَعُوضَةٌ۔ یہ بدل ہے مثلاً کا۔ ف عطف کا ہے اور مَآ، نکرہ موصوفہ ہے۔ اور فَوْقَهَا اس کی صفت ہے اور یہ مَآ، بَعُوضَةٌ پر عطف ہے۔ فَوْقَهَا میں ’ہا‘ ضمیر بَعُوضَةٍ کے لیے ہے۔ فَوْقَهَا میں ”فَوْق“ کے عموماً دو مفہوم مراد لیے گئے ہیں۔ ایک جو مچھر سے حقارت میں بڑھ کر ہو جیسے مچھر کا پر یا بازو۔ دوسرے جو جسامت میں مچھر سے بڑھ کر ہو یعنی مکھی یا مکڑی (واللہ اعلم)۔ فَاَمَّا میں ’ف‘ استنافیہ ہے اور اَمَّا حرف شرط و تفصیل ہے۔ اَلَّذِیْنَ موصول اور اَمَّنُوا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتدا ہیں۔ اور آگے جملہ فعلیہ فَعَلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ خبر ہے۔ اس میں ’ف‘ جواب شرط کے لیے ہے۔ یَعْلَمُوْنَ فعل مضارع اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ اَنْ حرف مشبہ بالفعل ہے اور ’ہ‘ ضمیر اس کا اسم جو کہ مثال کے لیے ہے۔ اور اَلْحَقُّ، اَنْ کی خبر ہے مِنْ رَبِّهِمْ متعلق خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ مفعول ہے یَعْلَمُوْنَ کا۔ آگے ’ف‘ عطف کا ہے اور اَمَّا حرف شرط و تفصیل ہے۔ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوا، موصول اور صلہ مل کر مبتدا ہیں، اور فَيَقُولُوْنَ مَا ذَا سَ بَہَذَا امثالاً تک خبر ہے۔ یاد کر لیجئے کہ اسمائے استفہام جملے میں مبتدا، فاعل، مفعول اور جن اسماء میں ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں وہ خبر بن کر، استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہاں مَا ذَا، مفعول مقدم ہے اَرَادَ کا اور اللہ فاعل ہے۔ بَہَذَا متعلق فعل ہے اور مثلاً تمیز ہے۔ یُضِلُّ کا فاعل اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ بَہْ متعلق فعل ہے اور یہ ضمیر مثال کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اس مثال سے۔ کَثِیْرًا مفعول ہے۔ و عطف کا ہے اور یَهْدِیْ عطف ہے یُضِلُّ پر۔ آگے وَمَا یُضِلُّ بِہ میں و استنافیہ ہے اور مَآ نافیہ ہے۔ اِلَّا حصر کے لیے ہے۔ مَآ، اور اِلَّا زور دار نفی پیدا کر رہے ہیں۔ اَلْفٰسِقِیْنَ، مفعول ہے یُضِلُّ کا۔ (واللہ اعلم)۔

بَعُوضَةٌ	مَثَلًا مَّا	اَنْ یَضْرِبَ	لَا یَسْتَحِجّی	اِنَّ اللّٰهَ
مچھر کے بچے کی	کوئی سی بھی مثال	کہ وہ بیان کرے	حیا نہیں کرتا	بیشک اللہ

فَعَلَمُوْنَ	فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا	فَمَا فَوْقَهَا ط
وہ لوگ تو جانتے ہیں	پس وہ لوگ جو ایمان لائے	یا جو اس سے بڑھ کر ہے (حقارت میں یا حجم میں)

ترجمہ

البقرة: 26

أَنَّهُ الْحَقُّ	مِنْ رَبِّهِمْ	وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا	فَيَقُولُونَ
کہ یہ (مثال) صحیح ہے	ان کے رب کی طرف سے	اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا	تو وہ لوگ کہتے ہیں

مَا ذَا أَرَادَ اللَّهُ	بِهَذَا	مَثَلًا	يُضِلُّ بِهِ	كَثِيرًا
اللہ نے کیا ارادہ کیا	اس سے	بطور مثال کے	وہ گمراہ کرتا ہے اس (مثال) سے	بہتوں کو

وَيَهْدِي بِهِ	كَثِيرًا	وَمَا يُضِلُّ بِهِ
اور وہ ہدایت دیتا ہے اس (مثال) سے	بہتوں کو	اور وہ گمراہ نہیں کرتا اس (مثال) سے

إِلَّا الْفَاسِقِينَ
مگر نافرمانی کرنے والوں کو

**نوٹ-1** اس آیت کا یہ شان نزول معروف ہے کہ قرآن مجید میں جب مکھی، مکڑی وغیرہ کی مثالیں دی گئیں تو مخالفین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس سے اعلیٰ وارفع ہے کہ اتنی حقیر چیزوں کی مثال دے۔ اس لئے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ ان کی اس بات کا جواب اس آیت میں دیا گیا۔ لیکن ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ آیت خود ایک مستقل مثال ہے جو دنیا کی دی گئی ہے۔ مجھرب تک بھوکا یا کم خوراک ہوتا ہے زندہ رہتا ہے۔ جب زیادہ خوراک کی وجہ سے موٹا تازہ ہو جاتا ہے تو مر جاتا ہے۔ اسی طرح لوگ جب دنیا کو دل کھول کر حاصل کر لیتے ہیں تو ان کی پکڑ آ جاتی ہے۔ (ابن کثیر)

**نوٹ-2** **فَسَقٌ**: صاحب تفسیر حقانی فرماتے ہیں: ”فسق نکلنے کو کہتے ہیں۔ عرب بولتے ہیں: فسقت الرطبة عن قشرها کہ چھوہارا اپنے پوست (چھلکے) سے باہر ہو گیا اور عرف شرع میں فسق خدا کی فرمانبرداری سے گناہ کر کے خارج ہونے کو کہتے ہیں اور اس کے تین درجے ہیں: (1) ایک فاسق وہ ہے جو نافرمانی کو برا سمجھتا ہے لیکن بشری تقاضے کے تحت کبھی نافرمانی کا ارتکاب ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق فکر مند رہتا ہے۔ (2) ایک فاسق وہ ہے جو کسی نافرمانی کا عادی ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق فکر مند بھی نہیں رہتا۔ (3) ایک فاسق وہ ہے جو کسی نافرمانی کو اچھا عمل سمجھ کر اختیار کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کو حقیقت نہیں سمجھتا۔

پہلے دو درجے تک فاسق مومن رہتا ہے کیونکہ تصدیق قلبی جو اصل ایمان ہے اس کے دل میں موجود ہے اور صرف تیسرے درجے میں کافر ہوتا ہے۔ (تفسیر حقانی، ج ۱، ص ۴۰۴، تلخیصاً)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”فسق کے لفظی معنی خروج اور باہر نکل جانے کے ہیں، اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کو فسق کہتے ہیں اور اطاعت الہیہ سے نکل جانا کفر و انکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے، اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی، اس لیے لفظ فاسق کافر کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بیشتر لفظ فسقین، کافروں ہی کے لیے استعمال ہوا ہے اور مومن گناہگار کو بھی فاسق کہا جاتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اسی معنی کے لیے استعمال ہوا ہے ان کی اصطلاح میں فاسق کو کافر کے بالمقابل اس کی قسم قرار دیا گیا ہے۔ جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ بھی نہ کرے، یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے، اس کی عادت بنا لے وہ فقہاء کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے، (مظہری) اور جو شخص یہ فسق کے کام اور گناہ علانیہ جرأت کے ساتھ کرتا پھرے اس کو فاجر کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۱۶۸)۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ”فسق کے اصل معنی خروج کے ہیں۔ یہاں یہ لفظ معروف سے منکر اور اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکل جانے

کے لیے استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ابلیس کے متعلق ہے: ﴿كَانَ مِنَ الْإِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ط﴾ (18 / الکہف: 50) ”وہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔“ معروف سے منکر اور اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکل جانے کے مختلف مدارج ہو سکتے ہیں۔ منکر چھوٹا بھی ہو سکتا ہے اور بڑا بھی، اسی طرح نافرمانی معمولی درجہ کی بھی ہو سکتی ہے اور بغاوت کے درجہ کی بھی۔ چنانچہ قرآن میں یہ لفظ عام منکرات سے لے کر کفر و بغاوت تک سب کے لیے استعمال ہوا ہے بلکہ زیادہ تر اس کا استعمال ان بڑی نافرمانیوں ہی کے لیے ہوا ہے جن کے ساتھ ایمان جمع نہیں ہوتا اس وجہ سے قرآن میں اس لفظ کو اس ہلکے معنی میں ہرگز نہیں لینا چاہیے جس معنی میں اس کو عام طور پر ہمارے فقہاء اور متکلمین نے لیا ہے۔ (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۴۲)۔

حضرت مولانا عبدالماجد ریا بادی فرماتے ہیں: ”فسق کہتے ہیں احکام سے تجاوز کر جانے کو۔ اور فاسق وہ ہے جو دائرہ اطاعت سے بار بار نکل جائے۔ ائمہ لغت نے کہا ہے کہ فاسق کے استعمال کی مثال عربی میں اسلام سے قبل، عہد جاہلی میں نہیں ملتی۔ فسق بہ حیثیت فعل، بے جان چیزوں کے سلسلہ میں ضرور استعمال میں تھا۔ لیکن بحیثیت اسم، فاسق کا استعمال انسان کے لیے کلام عرب میں نہیں ملتا۔ اس اصطلاحی معنی میں جس میں اس کا استعمال اب عربی بلکہ اردو میں عام ہے، یہ تمام تر ایک اسلامی لفظ ہے۔ اور ان چند لفظوں میں سے ہے، جو قرآن نے آکر عربی زبان کو دیے۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۱۷)۔

### آیت: 27

﴿الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ ۖ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَ يَفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ط أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝﴾

ن ق ض

(ن) نَقَضًا کسی بنی ہوئی چیز کو توڑنا۔ عمارت مسمار کرنا۔ رسی کا بل کھولنا۔ ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَقَضَتْ غَزْلَهُمَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَا ط﴾ (16 / النحل: 92) ”اور تم لوگ مت ہو اس خاتون کی مانند جس نے توڑا اپنے سوت کو مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ کر کے۔“ نقض کا لفظ معنوی طور پر کسی چیز کو توڑنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا اللہ نے یَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ۔

لا تَنْقُضُوا فعل نہی ہے۔ تم لوگ مت توڑو۔ ﴿وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا ط﴾ (16 / النحل: 91) ”اور تم لوگ مت توڑو قسموں کو ان کی تاکید کے بعد۔“

(افعال) انْقَاضًا بوجھل کرنا۔ بوجھ کی وجہ سے ٹوٹنے کے قریب کرنا یا توڑ دینا۔ کسی چیز کا لاغر اور دُبلنا ہونا۔ ”ویسے لغت عرب میں جب اونٹ کی پشت پر زیادہ بوجھ لاداجائے تو اس کی پسلیوں سے ایک قسم کی ”کڑکڑ“ کی آواز نکلتی ہے اسے بھی انقاض کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔“ (غیاء القرآن)۔ ﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۖ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۖ﴾ (94 / الانشراح: 2-3) ”اور ہم نے اتارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بوجھ کو جس نے بوجھل کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ کو۔“

ع ه د

(س) عَهْدًا (1) مسلسل نگہداشت کرنا۔ وعدہ کرنا۔ ﴿قَالُوا يٰمُوسَىٰ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ط﴾ (7 / الاعراف: 134) ”انہوں نے کہا اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا کیجئے جس کا اُس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے۔“ (2) کسی سے عہد لے کر اسے اس پر قائم رہنے کی تاکید کرنا۔ چنانچہ یہ لفظ تاکید کرنا۔ ذمہ دار بنانا۔ وعدہ لینا۔ کوئی کام کسی کے سپرد کرنا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور عام طور پر ان معنوں میں الٰہی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔

﴿وَعَهْدًا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهْرًا بَيْنِي﴾ (2/ البقرة: 125) ”اور تاکید کی ہم نے ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ کو کہ وہ دونوں پاک رکھیں میرے گھر کو۔“ ﴿الْعَهْدَ إِلَيْكُمْ يَذَرُكُمْ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ﴾ (36/ یسین: 60) ”کیا میں نے وعدہ نہیں لیا تم لوگوں سے اے آدمؑ کی اولاد کہ تم لوگ بندگی مت کرنا شیطان کی۔“

عَهْدٌ

ج: عَهْدٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ ایسا وعدہ جس کی مسلسل نگہداشت کی جائے۔ عہد۔ ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 34) ”اور تم لوگ پورا کرو وعدہ کو۔“ عام طور پر عہد ایسے معاہدے کو کہتے ہیں جو دو شخصوں کے درمیان طے ہو جائے اور وعدہ عموماً ایک طرفہ ہوتا ہے۔ ’عہد‘ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب ’تفسیر حقانی‘ فرماتے ہیں: ”عہد لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کی حفاظت اور رعایت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ وصیت، قسم اور گھر۔ گھر کو عرب عہد اس لیے کہتے ہیں کہ ہر طرف سے پھر کر انسان وہاں آتا ہے۔ اور اس کی طرف خیال رکھتا ہے۔ تاریخ کو بھی عہد اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی محافظت ہوتی ہے۔“ (تفسیر حقانی، ج ۱، ص ۴۰۴)۔ اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”لفظ عہد ان تمام معاملات و معاہدات کو شامل ہے جن کا زبان سے التزام کیا جائے یعنی اس کی ذمہ داری لی جائے خواہ اس پر قسم کھائے یا نہ کھائے، خواہ وہ کسی کام کے کرنے سے متعلق ہو یا نہ کرنے سے۔“ (معارف القرآن، ج ۵، ص ۳۹۵)

باہم وعدہ کرنا۔ معاہدہ کرنا۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ﴾ (9/ التوبة: 75) ”اور ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے معاہدہ کیا اللہ سے کہ اگر وہ دے گا ہم کو اپنے فضل میں سے تو ہم لازماً خیرات کریں گے۔“

مُعَاهَدَةً

(مفاعله)

اللَّهُ (ع ل ۵): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

بعد۔ ظرف زمان ہے۔ قَبْلُ کی ضد ہے۔ اضافت اس کو لازمی ہے۔ اس کی اعرابی حالت وہی ہوتی ہے جو قَبْلُ کی ہوتی ہے۔

بَعْدُ

و ث ق

(ض) ثِقَةً، وَثُقَاتًا اعتبار کرنا۔ بھروسہ کرنا۔ قابل بھروسہ آدمی کو کہتے ہیں۔ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے رَجُلٌ ثِقَةٌ اور قَوْمٌ ثِقَةٌ۔ بہت مضبوط ہونا۔

(ک) وَثَاقَةٌ اسم ذات ہے۔ یہ وَثَاقٌ اور وَثَاقٌ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس رسی یا زنجیر کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو کس کر باندھ دیا جائے۔ بندھن، بندش۔ ﴿حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُؤَدِّيهِمْ فَشَدُّوا الْوُثَاقَ﴾ (47/ محمد: 4) ”یہاں تک کہ جب تم قتل کر چکواں کو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو۔“ ﴿وَلَا يُؤْتِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ﴾ (89/ الفجر: 26) ”اور کوئی نہیں جکڑے گا اس کے جکڑ جیسی۔“

مَوْثِقٌ کا وزن ہے لیکن اسم الظرف کے بجائے اسم ذات کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ پختہ وعدہ۔ ﴿فَلَبَّآ اَتَوْا مَوْثِقَهُمُ قَالَ اللّٰهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ﴾ (12/ یوسف: 66) ”تو جب انہوں نے دیا ان کو یعنی یعقوبؑ کو اپنا پختہ وعدہ تو انہوں نے کہا اللہ ذمہ دار ہے اس کا جو ہم کہتے ہیں۔“

وُثْقَى

اسم تفضیل ہے۔ مونث۔ بہت مضبوط۔ ﴿فَقَدْ اسْتَبَسَّكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ (2/ البقرة: 256) ”تو اُس نے تھام لیا ایک مضبوط حلقہ۔“



مِيثَاقُ

مِثْقَالُ کے وزن پر اسم الالہ ہے۔ جکڑنے کی زنجیر یا رسی۔ پھر جکڑی ہوئی چیز کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور مراد اس سے ہوتا ہے وہ پختہ عہد جس کو قسموں کے ساتھ مضبوط کیا گیا ہو یا لکھ کر فریقین کو معاہدہ کا پابند کر دیا گیا ہو۔ ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكُنُ مِنْهُمْ﴾ (3/ آل عمران: 187) ”اور جب لیا اللہ نے ان کا پختہ وعدہ جن کو کتاب دی گئی کہ تم لوگ لازماً واضح کرو گے اس کو لوگوں کے لئے اور اس کو نہیں چھپاؤ گے۔“ اور آیت زیر مطالعہ۔

کسی کو جکڑنا۔ مضبوط باندھنا۔ ﴿وَلَا يُؤْتِيهِمْ وَثَاقَهُ أَحَدٌ﴾ (89/ الفجر: 26) ”اور کوئی نہیں جکڑے گا اُس کے جکڑ جیسی۔“

باہم معاہدہ کرنا۔ کسی کو معاہدہ کا پابند کرنا۔ ایک دوسرے کو معاہدے میں جکڑنا۔ ﴿وَإِذْ كُنَّا نَبْعَثُ رُسُلًا فِي الْأُمَمِ أَنْ يَقُولُوا لِلنَّاسِ حَسْبِيَ اللَّهُ﴾ (21/ المؤمن: 24) ”اور تم لوگ یاد کرو اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر، اور اس کے پختہ عہد کو جس کا اُس نے پابند کیا تھا تم کو۔“

ق ط ع

(ف) قَطَعَا

کاٹنا۔ کسی چیز کو کاٹ کر علیحدہ کر دینا۔ جدا کر دینا۔ یہ لفظ مادی طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور معنوی طور پر بھی۔ مثلاً مادی طور پر فرمایا: ﴿لَا قِطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ مِنْ خِلَافٍ﴾ (7/ الاعراف: 124) ”میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹا دوں گا۔“ اور معنوی طور پر پھر یہ بہت سے محاوروں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً

(1) قَطَعُ الرَّجْمِ کا مطلب ہے رحمی رشتوں کو کاٹ دینا یعنی رشتے داروں سے حسن سلوک نہ کرنا۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ ”اور جس چیز (یعنی رشتہ، قرابت) کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے یہ اس کو کاٹ ڈالتے ہیں۔“

(2) قَطَعُ السَّبِيلِ یا قَطَعُ الطَّرِيقِ کا لفظی مطلب ہے راستہ کاٹنا۔ پھر اس کے دو معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ (ل) راستہ طے کرنا۔ ان معنوں میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے ﴿وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُنْتَبَ لَهُمْ﴾ (9/ التوبة: 121) ”اور جتنے میدان اُن کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی اُن کے نام لکھا گیا۔“ (ب) راہزنی کرنا۔ راستہ گزرتے لوگوں کو لوٹنا۔ راہزنی کی وجہ سے لوگ اس راستے پر چلنا چھوڑ دیتے ہیں اور راستہ بند ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿إِنِّي لَأَكْتُفِيكُمْ لَتَأْتِيَنَّ الرَّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ﴾ (29/ العنکبوت: 29) ”ارے تم تو مردوں سے فعل کرتے ہو اور تم راہزنی کرتے ہو۔“ (ترجمہ ماجد) ”کیا تم بد فعلی کرتے ہو مردوں کے ساتھ اور ڈاکے ڈالتے ہو عام راستوں پر۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ قَطَعُ الطَّرِيقِ کے ایک معنی قطع نسل بھی کیے گئے ہیں۔ یعنی جو لوگ اپنی جنسی خواہش مردوں سے پوری کرتے ہیں وہ اپنی نسل بڑھنے کے سلسلے کو کاٹتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی عتکبوت۔ 29 میں قَطَعُونَ السَّبِيلَ کا ترجمہ کرتے ہیں: ”راہ مارتے ہو“ اور حاشیے میں فرماتے ہیں: ”راہ مارنے سے مراد ممکن ہے ڈاکہ زانی ہو، یہ بھی اُن میں رائج ہوگی، یا اسی بدکاری سے مسافروں کی راہ مارتے تھے کہ ڈاکے مارے اُس طرف ہو کر نہ نکلیں یا قَطَعُونَ السَّبِيلَ کا مطلب یہ ہو کہ فطری اور معتاد راستہ کو چھوڑ کر تو والد و تناسل کا سلسلہ منقطع کر رہے تھے۔“

(3) قَطَعُ الدَّابِرِ کا مطلب ہے کسی چیز کی جڑ کاٹ دینا۔ کسی کو نیست و نابود کر دینا۔ جیسے فرمایا: ﴿وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ (7/ الاعراف: 72) ”اور کاٹا ہم نے ان لوگوں کی پیٹھ کو جو جھٹلاتے تھے ہماری نشانیوں کو۔“

(4) قَطَعُ الْأَمْرِ کا مطلب ہے کسی کام کا حتمی فیصلہ کرنا گویا ایک شق پر فیصلہ کر کے دیگر شقوں اور احتمالات کو

کاٹ دیا۔ جیسے فرمایا: ﴿مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ ۝﴾ (27/ النمل: 32) ”میں کسی معاملے کا فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔“ (ترجمہ ماجد)

ج: اقْطَعُوا۔ فعل امر ہے۔ تو کاٹ۔ ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ (5/ المائدہ: 38) ”اور مرد چور ہو اور عورت چور ہو تو تم لوگ کاٹو ان کے ہاتھ۔“

اسم الفاعل ہے۔ کاٹنے والا۔ ﴿مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ ۝﴾ (27/ النمل: 32) ”میں کاٹنے والی نہیں کوئی فیصلہ یعنی قطعی یا حتمی فیصلہ کرنے والی نہیں یہاں تک کہ تم لوگ موقع پر موجود ہو۔“

اسم المفعول ہے۔ کاٹا ہوا۔ روکا ہوا۔ ختم ہونے والا۔ ﴿وَ فَاكِهَةً كَثِيرَةً ۝ لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۝﴾ (56/ الواقعة: 32-33) ”اور کثیر میوے، نہ روکے ہوئے اور نہ منع کئے ہوئے۔“

اسم ذات ہے۔ کسی چیز کا ٹکڑا۔ حصہ۔ یہ لفظ واحد ہے اس کی جمع اقْطَاعُ ہے۔ ﴿فَاسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الْبَيْلِ﴾ (11/ ہود: 81) ”تو آپ یعنی لوط سفر پر روانہ ہوں اپنے اہل کے ساتھ رات کے ایک حصے میں۔“

ٹکڑے۔ یہ لفظ جمع ہے۔ اس کی واحد قِطْعَةٌ ہے۔ (لغات القرآن)۔ ﴿كَانُوا أَغْشِيَتْ وَجُوهُهُمْ قِطْعًا مِّنَ الْبَيْلِ مُظْلِمًا﴾ (10/ یونس: 27) ”گویا کہ ڈھانک دیے گئے اُن کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے۔“ (ترجمہ شیخ البند)۔ ﴿وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَجَوِّدٌ﴾ (13/ الرعد: 4) ”اور زمین میں (مختلف قسم کے) ٹکڑے ہیں جو قریب قریب ہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ تقسیم کرنا۔ حسی اور معنوی دونوں چیزوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ﴿وَسُقُوا مَاءً حَبِيبًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۝﴾ (47/ محمد: 15) ”اور ان کو پلایا جائے گا کھولتا ہوا پانی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا ان کی آنتوں کو۔“ ﴿وَقَطَّعْنَهُمْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا﴾ (7/ الاعراف: 160) ”اور ہم نے تقسیم کیا ان کو بارہ نسلی گروہوں میں۔“ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ ﴿فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ ثَارٍ ط﴾ (22/ الحج: 19) ”ان میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اُن کے لیے آگ کے لباس کا ٹے جا چکے ہیں۔“ (ترجمہ تفہیم القرآن)

ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ (لازم ومتعدی) ﴿إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝﴾ (2/ البقرہ: 166) ”جب بیزاری ظاہر کریں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی، اور وہ لوگ دیکھیں گے عذاب کو تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے ان کے تعلقات۔“ ﴿وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ط﴾ (21/ الانبیاء: 93) ”اور ان لوگوں نے ٹکڑے ٹکڑے کیا اپنے کام کو اپنے مابین یعنی فرقے فرقے ہو گئے۔“

ع

م

ر

(ک) اِمَارَةً

(ن) اَمْرًا

بااختیار ہونا۔ حاکم ہونا۔

کسی کو کسی کام کیلئے کہنا۔ (1) حکم دینا۔ ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ط﴾ (7/ الاعراف: 12) ”اُس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا کس چیز نے منع کیا تجھ کو کہ تو سجدہ نہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھ کو۔“ جب امر حکم کے معنی میں آئے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ امر ہی کے صیغے میں ہو بلکہ یہ حکم خبر یا اشارہ و کنایہ سے بھی دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیمؑ

نے حضرت اسمعیلؑ کو خواب میں اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بچے کی قربانی کا حکم ہے، کیونکہ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے اس لیے قرآن نے جب اس واقعے کو بیان کیا تو حضرت اسماعیلؑ کی قربانی اس کو امر قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا قَالَ يَا بَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (الصافات-102) ”ابا جان آپ کیجئے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے۔“ (2) ترغیب دینا۔ ﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ﴾ (4/ النساء: 114) ”کوئی خیر نہیں ہے ان کے اکثر مشوروں میں سوائے اسکے جو ترغیب دے خیرات کی یا بھلائی کی۔“ (3) مشورہ دینا ﴿يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ﴾ (7/ الاعراف: 110) ”وہ یعنی موئیٰ ارادہ کرتا ہے کہ وہ نکالے تم لوگوں کو تمہاری زمین سے تو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو۔“

فعل امر ہے۔ تو حکم دے۔ مہوز الفاء کا امر دونوں طرح آتا ہے۔ ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (20/ طہ: 132) ”اور تو حکم دے اپنے اہل کو نماز کا اور ثابت قدم رہ اس پر۔“ حدیث مبارک میں ہے: ”مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سِنِينَ“ اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو۔ ج: اُمُرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ حکم دینے والا۔ ﴿الْأُمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (9/ التوبة: 112) ”اور ترغیب دینے والے بھلائی کی اور منع کرنے والے برائی سے۔“

فَعَالٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بطور اسم الفاعل استعمال ہوتا ہے۔ بار بار حکم دینے والا۔ فَعَالَةٌ کا وزن ہے۔ بار بار حکم دینے والی۔ ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَكَّارَةٌ﴾ (12/ يوسف: 53) ”بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے۔“

أَمْرٌ کا لفظ عربی زبان میں بہت سے معنوں میں آتا ہے۔ مثلاً

(ا) بطور مصدر، جیسے اوپر لغت میں بیان کیا گیا۔ اس صورت میں اس کا مطلب ہوتا ہے حکم دینا۔ (ب) بطور اسم ذات بمعنی حکم۔ اس صورت میں اس کی جمع اَوَامِرُ آتی ہے جیسے فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ﴾ (3/ 154) ”آپ کہہ دیجئے کل کا کل حکم اللہ کے لیے ہی ہے۔“ اور اسی معنی کے لحاظ سے اولی الامر کا مطلب ہے ”حکم والے۔“ جیسے سورۃ النساء کی آیت 59 میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔“

(ج) اَمْرٌ کی جمع جب اُمُور آئے تو بھی یہ بطور اسم ذات کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً (1) ہر شاندار قول و فعل کو کہتے ہیں۔

(2) اختیار۔ جیسے فرمایا: ﴿يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (3/ آل عمران: 154) ”وہ لوگ کہتے ہیں کیا ہمارے لئے ہے اختیار میں سے کچھ بھی۔“

(3) فرائض۔ کام۔ جیسے فرمایا: ﴿وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ صَبَإٍ أَمْرَهَا﴾ (41/ حم السجدة: 12) ”اور اس نے وحی کیا ہر آسمان میں اس کے مناسب احکام (یعنی اُن کے مخصوص کام)۔“ ﴿وَإِنْ تَصِبُّوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ (3/ آل عمران: 186) ”اور اگر تم لوگ ثابت قدم رہو اور تقویٰ اختیار کرو تو یقیناً یہ بڑے حوصلے کے کاموں میں سے ہے۔“

(4) معاملات: ﴿وَالَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ﴾ (11/ هود: 123) ”اور اس کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے کل کے

کل معاملات۔“

(5) اللہ تعالیٰ کی ایک مخصوص صفت کے لیے ہے جیسے فرمایا: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ط﴾ (7/ الاعراف: 54) ”آگاہ ہو جاؤ، اُسی کے لیے ہے خلق اور امر۔“ اس آیت مبارکہ میں خلق اور امر کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں پہلا مفہوم یہ کہ اس آیت مبارکہ میں خلق سے مراد ہے پیدا کرنا اور امر سے مراد ہے ان کی تدبیر کرنا اور ان کے لیے تکوینی اور تشریحی احکام دینا۔ دوسرے مفہوم کے اعتبار سے خلق سے مراد ”عالم خلق“ ہے یعنی زمین و آسمان اور جو کچھ اس میں شامل ہے اور امر سے مراد ”عالم امر“ ہے، جہاں نہ وقت درکار ہوتا ہے اور نہ مادے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں صرف ”کُنْ“ کہہ دیا جاتا ہے اور چیز وجود میں آجاتی ہے۔ فرشتوں، انسانی ارواح اور وحی کا تعلق اسی عالم امر سے ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝﴾ (17/ بنی اسرائیل: 85) ”آپؐ جواب دے دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔“

اسم ذات ہے۔ ناپسندیدہ یا بری بات۔ خلاف شرع اور خلاف عقل سلیم بات۔ ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ۝﴾ (18/ الکہف: 71) ”تو آیا ہے ایک ناپسندیدہ چیز کے پاس یعنی تو نے ایک بہت برا کام کیا ہے۔“ مشورہ کرنا۔ سازش کرنا۔ ﴿قَالَ يَهُوَنَاقَىٰ إِنَّ الْمَلَكَ يَأْتِيكَ وَيَكْتُمُونَ بِكَ لَيَقْتُلُونَكَ ۝﴾ (28/ القصص: 20) ”اس نے کہا اے موسیٰ بیشک سردار لوگ مشورہ کرتے ہیں آپ کے لئے کہ وہ لوگ آپ کو قتل کر دیں۔“

إِمْرٌ

(انتقال)

إِيتِمَارًا

و ص ل

(1) ملنا (لازم)۔ ملانا، جوڑنا (متعدی)۔ ﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ﴾ (13/ الرعد: 21) ”اور وہ لوگ جو جوڑتے ہیں اس کو جس کا حکم دیا اللہ نے کہ وہ جوڑا جائے۔“ (2) کسی سے تعلق رکھنا۔ ﴿إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمِهِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مَبِيتَاتٌ﴾ (4/ النساء: 90) ”سوائے ان لوگوں کے جو تعلق رکھتے ہیں ایک ایسی قوم سے تمہارے اور جس کے مابین معاہدہ ہے۔“ پہنچنا۔ الی صلہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے وُصُولٌ إِلَى اللَّهِ۔ ﴿قَالُوا يَلُوْطُ إِنَّكَ رَسُلٌ رَبِّكَ لَنْ يَصِلَوْا إِلَيْكَ﴾ (11/ هود: 81) ”انہوں نے کہا اے لوط بیشک ہم آپ (یعنی لوط) کے رب کے رسول ہیں، یہ لوگ ہرگز نہیں پہنچیں گے آپ تک۔“

(ض) (ا) وُصْلًا

(ب) وُصُولًا

اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض بزرگوں کے مطابق اس سے مراد وہ اونٹنی ہے جس سے پہلی مرتبہ بھی مادہ پیدا ہوا اور پھر دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہوا۔ اس معنی کے اعتبار سے اس اونٹنی کو وصیلہ اس لیے کہتے ہیں کہ ایک مادہ کے بعد دوسری مادہ مل گئی اور ان کے درمیان کسی نر سے تفریق نہیں ہوئی۔ اس اونٹنی کو وہ اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور بعض بزرگوں کی رائے کے مطابق عربوں میں جو بکری مسلسل مادہ بچے دینے کے بعد کسی حمل میں نر اور مادہ بچے اکٹھے دے تو وہ اس مادہ بچے کی وجہ سے نر بچے کو ذبح نہ کرتے اور کہتے وَصَلَتْ الْأُنْثَىٰ أَخَاهَا پھر اس مادہ بکری کو نر بکرے کے ساتھ ملا کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے۔ یہ مادہ بکری جو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر بتوں کی نذر ہوتی اس کو وصیلہ کہتے تھے۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ﴾ (5/ المائدہ: 103) ”اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر کیا ہے نہ سائبہ اور نہ وصیلہ۔“

وَصِيلَةً

ملانا۔ پہنچانا۔ رسی کے مختلف ٹکڑوں کو آپس میں جوڑنا اور اُسے مضبوط کرنا۔ عربی زبان میں تَوْصِيلُ الْقَوْلِ کا مطلب

(تفعیل) تَوْصِيلًا

ہے کسی بات کو بار بار اور مسلسل بیان کرتے رہنا۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ (28/ القصص: 51) ”اور ہم نے اس کلام کو ان لوگوں کے لیے یکے بعد دیگرے بھیجا تاکہ یہ لوگ نصیحت مانیں۔“ (ترجمہ ماجد)۔ اس آیت کے حاشیے میں مولانا ماجدی فرماتے ہیں: ”توصیل قول کے معنی ہیں بات کو بار بار اور مسلسل بیان کرتے رہنا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ہم قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے مسلسل نازل کرتے رہے اور اس کے نظم کو نہایت مرتب رکھا۔“

يُفْسِدُونَ (ف س د): البقرة آیت 11 دیکھیں۔

خ س ر

(س) خَسَرًا، خَسِرًا اس المال میں کمی ہو جانا۔ خود نقصان اٹھانا۔ کسی کو نقصان یا گھٹائے میں ڈالنا۔ (لازم و متعدی)۔ اس کی ضد رِبَح (نفع ہونا) ہے۔ ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ﴾ (10/ یونس: 45) ”گھٹائے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو۔“ ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ (7/ الاعراف: 9) ”اور جن کے ہلکے ہوئے ترازو تو یہ لوگ ہیں جنہوں نے گھٹائے میں ڈالا اپنے نفس کو۔“ اس کا استعمال مادی طور پر مال و اسباب میں کمی کے لیے بھی ہوتا ہے اور معنوی طور پر صحت، عقل، ایمان و ثواب میں نقصان کے لیے بھی ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے دنیا میں کفر کیا اور کفر کی حالت میں ہی مر گئے وہ لوگ قیامت کے روز سب سے زیادہ نقصان میں ہوں گے۔ اس کو قرآن مجید نے الْخُسْرَانِ الْمُبِينِ کہا ہے۔ ﴿قُلْ إِنَّ الْخُسْرَيْنِ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانِ الْمُبِينُ﴾ (39/ الزمر: 15) ”آپؐ کہہ دیجئے کہ حقیقی نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں یا درجہ کھلم کھلا نقصان یہی ہے۔“ امام راغبؒ کے مطابق قرآن مجید میں جہاں خُسْرَان کا لفظ آیا ہے وہاں ایمان و ثواب میں نقصان اٹھانا ہی مراد ہے، دنیاوی کاروبار و دیگر چیزوں میں نقصان اٹھانا مراد نہیں۔ (واللہ اعلم)۔

ج: خَاسِرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نقصان اٹھانے والا۔ ﴿وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخُسِرِينَ﴾ (3/ آل عمران: 85) ”اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔“

ج: أَخْسَرُونَ۔ اسم التفضیل ہے۔ زیادہ گھٹائے میں ہونے والا۔ ﴿لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْأَخْسَرُونَ﴾ (11/ ہود: 22) ”یقیناً یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔“ ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ (18/ الکہف: 103) ”آپ ﷺ کہیے کیا ہم خبر دیں تم لوگوں کو سب سے زیادہ گھٹائے میں ہونے والوں کی بلحاظ اعمال کے۔“

فُعْلَانٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بے انتہا گھٹا۔ ﴿أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانِ الْمُبِينُ﴾ (39/ الزمر: 15) ”سن لو یہ واضح طور پر بے انتہا گھٹا ہے۔“

خُسْرٌ اسم ذات ہے۔ گھٹا۔ نقصان۔ ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِفِي خُسْرٍ﴾ (103/ العصر: 2) ”یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں۔“

خَسَارٌ اسم ذات ہے۔ گھٹا۔ نقصان۔ ﴿وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرَهُمْ إِلَّا خَسَارًا﴾ (35/ فاطر: 39) ”اور زیادہ نہیں کرتا کافروں کو ان کا کفر کرنا سوائے گھٹائے کے۔“

(افعال) اِخْسَارًا گھاٹا دینا۔ کی کرنا۔ ﴿وَلَا تُخْسِرُوا الْبَيْزَانَ ۝﴾ (55/ الرحمن: 9) ”اور تم لوگ کی مت کرو ترازو میں یعنی تول میں۔“  
 مُخْسِرٌ ج: مُخْسِرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ کی کرنے والا۔ ﴿أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ۝﴾  
 (تفعیل) تَخْسِيرًا کسی کو گھاٹے میں ڈالنا۔ نقصان پہنچانا۔ ہلاک کرنا۔ ﴿فَبَا تَزِيدُ وَنَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ۝﴾ (11/ هود: 63) ”تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو۔“

## ترکیب

الَّذِينَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ یَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر صفت ہے گزشتہ آیت کے آخری لفظ اَلْفٰسِقِیْنَ کی۔ اس لیے اَلَّذِیْنَ محلّ حالت نصب میں ہے کیونکہ اَلْفٰسِقِیْنَ، یُضِلُّ کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ عَهْدَ اللَّهِ، یَنْقُضُونَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ مِيثَاقِهِ کی ضمیر عہد کے لیے ہے۔ یَقْطَعُونَ عطف ہے یَنْقُضُونَ پر۔ ’مَا‘ اسم موصول ہے اور مفعول ہے۔ اَمَرَ فعل ہے اور اَللّٰهُ اس کا فاعل۔ یہ جار مجرور متعلق ہے اَمَرَ سے اس میں ’ہ‘ ضمیر اسم موصول ’مَا‘ کی ضمیر عائد ہے۔ اردو میں عام طور پر اس کے ترجمے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ اردو میں بیان کا یہ اسلوب رائج نہیں۔ آگے اَنْ یُّوْصَلَ میں اَنْ مصدر یہ ہے جس نے اگلے فعل میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں۔ یُّوْصَلَ مضارع مجہول ہے اور اَنْ کی وجہ سے حالت نصب میں ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ’هُوَ‘ ضمیر ہے۔ اور یہ مصدر مؤؤل بدل ہے۔ یہ میں ’ہ‘ ضمیر کا یعنی وَ یَقْطَعُونَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِوَصْلِهِ (درویش) یعنی ”اور وہ لوگ کاٹتے ہیں اُسے، حکم دیا اللہ نے جس کے جوڑنے کا۔“ آگے یُفْسِدُونَ عطف ہے یَقْطَعُونَ پر فی الْاَرْضِ متعلق فعل ہے۔ اُولَیْكَ مبتدا۔ هُمْ ضمیر فاعل ہے اور تاکید کے لیے ہے اور اَلْخٰسِرُونَ خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

الَّذِينَ	يَنْقُضُونَ	عَهْدَ اللَّهِ	مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ	وَيَقْطَعُونَ
وہ لوگ	توڑتے ہیں	اللہ کے وعدے کو	اُس کو مضبوط کرنے کے بعد	اور وہ لوگ کاٹتے ہیں

## ترجمہ

البقرة: 27

مَا	اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ	اَنْ یُّوْصَلَ	وَيُفْسِدُونَ
اسے	حکم دیا اللہ نے	جس کے جوڑنے کا	اور وہ لوگ فساد کرتے ہیں

فِي الْاَرْضِ ط	اُولَیْكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝
زمین میں	وہ لوگ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں

نوٹ: 1 عَهْدُ اللَّهِ سے مراد وہ ازلی عہد ہے جسے ”عہد الست“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی ارواح کو، اس دنیا میں پیدا کرنے سے پہلے، جمع کر کے فرمایا تھا ”اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ اس وقت سب نے یک زبان ہو کر کہا جی ہاں کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ اس میں بڑی تاکید کے ساتھ اس بات کا اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب اور پروردگار ہے اور اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اسکی ہی اطاعت کی جائے۔ یہ وہ ازلی عہد ہے جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو چکا۔ اب دنیا میں پیدا ہونے کے بعد تمام انبیاء اور آسمانی کتابیں اسی عہد کی یاد دہانی اور اس پر عمل کی تفصیلات بتانے کے لیے آئے۔ تقریباً تمام بزرگوں نے اس آیت مبارکہ میں عہد اللہ کی یہی تفسیر کی ہے۔ مولانا مودودی فرماتے ہیں: ”بادشاہ اپنے ملازموں اور رعایا کے نام جو فرمان یا ہدایات جاری کرتا ہے، ان کو عربی محاورے میں عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ ان کی تعمیل رعایا پر واجب ہوتی ہے۔ یہاں عہد کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ کے عہد سے مراد اس کا وہ مستقل فرمان ہے، جس کی رو سے تمام نوع انسانی صرف اسی کی بندگی، اطاعت اور پرستش کرنے پر مامور ہے“ مضبوط باندھ لینے کے بعد“ سے اشارہ اس طرف ہے کہ آدم کی تخلیق کے وقت تمام نوع انسانی سے اس فرمان کی پابندی کا اقرار لے لیا گیا تھا۔ سورہ اعراف، آیت ۷۲ میں اس عہد و اقرار پر نسبتاً زیادہ تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۶۰)

نوٹ: 2

آیت مبارکہ میں یہ جو فرمایا وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ تو اس سے مراد ہے کہ وہ ان تمام تعلقات کو توڑ ڈالتے ہیں جن کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا۔ ان تعلقات میں وہ تعلق بھی داخل ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان ہے اور وہ تعلقات بھی شامل ہیں جو ایک انسان کے اپنے گھر والوں، عزیزوں، پڑوسیوں اور عام مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ان تمام تعلقات کے حقوق ادا کرنے کا نام ہی اسلام ہے اور ان میں کوتاہی کرنے سے ہی فساد برپا ہوتا ہے اسی لیے آگے فرمایا وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ اور اس فساد مچانے کا لازمی نتیجہ ہے آخرت میں نقصان۔ اسی لیے آگے فرمایا أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ (واللہ اعلم)۔

## آیت: 28

﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾﴾

کَيْفَ

کَيْفَ اسم استفہام میں سے ہے اور کسی چیز کی حالت دریافت کرنے کے لیے آتا ہے۔ معنی ہوتا ہے کیسا یا کیسے۔ اسم استفہام جملے میں مبتداء، خبر، فاعل اور مفعول بن کر استعمال ہوتے ہیں۔ البتہ کَيْفَ کے متعلق بعض علماء کا قول ہے کہ یہ صرف خبر بنتا ہے، مبتداء نہیں بن سکتا کیونکہ اس میں ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔ کَيْفَ جملے میں بطور حال بھی آتا ہے جیسے فرمایا: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ تو اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہی دینے والا لائیں گے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق کَيْفَ استعمال ہو تو وہاں اظہارِ تعجب یا مخاطب کو تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ يَا فِرْعَاوْنُ كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَغَيْرِهِ۔

تَكْفُرُونَ (ك ف ر): البقرة آیت 6 دیکھیں۔ اللہ (ع ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ كُنْتُمْ (ك و ن): البقرة آیت 10 دیکھیں۔ اَمْوَاتًا اور يُمَيِّتُ (م و ت): البقرة آیت 19 دیکھیں۔ اَحْيَا اور يُحْيِي (ح ی ی): البقرة آیت 26 دیکھیں۔ تُرْجَعُونَ (ر ج ع): البقرة آیت 18 دیکھیں۔

ترکیب

کَيْفَ اسم استفہام ہے۔ تَكْفُرُونَ فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے جو آیت 26 میں مذکور فاسقین کے لیے ہے اور بِاللَّهِ متعلق فعل ہے۔ کَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ جملہ استفہام ہے اور کَيْفَ یہاں اظہارِ تعجب یا کافروں کو تنبیہ کے لیے آیا ہے۔ وَ كُنْتُمْ میں وَ حالیہ ہے اور كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے اور اَمْوَاتًا، کَانَ کی خبر ہے اسی لیے حالت نصب میں ہے اور یہ جملہ حال بیان کر رہا ہے تَكْفُرُونَ کی ضمیر فاعلی کا۔ فَاحْيَاكُمْ میں ف حرف عطف ہے اور اَحْيَا فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور كُمْ اس کا مفعول ہے اس جملے کا عطف جملہ ماقبل پر ہے۔ ثُمَّ حرف عطف ہے اور يُمَيِّتُ فعل با فاعل اور كُمْ ضمیر مفعولی ہے۔ يُمَيِّتُ کی ضمیر فاعلی بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس جملے کا عطف بھی جملہ ماقبل پر ہے۔ یہی ترکیب يُحْيِيكُمْ کی ہے۔ آگے ثُمَّ حرف عطف ہے۔ اِلَيْهِ متعلق ہے تُرْجَعُونَ سے اور یہ حصر کا مفہوم پیدا کر رہا ہے۔ تُرْجَعُونَ، مضارع مجہول ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

اَمْوَاتًا	وَ كُنْتُمْ	كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ
مردہ تھے	حالانکہ تم لوگ	تم لوگ کیسے انکار کرتے ہو اللہ کا
ثُمَّ يُحْيِيكُمْ	ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ	فَاحْيَاكُمْ ج
پھر وہ زندہ کرے گا تم کو	پھر وہ موت دے گا تم کو	تو اس (اللہ) نے زندہ کیا تم کو
ثُمَّ تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾	ثُمَّ اِلَيْهِ	
تم لوٹائے جاؤ گے	پھر اس ہی طرف	

ترجمہ

البقرة: 28

## آیت: 29

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝﴾

خَلَقَ (خ ل ق): البقرة آیت 21 دیکھیں۔  
الْأَرْضِ (ع ر ض): البقرة آیت 11 دیکھیں۔

ج م ع

- (ف) جَمْعًا متفرق چیزوں کو باہم ملا دینا۔ اکٹھا کرنا۔ جمع کرنا۔ (متعدی)۔ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ﴾ (3/ آل عمران: 25) ”تو کیسا ہوگا جب ہم اکٹھا کریں گے ان کو اس دن کے لئے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔“ ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۚ﴾ (75/ القلم: 17) ”یقیناً ہم پر ہے اسکا یعنی قرآن کا جمع کرنا اور اسکا پڑھنا۔“
- جَمْعُ تشبیہ: جَمْعَانِ۔ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ جمع کی ہوئی چیز یعنی جماعت۔ ﴿سَيَهْزُمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝﴾ (54/ القمر: 45) ”شکست دی جائے گی اس جماعت کو اور وہ لوگ پیٹھ پھیریں گے۔“ ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾ (3/ آل عمران: 155) ”تم میں سے جن لوگوں نے اُس دن پیٹھ دکھائی جس دن دو جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں۔“
- جَامِعُ اسم الفاعل ہے۔ جمع کرنے والا۔ ﴿رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۖ﴾ (3/ آل عمران: 9) ”اے ہمارے رب بیشک تو لوگوں کو جمع کرنے والا ہے اس دن کے لئے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔“
- مَجْمُوعُ ج: مَجْمُوعُونَ۔ اسم المفعول ہے۔ جمع کیا گیا۔ جمع کیا ہوا۔ ﴿ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ﴾ (11/ ہود: 103) ”وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے۔“ ﴿إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۖ لَمَجْمُوعُونَ ۚ﴾ (56/ الواقعة: 49-50) ”بیشک اگلے اور پچھلے یعنی سب جمع کیے جانے والے ہیں۔“
- مَجْمَعُ اسم الظرف ہے۔ جمع کرنے کی جگہ۔ ﴿لَا أَبْرُحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ (18/ الکہف: 60) ”میں نہیں ٹلوں گا یہاں تک کہ میں پہنچوں دو سمندروں کو ملانے کی جگہ۔“
- جُمُعَةٌ اور جُمُعَةٌ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ لفظی معنی ہے اجتماع۔ جمعہ کا دن، چونکہ اس دن سب نماز کے لیے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اس لیے جمعہ کہلاتا ہے۔ ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (62/ الجمعة: 9) ”جب ندا دی جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو لپکو اللہ کی یاد کی طرف۔“
- جَمِيعُ فَعِيلُ کے وزن پر صفت ہے۔ کُل کے کُل۔ سب کے سب۔ جماعت۔ ﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا﴾ (2/ البقرة: 38) ”ہم نے کہا تم لوگ اترو اس میں سے سب کے سب۔“ ﴿أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُنْتَصِرُونَ﴾ (54/ القمر: 44) ”یہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے والی جماعت ہیں۔“
- أَجْمَعُ ج: أَجْمَعُونَ۔ أَفْعَلُ کے وزن پر صفت ہے۔ سب۔ تمام۔ ﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ﴾ (15/ الحجر: 30) ”چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔“ ﴿أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ (2/ البقرة: 161) ”یہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔“



- (افعال) اَجْمَعًا کسی بات یا کام پر جمع ہونا۔ اتفاق کرنا۔ پختہ ارادہ کرنا۔ اکٹھا کرنا۔ ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ﴾ (12/ یوسف: 102) ”اور آپ اُن کے پاس نہیں تھے جب وہ متفق ہو گئے تھے اس بات پر۔“ ﴿فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غِيَابَتِ الْجُبِّ﴾ (12/ یوسف: 15) ”اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اُس کو گمنام کنویں میں۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”اور پختہ ارادہ کر لیا کہ انہیں اندھیرے کنویں میں ڈال دیں۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔ اسی سے ”اجماع امت“ ہے جو کہ اصول اربعہ میں سے ایک مستقل اصول ہے یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔
- اَجْمَعُوا فعل امر ہے۔ توجع کر۔ ﴿فَأَجْمَعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ﴾ (10/ یونس: 71) ”تو تم جمع کر لو اپنی تدبیر اور اپنے شریکوں کو۔“
- (افتعال) اِجْتَمَعًا لوگوں یا چیزوں کا جمع ہونا۔ (لازم)۔ ﴿قُلْ لِّیْنَ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی أَنْ یَأْتُوا بِثَبَلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا یَأْتُونَ بِثَبَلِ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 88) ”آپ ﷺ کہیے کہ اگر اکٹھے ہوں تمام انسان اور تمام جن اس پر کہ وہ لے آئیں اس قرآن کی مانند تو وہ نہ لاسکیں گے اس جیسا۔“
- مُجْتَمِعٌ جمع ہونے والا۔ ﴿وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ﴾ (26/ اشعراء: 39) ”اور کہا گیا لوگوں سے کیا تم لوگ جمع ہونے والے ہو۔“

اِسْتَوٰی اور سَوٰی (س و ی): البقرة آیت 6 دیکھیں۔ اَلسَّمَآءُ اور سَمٰوٰتِ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔  
كُلٌّ (ك ل ل): البقرة آیت 20 دیکھیں۔ شَیْءٌ (ش ی ع): البقرة آیت 20 دیکھیں۔ عَلَیْہُمْ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

## ترکیب

هُوَ الَّذِیٰ اور یہ ضمیر گزشتہ آیت میں مذکور لفظ اللہ کے لیے ہے۔ الَّذِیٰ اسم موصول ہے۔ اور جملہ فعلیہ خالقٌ لَكُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَبِیْعًا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر خبر ہے ہوئی۔ خالقٌ کا مفعول ’مَا‘ ہے جَبِیْعًا حال ہے اسم موصول ’مَا‘ کا۔ لَكُمْ، خالقٌ سے متعلق ہے۔ ثُمَّ حرف عطف ہے۔ اِسْتَوٰی فعل اور اس میں شامل ضمیر ”هُوَ“ اس کا فاعل ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اِلَی السَّمَآءِ متعلق فعل ہے۔ فَسَوٰہُنَّ میں ف عطف کا ہے اور سَوٰی فعل بافاعل اور هُنَّ اس کا مفعول ہے۔ ضمیر هُنَّ، اَلسَّمَآءِ کے لیے ہے جو کہ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اس لیے اس کے لیے ضمیر هُنَّ جائز ہے۔ اور بعض بزرگوں کے نزدیک ”اَلسَّمَآءِ“ یہاں اسم جنس کے طور پر آیا ہے اور معنای جمع ہے۔ اس لیے ”هُنَّ“ کی ضمیر آئی ہے۔ (ماجدئ)۔ سَبْعٌ حال یا بدل ہے، هُنَّ ضمیر کا۔ اور سَمٰوٰتِ مضاف الیہ اور تیز ہے۔ هُوَ مبتدا، بِجُلِّ شَیْءٍ متعلق خبر مقدم اور عَلَیْہُمْ خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ	هُوَ الَّذِیٰ	خَالِقٌ	لَكُمْ	مَا فِی الْاَرْضِ	جَبِیْعًا	ثُمَّ
البقرة: 29	وہی (اللہ) ہے جس نے	پیدا کیا	تمہارے لئے	جو کچھ زمین میں ہے	کل کا کل	پھر
	اِسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ	فَسَوٰہُنَّ	هُنَّ	سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ط		
	وہ متوجہ ہوا آسمان کی طرف	تو اس نے ٹھیک ٹھیک بنادیا	انہیں	سات آسمان		
	وَهُوَ	بِجُلِّ شَیْءٍ	عَلِیْہُمْ ع			
	اور وہ	ہر چیز کو	جاننے والا ہے			

نوٹ: 1۔ لَكُمْ میں لام تملیک یعنی ملکیت ظاہر کرنے والا لام نہیں ہے۔ انسان اس زمین کی کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہے۔ انسان خلیفہ ہے اور خلیفہ مالک نہیں ہوتا۔ لَكُمْ کا لام تمنع کا ہے یعنی فائدہ اٹھانے کے لئے ہے۔ اس لئے یہ مفہوم ”تمہارے لئے“ یا ”تمہاری خاطر“ کے ترجمہ سے ادا کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ: 2

اَلسَّمَاءُ کی لغوی بحث آپ آیت بسم اللہ کے تحت پڑھ چکے ہیں۔ یہاں آیت مبارکہ میں ”اَلسَّمَاءُ“ سے اجرامِ علوی (یعنی سورج، چاند، ستارے) اسمتِ علوی (اوپر کی طرف یا بلندی) مراد لیا گیا ہے۔ تراجم میں عام طور پر اس کا ترجمہ ”آسمان“ سے ہی کیا گیا ہے۔ البتہ اس لفظ کے لغوی معنی سے بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ مثلاً صاحبُ ضیاء القرآن فرماتے ہیں ”پھر تو جہ فرمائی اوپر کی طرف“ اور صاحبِ تفہیم القرآن فرماتے ہیں: ”پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی۔“ صاحبِ تفسیر حقانی اس آیت میں اَلسَّمَاءُ کے لفظ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اَلسَّمَاءُ کی ہمزہ، واؤ سے بدلی ہوئی ہے۔ پہلے واؤ تھا اور جو واؤ، الف کے بعد زائد ہو، بیشتر عرب اس کو ہمزہ سے بدل دیتے ہیں۔ لغت میں لفظ سماء کا چند معانی پر اطلاق ہوتا ہے۔ بادل کو بھی کہتے ہیں اور افق کو بھی اور اوپر کی جانب کو بھی اور اس نیلی چھت کو بھی کہ جو ایک گول گنبد سا نظر آتا ہے۔ قرآن میں جو جا بجا سماء کا ذکر ہے کہ ہم نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ ﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِاَيِّدٍ﴾ وغیرہ من الآیات۔ پس اس سے وہی آخری معنی مراد ہیں کہ جس کو ہماری زبان میں آسمان اور ہندی میں اکاش اور انبر کہتے ہیں اور ہر زبان میں اس کا نام ہے۔ (تفسیر حقانی ج ۱، ص ۴۰۹، تلخیصاً)

## آیت: 30

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝۳۰﴾

اِذْ جب، جبکہ۔ اِذْ ظرفِ زمان ہے یعنی اس میں کسی کام کے کرنے یا ہونے کے وقت کا مفہوم ہوتا ہے۔ اِذْ، اکثر زمانہ ماضی کے لیے آتا ہے اگرچہ مضارع پر داخل ہوا ہو۔ جیسے فرمایا: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ ۖ﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ اِذْ کے بعد فعل بھی آسکتا ہے (جیسے اوپر آیت میں آیا) اور اسم بھی آسکتا ہے جیسے فرمایا اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ ”جب وہ دونوں غار میں تھے۔“ قرآن مجید میں جہاں کہیں آیت کے شروع میں اِذْ آیا ہے وہاں اِذْ كُزِّ یا اِذْ كُرُوْا مخدوف مانا جاتا ہے جیسے اِذْ يَرْفَعُ کے معنی ہیں ”اور وہ وقت یاد کرو جب“۔ مولانا امین احسن اصلاحی اِذْ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”عربی زبان میں جب کلام کا آغاز ”اِذْ“ سے ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس سے پہلے خیال کرو۔ تصور کرو، یاد کرو یا ان کے ہم معنی کوئی فعل یہاں مخدوف ہے۔ عموماً اس کے بعد کسی ایسی ہی سرگزشت یا واقعہ کا حوالہ آتا ہے جو یا تو مخاطب کے علم میں ہو، یا خود متکلم اس کی قطعیت پر اس درجہ مطمئن ہو کہ ایک معلوم و معروف حقیقت کی حیثیت سے اس کا حوالہ دے سکے۔“ (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۵۶)

قَالَ، قَالُوا (ق و ل): البقرة آیت 8 دیکھیں۔ رَبُّ (د ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ الْمَلٰٓئِكَةُ (م ل ك): الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ جَاعِلٌ، تَجْعَلُ (ج ع ل): البقرة آیت 19 دیکھیں۔ الْأَرْضُ (ع ر ض): البقرة آیت 11 دیکھیں۔

خ ل ف

(ن)

خَلَا فَةً  
خَلَقًا

کسی کا جانشین ہونا۔ کسی کا قائم مقام ہونا۔

کسی کے پیچھے آنا۔ ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ (7/ الاعراف: 169) ”پھر اُن کے پیچھے آئے ناخلف۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ﴾ (19/ مریم: 59) ”پھر اُن کے بعد بعض ایسے ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا۔“ (ترجمہ ماجدی) ﴿قَالَ يٰۤاٰسَیٰ خَلَفْتُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ﴾ (7/ الاعراف: 150) ”تو (حضرت موسیٰ نے) فرمایا تم نے میرے بعد بڑی بری جانشینی کی۔“ (ترجمہ احسن البیان)

خَلْفٌ

(1) جانشین۔ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ خَلْفٌ اس نسل کو کہتے ہیں جو دوسری نسل کے بعد آئے۔ عربی زبان میں خَلْفٌ (لام کی زبر کے ساتھ) کے معنی بھی جانشین کے ہوتے ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ خَلْفٌ (لام کے سکون کے ساتھ) عام طور پر برے جانشین اور بری اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے اور خَلْفٌ (لام کی زبر کے ساتھ) اچھے جانشین اور اچھی اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خَلْفٌ قرآن مجید میں دو مرتبہ آیا ہے (الاعراف: 169) اور (مریم: 59) اور دونوں جگہ مذمت ہی کے انداز میں ان کا ذکر ہوا ہے۔ خَلْفٌ کا لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)

(2) خَلْفٌ، ظرف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مطلب ہوتا ہے ”پیچھے“۔ یعنی جہاتِ ستہ میں سے ہے (امام۔ خَلْفٌ) (یَمِین۔ شَمَال) (فَوْق۔ تَحْتَ) ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ﴾ (2/ البقرة: 255) ”وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔“

أَخْلَفٌ

فعل امر ہے۔ تو پیچھے رہ۔ تو جانشینی کر۔ ﴿وَقَالَ مُوسَى لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي﴾ (7/ الاعراف: 142) ”اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو، تو میرے پیچھے رہ میری قوم میں یا تو میری قوم میں میری جانشینی کر۔“

خَالَفٌ

ج: خَالَفُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پیچھے رہنے والا، خَلْفًا مصدر سے۔ ﴿فَاقْعُدُوا مَعَ الْخُلَفَاءِ﴾ (9/ التوبة: 83) ”تو تم لوگ بیٹھو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔“ پیر کرم شاہ صاحب اس آیت میں خُلَفَاءِ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”خَالَفٌ کا ایک معنی تو یہ ہے پیچھے رہ جانے والا۔ لیکن علامہ قرطبی نے فرمایا ہے کہ خلف بمعنی فسد کے ہے جس طرح کہتے ہیں خَلَفَ اللَّكْبَنُ دودھ خراب ہو گیا۔ یا عرب کہتے ہیں کہ فُلَانٌ خَلَفَ أَهْلَ بَيْتِهِ فلاں شخص اپنے سارے کنبہ سے فساد ہی ہے۔ اسی سے خَلُوفٌ فَمِ الصَّائِمِ ہے جبکہ منہ کی بوروزہ رکھنے سے خراب ہو جاتی ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوگا فَاقْعُدُوا مَعَ الْفَاسِدِينَ یعنی فساد برپا کرنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہو۔“ (غیاء القرآن، ج ۲، ص ۲۳۹)

ج: خَوَالِفٌ۔ اسم الفاعل خَالَفٌ کا مؤنث ہے۔ پیچھے رہنے والی عورتوں کو کہتے ہیں جو مردوں کے جانے کے بعد گھروں میں رہتی ہیں۔ ﴿رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ (9/ التوبة: 87) ”راضی ہوئے اس پر کہ وہ لوگ ہوں پیچھے رہنے والیوں کے ساتھ۔“

خَالِفَةٌ

ج: خُلَفَاءُ اور خَلَائِفٌ۔ جانشین۔ نائب۔ فَعِيلٌ کے وزن پر خَلِيفٌ تھا لیکن مبالغہ کا اضافہ کر کے خَلِيفَةٌ بنایا گیا۔ مبالغہ کے لیے بھی آتی ہے جسے عَلَامَةٌ، خَائِنَةٌ وغیرہ۔ خلیفہ وہ ہے جو کسی کے ملک میں اس کے نائب کی حیثیت سے اس کے احکام کے مطابق عمل کرائے۔ خلیفہ مالک نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل مالک کا نائب ہوتا ہے۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا خُلَفَاءَكُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ (38/ ص: 26) ”اے داؤد بیشک ہم نے بنایا تم کو جانشین زمین میں۔“ ﴿إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ﴾ (7/ الاعراف: 69) ”جب اس نے بنایا تم لوگوں کو جانشین، نوح کی قوم کے بعد۔“ ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ فِي الْأَرْضِ ط﴾ (35/ فاطر: 39) ”وہ ہے جس نے بنایا تم لوگوں کو جانشین زمین میں۔“

کسی کے پیچھے پیچھے آنے والا۔ اصل میں مصدر ہے جس کا مطلب ہے لگا تار ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔ ﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خُلْفَةً﴾ (25/ الفرقان: 62) ”وہ ہے جس نے بنایا رات کو اور دن کو پیچھے پیچھے آنے والا ہوتے ہوئے۔“

خَلِيفَةٌ

خُلْفَةٌ

(1) وعدہ کے خلاف کرنا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ﴾ (3/ آل عمران: 9) ”بیشک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں

إِخْلَافًا

(افعال)

کرتا۔“ (2) کسی چیز کے بدلے میں کچھ دینا۔ ﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ﴾ (34/ سبأ: 39) ”اور جو تم لوگ خرچ کرتے ہو، کوئی بھی چیز، تو وہ اس کے بدلے میں دے گا۔“

مُخْلِفٌ اسم الفاعل ہے۔ وعدہ کے خلاف کرنے والا۔ ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفًا وَعْدَهُ رُسُلَهُ﴾ (14/ ابراہیم: 47) ”تو ہرگز گمان مت کر اللہ کو اپنے وعدہ کے خلاف کرنے والا، اپنے رسولوں سے۔“

تَخْلِيفًا (تفعیل) کسی کو پیچھے کر دینا۔ پیچھے چھوڑ دینا۔ ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِفُوا﴾ (9/ التوبة: 118) ”اور اُن تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ خُلِفُوا ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔

مُخْلَفٌ ج: مُخْلَفُونَ۔ اسم المفعول ہے۔ پیچھے چھوڑ ہوا۔ یعنی جس کو چھوڑ دیا گیا ہو۔ ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ﴾ (9/ التوبة: 81) ”خوش ہوئے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ اپنے بیٹھ رہنے پر۔“

مُخَالَفَةً اور خِلَافًا (مفاعله) کسی کی مخالفت کرنا۔ کسی کے خلاف روش اختیار کرنا۔ ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرٍ﴾ (24/ النور: 63) ”تو چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں جو خلاف کرتے ہیں اُس کے حکم کے۔“ خِلَاف کے معنی ”بعد“ یا ”پیچھے“ کے بھی آتے ہیں جیسے فرمایا: ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ﴾ (9/ التوبة: 81) ”پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں۔“ (ترجمہ احسن البیان)

فرماتے ہیں: ”خلاف کے معنی ہیں، پیچھے یا مخالفت۔ یعنی رسول اللہ کے جانے کے بعد آپ کے پیچھے یا آپ کی مخالفت میں مدینہ میں بیٹھے رہے۔“ اسی طرح فرمایا: ﴿وَإِذَا الْكَاذِبُ تُوِّدُ أَنْ يُخَالِفَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 76) ”اور اُس وقت نہ ٹھہریں گے وہ بھی تیرے پیچھے مگر تھوڑا۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”اور اس حالت میں یہ بھی آپ کے بعد بہت کم ٹھہرنے پاتے۔“ (ترجمہ ماجد)۔ اس آیت کے حاشیے میں مولانا عبدالمجید فرماتے ہیں: ”خلاف یہاں بَعْد کے معنی میں ہے۔“ خلاف کے معنی ”مخالف جانب“ یا ”اُلٹی طرف سے“ کے بھی آتے ہیں، جیسے فرمایا: ﴿أَوْ تَقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ﴾ (5/ المائدة: 33) ”یا مخالف جانب سے اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں۔“ (ترجمہ احسن البیان)

تَخْلَفًا (تفعیل) پیچھے رہنا۔ ﴿مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَ مَن حَوْلَهُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ﴾ (9/ التوبة: 120) ”مناسب نہیں تھا مدینہ والوں کیلئے اور جوان کے گرد بدو ہیں کہ وہ لوگ پیچھے رہیں اللہ کے رسول سے۔“

اِخْتِلَافًا (انتقال) (1) کسی چیز یا رائے کے خلاف ہونا۔ مختلف ہونا۔ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ اخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَ أَلْوَانِكُمْ﴾ (30/ الروم: 22) ”اور اس کی نشانیوں میں سے ہے زمین اور آسمانوں کی پیدائش اور مختلف ہونا تمہاری زبانوں کا اور تمہارے رنگوں کا۔“ ﴿إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ (5/ المائدة: 48) ”اللہ ہی کی طرف تم سب کا پلٹنا ہے تو وہ بتا دے گا تم کو وہ جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔“

مُخْتَلِفٌ اسم الفاعل ہے۔ مختلف ہونے والا۔ مختلف۔ ﴿يَخْرُجُ مِنْ بَطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ﴾ (16/ النحل: 69) ”اُس کے پیٹ کے اندر سے ایک مشروب نکلتا ہے اُس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں۔“ (ترجمہ ماجد)

اِسْتِخْلَافًا (استفعال) کسی کو جانشین مقرر کرنا۔ نائب بنانا۔ ﴿إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاءُ﴾ (6/ الانعام: 133) ”اگر وہ چاہے تو لے جائے تم لوگوں کو اور جانشین مقرر کرے تمہارے بعد جسے چاہے۔“

مُسْتَخْلَفٌ ج: مُسْتَخْلَفُونَ۔ اسم المفعول ہے۔ جس کو جانشین یا نائب بنایا گیا۔ ﴿وَأَنْفَقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ﴾ (57/ الحديد: 7) ”اور جس مال میں اُس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اُس میں سے خرچ کرو۔“

## س ف ك

(ض)

سَفَكًا

خون ریزی کرنا۔ کسی چیز کو بہانا۔ ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ﴾ (البقرة: 84) ”اور جب ہم نے لیا پختہ وعدہ تم سے کہ تم لوگ نہیں بہاؤ گے اپنوں کا خون۔“ اسی سے انتہائی قاتل یا ظالم شخص کو سَفَکَ اور ایسی کارروائی کو سَفَکَیت کہہ دیا جاتا ہے۔

## د م ی

(س)

دَمًى

زخم سے خون نکلنا۔

ج: دِمَاءٌ۔ اسم ذات ہے۔ خون۔ ﴿حُمِيتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾ (المائدہ: 3) ”حرام کیا گیا تم پر مردار اور (بہنے والا) خون۔“ ﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا﴾ (الحج: 22) ”ہرگز نہیں پہنچے اللہ کو ان کے گوشت اور نہ ہی ان کے خون۔“

## س ب ح

(ف)

(ل) سَبَّحًا

پانی یا ہوا میں تیز رفتاری سے گزر جانا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ آسمان میں ستاروں اور سیاروں کی گردش اور تیز رفتاری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان میں وہ گھوڑا جو بہت تیز رفتار ہوا سے فَوْسٌ سَبَّحٌ کہتے ہیں اور سَبَّاحٌ تیراک کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ستاروں کے متعلق فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ (الانبیاء: 33) ”وہی ہے جس نے پیدا کیا رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو، سب آسمان میں تیرتے ہیں۔“ پھر یہ لفظ کسی کام میں مشغول ہونے اور مصروف ہونے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا﴾ (الزلزلہ: 7) ”بیشک آپ کے لئے دن میں طویل مصروفیت ہے۔“

(ب) سُبْحَانًا اپنے بلند مقام پر برقرار رہنا یعنی ہر نقص اور عیب، کمی اور کوتاہی سے پاک ہونا۔ یہ مصدر، مضاف، مضاف الیہ بن کر استعمال ہوتا ہے۔ کسی مفرد اسم کی طرف اس کی اضافت لازمی ہے خواہ وہ اسم ظاہر ہو جیسے سُبْحَانَ اللَّهِ (اللہ پاک ہے) یا سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى (پاک ہے وہ ذات جو لے گئی) یا ضمیر ہو، جیسے سُبْحَانَهُ (وہ پاک ہے) سُبْحَانَكَ (تو پاک ہے) وغیرہ۔ اس کی نصب محذوف فعل کی وجہ سے آتی ہے۔ یعنی اُسْبِحْ / تُسَبِّحْ سُبْحَانَهُ میں یا ہم اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ سُبْحَانَ اس ترکیب میں مفعول مطلق ہوتا ہے۔ سُبْحَانَ کا لفظ ایسے موقع پر بھی بولتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں انسان کو حیرت میں ڈال دیں۔ ہماری زبان میں ”سبحان تیری قدرت“ ایسے ہی موقع پر بولتے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا آتَا مِنَ الْمُسْرِكِينَ﴾ (یوسف: 108) ”اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والوں میں سے۔“

سَابِغٌ مؤنث: سَابِغَةٌ ج: سَابِغَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ تیرنے والا۔ ﴿وَالشَّيْطَانُ سَبَّاحٌ﴾ (النزع: 3) ”قسم ہے تیرنے والیوں کی جیسا کہ تیرنے کا حق ہے۔“

(تفعیل) تَسْبِيحًا کسی کو اس کی سطح پر برقرار رکھنا۔ تیرانا۔ ہر نقص و عیب سے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرنا۔ اصل میں اس کے معنی عبادت الہی میں تیزی کرنا کے ہیں۔ پھر اس کا استعمال ہر فعل خیر پر ہونے لگا۔ پس تسبیح کا لفظ توی، فعلی، قلبی ہر قسم کی عبادت پر بولا جاتا ہے۔ یہ سَبَّحٌ سے ہے جس کے معنی پانی یا ہوا میں تیز رفتاری سے گزر جانے کے ہیں۔ پھر استعارۃً فلک میں نجوم کی

گردش اور تیز رفتاری کے لیے استعمال ہونے لگا۔ پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”تسبیح کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو تمام ایسی چیزوں سے منزہ اور پاک سمجھنا جو اس کے شایان شان نہیں۔ انسان کا اعتقاد بھی یہی ہو، وہ اپنے قول سے بھی اس کا اقرار کرے اور اس کا عمل بھی اس کی شہادت دے رہا ہو۔“ (ضیاء القرآن)۔ جس طرح تیرنے والا پانی میں ڈوبنے سے بچتا ہے اسی طرح تسبیح کرنے والا شرک سے نجات پاتا ہے۔ ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ (42/ الشوری: 5) ”اور فرشتے پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔“ ﴿كُلُّ قَدٍّ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ط﴾ (24/ النور: 41) ”ہر ایک کی نماز اور تسبیح اُسے معلوم ہے۔“

سَبِّحْ فعل امر ہے۔ تو پاکی بیان کر۔ ﴿وَادْكُرْ رَبَّكَ كَثِيْرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ع﴾ (3/ آل عمران: 41) ”اور یاد کر اپنے رب کو کثرت سے اور پاکی بیان کر رات اور صبح کو۔“

مُسَبِّحُ اسم الفاعل ہے۔ پاکی بیان کرنے والا۔ ﴿وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ع﴾ (37/ الصافات: 166) ”اور بیشک ہم پاکی بیان کرنے والے ہیں۔“

حَمْدٌ (ح م د): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ق د س

(ک) قُدُّسًا، قُدُّسًا (1) تمام بری صفات سے پاک ہونا۔ اس میں محسوس نجاست کی بجائے معنوی نجاست سے پاک ہونے کا مفہوم ہے یعنی کسی خیال یا اندازے کی غلطی سے پاک ہونا یا شرک سے پاک ہونا وغیرہ۔

(2) بابرکت ہونا۔

قُدُّسُ اسم ذات بھی ہے۔ پاکیزگی۔ ﴿وَإِتَيْنَا عِيسٰی ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَآيَدْنَاهُ بَرُوحَ الْقُدُّسِ ط﴾ (2/ البقرہ: 87) ”اور ہم نے دیں عیسیٰ بن مریم کو واضح نشانیاں اور ان کو تقویت دی پاکیزگی کی روح سے۔“ روح القدس حضرت جبریلؑ کا لقب ہے۔ انہی کو دوسرے مقام پر روح الامین بھی کہا گیا ہے۔

قُدُّوْسٌ صیغہ مبالغہ ہے۔ بہت پاک۔ بہت برکت والا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلَٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ﴾ (59/ الحشر: 23) ”وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حقیقی بادشاہ ہے، نہایت پاک ہے۔“ مولانا مودودیؒ اس آیت میں قُدُّوْس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اصل میں لفظ قُدُّوْس استعمال ہوا ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا مادہ قدس ہے۔ قدس کے معنی ہیں تمام بری صفات سے پاکیزہ اور منزہ ہونا۔ اور قُدُّوْس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بدرجہا بالا و برتر ہے کہ اس کی ذات میں کوئی عیب، یا نقص، یا کوئی قبیح صفت پائی جائے۔ بلکہ وہ ایک پاکیزہ ترین ہستی ہے جس کے بارے میں کسی برائی کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔“ (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۱۳)

تَقْدِیْسًا (تفعیل) کسی کو معنوی نجاستوں سے پاک کرنا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے اس کی پاکیزگی کا اقرار کرنا۔ اس کی مثال زیر مطالعہ آیت ہے۔

مُقَدَّسٌ اسم المفعول ہے۔ مذکر۔ پاک کیا ہوا۔ ﴿إِنَّكَ بِأَلْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ط﴾ (20/ طہ: 12) ”بے شک آپؐ پاک میدان طوی میں ہیں۔“

مُقَدَّسَةٌ اسم المفعول ہے۔ مؤنث۔ پاک کی ہوئی۔ ﴿يَقُوْمِرْ اَدْخُلُوْا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ (5/ المائدہ: 21) ”اے میری قوم تم لوگ داخل ہو جاؤ پاک کی ہوئی زمین میں جو اللہ نے لکھ دی ہے تمہارے لئے۔“

أَعْلَمُ اور تَعْلَمُونَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

## ترکیب

’و‘ استثنائیہ ہے اور اِذْ ظَرْفِ زمان ہے اس سے پہلے اُذْکُرْ یا اُذْکُرُوا محذوف ہے۔ قَالَ فعل، رَبُّكَ فاعل اور لِلْمَلٰئِكَةِ متعلق فعل ہے۔ اگلا جملہ مقولہ ہے یعنی وہ بات جو کہی گئی۔ اس میں اِنِّی میں شامل یا اِنِّی متکلم کی ضمیر اِنَّ کا اسم ہے۔ جَاعِلٌ خبر ہے جبکہ فِي الْاَرْضِ متعلق خبر ہے۔ جَاعِلٌ اسم الفاعل ہونے کے ساتھ فعل کا بھی کام کر رہا ہے۔ اور خَلِیْفَةُ اُس کا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ اگلے جملے میں قَالُوا کا فاعل هُمْ کی ضمیر ہے جو فرشتوں کے لئے ہے اور تَجْعَلُ کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے جو رب کے لئے ہے اور مَنْ اسم موصول ہے۔ یُفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ، یہ دونوں جملے مَنْ کا صلہ ہیں۔ اور صلہ اور موصول مل کر مفعول ہیں فعل تَجْعَلُ کا۔ فِیْهَا میں ہا کی ضمیر زمین کے لئے ہے۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ میں وُ حال یہ ہے۔ نَحْنُ مبتدا ہے۔ نُسَبِّحُ جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اور بِحَمْدِكَ، جار مجرور متعلق ہے نُسَبِّحُ کے۔ جملہ فعلیہ کو اگر جملہ اسمیہ میں تبدیل کیا جائے تو مبتدا پر زور دینا مقصود ہوتا ہے۔ وَنُقَدِّسُ میں وُ عطف کا ہے اور نُقَدِّسُ عطف ہے نُسَبِّحُ پر۔ لَكَ جار مجرور متعلق ہے نُقَدِّسُ سے۔ قَالَ کا فاعل هُو کی ضمیر ہے جو رب کے لئے ہے۔ اَعْلَمُ مضارع میں واحد متکلم کا صیغہ ہے اور اسم موصول ’مَا‘ اس کا مفعول ہے۔ جملہ فعلیہ لَا تَعْلَمُونَ اس کا صلہ ہے۔ (واللہ اعلم)

## ترجمہ

البقرة: 30

وَإِذْ قَالَ	رَبُّكَ	لِلْمَلٰئِكَةِ	إِنِّیْ جَاعِلٌ	فِی الْاَرْضِ
اور (وہ وقت یاد کرو) جب کہا	تیرے رب نے	فرشتوں سے	کہ میں بنانے والا ہوں	زمین میں

خَلِیْفَةً	قَالُوا	اَتَجْعَلُ فِیْهَا	مَنْ	یُفْسِدُ فِیْهَا
ایک جانشین/ نائب	ان فرشتوں نے کہا	کیا تو بناتا ہے اس میں	اس کو جو	فساد کرے گا اس میں

وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ	وَ	نَحْنُ نُسَبِّحُ	بِحَمْدِكَ
اور بہائے گا خون	حالانکہ	ہم تسبیح کرتے ہیں	تیری حمد کے ساتھ

وَنُقَدِّسُ لَكَ	قَالَ	إِنِّیْ اَعْلَمُ	مَا
اور ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں	اس (اللہ تعالیٰ) نے کہا	میں جانتا ہوں	وہ جو

لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾

تم لوگ نہیں جانتے

آیت: 31

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰئِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾﴾

عَلَّمَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ع د م

(س) اَدَمًا گندی رنگ کا ہونا۔

أَفَعَلُ الْوَانِ وَيُوبُ كَ وَزَنَ بِرَیْہِ دَر اَصْلِ اَعْدَمُ تَہا جَو قَاعِدَہ کَہِ مَطَابِقِ تَبْدِیلِ ہُو کَر اَدَمُ بَنَا۔ گندمی رنگ والا۔ حضرت آدم کا نام ہے۔

اَلْاَسْمَاءُ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ کُلُّ (ک ل ل): البقرة آیت 20 دیکھیں۔

ع ر ض

(ض)

عَرَضًا

پیش کرنا۔ سامنے لانا۔ ظاہر ہونا۔ لغات القرآن کے مطابق یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ (لغات القرآن، ج ۲، ص ۲۷۳)۔ ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّہْوَتِ وَالْاَرْضِ﴾ (33/ الاحزاب: 72) ”پیشک ہم نے پیش کیا اس امانت کو آسمانوں اور زمین پر۔“

عَارِضٌ

اسم الفاعل ہے۔ سامنے آنے والی چیز۔ سامنے لانے والا۔ پھر یہ لفظ بادل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بادل کو عارض یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ وہ افق آسمان پر ظاہر ہو کر چھا جاتا ہے یا اس لیے کہ بادل کا وجود قائم رہنے والا نہیں ہوتا اور جلد ختم ہو جاتا ہے۔ صاحب مترادفات القرآن کے مطابق عارض وہ بادل ہیں جو گاڑھے اور پھیلے ہوئے ہوں اور جن سے بوند باندی بھی شروع ہو جائے۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرٌ نَّاطٌ﴾ (46/ الاحقاف: 24) ”ان لوگوں نے کہا یہ بادل ہے، برسے گا ہم پر۔“

عُرْضَةٌ

اسم ذات ہے۔ آڑ، رکاوٹ۔ نشانہ، بہانہ۔ ﴿وَلَا تَجْعَلُوْا اللّٰہَ عُرْضَةً لِّاٰیٰتِنَاۤیْکُمْ﴾ (2/ البقرة: 224) ”اور تم لوگ مت بناؤ اللہ کو نشانہ اپنی قسموں کیلئے۔“ اس آیت مبارکہ میں عُرْضَةٌ کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ کسی اچھے کام کو نہ کرنے کے لیے اللہ کی قسم مت کھایا کرو یعنی جب کسی سے کوئی اچھا کام کرنے کے لیے کہا جائے تو وہ اللہ کی قسم کو آڑ بنا لے کہ میں نے تو قسم کھالی ہے اب یہ کام نہیں کر سکتا۔ دوسری تفسیر کے مطابق، اپنا مطلب نکالنے کے لیے بات بات پر اللہ کی قسم نہ کھایا کرو۔ اس صورت میں اللہ کا نام تمہاری قسموں کا نشانہ بن جائے گا۔ اور تم ہر وقت قسم کے ذریعے سے کام نکالنے کی فکر میں لگے رہو گے۔ اس تفسیر کے مطابق عُرْضَةٌ کا معنی نشانہ اور بہانہ ہو گا۔ (واللہ اعلم، تلخیص از لغات القرآن، ج ۲، ص ۷۶۶)

(س)

عَرَضًا

ناپائیدار ہونا۔ عارضی ہونا۔ جلد فنا ہو جانا۔

عَرَضٌ

ہمیشہ نہ رہنے والی چیز۔ ہر وہ چیز جو جلدی فنا ہو جائے۔ عارضی سامان۔ لفظ عَرَضٌ، جو ہر کے مقابلے پر بولا جاتا ہے۔ جب جو ہر کے مقابلے پر آئے تو مطلب ہوتا ہے ناپائیدار چیز، وہ چیز جس کا اپنا کوئی مستقل وجود نہ ہو۔ اسی لیے بادل کو بھی عارض کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا وجود قائم رہنے والا نہیں، جلد ختم ہو جاتا ہے۔ دنیاوی مال کو عَرَضٌ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ دنیاوی مال کتنا ہی کیوں نہ ہو وہ عارضی اور ناپائیدار ہوتا ہے۔ ﴿تُرِیْدُوْنَ الدُّنْیَاۤیَۃَ وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ﴾ (8/ الانفال: 67) ”تم لوگ چاہتے ہو دنیا کا عارضی سامان اور اللہ چاہتا ہے آخرت۔“

(ک)

عَرَاضَةً

چوڑا ہونا۔

عَرَضٌ

اسم ذات ہے۔ چوڑائی۔ وسعت۔ مولانا مودودی عَرَضٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”عربی زبان میں لفظ عرض صرف چوڑائی ہی کے لیے نہیں بولا جاتا جو طول کا مد مقابل ہے، بلکہ اسے مجرد وسعت کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۳۱۹)۔ ﴿سَابِقُوْاۤ اِلَیْ مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍۭ عَرْضُہَا کَعَرْضِ السَّمَآۤیَ وَ الْاَرْضِ﴾ (57/ الحدید: 21) ”بازی لے جاؤ اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف، جس کی چوڑائی یا وسعت



زمین اور آسمان کی چوڑائی یا وسعت جیسی ہے۔“

فَعِیْلُ کے وزن پر صفت ہے۔ چوڑا۔ ﴿وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَوَّضَ دُعَاءَ عَرِیْضٍ ۝﴾ (41/ حم السجدة: 51) ”اور جب چھوٹی ہے اس کو تکلیف تو لمبی چوڑی دعا کرنے والا بن جاتا ہے۔“ قاضی شوکانی فرماتے ہیں: ”عریش کے معنی کثیر کے ہیں، عرب طول و عرض کا استعمال مجازاً کثرت کے معنی میں کیا کرتے ہیں چنانچہ محاورہ ہے أَطَالَ فُلَانٌ فِي الْكَلَامِ وَأَعْرَضَ فِي الدُّعَاءِ۔ یعنی فلاں نے کثرت سے باتیں کیں اور خوب دعائیں کیں۔“ (لغات القرآن، ج ۴، ص ۲۸۸)

عَرِیْضٌ

(افعال)

إِعْرَاضًا

منہ موڑ لینا۔ توجہ نہ دینا۔ بے رخی برتنا۔ درگزر کرنا۔ ان معنوں میں عام طور پر اس کے ساتھ ”عَنْ“ کا صلہ آتا ہے۔ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا﴾ (18/ الکہف: 57) ”اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس کو یاد دلائی جائیں اس کے رب کی آیات تو وہ بے رخی برتے ان سے۔“ ﴿سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لَنُتَعَرَّضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ﴾ (9/ توبہ: 95) ”اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم پھر کر جاؤ گے اُن کی طرف تاکہ تم اُن سے درگزر کرو سو تم درگزر کرو اُن سے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”اعراض کا مادہ آیت میں دوبار استعمال ہوا ہے۔ اور یہ دو مختلف معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ (۱) عفو و درگزر۔ اور (۲) قطع تعلق۔ لِنُتَعَرَّضُوا میں پہلا معنی مطلوب ہے اور فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ میں دوسرا معنی مقصود ہے۔“ اگر اس کے ساتھ ”عَلَى“ کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے پیش کرنا۔ اگر اس کے ساتھ ”لِ“ کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے سامنے آنا۔ اَعْرَضَ لِيْ وہ میرے سامنے آیا۔

مُعْرِضٌ

ج: مُعْرِضُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ منہ پھیرنے والا۔ اعراض کرنے والا۔ ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَ أَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ۝﴾ (2/ البقرة: 83) ”پھر تم نے منہ موڑ لیا سوائے تھوڑے سے تم میں سے اور تم لوگ ہو ہی منہ پھیرنے والے۔“

أَعْرَضَ

فعل امر ہے۔ تو منہ پھیر لے۔ تو بے رخی کر۔ ﴿وَ إِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِيْ آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ (6/ الانعام: 68) ”اور جب آپ دیکھیں ان لوگوں کو جو عیب جوئی کرتے ہیں ہماری آیات میں تو آپ منہ پھیر لیں ان سے۔“

تَعْرِضًا

(تفعیل)

اشارے کنائے میں بات کرنا یعنی مبہم طور پر بغیر کھولے بات کرنا۔ ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ﴾ (2/ البقرة: 235) ”اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس میں جو تم اشارے کنائے میں پیغام دو خواتین کے نکاح کا۔“

الْمَلَكَةِ (مر ل ك): الفاتحة آیت 3 دیکھیں۔ قَالَ (ق و ل): البقرة آیت 8 دیکھیں۔

ن ب ع

(ف)

نَبَأٌ

نَبَأٌ

آہستہ آواز نکالنا۔ خبر دینا۔

ج: أَنْبَاء۔ اسم ذات ہے۔ عظیم خبر۔ حقیقت۔ عربی زبان میں نَبَأٌ اس خبر کو کہتے ہیں جس میں مندرجہ ذیل خصوصیات ہوں۔ (1) وہ نہایت مفید ہو۔ (2) اس سے صحیح علم اور یقین حاصل ہو۔ (3) اور وہ جھوٹ سے پاک ہو۔ یہ تین چیزیں جب کسی خبر میں ہوں، تب وہ نَبَأٌ کہلاتی ہے۔ عربی میں غیر اہم خبر کو نَبَأٌ نہیں کہتے۔ ﴿قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ ۝﴾ (38/ ص: 67-68) ”آپ کہیے یہ ایک عظیم خبر ہے۔ تم لوگ جس سے بے رخی برتنے

والے ہو۔“ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبِیَاءِ الْغٰیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ط﴾ (3/ آل عمران 44): ”یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، ہم وحی کرتے ہیں اسکو آپ ﷺ کی طرف۔“

(افعال) اَنْبِیَاءُ کسی کو خبر دینا۔ بتا دینا۔ ﴿فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ ۝﴾ (2/ البقرة: 33) ”تو جب انہوں نے بتا دیا ان کو ان چیزوں کے نام۔“

اَنْبِیُّ فعل امر ہے۔ تو بتا دے۔ ﴿قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْبِیْهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ ۝﴾ (2/ البقرة: 33) ”اللہ تعالیٰ نے کہا اے آدمؑ آپ بتا دیجئے ان کو ان چیزوں کے نام۔“

(تفعیل) تَنْبِیُّنًا بتا دینا۔ بتا دینا۔ ﴿قَدْ نَبَاْنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ط﴾ (9/ التوبہ: 94) ”ہم کو بتا دی ہیں اللہ نے تمہاری خبریں۔“

نَبِیُّ فعل امر ہے۔ تو بتا دے۔ ﴿نَبِیُّ عِبَادِیْ اِنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝﴾ (15/ الحجر: 49) ”آپ ﷺ بتا دیجئے میرے بندوں کو کہ میں ہی غفور و رحیم ہوں۔“

(استفعال) اِسْتَنْبَاَ کسی سے خبر پوچھنا۔ ﴿وَيَسْتَنْبِیْکَ اَحَقُّ هُوَ ۝﴾ (10/ یونس: 53) ”اور وہ آپؑ سے پوچھتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی سچ ہے۔“

صِدْقِیْنَ (ص د ق): البقرة آیت 23 دیکھیں۔

### ترکیب

دُ استنایہ ہے اور عَلَّمَ کا فاعل اس میں شامل ہو کی ضمیر ہے جو رب کے لئے ہے، اَدَمَ اس کا مفعول اول اور اَلْاَسْمَاءُ مفعول ثانی ہے۔ اَسْمَاءُ دراصل مضاف تھا لیکن اس پر لام جنس آنے کی وجہ سے اس کا مضاف الیہ اَلْاَشْیَاءُ محذوف ہو گیا۔ کُلُّهَا لام جنس کی وضاحت اور تاکید کے لئے آیا ہے اور اَلْاَسْمَاءُ کا بدل ہے، اسی لئے کُلُّ حالت نصب میں ہے اور اس کے ساتھ ہا کی ضمیر اَلْاَشْیَاءُ کے لئے ہے۔

عَرَضَ کا فاعل بھی رب ہے اور اس کا مفعول هُمْ کی ضمیر ہے اور عَلٰی الْمَلَائِکَةِ متعلق فعل ہے۔ عَرَضَهُمْ میں ”هُمْ“ ضمیر کے متعلق مولانا عبد الماجد فرماتے ہیں: ”سوال یہ ہے کہ کیا چیز اب فرشتوں کے سامنے پیش کی جا رہی ہے؟ اگر چیزوں کے محض نام مراد ہوتے تو لفظ قرآنی عرضھا ہوتا۔ ضمیر هُمْ ذوی العقول کے لیے ہے اور غیر ذوی العقول ضمناً و تبعاً اس میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ پیش صرف نام نہیں ہو رہے تھے بلکہ اصل موجودات۔ گویا پہلے صورت مثالی سے حضرت آدمؑ کو تمام مخلوقات کے نام اور خواص سے اطلاع بخشی گئی، پھر خود ان مخلوقات و موجودات کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا۔“ اَنْبِیْوْا فعل امر ہے اور اس میں فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے جو کہ الْمَلَائِکَةِ کے لئے ہے اور اس کا مفعول نِی کی ضمیر ہے جو کہ رب کے لئے ہے۔ بِاَسْمَاءِ هُوَ لَاۤءِ میں اَسْمَاءُ مضاف ہے اور بِ کی وجہ سے مجرور ہے۔ جبکہ هُوَ لَاۤءِ مضاف / مضاف الیہ ہے اور اس کے آگے اَلْاَشْیَاءُ محذوف ہے۔ یعنی بِاَسْمَاءِ هُوَ لَاۤءِ اَلْاَشْیَاءِ۔ اِنْ کُنْتُمْ صِدْقِیْنَ جملہ شرطیہ ہے۔ اس سے پہلے کا جملہ اس کا جواب شرط ہے۔ صِدْقِیْنَ، کان کی خبر کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ (واللہ اعلم)

ترجمہ	وَعَلَّمَ	اَدَمَ	اَلْاَسْمَاءُ کُلُّهَا	ثُمَّ عَرَضَهُمْ
31: البقرة	اور اس نے تعلیم دی	آدمؑ کو	تمام (چیزوں) کے ناموں کی	پھر اس نے پیش کیا ان کو

عَلٰی الْمَلَائِکَةِ	فَقَالَ	اَنْبِیْوْا	بِاَسْمَاءِ هُوَ لَاۤءِ	اِنْ کُنْتُمْ
فرشتوں پر	تو کہا	تم لوگ بتاؤ مجھ کو	ان (چیزوں) کے نام	اگر تم لوگ ہو

صِدْقِیْنَ ۝

سچے

نوٹ-1

جب ہم کسی شخص کا کوئی نام رکھتے ہیں، جیسے آصف یا جمیل وغیرہ، تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کیا جائے تاکہ اس کی شناخت میں آسانی ہو۔ اسی مقصد کے تحت پالتو جانوروں کے بھی نام رکھے جاتے ہیں۔ یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایسے اسماء کو اسم علم کہتے ہیں۔

اب نوٹ کریں کہ اسم علم سے کسی کی شناخت میں تو آسانی ہوتی ہے لیکن نام والے کی خصوصیات کا علم نہیں ہوتا۔ مثلاً آصف سے ہم سمجھ جاتے ہیں کہ کس انسان کی بات ہو رہی ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیسا انسان ہے؟ جبکہ اسماء جنس سے نام والے کی خصوصیات ذہن میں آتی ہیں۔ مثلاً انسان، گھوڑا، طوطا، درخت، پتھر وغیرہ۔ یہ سب اسمائے جنس ہیں۔ ان میں سے جس کا نام لیا جائے گا تو اس نام کے ساتھ اس جنس کی چیزوں کی خصوصیات بھی ذہن میں آتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسم جنس کے علم کے بغیر اسم علم کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ افادیت۔ اس حوالہ سے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء جنس کی تعلیم دی گئی تھی جس میں اشیاء کی خصوصیات (PROPERTIES OF MATTER) کی تعلیم از خود شامل ہے۔ واللہ اعلم (از لطف الرحمن خان صاحب)

## آیت: 32

﴿قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۳۲﴾

قَالُوا (ق و ل): البقرة آیت 8 دیکھیں۔ سُبْحٰنَكَ (س ب ح): البقرة آیت 30 دیکھیں۔  
عِلْمٌ، عَلَّمْتُ، الْعَلِيْمُ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ح ك م

- (ن) حُكْمًا کسی چیز کا پختہ یا مضبوط ہونا۔ اس مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً پختہ فیصلہ کرنا۔ حکم دینا۔  
﴿فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (البقرة: 113) ”تو اللہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن۔“  
أَحْكُمُ فعل امر ہے۔ تو فیصلہ کر۔ تو حکم دے۔ ﴿اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ﴾ (5/ المائدہ: 42) ”اور اگر آپ فیصلہ کریں تو آپ سلیکٹڈ فیصلہ کریں ان کے درمیان انصاف سے۔“  
حَاكِمُونَ۔ حَكَّامٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ فیصلہ کرنے والا۔ حکم دینے والا۔ ﴿وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۴﴾ (7/ الاعراف: 87) ”اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“ ﴿وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكْمِ﴾ (2/ البقرة: 188) ”اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ اُن کو حاکموں تک۔“ (ترجمہ شیخ البند)
- حُكْمٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ ماہر حاکم۔ صحیح فیصلہ کرنے والا منصف۔ واحد اور جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں: ”حُكْمٌ (منصف) ماہر حاکم کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے اس میں لفظ حاکم سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔“ ﴿فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اٰهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اٰهْلِهَا﴾ (4/ النساء: 35) ”تو تم لوگ کھڑا کرو ایک منصف مرد کے گھر والوں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں سے۔“ ﴿اَفَغَيَّرَ اللّٰهُ اٰبَتَيْ حَكَمًا﴾ (6/ الانعام: 114) ”(آپ اُن سے پوچھیے) کیا اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی اور منصف۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”حُكْمٌ اور حاکم کا ایک ہی معنی ہے فیصلہ کرنے والا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ حاکم ہر فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں صحیح کرے یا غلط۔ لیکن حُكْمٌ صرف صحیح فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔“ (ضیاء القرآن، ج 1، ص 593)
- أَفْعُلُ التَّفْضِيْلُ ہے۔ زیادہ پختہ فیصلہ کرنے والا۔ ﴿وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۴﴾ (11/ ہود: 45) ”اور تو فیصلہ کرنے والوں میں سب سے پختہ فیصلہ کرنے والا ہے۔“

اسم ذات ہے اور قرآن مجید میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

حُكْمٌ

(1) پختہ فیصلہ، حکم۔ ﴿وَلَا يُشْرِكْ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ (18/ الکہف: 26) ”اور وہ شریک نہیں کرتا اپنے فیصلے میں کسی ایک کو بھی۔“

(2) حکمت۔ حُكْمٌ کا لفظ حکمت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”ہر حکمت کو حکم کہہ سکتے ہیں لیکن ہر حکم کو حکمت نہیں۔“ قرآن مجید میں کئی آیات میں حُكْمٌ کا ترجمہ ”حکمت“ سے کیا گیا ہے مثلاً: ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ (3/ آل عمران: 79) ”کسی بشر سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے۔“ (ترجمہ ماجدؒ)۔ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ (6/ الانعام: 89) ”یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی۔“ (ترجمہ ماجدؒ)۔ وغیرہ۔ اور حدیث میں فرمایا گیا: ”الضَّمْتُ حُكْمٌ وَ قَلِيلٌ فَاعِلُهُ“ ”خاموشی حکمت ہے لیکن تھوڑے لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔“

(3) دنیاوی حکومت اور اقتدار۔ ﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ (12/ یوسف: 22) ”اور جب وہ اپنی پختگی کو پہنچے ہم نے انہیں حکومت اور علم عطا فرمایا۔“ (ترجمہ ماجدؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالمجیدؒ فرماتے ہیں: ”حکم سے عام طور پر دنیوی قوت و اقتدار اور علم سے مراد نبوت لی گئی ہے۔“

(4) سمجھ بوجھ، فہم، وحی، نبوت۔ ﴿يُخَيِّبُنِي حُزْنُ الْكِتَابِ بِقُوَّةٍ وَأَتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيحًا﴾ (19/ مریم: 12) ”اے بیٹی! کتاب کو مضبوط پکڑو اور ہم نے اُن کو لڑکپن ہی میں سمجھ دے دی تھی۔“ (ترجمہ ماجدؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالمجیدؒ فرماتے ہیں: ”حکم کے معنی نبوت بھی ہو سکتے ہیں اور حکمت، شریعت، عقل و فہم بھی۔ بہر حال حکم کے تحت میں علمی و ذہنی کمالات آ گئے۔“ آگے لکھتے ہیں: ”فقہ جلیل ابن العربی مالکیؒ نے لکھا ہے کہ حکم کے یہاں تین معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک وحی دوسرے نبوت، تیسرے اس کی معرفت اور اس پر عمل اور یہ تینوں معنی درست ہو سکتے ہیں، صغریٰ میں نزول وحی اور مکاشفہ ملائکہ جائز ہیں۔“ (احکام القرآن، بحوالہ تفسیر ماجدؒ، ۶۵۱)

حِكْمَةٌ

اسم ذات ہے۔ دانائی۔ صحیح بصیرت۔ صحیح قوت فیصلہ۔ حکمت کہتے ہیں عقل اور تفقہ کی اس پختگی کو جس سے انسان درست نتیجے یا صحیح رائے تک پہنچ جائے اور معاملات کا فیصلہ حق کے مطابق کرے۔ جس طرح معاملات کا فیصلہ حق کے مطابق کرنا، حکمت کے ثمرات میں سے ہے اسی طرح اخلاق کی پاکیزگی اور تہذیب بھی اس کے ثمرات میں سے ہے۔ چنانچہ اہل عرب حکمت کا لفظ انسان کی اس قوت و صلاحیت کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جو عقل و رائے کی پختگی اور شرافت و اخلاق کی جامع ہوتی ہے۔ ﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ﴾ (2/ البقرة: 269) ”وہ عطا کرتا ہے دانائی جس کو وہ چاہتا ہے۔“ ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ (2/ البقرة: 129) ”اور اے رب، ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو، جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک صاف کرے۔“ اس آیت مبارکہ میں تعلیم حکمت کے معنی پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ”یہاں یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ حکمت چونکہ حکیمانہ بات کو بھی کہتے ہیں اور حکیمانہ بات کہنے کی صلاحیت کو بھی، اس وجہ سے تعلیم حکمت کے معنی جس طرح کسی کو کوئی حکیمانہ بات بتا دینے کے ہیں اسی طرح اس کے معنی لوگوں کے اندر حکمت کی صفت و صلاحیت پیدا کرنے کے بھی ہیں۔“ (تذکر قرآن، ج ۱، ص ۳۲۱) اور اسی آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ”حکمت کہتے ہیں وَضْعُ الْأَشْيَاءِ عَلَى مَوَاضِعِهَا۔ ہر چیز کو اپنے محل اور موقع پر رکھنا۔“

یہاں الحکمۃ کا لفظ جو مذکور ہے اس سے مراد احکام قرآنی کی ایسی تفصیل اور ان کا ایسا بیان ہے جسے جاننے کے بعد انسان ان احکام کی ایسی تعمیل کر سکے جیسے قرآن نازل کرنے والے خدا کا منشا ہے۔ اور نبی کے فرائض میں صرف یہی نہیں کہ قرآن سکھا دے بلکہ اس کا صحیح بیان اور تفصیل بھی سکھائے تاکہ قرآن پر اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق عمل ہو سکے اور اسی حکمت یعنی بیان قرآن کو سنت نبویؐ کہا جاتا ہے۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۹۵)۔ مفتی محمد شفیعؒ حکمت کے لفظ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ”حکمت کا لفظ قرآن پاک میں کئی مرتبہ آیا ہے اور ہر جگہ اس کی تفسیر میں مختلف معنی بیان کیے گئے ہیں۔ جو کہ سب ٹھیک ہیں صرف تعبیرات کا فرق ہے۔ تفسیر بحر محیط میں ہے وَالْحِكْمَةُ وَضْعُ الْأُمُورِ فِي مَحَلِّهَا عَلَى الصَّوَابِ وَكَمَالُ ذَلِكَ إِنَّمَا يَحْصُلُ بِالنُّبُوَّةِ۔ یعنی حکمت کے اصل معنی ہر شے کو اس کے صحیح محل (جگہ) میں رکھنے کے ہیں اور اس کا کمال صرف نبوت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس مفہوم کی تعبیریں مختلف الفاظ میں کی گئی ہیں۔ مثلاً قرآن، حدیث و سنت، نبوت، عمل صالح، صحیح علم، عقل سلیم، تفقہ فی الدین اور کہیں خشیت الہی۔ آخری معنوں میں تو خود حدیث شریف میں فرمایا: رَأْسُ الْحِكْمَةِ خَشْيَةُ اللَّهِ۔ یعنی اصل حکمت اللہ سے ڈرنا ہے۔ بہر حال حکمت سے مراد یہ سب چیزیں ہیں اور ظاہر یہی قول ہے۔ اور آیت کریمہ ﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ سے بھی اس کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ (معاف القرآن، ج ۱، ص ۶۴، تلخیصاً)۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی گئی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ عَلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ﴾ (البقرة: 231) اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور اُس کو کہ جو اتاری تم پر کتاب اور علم کی باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے اُس کے ساتھ۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ ﴿وَأُنْزِلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (4/ النساء: 113) ”اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

فَعِیْلُ کے وزن پر صفت ہے۔ دانا۔ حکمت والا۔ ﴿إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ (6/ الانعام: 83) ”بیشک تیرا رب دانا علم والا ہے۔“

حکیم (افعال) احکامًا کسی چیز کو یوں پختہ کرنا کہ اُس میں نقص کا گمان تک نہ رہے۔ مضبوط کرنا۔ ﴿كِتَابٌ أَحْكَمْتُ آيَاتُهُ﴾ (11/ هود: 1) ”یہ ایک کتاب ہے، پختہ کیا گیا اس کی آیات کو۔“

مُحْكَمٌ اسم المفعول ہے۔ مذکر۔ مضبوط یا پختہ کیا ہوا۔

ج: مُحْكَمَاتٌ۔ اسم المفعول ہے۔ مؤنث۔ مضبوط یا پختہ کی ہوئی۔ ﴿فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ﴾ (47/ محمد: 20)

”پھر جب کوئی صاف مطلب والی سورت نازل کی جاتی ہے۔“ ﴿هُوَ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ﴾ (3/ آل عمران: 7) ”وہ ہے جس نے نازل کی آپ ﷺ پر کتاب، اس میں ہیں پختہ کی ہوئی آیات۔“ اس آیت کے تحت صاحب ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ”محکم کی تعریف امام راغبؒ نے یہ کی ہے فَأَلْهَمُكُمْ مَا لَا يَعْرِضُ فِيهِ شُبْهَةٌ مِنْ حَيْثُ اللَّفْظُ وَلَا مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى (مفردات) محکم آیت وہ ہے جس کا مفہوم واضح اور بین ہو اس کے لفظ یا معنی کے اعتبار سے اس پر کسی قسم کا شبہ نہ وارد ہو سکتا ہو۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۲۰۹)۔ اصطلاح شرع میں محکم بمقابلہ منسوخ استعمال ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

تَحْكِيْمًا (تفعیل) کسی کو حاکم تسلیم کرنا۔ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (4/ النساء: 65) ”پس نہیں! آپ ﷺ کے رب کی قسم، وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کو حاکم تسلیم کریں اس میں جس میں جھگڑتے ہیں باہم۔“

(تفاعل) تَحَاكَمُوا باہمی جھگڑے کو کسی حاکم کے پاس فیصلے کے لیے لے جانا۔ ﴿يُرِيدُونَ أَن يُتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ﴾ (4/ النساء: 60) ”وہ لوگ چاہتے ہیں کہ فیصلے کیلئے جائیں طاغوت کے پاس۔“

## ترکیب

قَالُوا کا فاعل اس میں شامل ہُم کی ضمیر ہے جو گذشتہ آیت میں اَلْمَلٰئِكَةُ کے لئے ہے۔ سُبْحٰنَكَ سے پہلے فعل مخذوف ہے جو کہ نُسَبِّحُ ہو سکتا ہے اور سُبْحَانَ اس کا مفعول مطلق ہے اور ضمیر كِ اس کا مضاف الیہ ہے۔ لَا عَلَمَ میں ’لَا‘ لائے نفی جنس ہے اور عَلَمَ اس کا اسم ہے۔ اسی لئے عَلَمَ تنوین کے بغیر نصب میں ہے۔ لَنَا متعلق ہے مخذوف خبر کے۔ آگے اَلَّا حرف استثناء ہے اور ’مَا‘ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ عَلَمَتْنَا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مستثنیٰ ہیں۔ ان کو لَا عَلَمَ کا بدل بھی مانا گیا ہے۔ اِنَّكَ میں ضمیر كِ اِنَّ کا اسم ہے۔ اِنَّ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اس لئے ضمیر مرفوع اَنْتَ کے بجائے ضمیر منصوبہ كِ آئی ہے۔ اَنْتَ ضمیر فاعل ہے اور تاکید کے لیے ہے۔ اَلْعَلِيمُ خبر اوّل ہے اِنَّ کی اور اَلْحَكِيمُ خبر ثانی ہے اِنَّ کی۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ	قَالُوا	سُبْحٰنَكَ	لَا عَلَمَ لَنَا	اِلَّا مَا
البقرة: 32	اُن (فرشتوں) نے کہا	تو پاک ہے (ہر عیب سے)	ہمیں کوئی علم ہے ہی نہیں	مگر جو
	عَلَمَتْنَا	اِنَّكَ اَنْتَ	اَلْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝	
	تو نے سکھایا ہم کو	بیشک تو ہی	جاننے والا، دانا ہے	

## آیت: 33

﴿قَالَ يٰۤاٰدُمْ اُنْبِئْهُمْ بِاسْمٰئِهِمْ ۚ فَلَمَّۤا اُنْبَاَهُمْ بِاسْمٰئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غِیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۳۳﴾

قَالَ اور متعلقہ صیغے (ق و ل): البقرة آیت 8 دیکھیں۔ اٰدُمْ (ع د م): البقرة آیت 31 دیکھیں۔ اُنْبِئْ اور اُنْبَاْ (ن ب ع): البقرة آیت 31 دیکھیں۔ اَسْمَاءُ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ لَمَّۤا: البقرة آیت 17 دیکھیں۔ اَعْلَمُ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ غِیْبُ (غ ی ب): البقرة آیت 3 دیکھیں۔ سَمٰوٰتِ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ اَلْاَرْضِ (ع ر ض): البقرة آیت 11 دیکھیں۔

## ب د و

(ن) بَدَا، بَدَءَ (1) کسی چیز کا ظاہر ہونا۔ (2) صحرائیں رہنا (عمارت وغیرہ کی رکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے صحرائیں ہر چیز ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ صحرائیں رہنا بھی ظاہر ہونے کے مترادف ہے)۔ اس کی ضد حَضَارَةٌ ہے ایک دیہاتی صحابی زاہر کے بارے میں رسول اللہ نے ارشاد فرمایا ہے: ”هُوَ بَادٍ يَّتَنَّا وَنَحْنُ حَاضِرُونَ“۔ زاہر ہمارا دیہاتی یا صحرائی (دوست) ہے اور ہم اس کے شہری (دوست) ہیں۔“

(1) ﴿بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۖ﴾ (6/ الانعام: 28) ”بلکہ ظاہر ہوا ان کے لئے وہ جو وہ لوگ چھپاتے تھے اس سے پہلے۔“ (2) دوسرے مفہوم میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

ج: بَادُونَ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ صحرا میں رہنے والا۔ صحرائین۔ ﴿وَالْمَسْجِدَ الْعَرَابِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادُ﴾ (22/ الحج: 25) ”اور مسجد حرام جس کو بنایا ہم نے لوگوں کیلئے برابر ہے اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا۔“ ﴿وَإِنْ يَأْتِ الْاَحْزَابُ يَوْدُوا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْاَعْرَابِ﴾ (33/ الاحزاب: 20) ”اور اگر آجائے لشکر تو وہ لوگ آرزو کرتے کہ کاش وہ لوگ صحرائین ہوتے دیہاتوں میں۔“

بَادُ

اسم ذات ہے۔ صحرا۔ دیہات۔ ہر وہ مقام جہاں کی سب چیزیں ظاہر ہوں بَدُو کہلاتا ہے۔ ﴿وَجَاءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدُو﴾ (12/ يوسف: 100) ”اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ لایا تم لوگوں کو صحرا سے۔“

بَدُو

ظاہر کرنا۔ ﴿قُلْ اِنْ تَحْفَظُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ اَوْ تُبْذَرُوْا يَعْلَمُ اللّٰهُ ط﴾ (3/ آل عمران: 29) ”آپ ﷺ کہیے اگر تم لوگ خفیہ رکھو اس کو جو تمہارے سینوں میں ہے یا ظاہر کرو اس کو، جانتا ہے اس کو اللہ۔“

(افعال) اِبْدَاءُ

اسم الفاعل ہے۔ ظاہر کرنے والا۔ ﴿وَتُخْفِي فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ﴾ (33/ الاحزاب: 37) ”اور تم خفیہ رکھتے ہو اپنے جی میں وہ جو اللہ ظاہر کرنے والا ہے۔“

مُبْدِ

كُنْتُمْ (ك و ن): البقرة آیت 10 دیکھیں۔

ل ک ت م

کوئی بات یا چیز چھپانا۔ ”کتمان کا اطلاق اس اخفاء (چھپانے) پر ہوتا ہے جو قصد کیا جائے اور اس موقع پر جہاں اظہار ضروری ہو۔“ (ماجدی)۔ گویا حق بات کو جان بوجھ کر چھپانے کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَ اِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (2/ البقرة: 146) ”اور بیشک ایک فریق ہے ان میں، وہ لوگ چھپاتے ہیں حق کو اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں۔“

(ن) كِتْمَانًا

ترکیب

قَالَ کا فاعل اس میں شامل ہو کہ ضمیر ہے جو رب کے لئے ہے۔ یا حرف ندا ہے اور اَدْمُ، مُنَادَى۔ اُنْبَهُمْ میں اُنْبِیْ فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے جو حضرت آدمؑ کے لیے ہے۔ اور هُمْ ضمیر مفعولی، فرشتوں کے لئے ہے۔ آگے بِاسْمَائِهِمْ متعلق فعل ہے۔ اور یہ هُمْ ضمیر اشیاء کے لئے ہے۔ اشیاء میں چونکہ عاقل اور غیر عاقل تمام مخلوقات شامل تھیں۔ اس لئے اشیاء کے لئے هَا کے بجائے هُمْ ضمیر عاقل مخلوقات کی رعایت سے آئی ہے۔ فَلَمَّا میں لَبَّا حرف شرط ہے جو ماضی کے دو جملوں پر آتا ہے یہاں جملہ اُنْبَاهُمْ بِاسْمَائِهِمْ جملہ شرطیہ ہے اور قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ سے لے کر اخیر تک جواب شرط ہے۔ اُنْبَاهُمْ میں اُنْبَا کی ضمیر فاعلی حضرت آدمؑ کے لیے ہے اور هُمْ ضمیر مفعولی، فرشتوں کے لیے ہے۔ بِاسْمَائِهِمْ متعلق فعل ہے۔ قَالَ کی ضمیر فاعلی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ آگے اِستفہامیہ ہے اور لَمْ جوازم مضارع میں سے ہے اور اَقُلْ مضارع مجزوم ہے۔ لَكُمْ متعلق فعل ہے۔ اِنِّی میں ی ضمیر اِنَّ کا اسم ہے اور اگلا جملہ اِنَّ کی خبر ہے۔ اِس میں اَعْلَمُ مضارع کا واحد متکلم کا صیغہ ہے اور غِیْبَ السَّمَوٰتِ وَالْاَرْضِ اس کا مفعول ہے۔ و، عطف کا ہے۔ اَعْلَمُ۔ مضارع کا واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ مَا اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ بُدُوْنَ اس کا صلہ ہے اور صلہ اور موصول مل کر مفعول ہے اَعْلَمُ کا آگے و، عطف کا ہے اور مَا اسم موصول ہے کُنْتُمْ میں کَانَ کا اسم اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے اور جملہ فعلیہ تَكْتُمُوْنَ، کَانَ کی خبر ہے اور یہ جملہ صلہ ہے مَا کا اور اسم موصول اور صلہ عطف ہے جملہ ماقبل پر۔ (واللہ اعلم)۔

قَالَ	يَا آدَمُ	اٰتَيْنَاهُمُ	بِاسْمَائِهِمْ ؕ	فَلَمَّا	اَنْبَاَهُمْ
اس (اللہ تعالیٰ) نے کہا	اے آدمؑ	آپؑ بتائیں ان (فرشتوں) کو	ان (چیزوں) کے نام	تو جب	انہوں نے بتایا ان (فرشتوں) کو
بِاسْمَائِهِمْ ؕ	قَالَ	اَلَمْ اَقُلْ	لَكُمْ	اِنِّیْ اَعْلَمُ	
ان (چیزوں) کے نام	اس (اللہ تعالیٰ) نے کہا	کیا میں نے نہیں کہا تھا	تم سے	کہ یقیناً میں جانتا ہوں	
غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	وَاَعْلَمُ	مَا	تُبْدُوْنَ		
آسمانوں اور زمین کے غیب کو	اور میں جانتا ہوں	وہ جو	تم لوگ ظاہر کرتے ہو		
وَمَا	كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۳۴				
اور وہ جو	تم لوگ چھپایا کرتے ہو				

## آیت: 34

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝۳۴﴾

اِذْ: البقرة آیت 30 دیکھیں۔ قُلْنَا (ق و ل): البقرة آیت 8 دیکھیں۔ الْمَلَائِكَةُ (م ل ک): الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔

س ج د

(ن)

سُجُودًا

اس کے لفظی معنی ہیں جھکنا اور عاجزی اختیار کرنا۔ جھکنے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ کسی کے سامنے تعظیماً کمر کو خم دے کر سر کو جھکا دینا بھی جھکنا ہے، جیسے رکوع میں ہوتا ہے اور پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھ دینا بھی جھکنا ہے، جسے سجدہ کہتے ہیں اور یہ جھکنے کی انتہا ہے۔ اصطلاح شرع میں اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اعتراف میں، اس کی عبادت کی خاطر ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھ دینا۔ سجدہ کرنا۔ نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ ﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُونَ ۝﴾ (15/ الحجر: 30) ”چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔“ ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ط﴾ (7/ الاعراف: 12) ”کس چیز نے منع کیا تجھ کو کہ تو سجدہ نہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھ کو۔“ سجدہ کرنا کسی کی تعظیم کے لیے بھی ہو سکتا ہے، جسے سجدہ تعظیمی کہتے ہیں اور کسی کی عبادت کرنے کے لیے بھی جسے سجدہ عبادت کہتے ہیں۔ سجدہ تعظیمی، پہلے انبیاء کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم کے لیے جائز تھا۔ ہماری شریعت مطہرہ میں یہ حرام ہے (نہ صرف سجدہ تعظیمی، بلکہ غیر اللہ کے لیے رکوع اور بہیئت نماز ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے)۔ ہماری شریعت میں صرف سجدہ عبادت ہے اور وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے۔ لغوی معنی کے لحاظ سے قرآن مجید میں یہ لفظ ساری مخلوق پر بھی بولا گیا ہے۔ مثلاً: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۝﴾ (22/ الحج: 18) ”کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں سب، آسمانوں میں اور سب، زمین میں۔“ جس کو سجدہ کیا جائے اس پر ”لام“ کا صلہ آتا ہے۔ اس نے اللہ کو سجدہ کیا، اس جملے کی عربی سَجَدَ اللّٰہُ کرنا غلط ہے۔ صحیح عربی ہوگی سَجَدَ لِلّٰہِ (واللہ اعلم)۔

ج: سُجُودٌ۔ اسم ذات ہے۔ سجدہ۔ ﴿سَيَبْهَتُهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط﴾ (48/ الفتح: 29) ”ان کی علامت ان کے چہروں پر ہے سجدوں کے اثر سے۔“



ج: اُسْجُدُوا۔ فعل امر ہے۔ تو سجدہ کو۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ تُعْبَدُونَ﴾ (22/ الحج: 77) ”اے ایمان والو تم رکوع کرو اور سجدہ کرو اور بندگی کرو اپنے رب کی۔“

ج: سَاجِدُونَ، سَجْدٌ اور سُجُودٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ سجدہ کرنے والا۔ ﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِثٌ الْأَيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ ط﴾ (39/ الزمر: 9) ”بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت میں گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو۔“ ﴿السَّاجِدُونَ لِلْمَرْوَةِ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (9/ التوبة: 112) ”سجدہ کرنے والے، حکم دینے والے بھلائی کا۔“ ﴿وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ (2/ البقرة: 58) ”اور تم لوگ داخل ہو دروازے میں سجدہ کرنے والوں کی حالت میں۔“ ﴿وَالْعَافِينَ وَالزَّكَّيْنَ﴾ (2/ البقرة: 125) ”اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔“ (نوٹ: سُجُودٌ مصدر بھی ہے مطلب ہے جھکنا، یہ سَجْدَةٌ کی جمع بھی ہے مطلب ہے سجدے اور سَاجِدٌ کی جمع بھی ہے مطلب ہے سجدے کرنے والے۔ واللہ اعلم)۔

ج: مَسَاجِدُ۔ اسم ظرف مکان بھی ہے اور اسم ظرف زمان بھی۔ چنانچہ اس کا مطلب سجدہ کرنے کی جگہ کے بھی ہیں اور سجدہ کرنے کے وقت، یعنی نماز کے وقت کے بھی ہیں۔ مسجد کے معنی بطور ظرف مکان کے تو جانے پہچانے ہیں ہی، قرآن مجید میں یہ لفظ بطور ظرف زمان بھی استعمال ہوا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَأَقِيمُوا وَجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (7/ الاعراف: 29) ”اور تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو۔“ (ترجمہ ماجدی) اس آیت کی حاشیے میں مولانا عبدالمجید فرماتے ہیں: ”مسجد ظرف زمان و مکان دونوں ہے۔ معنی سجدہ کے وقت کے بھی ہیں اور سجدہ کی جگہ کے بھی۔ یہاں مراد اول الذکر یعنی سجدہ کے وقت سے لی گئی ہے۔“ ﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ (72/ الجن: 18) ”اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں پس تم لوگ مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی ایک کو بھی۔“ بعض علماء کے نزدیک مساجد اسم آلہ کی جمع ہے بمعنی سجدے کے آلہ و ذریعہ بننے والے اعضاء یعنی پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، دونوں زانو۔ (واللہ اعلم)۔

ادُمُ (ع د م): البقرة آیت 31 دیکھیں۔

إِلَّا

مگر، سوائے۔ یہ حرف استثناء ہے۔ نحو کی اصطلاح میں استثناء سے مراد ہے کہ حرف استثناء کے ماقبل کے جملے میں جو حکم ہے (نفی یا اثبات) اس حکم سے مابعد کو خارج کر دینا یعنی یہ بتلانا کہ مابعد کا حکم ماقبل کے خلاف ہے۔

کسی کلام میں جب اِلَّا کے ذریعے استثناء کیا جاتا ہے تو اس کے کچھ قواعد ہیں۔ انہیں سمجھنے سے پہلے دو اصطلاحات سمجھ لیں۔ ہم کہتے ہیں ”پوری قوم آئی سوائے زید کے“۔ اس میں زید کو قوم سے الگ کیا گیا ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ جس سے کسی کو الگ کیا جاتا ہے اسے مستثنیٰ منہ کہتے ہیں اور جس کو الگ کیا جاتا ہے اسے مستثنیٰ کہتے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ جملے میں قوم مستثنیٰ منہ ہے اور زید مستثنیٰ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ ایک ہی جنس کے ہوں تو اسے مستثنیٰ متصل کہتے ہیں۔ جیسے مذکورہ جملے میں قوم اور زید کی جنس ایک ہی ہے اس لئے یہ مستثنیٰ متصل کی مثال ہے۔ لیکن اگر ہم کہیں تمام گھوڑے آئے سوائے گدھے کے، تو اس میں مستثنیٰ منہ گھوڑے کی جنس الگ ہے اور مستثنیٰ گدھے کی جنس الگ ہے۔ اسے مستثنیٰ منقطع کہتے ہیں اب قواعد نوٹ کریں۔

(۱) مستثنیٰ متصل میں اگر کلام مثبت ہو (یعنی نفی اور استفہام نہ ہو) اور مستثنیٰ منہ (جو کہ اِلَّا سے پہلے ہوگا) مذکور ہو تو مستثنیٰ ہمیشہ حالت نصب میں ہوگا۔ مثلاً جَاءَ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا۔ اس میں کلام مثبت ہے اور مستثنیٰ منہ ”الْقَوْمُ“ مذکور ہے اس لئے مستثنیٰ زَيْدًا حالت نصب میں آیا ہے۔

(۲) مستثنیٰ متصل میں اگر کلام منفی ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو ایسی صورت میں مستثنیٰ کو حالت نصب میں بھی لاسکتے ہیں اور جملے میں اس کی حالت کے

مطابق اعراب بھی لگا سکتے ہیں۔ مثلاً مَا جَاءَ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا بھی درست ہے اور چونکہ اس جملے میں زید فاعل ہے اس لئے إِلَّا زَيْدٌ بھی درست ہے۔  
(۳) مستثنیٰ متصل میں اگر کلام منفی ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو پھر إِلَّا کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور مستثنیٰ پر اعراب جملے میں اس کی حالت میں مطابق لگایا جاتا ہے جیسے مَا جَاءَ إِلَّا زَيْدٌ۔ اس میں زَيْدٌ فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور مَا صَرَفْتُ إِلَّا زَيْدًا میں زَيْدًا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

(۴) مستثنیٰ منقطع میں جس کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے وہ حالت نصب میں آتا ہے۔ غَيْبٌ اور سَبْوٌ بھی استثناء کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن ان کا مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے عربی کا معلم، حصہ سوم، صفحہ ۱۱۴ دیکھیں۔ (نوٹ: کبھی إِنْ، لَنْ شرطیہ اور لَا نافیہ کا مرکب ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَالَا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنَّ مِنَ الْخَسِرِينَ﴾ (11/هود: 47) اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور تو نے مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گا۔“)

## ب ل س

(افعال) اِبْلَاسًا سخت ناامیدی کے باعث غمگین ہونا۔ مایوس ہونا۔ ثلاثی مجرد سے یہ مادہ استعمال نہیں ہوتا۔ تفہیم القرآن میں اس لفظ کی وضاحت یوں کی گئی ہے: ”بکس اور اِبْلَاس کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ حیرت کی وجہ سے دنگ ہو کر رہ جانا۔ خوف اور دہشت کے مارے دم بخود ہو جانا۔ رنج و غم کے مارے دل شکستہ ہو جانا۔ ہر طرف سے ناامید ہو کر ہمت توڑ بیٹھنا۔ اور اسی کا ایک پہلو مایوسی و ناامادی کی وجہ سے برا فروختہ (Desperate) ہو جانا بھی ہے جس کی بنا پر شیطان کا نام ابلیس رکھا گیا ہے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۲۹۳)۔ صاحب تدریس القرآن فرماتے ہیں: ”اِبْلَاس کے معنی غمگین ہونے، انکار کرنے اور مایوس ہونے کے ہیں۔“ ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ﴾ (30/الروم: 12) اور جس دن قائم ہوگی وہ گھڑی یعنی قیامت تو شدید مایوس و غمگین ہوں گے مجرم لوگ۔“  
اسم الفاعل ہے۔ مایوس و غمگین ہونے والا۔ ﴿إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّهِينٍ خَلِدُونَ﴾ لَا يُفْتَرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿43/الزخرف: 74-75﴾ ”بیشک مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، وہ نرم نہیں کیا جائے گا ان سے اور وہ لوگ اس میں شدید مایوس و غمگین ہوں گے۔“  
اِبْلِيسُ اِفْعِيلُ کے وزن پر اسم صفت ہے۔ مایوس و غمگین۔ قرآن مجید میں ایک جن، شیطان کے اسمِ عکَم کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ (ماجدی)۔ ﴿يَا ابْلِيسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ﴾ (15/الحجر: 32) ”اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو نہ ہوا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ۔“

## ع ب ی

(ف) اِبَاءً سختی سے انکار کرنا۔ ﴿يَرْضَوْنَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ﴾ (9/التوبة: 8) ”وہ لوگ راضی کرتے ہیں تم لوگوں کو اپنے منہ سے اور انکار کرتے ہیں ان کے دل۔“ حدیث شریف میں ہے: ”كُلُّكُمْ فِي الْجَنَّةِ إِلَّا مَنْ آبَى“ تم سب جنتی ہو مگر وہ شخص جس نے (اطاعت الہی سے) انکار کیا۔“ (بخاری)

لک ب ر عربی زبان میں جس لفظ کا مادہ ک ب ر ہو، اس کے مفہوم میں بڑائی کے معنی ضرور پائے جاتے ہیں۔ البتہ بڑائی کی صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔

(س) (ن) کِبَرًا

عمر میں بڑا ہونا۔ بوڑھا ہو جانا۔ ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ يَدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ط﴾ (4/ النساء: 6) ”اور تم لوگ مت کھاؤ یتیموں کے مال بے جا اور جلدی میں کہ کہیں وہ بڑے نہ ہو جائیں۔“

(ک) کِبَارَةً، کِبَارَةً، کِبَارَةً

اس کا مصدر مصباح اللغات میں کِبَارَةً اور لغات القرآن میں کِبَارَةً لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ معنوی لحاظ سے بڑا ہونا۔ رتبہ یا اہمیت میں بڑا ہونا۔ بھاری یا دشوار ہونا۔ ﴿كُونُوا حَجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۖ أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 50-51) ”تم لوگ ہو جاؤ پتھر یا لوہا یا کوئی چیز جو بڑی ہے تمہارے سینوں میں یعنی تمہاری سمجھ میں۔“ ﴿وَإِنْ كَانَ كِبَرُ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ﴾ (6/ الانعام: 35) ”اور اگر آپ پر دشوار ہے اُن کا منہ پھیرنا۔“

کِبَرٌ

اسم ذات ہے۔ بڑھاپا۔ ﴿قَالَ رَبِّ اُنِّى يَكُونُ لِىْ غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِى الْكِبَرُ﴾ (3/ آل عمران: 40) ”اس نے کہا اے میرے رب کہاں سے ہوگا میرے لئے کوئی لڑکا اس حال میں کہ پہنچ چکا ہے مجھ کو بڑھاپا۔“

کِبَرٌ

اسم ذات ہے۔ بڑائی۔ بڑا۔ ﴿إِنْ فِى صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبَرٌ مِّمَّا هُمْ بِبَالِغِيهِ﴾ (40/ المؤمن: 56) ”نہیں ہے ان کے سینوں میں مگر بڑائی، وہ لوگ اس تک پہنچنے والے نہیں ہیں۔“ ﴿وَالَّذِى تَوَلَّى كِبْرًا مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (24/ النور: 11) ”اور جس نے اٹھایا ہے اُس کا بڑا ابو جھ اُس کے واسطے بڑا عذاب ہے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

کِبَرِيَاءٌ

اسم ذات ہے۔ عظمت۔ بزرگی۔ بڑائی۔ وہ ہستی جو ہر ایک کی اطاعت سے بالاتر ہو اور ایسی ہستی صرف اللہ ہی کی پاک ذات ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا ﴿وَلَهُ الْكِبَرِيَاءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (45/ الجاثیہ: 37) ”اور اُسی کے لیے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔“ اور حدیث قدسی میں ہے ”اَلْکِبَرِیَّاءُ رِدَائِیَّ وَالْعُظْمٰةُ اِزَارِیَّ فَمَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِدًا مِنْهُمَا اَذْخَلْتُهُ النَّارَ۔ وَفِیْ رِوَاٰیةٍ قَدْ فَتْنَتْهُ فِى النَّارِ۔ (رواہ مسلم)“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذاتی بزرگی میری چادر ہے اور صفاتی عظمت میرا تہبند ہے پس جو ان دونوں میں سے کسی ایک میں میرے ساتھ جھگڑا کرے گا (یعنی جو تکبر کرے گا اور اس طرح وہ گویا میری ذات و صفات میں شرک کا ارتکاب کرے) تو میں اس کو آگ میں داخل کروں گا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”تو میں اس کو آگ میں پھینک دوں گا۔“ (مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۴، ص ۵۸۶)۔ ﴿وَتَكُوْنُ لَکُمُ الْکِبَرِیَّاءُ فِى الْاَرْضِ ط﴾ (10/ یونس: 78) ”اور ہو جائے تم دونوں کے لئے بڑائی زمین میں۔“

کِبِیْرٌ

ج: کِبَرَاءٌ۔ اسم صفت ہے۔ بڑا۔ بھاری یا دشوار۔ ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ کِبِیْرٌ﴾ (35/ فاطر: 7) ”ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔“ ﴿رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ کِبَرَاءَنَا فَاصْلُوْنَا السَّبِیْلَ﴾ (33/ الاحزاب: 67) ”اے ہمارے رب ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی تو انہوں نے گمراہ کیا ہم کو راستے سے۔“ اَلْکِبِیْرُ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ ﴿عِلْمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةُ الْکِبِیْرُ الْمُنْعَالُ﴾ (13/ الرعد: 9) ”ظاہر اور پوشیدہ کا وہ عالم ہے، سب سے بڑا ہے اور سب سے بلند و بالا۔“ (نوٹ: کِبِیْرٌ کا الٹ صَغِیْرٌ ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں: ”کبیر اور صغیر اسمائے اضافیہ سے ہیں۔ جن کے معانی ایک دوسرے کے لحاظ سے متعین ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک ہی چیز دوسری کے مقابلہ میں صغیر ہوتی ہے۔ لیکن وہی شے ایک اور کے مقابلہ میں کبیر کہلاتی ہے۔“ (مفردات القرآن، ج ۲، ص ۸۸۸)۔

کِبَرًا

کِبِیْرٌ کا صیغہ مبالغہ ہے۔ بہت بڑا۔ ﴿وَمَكْرُوْهُمُ کِبَرًا﴾ (71/ نوح: 22) ”اور انہوں نے بڑے بڑے مکر کر ڈالے۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔ پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”کِبِیْرٌ، کِبَرًا اور کِبَرًا ہم معنی ہیں۔“

ج: كِبَائِرُ - كِبِيرٌ کا مونث ہے۔ ﴿مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً﴾ (18/ البقرة: 49) ”کیسی ہے یہ کتاب نہیں چھوڑتی کسی چھوٹی چیز کو اور نہ ہی بڑی چیز کو۔“ ﴿وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ﴾ (2/ البقرة: 143) ”اور بیشک وہ بھاری تھی سوائے ان لوگوں کے جن کو ہدایت دی اللہ نے۔“ ﴿وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْأَثَمِ﴾ (42/ اشوری: 37) ”اور وہ لوگ جو اجتناب کرتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے۔“

ج: اكَابِرُ - فعل التفضیل ہے۔ زیادہ بڑا۔ سب سے بڑا۔ ﴿وَأَشْمَهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ (2/ البقرة: 219) ”اور ان دونوں کا گناہ زیادہ بڑا ہے ان دونوں کے نفع سے۔“ ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكْبَرًا مُجْرِمِيهَا﴾ (6/ الانعام: 123) ”اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا۔“ (ترجمہ ماجدی)

ج: كُبْرَى - اكْبَرُ کا مونث ہے۔ ﴿الَّذِي يَصَلِّي النَّارَ الْكُبْرَى﴾ (87/ الاعلیٰ: 12) ”جو پڑے گا بڑی آگ میں۔“ ﴿إِنَّهَا لِأَحَدَى الْكُبْرَى﴾ (74/ المدثر: 35) ”یقیناً وہ جہنم بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔“

کسی کو بڑا سمجھنا۔ حیران ہونا۔ ﴿فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَاهُ﴾ (12/ یوسف: 31) اس آیت مبارکہ کے کئی طرح سے ترجمے کیے گئے ہیں مثلاً: ”اور جب اُن لوگوں نے (یوسفؑ کو) دیکھا اس پر حیران رہ گئیں۔“ (ترجمہ ماجدی) ”اُن عورتوں نے جب اُسے دیکھا تو بہت بڑا جانا۔“ (ترجمہ احسن البیان) ”پس جب (یوسفؑ آئے اور) اُنہوں نے اُس کو دیکھا تو اُس کی عظمت (حسن) کی قائل ہو گئیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ پیر کرم شاہ صاحب اس آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ”اَكْبَرْنَاهُ کا معنی ہے کہ وہ حسن یوسفی کو دیکھ کر مسحور بھی ہوئیں اور مرغوب بھی۔“

کسی کو بڑا سمجھنا اور بڑا کہنا۔ کسی کی بڑائی بیان کرنا۔ اللہ اکبر کہہ کر اللہ کی عظمت کو ظاہر بھی کرنا اور اس کی عظمت کا احساس بھی کرنا۔ ﴿وَلْيُكَلِّمُوا الْعِدَّةَ وَلْيُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدٰكُمْ﴾ (2/ البقرة: 185) ”اور تاکہ تم لوگ پورا کرو گنتی کو اور تاکہ تم لوگ بڑائی بیان کرو اللہ کی اس پر جو اس نے ہدایت دی تم کو۔“

فعل امر ہے۔ تو بڑائی بیان کر۔ ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ (74/ المدثر: 3) ”اور پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے۔“ ﴿وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 111) ”اور اُس کی خوب بڑائیاں بیان کیجئے۔“ (ترجمہ ماجدی) اس آیت کے حاشیہ میں مولانا عبد الماجد دریا بادی فرماتے ہیں: ”محققین نے کہا ہے کہ عربی زبان میں مفہوم تعظیم و اجمال کے لیے لفظ تکبیر سے بڑھ کر اور جامع تر کوئی لفظ نہیں اور جب اس فعل کا امر مصدر اور پھر صیغہ نکرہ کے ساتھ مؤکد ہو کر آئے تو زور اور وسعت کی انتہا ہی نہیں رہ جاتی۔“

بناوٹی طور پر بڑا بننا۔ واقعی بڑا ہونا۔ صاحب لغات القرآن فرماتے ہیں: ”تکبر دو طرح کا ہوتا ہے (۱) فی نفسہ کسی میں خوبیاں اور صفاتِ حسنہ سب سے زائد ہوں۔ (۲) واقع میں تو صفاتِ حسنہ سے خالی ہو اور مدعی ہو کمالِ صفات کا، اول محمود (قابل تعریف) ہے اور دوسرا مذموم (قابل مذمت) ہے اس لیے اول معنی کا لحاظ کرتے ہوئے متکبر اللہ کی صفت ہے اور محمود ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے کافر یا مغرور انسان پر اطلاق ہوتا ہے جو مذموم اور قبیح (برا) ہے۔“ (لغات القرآن، ج ۵، ص ۲۹۹)۔ صاحب مترادفات القرآن فرماتے ہیں: ”تکبّر، یہ فخر کا سب سے آخری درجہ ہے۔ جس میں انسان عُجب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور خود پسندی کی اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے اور حق بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارک میں فرمایا ”تکبر یہ ہے کہ تو حق بات کو ٹھکرائے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔“ (بَظَرُ الْحَقِّ وَغَمَطُ النَّاسِ بخاری)۔ پوری حدیث کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۴، ص ۵۸۳) ﴿فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا﴾ (7/ الاعراف: 13) ”پس تو اتر اس سے، پس تیرے لئے

نہیں ہے کہ تو بڑا بنے اس میں۔“

ج: مُتَكَبِّرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ بڑا بننے والا۔ ﴿إِنِّي عُدْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ﴾ (40/ المؤمن: 27) ”میں پناہ میں آتا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی، ہر بڑا بننے والے سے۔“ مُتَكَبِّرٌ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں وہ ہستی جس کی عظمت انتہا کو پہنچی ہوئی ہو اور جس میں فی نفسہ سب سے زیادہ خوبیاں ہوں۔ چنانچہ فرمایا ﴿أَمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمُنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ط﴾ (الحشر: 23)۔ اس آیت میں الْمُتَكَبِّرُ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ”اصل میں لفظ الْمُتَكَبِّرُ استعمال ہوا ہے جس کے دو مفہوم ہیں۔ ایک وہ جو فی الحقیقت بڑا نہ ہو مگر خواہ مخواہ بڑا بنے۔ دوسرے وہ جو حقیقت میں بڑا ہو اور بڑا ہی ہو کر رہے۔ انسان ہو یا شیطان، یا کوئی اور مخلوق، چونکہ بڑائی فی الواقع اس کے لیے نہیں ہے، اس لیے اُس کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتنا ناپاک جھوٹا ادعا اور بدترین عیب ہے۔ اس کے برعکس، اللہ تعالیٰ حقیقت میں بڑا ہے اور بڑائی فی الواقع اسی کے لیے ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے مقابلے میں حقیر و ذلیل ہے، اس لیے اس کا بڑا ہونا اور بڑا ہی ہو کر رہنا کوئی ادعا اور تصنع نہیں بلکہ ایک امر واقعی ہے، ایک بری صفت نہیں بلکہ ایک خوبی ہے جو اس کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی۔“ (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۴۱۵)

(استفعال) اسْتَكْبَرَا۔ بڑائی چاہنا۔ اس کا مطلب ہوتا ہے خواہ مخواہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے حق بات کا انکار کر دینا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا۔ ﴿يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعُّوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا كُولاَ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ۝﴾ (34/ سبا: 31) ”وہ لوگ کہیں گے جن کو کمزور سمجھا گیا ان سے جنہوں نے بڑائی چاہی، اگر نہ ہوتے تم لوگ تو ہم ہوتے ایمان لانے والے۔“

ج: مُسْتَكْبِرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ بڑائی چاہنے والا۔ ﴿قُلُوبُهُمْ مُّكِنَّرَةٌ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُونَ ۝﴾ (16/ النحل: 22) ”ان کے دل انکار کرنے والے ہیں اور وہ لوگ بڑائی چاہنے والے ہیں۔“

كَانَ (ك و ن): البقرة آیت 10 دیکھیں۔ کُفِرِينَ (ك ف ر): البقرة آیت 6 دیکھیں۔

### ترکیب

”و“ استثنائیہ ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے فعل اُذْكُرْ یا اذْكُرُوا محذوف ہے۔ قُلْنَا فعل بافاعل ہے اور اس کی ضمیر فاعلی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ لِلْمَلٰٓئِكَةِ متعلق فعل ہے۔ اُسْجُدُوا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے جو فرشتوں کے لیے ہے۔ لِاَدَمَ متعلق فعل ہے۔ لِاَدَمَ میں ”لام“ الیٰ کے معنی میں ہے (ماجدی، حقانی) یعنی لام کے معنی واسطے کے نہیں بلکہ ”طرف“ اور ”سمت“ کے ہیں۔ فَسَجَدُوا فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے جو فرشتوں کے لیے ہے۔ اِلَّا حرف استثناء ہے اور ابلیس، مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ فرشتے اور ابلیس ایک جنس کے نہیں اس لیے حالت نصب میں ہے۔ آگے آئی اور اسْتَكْبَرُوا ماضی کے صیغے ہیں اور اس میں شامل ضمیر فاعلی ابلیس کے لیے ہے۔ درمیان میں حرف عطف ہے۔ آگے بھی وُ عطف کا ہے اور كَانَ افعال ناقصہ میں سے ہے اور اس کا اسم اس میں شامل ضمیر ”هُوَ“ ہے جو شیطان کے لیے ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور مِّنَ الْكَافِرِينَ متعلق خبر ہے۔ كَانَ مِّنَ الْكَافِرِينَ کے دو طرح ترجمے کیے گئے ہیں یعنی ”وہ تھا“ اور ”وہ ہو گیا“۔ مثلاً حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں ”اور تھا وہ کافروں میں کا۔“ اس صورت میں یہ بزرگ اس کے آگے فِيْ عَلَمِ اللّٰهِ محذوف مانتے ہیں اور دوسری صورت میں ہمارے بزرگوں کی رائے یہ ہے کہ كَانَ یہاں صَارَ (ہو گیا) کے معنی میں ہے یعنی وہ پہلے کافروں میں سے نہیں تھا بلکہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نے اسے کافروں میں داخل کر دیا۔ اس ترکیب کے لحاظ سے بھی ترجمہ کیا گیا مثلاً ”اور کافروں میں سے ہو گیا۔“ (ترجمہ ماجدی) (واللہ اعلم)

ترجمہ	وَإِذْ قُلْنَا	لِلْمَلٰٓئِكَةِ	اَسْجُدُوْا	اٰدَمَ	فَسَجَدُوْا
البقرة: 34	اور (یاد کرو) جب ہم نے کہا	تمام فرشتوں سے	تم سجدہ کرو	آدم کو	تو انہوں نے سجدہ کیا
	اِلَّا اِبْلِیْسَ ط	اَبٰی	وَاسْتَكْبَرَ ۖ	وَكَانَ	
	سوائے ابلیس کے	اس نے انکار کیا	اور اس نے بڑائی چاہی (یعنی تکبر کیا)	اور وہ تھا یا ہو گیا	
مِنَ الْكَافِرِیْنَ ﴿۳۴﴾					
انکار کرنے والوں میں سے					

**نوٹ: 1** آیت زیر مطالعہ میں کلام مثبت اور مستثنیٰ منہ (ملائکہ) مذکور ہے اس لئے اِبْلِیْس کی نصب سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے۔ چنانچہ اس مقام سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ابلیس فرشتہ تھا یا جن تھا۔ البتہ سورہ کہف کی آیت نمبر 50 میں وضاحت کی گئی ہے کہ وہ ایک جن تھا، اسی لیے ترکیب میں اسے مستثنیٰ منقطع بتایا گیا۔

**نوٹ: 2** مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ اس آیت مبارکہ میں فرشتوں کو سجدہ کرنے کے حکم کے متعلق فرماتے ہیں: ”سجدہ سے مراد سجدہ اصطلاحی و سجدہ نماز نہیں، مطلق سجدہ مراد ہے۔ سجدہ اور سجدہ کے لفظی معنی محض تواضع و تذلل کے ہیں۔ سجدہ نماز کو بھی سجدہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ تذلل و تواضع کا بہترین مظہر ہے۔ خود محاورہ قرآن میں سجدہ کا استعمال اس عام معنی میں عام ہے۔ مثلاً ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ (اے مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان و زمین میں جو بھی مخلوق ہے، سب اللہ کے آگے جھکی ہوئی ہے) اور یہاں بھی قول اصح یہی ہے کہ یہ سجدہ اپنی ہیئت معروف کے ساتھ زمین پر پیشانی رکھنے کے معنی میں تھا ہی نہیں بلکہ صرف جھکنے کے معنی میں تھا۔ لیکن جن لوگوں نے اسے سجدہ متعارف کے معنی میں لیا ہے، انہوں نے بھی تصریح کر دی ہے کہ یہ سجدہ بتخلیسی تھا جو اگلی شریعتوں میں جائز تھا سجدہ عبادت ہرگز نہ تھا۔..... آگے اِدَم کے متعلق لکھتے ہیں..... ”اِدَم - یعنی خلیفۃ اللہ کے آگے۔ نائب سلطان حقیقی کی طرف رُخ کر کے، نہ یہ کہ اس کو۔ ل یہاں الٰہی کا مرادف ہے۔ یعنی سمت اور طرف کے معنی میں ہے۔ سجدہ صرف سمت آدم میں تھا، جیسے آج بھی سمت کعبہ میں ہوتا ہے۔ مسجود جس طرح آج بھی کعبہ نہیں رب کعبہ ہے۔ اسی طرح اُس وقت بھی ذات باری ہی تھی۔ قرآن مجید ہی کی ایک اور آیت میں ل عند کے معنی میں آیا ہے۔ ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذٰلِکَ الشَّمْسِ﴾۔ (تفسیر ماجدی ص ۲۰)

**نوٹ: 3** یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جن بھی سجدہ کرنے کے حکم میں داخل تھے۔ تو اس کا جواب قاضی بیضاویؒ ان الفاظ میں دیتے ہیں: ”جن بھی فرشتوں کے ساتھ سجدہ کے حکم میں شامل تھے لیکن فرشتوں کے ذکر کے بعد جنات کے ذکر کی ضرورت اس وجہ سے باقی نہیں رہی کہ جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ بڑوں کو کسی کی تعظیم و تکریم کا حکم ہوا ہے تو اس سے یہ بات آپ سے آپ واضح ہو گئی کہ چھوٹے بھی اس حکم میں شامل ہیں۔ اس صورت میں فَسَجَدُوْا کی جو ضمیر ہے وہ دونوں گروہوں کی طرف لوٹے گی۔ (بحوالہ تدریس قرآن، ج ۱ ص ۱۶۶)۔ حضرت قاضی بیضاویؒ کے قول کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اَسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِیْسَ ط لَّمْ یَکُنْ مِنَ السَّٰجِدِیْنَ ﴿۳۴﴾ قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ ط﴾ (7/ الاعراف: 11، 12) ”ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتداء کی، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔ اس حکم پر سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ پوچھا، ”تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا؟“ ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اَسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِیْسَ ط کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ ط﴾ (18/ الکہف: 50) ”اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس، تھا جن کی قسم سے سوکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

## آیت: 35

﴿وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٣٥﴾﴾

قُلْنَا (ق ول): البقرة آیت 8 دیکھیں۔ آدَمُ (ع دم): البقرة آیت 31 دیکھیں۔

س ل ن

- (ن) سَكُونًا حرکت کے بعد ٹھہرنا۔ آرام کرنا۔ سکونت اختیار کرنا۔ آباد ہونا۔ ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ﴾ (10/ یونس: 67) ”وہ ہے جس نے بنایا تم لوگوں کیلئے رات کو تاکہ تم لوگ آرام کرو اس میں۔“ ﴿وَسَكَنْتُمْ فِي مَسْكِينَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ (14/ ابراہیم: 45) ”اور تم لوگوں نے سکونت اختیار کی ان لوگوں کے مکانوں میں، جنہوں نے ظلم کیا اپنے آپ پر۔“ جب اس کے ساتھ الی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے سکون حاصل کرنا۔ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا﴾ (30/ الروم: 21) ”اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم اُن سے سکون حاصل کرو۔“ (ترجمہ مجید)
- اُسْكُنْ ج: اُسْكُنُوا۔ فعل امر ہے۔ تو آرام کر۔ تو سکونت اختیار کر۔ ﴿وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ اسْكُنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ﴾ (7/ الاعراف: 161) ”اور جب کہا گیا ان لوگوں سے کہ تم لوگ سکونت اختیار کرو اس بستی میں۔“
- سَاكِنٌ اسم الفاعل ہے۔ ٹھہرنے والا۔ ٹھہرا ہوا۔ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رِبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا﴾ (25/ الفرقان: 45) ”کیا تو نے دیکھا نہیں اپنے رب کی (قدرت کی) طرف کیسے اس نے پھیلا یا سائے کو، اور اگر وہ چاہتا تو وہ بناتا اس کو ٹھہرا ہوا۔“
- مَسْكُونٌ اسم المفعول ہے۔ واحد مذکر۔ آباد مکان کو کہتے ہیں جس میں کوئی رہتا ہو۔
- مَسْكُونَةٌ اسم المفعول ہے۔ واحد مؤنث۔ آباد مکان۔ غَيْرُ مَسْكُونَةٍ کا مطلب ہوگا غیر آباد مکان جس میں کوئی نہ رہتا ہو۔ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ ط﴾ (24/ النور: 29) ”تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں ہے کہ تم اُن مکانات میں داخل ہو جاؤ (جن میں) کوئی رہتا نہ ہو اور اُن میں تمہارا کچھ مال ہو۔“ (ترجمہ مجید)
- مَسْكِنٌ ج: مَسَاكِنٌ۔ اسم الظرف ہے۔ ٹھہرنے کی جگہ۔ مکان۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ ط﴾ (34/ سبأ: 15) ”سبأ والوں کے لیے اُن کے وطن ہی میں نشان موجود تھا۔“ اور مَسَاكِنُ کے لیے اوپر (ابراہیم: 45) دیکھیں۔
- سَكَنٌ اسم ذات ہے۔ راحت۔ آرام۔ تسکین۔ ﴿إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ ط﴾ (9/ التوبہ: 103) ”بیشک آپ کی دعا ان کیلئے باعث تسکین ہے۔“ مفتی محمد شفیعؒ سَكَنٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”سَکَن، سکون سے مشتق ہے، ہر ایسی چیز کو سَکَن کہا جاتا ہے جس پر پہنچ کر انسان کو سکون و اطمینان اور راحت حاصل ہو۔ اسی لیے انسان کے رہنے کے گھر کو قرآن میں سَکَن فرمایا ہے، جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا، کیونکہ انسان کا گھر خواہ ایک جھونپڑی ہی ہو وہاں پہنچ کر انسان کو عادی سکون و راحت حاصل ہوتی ہے۔“ (معارف القرآن، ج ۳، ص ۴۰۰)
- سَكِينَةٌ اسم ذات ہے۔ ایسا اطمینان اور سکون جس سے دل کو قرار آجائے اور ہر قسم کی تشویش کا خاتمہ ہو جائے۔ صاحب لغات القرآن فرماتے ہیں: ”سَكِينَةٌ وہ اطمینان، چین، قرار اور سکون ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کے قلب میں اس وقت

نازل فرماتا ہے جب کہ وہ ہولناکیوں کی شدت سے مضطرب (بے قرار) ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد جو کچھ بھی اس پر گزرے وہ اس سے گھبراتا نہیں، یہ اس کے لیے ایمان کی زیادتی، یقین میں قوت اور استقلال کو ضروری کر دیتا ہے، اسی وجہ سے حق سبحانہ نے ”یوم الغار“ اور ”یوم حنین“ جیسے قلق و اضطراب کے مواقع پر اپنے رسول اور مومنین پر اس کے نازل کرنے کی خبر دی ہے۔“ (لغات القرآن، ج ۳، ص ۲۱۹)۔ ﴿هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (48/ الفتح: 4) ”وہی ہے جس نے اتارا سکون مومنوں کے دلوں میں۔“ واضح رہے کہ قرآن مجید میں سَکِينَةً کا لفظ چھ جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس کے معنی اطمینان و سکون ہی کے ہیں۔“ (واللہ اعلم)

اسم ذات ہے۔ چھری۔ چاقو۔ یہ لفظ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ امام راغبؒ لکھتے ہیں: ”اس کا نام سَکِينٌ اس لیے ہوا کہ مذبوح (جس کو ذبح کیا جائے) کی حرکت کو زائل کر دیتی ہے۔ یہ سَکُونٌ سے بروزن فِعْلٌ اسم مشتق ہے۔“ ﴿وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُثَکًّا وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سَکِينًا﴾ (12/ یوسف: 31) ”اور تیار کی اُن کے واسطے ایک مجلس اور دی اُن کو ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

سَکِينٌ

(ک)

سُكُونَةٌ

مَسْكَنَةٌ

اسم ذات ہے۔ محتاجی۔ ﴿وَضَرَبْتَ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةَ وَالْبَسْکِنَةَ﴾ (2/ البقرة: 61) ”اور تھوپ لی گئی ان لوگوں پر ذلت اور محتاجی۔“

ج: مَسَاكِينُ۔ اسم صفت ہے۔ مَنْ لَا شَيْءَ لَهُ۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ محتاج۔ ضرورت مند۔ حدیث مبارک میں بڑی وضاحت کے ساتھ مسکین کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔ اَلَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ وَلَا يُفْطِنُ بِهِ فَيَتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلَا يَقْوَمُ فَيَسْأَلُ النَّاسَ مَسْکِينَ شَخْصٌ وَهُوَ جَوَاتِمٌ بَهِیْ مَالٍ نَّهْیْ رَکْهَاتٍ وَهُوَ اس کی وجہ سے مستغنی ہو اور اس کے ظاہری حالات کی وجہ سے لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ محتاج و ضرورت مند ہے اسے صدقہ دیا جائے نیز لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرنے کے لیے کھڑا بھی نہیں ہوتا۔“ (پوری حدیث کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۲، ص ۲۱۲)۔ ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمَسْکِينَ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 26) ”اور تودے قرابت والوں کو ان کا حق اور ضرورت مند کو۔“ ﴿وَآتِ الْهَالَ عَلَىٰ حَبِّهِ ذَوِی الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْکِينَ﴾ (2/ البقرة: 177) ”اور اس نے دیا مال اس کی محبت کے باوجود قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور ضرورت مندوں کو۔“

مَسْکِينٌ

(1) کسی کو بسانا۔ آباد کرنا۔ ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ﴾ (14/ ابراہیم: 37) ”اے ہمارے رب میں نے آباد کیا اپنی اولاد میں سے، ایسی وادی میں جو بغیر کھیتی والی ہے۔“ (2) کسی کو ٹھہرا دینا۔ ساکن کر دینا۔ ﴿إِنْ يَشَأْ يُسْکِنِ الرِّيحَ فَيَظْلِلْنَ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ ط﴾ (42/ الشوری: 33) ”اگر چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ جہاز سمندر کی سطح پر کھڑے رہ جائیں۔“ (ترجمہ ماجد)

إِسْكَانًا

(افعال)

زَوْجٌ (زوج): البقرة آیت 25 دیکھیں۔ جَنَّةٌ (ج ن ن): البقرة آیت 25 دیکھیں۔

ء ک ل

کسی چیز کو کھانا۔ اس کا استعمال مادی اور معنوی دونوں طرح سے ہوتا ہے۔ ﴿وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ﴾ (12/ یوسف: 17) ”اور ہم نے چھوڑا یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس تو کھا گیا اس کو بھیڑیا۔“ ﴿وَيَا كُفْرًا كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ﴾ (47/ محمد: 12) ”وہ کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں۔“

أَكَلًا

(ن)



کُلْ تشنہ: کُلّا۔ جمع: کُلُّوا۔ واحد مونث: کُلِّی۔ فعل امر ہے۔ تو کھا۔ ﴿فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ﴾ (2/ البقرة: 58) ”تو تم لوگ کھاؤ اس میں سے جہاں سے تم لوگ چاہو۔“

اَكْلٌ ج: اَكْلُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ کھانے والا۔ ﴿تَنْبُتُ بِاللِّهْنِ وَصِنْعٌ لِلْاَكْلِينَ﴾ (23/ المومنون: 20) ”وہ اگاتا ہے تیل اور سالن کھانے والوں کے لیے۔“ ﴿فَالْتَهُمُ لَّاكُلُوْنَ مِنْهَا فَمَا لَكُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ﴾ (37/ الصافات: 66) ”جہنم کے لوگ اسے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔“

مَا كُوْلُ اسم المفعول ہے۔ کھایا ہوا۔ ﴿فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوْلٍ﴾ (105/ الفیل: 5) ”تو اس نے کر دیا ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند۔“

اَكْلٌ اسم المبالغہ ہے۔ بہت کھانے والا۔ ﴿سَمِعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكْثُوْنَ لِلْحَقِّ﴾ (5/ المائدہ: 42) ”بہت زیادہ سننے والے جھوٹ کو، بہت زیادہ کھانے والے حرام کو۔“

اُكْلٌ اسم ذات ہے۔ درختوں اور پودوں کی پیداوار کا وہ حصہ جو انسان کی خوراک بنے۔ پھل، میوہ۔ ﴿اَصَابَهَا وَاِبِلٌ فَاَتَتْ اُكْلَهَا ضَعْفَيْنِ﴾ (2/ البقرة: 265) ”پہنچی اس کو موٹی بوندوں والی بارش تو اس نے دیا اپنا پھل دو گنا۔“

ر غ د

(س) رَعْدًا آسودہ و خوش حال ہونا۔  
رَعْدٌ اسم صفت ہے۔ با فراغت۔ کھلا۔ ”وہ نعمت اور رزق جس کے حاصل کرنے میں کوئی محنت اور مشقت نہ ہو اور وہ اتنی کثیر ہو کہ اس کے ختم ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو۔“ (معارف القرآن) ﴿يَا أَيُّهَا رَعْدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾ (16/ النحل: 112) ”آتا اس کو یعنی بستی کو اس کا رزق با فراغت ہر طرف سے۔“

حَيْثُ حَيْثُ ظرف مکان ہے اور مبنی بر ضمہ ہے۔ معنی ہوتا ہے ”جہاں سے“، ”جس جگہ سے“ وغیرہ۔ زیادہ تر مکان مبہم (غیر واضح جگہ) کے لیے آتا ہے اس لیے کسی جملے سے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ حَيْثُ کے ایک معنی ”اہل“ کے بھی ہیں۔ حضرت مولانا عبدالماجدؒ، سورۃ الانعام کی آیت 124 کا ترجمہ کرتے ہیں: ﴿اللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ ”اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اُس کی رسالت کا اہل ہے“ اور حاشیے میں فرماتے ہیں: ”حَيْثُ یہاں بطور ظرف کے موضع و موقع کے معنی میں نہیں۔ بطور اسم کے اہل کے معنی میں ہے۔“ (نوٹ: ح ی ث مادہ سے کوئی فعل استعمال نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم)

شَيْئًا (ش ی ع): البقرة آیت 20 دیکھیں۔

ق ر ب

(س-ک) قُرْبًا، قُرْبَانًا کسی کے نزدیک جانا (س)۔ کسی کے قریب ہونا (ک)۔ قرب کا استعمال قرآن مجید میں کہیں باعتبار مکان کے ہوا ہے، کہیں باعتبار زمان کے، کہیں باعتبار نسب کے اور کہیں باعتبار درجہ کے ہوا ہے۔ بندہ سے اللہ کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنے فضل و رحمت سے متوجہ ہے۔ قرب کا لفظ بطور کنایہ، ہم بستری کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ثلاثی مجرد سے ماضی معروف اور مضارع معروف کے صیغے استعمال نہیں ہوئے، البتہ مصدر قُرْبًا استعمال ہوا ہے۔ ﴿فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ قُرْبَانًا آلِهَةً﴾ (46/ الاحقاف: 28) ”سو ان کی مدد ان لوگوں نے کیوں نہ کی جنہیں انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھا تھا قرب کے لیے۔“ (ترجمہ ماجدی)  
فَلَا تَقْرَبُ فعل نہی ہے۔ تو قریب مت جا۔ ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا﴾ (2/ البقرة: 187) ”یہ اللہ کی حدود ہیں تو تم لوگ

ان کے نزدیک مت جاؤ۔“ قرآن مجید میں جہاں کہیں لَا تَقْرُبُوا کے الفاظ آئے ہیں وہاں قرب سے قرب مکانی مراد ہے۔ ج: اقْرَبُونَ۔ فعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ قریب۔ زیادہ نزدیک۔ قریب کے رشتے دار۔ ﴿وَلَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ (4/ النساء: 11) ”اور تم لوگ نہیں جانتے کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے تمہارے بلحاظ نفع کے۔“ ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ (4/ النساء: 7) ”مردوں کا بھی حصہ ہے اُس میں جو چھوڑیں ماں باپ اور قرابت والے۔“ (ترجمہ شیخ البند)۔ اس آیت میں اقْرَبُونَ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”لفظ اقْرَبُونَ ہر قسم کی قرابت اور رشتہ داری کو حاوی ہے، خواہ وہ رشتہ باہمی ولادت کا ہو جیسے اولاد اور ماں باپ میں، یا دوسری طرح کا جیسے عام خاندانی رشتوں میں، یا وہ رشتے جو ازدواجی تعلق سے پیدا ہوئے ہیں، لفظ ”اقْرَبُونَ“ سب پر حاوی ہے۔“ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۱۰)

اقْرَبُ

اقْرَبُ کا مونث ہے۔ زیادہ قریب۔ زیادہ نزدیک۔ قرابت والے۔ ﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ (6/ الانعام: 152) ”اور جب بھی تم بولو تو انصاف کرو اگرچہ وہ ہو قرابت والا۔“

قُرْبَىٰ

فَعِيلُ کے وزن پر صفت ہے۔ قریب۔ نزدیک۔ ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ﴾ (2/ البقرة: 186) ”اور جب آپ سے پوچھیں میرے بندے میرے بارے میں تو یقیناً میں نزدیک ہوں۔“ قریب واحد و جمع سب کے لیے آتا ہے، لفظ مذکر ہے لیکن مؤنث غیر حقیقی پر بھی اس کا اطلاق صحیح ہے، جیسے إِنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ۔

قَرِيبٌ

(ل) مصدر میسی ہے۔ قرابت ہونا۔ (ب) اسم ہے۔ قرابت۔ رشتہ دار۔ ﴿يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ﴾ (90/ البلد: 15) ”کسی رشتہ دار یتیم کو۔“

مَقْرَبَةٍ

ج: قُرْبَانٌ۔ اسم ذات ہے۔ قرب حاصل کرنے کا ذریعہ۔ نزدیک ہونے کا ذریعہ۔ ﴿وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبَانًا﴾ (99/ التوبة: 99) ”اور بعض اہل دیہات میں ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو عند اللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یاد رکھو کہ ان کا یہ خرچ کرنا بیشک ان کے لیے موجب قربت ہے۔“ (ترجمہ حسن البیان)

قُرْبَانٌ

مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے لغوی معنی کے لحاظ سے قربان ہر وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے۔ خواہ یہ قرب کسی جانور کو اللہ کی راہ میں ذبح کر کے حاصل کیا جائے یا اس کی راہ میں صدقہ و خیرات کر کے یا اعمال صالح کے ذریعے سے، جیسے ایک حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ قرب الہی حاصل کرنے کے لیے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ (اربعین نووی، حدیث نمبر 38)۔ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے قربان اس ذبیحہ کو کہا جاتا ہے جو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا جائے اور روز بان میں یہی مفہوم عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے لغوی اور اصطلاحی دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِينَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ﴾ (3/ آل عمران: 183) ”بیشک اللہ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم بات نہ مانیں گے کسی رسول کی یہاں تک کہ وہ آئے ہمارے پاس کسی ایسی قربانی کے ساتھ، کھاتی ہو جس کو آگ۔“ ﴿وَآتَىٰ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا﴾ (5/ المائدة: 27) ”آدم کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنا دو، اُن دونوں نے ایک نذرانہ پیش

قُرْبَانٌ

کیا۔“ (ترجمہ حسن البیان) اس آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجد فرماتے ہیں: ”قُرْبَانًا: قربانی یہاں اصطلاحی معنی میں یعنی ذبیحہ کے مرادف نہیں۔ بلکہ لفظی معنی اور وسیع مفہوم میں ہے، نذر و نیاز کے مفہوم میں ہے۔“ قربان کا لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے اور اس کی جمع قُرَابِیْن بھی آتی ہے۔ قرآن مجید میں قربان کا لفظ مصدری معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے جس کی مثال پہلے آچکی ہے۔

(تفعیل) تَقَرَّبَ کسی کو کسی کے نزدیک کرنا۔ پیش کرنا۔ ﴿فَجَاءَ بِعُجْلٍ سَبِينٍ ۝ فَفَرَّقْنَا إِلَيْهِمْ قَالِ الْآ تَأْكُلُونَ ۝﴾ (51/ الذریت: 26-27) ”تو وہ لایا ایک موٹا بچھڑا پھر اس نے قریب کیا اس کو، ان کے یعنی فرشتوں کے، کہا تم لوگ کھاتے کیوں نہیں۔“

ج: مُقَرَّبٌ۔ اسم المفعول ہے۔ قریب کیا ہوا۔ ﴿قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝﴾ (7/ الاعراف: 114) ”اس نے یعنی فرعون نے کہا ہاں اور یقیناً تم لوگ قریب کئے ہوئے لوگوں میں ہو گے۔“

(افتعال) اقْتَرَبَ اقْتَرَبَ قریب ہونا۔ ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ﴾ (21/ الانبیاء: 1) ”قریب ہوا لوگوں کے لئے ان کا حساب۔“ فعل امر ہے۔ تو قریب ہو جا۔ ﴿كَلَّا لَا تُطْعَمُهُ وَاَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝﴾ (96/ العلق: 19) ”خبردار! اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا اور سجدہ کر اور قریب ہو جا۔“

ش ج ر

(ن) شَجَرًا، شُجُورًا باہم مختلف ہونا۔ جھگڑنا۔ اسم ذات ہے۔ (1) تنے والا درخت (کیونکہ درخت کی شاخیں مختلف سمت میں پھیلتی ہیں شاید اسی لیے شجر کہلاتا ہے) (واللہ اعلم)۔ درخت کی جنس کے لیے شَجَرٌ۔ ایک درخت کے لیے شَجَرَةٌ جبکہ جمع اشجار ہے۔ ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا﴾ (36/ یس: 80) ”جس نے بنایا تمہارے لیے سبز درخت سے آگ کو۔“ عربی زبان میں شجر کا لفظ صرف درخت کے لیے نہیں بولا جاتا بلکہ اس کے مفہوم میں پودے، جھاڑیاں، گھاس سب داخل ہیں۔ چنانچہ سورۃ النحل کی آیت 10 میں فرمایا ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسَيِّوْنَ ۝﴾ حضرت مولانا عبدالماجد اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ”وہ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہیں پینے کو ملتا ہے اور اُسی سے سبزہ زار پیدا ہوتے ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو۔“ اور پیر کرم شاہ صاحب ترجمہ کرتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تمہارے لیے اُس میں سے کچھ پینے کے کام آتا ہے اور اُس سے سبزہ اگتا ہے جس میں تم مویشی چراتے ہو۔“ اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد فرماتے ہیں: ”شجر کے عموم میں پودے، درخت، جھاڑیاں، گھاس سب داخل ہیں۔ یہاں مراد چراگا ہیں ہیں۔“ اور پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”یہاں شجر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو زمین سے اُگتی ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ شجر سے مراد یہاں گھاس ہے۔“ اور مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”لفظ شجر اکثر درخت کے لیے بولا جاتا ہے، جو ساق یعنی تنے پر کھڑا ہوتا ہے، اور کبھی مطلق زمین سے اُگنے والی ہر چیز کو بھی شجر کہتے ہیں، گھاس اور بیل وغیرہ بھی اس میں داخل ہوتی ہیں، اس آیت میں یہی معنی مراد ہیں، کیونکہ آگے جانوروں کے چرانے کا ذکر ہے اس کا تعلق زیادہ تر گھاس ہی سے ہے۔“

(2) اختلاف۔ جھگڑا۔ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحِيطُوا بِكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (4/ النساء: 65) ”(پس

نہیں! تیرے رب کی قسم، یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپؐ کو حاکم تسلیم کر لیں اس میں جس میں جھگڑا ہے ان کے مابین۔“

الْظَّالِمِينَ (ظالم): البقرة آیت 17 دیکھیں۔

### ترکیب

و، اِسْتَنْفِیْہ ہے۔ قُلْنَا فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ یَا۔ حرف ندا ہے اور اَدْمُ۔ منادى ہے۔ اُسْکُنْ فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُسْکُنْ کے اندر اَنْتَ کی ضمیر موجود ہے پھر ایک اور اَنْتَ کی ضمیر آگے کیوں آئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُسْکُنْ کی ضمیر فاعلی کی تاکید کے لیے آئی اور اس کے بعد وُ عطف کا ہے اور آگے زوج اسم ہے اور عطف کا قاعدہ یہ ہے کہ اسم کا اسم پر، فعل کا فعل پر اور جملے کا جملے پر عطف ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں زَوْجُکَ کا عطف، فعل اُسْکُنْ پر نہیں ہو سکتا اس لیے اُسْکُنْ کی ضمیر فاعلی کو الگ سے لکھا گیا۔ اس کی اور مثالیں بھی قرآن مجید میں دیکھی جاسکتی ہیں مثلاً المائدہ-24، ابراہیم:8 وغیرہ۔ (اس قاعدے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عربی کا معلم حصہ چہارم، ص: 163 ”المعطوف“)۔ اَلْجَنَّةُ۔ اُسْکُنْ کا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ آگے وُ پھر عطف کا ہے اور کَلَّا فعل امر میں تشنہ کا صیغہ ہے اور کَلَّا اُسْکُنْ پر عطف ہے۔ مِنْهَا میں ’ہا‘ ضمیر اَلْجَنَّةُ کے لیے ہے۔ رَعْدًا۔ صفت ہے محذوف مفعول مطلق کی یعنی وَ کَلَّا مِنْهَا اَكْلًا رَعْدًا۔ حَيْثُ۔ ظرف مکان ہے اور شَتَّتْنَا۔ ماضی میں تشنہ کا صیغہ ہے۔ آگے پھر وُ عطف کا ہے اور لَا تَقْرَبَا۔ فعل نہی ہے اور اس کا عطف ”کَلَّا“ پر ہے۔ هَذِهِ الشَّجَرَةُ مرکب اشاری اور لَا تَقْرَبَا کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ فَتَكُونَا میں ’ف‘ سببیہ ہے اسی لیے تَكُونَا منصوب ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عربی کا معلم حصہ چہارم، ص: 75)۔ تَكُونَا کا اسم اس میں شامل ضمیر اَنْتُمَا ہے۔ خبر محذوف ہے اور مِنَ الظَّالِمِينَ۔ متعلق خبر ہے۔ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ”میرے نزدیک فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ کا ترجمہ اگریوں کیا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا ”پھر ہو جاؤ گے تم نقصان اٹھانے والوں میں سے“۔ ظلم کے معنی نقصان، کمی و کوتاہی کے آتے ہیں۔ جیسا کہ وَلَمْ تَظْلِمُوا مِنْهُ شَيْئًا (کہف) میں۔ (تفسیر عثمانیؒ، الاعراف-19 کے تحت)۔

ترجمہ	وَقُلْنَا	يَا اَدَمُ	اُسْکُنْ	اَنْتَ وَ زَوْجُکَ	اَلْجَنَّةُ
البقرة: 35	اور ہم نے کہا	اے آدمؑ	تم رہو	تم بھی اور تمہاری بیوی بھی	اس جنت میں

و کَلَّا	مِنْهَا	رَعْدًا	حَيْثُ شَتَّتْنَا
اور تم دونوں کھاؤ	اس میں سے	جی بھر کے	جہاں سے تم دونوں چاہو

و لَا تَقْرَبَا	هَذِهِ الشَّجَرَةَ	فَتَكُونَا
اور تم دونوں نزدیک مت جانا	اس درخت کے	ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے

مِنَ الظَّالِمِينَ ۝
نقصان اٹھانے والوں میں سے

نوٹ: 1

سورہ آل عمران کی آیت نمبر-7 میں بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں محکمت بھی ہیں اور مشابہات بھی ہیں۔ اور وہی لوگ مشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں محکم اور متشابہ، دونوں پہلو شامل ہیں۔ محکم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حکم دیا تھا جس کی

پابندی نہیں کی گئی۔ متشابہ بات یہ ہے کہ وہ درخت کس چیز کا تھا۔

قرآن مجید سے راہنمائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ طالب علم اپنی توجہ کو اس بات پر مرکوز کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرنے کا کیا نتیجہ نکلا اور اس سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے۔ اگر طالب علم اس جستجو میں لگے گا کہ وہ درخت کس چیز کا تھا، تو اس کا حاصل کچھ نہیں ہے۔ البتہ اصل سبق سے اس کی توجہ ہٹ جائے گی اور وہ ہدایت سے محروم رہے گا۔ (از لطف الرحمن خان صاحب)

### آیت: 36

﴿فَازَلَّهَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝﴾

ز ل ل

(ض) زَلَّ، زَلَّ لَا بلا ارادہ پھسل جانا۔ لغزش ہو جانا۔ بلا ارادہ گناہ ہو جانا۔ ﴿فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ﴾ (2/ البقرة: 209) ”پھر اگر لغزش ہو جائے تم لوگوں سے اس کے بعد جو آئیں تمہارے پاس روشن دلیلیں۔“ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا﴾ (16/ النحل: 94) ”اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں فریب دینے کا ذریعہ ورنہ (جادہ حق سے) پھسل جائے گا (لوگوں کا) قدم (اس پر) جم جانے کے بعد۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

(افعال) اَزَلَّ لَا کسی کو پھسلا دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔  
(استفعال) اِسْتَزَلَّ لَا کسی کو پھسلانے کا ارادہ کرنا۔ کوشش کرنا۔ ﴿إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا﴾ (3/ آل عمران: 155) ”بیشک بہکادیا ان کو شیطان نے بسبب بعض چیزوں کے جو انہوں نے کمائیں۔“

الشَّيْطَانُ (شطن، ش ی ط): اعوذ باللہ دیکھیں۔  
قُلْنَا (ق ول): البقرة آیت 8 دیکھیں۔  
اُخْرِجْ (خ رج): البقرة آیت 22 دیکھیں۔

ه ب ط

(ض) هَبَّطًا، هَبَّطًا هُبَّطٌ اور هَبَّطٌ کئی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً بلندی سے نیچے اترنا جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾۔ گر پڑنا جیسے فرمایا: ﴿وَإِنَّ مِنْهَا لِمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۖ﴾ (2/ البقرة: 74) ”اور یقیناً ان پتھروں میں وہ بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے۔“ مسافر کا سواری سے کسی منزل پر اترنا جیسے فرمایا: ﴿قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّنْ مَعَكَ ۖ﴾ (11/ هود: 48) ”ارشاد ہوا اے نوح (کشتی سے) اترے امن و سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہیں اور اُن قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ کسی شہر میں داخل ہونا جیسے فرمایا: ﴿اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ فِيهَا مَا سَأَلْتُمْ ۖ﴾ (2/ البقرة: 61) ”اچھا شہر میں جاؤ وہاں تمہاری چاہت کی سب چیزیں ملیں گی۔“ (ترجمہ حسن البیان)۔ اس آیت میں اِهْبِطُوا کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تدریس قرآن فرماتے ہیں: ”هَبَّطٌ کے اصلی معنی گرنے کے ہیں اور استعمال میں یہ کسی مسافر کے کسی منزل میں اترنے کے لیے بھی آتا ہے مثلاً کہیں گے هَبَّطْنَا الْوَادِي (ہم وادی میں داخل ہوئے) یہیں

سے اِهْبِطُوا مِصْرًا کا محاورہ رائج ہوا اور هَبْطُ کا لفظ نزول کے مرادف کی حیثیت سے استعمال ہونے لگا۔ اس استعمال کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ مسافر جب کسی مقام پر قیام کا ارادہ کرتا ہے تو وہاں وہ اپنے مرکب سے اترتا ہے۔“ (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۲۲۵)۔ کسی چیز کو کم کر دینا، گھٹا دینا۔ عربی میں کہتے ہیں هَبَطَ الْمَرْضُ لَحْمَ الْعَلِيلِ بیماری نے اس کے گوشت کو کم کر دیا اور اَلْهَبِطُ کمزور اور لاغراونٹ کو کہتے ہیں۔ یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ هَبْطُ یا هَبَطُ کا لفظ جب انسان یا جن کے لیے بولا جائے تو اس میں حقارت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّغِيرِينَ ۝﴾ (7/ الاعراف: 13) ”حق تعالیٰ نے فرمایا تو آسمان سے اتر تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو آسمان میں رہ کر تکبر کرے سو نکل، بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔“ (ترجمہ احسن البیان)۔

تثنية: اِهْبِطَا۔ ج: اِهْبِطُوا۔ فعل امر ہے۔ تو اُتر۔ اِهْبِطُ کے لیے اوپر الاعراف۔ 13 دیکھیں۔ ﴿قَالَ اِهْبِطَا مِنْهَا جَبِينًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۝﴾ (20/ ط: 123) ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں جہاں سے اتر جاؤ سب کے سب تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہیں۔“ اور اِهْبِطُوا آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔

بَعْضُ (ب ع ض): البقرة آیت 26 دیکھیں۔

ع د و

(ن) عَدُوًّا حد سے تجاوز کرنا۔ ظلم و زیادتی کرنا۔ دشمنی کرنا۔ اگر اس کا تعلق چلنے سے ہو تو مطلب ہوتا ہے دوڑنا کیونکہ دوڑنا، چلنے سے تجاوز ہی ہے۔ ﴿إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ ۝﴾ (7/ الاعراف: 163) ”جب انہوں نے حد سے تجاوز کیا ہفتہ کے دن میں۔“ ﴿فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدْوًا ۝﴾ (10/ یونس: 90) ”تو ان کا پیچھا کیا فرعون نے اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے۔“ ﴿فَيَسْئَلُوكَ اللَّهُ عَذَابًا يُغَيِّرُ عَلَيْهِ ط ۝﴾ (6/ الانعام: 108) ”تو وہ برا کہیں گے اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے کسی علم کے بغیر۔“

لَا تَعْدُ فعل نہی ہے۔ تو حد سے مت بڑھ۔ ﴿وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ ۝﴾ (4/ النساء: 154) ”اور ہم نے کہا ان سے تم لوگ حد سے مت بڑھو ہفتہ کے دن میں۔“

عَادٍ ج: عَادُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ حد سے بڑھنے والا۔ ﴿فَمِنْ اضْطَرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ط ۝﴾ (2/ البقرة: 173) ”پس جو مجبور ہوا، نہ سرکشی کرنے والا نہ حد سے بڑھنے والا، تو کوئی گناہ نہیں اس پر۔“ ﴿فَمِنْ ابْتِغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝﴾ (23/ المؤمنون: 7) ”پس جو چاہے اس سے آگے تو وہ لوگ ہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔“

عَادِيَّةٌ ج: عَادِيَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ بڑی تیزی سے دوڑنے والی۔ قرآن مجید میں اس کی جمع گھوڑوں کی صفت کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔ مثلاً: ﴿وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا ۝﴾ (100/ العاديات: 1) ”قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالتے ہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

عَدُوٌّ اسم صفت ہے۔ دشمن۔ واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع اَعْدَاءُ بھی آتی ہے۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ط إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝﴾ (2/ البقرة: 168) ”اور تم لوگ پیروی مت کرو شیطان کے نقش قدم کی بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“ ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ

عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ﴿٩٨﴾ (البقرة: 98) ”جو شخص اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے۔“ ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ﴾ (41/م السجدة: 19) ”اور جس دن ہائے جانیں گے اللہ کے دشمن آگ کی طرف۔“ واضح رہے کہ یہ لفظ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے (جیسے اوپر البقرة: 98) اور بندے کے لیے بھی۔ بندے کی دشمنی اللہ سے یہ ہے کہ اللہ کے احکامات کی نافرمانی کرے اور اس کے رسولوں، فرشتوں اور اولیاء اللہ سے دشمنی رکھے اور اللہ کی دشمنی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ایسے شخص کو اس کے گناہ پر سزا دے گا اور اس کی مغفرت نہیں کرے گا۔ عَدُوٌّ کی قسمیں بھی دو ہیں۔ ایک دشمنی وہ ہے جو کوئی قصد اور ارادہ کے ساتھ کسی سے رکھے جیسے فرمایا ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ (الانعام: 112) یا فرمایا ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسٰنِ عَدُوًّا مُّبِينًا﴾ (بنی اسرائیل: 53) اور دوسری دشمنی وہ ہے کہ جس میں قصد و ارادہ کا دخل تو نہ ہو لیکن اس دشمنی کی حالت ایسی ہو کہ جس کی وجہ سے کسی شخص کو ویسی ہی تکلیف پہنچے جیسی کہ دشمنوں سے پہنچتی ہے مثلاً فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اٰذْوَاٰجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاَحْذَرُوْهُمْ﴾ (التغابن: 14) بعض بیویوں اور اولاد کو جو دشمن قرار دیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ اور اس کے احکامات کو بھلا دیتا ہے جس کا آخری انجام نقصان اور خسارے کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ جواہل و عیال اتنے بڑے نقصان کا سبب بنیں وہ حقیقتاً دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

عَدَاوَةٌ اسم ذات ہے۔ دشمنی۔ اس کا تعلق دل کی کیفیت سے ہے۔ یعنی باہمی آہنگی نہ ہونا۔ ﴿وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ (5/ المائدہ: 64) ”اور ہم نے ڈال دی ان کے مابین دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک کے لیے۔“

عُدُوَانٌ اسم ذات ہے۔ زیادتی۔ ظلم۔ عُدُوَانٌ وہ ظلم ہے جو عدل نہ کرنے سے ہوتا ہے۔ ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْاِثْمِ وَ الْعُدُوَانِ﴾ (5/ المائدہ: 2) ”اور تم لوگ تعاون مت کرو گناہ اور زیادتی پر۔“

عُدُوَّةٌ اسم ذات ہے۔ کسی چیز کی حد۔ کنارہ۔ ﴿اِذْ اَنْتُمْ بِاَلْعُدُوَّةِ الدُّنْيَا﴾ (8/ الانفال: 42) ”جب تم لوگ تجھے نزدیکی کنارے پر۔“

(مفاعله) مُعَادَاةٌ اور عِدَاءٌ باہم جھگڑا کرنا۔ کسی سے دشمنی رکھنا۔ ﴿عَسٰى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَّوَدَّةً﴾ (60/ الممتحنة: 7) ”قريب ہے کہ اللہ پیدا کر دے تمہارے مابین اور ان کے مابین جن سے تمہارا جھگڑا ہے، ان میں سے کچھ کے، محبت۔“

(تفعّل) تَعَدَّى کوشش کر کے تجاوز کرنا۔ جانتے بوجھے تجاوز کرنا۔

يَتَعَدَّى مضارع مجزوم ہے۔ ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ كَاٰبِدِيْنَ خَلْدًا﴾ (4/ النساء: 14) ”اور جس نے نافرمانی کی اللہ اور اس کے رسول کی اور تجاوز کیا اس کی حدود سے تو وہ داخل کرے گا اس کو آگ میں۔“

(افتعال) اِعْتَدَاً اہتمام سے تجاوز کرنا۔ زیادتی کرنا۔ ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اَعْتَدُوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ﴾ (2/ البقرة: 65) ”اور تم لوگ جان چکے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے تجاوز کیا تم میں سے ہفتہ کے دن میں۔“ ﴿فَمِنْ اَعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَكَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (2/ البقرة: 178) ”پس جو زیادتی کرے اس کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

اِعْتَدٍ فعل امر ہے۔ تو زیادتی کر۔ ﴿فَمِنْ اَعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاَعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ (2/ البقرة: 194) ”پس جس نے زیادتی کی تم لوگوں پر تو تم لوگ زیادتی کرو اس پر، اس کی مانند جو اس نے زیادتی کی تم پر۔“

ج: مُعْتَدُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ حد سے بڑھنے والا۔ زیادتی کرنے والا۔ ﴿مُتَكَاثِرٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ﴾ (50/25) ”جو نیک کام سے روکنے والا، حد سے گزرنے والا اور شک کرنے والا تھا۔“ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (2/البقرة: 190) ”بیشک اللہ پسند نہیں کرتا زیادتی کرنے والوں کو۔“

الْأَرْضُ (عرض): البقرة آیت 11 دیکھیں۔

ق ر ر

(ض۔س) (ل) قَرَّ اور قُرُورًا کسی چیز کا ٹھنڈا ہو کر جم جانا۔ ٹھنڈا ہونا۔ ٹھنڈا رکھنا (لازم و متعدی) ﴿فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا﴾ (20/طہ: 40) ”تو ہم نے لوٹایا آپ کو (یعنی موسیٰ کو) آپ کی والدہ کی طرف تاکہ ٹھنڈی ہو اس کی آنکھ۔“

ٹھہرنا۔ ﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ﴾ (23/مؤمنون: 50) ”اور ہم نے ابن مریم اور اُن کی والدہ کو ایک بڑا نشان بنایا اور ہم نے اُن دونوں کو بلند زمین پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب تھی۔“ (ترجمہ ماجدئ)

فعل امر ہے۔ تو ٹھنڈا رہ۔ ٹھنڈا رکھ۔ تو ٹھہر۔ ﴿فَكُنِي وَاشْرَبِي وَكُنِي عَيْنًا﴾ (19/مریم: 26) ”پس تو کھا اور تو پی اور تو ٹھنڈی رکھ آنکھ۔“ (قُنِي، واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے)۔ ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ (33/الاحزاب: 33) ”اور تم ٹھہری رہو اپنے گھروں میں۔“ (قَرْنَ، جمع مؤنث حاضر کا صیغہ ہے)۔

قَرَّ (1) اسم ذات بھی ہے۔ مطلب ہے ٹھہراؤ۔ ﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ﴾ (14/ابراہیم: 26) ”اور مثال گندی بات کی جیسے درخت گندہ اکھاڑ لیا اُس کو زمین کے اوپر سے کچھ نہیں اُس کو ٹھہراؤ۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

(2) اسم ظرف ہے۔ مطلب ہے ٹھہرنے کی جگہ۔ ٹھکانہ۔ مقام۔ ﴿ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ﴾ (23/المؤمنین: 13) ”پھر ہم نے اُسے نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔ ﴿جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾ (14/ابراہیم: 29) ”جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔“

قَرَّةٌ اسم ذات ہے۔ ٹھنڈک۔ ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ (25/الفرقان: 74) ”اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔ ﴿وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرْتُ عَيْنِي لِئَ وَ لَكَ ط﴾ (28/القصص: 9) ”اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔“ یہاں اس آیت مبارکہ میں قُرَّةٌ کو لمبی نیت کے ساتھ لکھا گیا ہے (واللہ اعلم)۔

ج: قَوَارِيرٌ۔ شیشہ۔ ﴿قَوَارِيرًا مِنْ فُصَّةٍ﴾ (76/الدھر: 16) ”چاندی کے شیشے۔“ چاندی کے قواریر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ چاندی کی طرح سفیدی اور شیشے کی طرح صفائی ان برتنوں میں ہوگی۔

(افعال) اِقْرَارًا (1) کسی کو ٹھہرانا۔ (2) کسی بات کا اقرار کرنا۔ ﴿وَنُقَرِّ فِي الْأَحْكَامِ مَا نَشَاءُ﴾ (22/الحج: 5) ”اور ہم ٹھہراتے ہیں رمحوں میں جو ہم چاہتے ہیں۔“ ﴿قَالُوا أَفَرَدْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوا﴾ (3/آل عمران: 81) ”ان لوگوں نے کہا ہم نے اقرار کیا، اس نے کہا تو تم لوگ گواہ رہو۔“

تھہرے رہنا۔ قرار پکڑنا۔ ﴿وَلَكِنْ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنَّ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَاهُ﴾ (7/الاعراف: 143)



”لیکن تو دیکھ پہاڑ کی طرف پس اگر وہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تب تو دیکھے گا مجھ کو۔“

اسم الفاعل ہے۔ قرار پڑنے والا۔ ٹھہرنے والا۔ ﴿وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُسْتَقَرٌّ﴾ (54/ البقرة: 38) اور ان پر صبح تڑکے آچکا ہے ٹھہرنے والا عذاب۔“

مُسْتَقَرٌّ

اسم المفعول ہے جو ظرف کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ٹھہرنے کی جگہ۔ ٹھکانہ۔ مقررہ وقت۔ ﴿إِلَىٰ رِبِّكَ يَوْمَئِذٍ يُسْتَقَرُّ ۖ﴾ (75/ القیہ: 12) ”تیرے رب کی طرف اس دن ٹھہرنے کی جگہ ہے۔“ ﴿لِكُلِّ نَبِيٍّ مُّسْتَقَرٌّ ۖ وَسَوْفَ يُعْلَمُونَ﴾ (6/ الانعام: 67) ”ہر خبر کے وقوع کا ایک وقت معین ہے اور تمہیں معلوم ہی ہو کر رہے گا۔“ (ترجمہ ماحدی)۔ اس آیت میں مُسْتَقَرٌّ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں: ”مُسْتَقَرٌّ کے لفظی معنی تو ہیں جائے وقوع واستقرار کے لیکن یہاں مراد وقت وقوع واستقرار ہے، بعض نے دونوں معنی جائز رکھے ہیں۔“

مُسْتَقَرٌّ

م ت ع

کسی چیز کا بڑھنا۔ بلند ہونا۔

مُتَوَّعًا

(ف)

ج: اَمْتِنَعَةُ۔ سامانِ زندگی میں سے ہر وہ چیز مَتَاعٌ کہلاتی ہے جس سے انسان یا کوئی جاندار اپنے زندہ رہنے کے لیے فائدہ اٹھائے۔ ہر وہ چیز جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور پھر وہ فنا ہو جائے۔ عارضی سامان۔ ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۖ﴾ (4/ النساء: 77) ”آپؐ کہہ دیجیے کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے۔“ ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا كُفِّرُوا كُوفًا ۖ﴾ (4/ النساء: 102) ”چاہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ اگر تم لوگ غافل ہو اپنے ہتھیاروں سے اور اپنے سامان سے۔“

مَتَاعٌ

لمبا کرنا یا بلند کرنا۔ کسی دوسرے کو ایسا سامان دنیا دینا جس سے وہ فائدہ اٹھا سکے۔ فائدہ پہنچانا۔ ﴿وَلَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا آلَ اللَّهِ﴾ (25/ الفرقان: 18) ”اور لیکن تو نے عرصہ دراز تک فائدہ اٹھانے دیا ان کو اور ان کے باپ دادا کو یہاں تک کہ وہ لوگ بھول گئے یاد دہانی کو۔“

تَمَتُّعًا

(تفعیل)

ج: مَتَّعُوا۔ فعل امر ہے۔ تو فائدہ اٹھانے دے۔ تو برتنے کی چیز دے۔ ﴿وَمَتَّعُوهُمْ ۖ عَلَىٰ الْمُوسِيعَ قَدَرًا ۖ وَعَلَىٰ الْبَقْتَرِ قَدَرًا ۖ﴾ (2/ البقرة: 236) ”اور برتنے کا سامان دواں عورتوں کو وسعت والے پر ہے اس کی قدرت کے مطابق اور تنگدست پر ہے اس کی قدرت کے مطابق۔“

مَتَّعٌ

کوشش کر کے کسی چیز سے فائدہ اٹھانا۔ ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ ۖ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ﴾ (47/ محمد: 12) ”اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے کھاتے ہیں چوپائے۔“ (حج کے ایک ہی سفر میں پہلے عمرے کا احرام باندھ کر عمرہ کر لیا جائے پھر مکہ مکرمہ سے ہی حج کا احرام باندھ کر حج کیا جائے تو اسے (ڈبل فائدہ اٹھانے کی وجہ سے) ”حج تمتع“ کہتے ہیں)۔

تَمَتُّعًا

(تفعل)

ج: تَمَتَّعُوا۔ فعل امر ہے۔ تو فائدہ اٹھا۔ ﴿فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ﴾ (11/ هود: 65) ”تو انہوں نے کہا تم لوگ فائدہ اٹھا لو اپنے گھر میں تین دن۔“ قرآن مجید میں جہاں کہیں تَمَتَّعٌ اور تَمَتَّعُوا (فعل امر) کے صیغے آئے ہیں تو اس سے دنیا سے فائدہ اٹھانے کو کہا گیا ہے اور بطور ڈانٹ کے کہا گیا ہے۔ یعنی تمہیں ڈھیل دی جا رہی ہے برت لو جو برتنا ہے۔ (لغات القرآن - تلخیصاً)

تَمَتَّعٌ

کسی چیز سے فائدہ اٹھانا۔ ”کسی شخص یا مال سے کوئی فائدہ حاصل کیا جائے تو اس کو استمتاع کہتے ہیں عربی قواعد کی

اِسْتِمْتَاعًا

(استفعال)

رو سے کسی کلمہ کے مادے میں 'س' اور 'ت' کا اضافہ کر دینے سے طلب و حصول کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔“ (معارف القرآن، ج ۲، ص: ۳۶۱) ﴿اَذْهَبْتُمْ طِبَابَتَكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾ (46/ الاحقاف: 20) ”تم لوگ لے گئے اپنی پاکیزہ چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں اور تم لوگوں نے فائدہ اٹھایا اس سے۔“

ح ی ن

(ض)

حِينَ

کسی چیز کا وقت قریب آنا۔

حِينَ

طرف زمان ہے۔ وقت۔ حِينَ کہتے ہیں طویل اور لامحدود زمانے کا ایک محدود حصہ یعنی وہ خاص وقت جو اس طویل زمانے کے اندر کبھی پیش آیا ہو۔ اس طویل اور لامحدود زمانے کو قرآن میں الذہر کہا گیا ہے۔ حِينَ طرف مبہم ہے یعنی اس میں غیر معین وقت کا مفہوم ہے۔ اگر کسی معین وقت کا ذکر ہو تو اس کے بعد مضاف الیہ یا کوئی فعل لاتے ہیں۔ ﴿وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ﴾ (10/ یونس: 98) ”اور ہم نے برتنے دیا ان کو ایک وقت تک یعنی کچھ عرصہ تک۔“ (غیر معین) ﴿وَالضُّبُرِينَ فِي الْإِنْسَاءِ وَالصَّوَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ط﴾ (2/ البقرة: 177) ”اور ڈٹے رہنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت۔“ (معین وقت) ﴿وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ﴾ (25/ الفرقان: 42) ”اور وہ لوگ جلد ہی جان لیں گے جس وقت وہ لوگ دیکھیں گے عذاب کو۔“ (معین وقت)۔

حِينَ کے بعد اذ کا اضافہ کر کے حِينَ بندا یا جاتا ہے۔ اور یہ کسی معین وقت کی طرف اشارہ کے لیے آتا ہے۔ بمعنی ”اس وقت۔“ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأَنْتُمْ حِينَ تَنْظُرُونَ﴾ (56/ الواقعة: 84) ”اور تم اس وقت (مرنے والے کی حالت کو) دیکھ رہے ہوتے ہو۔“

ترکیب

اَزَلَّ فعل۔ ہما اس کا مفعول اور الشَّيْطَانُ اس کا فاعل ہے۔ ہما کی ضمیر مفعولی، حضرت آدم اور بی بی حوا کے لیے ہے۔ عَنْهَا متعلق فعل ہے۔ عَنْ یہاں پر سببیہ ہے اور ہا، ضمیر گزشتہ آیت میں لفظ الشَّجَرَةَ کے لیے ہے۔ مطلب ہے ”اس درخت کے باعث“ یا ”اس درخت کی وجہ سے“ شیطان نے حضرت آدم اور حوا کو پھسلا دیا۔ آگے اَخْرَجَ کا فاعل اس میں شامل ہو کی ضمیر ہے جو الشَّيْطَانُ کے لیے ہے اور ہما اس کا مفعول ہے۔ مِمَّا۔ مِنْ اور مَّا کا مرکب ہے۔ گنا بھی تشبیہ کا صیغہ ہے اور مراد حضرت آدم اور حوا ہیں۔ فِيْہِ متعلق فعل ہے۔ فِيْہِ میں ’ہ‘ ضمیر، الْجَنَّةُ کے لیے نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے مؤنث ضمیر ’ہا‘ آتی۔ چنانچہ اس سے ’عزت و راحت‘ مراد لی گئی ہے۔ حضرت شیخ الہند ترجمہ کرتے ہیں ”پھر نکالا ان کو اس عزت و راحت سے کہ جس میں تھے۔“ قُلْنَا ماضی کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اِهْبِطُوا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے جو کہ حضرت آدم، بی بی حوا اور شیطان کے لیے ہے۔ گویا اِهْبِطُوا کے حکم میں یہ سب شامل تھے۔ اگلے جملہ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ، اِهْبِطُوا کی ضمیر فاعلی کا حال ہے یعنی ”تم سارے اتر جاؤ اس حال میں کہ تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہیں۔“ بَعْضُكُمْ مبتدا ہے، عَدُوٌّ خبر اور لِبَعْضٍ متعلق خبر ہے۔ آگے مُسْتَقَرٌّ اور مَتَاعٌ مبتدا مؤخر ہیں۔ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ قائم مقام خبر مقدم اور اِلٰی حِينَ متعلق خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ	فَاذْلَحْنَاهَا	الشَّيْطَانُ	عَنْهَا	فَاَخْرَجْنَاهَا
البقرة: 36	پھر پھسلا دیا ان دونوں کو	شیطان نے	اس (درخت کی وجہ) سے	پھر اس نے نکالا ان دونوں کو

مِمَّا كَانَ فِيْہِ	وَقُلْنَا	اِهْبِطُوا	بَعْضُكُمْ
اس میں سے جس (عزت و راحت) میں وہ دونوں تھے	اور ہم نے کہا	تم لوگ اترو	(اس حال میں کہ) تم میں سے بعض

لِبَعْضٍ	عَدُوٌّ	وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ	مُسْتَقَرٌّ
بعض کے	دشمن ہیں	اور تمہارے لیے زمین میں ہے	ایک ٹھہرنے کی جگہ
وَمَتَاعٌ	إِلَىٰ حِينٍ ۝۳۱	ایک عرصہ کے لیے	اور فائدہ اٹھانے کا کچھ سامان

**نوٹ: 1** ایک اہم بات یہ نوٹ کر لیں کہ فَأَزَلَّهُمَا میں ضمیر مفعولی ہُما تنہیہ کے صیغے میں آئی ہے۔ اس سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ لغزش میں حضرت آدمؑ اور بی بی حواؑ دونوں شامل تھے۔ اس لیے یہ عام خیال غلط ہے کہ بی بی حواؑ نے حضرت آدمؑ کو جنت سے نکلوا یا تھا۔ اس کی مزید تصدیق آگے فَأَخْرَجَهُمَا کے الفاظ سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جنت سے نکلوانے کا ذمہ دار شیطان کو قرار دیا ہے۔ اس کی ذمہ دار اگر بی بی حواؑ ہوتیں تو أَخْرَجَ کے بجائے أَخْرَجَتْ کا صیغہ آتا اور ضمیر مفعولی واحد مذکر آتی۔ (أَخْرَجْتُهُ)۔ شیطان نے اُس درخت کی وجہ سے حضرت آدمؑ اور حضرت بی بی حواؑ کو کیسے بہکا یا اس کی تفصیل سورہ طہ آیت 120 میں ہے۔

**نوٹ: 2** انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں البتہ ان سے نسیان (بھول)، اجتہادی غلطی وغیرہ کا صُدور ہو سکتا ہے جو کہ عصمت کے خلاف نہیں۔ حضرت آدمؑ سے شجرہ ممنوعہ کھا لینے میں نسیان ہی ہوا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝۱۵﴾ (طہ: 115) ”سو وہ بھول گئے اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) ان کا کوئی قصد۔“

### آیت: 37

﴿فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝۳۷﴾

تَلَقَّىٰ (ل ق ی): البقرة آیت 14 دیکھیں۔ آدَمُ (ع د م): البقرة آیت 31 دیکھیں۔ رَبُّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ک

ل

م

(ض۔ن) کَلِمَاتٍ زخم لگانا۔ ک ل م ان مادوں میں سے ہے جن کا مفہوم ثلاثی مزید فیہ میں جا کر بالکل تبدیل ہو جاتا ہے۔  
(تفعیل) تَكَلَّمَ کسی سے بات چیت کرنا۔ گفتگو کرنا۔ ﴿قَالَ أَيَّتُكَ الْإِنْسَانُ ثَلَاثَةً أَيَّامٍ﴾ (آل عمران: 41) ”اس نے یعنی اللہ نے کہا آپؑ کی نشانی ہے کہ آپؑ بات نہیں کریں گے لوگوں سے تین دن۔“ ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۝﴾ (النساء: 164) ”اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے اس طرح گفتگو کی جس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔“  
(تفعّل) تَكَلَّمَ بولنا۔ کہنا۔ ﴿لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ﴾ (النبا: 38) ”وہ لوگ نہیں بولیں گے مگر وہ جس کو اجازت دی اللہ نے۔“

ج: كَلِمَاتٍ اور كَلِمٌ۔ اسم ذات ہے۔ كَلِمَةٌ کا لغوی معنی ”بامعنی بات“ ہے جس کا ادراک سماعت سے ہو سکے اور اس کا مفہوم بھی سمجھ میں آ سکے۔ اس کا اطلاق منظم و مرتب الفاظ اور ان کے معانی دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے جیسے كَلِمَةُ التَّوْحِيدِ (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُولُ اللَّهُ)، كَلِمَةُ التَّقْوَىٰ (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) اور بامعنی کلام کے ہر جز پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے خواہ وہ اسم ہو، فعل ہو یا حرف ہو۔ چنانچہ عربی زبان میں کسی بات، خطبہ، شعر اور پورے

قصیدے کے لیے اس کا استعمال جائز ہے اور قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کو بھی کلمۃ اللہ کہا گیا ہے کیونکہ وہ کلمہ کُن سے پیدا ہوئے تھے۔ کلمہ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی عجائبات قدرت، توانیں فطرت اور اللہ تعالیٰ کے تخلیقی کارنامے مراد ہوتے ہیں۔ (تفہیم القرآن) چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَكَلِمَتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَتِ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا﴾ (18/ البقرة: 109) ”کہہ دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لکھنے کے لیے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے رب کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور اُس کی مدد کو لائیں۔“ جب کلمہ کی نسبت اللہ تعالیٰ سے انسان کی طرف ہو تو اس سے مراد احکام الہیہ اور فرامین الہیہ ہوتے ہیں۔ ﴿أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنْفِقُ مِنْ فِي النَّارِ﴾ (39/ الزمر: 19) ”بھلا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے تو کیا آپ اُسے جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں۔“ ﴿إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا﴾ (23/ المؤمنون: 100) ”یہ تو بس ایک بات ہے، وہ اس کا کہنے والا ہے۔“ ﴿وَيُحَقِّقُ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ﴾ (10/ یونس: 82) ”اور سچ کرتا ہے اللہ حق کو اپنے فرمانوں سے اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ۔“ ﴿يُخَوِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ (5/ المائدہ: 13) ”وہ لوگ پھیرتے ہیں الفاظ کو ان کے اصل مقام سے۔“

کلام

اسم ذات ہے۔ منظم، مرتب اور مکمل بات۔ کلام۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ کلام ہر ایسی مفید بات کو کہتے ہیں جو مخاطب کی سمجھ میں آنے والی ہو۔ اور بعض بزرگوں کا قول ہے کہ کلام ایسی صفت ہے جس سے کوئی زندہ اپنے مافی الضمیر (جو کچھ اُس کے دل میں ہے) کو زبانی الفاظ، تحریر یا اشارات کے ذریعے دوسرے کو سمجھا سکے۔ ﴿يُؤَيِّدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ﴾ (48/ الفتح: 15) ”وہ لوگ چاہتے ہیں کہ تبدیل کر دیں اللہ کے کلام کو۔“

ت و ب

(ن) تَوْبًا، تَوْبَةً اور مَتَابًا رجوع کرنا۔ پلٹنا۔ واپس ہونا۔ (۱) گناہ کے بعد بندے کا اپنی غلطی پر شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف پلٹنا۔ توبہ کرنا۔ (۲) اللہ کا پلٹنا بندے پر اپنی شفقت اور رحمت کے ساتھ۔ توبہ قبول کرنا۔ توبہ کرنے کے مفہوم میں فعل کے ساتھ کبھی اِلیٰ کا صلہ آتا ہے اور کبھی صلہ کے بغیر آتا ہے۔ اس وقت دراصل اِلیٰ اللہ کے الفاظ محذوف ہوتے ہیں۔ جبکہ توبہ قبول کرنے کے مفہوم میں فعل کے ساتھ علیٰ کا صلہ آتا ہے۔ ﴿أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ﴾ (5/ المائدہ: 74) ”تو وہ لوگ کیوں نہیں پلٹتے اللہ کی طرف یعنی کیوں توبہ نہیں کرتے اور مغفرت طلب کرتے اس سے۔“ ﴿أَنْتَ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ﴾ (6/ الانعام: 54) ”بیشک وہ جس نے عمل کیا تم میں سے کسی برائی کا پھر وہ پلٹا یعنی اس نے توبہ کی اس کے بعد۔“ ﴿لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ﴾ (33/ الاحزاب: 24) ”تا کہ اللہ جزا دے سچوں کو ان کی سچائی کے سبب سے اور تا کہ وہ عذاب دے منافقوں کو اگر وہ چاہے، یا وہ ان کی توبہ قبول کرے۔“ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا﴾ (66/ الاحزیم: 8) ”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔“ ﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا﴾ (25/ الفرقان: 71) ”اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے تو اُس نے رجوع کیا اللہ تعالیٰ کی طرف جیسے رجوع کا حق ہے۔“

تُب

ج: تَوْبُوا۔ فعل امر ہے۔ تو توبہ کر یا توبہ قبول کر۔ ﴿وَأَرْسَلْنَاكَ وَأَتْبَعْنَاكَ﴾ (2/ البقرة: 128) ”اور تو سمجھا دے ہم کو ہمارے عبادت کے طریقے اور تو ہماری توبہ قبول فرما۔“ ﴿وَلْيَقُومُوا اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تَوْبُوا إِلَيْهِ﴾

(11/ ہود: 52) ”اور اے میری قوم تم لوگ مغفرت طلب کرو اپنے رب کی پھر تم لوگ توبہ کرو۔“

ج: تَائِبُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر کا صیغہ۔ توبہ کرنے والا یا توبہ قبول کرنے والا۔ ﴿التَّائِبُونَ الْعِبَادُونَ﴾  
 تَائِبٌ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوا۔

ج: تَائِبَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث کا صیغہ۔ توبہ کرنے والی۔ ﴿مُسْلِمَاتٌ مُّؤْمِنَاتٌ قَانِتَاتٌ تَائِبَاتٌ﴾  
 (66/ التحریم: 5) ”جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، اللہ کے حضور جھکنے والیاں، توبہ کرنے والیاں۔“

ج: تَوَّابُونَ۔ فَعَالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ اور بار بار توبہ کرنے والا یا توبہ قبول کرنے والا۔ ﴿وَإِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ﴾  
 ﴿هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ (9/ التوبة: 104) ”اور یہ کہ اللہ ہی بار بار توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔“ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُجِبُّ التَّوَّابِينَ﴾ (2/ البقرة: 222) ”یقیناً اللہ پسند کرتا ہے بار بار توبہ کرنے والوں کو۔“ تَوَّابٌ کا لفظ اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”لفظ تَوَّابٌ بندہ کے لیے بھی بولا جاتا ہے جیسے ﴿إِنَّ اللَّهَ يُجِبُّ التَّوَّابِينَ﴾ (2/ البقرة: 222) ”اور اللہ تعالیٰ کے لیے بھی جیسے اس آیت میں ﴿إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ﴾ (2/ البقرة: 37) ”جب بندے کے لیے استعمال ہوتا ہے تو معنی ہوتے ہیں گناہ سے اطاعت کی طرف رجوع کرنے والا، اور جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے تو معنی ہوتے ہیں توبہ قبول کرنے والا، یہ صرف لفظ تَوَّابٌ کا حکم ہے اسی معنی کا دوسرا لفظ تَائِبٌ ہے، اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں، اگرچہ لغوی معنی کے اعتبار سے وہ بھی غلط نہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی شان میں صرف وہی صفات اور القاب استعمال کرنا جائز ہیں جن کا ذکر قرآن و سنت میں وارد ہے، باقی دوسرے الفاظ اگرچہ معنی کے اعتبار سے صحیح ہوں مگر اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا استعمال درست نہیں۔“ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۲۰۱)۔

تَوْبَةٌ اور تَوَّابٌ اسم ذات ہیں۔ توبہ۔ ﴿أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ﴾ (9/ التوبة: 104) ”کیا وہ لوگ جانتے نہیں کہ اللہ ہی قبول کرتا ہے توبہ کو اپنے بندوں سے۔“ ﴿غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ﴾ (40/ المؤمن: 3) ”گناہ کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے۔“

توبہ جب بندے کی طرف سے ہو تو وہ چار چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ (ا) اپنے کیے ہوئے گناہ کو گناہ سمجھنا اور اُس پر ندامت ہونا۔ (ب) اس گناہ کو بالکل چھوڑ دینا۔ (ج) آئندہ کے لیے دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا۔ یعنی گزشتہ پر ندامت اور اعتراف جرم، حال میں اُس کا ترک کرنا اور مستقبل میں نہ کرنے کا ارادہ کرنا اور چوتھی شرط یہ ہے کہ (د) اگر معاملہ حقوق العباد کا ہو تو جس کا حق مارا ہو اس کا حق واپس کرنا یا اس سے معافی مانگنا اور اگر معاملہ حقوق اللہ کا ہے تو جو فرائض فوت ہو چکے ہوں اور اگر ان کی قضا ہے، تو قضا ادا کرنا۔ یہ چار چیزیں کسی توبہ میں ہوں، تب وہ حقیقتاً توبہ ہے۔

الرَّحِيمُ (رحم): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

### ترکیب

فَتَكَلَّمْنِي فعل ماضی، اَدَمُّ فاعل، مِنْ رَبِّهِ متعلق فعل اور كَلِمَتِي مفعول ہے۔ تَكَاب کے ساتھ عَلٰی کا صلہ آیا ہے چنانچہ اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ حضرت آدمؑ پر متوجہ ہوا یا دوسرے الفاظ میں ان کی توبہ قبول کی۔ عَلَیْہِ میں ’ہ‘ ضمیر حضرت آدمؑ کے لیے اور تَكَاب کی ضمیر فاعلی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ إِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے، اس لیے إِنَّہ میں إِنَّ کے بعد ضمیر مرفوعہ هُوَ کے بجائے ضمیر منصوبہ ہُ آئی ہے۔ هُوَ ضمیر فاعل ہے، کیونکہ تَوَّابٌ اور رَحِيمٌ خبریں معرّف باللام ہیں اور اس سے حصر کا مفہوم بھی پیدا ہوا ہے۔

ترجمہ	فَتَلَقَّى	أَدَمُ	مِنْ رَبِّهِ	كَلِمَاتٍ	فَتَابَ عَلَيْهِ ط
البقرة: 37	توسیکھ لیے	حضرت آدمؑ نے	اپنے رب سے	کچھ الفاظ	تو اس (اللہ تعالیٰ) نے توبہ قبول کی ان (آدمؑ) کی
إِنَّكَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٣٨﴾					
یقیناً وہ ہی بار بار توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے					

**نوٹ: 1** دیکھیے یہاں تَلَقَّى کی جگہ عَلَّمَ کا لفظ بھی آسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ان کلمات کا علم سکھا دیا اور تَعَلَّمَ بھی آسکتا تھا کہ حضرت آدمؑ نے خود کوشش کر کے کلمات سیکھ لیے۔ لیکن یہاں تَلَقَّى آیا ہے جو فصاحت اور بلاغت کی انتہا ہے اور اس ایک لفظ نے حضرت آدمؑ کی کیفیت کو واضح کر دیا ہے۔ یعنی وہ جنت سے نکالے جانے کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کی وجہ سے بہت بے قرار تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو کلمات سکھائے تو انہوں نے ان کا بھرپور طریقے سے استقبال کیا۔ مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”تَلَقَّى کے معنی ہیں شوق اور رغبت کے ساتھ کسی کا استقبال کرنا اور اس کو قبول کرنا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب اُن کو توبہ کے کلمات کی تلقین کی گئی تو آدمؑ نے اہتمام کے ساتھ اُن کو قبول کیا۔“ (معارف القرآن، ج 1، ص 199)۔ یہ کلمات سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 23 میں بیان ہوئے ہیں۔ ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ۳۸۔ اس آیت مبارکہ سے عیسائیوں کے عقیدے (Original Sin) کی بھی نفی ہوگئی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ان کلمات کو اپنی دعا میں اپناؤ جن کے ذریعے تمہارے باپ آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔ (واللہ اعلم)۔

### آیت: 38

﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنِ تَّبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ۳۸ ﴿﴾

﴿قُلْنَا﴾ (ق ول): البقرة آیت 8 دیکھیں۔ اِهْبِطُوا (ھب ط): البقرة آیت 36 دیکھیں۔ جَمِيعًا (ج م ع): البقرة آیت 29 دیکھیں۔

﴿إِمَّا﴾

(1) بطور حرف تفصیل: جیسے فرمایا: ﴿إِنَّا هَدَيْنَا السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾ ۳۷ (76/ الدھر: 3) ”ہم ہی نے اس کو راستہ بتایا (پھر) یا تو وہ شکر گزار ہوا اور یا کافر ہو گیا۔“ (ترجمہ ماجد) ”ہم نے اس کو سبھائی راہ یا حق مانتا ہے اور یا ناشکری کرتا ہے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

(2) شک و ابہام کے موقع پر جیسے: جَاءَ إِمَّا زَيْدٌ وَإِمَّا خَالِدٌ۔ یا تو زید آیا ہے یا خالد گویا یہ معلوم نہیں کہ دونوں میں سے کون آیا ہے۔

(3) اِبَاحَتْ (جائز قرار دینا) اور تَخْيِير (اختیار دینا) کے معنی بھی دیتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿قَالُوا يَمُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ﴾ ۱۱۵ ﴿﴾ (7/ الاعراف: 115) ”وہ (جادوگر) بولے اے موسیٰ یا تو آپ پہلے ڈالے یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے ہوں۔“ یہاں اس آیت مبارکہ میں ﴿إِمَّا﴾ تخییر کے معنی دے رہا ہے۔

**نوٹ:** کبھی إِمَّا، اِنْ شرطیہ اور ماضی کا مرکب ہوتا ہے اور ماضی کا کید کے معنی دیتا ہے۔ اِنْ شرطیہ کے ساتھ مضارع مجزوم آتا ہے لیکن إِمَّا کے ساتھ مضارع، ان ثقلیہ کے ساتھ آتا ہے جیسے آیت زیر مطالعہ میں ہے یا فرمایا: ﴿فَإِمَّا تَرَيَنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا﴾ ۲۸ (9/ مریم: 26) ”پھر اگر تو دیکھے کوئی آدمی۔“ ﴿وَإِمَّا نَعُضِّنْ عَنْهُمْ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 28) ”اور اگر آپ کو اُن سے منہ پھیرنا ہی پڑے۔“ وغیرہ۔

يَا تَبِيعِينَ (ع ت ی): البقرة آیت 23 دیکھیں۔ هُدًى (ھدی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ مِّن: البقرة آیت 8 دیکھیں۔

ت ب ع

- (س) تَبَعًا کسی کے نقش قدم پر چلنا۔ کسی کی پیروی کرنا۔ ﴿فَمَنْ تَبِعْنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۚ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (14/ ابراہیم: 36) ”پس جس نے میری پیروی کی تو یقیناً وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بیشک تو بہت ہی بخشنے والا ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔“
- تَابِعُ ج: تَابِعُونَ اور تَبِعٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ پیروی کرنے والا۔ خدمت کرنے والا۔ نوکر۔ ﴿وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قَبْلَتَهُمْ﴾ (2/ البقرة: 145) ”اور آپ پیروی کرنے والے نہیں ہیں ان کے قبلہ کی۔“ ﴿إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا﴾ (40/ المؤمن: 47) ”بیشک ہم تو تمہاری پیروی کرنے والے تھے۔“ ﴿أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِيَ الْإِدْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ﴾ (24/ النور: 31) ”یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت) کے خواہش مند نہ ہوں مردوں میں سے۔“ (نوٹ: تَبِعٌ مصدر بھی ہے مطلب ہے پیروی کرنا اور تَابِعٌ کی جمع بھی ہے مطلب ہے پیروی کرنے والے)۔
- تَبِيعُ فَعِيلٌ کے وزن پر بمعنی اسم الفاعل ہے۔ اس لفظ کے لفظی معنی ہیں ”پیچھا کرنے والا۔“ البتہ ہمارے بزرگوں نے اس لفظ کے کئی طرح سے ترجمے کیے ہیں، مثلاً: باز پرس کرنے والا۔ دعویٰ کرنے والا۔ انتقام لینے والا، وغیرہ۔ قرآن مجید میں یہ ایک ہی مرتبہ، سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 69 میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْكَ بِهِ تَبِيعًا﴾ ”اور تم کو اس بات پر ہمارا کوئی پیچھا کرنے والا نہ ملے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ ”پھر نہ پاؤ اپنی طرف سے ہم پر اُس کا کوئی باز پرس کرنے والا۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”پھر تم اپنے لیے ہم پر اُس کا دعویٰ (پیچھا) کرنے والا کسی کو نہ پاؤ گے۔“ (ترجمہ احسن البیان) ”پھر تم نہیں پاؤ گے اپنے لیے ہم سے اس ڈبوں نے پر کوئی انتقام لینے والا۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)
- تَبِعُ یَمُن کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ ﴿أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ﴾ (44/ الدخان: 37) ”کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا یمن کے بادشاہوں کی قوم۔“
- (افعال) اِتَّبَاعًا (۱) کسی کے پیچھے لگنا۔ (۲) کسی کو کسی کے پیچھے لگانا، اس صورت میں اس کے دو مفعول ہوتے ہیں۔ ﴿فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ﴾ (7/ الاعراف: 175) ”پس پیچھے لگا اس کے شیطان تو وہ ہو گیا گمراہوں میں سے۔“ ﴿وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً﴾ (28/ القصص: 42) ”تو ہم نے ان کے پیچھے لگا دیا اس دنیا میں لعنت کو۔“
- (افتعال) اِتَّبَاعًا اہتمام سے پیروی کرنا۔ پیچھا کرنا۔ ﴿رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا آتٰنَا رَبَّنَا وَاتَّبَعْنَا الرُّسُولَ﴾ (3/ آل عمران: 53) ”اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل کیا اور ہم نے پیروی کی ان رسول کی۔“ پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”کسی کے فعل کے اتباع کا یہ معنی ہے کہ اس کے اس فعل کو اس طرح کیا جائے جس طرح وہ کرتا ہے اور اس لیے کیا جائے کیونکہ وہ کرتا ہے۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۲۲۳)
- اَتَّبِعُ ج: اَتَّبِعُوا۔ فعل امر ہے۔ تو پیروی کر۔ ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنْكَرَ إِلَيْكَ﴾ (31/ لقمان: 15) ”اور تو پیروی کر اس کے راستے کی جس نے رخ کیا میری طرف۔“ ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ (2/ البقرة: 170) ”اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ پیروی کرو اُس کی جس کو نازل کیا اللہ نے۔“
- مُتَّبِعٌ ج: مُتَّبِعُونَ۔ اسم المفعول ہے۔ جس کی پیروی کی جائے۔ جس کا پیچھا کیا جائے۔ ﴿فَأَسْرِ بِعَبَادِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُتَّبِعُونَ﴾ (44/ الدخان: 23) ”تو تم روانہ ہو میرے بندوں کے ساتھ رات کے وقت یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔“

(تفاعل)

تَتَابَعًا

ایک کے پیچھے ایک آنا۔ لگا تار آنا۔

ج: مُتَتَابِعُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ایک کے پیچھے ایک آنے والا۔ لگا تار آنے والا۔ ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ﴾ (4/ النساء: 92) ”پس جو نہ پائے تو روزہ (رکھنا) ہے ایک کے پیچھے ایک آنے والے یعنی مسلسل دو مہینوں کا۔“

خ و ف

(ف)

خَوْفًا اور خِيفَةً

آئندہ پیش آنے والی کسی تکلیف و مصیبت کا اندیشہ کرنا۔ ڈرنا۔ خوف محسوس کرنا۔ اس کا تعلق مستقبل سے ہے۔ ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ﴾ (11/ ہود: 103) ”بیشک اس میں نشانی ہے اس کے لیے جو ڈرے آخرت کے عذاب سے۔“ ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً﴾ (7/ الاعراف: 205) ”اور یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں گڑ گڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے۔“ خِيفَةً، اصل میں خَوْفَةً تھا۔ ’و‘، ’ی‘ میں تبدیل ہو گئی اور خ کی زبر کو ’ی‘ کی مناسبت سے زیر میں تبدیل کر دیا۔ اس طرح خِيفَةً بن گیا۔ اَلْخَوْفُ مِنَ اللَّهِ: امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ جس طرح انسان شیر کے دیکھنے سے ڈر محسوس کرتا ہے، اسی قسم کا رعب اللہ تعالیٰ کے تصور سے انسان کے قلب پر طاری ہو جائے بلکہ خوف الہی کے معنی یہ ہیں کہ انسان گناہوں سے بچتا رہے اور طاعات کو اختیار کرے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ جو شخص گناہ ترک نہیں کرتا وہ خائف یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا نہیں ہو سکتا۔“ (مفردات القرآن، ج ۱، ص ۳۲۳)

خَوْفٌ

اسم ذات بھی ہے۔ ڈر۔ خوف۔ ﴿وَلَتَنبَلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ﴾ (2/ البقرة: 155) ”اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ ”خوف اور خشیت میں فرق: مولانا مودودیؒ ان دو لفظوں میں فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”عربی زبان میں ڈر کے لیے خوف اور خشیت دو لفظ استعمال ہوتے ہیں جن کے مفہوم میں ایک باریک فرق ہے۔ خوف کا لفظ بالعموم اُس ڈر کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی کی طاقت کے مقابلہ میں اپنی کمزوری کے احساس کی بنا پر آدمی کے دل میں پیدا ہو۔ اور خشیت اُس ہیبت کے لیے بولتے ہیں جو کسی کی عظمت کے تصور سے آدمی کے دل میں طاری ہو۔“ (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۱۲۳)

خَائِفٌ

ج: خَائِفُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ڈرنے والا۔ ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ﴾ (28/ القصص: 21) ”پس وہ نکلے اس (بستی) سے ڈرنے والا ہوتے ہوئے، (اپنی گرفتاری) کا انتظار کرتے ہوئے۔“

خَفٌ

ج: خَافُوا۔ فعل امر ہے۔ تو ڈر۔ ﴿فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ (3/ آل عمران: 175) ”پس تم اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھ ہی سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔“

(تفعیل)

تَخَوُّفًا

خوف دلانا۔ ڈرانا۔ ﴿ذَلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهَ بِهِ عِبَادًا﴾ (39/ الزمر: 16) ”یہ ہے، خوف دلاتا ہے اللہ اس سے اپنے بندوں کو۔“ ”اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو ڈرانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو برے کاموں سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔“ (راغب)۔ ﴿وَمَا تُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخَوُّفًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 59) ”اور ہم نہیں بھیجتے ایسی نشانیاں مگر (لوگوں کو عذاب سے) خوف زدہ کرنے کے لیے۔“

(تفعّل)

تَخَوُّفًا

انسان میں خوف ظاہر ہونا۔ ڈرنا۔ خوف محسوس کرنا۔ جب اس کے ساتھ علیٰ کا صلہ استعمال ہو تو پھر اس سے دو معنی مراد لیے جاتے ہیں (1) کسی کو ڈرانا یا خوف دلانا۔ (2) تَنْقِصٌ یعنی کسی چیز کو آہستہ آہستہ کم کرنا۔ قرآن مجید میں تَخَوُّفًا



ایک ہی مرتبہ استعمال ہوا ہے سورہ نحل کی آیت 47 میں: ﴿أَوْ يَأْخُذْهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ ط﴾ اس آیت کا ترجمہ ان دونوں مفہوم کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔ ”یا پکڑے اُن کو ڈرانے کے بعد“ (ترجمہ شیخ الہند) ”یا اُنہیں گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے“ (ترجمہ ماجدی)

## ح ز ن

- (س) حَزَنًا غمگین ہونا۔ بچھٹانا۔ (لازم) ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا﴾ (41/ النجم السجدہ: 30) ”اترتے ہیں ان پر فرشتے کہ خوف مت کرو اور غمگین مت ہو۔“
- (ن) حَزَنًا غمگین کرنا۔ (متعدی) ﴿وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾ (3/ آل عمران: 176) ”اور غمگین نہ کریں آپ کو وہ لوگ جو باہم سبقت کرتے ہیں کفر میں۔“
- حُزْنٌ اور حَزَنٌ دونوں اسم ذات ہیں۔ غم۔ افسوس۔ کسی مقصد و مراد کے فوت ہو جانے سے پیدا ہونے والے غم کو یا کسی پیاری چیز سے محروم ہو جانے پر دل میں جو دکھ پیدا ہوتا ہے اُسے حزن کہتے ہیں۔ اس کا تعلق ماضی سے ہے۔ ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ﴾ (12/ یوسف: 84) ”اور سفید ہو گئیں ان کی آنکھیں غم سے۔“ ﴿وَقَالُوا الْحُزْنُ إِلَهُ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ط﴾ (35/ فاطر: 34) ”اور ان لوگوں نے کہا تمام حمد اللہ کے لیے ہے جو لے گیا ہم سے غم کو۔“

## ترکیب

قُلْنَا فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اگلا جملہ وہ بات ہے جو کہی گئی ہے۔ اِهْطُوا فعل امر ہے۔ اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ مِنْهَا متعلق فعل ہے اور ’ہا‘ ضمیر الْجَنَّةِ کے لیے ہے اور جَبِيعًا لفظًا تو اِهْطُوا کی ضمیر فاعلی کا حال ہے اور معناً تاکید ہے یعنی تم سب اترو۔ فَاَمَّا میں ’ف‘ حرف عطف ہے اور اَمَّا، اِنْ شرطیہ اور ’ما‘ زائدہ کا مرکب ہے۔ ’ما‘ زائدہ تاکید کے لیے ہے۔ یَا تَتَيْنِ، اصل میں فعل مضارع یَاتِیْ پر نون ثقلیہ داخل کرنے سے بنا ہے۔ اس کا مفعول کُم ضمیر ہے، مِثْنِ متعلق فعل ہے اور هُدًی اس کا فاعل ہے اس لیے محلاً حالت رفع میں ہے۔ مِثْنِ اصل میں حرف جر مِنْ اور یائے متکلم کا مرکب جاری ہے۔ یہ ان بعض صورتوں میں سے ہے جہاں ن وقایہ آتا ہے چنانچہ یہ مِنْ فِی ہے۔ جب ان کو ملایا تو ن وقایہ کا مِنْ کے ’ن‘ کے اندر ادغام ہوا اور مِثْنِ بن گیا۔ فَاَمَّا یَا تَتَيْنِکُمْ مِثْنِ هُدًی، جملہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب شرط اگلا پورا جملہ فَمَنْ تَتَّبِعْ سے لے کر اخیر تک ہے جو کہ خود ایک جملہ شرطیہ ہے۔ چنانچہ فَمَنْ میں ’ف‘ جواب شرط کے لیے ہے۔ مَنْ شرطیہ اور مبتدا ہے۔ مَنْ موصول، واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے یہاں مَنْ کی لفظی رعایت کے تحت واحد ذکر غائب کا صیغہ تَتَّبِعْ آیا ہے۔ لیکن مَنْ یہاں جمع کے معنوں میں ہے اس لیے آگے عَلَیْہُمْ اور وَلَا هُمْ میں اس کی معنوی رعایت کرتے ہوئے جمع کی ضمیریں آئی ہیں۔ تَتَّبِعْ فعل ماضی ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے هُدًی اس کا مفعول ہے جو کہ مرکب اضافی ہے۔ هُدًی دراصل اَلْهُدًی تھا۔ مضاف ہونے کی وجہ سے لام تعریف گرا تو هُدًی باقی بچا اور قاعدہ یہ ہے کہ الف مقصورہ (جس کے آخر میں \_ ای ہو) والے لفظ کے بعد اگر ضمیر آئے تو اسے الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ چنانچہ هُدًی کی ’ی‘ گری اور هُدًی باقی بچا۔ اس کے آگے می دراصل یائے متکلم ہے جس سے پہلے اگر الف ہو تو اسے فتح سے پڑھتے ہیں۔ تَتَّبِعْ هُدًی، جملہ فعلیہ بن کر مَنْ کی خبر ہے اور یہ جملہ اسمیہ، شرط ہے اور محلاً مجزوم ہے۔ آگے فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُونَ، اس شرط کی جزا ہے۔ اس میں ’ف‘ جواب شرط کے لیے ہے، لا نفی کا ہے، خَوْفٌ مبتداء ہے اور عَلَیْہُمْ مخدوف خبر سے متعلق ہے۔ ’و‘ عطف کا ہے لا نافیہ ہے۔ هُمْ مبتدا اور جملہ فعلیہ یَحْزَنُونَ اس کی خبر۔ جملہ لَا هُمْ یَحْزَنُونَ معطوف ہے جملہ لَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ پر۔ اور جملہ اِنَّمَا یَاتِیْکُمْ اپنے جواب شرط کے ساتھ مل کر (جو کہ خود ایک جملہ شرطیہ ہے) معطوف ہے جملہ قُلْنَا اِهْطُوا مِنْهَا جَبِيعًا پر۔ حضرت مفتی محمد شفیع آیت کے آخری حصے فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُونَ کے متعلق فرماتے ہیں: ”خوف کی نفی تو عام انداز میں کر دی گئی، مگر حزن کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ لَا حُزْنَ عَلَیْہُمْ،“

بلکہ بصیغہ فعل لایا گیا، اور اُس کی ضمیر فاعل کو مقدم کر کے وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ فرمایا گیا، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ کسی چیز یا مراد کے فوت ہونے کے غم سے آزاد ہونا صرف انہی اولیاء اللہ کا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات کی مکمل پیروی کرنے والے ہیں، ان کے سوا کوئی انسان اس غم سے نہیں بچ سکتا۔“

(معارف القرآن، ج ۱، ص ۲۰۲)

ترجمہ	قُلْنَا	اهْبُطُوا	مِنْهَا	جَبِيعًا	فَالَمَّا	يَا تَبْتَئِكُم
البقرة: 38	ہم نے کہا	تم لوگ اترو	اس (جنت) سے	سب کے سب	پھر اگر	آئے تمہارے پاس
مِثْرِي	هُدًى	فَمَنْ	تَبِعَ	هُدًى	فَلَا خَوْفٌ	
میری طرف سے	کوئی ہدایت	پس جس نے	پیروی کی	میری ہدایت کی	تو نہ کوئی خوف ہوگا	
عَلَيْهِمْ	وَلَا	هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٩﴾				
ان پر	اور نہ ہی وہ لوگ	غمگین ہوں گے				

نوٹ: 1 ”نیچے اُترنے کا حکم دوبار ہوا۔ پہلے لغزش کے صادر ہونے کے بعد، پھر قبولِ توبہ کے بعد، پہلے حکم سے ناراضگی کا اظہار مقصود تھا۔ اور دوسری بار منصبِ خلافت سنبھالنے کے لیے دونوں حکموں کی غرض و غایت الگ الگ ہے، اس لیے یہاں تکرار نہیں۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۵۱)

نوٹ: 2 اس آیت مبارکہ کے مطالعے کے بعد اگر استاد محترم جناب عامر سہیل صاحب کی کتاب ’لسان القرآن‘ سے جملہ شرطیہ کے قواعد دوبارہ پڑھ لیے جائیں تو انشاء اللہ کافی فائدہ ہوگا۔

### آیت: 39

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٩﴾﴾

کَفَرُوا (ک ف ر): البقرة آیت 6 دیکھیں۔ کَذَّبُوا (ک ذ ب): البقرة آیت 10 دیکھیں۔  
آیئت: نوٹس کے آغاز میں لفظ سورۃ کے بعد دیکھیں۔

ص ح ب

(س)

صُحْبَةً

کسی کے ساتھ رہنا۔ ساتھی ہونا۔

صَاحِبٌ

ج: أَصْحَابٌ، صَحَابَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ والا۔ ساتھی۔ ساتھ رہنے والا، لیکن ایسے ساتھی کو صاحب کہا جاتا ہے جس کی رفاقت بکثرت ہو۔ کسی شے کے مالک کو بھی صاحب کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے صَاحِبُ الْبَيْتِ۔ گھر کا مالک۔ اور اسی طرح اُس کو بھی جو اس شے میں تصرف کا مالک ہو۔ ﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ﴾ (9/ التوبة: 40) ”جب انہوں نے کہا اپنے ساتھی سے آپ ”غمگین نہ ہوں۔“ ﴿وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ﴾ (68/ القلم: 48) ”اور آپ مت ہوں مچھلی والے کی مانند۔“ ﴿لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَىٰ انْتَظِرْ﴾ (6/ الانعام: 71) ”اس کے کچھ ساتھی ہیں، وہ لوگ بلا تے ہیں اس کو ہدایت کی طرف کہ تو آ ہمارے پاس۔“ ﴿وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ﴾ (7/ الاعراف: 44) ”اور پکارا جنت والوں نے آگ والوں کو۔“ صَحَابَةٌ، نبی اکرمؐ کے ساتھیوں کو کہتے ہیں جو حضورؐ پر

ایمان لائے، اُن کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اُن کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

صَاحِبَةٌ ج: صَاحِبَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مونث۔ ساتھ رہنے والی۔ بیوی۔ چونکہ بیوی رفیقہ حیات ہوتی ہے اس لیے صاحبہ کہلاتی ہے۔ ﴿أَنْتِ يَكُونُ لَكَ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةً﴾ (6/ الانعام: 101) ”اللہ تعالیٰ کی اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے حالانکہ اُس کی کوئی بیوی تو ہے ہی نہیں۔“

(افعال) اصْحَابًا کسی کو رفاقت دینا۔ کسی کی تائید و حمایت کرنا۔ ﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِمَّنْ يُصْحَبُونَ﴾ (21/ الانبیاء: 43) ”وہ لوگ طاقت نہیں رکھتے اپنے آپ کی مدد پر اور نہ ہی وہ ہماری طرف سے رفاقت دیے جاتے ہیں۔“ ”وہ جھوٹے معبود تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ انہیں ہماری تائید میسر ہوگی۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ یُصْحَبُونَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔

(مفاعله) مُصَاحِبَةً باہم ساتھ رہنا۔ مل کر رہنا۔ کسی کو ساتھ رکھنا۔ فعل نہیں ہے۔ تو ساتھ نہ رکھ۔ ﴿فَلَا تُصْحِبْنِي﴾ (18/ الکہف: 76) ”تو آپ ساتھ نہ رکھیں مجھے۔“ فعل امر ہے۔ تو ساتھ رہ۔ ﴿وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ (31/ لقمان: 15) ”اور تو ساتھ رہ ان دونوں کے یعنی والدین کے دنیا میں اچھے طریقے سے۔“

النَّارُ (ن ور): البقرة آیت 17 دیکھیں۔ خُلِدُونَ (خ ل د): البقرة آیت 25 دیکھیں۔

### ترکیب

’و عطف کا ہے اور الذین اسم موصول ہے اور مبتدا ہے اور یہ گزشتہ آیت میں فَمَنْ کے مَنْ پر عطف ہے۔ کَفَرُوا اس کا صلہ ہے۔ کَذَّبُوا بِآيَاتِنَا معطوف ہے کَفَرُوا پر۔ بِآيَاتِنَا کے متعلق مولانا عبد الماجد ریا بادی فرماتے ہیں: ”اہل جنت کے ذکر میں ذات حق کے لیے ضمیر متکلم صیغہ واحد کی ابھی گزر چکی ہے، تَبَعَ هَذَای اور اہل جہنم کے سلسلہ میں وہی ضمیر متکلم صیغہ جمع میں ہو گئی ہے، بِآيَاتِنَا۔ اہل طائف نے لکھا ہے کہ وہ موقع اظہار خصوصیت و شفقت کا تھا۔ اس لیے ”میری“ ہی مناسب تھا۔ اب محل حاکمانہ جلالت و اقتدار کا ہے، اس لیے یہاں ”ہماری“ ہی موزوں ہے۔“ آگے اُولَئِكَ مبتدا ہے اور اَصْحَابُ النَّارِ اس کی خبر۔ یہ جملہ اسمیہ خبر ہے اَلَّذِينَ کی۔ هُمْ پھر مبتدا ہے، فِیْهَا متعلق خبر ہے ’ہا‘ ضمیر اَلَّذِينَ کے لیے ہے اور خُلِدُونَ خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ، حال ہے اَصْحَابُ النَّارِ کا۔ (واللہ اعلم)۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا	وَكَذَّبُوا	بِآيَاتِنَا	أُولَئِكَ	أَصْحَابُ النَّارِ
اور جن لوگوں نے انکار کیا	اور جھٹلایا	ہماری نشانیوں کو	تو وہ لوگ	آگ والے ہیں

هُمْ	فِیْهَا	خُلِدُونَ
وہ لوگ	اس (آگ) میں	ہمیشہ رہنے والے ہیں

### نوٹ

انکار اور تکذیب تقریباً ہم معنی ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے، میں نہیں مانتا تو یہ انکار ہے۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ یہ بات غلط ہے اور اس غلط بات کو میں جھٹلاتا ہوں تو یہ تکذیب ہے۔

## آیت: 40

﴿يٰۤاِبْنِیْ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِیْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَ اٰیَآیَ فَاَرْهَبُوْنَ ۝۴۰﴾

اِبْنُ

بیٹا۔ تشنیہ: اِبْنَانِ (رفع) اِبْنِیْنِ (نصب، جر)

ج: جمع سالم: بَنُوْنَ (رفع) بَنِیْنِ (نصب، جر)

جمع مکسر: اَبْنَاءُ (غیر منصرف)

مؤنث: بیٹی۔ اِبْنَتٌ اور بَنَاتٌ۔ تشنیہ: اِبْنَتَانِ (رفع) اِبْنَتَیْنِ (نصب، جر)

ج: بَنَاتٌ

صاحب تفسیر حقانی فرماتے ہیں: ”اگرچہ اِبْنُ کے معنی بیٹے کے ہیں مگر پوتے اور اس کی اولاد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لیے اس وقت کے لوگوں کو بھی بنی آدم کہتے ہیں۔“ (تفسیر حقانی، ج ۱، ص: ۴۴۰)

## اِبْنُ کا اعراب:

اِبْنُ کا اعراب اس لفظ کے اعراب کے مطابق ہوتا ہے جس کے لیے اِبْنُ کا لفظ آیا ہو۔ جیسے قَالَ عِیْسٰی اِبْنُ مَرْیَمَ (المائدہ: 114)۔ اس جملہ میں لفظ عِیْسٰی فاعل ہونے کی وجہ سے رفع میں ہے اس لیے اِبْنُ (نون کی پیش کے ساتھ) آیا ہے۔ بِعِیْسٰی اِبْنِ مَرْیَمَ (المائدہ: 46)۔ یہاں لفظ عِیْسٰی حرف جار پ کی وجہ سے حالت جر میں ہے اس لیے اِبْنُ (نون کی زیر کے ساتھ) آیا ہے۔ وَ اَتَيْنَا عِیْسٰی اِبْنَ مَرْیَمَ (البقرة: 87) میں اَتَيْنَا کا مفعول ہونے کی وجہ سے لفظ عِیْسٰی حالت نصب میں ہے اس لیے اِبْنُ (نون کی زبر کے ساتھ) آیا ہے۔

## اِبْنُ کی تصغیر:

تَصْغِيرٌ کا مطلب ہے چھوٹا پن۔ کسی چیز میں چھوٹا پن بتانے کے لیے ثلاثی اسم کو فَعِيلٌ یا فَعِيلَكٌ کے وزن پر لے آتے ہیں جسے اِلِسْمُ التَّصْغِيرِ یا اِلِسْمُ الْمَصْغَرِ کہتے ہیں اور اصل لفظ کو مُكَبَّرٌ کہتے ہیں۔ چنانچہ اِبْنُ (در اصل بَنُوْ) کا اسم تصغیر بُنْیُوْ بنتا ہے۔ ’و کوئی‘ میں تبدیل کر کے بُنْیُوْ بنا اور پھر ’ی‘ کا ادغام ہو کر بُنْیُ بن گیا۔ مطلب ہے چھوٹا سا بیٹا۔ یا پیارا سا بیٹا۔ ﴿يٰۤاِبْنِیْ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ط﴾ (31/ لقمان: 13) ”اے میرے پیارے بیٹے اللہ کے ساتھ شرک مت کرو۔“

## اِبْنُ السَّبِيلِ:

لفظی معنی ہے راستے کا بیٹا۔ لیکن عربی زبان میں یہ مسافر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان میں اَبْنَاءُ السَّبِيلِ استعمال ہی نہیں ہوتا۔ مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”اِبْنُ کا لفظ اصل میں تو بیٹے کے لیے بولا جاتا ہے لیکن عربی محاورات میں اِبْنُ اور اَبٌ اور اَخٌ وغیرہ کے الفاظ ان چیزوں کے لیے بھی بولتے جاتے ہیں جن کا گہر تعلق کسی سے ہو، اسی محاورہ کے مطابق ابن السبیل، راہ گیر و مسافر کو کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کا گہر تعلق راستہ قطع کرنے اور منزل مقصود پر پہنچنے سے ہے۔“ (معارف القرآن، ج ۴، ص: ۴۰۹)

اِسْرَآءِیْلُ

اسرائیل، حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کا لقب ہے۔ بعض بزرگوں کے نزدیک یہ ان کا دوسرا نام ہے۔ اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ

ہے۔ یہ مرکب اضافی ہے اور غیر منصرف ہے۔ ”اِسْرَآ“ کے معنی بندہ کے ہیں اور ”اِیْل“ عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لہذا اسرائیل

کے معنی ہوں گے عَبْدُ اللَّهِ یعنی اللہ کا بندہ۔ ان کے بارہ بیٹے تھے۔ ان بیٹوں سے جو نسل چلی وہ بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی فرماتے ہیں: ”بنی اسرائیل“ تو ایک قومی و نسلی اصطلاح ہے۔ مذہبی حیثیت سے یہ لوگ یہود تھے۔ اہل کتاب تھے۔ توریت محرف و مسخ شدہ ہو کر، لیکن بہر حال موجود ان کے درمیان تھی۔ سلسلہ وحی و نبوت اور عقیدہ جزا و سزا کے کسی نہ کسی صورت میں قائل تھے۔ علوم انبیاء و معارف اولیاء کے حامل تھے۔ مالدار تھے، ساہوکار تھے۔ ساتھ ہی سفلی عملیات، سحر و کھانت نیز تجارت کے بھی بڑے ماہر تھے۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۲۳)۔ ڈاکٹر اسرار احمد فرماتے ہیں: ”قرآن مجید کے نزول کے وقت تک ان پر عروج و زوال کے چار ادوار آچکے تھے۔ دوسرے ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارشیں ہوئیں اور انہیں عروج نصیب ہوا، جبکہ دوسرے دنیا پرستی، شہوت پرستی اور اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال دینے کی سزائیں ان پر اللہ کے عذاب کے کوڑے برسے۔ اس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں آئے گا۔ اُس وقت جبکہ قرآن نازل ہو رہا تھا وہ اپنے اس زوال کے دور میں تھے۔“ (بیان القرآن، ج ۱، ص: ۲۴۹)۔

## ذ ل ک ر

(ن)

ذِکْرًا

یاد کرنا۔ یاد رکھنا۔ کسی کا ذکر کرنا۔ نصیحت حاصل کرنا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”ذکر کے اصل معنی یاد کرنے کے ہیں، جس کا تعلق قلب سے ہے، زبان سے ذکر کرنے کو بھی ذکر اس لیے کہا جاتا ہے کہ زبان ترجمان قلب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ذکر زبانی وہی معتبر ہے جس کے ساتھ دل میں بھی اللہ کی یاد ہو۔“ (معان القرآن، ج ۱، ص: ۳۹۲) ﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ﴾ (۳/ آل عمران: ۱۹۱) ”وہ لوگ جو یاد رکھتے ہیں اللہ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنی کروٹوں کے بل۔“ ﴿وَمَا أُنْسِيْنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ﴾ (۱۸/ الکہف: ۶۳) ”اور نہیں بھلائی مجھے وہ بات مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں۔“

اُذْكُرْ

ج: اُذْكُرُوا۔ فعل امر ہے۔ تو یاد کر۔ ﴿وَإِذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً﴾ (۷/ الاعراف: ۲۰۵) ”اور تو یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں گڑ گڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے۔“ اُذْكُرُوا آیت زیر مطالعہ میں استعمال ہوا ہے۔

ذَاكِرُونَ

ج: ذَاكِرُونَ۔ ذَاكِرِينَ۔ اسم الفاعل ہے۔ مذکر کا صیغہ۔ یاد کرنے والا۔ ذکر کرنے والا۔ ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرُ لِلَّذِينَ﴾ (۱۱/ ہود: ۱۱۴) ”بے شک نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو۔ یہ ایک بڑی نصیحت ہے یاد کرنے والوں کے لیے۔“

ذَاكِرَةٌ

ج: ذَاكِرَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ مونث کا صیغہ۔ یاد کرنے والی۔ ذکر کرنے والی۔ ﴿وَالَّذِينَ اللَّهُ كَثِيرًا وَاللَّذِكِرَاتِ﴾ (۳۳/ الاحزاب: ۳۵) ”اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں۔“

مَذْكُورٌ

اسم المفعول ہے۔ جس کو یاد کیا جائے۔ جس کا ذکر کیا جائے۔ ﴿لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا﴾ (۷۶/ الدھر: ۱) ”وہ نہیں تھا کوئی قابل ذکر چیز۔“

ذِكْرٌ

اسم ذات بھی ہے۔ یاد۔ نصیحت۔ کسی کا ذکر۔ ﴿وَاقْبِرِ الصَّلَاةَ لِيَذْكُرُنَّ﴾ (۲۰/ طہ: ۱۴) ”اور تو قائم کر نماز کو میری یاد کے لیے۔“ ﴿أَوْ عَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ﴾ (۷/ الاعراف: ۶۳) ”تو کیا تم لوگوں کو تعجب ہوا کہ آئی تمہارے پاس ایک نصیحت تمہارے رب کی طرف سے۔“ ﴿لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ﴾ (۲۱/ الانبیاء: ۱۰) ”ہم نے نازل کی ہے تمہاری طرف ایک کتاب، اس میں تمہارا ذکر ہے۔“

ذِكْرِي

اسم ذات ہے لیکن اس میں ذِكْرٌ کی بنسبت مبالغہ ہے۔ بڑی نصیحت۔ اوپر ذَاكِرٌ میں آیت نمبر (۱۱/ ہود: ۱۱۴) دیکھیں۔

ذَكَرُوا

تثنية: ذَكَرُوا، ذَكَرُوا، ج: ذَكَرُوا، ذَكَرُوا، ن: ذَكَرُوا، ذَكَرُوا، اس کی ضد اُنْثٰی ہے اور یہ عموماً اس وقت استعمال ہوتا ہے جب جنس کا اظہار مقصود ہو۔ خواہ مردوں میں یا حیوانات میں۔ ﴿اَنْثٰی لَا اُضْبِعُ عَمَلًا عَامِلًا مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی﴾ (3/ آل عمران: 195) ”کہ میں ضائع نہیں کرتا تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو، کوئی بھی مرد ہو یا عورت۔“ ﴿قُلْ اَلَّذٰكِرٰتَيْنِ حَرَّمَ اَمْرُ الْاُنْثٰیَّتَيْنِ﴾ (6/ الانعام: 143) ”آپؐ کہیے کیا اللہ نے ان دونوں کو حرام کیا یا دونوں مادہ کو۔“ ﴿مَا فِیْ بُطُوْنٍ لِّهٰذَا الْاَنْعَامِ خَالِصَةً لِّذٰكِرِنَا﴾ (6/ الانعام: 139) ”جوان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے۔“ ﴿اَتَاْتُوْنَ الذَّكَرَانَ مِنَ الْعُلَیِّیْنَ﴾ (26/ الشعراء: 165) ”کیا تم بدفعی کے لیے جاتے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق سے۔“ کتایہ ذَكَرُوا سے مرد کی شرم گاہ بھی مراد لی جاتی ہے۔

(تفعیل) تَذَكِّرُ اور تَذَكَّرُ یاد دلانا۔ نصیحت کرنا۔ ﴿اَنْ تَضِلَّ اِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدَاهُمَا الْاٰخِرٰی﴾ (2/ البقرة: 282) ”کہ بھول جائے ان میں سے ایک تو یاد دلائے ان میں سے دوسری۔“ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَكَرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا﴾ (18/ الکہف: 57) ”اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس کو یاد دلائی جائیں اس کے رب کی نشانیاں اور وہ اعراض کرے ان سے۔“ ﴿يَقُوْمُ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامٌ وَّ تَذَكِّرُمِيْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ (10/ یونس: 71) ”اے میری قوم اگر تم لوگوں پر بھاری ہے میرا کھڑا ہونا اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے یاد دہانی کرانا۔“

تَذَكِّرُ

اسم ذات بھی ہے۔ یاد دہانی۔ جس کے ذریعے کسی چیز کو یاد دلایا جائے۔ ﴿وَ اِنَّكَ لَتَذَكِّرُكَ لِلْمُبْتَقِيْنَ﴾ (69/ الحاقة: 48) ”اور یقیناً وہ یعنی قرآن مجید یاد دہانی ہے متقی لوگوں کے لیے۔“

ذَكَرَ

فعل امر ہے۔ تو یاد دہانی کرا۔ ﴿فَذَكَرُكُنَّ اِنْشَاءً اَنْتَ مَذْكُوْرٌ﴾ (88/ الغاشیة: 21) ”آپؐ یاد دہانی کرائیے آپؐ تو بس یاد دہانی کرانے والے ہیں۔“

مَذْكُوْرٌ

اسم الفاعل ہے۔ یاد دہانی کرانے والا۔ اوپر آیت نمبر (88/ الغاشیة: 21) دیکھیں۔

تَذَكَّرُ

(تفعل)

اس کا ماضی تَذَكَّرَ اور اِذْكَرَ، مضارع یَتَذَكَّرُ اور يَذْكُرُ، نیز مخاطب کے صیغوں میں مضارع تَتَذَكَّرُ اور تَذَكَّرُ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یاد دہانی حاصل کرنا۔ یاد کرنا۔ نصیحت پکڑنا۔ تَذَكَّرُ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص غفلت اور بھلاوے میں پڑا ہوا ہو اور چونک کر اس چیز کو یاد کر لے جس سے غافل تھا۔ ﴿فَقَوْلًا لَّهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ﴾ (20/ طہ: 44) ”پس تم دونوں کہنا، اس سے نرم بات شاید کہ وہ نصیحت پکڑے۔“ ﴿سَيَذَكِّرُكَ مِّنْ يَّحْشٰی﴾ (87/ الاعلیٰ: 10) ”وہ نصیحت پکڑے گا جو خوف کرتا ہے۔“ ﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ (10/ یونس: 3) ”تو کیا تم لوگ نصیحت نہیں پکڑتے۔“

اِذْكَرًا

(افتعال)

قرآن مجید میں اس کا استعمال ”ذ“، ”کو“، ”ذ“ میں تبدیل کر کے ہوا ہے جو ایک استثنائی صورت ہے۔ اس لیے اِذْكَرًا، اِذْكَرًا ہو گیا اور ’ت‘، ’ذ‘ میں اس لیے تبدیل ہوئی کہ یہ باب افتعال کا خصوصی قاعدہ ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ باب افتعال کے ’ف‘ کلمہ پر اگر د، ذ یا ز میں سے کوئی حرف ہو تو افتعال کی ’ت‘ وہی حرف بن جاتی ہے اور پھر ادغام کے قواعد کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ ’ذ‘ پہلے ’ذ‘ میں تبدیل ہو گئی، اس لیے ’ت‘ بھی ’ذ‘ میں تبدیل ہو گئی اور پھر دونوں کا ادغام ہو گیا۔ نصیحت حاصل کرنا۔ سوچنا۔ غور کرنا۔ یاد کرنا۔ ﴿وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ (12/ یوسف: 45) ”اور کہا اس نے جس نے نجات پائی ان دونوں میں سے اور اس نے یاد کیا ایک مدت کے بعد۔“

مُدَّكَرٌ اسم الفاعل ہے۔ نصیحت حاصل کرنے والا۔ یاد کرنے والا۔ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكَرٍ ۝﴾ (54/ القمر: 17) ”اور ہم نے آسان کیا ہے قرآن کو یاد دہانی کے لیے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔“

نَعَبْتُ اور اَنْعَبْتُ (ن ع م): الفاتحہ آیت 6 دیکھیں۔

و ف ی

(ض)

وَفَاءٌ

کسی چیز کو مکمل کرنا۔ پورا کرنا۔

أَوْفَى

أَفْعَلُ کے وزن پر فعل التفضیل ہے۔ زیادہ پورا کرنے والا۔ پورا۔ مکمل۔ ﴿وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۝﴾ (9/ توبہ: 111) ”اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدے کو اللہ سے۔“ ﴿ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَى ۝﴾ (53/ النجم: 41) ”پھر اُسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

(افعال)

إِيْفَاءٌ

وعدہ، نذر، ناپ تول وغیرہ پورا کرنا۔ ﴿بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝﴾ (3/ آل عمران: 76) ”کیوں نہیں! جس نے پورا کیا اپنے عہد کو اور تقویٰ کیا تو بے شک اللہ پسند کرتا ہے متقی لوگوں کو۔“ ﴿أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أَوْفَىٰ الْكَيْلِ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۝﴾ (12/ یوسف: 59) ”کیا تم لوگ دیکھتے نہیں کہ میں پورا بھرتا ہوں پیانے کو اور میں سب سے بہتر مہمان نواز ہوں۔“ ﴿الَّذِينَ يُؤْفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ ۝﴾ (13/ الرعد: 20) ”وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو۔“

أَوْفٍ

ج: أَوْفُوا۔ فعل امر ہے۔ تو پورا کر۔ ﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ ۝﴾ (12/ یوسف: 88) ”پس آپ پورا بھرئیے ہمارے لیے پیانے کو۔“ ﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْهِيْزَانَ ۝﴾ (7/ الاعراف: 85) ”پس تم لوگ پورا کرو ناپ اور تول کو۔“

لِيُؤْفَ

ج: لِيُؤْفُوا۔ فعل امر غائب ہے۔ اسے چاہیے کہ پورا کرے۔ ﴿وَلِيُؤْفُوا نَذْرَهُمْ ۝﴾ (22/ الحج: 29) ”اور ان لوگوں کو چاہیے کہ پورا کریں اپنی منتوں کو اور طواف کریں قدیم گھر کا۔“

أَوْفٍ

مضارع مجزوم میں واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔ (نوٹ: یہاں ایک بات کا خاص خیال رہے۔ وہ یہ کہ فعل امر کے واحد مذکر حاضر کے صیغے میں الف پر زبر آتی ہے (أَوْفٍ) اور مضارع مجزوم میں واحد متکلم کے صیغے میں الف پر ع آتی ہے۔ (أَوْفِ)۔

مُؤْفٍ

ج: مُؤْفُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پورا کرنے والا۔ ﴿وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۝﴾ (2/ البقرة: 177) ”اور پورا کرنے والے اپنے عہد کو جب کبھی باہم عہد کریں۔“

تَوْفِيَّةٌ

(تفعیل)

(1) کسی کام کو کامل طور پر پورا کرنا۔ ﴿وَابْرِهِمَ الَّذِي وَفَّى ۝﴾ (53/ النجم: 37) ”اور ابراہیمؑ کے صحیفوں میں جو پوری طرح (احکام) بجالائے۔“

يُؤْفَى

(2) حق پورا پورا دے دینا۔ ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ط ۝﴾ (3/ آل عمران: 57) ”اور وہ لوگ کہ جو ایمان لائیں اور عمل کریں نیک تو وہ یعنی اللہ پورا پورا دے گا ان کو ان کے اجر۔“

مضارع مجہول ہے۔ اُسے دیا جائے گا پورا حق۔ ﴿وَتُؤْفَىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ ط ۝﴾ (16/ النحل: 111) ”اور پورا حق دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے عمل کیا۔“ ﴿وَإِنَّمَا تُوَفُّونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ط ۝﴾ (3/ آل عمران: 185) ”اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیے جاؤ گے۔“

مضارع مجزوم ہے۔ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَتْهَا نُوفٍ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا﴾ (11/هود: 15) ”جو چاہتا ہے دنیا کی زندگی کو اور اس کی زینت کو تو ہم پورا حق دیں گے ان کو ان کے اعمال کا اس دنیا میں۔“  
ج: مَوْفُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پورا دینے والا۔ ﴿وَإِنَّا لَنُوقُوهُمْ نُصِيبُهُمْ غَيْرَ مَنقُوصٍ﴾ (11/هود: 109) ”اور ہم اُن سب کو اُن کا پورا پورا حصہ بغیر کسی کمی کے دینے والے ہیں۔“

يُوفِّ

مَوْفٍ

تَوْفٍ

(تَفْعَل)

اس کے اصل معنی ہیں کسی چیز کو پورا لے لینا، وصول کر لینا اور اس پر کامل طور پر قبضہ کر لینا۔ یہ لفظ کنایہ ”موت دینا“ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن یہ اس کا حقیقی معنی نہیں بلکہ مرادی اور تعبیری معنی ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ (1) سوتے وقت ظاہری احساس و شعور کو لے لینے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ (6/الانعام: 60) ”اور وہ ہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو کما یا تم نے دن کو پھر اٹھاتا ہے تمہیں (نیند سے) دن میں تاکہ پوری کر دی جائے (تمہاری عمر کی) میعاد مقرر۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (2) موت کے وقت روح کو قبض کر لینے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: ﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا﴾ (39/الزمر: 42) ”اللہ ہی روحوں کو اُن کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی اُنہیں اُن کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے۔“ (ترجمہ احسن البیان)۔ (3) حضرت عیسیٰ کو ان کی زندگی میں ان کی روح اور بدن سمیت آسمانوں میں اٹھائے جانے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي﴾ (5/المائدة: 117) ”پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ”التَّوَفَّىٰ فِي لُغَةِ الْعَرَبِ مَعْنَاهَا الْقَبْضُ وَالْإِسْتِيفَاءُ وَذَلِكَ ثَلَاثَةُ أَنْوَاعٍ أَحَدُهَا التَّوَفَّىٰ فِي النَّوْمِ وَالثَّانِي تَوَفَّى الْمَوْتَ وَالثَّالِثُ تَوَفَّى الرُّوحَ وَالْبَدَنَ جَمِيعًا۔“ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۷۳) ”التوفی کا معنی لغت عرب میں قبض کرنے اور پورا لینے کے ہیں۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ نیند میں وصول کرنا، موت کے وقت وصول کرنا اور روح اور بدن کا مکمل وصول کرنا۔“ اور کلیات البقاء میں ہے: ”التَّوَفَّىٰ الْإِمَاتَةُ وَقَبْضُ الرُّوحِ وَعَلَيْهِ اسْتِعْمَالُ الْعَامَّةِ أَوِ الْإِسْتِيفَاءِ وَآخِذُ الْحَقِّ وَعَلَيْهِ اسْتِعْمَالُ الْبُلَغَاءِ“ ”توفی“ کا لفظ عوام کے یہاں موت دینے اور جان لینے کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن بلغاء کے نزدیک اس کے معنی ہیں پورا وصول کرنا اور ٹھیک لینا۔“ (تفسیر عثمانی، ص ۷۴)۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی فرماتے ہیں: ”موت اور نوم میں لفظ ”توفی“ کا استعمال قرآن کریم ہی نے شروع کیا ہے۔ جاہلیت والے تو عموماً اس حقیقت سے ہی نا آشنا تھے کہ موت یا نوم میں خدا تعالیٰ کوئی چیز آدمی سے وصول کر لیتا ہے اسی لیے لفظ ”توفی“ کا استعمال موت اور نوم پر اُن کے یہاں شائع نہ تھا قرآن کریم نے موت وغیرہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لیے اول اس لفظ کا استعمال شروع کیا۔ تو اسی کو حق ہے کہ موت و نوم کی طرح اخذ روح مع البدن کے نادر مواقع میں بھی اسے استعمال کر لے۔“ (تفسیر عثمانی، ص ۷۴)۔ قرآن مجید کی ایک آیت میں تو توفی کے معنی ”لے لینے، قبض کر لینے“ کے بہت واضح ہیں چنانچہ فرمایا: ﴿إِن شَهِدُوا فَاْمْسِكُوهُمْ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ﴾ (4/النساء: 15) ”پھر اگر وہ گواہی دیوں تو بند رکھو اُن عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھالیوے اُن کو موت۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔



نفل امر ہے۔ تو موت دے۔ ﴿رَبَّنَا فَاعْفُ رَنَا ذُنُوبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْآبَرَارِ﴾ (3/ آل عمران: 193) ”اے ہمارے رب پس تو بخش دے ہمارے لیے ہمارے گناہوں کو اور تو دور کر دے ہم سے ہماری برائیوں کو اور تو موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ۔“

تَوَفَّى

ج: يَتَوَفَّوْنَ۔ مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ اسے لیا جاتا ہے۔ اُسے موت دی جاتی ہے۔ ﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يَتَوَفَّى﴾ (22/ الحج: 5) ”اور کوئی تم میں سے قبضہ کر لیا جاتا ہے۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”اور تم میں سے وہ بھی ہیں جو مر جاتے ہیں۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ ﴿وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ﴾ (2/ البقرة: 243) ”اور وہ جنہیں موت دی جائے تم میں سے یعنی تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں۔“

يَتَوَفَّى

اسم الفاعل ہے۔ حق پورا لینے والا۔ موت دینے والا۔ ﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَ رَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ (3/ آل عمران: 55) ”جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں پورا لینے والا ہوں آپ کو اور اٹھانے والا ہوں آپ کو اپنی طرف۔“ پورا پورا لینا۔ ﴿الَّذِينَ إِذَا أَكْتَلُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ﴾ (83/ المطففين: 2) ”وہ جب لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔“

مُتَوَفَّى

(استفعال) اسْتَيْفَاءً

عَهْدُ (ع ھ د): البقرة آیت 27 دیکھیں۔

ر ہ ب

کسی کی عظمت اور جلالت کے تصور سے دل پر لرزش اور کپکپی طاری ہونا۔ خوف محسوس کرنا۔ ڈرنا۔ ﴿وَفِي نُسُخَتِهَا هُدًى وَ رَحْمَةٌ لِلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ﴾ (7/ الاعراف: 154) ”اور ان تختیوں کی تحریر میں ہدایت ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔“

(س) رَهْبَةً

ج: ارْهَبُوا۔ فعل امر ہے۔ تو ڈر۔ آیت زیر مطالعہ۔ اسم ذات ہیں۔ ڈر۔ خوف۔ ایسا ڈر یا خوف جو کسی کی عظمت اور جلالت کے تصور سے دل پر طاری ہو اور امام راغب کے مطابق ایسا ڈر یا خوف جس میں احتیاط اور بے چینی دونوں شامل ہوں۔ ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَ يَدْعُونََنَا رَغَبًا وَ رَهْبًا﴾ (21/ الانبیاء: 90) ”بے شک وہ لوگ باہم سبقت کرتے تھے بھلائی میں اور ہم کو پکارتے تھے توقع کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے۔“ ﴿لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ﴾ (59/ الحشر: 13) ”بے شک تم لوگ زیادہ ہو بلحاظ خوف کے ان کے سینوں میں بنسبت اللہ کے۔“ ﴿وَ أَصْبَحُوا إِلَيْكَ جُنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ﴾ (28/ القصص: 32) ”اور ملائیس اپنی طرف اپنے بازو خوف سے (بچنے کے لیے)۔“

ارْهَبْ رَهْبًا، رَهْبَةً، رَهْبٌ

ج: رُهِبْنَا۔ اللہ سے بہت ڈرنے والا۔ درویش۔ تارک دنیا۔ یہود میں جو لوگ خدا ترس تھے ان کو راہب کہتے تھے۔ یہ لوگ دنیا کے ہنگاموں سے الگ تھلگ رہتے اور اپنی خانقاہوں میں ذکر و فکر میں مصروف رہتے۔ امت محمدیہ میں جو لوگ خدا ترس ہیں ان کو متقی کہتے ہیں۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ رُهِبْنَا، واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جب واحد استعمال ہو تو اس کی جمع رَهَابِيْنُ آتی ہے۔ ﴿ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قَتِيلَيْنِ وَ رُهِبَانًا﴾ (5/ الاعراف: 82) ”یہ اس لیے کہ ان میں عالم ہیں اور درویش ہیں۔“

رَاهِبٌ

رَهْبَانِيَّةٌ

اسم ذات ہے۔ اللہ کے ڈر سے ترک دنیا۔ گوشہ نشینی۔ صاحبِ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ”رہبانیت میں دو لغتیں ہیں: رَهْبَانِيَّةٌ (بفتح را) اور رَهْبَانِيَّةٌ (بضم را) پہلی صورت میں یہ رَهْب سے ماخوذ ہوگا جس کا معنی خوف اور ڈر ہے اور دوسری صورت میں یہ رَهْبَان (جو رَاهِب کی جمع ہے) کی طرف منسوب ہوگا۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہے وہ مسلک اور وہ طرزِ حیات جس کی بنیاد خوف اور ڈر پر ہے۔ دوسری صورت میں اس کا معنی ہوگا ان لوگوں کا مسلک اور طرزِ زندگی جو ہر وقت ڈرنے والے اور خوفزدہ رہنے والے ہیں۔ امام راغبؒ لکھتے ہیں: (رہبانیت کا مطلب ہے) فراط خوف سے عبادت و ریاضات میں حد درجہ غلو کرنا۔ علامہ پانی پتیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (رہبانیت کا مطلب ہے) عبادت و ریاضت میں مبالغہ، لوگوں سے قطع تعلق، جائز اور مباح خواہشات کو بھی ترک کر دینا۔ علامہ ابن منظورؒ فرماتے ہیں: (رہبانیت کا مطلب ہے) دنیا کے مشاغل کو ترک کر دینا، اس کی لذتوں کو نظر انداز کر دینا، اہل دنیا سے عزلت گزینی، اپنے آپ کو طرح طرح کی مشقتوں میں مبتلا کر دینا۔“ (ضیاء القرآن، ج ۵، ص: ۱۲۷، تلخیصاً)۔ مولانا عبدالماجد ریادئیؒ فرماتے ہیں: ”رہبانیت کے معنی ترک لذات و تحمل شدائد (یعنی مصیبتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنا) کے ہیں اور بعض اہل لغت کے نزدیک محض زیادتی اور افراط کے۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۱۰۷۴)۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ”شریعت حقہ اسلامیہ نے اس اعتدال فطری سے متجاوز رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ ہاں بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ”اس اُمت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے“ کیونکہ مجاہد اپنے سب حظوظ و تعلقات سے واقعی الگ ہو کر اللہ کے راستہ میں نکلتا ہے۔“ (تفسیر عثمانی، ص ۷۱۸)۔ ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ﴾ (57/ الحدید: 27) ”اور دنیا سے کنارہ کشی! انہوں نے ابتدا کی اس کی، ہم نے اس کو فرض نہیں کیا ان پر۔“

(افعال) اِرْهَابًا کسی پر رعب ڈالنا۔ دھاک بٹھانا۔ کسی کو خوف زدہ کرنا۔ ﴿تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (8/ الانفال: 60) ”تم لوگ رعب رکھتے ہو اس سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر۔“

(استفعال) اِسْتَرْهَابًا خوفزدہ کرنا۔ ڈرانا۔ ﴿سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ﴾ (7/ الاعراف: 116) ”انہوں نے جادو کیا لوگوں کی آنکھوں پر اور ان کو خوفزدہ کیا۔“

### ترکیب

’یا‘ حرفِ ندا ہے۔ بِنِيْ اِسْرَاعِيْلَ مرکب اضافی ہے۔ اِبْنُ کی جمع سالم حالت رفع میں بَنُوْنَ اور نصب و جر میں بَنِيْنَ آتی ہے۔ یہ جب مضاف بنتے ہیں تو نون اعرابی گر جاتا ہے۔ اصل مرکب تھابَنُوْ اِسْرَاعِيْلَ۔ اس پر حرفِ ندا ’یا‘ داخل ہوا تو اس نے مضاف کو نصب دی۔ اس طرح یہ بِنِيْ اِسْرَاعِيْلَ ہو گیا۔ اِسْرَاعِيْلَ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہے اور چونکہ یہ غیر منصرف ہے اس لیے حالت جر میں ’ل‘ پر ایک زبر آئی۔ اُذْکُرُوا فعل امر ہے اور نِعْمَتِيْ اس کا مفعول ہے۔ یہ دراصل نِعْمَتِيْ تھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ یائے متکلم کو آگے ملانے کے لیے اگر حرکت دینی ہو تو اسے فتح دیتے ہیں۔ چنانچہ آگے اَلَّتِي سے ملانے کے لیے نِعْمَتِيْ کے بجائے نِعْمَتِيْ استعمال ہوا۔ اَلَّتِي اسم موصول ہے اور اُنْعَمْتُ، ماضی میں واحد متکلم کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں ضمیر اُنکا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور عَلَيْكُمْ، جار مجرور متعلق فعل ہے۔ اُنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ، صلہ ہے اَلَّتِي کا اور صلہ اور موصول مل کر صفت ہے نِعْمَةً کی۔

’و‘ حرفِ عطف ہے اور اَوْفُوا اعطف ہے اُذْکُرُوا پر۔ اَوْفُوا فعل امر ہے۔ اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے اور بَعْدُ جی میں ’ب‘ حرف جار اور عَهْدِيْ، مضاف، مضاف الیہ ہے اور یہ مرکب جاری متعلق فعل ہے۔ آگے اَوْفِ دراصل مضارع میں واحد متکلم کا صیغہ اَوْفِيْ تھا۔ جواب امر ہونے کی وجہ

سے مضارع مجزوم ہوا تو ”ی“ گر گئی۔ اس لیے اَوْفِ استعمال ہوا اور يَعْهِدْ کُمُ متعلق ہے اَوْفِ سے۔

آگے اِيَّاي میں ی متکلم مفعول بہ ہے اِذْ هَبُّوا کا جس کو تاکید کے لیے پہلے لایا گیا ہے بالکل اسی طرح جیسے سورہ الفاتحہ میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہے۔ اور یاد کر لیجئے کلمہ ”اِيَّا“ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب ضمائر منصوبہ متصلہ یعنی ضمیر مفعولی کو منفصل لکھنا ہو۔ اس سے عموماً تاکید کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ فَارْهَبُوْنَ میں ’ف‘ زائدہ ہے اور اِذْ هَبُّوا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے اور آگے ’ن‘ دراصل نون وقایہ ہے۔ یہ جملہ اِذْ هَبُّوْی تھا۔ اِذْ هَبُّوا کے واو الجمع کا الف ضمیر لگنے کی وجہ سے گر گیا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب امر کے صیغے کے بعد ’ی‘ متکلم آئے تو اس پر ایک ’ن‘ داخل کر دیتے ہیں جسے ’ن‘ وقایہ کہتے ہیں۔ وقایہ کا معنی ہے بچانا اور یہ نون فعل امر کے آخری حرف ساکن اور یاء ساکن کے ذریعے پیدا ہونے والے ”التقاء ساکنین“ سے بچانے کے لیے لگتا ہے۔ چنانچہ ’ن‘ وقایہ داخل کرنے کے بعد یہ اِذْ هَبُّوْی بن گیا۔ اور جب ضمیر مفعولی ’ی‘ کے آگے وقف کرنا ہو تو عموماً اس کی ’ی‘ کو گرا دیتے ہیں اور ’ن‘ وقایہ کو بڑا کر کے لکھ دیتے ہیں۔ اس کی پہچان ’ن‘ کی زیر سے ہوتی ہے۔ یہاں ایک بات اور نوٹ کیجئے، اگر جملہ یہ ہوتا اِيَّاكَ فَارْهَبُوا تو بھی اس میں تاکید کا مفہوم ہوتا لیکن یہاں ضمیر منفصل کے بعد فعل امر اِذْ هَبُّوا کے ساتھ ایک اور ضمیر مفعولی لائی گئی جس سے نہایت تاکید کا اسلوب پیدا ہوا ہے۔ اردو زبان میں اس اسلوب سے قریب ترین ترجمانی یہ ہوگی ”اور مجھ ہی سے، مجھ ہی سے تم لوگ ڈرو۔“ (واللہ اعلم)

ترجمہ	يَبْكِيْۤ اِسْرَآئِيْلَ	اَذْكُرُوْا	نِعْمَتِيْ	الَّتِيْ	اَنْعَمْتُ
البقرة: 40	اے اسرائیل کے بیٹو	تم لوگ یاد کرو	میری نعمت کو	جس کو	میں نے انعام کیا

عَلَيْكُمْ	وَ اَوْفُواْ	يَعْهِدِيْ	اَوْفِ	يَعْهِدْ كُمْ
تم لوگوں پر	اور تم لوگ پورا کرو	میرے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو	تو میں پورا کروں گا	تمہارے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو

وَ اِيَّايْ	فَارْهَبُوْنَ ۝
اور صرف مجھ سے ہی	تم لوگ ڈرو مجھ سے

نوٹ: 1

اس آیت سے بنو اسرائیل کی فرد جرم کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے چند بنیادی باتیں ذہن نشین ہونا ضروری ہیں۔

(۱) ہم سے پہلے بنو اسرائیل امت مسلمہ کے عہدے پر فائز تھے۔ پھر انہیں معزول کر کے امت محمدیہ ﷺ کو اس عہدے پر فائز کیا گیا۔ چنانچہ اس فرد جرم (Charge Sheet) کے ذریعے بنو اسرائیل پر ان کی معزولی کے سلسلہ میں حجت قائم کی گئی ہے۔

(۲) ہمارے حوالے سے اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کان کھول رہا ہے کہ اگر تم ایسے کام کرو گے تو تم بھی انہی کی طرح دنیا اور آخرت میں ذلیل و رسوا ہو گے۔ اس لیے یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اس فرد جرم کا مطالعہ کرتے وقت اگر ہم بنو اسرائیل کو برا بھلا کہتے رہے اور خود کو پارسا سمجھتے رہے تو پھر ہم ہدایت سے محروم رہیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فرد جرم کے آئینے میں ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہیں اور اپنی اصلاح کی فکر کریں۔ اسی صورت میں یہ فرد جرم قرآن مجید میں نقل کرنے کا مقصد پورا ہوگا۔

(۳) بنو اسرائیل کی فرد جرم میں بھی اور قرآن مجید کے دیگر مقامات میں جہاں تاریخی واقعات کا ذکر ہے، وہاں عام طور پر آپ کو ترتیب زمانی نہیں ملے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تاریخی واقعات اس ترتیب سے نہیں بیان کیے گئے جس ترتیب سے وہ وقوع پذیر ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید تاریخ کی تعلیم دینے والی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہدایت دینے کے لیے نازل کی گئی ہے۔ اور اس مقصد کے تحت تاریخی واقعات کو استدلال یا ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ تاریخی حوالہ دیتے وقت موضوع سے اس کی مناسبت کو پیش نظر رکھا گیا ہے نہ کہ زمانے کی ترتیب کو۔ (از لطف الرحمن خان صاحب)

نوٹ: 2

آیت زیر مطالعہ میں جس عہد کا ذکر آیا ہے اس کی تفصیل بعض علماء کے نزدیک آل عمران کی آیت 81 میں بیان کی گئی ہے، بعض علماء کے نزدیک المائدہ کی آیت 12 میں اور بعض علماء کے مطابق اس عہد کا ذکر تورات کی کتاب استثناء، باب 15، آیت نمبر 18، 19 میں آیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

## آیت: 41

﴿وَأْمِنُوا بِمَا أُنزِلَتْ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ ۚ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ذَوِّ  
إِيَّاي فَاتَّقُونِ ۝﴾

أَمِنُوا (ع م ن): البقرة آیت 3 دیکھیں۔ اُنزِلَتْ (ن ز ل): البقرة آیت 4 دیکھیں۔  
مُصَدِّقًا (ص د ق): البقرة آیت 23 دیکھیں۔ تَكُونُوا (ك و ن): البقرة آیت 10 دیکھیں۔

ع و ل

(ن) اَوَّلًا اور مَآلًا  
ال

لوٹنا۔ کسی چیز کا اپنے اصل کی طرف واپس ہونا۔ اس مادہ سے کوئی فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔  
اسم صفت ہے۔ کسی کے ساتھ تعلق والا۔ ساتھی۔ پیروکار۔ Follower۔ ال کی اصل کیا ہے اس کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ دراصل اَوَّلٌ تھا۔ جس کے معنی لوٹنے کے ہیں۔ 'و' کوالف سے بدلا گیا تو اَلٌ بن گیا۔ اس کو پھر الف کے اوپر کھڑی زبر کے ساتھ اَلٌ لکھا جاتا ہے اور معنی یہ ہوئے کہ جو شخص کسی کی طرف اس کی قربت اور دوستی کی وجہ سے لوٹے وہ اس کے اَلٌ میں سے ہے۔ اَلٌ کا لفظ ہمیشہ اسمِ علم کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ اس کی اضافت غیر ذوی العقول، اسمِ نکرہ یا ضمیر کی طرف جائز نہیں۔ چنانچہ اَلٌ رَجُلٌ بولنا جائز نہیں۔ اس کی اضافت کسی قابلِ تعظیم اور معروف ہستی کی طرف ہوتی ہے جیسے اَلٌ مُحَمَّدٌ، اَلٌ اِبْرَاهِيمُ اور اَلٌ عِمْرَانٌ وغیرہ۔ لیکن اَلٌ انْخِیاطٌ یا اَلٌ الْحِجَامِ نہیں بولتے۔ اور فرعون چونکہ کوئی قابلِ تعظیم ہستی نہیں اس لیے جب اَلٌ فرعون کہا جائے تو وہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ فرعون اسمِ علم بھی ہے اور اپنے کفر کی وجہ سے ایک معروف ہستی بھی ہے۔ عربی زبان میں اَلٌ کے قریب المعنی ایک لفظ اَهْلٌ بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اِنِ دونوں میں کچھ فرق ہیں۔ مثلاً: (1) اَهْلٌ کا دائرہ اس لحاظ سے محدود ہے کہ اس میں کسی شخص کے صرف گھر والے یعنی اس کے بیوی بچے سمجھے جاتے ہیں خواہ وہ اس شخص کے ساتھی ہوں یا نہ ہوں، جبکہ کسی شخص کی اَلٌ میں وہ سب لوگ سمجھے جاتے ہیں جو اس کے ساتھی، مددگار اور اس سے ذہنی یگانگت رکھنے والے ہوں خواہ وہ اس کے رشتے دار ہوں یا نہ ہوں۔ چنانچہ اہل فرعون سے صرف اس کے گھر والے مراد ہوں گے اور اَلٌ فرعون سے مراد اس کے گھر میں سے اس سے متفق رشتے دار، اس کے اہل کار اور وہ تمام لوگ شامل ہوں گے جو حضرت موسیٰ کے مقابلے میں فرعون کے ساتھی اور مددگار تھے۔ حضرت آسیہ سلام علیہا (فرعون کی بیوی)، فرعون کے اہل میں سے تو ہیں لیکن اس کی اَلٌ میں شامل نہیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کی قوم میں سے قارون، اَلٌ فرعون میں سے تھا۔ اسی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اَلٌ مُحَمَّدٌ سے ہر وہ شخص خارج ہے جو حضور کے طریقے پر نہ ہو،

خواہ وہ خاندان رسالت کا کوئی فرد ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو حضورؐ کے نقش قدم پر چلتا ہو چاہے اس کا حضورؐ سے کوئی نسبى تعلق نہ بھی ہو۔ (۲) اَہْلٌ کا دائرہ اس لحاظ سے وسیع ہے کہ یہ غیر ذوی العقول، معرفہ، مکرہ اور ضمیر کی طرف بھی مضاف ہو جاتا ہے۔ کسی شہر کی طرف نسبت کریں گے تو اَہْلٌ استعمال کریں گے جیسے اہل مدینہ، اہل بلد وغیرہ۔ کسی پیشے کی طرف نسبت کریں گے تو بھی اَہْلٌ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً اہل الخياط، (درزی کے گھر والے) اہل الحجام (نائی کے گھر والے) وغیرہ۔ لیکن اہل البلد یا اہل الارض وغیرہ کے الفاظ نہیں بولے جاتے۔

اَوَّلُ

پہلا۔ ج: اَوَّلُونَ۔ اَوَّلِينَ۔ مؤنث: اَوَّلَى۔ پہلی۔ یہ فعل التفصیل میں اَفْعَلُ کے وزن پر صیغہ صفت ہے۔ اصل میں اَوَّلٌ بنتا ہے۔ پھر مہوز کے لازمی قاعدے کے تحت اس کو اَوَّلٌ لکھا جاتا ہے لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزہ کا واؤ میں ادغام کر کے اَوَّلٌ لکھا اور بولا جاتا ہے۔ ﴿وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (7/ الاعراف: 143) ”اور میں ایمان لانے والوں کا پہلا ہوں۔“ ﴿اِنَّ هٰذَا لَیْفِی الضُّحٰی الْاَوَّلٰی﴾ (87/ الاعلیٰ: 18) ”بے شک یہ پہلے صحنوں میں ہے۔“ اَوَّلٌ کا استعمال تین طرح سے ہوتا ہے۔ (1) عددی ترتیب کے لحاظ سے یعنی وہ عدد جس سے پہلے کوئی عدد نہیں۔ اس لحاظ سے اول کے بعد ثانی۔ پھر ثالث وغیرہ آتا ہے۔ (2) ترتیب کار یا نظام صناعی کے لحاظ سے جیسے اَلْاَسُّ اَوَّلًا ثُمَّ الْبِنَاءُ یعنی پہلے بنیاد رکھی جائے گی پھر تعمیر ہوگی۔ (3) ترتیب زمانی کے لحاظ سے۔ اس لحاظ سے اول کی ضد اخیر بمعنی پچھلا ہے۔ اور اولی (پہلی۔ دنیا) کی ضد اخیرت (پچھلی۔ اخروی زندگی) ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلَیْنَ وَالْاٰخِرَیْنَ لَمَجْمُوعُوْنَ ۚ اِلٰی مِیْقَاتٍ یَّوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ (56/ الواقعة: 49، 50) ”آپؐ فرما دیجیے بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

اگر اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو جیسے هُوَ الْاَوَّلُ تو اس سے مراد وہ ذات ہوتی ہے جس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ ہو۔ اور یہ بھی نوٹ کیجئے کہ اَوَّلٌ کا لفظ عموماً جمع کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ جیسے اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ یا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ وغیرہ۔

اُولَآءِ

والے۔ یہ جمع ہے اور اس کی واحد نہیں آتی۔ یہ ہمیشہ مضاف استعمال ہوتا ہے اور حالت رفع میں اُولَآءِ اور حالت نصب وجر میں اُولِی لکھا جاتا ہے۔ ﴿قَالُوا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ﴾ (27/ النمل: 33) ”انہوں نے کہا ہم قوت والے ہیں۔“ ﴿فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ اُولٰٓئِهٖمَا بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ عِبَادًا لَّنَا اُولٰٓئِیْ بِاٰیِسٍ شٰدِیْدٍ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 5) ”پھر جب آیا پہلا وعدہ بھیجے ہم نے تم پر اپنے بندے سخت لڑائی والے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔

مؤنث: اُولَآءِ۔ والیاں۔ حالت رفع میں اُولَآءِ اور حالت نصب وجر میں اُولَآءِ لکھا جاتا ہے۔ ﴿وَاُولَآءِ الْاَحْصَآلِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط﴾ (65/ الطلاق: 4) ”اور حمل والیاں یعنی حاملہ عورتوں کی میعاد ان کے بچہ جننے تک ہے۔“

اُولَآءِ

یہ سب جمع قریب کے لیے اسم اشارہ ہے۔ مذکر مؤنث دونوں کے لیے آتا ہے۔ ﴿هَآنَتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْهُمْ وَلَا یُحِبُّوْكُمْ﴾ (3/ آل عمران: 119) ”سنو! تم تو یہ ہو کہ محبت کرتے ہو ان سے اور وہ محبت نہیں کرتے تم سے۔“ ﴿قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰی اَثَرِیْ﴾ (20/ طہ: 84) ”حضرت موسیٰؑ نے عرض کی وہ یہ ہیں میرے پیچھے۔“ (نوٹ: اُولَآءِ

کے شروع میں ’ہا‘ داخل کرنے سے یہ ’ہاؤلاء‘ بن جاتا ہے۔ جسے پھر ’ہؤلاء‘ لکھا جاتا ہے اور یہ بھی جمع قریب کے لیے اشارہ ہے۔ اس کے آخر میں کاف خطاب لگانے سے یہ ’اولاءک‘ بن جاتا ہے۔ جسے پھر ’اولیک‘ لکھا جاتا ہے اور یہ اشارہ بعید کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

کسی چیز کو اس کے اصل کی طرف لوٹانا۔ کسی بات یا واقعہ کا انجام بتانا۔ اس باب سے بھی قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

(تفعیل) تَأْوِيلًا

مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ کسی چیز کا آخری انجام۔ خیر نتیجہ۔ خواب کی تعبیر۔ کسی شے کو خواہ وہ شے علم ہو یا فعل، اس کی اصل مراد کی طرف لوٹانے کا نام تاویل ہے۔ علم کی مثال جیسے فرمایا: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ (آل عمران: 7) ”حالانکہ کوئی اس کا صحیح مطلب نہیں جانتا سوائے اللہ کے“ اور فعل کی مثال: ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ﴾ (الاعراف: 53) ”ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس کے خیر نتیجے کا انتظار ہے“ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادی فرماتے ہیں: ”تَأْوِيلُهُ“ یعنی وعدہ سزا کے عملی ظہور اور قرآن کے بتائے ہوئے مصداق کے۔ تاویل سے مراد وعید قرآنی کے آخری نتیجہ کے ہیں۔“ اور صاحب احسن البیان فرماتے ہیں: ”تاویل کا مطلب ہے، کسی چیز کی اصل حقیقت اور انجام۔ یعنی کتاب الہی کے ذریعے سے وعدے، وعید اور جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان تو کر دیا گیا تھا۔ لیکن یہ اس دنیا کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے منتظر تھے، سو اب وہ انجام ان کے سامنے آ گیا۔“ ﴿ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (النساء: 59) ”یہ بہتر ہے اور اچھا ہے بلحاظ انجام کار کے۔“ ﴿وَكُنْ لَكَ مَكْنًا لِيُؤْسَفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ (یوسف: 21) ”اور اس طرح ہم نے سکونت دی یوسفؑ کو زمین میں اور تاکہ ہم سکھائیں ان کو خوابوں کی تعبیر۔“

تَأْوِيلٌ

كَافِرٌ (ك ف ر): البقرة آیت 6 دیکھیں۔ تَشْتَرُوا (ش ر ی): البقرة آیت 16 دیکھیں۔ اَيْتٌ: نوٹس کے آغاز میں دیکھیں۔

ث م ن

(ض۔ن) ثَمَنًا کسی چیز کا آٹھواں حصہ لینا۔  
(ک) ثَمَانَةٌ کسی چیز کا قیمتی ہونا۔  
ثَمَنٌ اسم ذات ہے۔ قیمت۔ بیچنے والا جو کچھ فروخت شدہ چیز کے بدلے میں لیتا ہے خواہ نقد ہو یا سامان، وہ ثمن کہلاتا ہے اور ہر وہ چیز جو کسی چیز کے عوض حاصل کی جائے اُسے بھی ثمن کہتے ہیں۔ ﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ﴾ (یوسف: 20) ”اور انہوں نے بیچا اس کو کم قیمت میں۔“

ثَمَانِيَّةٌ اور ثَمَانٍ یا ثَمَانِي ثَمَانِيَّةٌ (۸)۔ اسم عدد ہے۔ ثَمَانِيَّةٌ مذکر معدود کے لیے آتا ہے اور ثَمَانِي مونث معدود کے لیے آتا ہے۔ ﴿وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَّةً أَزْوَاجًا﴾ (الزمر: 39) ”اور اس نے اتارے تمہارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے۔“ ﴿أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَانِي حَجَّجَ﴾ (القصص: 27) ”کہ تم ملازمت کرو میری آٹھ سال۔“

ثَمَانُونَ اور ثَمَانِينَ اسی (۸۰)۔ ثَمَانُونَ (رفع)۔ ثَمَانِينَ (نصب اور جر) ﴿فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً﴾ (النور: 24) ”تو تم لوگ ماروان کو اسی کوڑے۔“

ثَمِنْ ترتیب میں آٹھواں۔ ﴿وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَذِبٌ ط﴾ (18/ البقرة: 22) ”وہ لوگ کہیں گے سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔“

ثُمَّنِ آٹھواں حصہ یعنی 1/8۔ ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَكَفَّ الشُّنْ مِنْهَا تَرَكْتُمْ﴾ (4/ النساء: 12) ”پھر اگر تمہاری اولاد ہے تو ان کے لیے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے جو تم نے چھوڑا۔“

ق ل ل

قَلِيلٌ (ض) قِلَّةٌ (۱) کسی چیز کا کم ہونا۔ (۲) کسی چیز کا بلند ہونا (ہلکی چیز اور پراگھتی ہے)۔ ﴿وَالنِّسَاءُ تَصِيبُ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ط﴾ (4/ النساء: 7) ”اور عورتوں کے لیے ایک حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑا والدین اور قرابت داروں نے، خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔“

قَلِيلٌ ج: قَلِيلُونَ۔ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ کم۔ تھوڑا۔ ﴿وَمَا أَمِنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۝﴾ (11/ ہود: 40) ”اور ایمان نہیں لائے اس کے ساتھ مگر تھوڑے سے لوگ۔“ ﴿إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ۝﴾ (26/ الشعراء: 54) ”اور یقیناً یہ گروہ بہت ہی کم تعداد میں ہے۔“

قَلِيلَةٌ قِلْبَةً کی مؤنث۔ تھوڑی۔ ﴿كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً يَأْذِنُ اللَّهُ ط﴾ (2/ البقرة: 249) ”بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے۔“

أَقْلٌ اسم التفضيل ہے۔ کسی سے کم یا سب سے کم۔ ﴿فَسَيُعْلَبُونَ مِنْ أَضْعَفِ نَاصِرًا وَ أَقْلٍ عَدَاً ۝﴾ (72/ الجن: 24) ”پس وہ لوگ جان لیں گے کہ کون زیادہ کمزور ہے بلحاظ مددگار کے اور زیادہ کم ہے بلحاظ گنتی کے۔“

أَقْلًا (افعال) کسی کو ہلکا پانا۔ ہلکا سمجھنا۔ بلند کرنا۔ اٹھالینا۔ ﴿حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا﴾ (7/ الاعراف: 57) ”یہاں تک کہ جب بھی وہ ہوا بلند کرتی ہے بھاری بادل کو۔“ امام راغب فرماتے ہیں: ”یہاں أَقَلَّتْ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے کہ وہ بادل جن کو (ہوا) اٹھا کر لاتی ہے اگرچہ فی نفسہ بھاری ہوتے ہیں مگر ہوا کی قوت کے اعتبار سے نہایت ہلکے ہیں۔“ (مفردات القرآن، ص ۲، ۸۶۴)۔ اور مولانا عبدالماجد دریابدی فرماتے ہیں: ”أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا یعنی ہوا بادل کے اجزاء کو باہم ملائے رہتی اور انہیں فضا میں معلق رکھتی ہے۔“

تَقْلِيلًا (تفعیل) کم کرنا۔ ﴿وَيَقْلِلْكُمْ فِيْٓ أَعْيُنِهِمْ﴾ (8/ الانفال: 44) ”اور اس نے کم کیا تمہیں ان کی آنکھوں میں۔“

إِتَّقُوا (وقی): البقرة آیت 2 دیکھیں۔

ترکیب

’وُعُطِفَ‘ کا ہے۔ اِمْنُوا فعل امر ہے اور یہ گزشتہ آیت میں اَوْفُوا پر عطف ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ بہا میں ’ب‘ حرف جار ہے، مَّا اسم موصول ہے اور اَنْزَلْتُ، صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں ’ب‘ کی وجہ سے اور یہ مرکب جاری متعلق ہے اِمْنُوا سے اور اس میں اشارہ ہے قرآن کی طرف۔ مُصَدِّقًا حال ہے، اسم موصول ’مَّا‘ کا اور آگے مرکب جاری لیما مَعَكُمْ متعلق ہے مُصَدِّقًا سے اور اس میں اشارہ ہے تورات کی طرف۔ ’وُعُطِفَ‘ کا ہے اور لَا تَتَّكِبُوا، كَانَ کا فعل نہیں ہے، اس کا اسم اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور اَوَّلَ کَافٍ بہ اس کی خبر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا مضاف اَوَّلَ حالت نصب میں ہے۔ اَوَّلَ کا لفظ عموماً جمع کی طرف مضاف ہوتا ہے مثلاً اَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ، اَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ وغیرہ لیکن یہاں کافرین یا کفار کی بجائے کافر واحد آیا ہے اس کا جواب صاحب تفسیر ماجدی اور صاحب تفسیر حقانی کے مطابق یہ ہے کہ کافر صورۃً واحد ہے لیکن معنی جمع ہے اور تقدیر کلام میں

ایک مضاف مخذوف ہے یعنی اَوَّلَ فَرِیقٍ کَافِرٍ بہ یعنی سب سے پہلے انکار کرنے والا گروہ نہ بنو۔ یہ میں ضمیر قرآن کے لیے ہے۔ آگے وَلَا تَشْكُرُوا میں دُ عطف کا ہے اور لَا تَشْكُرُوا پر عطف ہے۔ لَا تَشْكُرُوا فَعِلْ نَهی اور اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ بِاٰیَتِیْ متعلق فعل ہے۔ اٰیَتِیْ پر پ کا صلہ بتا رہا ہے کہ اس کے بدلے کچھ حاصل کرنے سے منع کیا ہے۔ ثُمَّ قَلِيلًا مرکب توصیفی مفعول بنفسہ آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ چیز ہے جس کو حاصل کرنے سے منع کیا ہے۔ آگے اِیَّایْ فَاتَّقُوْنَ کی ترکیب بھی وہی ہے جو گزشتہ آیات میں اِیَّایْ فَارْهَبُوْنَ کی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں فعل امر اِرْهَبُوا تھا، یہاں اتَّقُوا ہے۔

ترجمہ	وَأَمِنُوا	بِمَا	اَنْزَلْتُ	مُصَدِّقًا
البقرة: 41	اور تم لوگ ایمان لاؤ	اس (قرآن) پر جو	میں نے نازل کیا	اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والا ہے
	لِّہَا	مَعَكُمْ	وَلَا تَكْفُرُوا	اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ
	اس (تورات) کی جو	تمہارے ساتھ ہے	اور تم لوگ مت بنو	سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والے
	وَلَا تَشْكُرُوا	بِاٰیَتِیْ	ثُمَّ قَلِيلًا	وَ اِیَّایْ
	اور تم لوگ مت خریدو	میری آیات کے بدلے	تھوڑی قیمت کو	اور صرف مجھ سے ہی
فَاتَّقُوْنَ				
مجھ ہی سے بچتے رہو/ مجھ ہی سے ڈرو				

**نوٹ: 1** آیت مبارکہ میں یہود کو فرمایا وَلَا تَكْفُرُوا اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ ”اور اے یہود تم اس قرآن کے پہلے انکار کرنے والے مت بنو“ جبکہ مشرکین مکہ یہود سے پہلے حضور کی دعوت کا انکار کر چکے تھے تو پھر ایسا کیوں فرمایا؟ اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے۔ پہلا یہ کہ اگرچہ مشرکین مکہ، یہود سے پہلے انکار کر چکے تھے مگر ان کا انکار جہالت اور نادانی کی وجہ سے تھا۔ جبکہ یہود حق کو خوب پہنچانتے تھے اور ان کا انکار جاننے بوجھتے تھا۔ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ”یعنی قرآن کی دیدہ و دانستہ تکذیب کرنے والوں میں اول مت ہو کہ قیامت تک کے منکرین کا وبال تمہاری گردن پر ہو، اور مشرکین مکہ نے جو انکار کیا ہے وہ جہل اور بے خبری کے سبب کیا ہے دیدہ و دانستہ ہرگز نہ تھا اس میں تو اول تم ہی ہو گے اور یہ کفر پہلے کفر سے سخت تر ہے۔“ (تفسیر عثمانی، ص ۹)۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہجرت کے بعد، مدینہ میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے قرآن مجید اور حضور کی رسالت کا پہلے انکار کرنے والے یہودی تھے اس لیے ایسے فرمایا۔ (واللہ اعلم)۔

**نوٹ: 2** تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو، کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ معاوضہ مل جائے تو احکام الہی کا سودا کر لو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ احکام الہی کے مقابلے میں دنیاوی مفادات کو اہمیت نہ دو۔ احکام الہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال و متاع بھی ان کے مقابلے میں شمن قلیل ہے۔

**نوٹ: 3** آیت نمبر 40 میں وَ اِیَّایْ فَارْهَبُوْنَ فرمایا اور آیت زیر مطالعہ میں وَ اِیَّایْ فَاتَّقُوْنَ فرمایا۔ دونوں کا ترجمہ عام طور پر ”ڈرنا“ سے کیا جاتا ہے۔ انہی کا ایک ہم معنی لفظ ہے خُشُّوع۔ ان تینوں لفظوں کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ”رہبت، تقویٰ، خشوع سب ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں۔ کسی کے عظمت و جلال کے تصور سے دل پر جو لرزش اور کچکی طاری ہوتی ہے وہ رہبت ہے۔ اس لرزش و کچکی سے صاحب



عظمت و جلال کے لیے دل میں جو عجز و فروتنی اور پستی و نیاز مندی کی حالت پیدا ہوتی ہے اور طبیعت میں بے نیازی کی جگہ فقر کا اور گھمنڈ کی جگہ اذیت کا جو احساس ابھرتا ہے وہ **خشوع** ہے۔ اسی طرح اس صاحب عظمت و جلال کے قہر و غضب سے بچنے، اس کے مقرر کردہ حدود کی مخالفت سے احتراز اور اس کے احکام و آیات کی خلاف ورزی سے اجتناب و احتیاط کی جو بے چینی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے اور جو خلوت و جلوت ہر جگہ آدمی کو بیدار اور چوکنا رکھتی ہے وہ **تقویٰ** ہے۔“ (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۸۲)

### آیت: 42

﴿وَلَا تَلْبَسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾

ل ب س

(ض)

لَبَسَا

اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو چھپا دینا۔ پھر اسی مناسبت سے یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً خلط ملط کرنا۔ گڈمڈ کرنا۔ مشتبہ کرنا۔ کسی کام کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہو جانا۔ کسی کو کسی معاملے کے بارے میں شبہ میں ڈال دینا (علی کے صلے کے ساتھ)۔ ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾ (3/ آل عمران: 71) ”اے اہل کتاب تم لوگ کیوں گڈمڈ کرتے ہو حق کو باطل کے ساتھ۔“ ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ ۝﴾ (6/ الانعام: 9) ”اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے کسی فرشتہ کو تو وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا اور اُن کو اُسی شبہ میں ڈالتے جس میں اب پڑ رہے ہیں۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ لَبَسَ کا لفظ لڑا دینا، بھڑا دینا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿أَوْ يُلْبِسَكُمْ شِيْعًا وَيُذِيقُ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ط﴾ (6/ الانعام: 65) ”یا بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کے اور چکھادے ایک کو لڑائی ایک کی۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

اسم ذات بھی ہے۔ شبہ۔ شک۔ ﴿أَفَعَبِيدِنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ط بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝﴾ (50/ ق: 15) ”تو کیا ہم تمھیں گئے پہلی تخلیق سے؟ بلکہ یہ لوگ شک میں ہیں نئی تخلیق کے بارے میں۔“

لَبَسَ

(س)

لَبَسَا

پوشاک پہننا۔ کپڑا پہننا۔ ﴿يُلْبِسُونَ شِيْعًا خُصْرًا﴾ (18/ الکہف: 31) ”اور وہ لوگ پہنیں گے سبز کپڑے۔“ اسم ذات ہے۔ وہ چیز جو پہنی جائے۔ ﴿يَذِيقُ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَدِّرِي سَوَاتِكُمْ وَرِيشًا ط﴾ (7/ الاعراف: 26) ”اے آدم کی اولاد ہم نے اتارا ہے تم لوگوں پر ایک لباس، وہ چھپاتا ہے تمھاری بری چیزوں کو اور بطور آرائش کے۔“

لِبَاسٌ

لباس کا لفظ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جو انسان کی کمزوریوں اور برے کاموں پر پردہ ڈال سکے۔ اس لیے قرآن مجید میں میاں بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط﴾ (2/ البقرة: 187) ”وہ (بیویاں) تمھاری لباس ہیں اور تم ان (بیویوں) کا لباس ہو۔“ ظاہری جسمانی لباس کے علاوہ ایک باطنی لباس بھی ہے جو انسان کے باطن کی زینت و آرائش کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس باطنی لباس کو قرآن لِبَاسُ التَّقْوَىٰ کہتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ط﴾ (7/ الاعراف: 26) ”اور پرہیزگاری کا لباس، وہ تو سب سے بہتر ہے۔“ حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ”بلکہ اگر غور کیا جائے تو ظاہری بدنی لباس بھی اس

باطنی لباس کو زیب تن کرنے کے لیے شرعاً مطلوب ہوا ہے۔“ اور قرآن مجید میں یہ جو فرمایا: ﴿لِبَاسٍ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ﴾ (16/ النحل: 112) ”بھوک اور خوف کا لباس۔“ تو یہ بھوک اور خوف کی شدت کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا، جیسے لباس انسان کے بدن کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے اسی طرح بھوک اور خوف نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ قرآن مجید میں رات کو بھی لباس کہا گیا ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَا الْإِنْسَانَ لِبَاسًا﴾ (78/ النبا: 10) ”اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنا دیا۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ رات کو لباس اس لیے کہا کہ رات ہر چیز کو اپنی تاریکی کی چادر میں ڈھانپ لیتی ہے۔ یا اس لیے کہ جیسے لباس پہن کر آدمی اپنے آپ کو آرام دہ محسوس کرتا ہے اسی لیے رات کو لباس کہا کیونکہ رات کو ہر جاندار آرام اور سکون محسوس کرتا ہے۔ (واللہ اعلم)

فَعُولُ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لغت کے اعتبار سے اس سے مراد ہر طرح کا لباس ہے اور عام طور پر لڑائی کے وقت پہنے جانے والی زرہ کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَعَلَيْنَا صُنْعَةُ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِيُخْصِنَكُمْ قَوْمٌ بَاسِكُمْ﴾ (21/ الانبیاء: 80) ”اور ہم نے اُن کو زرہ بنانے کا ہنر سکھا دیا تمہارے لیے تاکہ وہ تمہاری حفاظت کرے تمہاری لڑائی میں۔“ اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”لبوس لغت کے اعتبار سے اسلحہ میں سے ہر چیز کو کہا جاتا ہے جو انسان اوڑھ کر یا گلے میں ڈال کر استعمال کرے۔ مراد اس جگہ آہنی زرہ ہے جو جنگ میں حفاظت کے لیے پہنی جاتی ہے۔“ (معارف القرآن، ج ۶، ص ۲۱۱)

الْحَقُّ (ح ق ق): البقرة آیت 26 دیکھیں۔

ب ط ل

- (ن) بَطْلًا، بَطْلَانًا یہ لفظ حق کی ضد ہے۔ اس لیے سورۃ البقرہ کی آیت: 26 میں لفظ حق کی وضاحت پھر دیکھ لیں۔
- (۱) ثابت نہ ہونا۔ (۲) جھوٹ ہونا۔ (۳) بے مقصد ہونا۔ بیکار ہونا۔ ضائع ہونا یعنی وجود بے معنی ہونا۔ (۴) واجب نہ ہونا۔ ﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (7/ الاعراف: 118) ”پس واقع ہوا حق اور ضائع ہوا جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔“
- بَاطِلٌ فاعِلُ کے وزن پر صفت ہے۔ بے مقصد۔ بیکار۔ ناحق۔ ﴿وَأَكْثَرُهُمْ أَتَمَالُ بِالبَاطِلِ﴾ (۴/ النساء: 161) ”اور بسبب ان کے کھانے کے لوگوں کا مال ناحق۔“
- (افعال) اِبْطَالًا باطل کرنا۔ ضائع کرنا۔ ﴿قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُم بِهٖ الشَّيْخُرَ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَبِّطٌ﴾ (10/ یونس: 81) ”حضرت موسیٰ نے کہا جو تم لوگ جولائے ہو، سو وہ جادو ہے۔ بے شک اللہ باطل کرے گا اس کو۔“ ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (47/ محمد: 33) ”اور تم مت ضائع کرو اپنے اعمال۔“
- مُبْطِلٌ ج: مُبْطِلُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ باطل کرنے والا۔ ناحق کرنے والا۔ گمراہ۔ ﴿وَلَيَبْئِثَنَّهُمْ بِأَيِّ لَّيْقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ إِنَّكُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ﴾ (30/ الروم: 58) ”اور اگر تم ان کے پاس لاؤ کوئی نشانی تو لازماً کہیں گے وہ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہو تم لوگ مگر ناحق کرنے والے یعنی گمراہ۔“

تَتَّبِعُوا (ل ت م): البقرة آیت 33 دیکھیں۔ تَعْلَمُونَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

## ترکیب

’وَعُطِفَ‘ کا ہے اور لَا تَلْبِسُوا عُطِفَ ہے گزشتہ آیت میں لَا تَشْكُرُوا پر۔ لَا تَلْبِسُوا اباب ضرب سے فعل نہیں ہے۔ اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر فاعل ہے، الْحَقُّ مفعول اور بِالْبَاطِلِ متعلق فعل ہے۔ وَتَكْتُمُوا میں ’وَعُطِفَ‘ کا ہے اور تَكْتُمُوا، تَلْبِسُوا پر عطف ہے۔ اسی لیے ’لا‘، نہیں کی وجہ سے مجزوم ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ اور الْحَقُّ اس کا مفعول ہے۔ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُونَ میں ’وَحَالِيہ‘ ہے، اَنْتُمْ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ تَعْلَمُونَ اس کی خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ حال ہے تَكْتُمُوا کی ضمیر فاعلی کا۔

ترجمہ	وَلَا تَلْبِسُوا	الْحَقُّ	بِالْبَاطِلِ	وَتَكْتُمُوا
البقرة: 42	اور تم لوگ گڈمڈم مت کرو	حق کو	باطل کے ساتھ	اور تم لوگ مت چھپاؤ
	الْحَقُّ	وَ	اَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾	
	حق کو	اس حال میں کہ	تم لوگ (اسے) جانتے ہو	

## نوٹ

آیت مبارکہ میں لَا تَلْبِسُوا کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبد الماجد دریا بادی فرماتے ہیں: ’’تلبیس کے اصلی معنی ہیں کسی چیز کو ڈھانپ لینا، چھپا لینا۔ ادھوری بات کہنا کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے، یا جھوٹ کو لفظی اور ظاہری سچائی کا رنگ دے دینا، بعض اوقات بالکل گھڑے ہوئے جھوٹ سے کہیں بڑھ کر دھوکے اور مغالطہ کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ہوئی شے کا نام آج کی اصطلاح میں پروپیگنڈہ ہے۔ موجودہ فرنگیوں کی طرح یہودی بھی اس فن میں اُستاد رہ چکے ہیں۔‘‘ (تفسیر ماجدی، ص ۲۴)

## آیت: 43

﴿وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكُعُوا مَعَ الرَّكْعَيْنِ ۝﴾

اقیموا (ق و م): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ الصَّلَاةُ (ص ل و): البقرة آیت 3 دیکھیں۔  
اُتُوا (ع ت ی): البقرة آیت 23 دیکھیں۔

## ز ک و

(ن)

زَكَاءٌ

اس مادے میں دو مفہوم پائے جاتے ہیں۔

(1) پاک ہونا۔ عربی زبان میں نفس زکیہ اس نفس کو کہا جاتا ہے جو گناہوں سے پاک ہو۔

(2) بڑھنا۔ نشوونما پانا۔ زیادہ ہونا۔ عربی زبان میں زَكَاءُ الزُّعْ کے معنی ہیں کھیتی بڑھی اور پھلی پھولی۔ ﴿وَلَوْ لَا

فَضَّلَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا﴾ (24/ النور: 21) ”اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم لوگوں پر اور

اس کی رحمت تو پاک نہ ہوتا تم میں سے کوئی ایک بھی کبھی بھی۔“

افعل التفضیل ہے۔ زیادہ پاک۔ زیادہ ستھرا۔ ﴿ذَلِكُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَطْهَرُ﴾ (2/ البقرة: 232) ”یہ تمہارے لیے

پاکیزہ تر ہے اور صاف تر ہے۔“

فَعِيلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ واحد مذکر۔ گناہوں سے پاک۔ ستھرا۔ پاکیزہ۔ ﴿لَا هَبَ لَكِ غُلْبًا

زَكِيًّا﴾ (19/ مریم: 19) ”تا کہ میں عطا کروں تجھ کو ایک پاکیزہ لڑکا۔“

زَكِيَّةٌ

فَعِيكُهُ كے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ واحد مونث۔ گناہوں سے پاک۔ ستھری۔ پاکیزہ ﴿قَالَ أَقْتَلْتَنِي نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ط﴾ (18/ البقرة: 74) ”حضرت موسیٰؑ بولے کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری بغیر عوض کسی جان کے۔“

(تفعیل)

تَزَكِيَّةٌ

(1) پاک کرنا۔ نشوونما دینا۔ عام طور پر یہ لفظ باطنی صفائی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ ط﴾ (24/ النور: 21) ”اور لیکن اللہ پاک کرتا ہے اُس کو جس کو وہ چاہتا ہے۔“ ﴿يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ط﴾ (2/ البقرة: 151) ”وہ پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت۔“

(2) اپنی پاکیزگی خود بیان کرنا۔ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْكُونَ أَنفُسَهُمْ ط﴾ (4/ النساء: 49) ”کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ﴿فَلَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمْ ط هُوَ أَعْلَمُ بِسِنِ الثَّقَلِ ع﴾ (53/ النجم: 32) ”سومت بیان کرو اپنی خوبیاں وہ خوب جانتا ہے اس کو جو بیچ کر چلا۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔

یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ نفس انسانی کے تزکیے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ہے تزکیہ بالفعل، یعنی اچھے اعمال کے ذریعے اپنے آپ کو درست کر لینا۔ یہ پسندیدہ بھی ہے اور مطلوب بھی جیسے فرمایا قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى ”وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے آپ کو سنوار لیا۔“ دوسرا ہے تزکیہ بالقول یعنی ایک متقی شخص کا دوسرے شخص کا تزکیہ کرنا اور اس کی خوبیوں کی گواہی دینا۔ قرآن مجید میں نبی اکرمؐ کے فرائض منصبی ایک خاص ترتیب کے ساتھ تین دفعہ بیان ہوئے ہیں جن میں سے ایک تزکیہ ہے۔ مثلاً: (البقرة: 151) (آل عمران: 164) (الجمعة: 2)۔ سورۃ النساء کی آیت 49 اور سورۃ النجم کی آیت 32 میں جس چیز کی مذمت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بعض دفعہ کچھ لوگ اپنے نفس کے تزکیے کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے کو یقینی سمجھ کر خود کو پاک صاف سمجھنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنی پاکیزگی کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔ یہ ہے وہ چیز جس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اپنی تعریف آپ کرنے کی اکثر وجہ تکبر ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ کہ یہ چیز خلاف خوفِ الہی بھی ہے کیونکہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کس حال میں ہوگا۔ لہذا اس چیز سے بچنا چاہیے۔ حدیث میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے، ”چنانچہ ایک روایت میں حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریمؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس وقت چونکہ میرا نام بَرَّةٌ تھا (جس کے معنی ہیں گناہوں سے پاک) میں نے وہی بتلایا، تو آپؐ نے فرمایا: لَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمْ، اللَّهُ أَعْلَمُ بِأَهْلِ الْبَيْتِ مِنْكُمْ، سَبُّوْهَا زَيْنَبَ (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ) یعنی تم اپنے آپ کی گناہوں سے پاکی بیان نہ کرو کیونکہ یہ علم صرف اللہ ہی کو ہے کہ تم میں سے کون پاک ہے، پھر بَرَّہ کے بجائے آپؐ نے زینب نام رکھا۔“ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۴۳۰)۔

زَكُوَّةٌ

اسم ذات ہے۔ ستھرائی۔ پاکیزگی۔ زکوٰۃ۔ لغات القرآن کے مطابق یہ تَزَكِيَّةٌ سے مشتق ہے۔ یہ لفظ اصلاً زَكُوَّةٌ ہے جو قاعدہ کے مطابق تبدیل ہو کر زَكَاةٌ بنتا ہے اور قرآن مجید کی خاص املاء میں زَكُوَّةٌ لکھا جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے زکوٰۃ کے اندر پاکیزگی اور نشوونما دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اصطلاح شرع میں مال کے اس حصے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے جو شریعت کے احکام کے مطابق کسی مال میں سے نکالا جائے اور اس کے احکام کے مطابق خرچ کیا جائے۔ مال کے اس مقررہ حصے کو زکوٰۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے نفس اور مال دونوں کو پاکیزگی بھی ملتی ہے اور اس سے مال میں برکت اور بڑھوتری بھی ہوتی ہے۔ ﴿وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ﴾ (2/ البقرة: 277) ”اور انہوں نے نماز قائم کی اور

زکوٰۃ ادا کی۔ ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ﴾ (23/ المومنون: 4) ”زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں۔“ اس آیت مبارکہ کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ”عربی زبان میں زکوٰۃ کا مفہوم دو معنوں سے مرکب ہے۔ ایک ”پاکیزگی“ دوسرے ”نشوونما“۔ کسی چیز کی ترقی میں جو چیزیں مانع ہوں اُن کو دور کرنا، اور اس کے اصل جوہر کو پروان چڑھانا، یہ دو تصورات مل کر زکوٰۃ کا پورا تصور بناتے ہیں۔ پھر یہ لفظ جب اسلامی اصطلاح بنتا ہے تو اس کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے۔ ایک وہ مال جو مقصد تزکیہ کے لیے نکالا جائے۔ دوسرے بجائے خود تزکیہ کا فعل اگر یُوْتُوْنَ الزَّكَاةَ کہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ تزکیہ کی غرض سے اپنے مال کا ایک حصہ دیتے یا ادا کرتے ہیں۔ اس طرح بات صرف مال دینے تک محدود ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تزکیہ کا فعل کرتے ہیں، اور اس صورت میں بات صرف مالی زکوٰۃ ادا کرنے تک محدود نہ رہے گی بلکہ تزکیہ نفس، تزکیہ اخلاق، تزکیہ زندگی، تزکیہ مال، غرض ہر پہلو کے تزکیے تک وسیع ہو جائے گی۔“ (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۲۱۳)۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کا لفظ مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوا ہے (1) اصطلاحی زکوٰۃ کے لیے جیسے اوپر البقرہ کی آیت 277۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر اصطلاحی زکوٰۃ کا ذکر نماز کے ساتھ آیا ہے۔ (2) پاکیزگی کے لیے مثلاً: ﴿فَادْخُلْنَا اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً وَّاَقْرَبَ رُحَمًا﴾ (18/ الکہف: 81) ”پھر ہم نے چاہا کہ بدل دے اُن کو اُن کا رب بہتر اُس سے پاکیزگی میں اور نزدیک تر شفقت میں۔“ (ترجمہ شیخ البند)۔ ﴿وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكَاةً وَّاُكَانَ تَقِيًّا﴾ (19/ مریم: 13) ”اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔“ (ترجمہ ماجد)۔ (3) عام صدقہ کے لیے مثلاً: ﴿وَمَا آتَيْتُم مِّنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ﴾ (30/ الروم: 39) ”اور تم جو صدقہ دو گے جسے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے ہی لوگ غنقریب بڑھاتے رہیں گے۔“ (ترجمہ ماجد)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالمجید دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ”زکوٰۃ سے یہاں اصطلاحی زکوٰۃ مراد نہیں۔ شریعت کی یہ اصطلاح تو بہت بعد کی ہے بلکہ مطلق صدقہ مراد ہے، جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے دیا جائے۔“ پاکیزگی حاصل کرنا۔ پاک ہونا۔ ﴿وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَاَنۢمَّا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهٖ﴾ (35/ فاطر: 18) ”اور جس نے پاکیزگی حاصل کی تو وہ تو بس پاکیزگی حاصل کرتا ہے اپنے ہی لیے۔“ ﴿وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَتَزَكَّىٰ﴾ (80/ عبس: 7) ”آپ پر ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ پاکیزگی حاصل نہیں کرتا۔“ ”ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی تزکی کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مراد اسلام قبول کرنا ہی ہے۔ چنانچہ وہ مثال میں قرآن مجید کی حسب ذیل تین آیات کو پیش کرتے ہیں: ﴿وَذٰلِكَ جَزَآؤُا مَنۢ تَزَكَّىٰ﴾ (20/ طہ: 76) ”اور یہ جزا ہے اس کی جو پاکیزگی اختیار کرے۔“ یعنی اسلام لے آئے۔ ﴿وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّہٗ يَتَزَكَّىٰ﴾ (80/ عبس: 3) ”اور تمہیں کیا خبر شاید کہ وہ پاکیزگی اختیار کرے۔“ یعنی مسلمان ہو جائے۔ ﴿وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَتَزَكَّىٰ﴾ (80/ عبس: 7) ”اور تم پر کیا ذمہ داری ہے اگر وہ پاکیزگی اختیار نہ کرے۔“ یعنی مسلمان نہ ہو۔ (ابن جریرؒ بحوالہ تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۲۴۲) نوٹ: یَتَزَكَّىٰ اصل میں يَتَزَكَّىٰ ہے۔

(تَفَعَّلَ) تَزَكَّى

ر ك ع

عاجزی کے اظہار میں جھکنا۔ پشت میں خم ڈالنا۔ اصطلاحاً رکوع نماز کا ایک رکن ہے۔ لغوی معنی جھکنے کے اعتبار سے عربی زبان میں رکوع، سجد یعنی سجدہ کرنا کے معنوں میں بھی اکثر استعمال ہوتا ہے جیسے اس شعر میں ہے (فَخَرَّ عَلٰی وَجْہِہِ

(ف) رُكْعًا، وَرُكُوعًا

رَاكِعًا — وَتَأْتِي إِلَى اللَّهِ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ)۔ یعنی وہ سجدہ کرتے ہوئے منہ کے بل گر پڑا اور بارگاہ الہی میں ہر گناہ سے توبہ کی۔ اس شعر میں رَاكِعًا کا معنی ساجدًا (سجدہ کرنے والا) ہے۔ (روح المعانی بحوالہ ضیاء القرآن)۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”رکوع کے لغوی معنی جھکنے کے ہیں، اور اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ سجدہ پر بھی بولا جاسکتا ہے، کیونکہ وہ بھی جھکنے کا انتہائی درجہ ہے، مگر اصطلاح شرع میں اس خاص جھکنے کو رکوع کہتے ہیں جو نماز میں معروف و مشہور ہے۔“ (معارف القرآن، ج ۱ ص ۲۱۵)۔ ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ﴾ (77/ البقرة: 48) ”اور جب بھی کہا جاتا ہے ان لوگوں سے کہ تم لوگ رکوع کرو یعنی نماز پڑھو تو وہ لوگ رکوع نہیں کرتے ہیں یعنی نماز نہیں پڑھتے۔“

ارْكَعْ

ج: ارْكَعُوا۔ فعل امر ہے۔ تو رکوع کر۔ اوپر آیت نمبر (77/ البقرة: 48) دیکھیں۔

رَاكِعًا

ج: رَاكِعُونَ اور رُكَّعٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ جھکنے والا۔ عاجزی کرنے والا۔ رکوع کرنے والا۔ ﴿فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَحَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ﴾ (38/ ص: 24) ”سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں اور (دل و جان سے) اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت میں بھی صاحب ضیاء القرآن کے مطابق رَاكِعٌ سے مراد ساجد ہے۔ ﴿وَارْكَعْ مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ (3/ آل عمران: 43) ”اور آپ (اے مریم) رکوع کریں رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔“ ﴿أَنْ طَهَّرَ ابْنَتِي لِلظَّالِمِينَ وَالْعَافِينَ وَالرَّكَعِ السُّجُودِ﴾ (2/ البقرة: 125) ”کہ تم دونوں پاک رکھو میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں کے لیے۔“

## ترکیب

’و‘ حرف عطف ہے اور اَقْبِمْ اور اَقْبِمْوَا گزشتہ آیت میں لَا تَلْبِسُوا پر عطف ہے۔ اَقْبِمْوَا فعل امر میں جمع مذکر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ الصَّلَاةُ اس کا مفعول ہے۔ آگے وَاَنْتُمْ میں ’و‘ عطف کا ہے اور اَنْتُمْ بھی فعل امر ہے اور اَلرَّكُوعُ اس کا مفعول ہے۔ وَاَرْكَعُوا میں ’و‘ عطف کا ہے اور ارْكَعُوا بھی فعل امر ہے۔ مَعَ ظرف ہے اور مضاف ہے ارْكَعُوا سے، اَلرَّكِعِينَ مضاف الیہ ہے۔

وَاَقْبِمْوَا	الصَّلَاةُ	وَاَنْتُمْ	الرَّكُوعُ	وَاَرْكَعُوا
اور تم لوگ قائم کرو	نماز کو	اور تم لوگ ادا کرو	رکوع	اور تم لوگ جھکو

ترجمہ

البقرة: 43

## مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۳۸﴾

(نماز میں) جھکنے والوں کے ساتھ

## نوٹ: 1

آیت مبارکہ میں بنی اسرائیل سے جو یہ فرمایا وَاَرْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ تو اس سے کیا مراد ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس کا جواب دیتے ہیں ”یہاں نماز کا ایک جز بول کر گھل نماز مراد لی گئی ہے، جیسے قرآن مجید میں ایک جگہ قُرْآنُ الْعَجْرِ فرما کر پوری نماز فجر مراد ہے اور بعض روایات حدیث میں سجدہ کا لفظ بول کر پوری رکعت یا نماز مراد لی گئی ہے، اس لیے مراد آیت کی یہ ہو گئی کہ نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ۔“ لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ نماز کے بہت سے ارکان میں سے خاص رکوع کا ہی کیوں ذکر کیا گیا تو اس کا جواب حضرت مفتی محمد شفیعؒ ان الفاظ میں دیتے ہیں ”یہود کی نماز میں سجدہ وغیرہ تو تھا، مگر رکوع نہیں تھا، رکوع اسلامی نماز کی خصوصیات میں سے ہے، اس لیے راکعین کے لفظ سے امت محمدیہ کے نمازی مراد ہوں گے، جن کی نماز میں رکوع بھی ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ تم بھی امت محمدیہ کے نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کرو، یعنی اول ایمان قبول کرو پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرو۔“ (معارف القرآن، ج ۱ ص ۲۱۵)۔

نوٹ: 2

ہمارے بزرگوں میں ایک بحث ہوئی ہے کہ کیا کافروں کو شریعت کے فروعی احکامات کا مخاطب بنانا درست ہے۔ تو اس کا جواب جمہور علماء نے یہ دیا ہے کہ آیت مبارکہ کے یہ سارے احکام ایک آیت قبل کے حکم ایمان و اٰمِنُوا بِمَا اُنْزِلَتْ کے ماتحت ہیں۔ یعنی پہلے ایمان لاؤ اور پھر ان احکامات پر عمل کرو۔“ (بحوالہ تفسیر ماجدی۔ تلخیصاً)۔

## آیت: 44

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۴۴﴾

تَاْمُرُوْنَ (عمر د): البقرة آیت 27 دیکھیں۔ النَّاسُ: البقرة آیت 8 دیکھیں۔

ب ر ر

(س۔ض)

بِرًّا

احسان و حسن سلوک کرنا۔ نیکی و بھلائی کرنا۔ کسی کے حق کو پورا کرنا، چاہے وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہو، ماں باپ کا حق ہو یا عام بندوں کا حق ہو۔ ان بنیادی حقوق کے علاوہ اس لفظ میں ان حقوق کو پورا کرنے کا مفہوم بھی شامل ہے ہے جو معاہدات، قول و قرار اور قسموں سے پیدا ہوتے ہیں۔ ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَكُمْ بِقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبُوْهُمْ﴾ (60/ الممتحنة: 8) ”جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ حسن سلوک و احسان کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا۔“

اسم ذات بھی ہے۔ نیکی۔ اس میں اعتقادی اور عملی دونوں قسم کی نیکیاں شامل ہیں اور قرآن مجید میں سورہ البقرہ کی آیت 177 میں اس کی تفصیل ہے ﴿لَيْسَ الْبِرُّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ (2/ البقرة: 177) ”نیکی (بس یہی) نہیں کہ تم پھیر لو اپنے رخ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف۔“ حضرت مولانا عبدالمجید دریا بادیؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ”بِرُّ کے معنی لغت عربی میں بہت وسیع ہیں، نیکی کے جملہ اقسام پر شامل ہے۔ اُردو میں اس کا صحیح مفہوم لفظ طاعت ہی سے ادا ہو سکتا ہے۔ اہل لغت ہی کو نہیں اہل تفسیر کو بھی بِرُّ کے مفہوم کی بھی وسعت مسلم ہے۔ اَلْبِرُّ اِسْمٌ جَامِعٌ لِلطَّاعَاتِ وَاَعْمَالِ الْخَيْرِ الْمُنْقَرِبَةِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰی۔ (کبیر) (تفسیر ماجدی، ص ۸۴)۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ”یہ لفظ احسان اور نیکی کی تمام قسموں پر بھی حاوی ہے اور عدل کا بھی ہم معنی ہے۔ اپنے استعمالات کے لحاظ سے یہ لفظ اثم (حق تلفی) عقوق (والدین کی نافرمانی) غدر (بے وفائی) اور ظلم کا ضد ہے۔“ (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۸۷)۔ حدیث میں ہے: حج مبرور کی جزاء جنت کے سوا کچھ نہیں۔ اس میں حج مبرور سے مراد بِرُّ یعنی نیکیوں سے بھرپور حج ہے۔

بَارًا

ج: اَبْرَارٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ نیکی کرنے والا۔ بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے بمعنی نیک۔ شریعت کی رو سے بَارًا وہ ہے جو اپنے ذمے عائد ہونے والے حقوق کو پوری طرح ادا کرے، اپنے رب کی اطاعت کرے اور اس کے منع کیے ہوئے افعال سے پرہیز کرے۔ ﴿وَتَوَفَّيْنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ (3/ آل عمران: 193) ”اور تو موت دے ہم کو نیکی کرنے والوں یعنی نیک لوگوں کے ساتھ۔“

بِرًّا

ج: بِكَوْرَةً۔ فَاعِلٌ کے وزن پر بَارًا تھا۔ الف گر گیا تو بِكَوْرَةً ہوا پھر ادغام ہو کر بِرًّا بنا۔ اسم صفت ہے۔ اس کی نسبت اللہ

تعالیٰ اور بندے دونوں کی طرف ہوتی ہے۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے احسان کرنے والا۔ ﴿إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ﴾ (52/ الطور: 28) ”یقیناً وہی احسان کرنے والا ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔“ اور جب اس کی نسبت بندے کی طرف ہو تو معنی ہوتے ہیں حسن سلوک کرنے والا۔ اطاعت گزار۔ فرمانبردار۔ نیک۔ ﴿وَكَانَ تَقِيًّا﴾ ﴿وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ﴾ (19/ مريم: 13-14) ”اور وہ یعنی تقيّاً تقوے والے تھے اور نیکی کرنے والے تھے اپنے والدین کے ساتھ۔“ اس کی جمع قرآن مجید میں ایک ہی دفعہ فرشتوں کی صفت کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔ ﴿كَوَاهِمَ بَرَزَةٍ﴾ (80/ عيس: 16) ”جو بڑے درجہ والے نیک کار ہیں۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ صاحب لغات القرآن بَرَزَةٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”بَرَزَةٌ، أَبْرَازٌ کی بہ نسبت زیادہ بلیغ ہے کیونکہ أَبْرَازٌ بَرَزٌ کی جمع ہے اور بَرَزَةٌ بَرٌّ کی اور جس طرح عَدْلٌ (یعنی سرتاپا انصاف) عَادِلٌ سے زیادہ بلیغ ہے اسی طرح بَرٌّ، بَرَزٌ سے زیادہ بلیغ ہے۔“ (لغات القرآن، ج ۲، ص ۲۷)

صفت کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ خشکی۔ (جس طرح حسن سلوک کرنے والا اپنے اندر سکون اور ٹھہراؤ محسوس کرتا ہے اسی طرح پانی پر چمکولوں کے مقابلے میں خشکی پر انسان کو سکون اور ٹھہراؤ ملتا ہے)۔ ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (6/ الانعام: 59) ”اور وہ جانتا ہے جو خشکی اور تری میں ہے۔“

بَرٌّ

ن س ی

(س) نَسِيًّا اور نَسِيًّا نًا نسیان کا معنی ہے انسان کا اس چیز کو محفوظ نہ رکھنا جو اسے ودیعت کی گئی۔ اس کی وجہ کبھی دل کی کمزوری اور غفلت ہوتی ہے اور کبھی قصداً بھی انسان کسی چیز کو اپنے دل سے مٹا دیتا ہے۔ چنانچہ یہ لفظ کسی بات یا چیز کو بلا ارادہ بھلا دینا یا ارادۃً بھلا دینا، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَكَيْسَىٰ وَ لَمْ يَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾ (20/ طہ: 115) ”اور ہم نے حکم دیا تھا آدمؑ کو اس سے پہلے (کہ وہ اُس درخت کے قریب نہ جائے) سو وہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اُس کا کوئی قصد۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ﴾ (87/ الاعلى: 6) ”ہم پڑھائیں گے آپ کو تو آپ نہیں بھولیں گے۔“ ﴿فَلَوْ وَفَوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا﴾ (32/ السجدة: 14) ”پس اب چکھو سزا اُس جرم کی کہ تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس روز کی ملاقات کو۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ (5/ المائدة: 13) ”اور انہوں نے بھلا دیا یا بڑا حصہ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ہر وہ نسیان جو قصد و ارادہ سے ہو، قابل مذمت ہے اور جو بغیر قصد و ارادہ سے ہو وہ معاف ہے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا رَفَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَا وَالنَّسْيَانَ۔ اٹھالیا گیا (یعنی معاف کر دیا گیا) میری امت سے خطا اور نسیان کو۔ ”نسیان کا لفظ جان بوجھ کر کسی چیز کو چھوڑ دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً: ﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ﴾ (7/ الاعراف: 165) ”پھر جب انہوں نے فراموش کر دی جو انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے نجات دے دی انہیں جو روکتے تھے برائی سے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”نسیان جان بوجھ کر کسی چیز کو چھوڑ دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔“ (ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۹۷)۔ قرآن مجید کی کئی آیات میں نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی گئی ہے مثلاً: ﴿فَالْيَوْمَ نَنْسَهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا﴾ (7/ الاعراف: 51) ”سو آج ہم فراموش کر دیں گے انہیں جیسے انہوں نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔“ ﴿نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ ط



(9/ التوبة: 67) ”انہوں نے بھلا دیا اللہ کو تو اس (اللہ) نے بھی انہیں فراموش کر دیا۔“ اور ﴿إِنَّا نَسِينُكُمْ﴾ (32/ السجدة: 14) ”ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا۔“ ایسی تمام آیات جہاں نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے وہاں اس کے معنی ترک کرنے اور نظر انداز کرنے کے ہوتے ہیں کیونکہ بھولنا ایک انسانی عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ چنانچہ الاعراف: 51 کے تحت مولانا عبدالمجید دریا بادی فرماتے ہیں: ”انساء الہی سے جو ظاہر ہے کہ بالکل ارادی اختیاری ہوگا۔ مراد اللہ کا ان لوگوں کو رحمت کے ساتھ یاد نہ فرمانا ہے۔ محاورہ عرب میں نسیان وانساء کا یہ استعمال نامعلوم نہیں۔“ اور اسی آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”نسیان (بھلا دینے) کا کیا معنی ہے؟ امام رازی نے دو قول نقل کیے ہیں۔ (۱) نسی بمعنی ترک یعنی ہم انہیں چھوڑ دیں گے اور ان کو نجات نہیں دیں گے۔ (۲) دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم ان سے ایسا برتاؤ کریں گے جیسے ہم نے ان کو فراموش کر دیا ہے۔“ اور پیر کرم شاہ صاحب السجدة: 14 کے تحت فرماتے ہیں: ”نسیان کا معنی بھلا دینا اور فراموش کر دینا ہے لیکن کسی چیز کو ترک کرنے اور نظر انداز کر دینے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے خصوصاً جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو کیونکہ وہاں بھولنا اور فراموش کرنا مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے وہاں فقط ترک کرنا، نظر انداز کرنا کے معنی میں یہ لفظ مستعمل ہوگا علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: قوله عز وجل: نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّمَا مَعَنَا ذِكْرُكُمْ وَاللَّهُ فَتَنَّاكَ كَهَمٍّ“ (لسان العرب بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۶۳۴)

فعل نہی ہے۔ تو مت بھول یا مت بھلا۔ ﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدِّنْيَا﴾ (28/ القصص: 77) ”اور تو مت بھول اپنے حصے کو دنیا میں سے۔“

لَا تَنْسَ

اسم ذات ہے۔ وہ معمولی چیز جو توجہ کے قابل نہ ہو۔ ﴿وَكُنْتُ نَسِيًّا مِّنْهُمْ﴾ (19/ مریم: 23) ”اور میں ہوتی ایک معمولی چیز بھولی ہوئی۔“ اس آیت میں نَسِی کے متعلق امام راغب فرماتے ہیں: ”نَسِی کے معنی ہیں وہ حقیر چیز جس کی طرف کوئی دھیان نہ دے اگرچہ وہ بھولی ہوئی نہ ہو پھر بھولی ہوئی چیز کے معنی کو ظاہر کرنے کے لیے مَنَسِيًّا کا لفظ لایا گیا۔“ (تلخیصاً)

نَسِی

مَفْعِي کے وزن پر اسم المفعول ہے۔ وہ چیز جس کو بھلا دیا جائے۔ فراموش شدہ چیز۔ بھولی ہوئی چیز۔ اوپر (19/ مریم: 23) دیکھیں۔

مَنْسِيٌّ

فَعِيل کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے۔ بھولنے والا۔ ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ (19/ مریم: 64) ”اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا۔“

نَسِی

کسی دوسرے کو کوئی چیز یا بات بھلا دینا۔ ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ط﴾ (59/ الحشر: 19) ”اور تم لوگ مت ہو ان لوگوں کی مانند جو بھولے اللہ کو تو اس نے یعنی اللہ نے ان کو بھلا دیا اپنا آپ۔“ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا﴾ (2/ البقرة: 106) ”جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا ہم بھلا دیتے ہیں۔“

انْساء

(افعال)

أَنْفُسُ (ن ف س): البقرة آیت 9 دیکھیں۔

ت ل و

کسی کے پیچھے پیچھے چلنا۔ پیروی کرنا۔ اتباع کرنا۔ اصل میں تَلَا يَتَلَوُ کا مطلب پیروی کرنا ہے۔ یہ پیروی کبھی ظاہری

تَلَوَا

(ن)

اور جسمانی طور پر کسی کے پیچھے پیچھے چلنے سے ہوتی ہے اور کبھی کسی چیز کو پڑھنے اور اس کے معنی میں غور و فکر کر کے جو راستہ سمجھ آئے اس پر چلنے سے ہوتی ہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے مصدر تَلَوُا اور تَلَوْا استعمال ہوتا ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے تَلَاوَةً مصدر استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان میں تَلَوُا اُثْنِي کے اس بچے کو کہتے ہیں جس کا دودھ چھڑا دیا جائے اور وہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلے۔ (مصباح) ﴿وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَهَا ۝﴾ (91/ البقرہ: 2) ”قسم ہے چاند کی جب وہ پیچھے پیچھے چلا اس (سورج) کے۔“

تِلَاوَةً

کسی چیز کو پڑھنا اور اس کی پیروی کرنا۔ تلاوت کا لفظ، قرأت (پڑھنا) سے خاص ہے۔ قرأت کا لفظ پڑھنے اور مطالعہ کرنے کے لیے عام ہے خواہ کوئی تحریر پڑھی جائے، کوئی کتاب یا ایک آدھ لفظ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کچھ قرأت کی جائے اس کی پیروی بھی لازماً کی جائے جبکہ تلاوت میں یہ مفہوم ہے کہ جو کچھ پڑھا جائے اس کی پیروی بھی کی جائے۔ چنانچہ تلاوت کے اندر قرأت کا مفہوم ہے لیکن قرأت کے اندر تلاوت کا مفہوم نہیں ہے۔ اسی لیے عربی زبان میں کسی کے خط کو پڑھنے کے لیے تَلَوْتُ رُقْعَتَكَ کے الفاظ نہیں بولے جاتے۔ اصطلاحاً تلاوت کا لفظ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں کو پڑھنے کے لیے مخصوص ہے کیونکہ ان کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان میں درج شدہ ہدایات کی پیروی کرنا بھی لازم ہوتا ہے۔ اب چونکہ قرآن مجید واحد آسمانی کتاب ہے جو اپنی اصلی حالت میں ہے اس لیے تلاوت کا لفظ قرآن پاک کو پڑھنے کے لیے مخصوص ہے۔ اس لیے جب ”تلاوت قرآن پاک“ کہا جائے تو اس میں دو مفہوم ہیں ایک قرآن پاک کو پڑھنا اور دوسرا اس پر عمل کرنا۔ تَلَا يَتْلُو کے بعد اگر مفعول بنفسہ آئے تو مطلب ہوتا ہے پڑھنا یعنی تلاوت کرنا۔ اور اگر علی کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے کسی کو پڑھ کر سنانا۔ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتْ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۝﴾ (2/ البقرة: 113) ”اور کہا نصاریٰ نے کہ نہیں ہیں یہودی کسی چیز پر حالانکہ وہ لوگ پڑھتے ہیں کتاب کو۔“ ﴿أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ﴾ (39/ الزمر: 71) ”کیا نہیں پہنچے تم لوگوں کے پاس کچھ رسول تم میں سے، وہ لوگ پڑھ کر سناتے تھے تم کو تمہارے رب کی آیات۔“ ﴿الَّذِينَ اتَّبَعُهَا الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ ۝﴾ (2/ البقرة: 121) ”وہ لوگ جن کو ہم نے دی کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جیسے کہ اُس کو پڑھنے کا حق ہے۔“ امام راغب اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں: ”کہ وہ اس کو پڑھ کر سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔“ اور قرآن مجید میں یہ جو فرمایا ﴿وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ﴾ (2/ البقرة: 102) جس میں تلاوت کی نسبت شیاطین کی طرف کی گئی ہے تو ہمارے بزرگوں نے اس کی تین طرح سے وضاحت کی ہے (1) اگر تَتْلُوا، تِلَاوَةً سے مشتق ہے تو پھر آیت کے معنی ہوں گے ”اور انہوں نے پیروی کی اس کی جس کو شیاطین پڑھا کرتے تھے۔“ (عام طور پر اسی طرح ترجمہ کیا گیا ہے) اس صورت میں شیاطین کے پڑھنے کو تلاوت کہا گیا تو اس کی وجہ امام راغب کے نزدیک یہ ہے کہ ان شیاطین کو یہ گمان باطل اور زعم تھا کہ وہ کتب الہیہ کی تلاوت کر رہے ہیں۔ (2) اگر تَتْلُوا، تَلَوْا یا تَلَوْا سے مشتق ہو تو پھر آیت کے معنی ہوں گے ”اور انہوں نے پیروی کی اس چیز کی جس کی پیروی کی شیاطین نے۔“ لیکن آیت کا یہ ترجمہ میرے علم کی حد تک نہیں کیا گیا۔ (3) ایک تیسری وجہ جو صاحب ضیاء القرآن نے لکھی ہے وہ یہ کہ تَلَوْا کا ایک معنی بہتان باندھنا بھی ہے اس صورت میں آیت کا مفہوم ہوگا کہ یہودی پیروی کرنے لگے اس چیز (سحر) کی جس کا شیطان حضرت سلیمانؑ پر بہتان باندھا کرتے تھے۔ (واللہ اعلم)۔ امام راغب کے مطابق تلاوت کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی نازل کرنے کے ہوتے ہیں جیسے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ تَتْلُوْهُ عَلٰیكَ مِنَ الْاٰیٰتِ

وَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٥٨﴾ (3/ آل عمران: 58) ”یہ جسے ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں نشانیں میں سے ہے اور پُر حکمت مضمون میں سے۔“ تو اس آیت میں تَنَلُّوْهُ کے معنی نازل کرنا کے ہیں۔

فَعَلْ أَمْرٌ هُوَ - تو پڑھ کر سنا۔ ﴿اَنْتُمْ مَّا اَوْحَى الْيَنَّا مِنَ الْكِتَابِ﴾ (29/ العنكبوت: 45) ”آپ پڑھئے جو وحی کیا گیا آپ کی طرف کتاب میں سے۔“ ﴿وَاَنْتُمْ عَلَيْهِمْ بِبِأَنْفُسِكُمْ﴾ (10/ یونس: 71) ”پڑھ کر سناؤ ان لوگوں کو نوح کی خبر۔“ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ تلاوت کرنے والا (تِلَاوَةً سے)

ج: تَالِيَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ تلاوت کرنے والی (تِلَاوَةً سے)۔ ﴿فَالْتَلَيْتِ ذِكْرًا﴾ (37/ الصافات: 3) ”پھر ذکر کی تلاوت کرنے والے (فرشتوں کی)۔“

الْكِتَابُ (ک ت ب): البقرة آیت 2 دیکھیں۔

ع ق ل

(ض)

عَقْلًا

عربی زبان کا یہ لفظ کئی معنی کا مجموعہ ہے۔ مثلاً روکنا۔ منع کرنا۔ کسی شے پر غور و فکر کر کے اس کی حقیقت کو سمجھ لینا۔ دانا ہونا۔ دانائی کی صلاحیت کو استعمال کرنا۔ غلطی کا احساس کرنے کے قابل ہونا۔ عربی میں عَقْلًا اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کا پاؤں باندھ دیا جائے اور جس سے اونٹ آزادی سے چل پھر نہ سکے۔ سر پر باندھنے کی رسی کو بھی عَقْلًا کہا جاتا ہے۔ عورت جب اپنے بال باندھ لے تو کہتے ہیں عَقَلْتُ الْمَرْءَةَ شَعْرَهَا۔ اسی طرح عَقْلٌ لِسَانُهُ کا معنی ہے اس نے اپنی زبان روک لی۔ قرآن مجید میں اس مادے سے ماضی اور مضارع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اور اکثر ان کا ترجمہ ”عقل“ سے کیا گیا ہے۔ عقل بطور اسم ذات قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ ﴿يَسْمَعُونَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ يُحِزُّونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ﴾ (2/ البقرة: 75) ”وہ لوگ سنتے ہیں اللہ کے کلام کو پھر وہ بدل دیتے ہیں اس کو اس کے بعد کہ جو انہوں نے سمجھا اس کو۔“ ﴿كَذَلِكَ يُخَيِّ اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (2/ البقرة: 73) ”اس طرح اللہ زندہ کرے گا مردہ کو اور وہ دکھاتا ہے تم لوگوں کو اپنی نشانیاں شاید تم لوگ عقل سے کام لو۔“ اصل میں عقل وہ روحانی نور (یا قوت) ہے جس سے چیزوں کی حقیقت کو سمجھا جاتا ہے، جس سے نقصان دہ چیزوں سے بچا جاتا ہے، جس سے انسان نفع اور نقصان کا فرق کرتا ہے، جو انسان کو فائدہ مند چیزوں کے حصول اور قبول علم کے لیے ہر وقت تیار رکھتا ہے اور جس سے انسان سوچ و بچار کرتا ہے۔ عقل کو عقل بھی اس لیے کہتے ہیں کہ عقل کے معنی منع کرنے کے ہیں چونکہ عقل عاقل کو نازیبا باتوں سے روکتی رہتی ہے، اس لیے اس کا نام ”عقل“ ہوا۔ اس روکنے کے مفہوم کے لحاظ سے اسے نُهْيَةٌ بھی کہتے ہیں (یعنی بری باتوں سے روکنے والی عقل)۔ اس کی جمع قرآن مجید میں استعمال ہوئی ہے (لُؤْلِي السُّهَى ط: 54)۔ یا عقل مَعْقِلٌ سے ماخوذ ہے، معقل کہتے ہیں جائے پناہ کو، اور چونکہ عقل کو عقل کے تلے ہی پناہ ملتی ہے اس لیے اس کو عقل کہنے لگے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل کا مکمل قلب ہے چنانچہ فرمایا: ﴿اَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَتَكُونْ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا اَوْ اَذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا﴾ (22/ الحج: 46) ”کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے؟“ عقل کی قسموں

کے متعلق حضرت علیؓ کا قول ہے: **الْعَقْلُ عَقْلَانِ - مَطْبُوعٌ وَمَسْبُوعٌ**۔ عقل کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو طبیعت میں ودیعت کی جاتی ہے اور دوسری وہ جو سن کر حاصل ہوتی ہے۔ **وَلَا يَنْفَعُ مَسْبُوعٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَطْبُوعٌ** اور وہ عقل جو سن کر حاصل ہوتی ہے وہ فائدہ مند نہیں ہوتی جب تک طبیعت میں ودیعت کی جانے والی عقل موجود نہ ہو۔ **كَمَا لَا يَنْفَعُ ضَوْءُ الشَّمْسِ وَضَوْءُ الْعَيْنِ مَبْنُوعٌ** جس طرح سورج کی روشنی اس وقت فائدہ نہیں دیتی جب آنکھ میں روشنی نہ ہو۔ عقل کے پہلے معنی کی طرف آنحضرتؐ نے ایک حدیث میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: **مَا خَلَقَ اللَّهُ خَلْقًا أَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَ الْعَقْلِ** اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک عقل سے زیادہ باعزت ہو۔ اور دوسرے معنی کی طرف آنحضرتؐ کے اس ارشاد میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ **مَا كَسَبَ أَحَدٌ شَيْئًا أَفْضَلَ مِنْ عَقْلٍ يَهْدِيهِ إِلَى هُدًى أَوْ يَرُدُّهُ عَنْ رَدًى** کہ کسی شخص نے اس عقل سے بڑھ کر کوئی چیز حاصل نہیں کی جو انسان کی رہنمائی کرے یا اسے ہلاکت سے بچائے چنانچہ آیت کریمہ: ﴿وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ (29/ العنكبوت: 43) ”اور اسے تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔“ میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ اور ہر وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے فقدان عقل کی وجہ سے کفار کی مذمت فرمائی ہے وہاں دوسرے معنی ہی مراد ہیں جیسے فرمایا: ﴿وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً طُغْمًا بَكُمْ عَمِيَ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ (2/ البقرة: 171) ”جو کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے، بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکتے۔“ (تفہیم از مفردات القرآن، مترادفات القرآن، لغات القرآن، مصباح اللغات)

## ترکیب

آ استفہامیہ ہے اور اظہار حیرت اور ملامت کے لیے ہے۔ **تَأْمُرُونَ** فعل ہے اس میں شامل **أَنْتُمْ** کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ **النَّاسَ** مفعول ہے اور **بِالَّذِي** متعلق فعل ہے۔ یہاں یہ بھی نوٹ کریں کہ جس کو حکم دیا جائے وہ مفعول بنفسہ آتا ہے اور جو حکم دیا جائے اس کے ساتھ زیادہ تر ’ب‘ یا ’ان‘ کا صلہ آتا ہے۔ **وَعُطِفَ** کا ہے **تَسْؤُونَ**، **تَأْمُرُونَ** پر عطف ہے اور **أَنْفُسَكُمْ** اس کا مفعول ہے۔ آگے ’و‘ حالیہ ہے۔ **أَنْتُمْ** مبتدا اور جملہ فعلیہ **تَتَلَوْنَ** **الْكِتَابَ** اس کی خبر ہے یہ جملہ اسمیہ حال ہے **تَسْؤُونَ** کی ضمیر فاعلی کا۔ آگے آ استفہامیہ ہے، ’ف‘ حرف عطف ہے، لانا فیہ ہے اور **تَعْقِلُونَ** فعل اور اس میں شامل **أَنْتُمْ** کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ (واللہ اعلم)۔

تَأْمُرُونَ	النَّاسَ	بِالَّذِي	وَتَسْؤُونَ
کیا تم حکم دیتے ہو	لوگوں کو	نیکی کا	اور تم بھول جاتے ہو
أَنْفُسَكُمْ	وَ	أَنْتُمْ تَتَلَوْنَ	الْكِتَابَ
اپنے آپ کو	حالانکہ	تم پڑھتے ہو	کتاب

## أَفَلَا تَعْقِلُونَ

تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے

نوٹ

اس آیت مبارکہ کی تفسیر اگر معارف القرآن سے دیکھ لی جائے تو بہت فائدہ ہوگا۔ بہر حال حضرت مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”آیت کا مطلب یہ نہیں کہ بے عمل آدمی کو وعظ کہنا جائز نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وعظ کو بے عمل نہیں ہونا چاہیے۔“ (معارف القرآن، ج ۱، ص: ۲۱۸)

## آیت: 45

﴿وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ﴾

اِسْتَعِينُوا (ع و ن): الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔

ص ب ر

(ض)

صَبْرًا

صَبْرٌ کے لغوی معنی ہیں روکنا اور باندھنا۔ عربی میں صَبَرْتُ الدَّابَّةَ کے معنی ہیں میں نے جانور کو کھانا کھلائے بغیر باندھ دیا۔ اسی طرح صَبَرْتُ نَفْسِي عَنْ كَذَا کے معنی ہیں میں نے اپنے آپ کو فلاں چیز سے روک دیا۔ اس لغوی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ جب قرآن و سنت میں استعمال ہوتا ہے اس کے معنی ہوتے ہیں مشکل اور ناموافق حالات میں عقل اور شریعت دونوں یا ان میں سے کسی ایک کے تقاضے کے مطابق اپنے آپ کو روکے رکھنا، مشکلات اور تکلیفوں کو برداشت کرنا، ان کو سہنا، ثابت قدمی سے اپنے کام پر لگے رہنا اور اپنے موقف پر ڈٹے رہنا۔ ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (46/ الاحقاف: 35) ”تو آپ ثابت قدم رہیں جیسے کہ ثابت قدم رہے ہمت والے رسول۔“ ﴿وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ﴾ (25/ الفرقان: 20) ”اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنا دیا۔ کیا تم صبر کرو گے۔“ (نوٹ: صبر کی مزید تفصیل آگے نوٹ 1 میں دیکھیں)۔

اَصْبِرْ

ج: اَصْبِرُوا۔ فعل امر ہے۔ تو ثابت قدم رہ۔ تو برداشت کر۔ اوپر آیت نمبر (46/ الاحقاف: 35) دیکھیں۔ ﴿فَاصْبِرُوا حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا﴾ (7/ الاعراف: 87) ”تو تم صبر کرو جب تک اللہ فیصلہ کرے ہمارے درمیان۔“ ج: صَابِرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ثابت قدم رہنے والا۔ برداشت کرنے والا۔ ﴿قَالَ سَتَجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا﴾ (18/ الکہف: 69) ”حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔“ ﴿اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾ (8/ الانفال: 65) ”اگر ہوں تم میں بیس ثابت قدم رہنے والے، تو وہ لوگ غالب ہوں گے دو سو پر۔“ ﴿قَالَ يَا بَنِي اٰدَمُ اٰتُوا زَوْجَكُمْ مِمَّا رَزَقْنَاهُنَّ وَلَا تَمْسَسْنَ زَوْجَكُمْ مِنْ شَيْءٍ عَلَيْهِنَّ ذَلِكُمْ اَنْتُمْ عَلٰى بَعْدِكُمْ﴾ (37/ الصافات: 102) ”بیٹے نے جواب دیا ابا جان آپ کر دیجئے جو آپ کو حکم ہوا انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔“

صَابِرَةٌ

ج: صَابِرَاتٌ۔ صبر کرنے والی۔ ﴿فَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾ (8/ الانفال: 66) ”پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو ہزار پر غالب آئیں گے۔“ ﴿وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ﴾ (33/ الاحزاب: 35) ”اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔“

صَبَّأٌ

فَعَالٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ بہت زیادہ ثابت قدم رہنے والا۔ بہت زیادہ جھیلنے اور برداشت کرنے والا۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّحِمْلٍ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ (14/ ابراہیم: 5) ”بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک بہت زیادہ ثابت قدم رہنے والے، شکر گزار کے لیے۔“

اسم ذات بھی ہے۔ ثابت قدمی۔ برداشت۔ استقامت۔ استقلال۔ ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (103/العصر: 3) ”اور باہم تاکید کی حق کی اور باہم تاکید کی ثابت قدمی کی۔“ اور آیت زیر مطالعہ۔

صَبْرٌ

صیغہ تعجب ہے۔ ﴿فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّكَارِ﴾ (2/البقرة: 175) ”تو وہ کتنے ثابت قدم ہیں آگ پر۔“

مَا أَصْبَرُوا

(مفاعله)

کسی کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنا۔ عام طور پر یہ لفظ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

مُصَابِرَةٌ

صَابِرٌ

ج: صَابِرُونَ۔ فعل امر ہے۔ ثابت قدمی میں غالب آؤ یا غالب رہو۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا﴾ (3/آل عمران: 200) ”اے ایمان والو صبر کرو اور ثابت قدم رہو (دشمن کے مقابلے میں) اور کمر بستہ

رہو (خدمت دین کے لیے)۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

اہتمام سے ڈٹے رہنا۔ ثابت قدم رہنا۔

إِصْطَبَارًا

(افعال)

فعل امر ہے۔ اہتمام سے ڈٹے رہو۔ ثابت قدم رہو۔ ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (20/طہ: 132)

إِصْطَبِرْ

”اور حکم دواپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود ڈٹے رہو اس پر یعنی نماز پر۔“

الصَّلَاةُ (صل و): البقرة آیت 3 دیکھیں۔ کَبِيرَةٌ: (ك ب ر) البقرة آیت 34 دیکھیں۔ إِلَّا: البقرة آیت 34 دیکھیں۔

خ ش ع

عاجزی کرنا۔ جھک جانا۔ (خشوع اصل میں وہ قلبی سکون اور انکساری ہے جو اللہ کی عظمت اور اس کے سامنے اپنی حقارت کے علم سے پیدا ہو۔ اس سے اطاعت میں آسانی ہو جاتی ہے۔ کبھی اس کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں جس کو خضوع کہتے ہیں)۔ آنکھوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے آنکھوں کا جھک جانا۔ آواز کے لیے یہ لفظ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے آواز کا آہستہ اور پست ہو جانا۔ زمین کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے زمین کا خشک اور بنجر ہو جانا۔ چہرے کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے چہرے کا جھک جانا۔ عربی زبان میں اونٹ کا کوہان اگر لاغری کے سبب سے بیٹھ جائے تو اس کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشَيْءٍ مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ (57/الحديد: 16) ”کیا وقت نہیں آیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے کہ جھک جائیں ان کے دل اللہ کے ذکر سے۔“ ﴿وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَبْسًا﴾ (20/طہ: 108) ”اور پست ہو جائیں گی آوازیں اللہ کے حضور، پس تو نہیں سنے گا مگر کچھ گھس گھس۔“ (نوٹ: خشوع کی حقیقت آگے نوٹ 2 میں دیکھیں)۔

خُشُوعًا

(ف)

ج: خَاشِعُونَ اور خُشَعٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ مذکر کا صیغہ۔ جھکنے والا۔ عاجزی کرنے والا۔ ﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاهُ خَاشِعًا﴾ (59/الحشر: 21) ”اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اُس کو دیکھتے کہ وہ جھک جاتا۔“ ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خُشِعُونَ﴾ (23/المؤمنون: 2) ”وہ لوگ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔“ ﴿خُشِعًا أَبْصَارُهُمْ﴾ (54/الزمر: 7) ”اُن کی آنکھیں جھکی ہوں گی۔“

خَاشِعٌ

ج: خَاشِعَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ مونث کا صیغہ۔ جھکنے والی۔ عاجزی کرنے والی۔ ﴿أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ﴾ (6/النساء: 79) ”اُن کی آنکھیں (ڈر سے) جھکی ہوں گی۔“ ﴿وَجُودٌ يُؤْمِنُ خَاشِعَةً﴾ (88/الغاشية: 2)

خَاشِعَةٌ

”کتنے ہی چہرے اُس دن (ذلت کی وجہ سے) جھکے ہوں گے۔“ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّا تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً﴾

(41/ الم اسجدہ: 39) ”اور اُس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو کہ وہ خشک اور بخر ہے۔“  
﴿وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ﴾ (33/ الاحزاب: 35) ”اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔“

## ترکیب

’وَعُطْفَ کا ہے اور فعل اسْتَعِيْنُوْا، آیت 43 میں اِذْ كُنُوْا عَلٰی عُرْفٍ ہے۔ اسْتَعِيْنُوْا، فعل امر کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور بِالصَّبْرِ متعلق فعل ہے۔ یہاں ایک بات نوٹ کر لیں کہ استعانت کے افعال کا مفعول یعنی جس کی مدد طلب کی جائے، وہ بنفسہ آتا ہے۔ (جیسے نَسْتَعِيْنُكَ) اور جس چیز کے ذریعے اس کی مدد حاصل کی جائے اس پر پ کا صلہ آتا ہے۔ اس آیت میں اسْتَعِيْنُوْا کے ساتھ بِالصَّبْرِ آیا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اسْتَعِيْنُوْا کا مفعول محذوف ہے جو کہ اللہ ہے۔ وَالصَّلٰوةِ میں پھر ’وَعُطْفَ کا ہے اور الصَّلٰوةِ، الصَّبْرِ پر عطف ہے اسی لیے حالت جریں ہے۔ وَاِنَّهَا میں ’و‘ کو استئنائی اور حالیہ دونوں مانا گیا ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اس کا اسم منصوب آتا ہے اسی لیے اس کے ساتھ ضمیر ’ہا‘ آئی ہے جو کہ الصَّلٰوةِ کے لیے ہے۔ لَكِبِیْرَةٌ اس کی خبر ہے جس پر لام تاکید داخل ہے۔ اس لام تاکید کو لام مزحلقة کہتے ہیں۔ اِلَّا حصر کے لیے ہے اور جار مجرور علی الخٰشِعِيْنَ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ	وَاسْتَعِيْنُوْا	بِالصَّبْرِ	وَالصَّلٰوةِ
البقرة: 45	اور تم مدد لو	صبر سے	اور نماز سے
وَاِنَّهَا	لَكِبِیْرَةٌ	اِلَّا	عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝
اور یقیناً وہ (نماز)	بھاری ہے	مگر	عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں)

**نوٹ: 1** صَبْرٌ: صبر قرآن و سنت کی اہم ترین اصطلاحوں میں سے ایک ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سورۃ العصر میں نجات کے چار لوازم بیان ہوئے ہیں جن میں سے ایک صبر ہے۔ دنیا کی اقوام میں سے جس کسی پر بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش ہوئی وہ اسی صبر کی وجہ سے ہوئی۔ مثلاً فرمایا: ﴿وَكَلَّمْتُ كَلِمَتٍ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِيْ اِسْرَآءِیْلَ ۚ بِمَا صَبَرُوْۤا﴾ (7/ الاعراف: 137) ”اور پورا ہو گیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر بسبب ان کے صبر کرنے کے۔“ (ترجمہ شعب الہند) ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اٰیٰتًا یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِ نَا لِمَا صَبَرُوْۤا﴾ (32/ اسجدہ: 24) ”اور ہم نے ان میں جب کہ انہوں نے صبر کیا پیشوا بنادے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ اردو زبان میں اس کا ترجمہ لفظ ”صبر“ ہی سے کیا جاتا ہے لیکن اردو میں یہ لفظ بہت محدود و معنوں میں استعمال ہوتا ہے عام طور پر اردو زبان میں مجبوری کا نام صبر ہے۔ ظلم کے آگے گھٹنے ٹیک دینے کا نام صبر ہے۔ کوئی تکلیف اور مصیبت آپڑے تو غم کا اظہار نہ کرنا صبر ہے۔ اسی طرح انگریزی زبان میں بھی کوئی ایک لفظ ایسا نہیں جو صبر کی معنوی وسعت کو بیان کرے۔ البتہ دو لفظوں کو اگر ملا لیا جائے تو صبر کے مفہوم کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ وہ دو لفظ ہیں: Patience اور Endurance۔ اردو اور انگریزی کی بنسبت عربی میں اور قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کا معنی بہت وسیع ہے۔ مولانا مودودی صبر کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں اور اس سے مراد ارادے کی وہ مضبوطی، عزم کی وہ پختگی اور خواہشات نفس کا وہ انضباط (ضابطہ، ڈھنگ) ہے جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلے میں اپنے قلب و ضمیر کے پسند کیے ہوئے راستے پر لگا تار بڑھتا چلا جائے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۷۳)۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”صبر کے لفظی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں اور اصطلاح قرآن و سنت میں نفس کو خلاف طبع چیزوں پر جمائے رکھنے کو صبر کہا جاتا ہے۔“ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۲۷۴)۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ”لفظ صبر کے اصل معنی روکنے کے ہیں یعنی نفس کو گھبراہٹ، مایوسی اور دل برداشتگی سے بچا کر اپنے موقف پر جمائے رکھنا۔ قرآن مجید میں اسی حقیقت نے کچھ زیادہ پاکیزہ صورت اختیار کر لی ہے۔ یعنی قرآن میں عموماً اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ بندہ پوری طمانیت قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عہد پر ڈٹا رہے اور اس کے وعدوں پر یقین رکھے اور اس راہ میں اس کو جن مشکلات سے بھی دوچار ہونا پڑے ان کو پرکھ کے برابر بھی وقعت

ندے۔“ (تدبر قرآن، ج ۱ ص ۱۸۸)۔ مولانا عبدالمجید دریا بادی فرماتے ہیں: ”صبر کے لفظی معنی تنگی اور ناخوشگوار کی حالت میں اپنے کو روکے رہنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے، اور قدم دائرہ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے۔ صبر کے یہ معنی نہیں کہ جو امور طبعی اور بشری ہیں، اُن کے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے۔ بھوک کے وقت مضحل اور نڈھال ہو جانا، درد کی تکلیف سے کراہنا، رنج کے وقت آہ سرد بھرنا، عزیزوں قریبوں کی موت پر آنسوؤں سے رونا، ان میں سے کوئی شے بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں۔“ پھر آگے لکھتے ہیں: ”صبر کرنے کے معنی یہ نہیں کہ بندہ بالکل بے حس ہو جائے اور غم کو غم محسوس ہی نہ کرے۔ اس کا نام صبر نہیں، بے حس ہے۔ صبر یہ ہے کہ انتہائی غمناک و درد انگیز واقعہ پر بندہ عقل کو نفس پر غالب رکھے، زبان کو شکوہ اور ناشکری سے آلودہ نہ ہونے دے اور نظر مسبب الاسباب پر، اُس کی مصلحت و حکمت پر اُس کی شفقت و رحمت پر رکھے۔“

غم میں بھی قانونِ فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں  
یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے، دشمن نہیں (اکبر)

(تفسیر ماجدی، ص ۷۵-۷۶)

صاحب تفسیر حقانی فرماتے ہیں: ”صبر عقل کا اتباع کر کے نفس کو غضب اور شہوت سے روکنے کو کہتے ہیں اس لیے جس میں یہ دونوں چیزیں ہوں گی، صبر اسی کو نصیب ہوگا۔ ملائکہ میں چونکہ غضب اور شہوت نہیں بلکہ صرف عقل ہے تو اس لیے ان کو بھی یہ نعمت نصیب نہیں اور دیگر حیوانات میں عقل نہیں، غضب اور شہوت ہے اسی لیے وہ بھی اس سعادت سے فیضیاب نہیں۔“ (تفسیر حقانی، ج ۱ ص ۵۹۲)۔

صبر کی قسمیں: حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”صبر کی تین قسمیں ہیں اول: صبر علی الطاعات، یعنی جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے حکم دیا ہے، ان کی پابندی طبیعت پر کتنی بھی شاق ہو اس پر نفس کو جمائے رکھنا۔ دوسرے: صبر عن المعاصی، یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے منع فرمایا ہے وہ نفس کے لیے کتنی ہی مرغوب و لذیذ ہوں نفس کو اس سے روکنا۔ تیسرے: صبر علی المصائب، یعنی مصیبت و تکلیف پر صبر کرنا حد سے زائد پریشان نہ ہونا، اور سب تکلیف و راحت کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر نفس کو بے قابو نہ ہونے دینا۔ اسی لیے حدیث میں رسول کریمؐ نے فرمایا: **الْصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى**، یعنی اصل اور معتبر صبر تو وہی ہے جو ابتداء صدمہ کے وقت اختیار کر لیا جائے۔“ (معارف القرآن، ج ۲ ص ۲۷۳ اور ج ۵ ص ۱۹۱)۔ صاحب تفسیر حقانی صبر کی قسموں کے متعلق لکھتے ہیں: واضح ہو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں: بدنی اور نفسانی۔ پھر بدنی کی بھی دو قسمیں ہیں: فعلی، جیسا کہ بڑے بھاری اور مشقت کے کاموں کو کرنا۔ انفعالی، درد اور تکلیف کو برداشت کرنا۔ گو اس تکلیف کے آثار خود بخود بشری تقاضوں سے ظاہر ہو جائیں مگر یہ شخص اس حالت میں بھی خلاف قانون عقل و شرع کوئی حرکت نہ کرے اور صبر نفسانی یہ ہے کہ نفس کو اس کی خواہشوں سے روکے۔ اگر ناجائز کھانے پینے اور جنسی خواہش کو روکے گا تو اس کو عفت کہیں گے اور اگر فضول چیزوں کی خواہش سے روکے گا تو اس کو زہد و قناعت کہیں گے۔ اگر غصہ کی حالت میں اپنے دشمن سے درگزر کرے گا اور نفس کو انتقام لینے سے روکے گا تو اس کو حلم کہیں گے۔ اگر کسی کے راز افشاء کرنے سے زبان کو بند کرے گا تو اس کو راز داری کہیں گے اور جو زبان کو بیہودہ بکواس سے اور اپنے اعضاء کو بے جا حرکات سے بند کرے گا تو اس کو منکات کہیں گے۔ اسلام نے اس امت کے لیے صبر کی ایک شاخ روزہ کو بھی فرض کر دیا تاکہ نفس کو بھوک اور پیاس کی تکلیف اٹھانے کی عادت پڑے اور جماع جیسی مرغوب چیز کو باوجود سامان مہیا ہونے کے ترک کرنے کا خوگر ہو۔“ (تفسیر حقانی، ج ۱ ص ۵۹۲، تلخیصاً)۔ چنانچہ حدیث میں روزے کو صبر کہا گیا ہے، فرمایا: **صِيَامُ شَهْرِ الصَّبْرِ وَكَلاَثَةُ اَيَّامٍ فِي كُلِّ شَهْرٍ يَذْهَبُ وَحَوَالِ الصَّدْرِ**۔ ماہ رمضان اور ہر ماہ میں تین روزے سینہ سے بغض کو نکال ڈالتے ہیں۔“ (مفردات القرآن، ج ۲ ص ۵۶۷)۔

صبر کا اجر: صبر کا اجر بے حساب ہے۔ چنانچہ فرمایا: **﴿اِنَّهَا يَوْمَئِذٍ لِلصَّابِرِوْنَ اَجْرُهُمْ يَخِيَّرُ حِسَابٍ ۝۱۰﴾** (الزمر: ۱۰) ”صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“



## نوٹ: 2

**خشوع کی حقیقت:** حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: خشوع کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف و ہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا، چنانچہ ابن عباسؓ نے ”خَاشِعُونَ“ کی تفسیر ”خَائِفُونَ سَاكِنُونَ“ سے کی ہے۔ اور آیت ”تَكْوِي الْأَرْضِ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَّتْ“، بھی دلالت کرتی ہے کہ ”خشوع“ میں ایک طرح کا سکون و تدلل معتبر ہے۔ قرآن کریم میں ”خشوع“ کو وجہ، ابصار، اصوات وغیرہ کی صفت قرار دیا ہے۔ اور ایک جگہ آیت اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ فِي قُلُوبِهِمْ صفت بتلائی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور اعضائے بدن کا خشوع اس کے تابع ہے۔“ (تفسیر عثمانی، ص ۴۵۵)۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”قرآن و سنت میں جہاں خشوع کی ترغیب مذکور ہے اس سے مراد وہ قلبی سکون و انکساری ہے، جو اللہ کی عظمت اور اس کے سامنے اپنی حقارت کے علم سے پیدا ہوتی ہے، اس کے نتیجے میں طاعت آسان ہو جاتی ہے، کبھی اس کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں کہ وہ باادب، متواضع اور شکستہ قلب نظر آتا ہے، اگر دل میں خوف خدا اور تواضع نہ ہو تو خواہ وہ ظاہر میں کتنا ہی باادب اور متواضع نظر آئے وہ خشوع کا حامل نہیں۔ بلکہ آثار خشوع کا قصد اظہار کرنا بھی پسندیدہ نہیں، حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ سر جھکائے بیٹھا ہے، فرمایا: سر اٹھا، خشوع دل میں ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا ارشاد ہے کہ ”موٹا پہننے، موٹا کھانے اور سر جھکانے کا نام خشوع نہیں، خشوع تو یہ ہے کہ تم حق کے معاملہ میں شریف و رذیل کے ساتھ یکساں سلوک کرو، اور اللہ نے جو تم پر فرض کیا ہے اُسے ادا کرنے میں اللہ کے لیے قلب کو فارغ کر لو۔“ حضرت حسنؓ کا ارشاد ہے کہ: حضرت عمرؓ جب بات کرتے تو سنا کر کرتے تھے، جب چلتے تو تیز چلتے، اور جب مارتے تو زور سے مارتے تھے، حالانکہ بلاشبہ وہ خشوع رکھنے والے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے قصد و اختیار سے خاشعین کی سی صورت بنانا شیطان اور نفس کا دھوکہ ہے اور مذموم ہے، ہاں اگر بے اختیار یہ کیفیت ظاہر ہو جائے تو معذور ہے۔ (قرطبی)

فائدہ: خشوع کے ساتھ ایک دوسرا لفظ خضوع بھی استعمال ہوتا ہے، قرآن کریم میں بھی بار بار آیا ہے، یہ دونوں لفظ تقریباً ہم معنی ہیں لیکن خشوع کا لفظ اصل کے اعتبار سے آواز اور نگاہ کی پستی اور تذلل کے لیے بولا جاتا ہے، جب کہ وہ مصنوعی نہ ہو بلکہ قلبی خوف اور تواضع کا نتیجہ ہو، قرآن کریم میں ہے خَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ (آوازیں پست ہو گئیں) اور خضوع کا لفظ بدن کی تواضع اور انکساری کے لیے استعمال ہوتا ہے، قرآن حکیم میں ہے: فَطَلَّتْ غَنَائِفُهُمْ لَهَا خَضِيعِينَ (4:26) ”پس اُن کی گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں۔“ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۲۲۰)

## آیت 46:

﴿الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا رَبِّهِمْ وَآلِهِمْ رَجَعُونَ﴾

ظ ن ن

(ن)

ظَنَّا

علماء لغت فرماتے ہیں کہ ظَنَّ ان الفاظ میں سے ہے جو مختلف اور متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا لفظی معنی ہے خیال کرنا۔ گمان کرنا۔ پھر کسی کے بارے میں خیال و گمان کرنا کبھی تو یقین کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی شک اور وہم سے آگے نہیں بڑھتا۔ چنانچہ یہ لفظ یقین کرنا اور شک کرنا، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اصل میں کسی چیز کی علامات سے جو نتیجہ حاصل ہوا سے ظَنَّ کہتے ہیں۔ اگر علامات قوی ہوں تو ظَنَّ علم اور یقین کے معنی دیتا ہے اور اگر علامات کمزور ہوں تو شک اور وہم کے معنی دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے ماضی، مضارع کے صیغے اور ظَنَّ بطور اسم ذاتِ ان معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ظَنَّ کے عام طور پر دو مفعول ہوتے ہیں یعنی کسی کو گمان کیا اور کیا گمان کیا جیسے فرمایا ﴿وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً﴾ (18/ الکہف: 36) ”اور میں یہ خیال نہیں کرتا کہ قیامت بھی برپا ہوگی۔“ اور کبھی دو مفعولوں کے قائم مقام ایک جملہ آ جاتا ہے۔ ﴿وَقَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا اللَّهَ﴾ (2/ البقرة: 249)

”اور کہا ان لوگوں نے جو خیال کرتے تھے کہ وہ لوگ اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں۔“ ﴿وَقَالُوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ۝﴾ (28/ القصص: 39) ”اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ لوگ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔“ ﴿ظَنُّوا﴾ کی مزید تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں۔

ج: ظُنُّوا۔ اسم ذات بھی ہے۔ خیال۔ گمان۔ ﴿مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ﴾ (4/ النساء: 157) ”نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی۔“ ﴿وَتُظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝﴾ (33/ الاحزاب: 10) ”اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے۔“

ج: ظَنُّوا۔ اسم الفاعل ہے۔ خیال کرنے والا۔ ﴿الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنُّ السَّوْءِ ۚ﴾ (48/ الفتح: 6) ”خیال کرنے والے اللہ کے بارے میں برا خیال۔“

مُلقُونَ (ل ق ی): البقرة آیت 14 دیکھیں۔ رَبُّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔  
رُجَعُونَ (ر ج ع): البقرة آیت 18 دیکھیں۔

### ترکیب

یہ پوری آیت گزشتہ آیت میں اَلْخٰشِعِيْنَ کی صفت ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے، يَظُنُّوْنَ فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل ہُم کی ضمیر ہے۔ اگلا جملہ قائم مقام ہے دو مفعولوں کا۔ اس میں اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، هُم اس کا اسم اور مُلْقَوْنَ اَرَبَّهُمْ اس کی خبر۔ مُلْقَوْنَ دراصل باب مفاعله کے اسم الفاعل مُلَاقٍ کی جمع مُلَاقُونَ ہے۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہوا ہے اور الف کا اضافہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ رَبِّ اس کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہے اور آگے هُم کا مضاف ہونے کی وجہ سے لام تعریف اور تنوین سے خالی ہے۔ آگے ’وَعُطْفَ کا ہے اَنَّ حرف مشبہ بالفعل، هُم اس کا اسم، اِلَيْهِ متعلق فعل ہے اور رُجَعُونَ خبر۔ یہ جملہ عطف ہے اَنَّهُمْ مُلْقَوْنَ اَرَبَّهُمْ پر اور عطف اور معطوف مل کر مفعول ہیں يَظُنُّوْنَ کا اور یہ قائم مقام ہے دو مفعولوں کے۔ جملہ فعلیہ يَظُنُّوْنَ اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر صلہ ہے، اَلَّذِيْنَ کا۔ صلہ اور موصول مل کر صفت ہے اَلْخٰشِعِيْنَ کی۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ	اَلَّذِيْنَ	يَظُنُّوْنَ	اَنَّهُمْ	مُلْقَوْنَ اَرَبَّهُمْ
البقرة: 46	وہ لوگ جو	یقین کرتے ہیں	کہ وہ	اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں
ترجمہ	وَ اَنَّهُمْ	اِلَيْهِ	رُجَعُونَ ۝	
	اور یہ کہ وہ	اس کی طرف ہی	لوٹنے والے ہیں	

### نوٹ

علماء کرام نے قرآن مجید میں اس فرق کو سمجھنے کے لیے کہ کہاں ظن، یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور کہاں شک کے معنی میں، کچھ ضابطے بیان کیے ہیں۔ مثلاً ہر وہ مقام جہاں ظن کی تعریف آئی ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہاں یقین مراد ہے اور ہر وہ مقام جہاں اس کی مذمت آئی ہے اور اس پر عذاب کی دھمکی دی گئی ہے وہاں یہ شک اور وہم کے معنی میں ہے۔ ہر وہ مقام جہاں اس کے بعد اَنَّ یا اَنْ آئے وہاں یہ یقین کے معنی دیتا ہے چاہے حقیقت کے اعتبار سے وہ یقین صحیح ہو یا غلط مثلاً ﴿قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلْقَوْنَ اللّٰهَ ۚ﴾ (2/ البقرة: 249) ”وہ لوگ جن کو یقین تھا کہ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اللہ سے، انہوں نے کہا۔“ ﴿وَقَالُوا أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۚ﴾ (75/ القیامہ: 28) ”اور اس (جان) نے یقین کر لیا کہ اب جدائی ہے۔“ اور آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلْقَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ ”وہ لوگ جن کو یقین ہے کہ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اپنے رب سے۔“ ﴿إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي

مُلتَقِ حَسَابِيَهٗ ﴿٦٩﴾ (الحاقة: 20) ”مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا۔“ ان آیات میں ظن، یقین کا معنی دے رہا ہے اور یہ یقین حقیقت کے اعتبار سے صحیح بھی ہے۔ اب یہ آیات دیکھیں ﴿وَلَقَدْ أَهَلَّهَا أَكْثَرُهَا قَدَرُونَ عَلَيْهَا﴾ (10/ یونس: 24) ”اور یقین کر لیا اس کے مالکوں نے کہ (اب) انہوں نے قابو پا لیا ہے اس پر۔“ ﴿وَلَقَدْ أَهَلَّهَا أَكْثَرُهَا قَدَرُونَ عَلَيْهَا﴾ (28/ القصص: 39) ”انہوں نے یہ گمان کیا کہ انہیں ہماری طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔“ ﴿بَلْ كُنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ﴾ (48/ الفتح: 12) ”اور تمہیں یقین تھا کہ اب رسول کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے۔“ ان آیات میں ظن، یقین ہی کا معنی دے رہا ہے لیکن یہ یقین حقیقت کے اعتبار سے غلط ہے۔ اسی طرح حضرت یونسؑ کے بارے میں فرمایا: ﴿وَذَا النُّونِ إِذْ ذُهِبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ (21/ الانبیاء: 87) ”اور یاد کرو ذوالنون کو جب وہ چل دیے غضبناک ہو کر اور یہ خیال کیا کہ ہم ان پر کوئی گرفت نہیں کریں گے۔“ یہاں بھی حضرت یونسؑ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس معاملے میں سختی نہیں کریں گے کہ جب وہ اللہ کے لیے اپنی قوم سے ناراض ہو کر چل دیے لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ یقین غلط ثابت ہوا۔ اسی لیے امام راغبؒ کے نزدیک یہاں ظن بمعنی وہم لینا بہتر ہے۔ (واللہ اعلم)۔ اور قرآن مجید میں وہ آیات جہاں ظن، وہم اور شک کے معنوں میں ہے وہاں عام طور پر اس سے پہلے اِنَّ یا اِنَّ آتا ہے یا ظن کے مقابلے میں کوئی ایسا لفظ ہوتا ہے جو اس کے مفہوم کو شک اور وہم کے ساتھ مخصوص کرتا ہے یا اس کی کوئی ایسی صفت بیان کی جاتی ہے جس سے اس کی مذمت ہوتی ہے مثلاً ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (53/ النجم: 28) ”یشک ظن، حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔“ اس مثال میں اِنَّ اور ظن کے مقابلے میں حق، دونوں باتیں ظن کے معنی وہم و شک بتا رہی ہیں۔ ﴿اِنَّ الظَّنَّ اِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُتَّبِعِيْنَ﴾ (45/ الحاشیہ: 32) ”ہم تو اُسے محض وہم ہی خیال کرتے ہیں اور اس پر یقین نہیں آتا۔“ اس مثال میں اِنَّ اور ظن کے مقابلے میں یقین کے الفاظ ظن کے معنی وہم بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح الفتح: 6 میں ظن السوء (برا خیال) اور آل عمران: 154 میں ظن الجاہلیۃ (جاہلیت کا گمان) کے الفاظ سے اس کی مذمت کی گئی ہے۔

اب قرآن مجید میں سورۃ الحجرات کی آیت 12 دیکھیں جس میں فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ ”اے ایمان والو دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔“ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ”ان کلمات کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مطلقاً ظن سے نہیں روکا اور نہ ہر قسم کے ظن کو گناہ کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی ظن جائز ہیں۔ اس لیے علمائے کرام نے ظن کی متعدد قسمیں ذکر کی ہیں: واجب، مستحب، مباح اور ممنوع۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کرنا واجب ہے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنے وصال سے تین روز پہلے فرمایا: لا یموتن احدکم الا وهو یحسن الظن باللہ عزوجل۔ تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو۔ دوسرا ارشاد نبویؐ ہے۔ یقول اللہ انا عند ظن عبدی بی فلیظن ما شاء کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جس کا وہ مجھ سے ظن رکھتا ہے۔ اب اس کی مرضی جیسا چاہے میرے ساتھ ظن رکھے۔ مستحب کی مثال: مومن کے ساتھ جس کا ظاہری حال اچھا ہو حسن ظن کرنا مستحب ہے۔ ایسا شخص جس کے احوال مشکوک ہوں اس کے متعلق سوء ظن کرنا مباح ہے، لیکن جب تک یقینی دلائل موجود نہ ہوں، اس وقت تک محض ظن کے مطابق اس کے خلاف کارروائی کرنا جائز نہیں۔ اسی کے متعلق حضورؐ کی حدیث ہے۔ اذا ظننتم فلا تحقّقوا۔ یعنی اگر کسی کے بارے میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس کی تحقیق میں نہ لگ جاؤ۔ شریعت میں نصوص کے خلاف ظن و تخمین سے کام لینا ممنوع ہے۔“ (ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۵۹۹)۔ بعض لوگوں نے سورہ یونس کی آیت 36 ﴿وَمَا يَتَّبِعْ أَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ ”اور نہیں پیروی کرتے ان میں سے اکثر مگر محض وہم و گمان کی بلاشبہ وہم و گمان بے نیاز نہیں کر سکتا حق سے ذرہ بھر۔“ سے حجیت حدیث میں شک و شبہ پیدا کیے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے۔ اس کے جواب کے لیے حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی صاحبؒ کی ترجمان السنۃ اور حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ کی سنت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صفحات 186 تا 200 تک کا مطالعہ انشاء اللہ مفید رہے گا۔

## آیت: 47

﴿يَبْنِيْ اِسْرَءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاِنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ ۝۴۷﴾

اِبْنُ: البقرة آیت 40 دیکھیں۔ اِسْرَءِيْلَ: البقرة آیت 40 دیکھیں۔ اذْكُرُوْا (اذکر): البقرة آیت 40 دیکھیں۔ نِعْمَةً اور اَنْعَمْتُ (نعم): الفاتحہ آیت 6 دیکھیں۔

## ف ض ل

(ن)

فَضْلًا

کسی چیز کا درمیانی درجے یا حق سے زیادہ ہونا۔ اس مادے میں ”زیادتی“ کا مفہوم ہوتا ہے۔ یہ پسندیدہ بھی ہے جیسے علم، حلم، حیاء یا رتبہ میں زیادہ ہونا۔ اور ناپسندیدہ بھی ہے جیسے غصے وغیرہ میں زیادہ ہونا۔ عام طور پر پسندیدہ چیز کے لیے فَضْلٌ اور ناپسندیدہ چیز کے لیے فَضُوْلٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ باب (ک) میں اس کا مطلب ہوتا ہے صاحب فضل ہونا۔ یعنی کسی شخص میں ایسی صفات ہونا جس سے وہ دنیا میں مدح و ثناء کا مستحق ہو اور آخرت میں اجر و ثواب کا۔ قرآن مجید میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا۔

فَضْلٌ

ج: فَضَائِل۔ اسم ذات بھی ہے۔ حق سے زیادہ دی ہوئی چیز۔ بڑائی۔ بزرگی۔ فضیلت۔ روزی۔ فضائل کا لفظ رذائل کے مقابلے پر بولا جاتا ہے۔ فضائل بمعنی اخلاق فاضلہ اور اخلاق حمیدہ اور رذائل بمعنی اخلاق رذیلہ یعنی برے اخلاق۔ ﴿قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُوْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط﴾ (3/ آل عمران: 73) ”آپؐ کہہ دیجئے یقیناً بڑائی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔“ ﴿وَلَا تَنَسَوْا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ط﴾ (2/ البقرة: 237) ”اور آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو۔“ روزی اور مالی نفع کو اکثر قرآن میں فضل کہا گیا ہے۔ مثلاً: ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ط﴾ (62/ الجمعہ: 10) ”پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو۔“ (ترجمہ ماجدی) ﴿فَاَنْقَلِبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ط﴾ (3/ آل عمران: 174) ”نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ وہ لوٹے۔“ اس آیت میں فضل سے مراد وہ مالی نفع ہے جو بدر صغریٰ میں تجارت کے ذریعے سے حاصل ہوا۔ اس طرح کی اور بھی کئی آیات ہیں۔ یاد رہے کہ فَضْلٌ کے اصل معنی ”زیادتی“ کے ہیں۔ اس لیے اس کا اطلاق مال و دولت پر بھی ہوتا ہے جو بطور نفع انسان کو حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کے عطیہ پر بھی خواہ وہ دنیوی ہو یا اخروی۔

(تفعیل)

تَفْضِيْلًا

کسی پسندیدہ چیز میں کسی کو زیادہ کرنا۔ زیادہ دینا۔ فضیلت دینا۔ بزرگی عطا کرنا۔ ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مَّ﴾ (2/ البقرة: 253) ”یہ رسول ہیں، ہم نے فضیلت دی ان میں سے بعض کو بعض پر۔“ ﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ط﴾ (16/ النحل: 71) ”اور اللہ نے زیادہ کیا تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں۔“ مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھنے کی مسنون دعا ہے: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَاقَانِيْ مِمَّا اَبْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِيْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا۔

(تفعل)

تَفْضُلًا

بڑا بننا۔ فضیلت حاصل کرنا۔ علی کے صلے کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ط﴾ (23/ المؤمنون: 24) ”یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔“ (ترجمہ حسن البیان)

الْعَلِيِّينَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

**ترکیب** یٰبَنۡیَ اِسْرَآءِیْلَ... عَلَیْکُمْ تک کی ترکیب کے لیے آیت 40 دیکھیں۔ وَآٰیٰتِیْ میں 'و' عطف کا ہے اور آٰیٰتِیْ، نِعَمَتِیْ پر عطف ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، 'مَی' اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَلِیِّیْنَ اس کی خبر ہے۔

ترجمہ	یٰبَنۡیَ اِسْرَآءِیْلَ	اَذْکُرُوْا	نِعَمَتِیْ	الَّتِیْ	اَنْعَمْتُ
البقرة: 47	اے اسرائیل کے بیٹو	تم لوگ یاد کرو	میری نعمت کو	جس کو	میں نے انعام کیا
	عَلَیْکُمْ	وَآٰیٰتِیْ	فَضَّلْتُکُمْ	عَلِی الْعَلِیِّیْنَ ④	
	تم پر	اور یہ کہ	میں نے فضیلت دی تم کو	تمام جہانوں پر	

**نوٹ** صاحب تفسیر عثمانی فرماتے ہیں: ”اہل عالم پر فضیلت کا یہ مطلب ہے کہ جس وقت سے بنی اسرائیل کا وجود ہوا تھا اس وقت سے لے کر اس خطاب کے نزول تک تمام فرقوں سے افضل رہے کوئی اُن کا ہم پلہ نہ تھا، جب انہوں نے نبی آخر الزمان اور قرآن کا مقابلہ کیا تو وہ فضیلت بالکل جاتی رہی اور مغضوب علیہم اور ضلال کا لقب عنایت ہوا۔ اور حضورؐ کے متبعین کو کنتم خیر امة کا خلعت ملا۔“ (تفسیر عثمانی، ص ۱۰)

### آیت: 48

﴿وَاتَّقُوا یَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ یُنصَرُونَ ۝﴾

اِتَّقُوا (وق ی): البقرة آیت 2 دیکھیں۔ یَوْمٌ: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔

ج ز ی

(ض) جزاء (1) کسی چیز کا کسی کے لیے کافی ہونا۔ (2) بدلہ دینا۔ یہ لفظ خیر کے بدلے میں اچھی جزا دینے اور برائی کے بدلے میں سزا دینے، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جب بدلہ دینے کا مفہوم ہو تو عام طور پر یہ دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے یعنی کس کو بدلہ دیا اور کیا بدلہ دیا پھر 'ب' کے صلے کے ساتھ اُس چیز کا ذکر ہوتا ہے جس چیز کی وجہ سے بدلہ دیا جائے۔ مثلاً ﴿وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (16/ النحل: 96) ”اور ہم ضرور عطا کریں گے انہیں جنہوں نے (ہر مصیبت میں) صبر کیا ان کا اجر ان کے اچھے اور مفید کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْبِرُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْءَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یَصْبِرُوْنَ ۝﴾ (6/ الانعام: 157) ”عنقریب ہم سزا دیں گے انہیں جو منہ موڑتے ہیں ہماری آیتوں سے برے عذاب سے اس وجہ سے کہ وہ منہ پھیرا کرتے تھے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ کبھی ایک مفعول ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿لِیَجْزِیَ اللّٰهُ الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِهِمْ﴾ (33/ الاحزاب: 24) ”تاکہ اللہ جزائے خیر دے سچوں کو ان کے سچ کے

باعث۔“ (3) جب اس کے ساتھ عَنْ کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کے کام آنا جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ﴾ ”کام نہیں آئے گی کوئی جان کسی جان کے۔“ یا فرمایا: ﴿لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ﴾ (31/ لقمان: 34) ”کام نہ آئے کوئی باپ اپنے بیٹے کے بدلے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ کسی کے حسن سلوک پر مسنون کلمہ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا اسی سے ہے۔

جَزَاءُ اسم ذات بھی ہے۔ وہ چیز جو کافی ہو۔ بدلہ۔ خیر کے بدلے میں خیر اور شر کے بدلے میں شر جَزَاءُ کہلاتا ہے۔ ﴿فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ﴾ (2/ البقرة: 85) ”تو اس کا کیا بدلہ ہے جو یہ کرے تم میں سے۔“

جَاز اسم الفاعل ہے۔ بدلہ دینے والا۔ کام آنے والا۔ کافی ہونے والا۔ ﴿وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا﴾ (31/ لقمان: 33) ”اور نہ کوئی اولاد کام آئے گی اپنے والد کے کچھ بھی۔“

جَزِيَّةُ اسم ذات ہے۔ امان کا بدلہ۔ وہ ٹیکس جو اسلامی حکومت اپنے غیر مسلم شہریوں (ذمیوں) سے وصول کرتی ہے اور اسے جَزِيَّةُ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ان کی جان و مال کی حفاظت کے بدلے میں ہوتا ہے۔ ﴿حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ﴾ (9/ التوبة: 29) ”یہاں تک کہ وہ لوگ جزیہ ادا کریں ہاتھ سے۔“

(مفاعله) مُجَازَاةٌ اور جَزَاءٌ بدلہ دینا۔ ﴿وَهَلْ يُجْزَىٰ إِلَّا الْكُفُورُ﴾ (34/ سبأ: 17) ”اور ہم یہ بدلہ اُسی کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

نَفْسٌ (ن ف س): البقرة آیت 9 دیکھیں۔ شَيْءٌ: البقرة آیت 20 دیکھیں۔

ق ب ل

(ن) قَبْلًا کسی کی طرف توجہ کرنا۔ قرآن مجید میں اس باب سے فعل استعمال نہیں ہوا۔

(ف) قَبْلًا کسی چیز کا نزدیک ہونا۔ قریب ہونا۔ پہلے واقع ہونا۔ قرآن مجید میں اس باب سے بھی فعل استعمال نہیں ہوا۔

(س) قَبُولًا، قَبُولًا کسی چیز کو لے لینا۔ قبول کرنا۔ ﴿أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ﴾ (9/ التوبة: 104) ”کیا وہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہی قبول کرتا ہے توبہ کو اپنے بندوں سے۔“ ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ﴾ (3/ آل عمران: 37) ”پھر قبول فرمایا اُسے اُس کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ۔“ اور آیت زیر مطالعہ۔

قَابِلٌ اسم الفاعل ہے۔ قبول کرنے والا۔ ﴿غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾ (40/ المؤمن: 30) ”گناہ کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا۔“

البقرة آیت 4 کے تحت دیکھیں۔

قَبْلُ (1) کسی چیز کا آگے کا حصہ۔ ﴿إِنْ كَانَ قَبِيضُهُ قَدْ مِنْ قَبْلِ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ (12/ يوسف: 26) ”اگر اس کی قمیض پھٹی ہے آگے سے تو عورت نے سچ کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے۔“ (2) آنکھوں کے سامنے۔ ﴿وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قَبْلًا﴾ (6/ الانعام: 111) ”اور زندہ کر دیں ہم ہر چیز کو اُن کے سامنے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

قَبْلُ یہ دو معانی میں آتا ہے۔ (1) طرف۔ سمت۔ ﴿لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ (2/ البقرة: 177) ”نیکی یہی نہیں ہے کہ تم لوگ پھیر لو اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف۔“ ﴿فَبَالِ الْذَّيْنِ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ﴾ (70/ المعارج: 36) ”پس کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ تیری طرف دوڑتے آتے ہیں۔“

(2) طاقت۔ قدرت۔ ﴿فَلَنَاتَّبِعَنَّهٖمْ بِجُنُودٍ لَّا قَبْلَ لَهُمْ بِهَا﴾ (27/ البقرة: 37) ”تو ہم لازماً پہنچیں گے ان کے پاس ایسے لشکروں کے ساتھ جس پر کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں ہوگی ان کو۔“

اسم ذات ہے۔ قبلہ۔ وہ ”سمت“ (معارف القرآن) یا ”مکان“ (تفسیر ماجدی) جس کی طرف متوجہ ہوا جائے۔ عرف عام میں اس سمت یا مکان (کعبہ) کو قبلہ کہا جاتا ہے جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔ اصل لغت کے اعتبار سے سامنے والے آدمی کی حالت کو قبلہ کہا جاتا ہے پھر یہ لفظ سامنے والے آدمی اور سامنے کی سمت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فَلَنُؤَيِّدَنَّكَ قَبْلَكَ تَرْضَاهَا﴾ (2/ البقرة: 144) ”تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اُس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں۔“ اور سورہ یونس کی آیت 87 میں جو فرمایا ﴿وَجَعَلُوا بَيُوتَكُمْ قَبْلَةً﴾ تو اس آیت مبارکہ میں قبلہ کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ اپنے گھروں کو ہی نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو اور دوسرا یہ کہ اپنے گھروں کو قبلہ رخ بناؤ۔ ہمارے بزرگوں نے آیت کا ترجمہ دونوں طرح سے کیا ہے۔ ”اور تم لوگ اپنے گھروں ہی کو نماز گاہ قرار دے لو۔“ (ترجمہ ماجدی) ”اور تم سب اپنے انہی گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو۔“ (ترجمہ احسن البیان) ”اور بناؤ اپنے گھر قبلہ رو۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”اور بناؤ اپنے ان گھروں کو قبلہ رخ۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

(1) سامنے۔ ﴿أَوْ تَأْتِيٰ بِاللّٰهِ وَالْبَلٰكَةِ قَبِيْلًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 92) ”یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

(2) ج: قُبُلٌ۔ جماعت۔ گروہ۔ مختلف اقسام ﴿اِنَّكَ يٰرَکْمُ هُوَ وَ قَبِيْلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ط﴾ (7/ الاعراف: 27) ”وہ دیکھتا ہے تم کو اور اُس کی قوم جہاں سے تم اُن کو نہیں دیکھتے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ (نوٹ: قُبُلٌ کا لفظ کسی چیز کے آگے کے حصے اور آنکھوں کے سامنے کے معنوں میں استعمال ہونے کے علاوہ قَبِيْلٌ کی جمع بھی ہے بمعنی گروہ۔ جماعت۔)

ج: قَبَائِلُ۔ قبیلہ۔ قبیلہ اس گروہ کو کہتے ہیں جو ایک ہی باپ کی نسل سے ہو۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۤیِلَ لِتَعَارَفُوْا ط﴾ (49/ الحجرات: 13) ”اے لوگو بے شک ہم نے تم کو پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنایا تم کو شاخیں اور قبیلے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔“

کسی کے سامنے ہونا۔ کسی کے سامنے یا آگے آنا۔ کسی کی طرف متوجہ ہونا یا رخ کرنا۔ ﴿فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝﴾ (68/ القلم: 30) ”تو سامنے ہوئے ان میں سے ایک دوسرے کے، باہم ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے۔“ ﴿وَسَعَلَ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِي اَقْبَلْنَا فِيْهَا ط﴾ (12/ يوسف: 82) ”اور پوچھ لے اُس بستی سے جس میں ہم تھے اور اُس قافلے سے جس میں ہم آئے ہیں۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔

فعل امر ہے۔ تو آگے آ۔ سامنے آ۔ ﴿يَوْمَئِذٍ اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۚ﴾ (28/ القصص: 31) ”اے موسیٰ سامنے آ اور مت ڈر۔“

اس طرح قبول کرنا جس میں اجر و ثواب دینا شامل ہو۔ ﴿قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (5/ المائدہ: 27) ”اس نے کہا اللہ تو بس قبول کرتا ہے متقی لوگوں سے۔“

فعل امر ہے۔ تو قبول کر۔ ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۙ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾ (2/ البقرة: 127) ”اے ہمارے رب! تو قبول فرما ہم سے بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔“

قَبْلَهُ

قَبِيْلٌ

قَبِيْلَةً

اِقْبَالًا (افعال)

اَقْبِلْ

تَقَبَّلًا (تفعّل)

تَقَبَّلْ

(تفاعل)	تَقَابُلًا	ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہونا۔ آمنے سامنے ہونا۔
	مُتَقَابِلٌ	ج: مُتَقَابِلُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ آمنے سامنے ہونے والا۔ ﴿عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ۝﴾ (37/الصافات: 44) ”تختوں پر آمنے سامنے ہونے والے۔“
(استفعال)	اِسْتَقْبَلَا	کسی کی طرف متوجہ ہونا۔ کسی کے سامنے آنا۔ خوش آمدید کہنا۔ اسی سے ہے: استقبال القبلۃ (قبلہ رخ ہونا)۔
	مُسْتَقْبِلٌ	اسم فاعل ہے۔ سامنے آنے والا۔ ﴿فَلَمَّا رَاوُهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ اَوْدِيَّتِهِمْ ۚ﴾ (46/الاحقاف: 24) ”پھر جب انہوں نے دیکھا اس (عذاب) کو بادل جیسا، اپنی وادیوں کے سامنے آنے والا۔“ یہی لفظ آنے والے زمانے کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ زمانہ مستقبل۔

## ش ف ع

(ف)	شَفَعَا	کسی چیز کو اس جیسی دوسری چیز کے ساتھ ملا کر جوڑا بنانا۔ جفت کرنا۔
(ف)	شَفَاعَةً	سفارش کرنا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: الشفاعة کے معنی دوسرے کے ساتھ اس کی مدد یا سفارش کرتے ہوئے مل جانے کے ہیں۔ عام طور پر کسی بڑے باعزت آدمی کا اپنے سے کم تر کے ساتھ اس کی مدد کے لیے شامل ہو جانے پر (یہ لفظ) بولا جاتا ہے۔“ اور مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”لفظی معنی ملنے یا ملانے کے ہیں اس لیے شفیع عربی میں جوڑے کے معنی میں آتا ہے اس کے مقابلے میں لفظ وتر بمعنی طاق استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے شفاعت کے لفظی معنی ہوئے کہ کسی کمزور طالب حق کے ساتھ اپنی قوت ملا کر اس کو قوی کر دیا جائے یا یکس ایکے شخص کے ساتھ مل کر اس کو جوڑا بنادیا جائے۔“ ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَآلَاٰ بِأَذْنِهٖ ط﴾ (2/البقرة: 255) ”کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت سے۔“ سفارش اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔ اچھی سفارش کرنے والے کو اس کا اجر ملتا ہے اور بری سفارش کرنے والے کو اس کا گناہ ملتا ہے جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿مَنْ يَّشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعُ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا ط﴾ (4/النساء: 85) ”جو شخص نیک بات کی سفارش کرے تو اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا اور جو بری بات کی سفارش کرے تو اس کو اس (کے گناہ) میں سے حصہ ملے گا۔“
	شَفَعُ	ایسا عدد جو دو سے تقسیم ہو جائے۔ جفت۔ ﴿وَالشَّفْعَ وَالْوَتْرَ ۝﴾ (89/الفجر: 3) ”قسم ہے جفت کی، قسم ہے طاق کی۔“
	شَفَاعَةً	اسم ذات بھی ہے۔ سفارش۔ ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ط﴾ (74/المدثر: 48) ”تو نفع نہیں دے گی ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش۔“
	شَافِعٌ	ج: شَافِعُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ سفارش کرنے والا۔ اوپر آیت (74/المدثر: 48) دیکھیں۔ حدیث مبارک میں قرآن مجید کے بارے میں فرمایا اَلْقُرْآنُ شَافِعٌ وَمُشَفَّعٌ۔ قرآن شافع ہے مطلب سفارش کرے گا اور مُشَفَّعٌ ہے یعنی اُس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ (بحوالہ مفردات القرآن)۔
	شَفِيعٌ	ج: شَفِيعَاءُ۔ فَعِيلٌ کا وزن ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں سفارش کرنے والا۔ ﴿لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ۚ﴾ (6/الانعام: 70) ”اس کے لیے نہیں ہے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ ہی کوئی سفارش کرنے والا۔“ ﴿وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شَفِيعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ط﴾ (10/يونس: 18) ”اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ہماری سفارش کرنے والے



ہیں اللہ کے پاس۔“ واضح رہے کہ تمام قرآن مجید میں شَفَعَاءُ کی املاء اسی طرح عین الف کے ساتھ ہے مگر سورہ روم کی آیت 13 میں یہ عین واو کے ساتھ اس طرح لکھا گیا ہے شَفَعُوا۔ (بحوال لغات القرآن، ج ۳، ص ۲۸۷)۔

## ع خ ذ

(ن) أَخَذًا، أَخَذَةً  
اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو احاطہ میں لے لینا یا کسی چیز کا احاطہ کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر یہ لفظ کسی چیز کو پکڑنے اور کسی چیز کو لے لینے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَ أَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ﴾ (7/ الاعراف: 150) ”اور اس نے پکڑ اپنے بھائی کے سر کو۔“ ﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ﴾ (5/ المائدة: 12) ”اور لے چکا ہے اللہ بنی اسرائیل سے پختہ وعدہ۔“ ﴿لَا تَأْخُذْهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾ (2/ البقرة: 255) ”نہیں پکڑ سکتی اُس کو اونگھ اور نہ نیند۔“ ﴿فَاخْذْنِهُ أَخَذًا وَبَيْلًا﴾ (73/ المزمل: 16) ”تو ہم نے اُس کو بڑی سختی سے پکڑ لیا۔“ ﴿فَاخْذَهُمْ أَخْذَةً رَابِيَةً﴾ (69/ الحاقة: 10) ”تو اللہ نے پکڑ لیا انہیں بڑی سختی سے۔“ جب اس کے ساتھ ب کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے آمادہ کرنا، اکسانا۔ مثلاً: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ﴾ (2/ البقرة: 206) ”اور جب کہا جائے اُسے کہ (میاں) خدا سے ڈرو تو اور اکساتا ہے اسے غرور گناہ پر۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ”اور جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ خوف خدا کرو تو اُسے نخوت گناہ پر (اور زیادہ) آمادہ کر دیتی ہے۔“ (ترجمہ مابدئی)۔  
ج: خُذُوا۔ فعل امر ہے۔ تو پکڑ۔ تو لے۔ ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ (9/ التوبة: 103) ”آپ لیں ان کے مال میں سے صدقہ۔“ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَ رَبِّكَ فَخُذْ حُكْمَكَ وَمَا نُهِيَكَ عَنْهُ فَانْتَهَ﴾ (59/ الحشر: 7) ”اور تمہیں جو کچھ رسول دے، لے لو اور جس چیز سے روکے، رک جاؤ۔“  
ج: أَخِذُوا۔ اسم الفاعل ہے۔ پکڑنے والا۔ لینے والا۔ ﴿وَلَسْتُمْ بِأَخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغِصُّوا فِيهِ﴾ (2/ البقرة: 267) ”اور تم لوگ نہیں ہو اس کو لینے والے مگر یہ کہ تم لوگ چشم پوشی کرو اس سے۔“  
کسی کو کسی غلطی پر پکڑنا۔ مواخذہ کرنا۔ جواب طلبی کرنا۔ ﴿قَالَ لَا تَأْخُذْنِي بِمَا نَسِيتُ﴾ (18/ الکہف: 73) ”حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ میری بھول پر مجھے نہ پکڑیے۔“ (ترجمہ احسن البیان)  
کسی کو کچھ بنانا۔ اس کا فعل عام طور پر دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ یعنی کس کو بنایا اور کیا بنایا۔ ﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾ (4/ النساء: 125) ”اور بنایا اللہ نے ابراہیم کو دوست۔“ ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ بِاتَّخَذِكُمُ الْعِجْلَ﴾ (2/ البقرة: 54) ”اور یاد کرو جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے میری قوم بیشک تم نے ظلم ڈھایا اپنے آپ پر پچھڑے کو (خدا) بنا کر۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اور کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے مثلاً: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا﴾ (2/ البقرة: 116) ”اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ایک بیٹا بنایا۔“  
ج: اتَّخَذُوا۔ فعل امر ہے۔ تو بنا۔ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا﴾ (73/ المزمل: 9) ”کوئی معبود نہیں سوائے اس کے، پس تو بنا اس کو وکیل یعنی کام بنانے والا۔“ ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِرِ إِبْرَاهِيمَ مَصَلًى﴾ (2/ البقرة: 125) ”اور تم لوگ بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ میں سے نماز کی جگہ۔“

ج: مَتَّخِذُونَ۔ اسم فاعل ہے۔ بنانے والا۔ واحد مذکر۔ ﴿وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَصَدًا﴾ (18/ الکہف: 51) ”اور میں نہیں ہوں گمراہ کرنے والوں کو بنانے والا بازو یعنی مشیر۔“ ﴿وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ﴾

مَتَّخِذٌ

(5/ المائدة: 5) ”اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے۔“

ج: مُتَّخِذَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ بنانے والی۔ واحد مؤنث۔ ﴿وَلَا مُتَّخِذَاتٍ أَخْدَانٍ﴾ (4/ النساء: 25) ”اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ یار۔“

مُتَّخِذَةٌ

ع د ل

(ض) عَدْلًا

یہ لفظ ظاہری اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کا بنیادی مفہوم ہے برابری کرنا۔ عربی میں کہا جاتا ہے عَدَلْتُ هَذَا بِهَذَا میں نے اس کو، اس کے برابر کر دیا۔ اسی طرح اَيَّامٌ مُّعْتَدِلَاتٌ ان دنوں کو کہا جاتا ہے جب رات اور دن برابر ہوں۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ﴾ (6/ الانعام: 150) ”اور وہ اپنے رب کے برابر کرتے ہیں (اوروں کو)۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ﴿وَكُنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَكُونُوا حَصْنَةً﴾ (4/ النساء: 129) ”اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ اس کی حرص کرو۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ (4/ النساء: 3) ”لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے۔“ (ترجمہ حسن البیان)۔ اس لفظ کا دوسرا مفہوم ہے کسی چیز کے برابر اس کا بدلہ دینا۔ نیکی کا بدلہ نیکی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے دینے کا نام عدل ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَإِنْ تَعْدِلْ كُلٌّ عَدْلٌ لَّا يُؤْخَذُ مِنْهَا﴾ (6/ الانعام: 70) ”اور اگر بدلے میں دے سارے بدلے تو قبول نہ ہوں اس سے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔

اس لفظ کا تیسرا مفہوم ہے انصاف کرنا۔ حق دار کو اس کا حق ادا کرنا۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿وَأَمْرٌ لَّا عَدِلَ بَيْنَكُمُ ط﴾ (42/ الشوری: 15) ”اور مجھ کو حکم ہے کہ انصاف کروں تمہارے بیچ میں۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا﴾ (4/ النساء: 135) ”تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی انصاف کرنے میں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس معنی کے اعتبار سے عدل کا لفظ ذوی الاضداد سے ہے۔ اگر یہ باب سمع سے آئے تو پھر اس کے معنی ظلم کرنا اور نا انصافی کرنا کے ہوتے ہیں۔ لیکن ان معنوں میں فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)۔

اس لفظ کا چوتھا مفہوم ہے کسی چیز کے توازن و تناسب کو قائم رکھنا۔ کسی چیز کو معتدل بنانا کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہ رہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ﴾ (82/ الانفطار: 7) ”جس نے تجھے پیدا کیا پھر تیرے (اعضاء کو) درست کیا پھر تیرے (عناصر کو) معتدل بنایا۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

قرآن مجید میں مصدر عَدَلَ بمعنی عَدَالَةً (معتبر) بھی استعمال ہوا ہے۔ ﴿وَ أَشْهَدُ وَ أَذْوَی عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ (65/ الطلاق: 2) ”اور گواہ کر لو دو معتبر اپنے میں کے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔

عَدَلَ يَعْدِلُ کا مصدر اگر عَدُولٌ آئے تو مطلب ہوتا ہے راہِ راست سے انحراف کرنا، ہٹ جانا۔ ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا﴾ (4/ النساء: 135) ”تو خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ (حق سے) ہٹ جاؤ۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ﴾ (27/ النمل: 60) ”مگر ہاں یہ لوگ ہیں ہی حق سے عدول کرنے والے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ حاشیہ میں حضرت عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں: ”یعدلون۔ عدول سے ہے جس کے معنی حق سے انحراف اور کجی کے ہیں۔“

عَدُولًا

ج: اِعْدِلُوا۔ فعل امر ہے۔ تو برابر کر۔ تو انصاف کر۔ ﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ (6/ الانعام: 152) ”اور جب بھی تم بولو تو انصاف کرو چاہے وہ شخص تمہارا قرابت دار ہی ہو۔“

اِعْدِلُ

اسم ذات بھی ہے۔ کسی چیز کے برابر کوئی دوسری چیز۔ بدلہ۔ عدل۔ انصاف۔ ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ (2/البقرہ: 123) ”اور قبول نہیں کیا جائے گا اس سے بدلہ اور نفع نہیں دے گی اس کو سفارش۔“ ﴿أَوْ عَدْلٌ ذَلِكْ صِيَامًا﴾ (5/المائدہ: 95) ”یا اس کے برابر روزے رکھنا۔“

## ن ص ر

(ن)

نَصْرًا، نَصْرَةً

کسی کی مدد کرنا۔ ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ﴾ (3/آل عمران: 123) ”اور یقیناً مدد کی تمہاری اللہ نے بدر میں۔“ حضرت مولانا عبدالماجد ریا بادی فرماتے ہیں: ”نصر کا صلہ جب علی کے ساتھ آتا ہے تو معنی غلبے کے ہو جاتے ہیں اور غلبہ سے مراد دونوں ہیں بہ لحاظ دلائل وعلوم، غلبہ علمی و معنوی اور بہ لحاظ فتوحات جہاد، غلبہ مادی و ملکی۔“ ﴿فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ (2/البقرہ: 286) ”سو ہم کو غالب کر کا فر لوگوں پر۔“ (ترجمہ ماجدئ)

نَصْرٌ

أَنْصُرُ

اسم ذات بھی ہے۔ مدد۔ ﴿أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ﴾ (2/البقرہ: 214) ”سن لو یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے۔“ فعل امر ہے۔ تو مدد کر۔ ﴿وَتَشِدَّتْ أَقْدَامُنَا وَأَنْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ (2/البقرہ: 250) ”اور تو جمادے ہمارے قدموں کو اور تو مدد کر ہماری کا فر قوم پر۔“

نَاصِرٌ

ج: نَاصِرُونَ اور أَنْصَارٌ۔ اسم فاعل ہے۔ مدد کرنے والا۔ مددگار۔ ﴿أَهْلَكَهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ﴾ (47/محمد: 13) ”ہم نے ہلاک کیا ان کو تو کسی قسم کا کوئی مددگار نہیں ہے ان کے لیے۔“ ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ﴾ (3/آل عمران: 22) ”اور نہیں ہیں اُن کے کوئی بھی مددگار۔“ ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ﴾ (61/آل عمران: 14) ”حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔“ قرآن مجید میں جہاں مہاجرین و انصار کا ذکر ہے وہاں انصار سے انصارِ مدینہ مراد ہیں جو نصرتِ نبی کی بدولت اس لقب سے سرفراز کئے گئے۔

نَصِيرٌ

مَنْصُورٌ

ج: أَنْصَارٌ۔ فَعِيلٌ کا وزن ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں مدد کرنے والا۔ ﴿فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ طِيعَمَ الْهَوَىٰ وَ نِعْمَ النَّصِيرُ﴾ (8/الانفال: 40) ”پس جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے کیا ہی اچھا حمایتی اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔“ ج: مَنْصُورُونَ۔ اسم المفعول ہے۔ جس کی مدد کی جائے۔ مدد کیا ہوا۔ ﴿فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقِتَالِ إِنَّكَ كَانَ مَنْصُورًا﴾ (17/بنی اسرائیل: 33) ”پس اسے چاہیے کہ زیادتی نہ کرے قتل میں یقیناً وہ مدد کیا گیا ہے۔“ ﴿إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ﴾ (37/الصافات: 172) ”اُن کی ضرورت مدد کی جائے گی۔“

نَصْرَانِيٌّ

ج: نَصْرَانِيٌّ۔ اسم نسبت ہے۔ مدد والا۔ اصطلاحاً یہ لفظ عیسائی لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ نَصْرَانِيٌّ کے ماخذ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض بزرگوں کی رائے ہے کہ یہ ”ناصرہ“ کی طرف منسوب ہے جو کہ ملک شام (حال فلسطین) میں ایک قصبہ کا نام ہے۔ انگریزی میں اسے (Nazareth) کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کا آبائی وطن یہی قصبہ تھا اور آپ ”مسیح ناصری“ اسی مناسبت سے کہلاتے ہیں۔ اور بعض بزرگوں کی رائے ہے کہ اس کا ماخذ ”نَصْرَةً“ (مدد) ہے اور اس کی وجہ وہ قول ہے جو حضرت عیسیٰ کے سوال مِّنْ أَنْصَارِيٍّ إِلَى اللَّهِ (اللہ کی راہ میں کون میرے مدد گار ہیں) کے جواب میں حواریوں نے کہا تھا۔ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ (ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں)۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا﴾ (3/آل عمران: 67) ”ابراہیمؑ یہودی نہیں تھے اور نہ ہی نصرانی۔“ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَانِي عَلَى شَيْءٍ﴾ (2/البقرہ: 113) ”اور کہا یہودیوں نے کہ نہیں ہیں

عیسائی کسی چیز پر۔“

(تفاعل) تَنَاصَرًا ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ﴾ (37/ الصافات: 25) ”تم لوگوں کو کیا ہوا ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔“

(افتعال) اِنْتَصَرًا (1) مدد طلب کرنا۔ (2) بدلہ لینا۔ انتقام لینا۔ (3) ظلم یا ظالم سے بچنا۔ اپنے آپ کو کسی کے حملے سے بچانا۔ ﴿وَلَمَّا كَانَتْ اُولَئِكَ عَلَيْهِ مَا عَلَيْنَا مِنْ سَبِيلٍ﴾ (42/ الشوری: 41) ”اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَالَّذِينَ إِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَكْتُمُونَ﴾ (42/ الشوری: 39) ”اور جب اُن پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اُس کا (مناسب) بدلہ لیتے ہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اِنْتَصَرُ فعل امر ہے۔ تو بدلہ لے۔ ﴿فَدَعَا رَبَّهُ اِنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ﴾ (54/ القمر: 10) ”تو اس نے پکارا اپنے رب کو کہ میں مغلوب ہوں پس تو بدلہ لے۔“

مُنْتَصِرٌ ج: مُنْتَصِرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ بدلہ لینے والا۔ غالب۔ ﴿اَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَبِيحٌ مُّنتَصِرٌ﴾ (54/ القمر: 44) ”یا وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہے گی۔“

(استفعال) اِسْتِنَصَارًا مدد مانگنا۔ ﴿وَإِنْ اِسْتَنْصَرُواكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ﴾ (8/ الانفال: 72) ”اور اگر وہ لوگ مدد مانگیں تم لوگوں سے دین میں تو تم لوگوں پر لازم ہے مدد کرنا۔“

### ترکیب

وَائْتَقُوا میں وُءَظْف کا ہے اور اِتَّقُوا گزشتہ آیت میں اُذْکُرُوا پر عطف ہے۔ اِتَّقُوا فعل امر ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے۔ یَوْمًا اس کا مفعول ہے اور نکرہ موصوفہ ہے۔ آیت کا اگلا حصہ یَوْمًا کی صفات بیان کر رہا ہے۔ چنانچہ لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا، یَوْمًا کی پہلی صفت ہے۔ اس میں لانا فیہ ہے۔ تَجْزِي مضارع معروف کا صیغہ ہے، اس کے بعد فیہ محذوف ہے، نَفْسٌ اس کا فاعل ہے، عَنْ نَفْسٍ جار مجرور متعلق فعل ہے اور شَيْئًا مفعول ہے۔ آگے وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ، یَوْمًا کی دوسری صفت ہے۔ اس میں وُءَظْف کا ہے ’لَا‘ نافیہ ہے، يُقْبَلُ، مضارع مجہول کا صیغہ ہے، اس کے بعد فیہ محذوف ہے۔ مِنْهَا اس سے متعلق ہے اور شَفَاعَةٌ، نائب الفاعل ہے۔ مِنْهَا میں ’ہا‘ ضمیر نَفْسٌ کے لیے ہے۔ شَفَاعَةٌ، مونث غیر حقیقی ہے اس لیے اس کا فعل تُقْبَلُ کی بجائے يُقْبَلُ بھی درست ہے۔ اگلا جملہ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ، یَوْمًا کی تیسری صفت ہے۔ اس میں وُءَظْف کا ہے۔ ’لَا‘ نافیہ ہے۔ یُؤْخَذُ، مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ فیہ محذوف ہے۔ مِنْهَا اس سے متعلق ہے، ’ہا‘ ضمیر نَفْسٌ کے لیے ہے اور عَدْلٌ نائب الفاعل ہے۔ اور اگلا جملہ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ، یَوْمًا کی چوتھی صفت ہے۔ اس میں وُءَظْف کا ہے، ’لَا‘ نافیہ ہے ہُمْ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ یُنْصَرُونَ اس کی خبر ہے۔ یُنْصَرُونَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ اور اس کے بعد فیہ محذوف ہے۔ آخری صفت وَلَا يُنْصَرُونَ (بغیر ہُمْ کے) بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کو جملہ اسمیہ کی صورت میں بیان کرنے سے اس میں حصر اور تاکید کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ	وَائْتَقُوا	یَوْمًا	لَا تَجْزِي	نَفْسٌ	عَنْ نَفْسٍ
اور تم لوگ ڈرو	ایک ایسے دن سے جب	کام نہیں آئے گی	کوئی جان	کسی جان کے	

شَيْئًا	وَلَا يُقْبَلُ	مِنْهَا	شَفَاعَةٌ	وَلَا يُؤْخَذُ
کچھ بھی	اور قبول نہیں کی جائے گی	اس سے	کوئی سفارش	اور نہیں لیا جائے گا

وَمِنْهَا	عَذَابٌ	وَلَا هُمْ	يُنصَرُونَ ﴿٥٩﴾
اس سے	کوئی بدلہ	اور نہ ہی وہ	مدد کیے جائیں گے

## نوٹ: 1

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی نکرہ کی کوئی خصوصیت ایک یا چند فقروں یا جملوں میں بیان کی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ نکرہ، محض نکرہ نہیں رہتا۔ اسے نکرہ موصوفہ مختصہ کہتے ہیں۔ اس بات کو اردو کی مثال سے سمجھ لیں۔ ہم کہتے ہیں ایک ٹھنڈا دن۔ اب یہ کسی بھی ٹھنڈے دن کی بات ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس فقرہ میں دن کا لفظ محض نکرہ ہے۔ اسے نکرہ محضہ کہتے ہیں۔ لیکن اگر ہم کہیں ایک ایسا ٹھنڈا دن جب پانی جم جائے۔ اس فقرہ میں بھی دن کا لفظ نکرہ ہے کیونکہ ایسا ٹھنڈا دن کوئی بھی دن ہو سکتا ہے۔ لیکن عام ٹھنڈے دنوں کے نسبت اس دن کی ایک خصوصیت ہے۔ اس لیے اس فقرہ میں دن کا لفظ نکرہ محضہ نہیں رہا بلکہ نکرہ موصوفہ مختصہ ہو گیا۔

اسی طرح سے آیت زیر مطالعہ میں یَوْمًا کا لفظ نکرہ آیا ہے کیونکہ یہ ایک غیر معین دن ہے۔ لیکن جب بھی یہ دن وقوع پذیر ہوگا تو کچھ خصوصیات کا حامل ہوگا جو آیت میں بیان کر دی گئی ہیں۔ اس لیے یہ نکرہ محضہ نہیں ہے بلکہ نکرہ موصوفہ مختصہ ہے۔ ترجمہ کرتے وقت اس فرق کا لحاظ کرنا ہوتا ہے۔

## نوٹ: 2

اس آیت میں لفظ شَيْئًا کے استعمال کو سمجھنے کے لیے پہلے ہمیں مفعول مطلق کا استعمال سمجھنا ہوگا۔ ہم کہتے ہیں میں نے اس کو مارا یعنی ضَرَبْتُہ۔ یہ ایک سادہ جملہ ہے۔ لیکن اگر ہم کہتے ہیں میں نے اس کو ٹھیک ٹھاک مار ماری تو عربی کے جملہ میں یہ انداز پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس فعل کا ذکر ہو اسی فعل کا مصدر بطور مفعول لے آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ضَرَبْتُہ ضَرْبًا۔ اب اس میں ضَرَبْتُہ کے بعد اُصل مفعول ہے اور ضَرْبًا مفعول مطلق ہے جس کی وجہ سے بات میں بہت زور پیدا ہو گیا ہے۔ اسی طرح سے جَزَيْتُہ جَزَاءً یعنی میں نے اس کو بدلہ دیا جیسا بدلہ دیتے ہیں یا جیسا بدلہ دینے کا حق ہے۔ اب فرض کریں یہی بات ہم منفی انداز میں کہنا چاہتے ہیں کہ میں نے اس کو بالکل نہیں مارا، تو اس کے لیے مَا ضَرَبْتُہ ضَرْبًا نہیں کہیں گے بلکہ منفی جملہ میں مفعول مطلق کے طور پر فعل کا مصدر لانے کے بجائے عام طور پر لفظ شَيْئًا لے آتے ہیں۔ اس لیے کہیں گے مَا ضَرَبْتُہ شَيْئًا۔ میں نے اس کو کچھ بھی نہیں مارا۔ اسی طرح سے مَا جَزَيْتُہ جَزَاءً کے بجائے مَا جَزَيْتُہ شَيْئًا کہیں گے۔ میں نے اس کو کچھ بھی بدلہ نہیں دیا۔

اب نوٹ کریں کہ آیت میں اصل جملہ تھا لَا تَجْزِي فِيهِ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ جَزَاءً۔ اس میں فِيهِ مخدوف کر دیا۔ اور مفعول مطلق کے طور پر جَزَاءً کے بجائے شَيْئًا آیا ہے۔ یعنی کوئی جان کسی جان کے کچھ بھی کام نہ آئے گی یا بدلہ میں ذرہ برابر بھی کوئی چیز نہ دے گی۔

## آیت: 49

﴿وَإِذْ نَجَّيْنَكُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۖ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٥٩﴾﴾

اِذْ: البقرة آیت 30 دیکھیں۔

## ن ج و

(ن) (١) نَجَاةً اور نَجَاءً کسی کا کسی چیز سے الگ ہو جانا۔ رہائی پانا۔ نجات پانا۔ ﴿وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا﴾ (12/ یوسف: 45) ”اور کہا اُس شخص نے جس نے نجات پائی اُن دونوں میں سے۔“ ﴿قَالَ لَا تَخَفْ ۖ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (28/ القصص: 25) ”انہوں نے کہا آپ (حضرت موسیٰ) مت ڈریں۔ آپ نے نجات پائی ظالم قوم سے۔“

(ب) نَجَّوْا اور نَجَّوْی سرگوشی کرنا۔ دو آدمیوں کا راز داری سے بات کرنا۔ سرگوشی کے معنی میں ثلاثی مجرد سے فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

نَجَّی اسم الفاعل ہے۔ نجات پانے والا۔ ﴿وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا﴾ (12/ یوسف: 42) ”اور حضرت یوسفؑ نے کہا اس سے جس کے لیے انہوں نے خیال کیا کہ وہ نجات پانے والا ہے ان دونوں میں سے۔“

نَجَّی یہ لفظ نَجَّوْا یا نَجَّوْی مصدر سے فَعِيلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فَعِيلٌ کے وزن میں کبھی اسم الفاعل اور کبھی اسم المفعول کا مفہوم ہوتا ہے۔ چنانچہ نَجَّی کا معنی دونوں طرح سے کیا گیا ہے۔ بعض بزرگوں کے نزدیک اس کا معنی ”سرگوشی کرنے والا“ کے ہیں (مفردات القرآن، لغات القرآن) اور بعض بزرگوں کے نزدیک اس کا معنی ”وہ جس سے سرگوشی کی جائے یا جس سے راز کی بات کہی جائے“ کے ہیں (مصباح اللغات، معارف القرآن)۔ بعض بزرگوں کے نزدیک اس کا مصدر تَنَجَّج (تفاعل) ہے جس کے معنی ہیں ”باہم مشورہ کرنا“۔ قرآن مجید میں یہ لفظ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سورہ یوسف کی آیت 80 میں فرمایا ﴿فَلَمَّا اسْتِئْذِنُوا مِنْهُ خَالَصُوا نَجِيًّا﴾۔ اس آیت کا ترجمہ عام طور سے دو طرح کیا گیا ہے مثلاً: ”پھر جب ناامید ہوئے اس سے اکیلے ہو بیٹھے مشورہ کرنے کو۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”پھر جب وہ ان کی طرف سے مایوس ہو گئے تو علیحدہ باہم مشورہ کرنے لگے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ ”پھر جب وہ مایوس ہو گئے یوسف سے تو الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ گویا ہمارے بزرگوں نے اس آیت مبارکہ میں نَجَّی کو نَجَّوْا، نَجَّوْی یا تَنَجَّج سے اسم الفاعل کے معنی میں لیا ہے۔ اور دوسری جگہ سورہ مریم کی آیت 52 میں فرمایا ﴿وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا﴾ اس آیت مبارکہ میں عام طور پر نَجَّی کو نَجَّوْا یا نَجَّوْی سے اسم المفعول، ”جس سے سرگوشی کی جائے، جس سے راز کی بات کہی جائے“ کے معنی میں لیا گیا ہے اور اس کو قَرَّبْنَاهُ میں ضمیر مفعولی کا حال مانا گیا ہے۔ ”اور نزدیک بلایا اس کو بھید کہنے کو۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”اور ہم نے ان کو مقرب بنایا راز کی گفتگو کے لیے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”نَجَّی سرگوشی اور خصوصی کلام کو مناجات اور جس شخص سے ایسا کلام کیا جائے اُس کو نَجَّی کہا جاتا ہے۔“ (معارف القرآن، ج ۶، ص ۳۹)۔

نَجَّوْا اسم ذات ہے۔ رہائی۔ نجات۔ ﴿ادْعُوهُمْ إِلَى النَّجْوَى وَتَدْعُوْنِي إِلَى النَّارِ﴾ (40/ مومن: 41) ”میں بلاتا ہوں تم لوگوں کو نجات کی طرف اور تم لوگ بلاتے ہو مجھ کو آگ کی طرف۔“ نَجَّوْا خاص قرآنی املاء ہے۔

نَجَّوْی اسم ذات بھی ہے۔ سرگوشی۔ ﴿الَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَى﴾ (58/ المجادلة: 8) ”کیا آپ نے ان لوگوں کے حال میں غور کیا جنہیں سرگوشی سے روک دیا گیا تھا؟“ ﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾ (4/ النساء: 114) ”نہیں کوئی بھلائی ان کی اکثر سرگوشیوں میں بجز ان لوگوں کے جو حکم دیں صدقہ دینے کا یا نیک کام کا یا صلح کرانے کا لوگوں میں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ نَجَّوْی کے ماخذ کے بارے میں ہمارے بزرگوں میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ باب نصر سے مصدر ہے بمعنی سرگوشی کرنا اور بطور اسم ذات (سرگوشی) استعمال ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ نَجَّوْا سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں وہ اونچی زمین جو دوسری زمینوں سے ممتاز اور بلندی کی وجہ سے آس پاس کی زمینوں سے جدا ہو۔ آہستہ اور راز سے کہی ہوئی بات بھی چونکہ کسی دوسرے کے سننے سے محفوظ ہو جاتی ہے اس لیے وہ نَجَّوْا کے مشابہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ لفظ نجوت الشئ انجوة سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو خالص اور منفرد کر لینا۔ اسی مناسبت سے دو آدمی جو دوسرے لوگوں سے

الگ تھلک ہو کر باتیں کرتے ہیں اس کو نَجْوٰی کہتے ہیں۔ یہ لفظ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے مثلاً هُوَ نَجْوٰی اور هُمْ نَجْوٰی۔ اس لفظ کا استعمال بطور صفت بھی ہوتا ہے جیسے قَوْمٌ نَجْوٰی یعنی سرگوشی کرنے والے لوگ۔ قرآن مجید میں ہے ﴿وَإِذْ هُمْ نَجْوٰی﴾ (17/ بنی اسرائیل: 47) ”اور جب وہ سرگوشی کر رہے تھے۔“ اس صورت میں اس سے پہلے لفظ ذُو مخدوف مانا جاتا ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ نَجْوٰی کا استعمال بطور مصدر (سرگوشی کرنا)، بطور اسم ذات (سرگوشی) اور بطور صفت (سرگوشی کرنے والا، والے) ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

(افعال) اِنْجَاء کسی کو رہائی دینا۔ نجات دینا۔ ﴿إِذْ أَنْجَلَكُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ﴾ (14/ ابراہیم: 6) ”جب اس نے رہائی دی تم کو آلِ فرعون سے۔“

(تفعیل) تَنْجِيَةً کسی کو رہائی دینا۔ نجات دینا۔ (اس میں تدریجاً نجات دینے کا مفہوم ہوتا ہے)۔ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي نَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغُورِ الظُّلُمِیْنَ ۝﴾ (23/ المؤمنون: 28) ”تمام حمد اللہ کے لیے ہے جس نے نجات دی ہم کو ظالم قوم سے۔“ فعل امر ہے۔ واحد مذکر حاضر کا صیغہ۔ تو نجات دے۔ تو چھٹکارا دے۔ ﴿وَنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝﴾ (26/ الشعراء: 118) ”اور تو نجات دے مجھے اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں انہیں بھی۔“

مَنْجٍ ج: مَنْجُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نجات دینے والا۔ ﴿إِنَّا مَنَّجُوكَ وَأَهْلَكَ﴾ (29/ العنکبوت: 33) ”بے شک ہم نجات دینے والے ہیں آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو۔“

(مفاعله) مَنَّاجَاۃً چپکے چپکے سے کان میں بات کہنا۔ کسی سے سرگوشی کرنا۔ رازداری سے مشورہ دینا۔ ﴿إِذَا تَنَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِ مُّوَابَّيْنَ يَّكُمۡ نَجْوٰیكُمْ صَدَقَۃٌ ط﴾ (58/ المجادلہ: 12) ”اور جب بھی تم لوگ سرگوشی کرو رسولؐ سے تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دو۔“

(تفاعل) تَنَاجِيًا باہم ایک دوسرے سے سرگوشی کرنا۔ باہم خفیہ مشورہ کرنا۔ ﴿إِذَا تَنَاجَيْتُمۡ فَلَا تَنَاجَیۡا بِالْأَثَرِ وَالْعُدَاوٰنِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ﴾ (58/ المجادلہ: 9) ”تم جب سرگوشی کرو تو یہ سرگوشیاں گناہ اور ظلم (زیادتی) اور نافرمانی پیغمبرؐ کی نہ ہوں۔“ (ترجمہ احسن البیان) ”جب تم خفیہ مشورہ کرو تو موت خفیہ مشورہ کرو گناہ، زیادتی اور رسول کریمؐ کی نافرمانی کے متعلق۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

اَلْ: البقرة آیت 41 دیکھیں۔

فِرْعَوْنُ

ج: فَرَّاعِنَةً۔ یہ کسی ایک متعین بادشاہ کا نام نہیں بلکہ قدیم مصر کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ”لفظ فرعون کے معنی ہیں ”سورج دیوتا کی اولاد“ قدیم اہل مصر سورج کو، جو اُن کا مہادیو یا رب اعلیٰ تھا، ع کے کہتے تھے اور فرعون اسی کی طرف منسوب تھا۔ اہل مصر کے اعتقاد کی رو سے کسی فرماں روا کی حاکمیت کے لیے اس کے سوا کوئی بنیاد نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ ع کے جسمانی مظہر اور اُس کا ارضی نمائندہ ہو، اسی لیے ہر شاہی خاندان جو مصر میں برسر اقتدار آتا تھا، اپنے آپ کو سورج بنسی بنا کر پیش کرتا، اور ہر فرماں روا جو تخت نشین ہوتا، ”فرعون“ کا لقب اختیار کر کے باشندگان ملک کو یقین دلاتا کہ تمہارا رب اعلیٰ یا مہادیو ہیں ہوں۔“

یہاں یہ بات اور جان لینی چاہیے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کے قصے کے سلسلہ میں دو فرعونوں کا ذکر آتا ہے۔ ایک وہ جس کے زمانہ میں آپ پیدا ہوئے اور جس کے گھر میں آپ نے پرورش پائی۔ دوسرا وہ جس کے پاس آپ اسلام کی دعوت اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ لے کر پہنچے اور جو بالآخر غرق ہوا۔ موجودہ زمانہ کے محققین کا عام میلان اس طرف ہے کہ پہلا فرعون رعمسیس دوم تھا جس کا زمانہ حکومت ۱۲۹۲ سے ۱۲۲۵ قبل مسیح تک رہا۔ اور دوسرا فرعون

جس کا یہاں ان آیات میں ذکر ہو رہا ہے، (الاعراف: 104) منفیہ یا مفتاح تھا جو اپنے باپ رعمیس دوم کی زندگی ہی میں شریک حکومت ہو چکا تھا اور اس کے مرنے کے بعد سلطنت کا مالک ہوا۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۶۴)۔ اور سورہ یوسف کے تعارف میں فرماتے ہیں: ”قرآن مجید حضرت یوسفؑ کے ہم عصر بادشاہ کو ”فرعون“ کے نام سے یاد نہیں کرتا۔ کیونکہ ”فرعون“ مصر کی مذہبی اصطلاح تھی اور یہ لوگ (چرواہے بادشاہ، Hyksos kings) مصری مذہب کے قائل نہ تھے لیکن بائبل میں غلطی سے اس کو بھی ”فرعون“ ہی کا نام دیا گیا ہے شاید اس کے مرتب کرنے والے سمجھتے ہوں گے کہ مصر کے سب بادشاہ ”فرعون“ ہی تھے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۳۸۲)۔ امام راغبؒ نے اس کو ”فرعون“ (رباعی) مادہ کے تحت بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ یہ عجمی لفظ ہے اور عربی زبان میں اس سے سرکشی کے معنی لے کر کہا جاتا ہے تَفَرُّعٌ عَنْ فُلَانٍ یعنی فلاں نے سرکشی کی۔

## س و م

(ن)

سَوْمًا

اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کی طلب میں کہیں جانا۔ چنانچہ سَوْمٌ کا مفہوم دو اجزاء سے مرکب ہے، طلب اور جانا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً (1) جانور کا چراگاہ میں جانا۔ جیسے سَامَتْ الْإِبِلُ اونٹ چراگاہ میں چرنے کے لیے چلے گئے۔ (2) کسی پر کوئی بوجھ ڈالنا یا اس کو تکلیف دینا۔ عربی میں کہتے ہیں سَامَهُ ظَلَمًا وَ سَامَهُ خَسْفًا، اس نے اس کو ظلم اور ذلت کا مزہ چکھایا۔ عربی زبان میں ”سَامَ خَسْفًا“ محاورہ ہے جس کا معنی ہے کسی کو تکلیف دینا اور ذلیل و خوار کرنا۔ ﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لِيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ط﴾ (7/ الاعراف: 167) ”اور جب سنا دیا تیرے رب نے کہ وہ لازماً بھیجتا رہے گا ان پر قیامت کے دن تک اس کو جو تکلیف دے گا ان کو برے عذاب کی۔“ یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

سَيِّئًا

اسم ذات ہے۔ علامت۔ نشان۔ ﴿تَعْرِفُهُمْ بِسَيِّئِهِمْ ط لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَاقًا ط﴾ (2/ البقرة: 273) ”تو پہچانے گا ان کو ان کی علامت سے، وہ لوگ نہیں مانگتے لوگوں سے پلٹتے ہوئے۔“ ﴿سَيِّئًا هُمْ فِي دُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ط﴾ (48/ الفتح: 29) ”ان (کے ایمان و عبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ”سَيِّئًا سے مراد وہ گناہیں جو عام طور پر پیشانی پر نمودار ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عبارت یوں ہوتی۔ سَيِّئًا هُمْ فِي جَبَاهِهِمْ۔ ان کی پیشانیوں پر نشانیاں۔ بلکہ اس سے مراد وہ نورِ باطن ہے جو ان کے چہروں پر نمایاں ہوتا ہے۔“ (ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۵۶۹) مویلیٰ کو چراگاہ میں لے جانا۔ چرانا۔ ﴿وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ ثَمَرَاتٌ ط﴾ (16/ النحل: 10) ”اور اس سے درخت ہیں، اس میں تم مویلیٰ چراتے ہو۔“

(افعال)

إِسَامَةً

(تفعیل)

تَسْوِيًّا

مُسَوِّمٌ

ج: مُسَوِّمٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ نشان لگانے والا۔ نشان بنانے والا۔ ﴿إِنْ تَصْبِرُوا وَاتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّنْ فُورِهِمْ هَذَا يُمْسِكْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ط﴾ (3/ آل عمران: 125)۔ صاحب قاموس القرآن اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ”اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کرو گے اور کافر کا ایک تم پر حملہ آور ہوں گے تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جو اپنے گھوڑوں پر علامت لگانے والے ہوں گے یا جن پر خود علامت لگی ہوگی۔“ اور آگے فرماتے ہیں: ”پہلے معنی مُسَوِّمِينَ پڑھنے کی صورت میں ہیں اور دوسرے مُسَوِّمِينَ پڑھنے کی صورت میں۔“ (قاموس القرآن، ص ۵۱۸)۔ آیت میں لفظ مُسَوِّمِينَ ہے لیکن ہمارے اکثر بزرگوں نے اس کا ترجمہ اسم المفعول کے معنی



میں کیا ہے مثلاً: ”اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو اور وہ آئیں تم پر اُسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”کیوں نہیں، بشرطیکہ تم نے صبر اور تقویٰ قائم رکھا اور اگر وہ تم پر فوراً آ پڑیں گے تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد پانچ ہزار نشان کیے ہوئے فرشتوں سے کرے گا۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ ”ہاں کافی ہے بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور اگر آدمکیں کفار تم پر تیزی سے اُسی وقت تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ”جو نشان دار ہوں گے۔“ (احسن البیان) (واللہ اعلم)۔

اسم المفعول ہے۔ نشان لگایا ہوا۔ نشان زدہ۔ واحد مذکر۔

مُسَوِّمٌ  
مُسَوِّمَةٌ

اسم المفعول ہے۔ نشان لگایا ہوا۔ نشان زدہ۔ واحد مؤنث۔ ﴿لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَابًا مِّنْ طِينٍ ۚ﴾ مُسَوِّمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُؤْسِرِينَ ﴿۵۱﴾ (51/ الذاریت: 33-34) ”تاکہ ہم برسائیں اُن پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کھنگر) جن پر نشان لگے ہیں آپ کے رب کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کے لیے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾ (3/ آل عمران: 14) ”اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے۔“

س و ع

(ن)

سَوَاءٌ

ناپسندیدہ ہونا۔ برا ہونا۔ غمگین ہونا۔ بگڑ جانا۔ (لازم)۔ برا لگنا۔ کسی چیز کو بگاڑ دینا۔ غمگین کرنا۔ (متعدی)۔ ﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقًا بِهِمْ﴾ (11/ هود: 77) ”اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوٹ کے پاس تو وہ غمگین ہوئے اُن کے آنے سے۔“ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”ساء لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔“ (ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۳۸۰) ﴿فَلَمَّا رَاوُهُ زُفًفَةً سَيِّئَتْ وَجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ (67/ الملک: 27) ”پھر جس وقت اُسے قریب آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے۔“ ﴿إِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ﴾ (9/ التوبہ: 50) ”اگر پہنچتی ہے آپ کو کوئی بھلائی تو وہ بری لگتی ہے ان کو۔“ ﴿فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهُكُمْ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 7) ”پھر جب آیا دوسرے وعدے کا وقت (تو ہم نے دوسرے بندوں کو بھیج دیا) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں/ غمناک کر دیں/ اداس کر دیں۔“

نوٹ: سَاءَ (بُرا ہے) اور سَاءَتْ (بری ہے) بطور فعل ذم بھی استعمال ہوتے ہیں مثلاً ﴿سَاءَ مَا يَحْمِلُونَ﴾ (5/ المائدہ: 66) ”بہت برا ہے جو کر رہے ہیں۔“ ﴿وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (4/ النساء: 97) ”اور جہنم بہت بری پلٹ کر آنے کی جگہ ہے۔“

أَسَؤُءُ

مؤنث: سُوءَاى۔ افعِل تفضیل ہے۔ زیادہ برا یا سب سے برا۔ ﴿لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا﴾ (39/ الزمر: 35) ”تاکہ اللہ دور کر دے ان سے بدترین اعمال کو جو انہوں نے کیے۔“ ﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّؤَاى أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ (30/ الروم: 10) ”پھر ہوا انجام ان لوگوں کا جنہوں نے برا کیا، انتہائی برا، اس واسطے کہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کی نشانیوں کو۔“ سُوءَاى کے مقابلے پر لفظ حُسْنٰی آتا ہے۔ حُسْنٰی ہر اچھے کام کو کہتے ہیں اور سُوءَاى ہر برے کام کو۔

سَوَاءٌ

صفت ہے۔ برا۔ بری۔ ﴿الظَّالِمِينَ بِأَلَدِهِ ظَنُّ السُّوءِ﴾ (48/ الفتح: 6) ”گمان کرنے والے اللہ کے بارے میں برا گمان۔“ ﴿عَلَيْهِمْ دَآيِرَةُ السُّوءِ﴾ (9/ التوبہ: 98) ”(حقیقت میں) اُنہی پر ہے بری گردش۔“

سُوءٌ

اسم ذات (برائی) اور صفت (بُرا، بری) دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ﴾ (13/الرعد: 18) ”یہ لوگ ہیں جن کے لیے برا حساب ہے۔“ ﴿إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ﴾ (2/البقرة: 169) ”بے شک وہ تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔“

**نوٹ:** سُوءٌ (س کی زبر کے ساتھ) کا استعمال تو قرآن مجید میں صفت کے طور پر مرکب اضافی کی صورت میں ہوا ہے مثلاً دَائِرَةُ السُّوءِ (بری گردش)، مَثَلُ السُّوءِ (بری صفتیں) قَوْمٌ سُوءٌ (بری قوم) وغیرہ اور سُوءٌ (س کی پیش کے ساتھ) کا استعمال قرآن مجید میں بطور صفت (برا، بری) بھی ہوا ہے اور بطور اسم ذات (برائی) بھی ہوا ہے۔ بطور صفت تو یہ لفظ اکثر مرکب اضافی کی صورت میں آیا ہے مثلاً سُوءُ الْعَذَابِ (بُرا عذاب)، سُوءُ الْحِسَابِ (بُرا حساب) سُوءُ الدَّارِ (بُرا گھر) وغیرہ۔ اور بطور اسم ذات یہ لفظ فاعل، مفعول یا مرکب جاری کی صورت میں استعمال ہوا ہے اور پھر مختلف آیات میں اس کا مفہوم بھی مختلف لیا گیا ہے مثلاً کہیں یہ برائی کے معنی میں آیا۔ (البقرة: 169)، کہیں یہ گناہ کے معنی میں آیا ہے (النساء: 17)، کہیں یہ سزا اور تکلیف کے معنی میں آیا ہے (النحل: 94)، کہیں یہ عیب اور بیماری کے معنی میں آیا ہے (طہ: 22) اور کہیں یہ بدکاری کے معنی میں آیا ہے (یوسف: 25) وغیرہ۔ (واللہ اعلم)۔

سَيِّئٌ

بد۔ برا۔ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ سورہ فاطر کی آیت 43 میں دو مرتبہ ہی استعمال ہوا ہے۔ ﴿إِسْتَكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَجِزُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأِهْلِهِ ط﴾ ”دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے، اور ان کی بری تدبیروں کی وجہ سے اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے۔“ (ترجمہ حسن البیان)۔

سَيِّئَةٌ

ج: سَيِّئَاتٌ۔ سَيِّئٌ کا مؤنث۔ ہر وہ چیز جو تکلیف اور ناگواری کا باعث بنے۔ یہ لفظ اسم ذات اور صفت دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ برائی۔ برا۔ گناہ۔ ﴿وَلَنْ نُصِيبَكُمْ سَيِّئَةً إِلَّا يَفْرَحُوا بِهَا ط﴾ (3/آل عمران: 120) ”اور اگر تم لوگوں کو پہنچے کوئی برائی تو وہ لوگ خوش ہوتے ہیں اس سے۔“ ﴿وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً﴾ (4/النساء: 85) ”اور جو کوئی سفارش کرتا ہے کوئی بری سفارش۔“ ﴿بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ﴾ (2/البقرة: 81) ”کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اُس کو اُس کے گناہ نے۔“ اس کی ضد حَسَنَةٌ ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ حَسَنَةٌ اور سَيِّئَةٌ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو شرعاً اور عقلاً اچھی اور بری ہوں یعنی جن پر جزا یا سزا ملے مثلاً: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ط وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا ط﴾ (6/الانعام: 160) ”جو کوئی (خدا کے حضور) نیکی لے کر آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو برائی لائے گا اسے سزا ویسی ہی ملے گی۔“ اور دوسری قسم وہ ہے جس میں طبعاً کسی شخص کو کوئی چیز اچھی یا بری لگے۔ اس معنی میں فرمایا ﴿فَإِذَا جَاءَهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ ۚ وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُؤْلَىٰ وَمَنْ مَعَهُ ط﴾ (7/الاعراف: 131) ”تو جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو مولیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے۔“ ﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ ط﴾ (7/الاعراف: 95) ”پھر ہم نے تکلیف کو آسودگی سے بدل دیا۔“ اور مولانا مودودیؒ سورہ مومن کی آیت 9 ﴿وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ ط﴾ ”اور بچادے اُن کو برائیوں سے۔“ کے تحت فرماتے ہیں: ”سیئآت“ (برائیوں) کا لفظ تین مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور تینوں ہی یہاں مراد ہیں ایک غلط عقائد اور بگڑے ہوئے اخلاق اور برے اعمال۔ دوسرے گمراہی اور اعمالِ بدکا وبال۔ تیسرے،

آفات اور مصائب اور اذیتیں خواہ وہ اس دنیا کی ہوں یا عالم برزخ کی، یا روز قیامت کی۔ فرشتوں کی دعا کا مقصود یہ ہے کہ ان کو ہر اُس چیز سے بچا جو ان کے حق میں بری ہو۔ اور اسی آیت کے جز ﴿وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ﴾ ”جس کو تو نے قیامت کے دن برائیوں سے بچا دیا۔“ کے تحت لکھتے ہیں: ”روز قیامت کی برائیوں سے مراد میدانِ حشر کا ہول، سائے اور ہر قسم کی آسائشوں سے محرومی، محاسبے کی سختی، تمام خلایق کے سامنے زندگی کے راز فاش ہونے کی رسوائی اور دوسری وہ تمام ذلتیں اور سختیاں ہیں جن سے وہاں مجرمین کو سابقہ پیش آنے والا ہے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۳۹۶)

اسم ذات ہے۔ ناپسندیدہ چیز۔ ہر وہ چیز جس کے اظہار کو آدمی برا سمجھے۔ اصطلاحاً یہ لفظ ستر کی چیزوں (اگر وہ کھلی ہوں) اور انسانی لاش کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ سُوء سے ہے جس کا معنی ہے ہر وہ چیز جو عقل اور شرعی لحاظ سے بری ہو یا دیکھنے میں بری معلوم ہو۔ امام راغب فرماتے ہیں سُوءٌ کا لفظ عورت یا مرد، دونوں کی شرم گاہ پر بولا جاتا ہے جیسے فرمایا بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا اور علامہ ابن الاثیر فرماتے ہیں: ”اصل میں سُوءٌ کے معنی فرج (شرم گاہ) کے ہیں بعد میں اس کو ہر اس چیز کے لیے استعمال کیا جانے لگا کہ اگر ظاہر ہو تو اس سے حیاء آنے لگے خواہ وہ کوئی قول ہو یا فعل۔“ سُوءٌ کا اطلاق ستر کی تمام چیزوں پر ہوتا ہے مثلاً عورت کے بدن اور چھاتی وغیرہ پر اگر وہ کھلے ہوئے ہوں۔ اور انسانی لاش کے لیے سُوءٌ کا لفظ اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ اگر کچھ عرصہ دفن نہ کی جائے تو دیکھنے میں بہت بری لگتی ہے۔ ﴿كَيْفَ يُؤَارِي سَوْءًا أَخِيضُ ط﴾ (5/ المائدہ: 31) ”کیسے وہ چھپائے اپنے بھائی کی لاش کو۔“ ﴿قَدْ أَتَوْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِي سَوْآتَكُمْ وَرِيشًا ط﴾ (7/ الاعراف: 26) ”ہم نے اتارا ہے تم لوگوں پر لباس کو، وہ چھپاتا ہے تمہارے ستر کے حصوں کو اور آرائش ہے۔“ چنانچہ سُوءٌ کا اطلاق، مرد اور عورت کی شرم گاہ پر، ستر کی تمام چیزوں پر اگر وہ کھلی ہوں، انسانی لاش پر اور ہر برے قول یا فعل پر ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

سُوءٌ

خراب کرنا۔ بگاڑنا۔ برائی کرنا۔ ﴿إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ط﴾ (17/ بنی اسرائیل: 7) ”اگر تم بھلائی کرو گے تو تم بھلائی کرو گے اپنے آپ سے اور اگر تم برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی تمہارے نفسوں کو ملے گی۔“ اوپر اسُوء کے تحت آیت نمبر (30/ الروم: 10) بھی دیکھ لیں۔

(افعال) اِسَاءَةٌ

اسم الفاعل ہے۔ برائی کرنے والا۔ بدکار۔ ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ لَا الْمُنَافِقِينَ ط﴾ (40/ المؤمن: 58) ”اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا اور (اسی طرح) مومن نیکوکار اور بدکار بھی یکساں نہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

مُؤْسِيءٌ

عَذَابٌ (ع ذ ب): البقرة آیت 10 دیکھیں۔

ذ ب ح

کسی جاندار کا گلا کاٹنا۔ ذبح کرنا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ط﴾ (2/ البقرة: 67) ”بے شک اللہ حکم دیتا ہے تم لوگوں کو کہ تم لوگ ذبح کرو ایک گائے۔“

(ف) ذَبَحًا

قربانی کیا ہوا جانور۔ ذبیحہ۔ ﴿وَفَدَيْنَهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ ۝﴾ (37/ الصافات: 107) ”اور ہم نے اس کے فدیہ میں دیا ایک عظیم ذبیحہ۔“

ذَبْحٌ

کثرت سے ذبح کرنا۔ (آیت زیر مطالعہ)

(تفعیل) تَذْبِيحًا

اَبْنَاءُ: البقرة آیت 40 دیکھیں۔ کَیْسَتِیْبُوْنَ (ح ی ی): البقرة آیت 26 دیکھیں۔

اِمْرَءَةٌ اور مَرَّءَةٌ ج: نِسَاءٌ اور نِسْوَةٌ۔ عورت۔ عربی زبان میں نِسَاءٌ کا لفظی ترجمہ ہے عورتیں اور سیاق و سباق کے لحاظ سے اس سے مراد بیویاں، بیٹیاں، قریبی رشتہ دار عورتیں یا کسی اور قسم کی مخصوص عورتیں بھی مراد ہوتی ہیں۔

ذَالِکُمْ اسماء اشارہ میں سے ہے اشارہ بعید کے لیے آتا ہے۔ اس میں ذَا اشارہ ہے اور کُمْ ضمیر جمع، خطاب کے لیے ہے جو کہ مخاطب کے لحاظ سے مذکر، مونث، تنہیہ اور جمع میں بدلتی رہتی ہے لیکن اس سے معنی میں فرق نہیں پڑتا۔

ب ل و

(س) بَلَاءٌ بوسیدہ ہونا۔ زائل ہونا۔ ﴿قَالَ يَادُمْرُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَى﴾ (20/ ط: 120) ”اس (شیطان) نے کہا آے آدم کیا میں آگاہ کروں تمہیں ہمیشگی کے درخت پر اور ایسی بادشاہی پر جو کبھی زائل نہ ہو۔“  
(ن) بَلَاءٌ کسی کو آزمانا۔ امتحان لینا۔ (یہ تکلیف اور آسودگی، دونوں طرح کی آزمائش کے لیے استعمال ہوتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش دو طرح سے کرتا ہے کبھی تو بندوں کو فراخی اور کشادگی دے کر آزماتا ہے کہ دیکھے وہ شکر گزاری کرتا ہے یا نہیں اور کبھی تنگی کے ذریعہ امتحان کرتا ہے کہ وہ صبر کرتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَبَلَّوْهُمْ بِالْأَسْنَتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَالَهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (7/ الاعراف: 168) ”اور ہم نے آزمایا ان کو بھلائیوں سے اور برائیوں سے شانہ کہ وہ پلٹ آئیں۔“ ﴿وَنَبِّؤْكُمْ بِالْغَيْبِ وَفِتْنَةً﴾ (21/ الانبیاء: 35) ”اور ہم تم کو جانچتے ہیں برائی اور بھلائی سے آزمانے کو۔“

بَلَاءٌ اسم ذات ہے۔ آزمائش، خواہ خیر سے ہو یا شر سے۔ امتحان۔ ایسا غم جو جسم کو گھلا دے۔ تکلیف۔ آزمائش جب خیر سے ہو تو بَلَاءٌ کا ترجمہ عموماً ”انعام اور احسان“ سے بھی کر دیا جاتا ہے اور قرآن مجید میں ہمارے بزرگوں نے بَلَاءٌ کا ترجمہ دونوں طرح سے کیا بھی ہے یعنی ”آزمائش“ کے لفظ سے بھی اور ”انعام اور احسان“ کے الفاظ سے بھی۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند آیت زیر مطالعہ کا ترجمہ کرتے ہیں ”اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی۔“ اور یہی آیت جب سورہ اعراف میں آتی ہے وہاں ترجمہ کرتے ہیں ”اور اس میں احسان ہے تمہارے رب کا بڑا۔“ (آیت: 141)۔ آیت زیر مطالعہ کے حاشیے میں حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں: ”بلاء کے چند معنی آتے ہیں اگر ذَلِکُمْ کا اشارہ ذبح کی طرف لیا جائے تو اس کے معنی مصیبت کے ہوں گے اور اگر نجات کی طرف اشارہ ہے تو بلاء کے معنی نعمت کے ہوں گے اور مجموعہ کی طرف ہو تو امتحان کے معنی لیے جائیں گے۔“ (تفسیر عثمانی ص 10) اسی طرح حضرت شیخ الہند الانفال: 17 ﴿وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءٌ حَسَنًا﴾ کا ترجمہ کرتے ہیں ”اور تاکہ کرے ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان“، پیر کرم شاہ صاحب اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں ”تاکہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان۔“ اور مولانا عبدالمجید دریا بادی اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں ”تاکہ آزمائش کرے ایمان والوں کی اپنی طرف سے اچھی آزمائش“، گویا ایک ہی آیت میں بلاء کا ترجمہ ”احسان“ سے بھی کیا گیا ہے اور ”آزمائش“ سے بھی۔ اس کی وضاحت میں پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”علامہ زمخشری نے یبلی کا معنی یُعْطٰی اور بلاء کا معنی عطاء کیا ہے اور صاحب تفسیر مظہری نے یبلی کا معنی یَنْعَم اور بلاء کا معنی نعت فرمایا ہے۔ اگرچہ ابتلاء کا

لغوی معنی اختیار یعنی آزمانا ہے۔ لیکن آزمائش جس طرح تکلیف و مصیبت سے کی جاتی ہے اسی طرح عطاء و احسان سے بھی کی جاتی ہے۔ اس لیے آیت کے مفہوم کے پیش نظر یہاں لفظ البلاء کی یہ توضیح بالکل صحیح ہے۔ (ضیاء القرآن، ج ۲ ص ۱۳۷) اور اسی طرح الدخان: 33 ﴿وَأَتَيْنَهُمْ مِّنَ الْآلِئِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُّبِينٌ ۝﴾ کا ترجمہ مولانا عبدالمجید یوں کرتے ہیں ”اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دی تھیں جن میں کھلا ہوا انعام تھا۔“ اور حاشیہ میں فرماتے ہیں ”بَلَاءٌ“ یہاں مصیبت کے معنی میں نہیں، انعام کے معنی میں ہے۔“ اسی آیت کا ترجمہ پیر کرم شاہ صاحب کرتے ہیں ”اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں ایسی نشانیاں جن میں صریح آزمائش تھی۔“ حضرت شیخ الہند نے اس آیت میں بَلَاءٌ کا ترجمہ ”مد“ سے کیا ہے فرماتے ہیں: ”اور دیں ہم نے ان کو نشانیاں جن میں تھی مد صریح“ اس آیت کے حاشیہ میں مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”بَلَاءٌ کے دو معنی آتے ہیں، ایک انعام اور دوسرے آزمائش، یہاں دونوں معنی بلا تکلف ممکن ہیں۔“ (معارف القرآن، ج ۷ ص ۷۸)

بلی

حرف ایجاب ہے یعنی جس کے ذریعے جواب دیا جاتا ہے۔ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے ”کیوں نہیں“ اور یہ ہمیشہ نفی کو اثبات بنانے کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے۔ (1) نفی ماقبل کی تردید کے لیے مثلاً یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ﴿وَقَالُوا لَنْ تَبْسُتَنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً﴾ اور انہوں نے کہا کہ ہم کو آگ ہرگز نہیں چھوئے گی مگر تھوڑے دن۔“ اس دعویٰ میں نفی شامل ہے کہ آگ نہیں چھوئے گی۔ اس نفی کی تردید کے لیے آگے فرمایا ﴿بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً﴾ ”کیوں نہیں (ضرور چھوئے گی) بلکہ جو کوئی کمائے گا ایک برائی.....“ یا اسی طرح فرمایا ﴿ذَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَّنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ﴾ ”کافروں نے دعویٰ کیا کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔“ اس دعویٰ میں بھی اٹھائے جانے کی نفی ہے۔ اس نفی کی تردید کے لیے فرمایا۔ ”آپ کیسے کیوں نہیں (تم ضرور اٹھائے جاؤ گے) اور میرے رب کی قسم تم لازماً اٹھائے جاؤ گے۔“

(2) اس استفہام کے جواب کے طور پر آتا ہے جس استفہام میں نفی شامل ہو۔ مثلاً فرمایا ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔“ جواب میں فرمایا بلی (کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں) یا فرمایا ﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ لَّنْ نَّجْعَعَ عَذَابَهُ﴾ ”کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم ہرگز اس کی ہڈیاں جمع نہیں کریں گے۔“ جواب میں فرمایا ﴿بَلَىٰ﴾ ”کیوں نہیں (ضرور کریں گے بلکہ)۔“ ﴿قَدِيرِينَ عَلَىٰ أَنْ تُسْوِيَ بَنَانَهُ﴾ ”ہم تو قادر ہیں کہ اس کے پورے پورے درست کر دیں۔“ بلی اور نَعَمْ میں فرق یہ کہ نَعَمْ صرف استفہام کے جواب میں آتا ہے اور کلام ماقبل کی تصدیق کرتا ہے خواہ کلام مثبت ہو یا منفی۔ مثلاً اگر کہا جائے هَلْ جَاءَكَ ذَيْدٌ (کیا زید تمہارے پاس آیا) اور جواب میں کہا جائے نَعَمْ تو مطلب ہوگا ”ہاں زید آیا“ اسی طرح اگر کہا جائے مَا جَاءَكَ ذَيْدٌ (زید تمہارے پاس نہیں آیا) اور جواب میں کہا جائے نَعَمْ تو مطلب ہوگا ”ہاں زید نہیں آیا“۔ لیکن اگر کوئی کہے مَا عِنْدِي شَيْءٌ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس کے جواب میں اگر بلی کہا جائے تو اس کے دعویٰ کی نفی ہو جائے گی یعنی کیوں نہیں (تم غلط کہتے ہو) تمہارے پاس کچھ ہے اور اگر نَعَمْ کہا جائے تو اس کی نفی کا اقرار ہو جائے گا یعنی ہاں! تم درست کہتے ہو تمہارے پاس واقعی کچھ نہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا ﴿فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ﴾ ”بھلا جو وعدہ تمہارے رب نے تم سے کیا تھا تم نے اسے سچا پایا (وہ کہیں گے) ہاں۔“

(افعال)

إِبْلَاءٌ

ثلاثی مجرد کا ہم معنی ہے یعنی کسی کو آزمانا۔ امتحان لینا۔ صاحب لغات القرآن کے مطابق إِبْلَاءٌ کے معنی ہیں ”نعمت دے کر کسی کو آزمانا“ ﴿وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلََاءٌ حَسَنًا ط﴾ (8/ الانفال: 17) ”تاکہ آزمائش کرے ایمان والوں کی اپنی طرف سے اچھی آزمائش۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ بعض بزرگوں نے اس آیت میں یُبْلَى کا ترجمہ ”احسان“ سے بھی کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند ترجمہ کرتے ہیں: ”اور تاکہ کرے ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان“ اور پیر کرم شاہ صاحب ترجمہ کرتے ہیں ”تاکہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان۔“ اور حاشیہ میں فرماتے ہیں: ”علامہ زنجشیری نے یبلی کا معنی یُعْطٰی اور بلاء کا معنی عطاء کیا ہے اور صاحب تفسیر مظہری نے یبلی کا معنی ینعم اور بلاء کا معنی نعمت فرمایا ہے۔ اگرچہ ابتلاء کا لغوی معنی اختیار یعنی آزمانا ہے۔ لیکن آزمائش جس طرح تکلیف و مصیبت سے کی جاتی ہے اسی طرح عطاء و احسان سے بھی کی جاتی ہے۔ اس لیے آیت کے مفہوم کے پیش نظر یہاں لفظ ابتلاء کی یہ توضیح بالکل صحیح ہے۔“ (ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۱۳۷)۔

(افتعال)

إِبْتِلَاءٌ

کسی کو آزمانا۔ آزمائش میں ڈالنا۔ امتحان لینا۔ ﴿وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَتْهُنَّ ط﴾ (2/ البقرة: 124) ”اور جب آزمایا ابراہیم کو ان کے رب نے کچھ فرمانوں سے تو انہوں نے پورا کیا ان کو۔“ امام راغب ابتلاء کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”کسی کو ابتلاء میں ڈالنے کے دو مقصد ہوتے ہیں ایک یہ کہ اس کی حالت کو جانچنا اور اس سے پوری طرح باخبر ہونا اور دوسرے یہ کہ اس کی اچھی یا بری حالت کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا۔ پھر کبھی تو ابتلاء سے یہ دونوں مفہوم مراد ہوتے ہیں اور کبھی صرف ایک ہی معنی مراد ہوتا ہے۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو صرف دوسرے معنی مراد ہوتے ہیں کیونکہ ذات باری تعالیٰ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ہے اسے کسی کی حالت سے باخبر ہونے کی ضرورت نہیں لہذا آیت کریمہ البقرة: 124 میں حضرت ابراہیم کی آزمائش سے مقصود یہ تھا کہ ان کے کمالات کو دوسروں کے سامنے ظاہر کیا جائے۔“ اسی آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں: ”إِبْتِلَىٰ۔ آزمایا اپنی واقفیت کے لیے نہیں کہ وہ تو خود علیم کل ہے، بلکہ علی الاعلان تاکہ دوسروں کو ان کے ایمان کا مل کا مشاہدہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں آزمانے کا لفظ جب بھی استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے۔“ (تفسیر ماجدی ص ۶۲)۔

ج: مُبْتَلَوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ آزمانے والا۔ ﴿قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَجٍ ط﴾ (2/ البقرة: 249) ”حضرت طالوت نے کہا یقیناً اللہ آزمانے والا ہے تم کو ایک نہر سے۔“ (مُبْتَلًی جب مضاف ہو تو مُبْتَلًی پڑھا جاتا ہے)۔ ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَ إِن كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ط﴾ (23/ المؤمنون: 30) ”بے شک اس قصے میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (اپنے بندوں کو) آزمانے والے ہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

مُبْتَلًی

إِبْتِلَ

ج: إِبْتَلُوا۔ فعل امر ہے۔ تو آزما۔ ﴿وَإِبْتَلُوا الْيَتَامَىٰ ط﴾ (4/ النساء: 6) ”اور تم آزمائے یتیموں کو۔“

رَبُّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ع ظ م

(ک)

عَظْمَةٌ

أَعْظَمُ

بڑا ہونا۔ بزرگ ہونا۔

أفعل التفضیل ہے۔ زیادہ بڑا۔ ﴿وَمَا تَقْدِرُوا إِلَّا أَنْفُسَكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ وَأَوْعَظَمَ أَجْرًا ط﴾ (73/ المزمل: 20) ”اور جو (نیکی) تم آگے بھجو گے اپنے لیے تو اُسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس

(کا) اجر بہت بڑا ہوگا۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

عَظِيمٌ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بڑا (ہمیشہ اور ہر حال میں)۔ ﴿وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ (2/ البقرہ: 105) ”اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔“

(ن) عَظَمًا ہڈی پر مارنا۔

ج: عِظَامٌ۔ اسم ذات ہے۔ ہڈی۔ ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي﴾ (19/ الریم: 4) ”اس نے کہا اے میرے رب بے شک کمزور ہوئی ہڈی میری۔“ ﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ تَجْعَلَ عِظَامَهُ ط﴾ (75/ القیامہ: 3) ”کیا گمان کرتا ہے انسان کہ ہم جمع نہ کر سکیں گے اس کی ہڈیوں کو۔“

(افعال) اِعْظَمًا بڑا کرنا۔ بڑا بنانا۔ ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا﴾ (65/ الطلاق: 5) ”اور جو اللہ کا تقویٰ کرے گا تو وہ دور کر دے گا اس سے اس کی برائیوں کو اور وہ بڑا کر دے گا اس کے لیے اجر کو۔“

(تفعیل) تَعْظِيمًا کسی کو بڑا سمجھنا۔ کسی کا ادب و احترام کرنا۔ ﴿وَمَنْ يُعْظِمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (22/ الحج: 32) ”اور جو ادب و احترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ (احترام) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

### ترکیب

اِذْ سے پہلے اذْکُرُوا محذوف ہے۔ نَجَّيْنَا فَعْل، اس میں شامل ضمیر نَحْنُ اس کا فاعل ہے۔ کُمْ اس کا مفعول اور مِنْ اِلِ فِرْعَوْنَ متعلق فعل ہے۔ فِرْعَوْنَ، غیر منصرف ہے اس لیے حالت جر میں ایک زبر کے ساتھ آیا ہے۔ یَسْؤُمُونَ فعل اور اس میں شامل هُمْ کی ضمیر فاعل ہے۔ جو کہ اِلِ فرعون کے لیے ہے۔ کُمْ اس کا مفعول اوّل اور سُوءُ الْعَذَابِ مفعول ثانی ہے۔ یہ جملہ حال ہے آل فرعون کا۔ اگلے جملے یَذْبَحُونَ اِبْنَاءَکُمْ اور یَسْتَحْيُونَ نِسَاءَکُمْ پچھلے جملے یَسْؤُمُونَکُمْ... کا بیان ہیں یا بدل ہیں۔ یَذْبَحُونَ اور یَسْتَحْيُونَ دونوں کی ضمیر فاعلی بھی اِلِ فرعون کے لیے ہیں اور اِبْنَاءَکُمْ اور نِسَاءَکُمْ دونوں مفعول ہیں۔ فِی ذَالِکُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ بَلَاءٌ مبتداء مؤخر مکرر ہے۔ مِنْ رَبِّکُمْ متعلق خبر ہے اور عَظِيمٌ، بَلَاءٌ کی صفت ہے۔

ترجمہ	وَ اِذْ نَجَّيْنَاکُمْ	مِنْ اِلِ فِرْعَوْنَ	یَسْؤُمُونَکُمْ
البقرة: 49	اور (یا دیکرو) جب ہم نے نجات دی تم کو	فرعون کے پیروکاروں سے	وہ تکلیف دیتے تھے تم کو
	سُوءُ الْعَذَابِ	یَذْبَحُونَ	اِبْنَاءَکُمْ
	برے عذاب کی	(یعنی) وہ ذبح کرتے تھے	تمہارے بیٹوں کو
	نِسَاءَکُمْ ط	وَفِیْ ذَالِکُمْ	بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّکُمْ عَظِيمٌ ۝
	تمہاری عورتوں کو	اور اس میں تھی	تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی آزمائش

### نوٹ: 1

آیت میں لفظ بَلَاءٌ کے بارے میں حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں: ”بَلَاءٌ کے چند معنی آتے ہیں اگر ذَلِکُمْ کا اشارہ ذبح کی طرف لیا جائے تو اس کے معنی مصیبت کے ہوں گے اور اگر نجات کی طرف اشارہ ہے تو بلاء کے معنی نعمت کے ہوں گے اور مجموعہ کی طرف ہو تو امتحان کے معنی لیے جائیں گے۔“ (تفسیر عثمانی، ص ۱۰)

### نوٹ: 2

مرکبات ناقصہ کا استعمال مختلف زبانوں میں مختلف ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں دنیا کی زندگی (مرکب اضافی)۔ جبکہ دنیوی زندگی (مرکب

توصیفی) کا اردو میں استعمال نہ ہونے جیسا ہے۔ اس کے برعکس عربی میں اَلْحَيَاةُ الدُّنْيَا (مرکب توصیفی) استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ حَيَاةُ الدُّنْيَا (مرکب اضافی) قرآن مجید میں تو استعمال نہیں ہوا۔ اس لیے مرکبات ناقصہ کا ترجمہ کرتے وقت متعلقہ زبان کے محاورے کا لحاظ کرنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اَلْحَيَاةُ الدُّنْيَا (مرکب توصیفی) کا ترجمہ دنیا کی زندگی (مرکب اضافی) سے کیا جاتا ہے۔

اسی طرح سے آیت زیر مطالعہ سُوءَ الْعَذَابِ مرکب اضافی ہے جس کا ترجمہ بنتا ہے عذاب کا برا۔ لیکن اردو میں اس کا رواج نہیں ہے۔ اس لیے صحیح مفہوم واضح کرنے کے لیے اردو محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ برا عذاب (مرکب توصیفی) کیا جاتا ہے۔ آگے بھی اس قسم کی مثالیں آئیں گی۔ (از لطف الرحمن خان صاحب)

نوٹ: 3:

یہاں سے مسلسل کئی رکوع تک بنو اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور ان کی ناشکری کے حوالے سے متعدد تاریخی واقعات کا ذکر آئے گا۔ یاد رہے کہ ان واقعات میں ترتیب زمانی ملحوظ نہیں ہے۔

### آیت: 50

﴿وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝﴾

اِذْ: البقرة آیت 30 دیکھیں۔

ف ر ق

(ن۔ض) فَرَقًا کسی چیز کو پھاڑ کر الگ الگ کرنا۔ جدا جدا کرنا۔ ﴿فَالْفِرْقَتِ فَرَقًا﴾ (77/المرسلات: 4) ”پھر (قسم) اُن (ہواؤں) کی جو (بادلوں کو) الگ الگ کرنے والی ہیں۔“ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا ﴿وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ﴾ ”اور جب ہم نے پھاڑ کر الگ کر دیا تمہارے لیے سمندر کو۔“ ﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَ عَلَى النَّاسِ عَلَى مَكْثٍ﴾ (17/بنی اسرائیل: 106) ”اور قرآن، ہم نے جدا جدا کیا اس کو تاکہ آپ پڑھیں اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر۔“ اس آیت میں قرآن کو جدا جدا کرنے سے بعض کے نزدیک جدا جدا کر کے نازل کرنا ہے اور بعض کے نزدیک اسے سورتوں اور آیتوں کے ذریعہ سے الگ الگ کرنا ہے۔ بعض بزرگوں نے فَرَقْنَاهُ سے بَيِّنَاتُ بھی مراد لیا ہے یعنی ہم نے اسے کھول کر صاف صاف بیان کیا ہے۔ چنانچہ امام راغب فرماتے ہیں ”قُرْآنًا فَرَقْنَاهُ کے معنی ہیں کہ ہم نے قرآن میں تمام احکام کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں اور بعض نے فَرَقْنَاهُ کے معنی الگ الگ نازل کرنا بھی لکھے ہیں۔“ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی نے بھی دونوں باتیں لکھ دی ہیں: ”فَرَقْنَاهُ یعنی اسے سورتوں، آیتوں وغیرہ کے ذریعہ سے الگ الگ رکھا گیا ہے۔ اس کی دوسری تفسیر بَيِّنَاتُ سے بھی آگئی ہے۔ یعنی ہم نے اسے کھول کر صاف صاف بیان کیا ہے۔ یا یہ کہ اس میں حق کو باطل سے ممتاز کر دیا ہے۔“

الگ الگ کرنا۔ حق کو باطل سے جدا کرنا۔ (لغات القرآن، مصباح اللغات)۔

(س) فَرَقًا ڈرنا۔ ڈرپوک ہونا۔ خوف کی وجہ سے اپنے اصل عقیدے کو چھپالینا۔ ﴿وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ۝﴾ (9/التوبة: 56) ”حالانکہ وہ تم میں سے نہیں لیکن وہ ایسی قوم ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں۔“

اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ الگ الگ کرنے والا۔

ج: فَارِقًا۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ الگ الگ کرنے والی۔ اوپر آیت المرسلات: 4 دیکھیں۔

فُرَقَانَا

فَرَقًا

فَارِقٌ

فَارِقَةٌ



فعل امر ہے۔ تو الگ کر۔ جدا کر۔ ﴿كَافَرْتُمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ (5/ المائدة: 25) ”تو آپ جدائی کر دیں ہم دونوں اور نافرمان قوم کے درمیان۔“

افْرُقْ

فُعْلَانٌ کے وزن پر اسم مبالغہ ہے۔ یاد رہے کہ اسمائے مبالغہ بھی اسمائے صفت ہوتے ہیں جن میں مصدری معنی کی زیادتی سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ فرقان بطور مصدر بھی استعمال ہوتا ہے اور بطور اسم صفت بھی۔ بطور صفت اس کا مطلب ہے اَلْفَصْلُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ۔ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی چیز۔ یا اس کی تعریف یوں کی گئی ہے كُلُّ مَا فَرَّقَ بِهِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ فَهُوَ فُرْقَانٌ۔ ہر وہ چیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جاسکے، وہ فرقان ہے۔ عربی زبان میں فَرَّقَ کا لفظ عام ہے جو کسی بھی چیز کو الگ الگ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن فرقان کا لفظ خاص طور پر حق اور باطل کو الگ الگ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ

فُرْقَانٌ

(۱) قرآن مجید کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿تَبَرَّكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ (25/ الفرقان: 1) ”نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لیے خبردار کر دینے والا ہو۔“ اس آیت کے تحت مولانا مودودی فرماتے ہیں: ”فرقان مصدر ہے مادہ ف ر ق سے، جس کے معنی ہیں دو چیزوں کو الگ کرنا۔ یا ایک ہی چیز کے اجزاء کا الگ الگ ہونا۔ قرآن مجید کے لیے اس لفظ کا استعمال یا تو فارق کے معنی میں ہوا ہے یا مفروق کے معنی میں، یا پھر اس سے مقصود مبالغہ ہے، یعنی فرق کرنے کے معاملے میں اس کا کمال اتنا بڑھا ہوا ہے کہ گویا وہ خود ہی فرق ہے۔ اگر اسے پہلے اور تیسرے معنی میں لیا جائے تو اس کا صحیح ترجمہ کسوٹی، اور فیصلہ کن چیز، اور معیار فیصلہ (Criterion) کے ہوں گے اور اگر دوسرے معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب الگ الگ اجزاء پر مشتمل، اور الگ الگ اوقات میں آنے والے اجزاء پر مشتمل چیز کے ہوں گے قرآن مجید کو ان دونوں ہی اعتبارات سے ”الفرقان“ کہا گیا ہے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۴۳۲)۔

(۲) تورات کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ﴾ (21/ الانبیاء: 48) ”اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا موسیٰ اور ہارون کو فرقان۔“ اس آیت میں فرقان سے مراد تورات ہے۔

(۳) یوم بدر کے لیے آیا ہے: ﴿إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ النُّجَيْدِ﴾ (8/ الانفال: 41) ”اگر تم کو یقین ہے اللہ پر اور اُس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر فیصلے کے دن جس دن بھڑگئیں دونوں فوجیں۔“ (ترجمہ شیخ الہند) اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”محاورات میں فرقان اُس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو دو چیزوں میں واضح طور پر فرق اور فصل کر دے۔ اسی لیے فیصلہ کو فرقان کہتے ہیں کیونکہ وہ حق اور ناحق میں فرق واضح کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کو بھی فرقان کہا جاتا ہے کیونکہ اُس کے ذریعہ اہل حق کو فتح اور اُن کے مخالف کو شکست ہو کر حق و باطل کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اسی معنی کے لیے غزوہ بدر کو یوم الفرقان کے نام سے موسوم کیا ہے۔“ (معارف القرآن، ج ۴، ص ۲۱۸)

(۴) معجزات کے لیے آیا ہے: ﴿وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (2/ البقرة: 53) ”اور جب عطا فرمائی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان تاکہ تم ہدایت پاؤ۔“ اس آیت میں اکثر بزرگوں نے فرقان سے معجزات مراد لیے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

(۵) باطنی نور اور بصیرت کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ تَثْقُلُوا اللَّهُ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا

وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرُ لَكُمْ ط ﴿٨﴾ (الانفال: 29) ”اے ایمان والو اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت اور ڈھانپ دے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخش دے گا تمہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”فرقان سے مراد اس آیت میں وہ عقل و بصیرت ہے جس کے ذریعہ حق و باطل، کھرے کھوٹے میں امتیاز کرنا سہل ہو جائے۔“ (معارف القرآن، ج ۴، ص ۲۱۸)۔

فَرِيقٌ

فَعِیْلٌ کا وزن ہے۔ (۱) کسی جماعت سے الگ ہونے والا گروہ۔ فریق۔ ﴿وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْعُونَ كَلِمَ اللَّهِ﴾ (البقرة: 75) ”اور اس میں سے ایک گروہ ہے جو سنتا ہے اللہ کے کلام کو۔“ (۲) کسی چیز کے جزء یا حصے کو بھی فریق کہتے ہیں۔ ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِنَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِآلَائِهِمْ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ع﴾ (البقرة: 188) ”اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال آپس میں ناجائز طریقے سے اور نہ رسائی حاصل کرو اس مال سے (رشوت دے کر) حاکموں تک تاکہ یوں کھاؤ کچھ حصہ لوگوں کے مال کا ظلم سے حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اللہ نے یہ حرام کیا ہے)۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”فریق کا معنی گروہ بھی ہے اور کسی چیز کے حصہ اور جزء کو بھی فریق کہتے ہیں۔ یہاں یہی معنی مراد ہے۔“

فِرْقَةٌ

کسی جماعت سے الگ ہونے والی ٹکڑی۔ فرقہ۔ ﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ لِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ﴾ (التوبہ: 122) ”اور کیوں نہ نکلا ان سب میں سے ایک گروہ تاکہ وہ سمجھ حاصل کریں دین میں اور تاکہ وہ خبردار کریں اپنی قوم کو۔“ نوٹ: فَرِيقٌ اور فِرْقَةٌ میں فرق یہ ہے کہ فَرِيقٌ بڑے گروہ کو کہتے ہیں اور فِرْقَةٌ چھوٹے گروہ کو۔ (لغات القرآن، ج ۵، ص ۴۵)

فِرْقٌ

اسم ذات ہے۔ کسی چیز کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا۔ ﴿فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ج﴾ (الشعراء: 63) ”پس وہ پھٹا تو ہر ٹکڑا تھا بڑے تو دے کی مانند۔“

(تفعیل) تَفَرَّقًا

(۱) جدائی ڈالنا۔ (۲) الگ الگ کرنا۔ (۳) فرق کرنا۔ ﴿إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَآءِيلَ﴾ (20/ ط: 94) ”مجھے خوف ہوا کہ تو کہے گا کہ تو نے جدائی ڈالی اسرائیل کے بیٹوں کے درمیان۔“ ﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ﴾ (6/ الانعام: 159) ”بے شک جن لوگوں نے الگ الگ کیا اپنے دین کو یعنی جدا جدا ہیں نکالیں۔“ ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ ق﴾ (2/ البقرة: 285) ”ہم فرق نہیں کرتے اس کے رسولوں میں سے کسی ایک کے مابین۔“

(مفاعله) مُفَارَقَةً اور فِرَاقًا ایک دوسرے سے جدا ہونا اور جدا کرنا۔ ﴿هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ع﴾ (الکہف: 78) ”یہ جدا ہونا ہے میرا اور آپ کا۔“

فَارِقٌ

ج: فَارِقُوا۔ فعل امر ہے۔ تو جدا ہو۔ ﴿فَأَمْسِكُوا هُتَنَ بَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوا هُتَنَ بَعْرُوفٍ﴾ (65/ الطلاق: 2) ”تو تم لوگ تھامے رہو ان کو بھلائی سے یا تم لوگ جدا ہو ان سے بھلائی کے ساتھ۔“

(تفعیل) تَفَرَّقًا

الگ الگ ہونا۔ ﴿وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ط﴾ (42/ الشوری: 14) ”اور وہ الگ الگ نہیں ہوئے مگر اس کے بعد کہ جو علم آیا ان کے پاس، باہم حسد کرتے ہوئے۔“

مُتَفَرِّقٌ

ج: مُتَفَرِّقُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ الگ الگ ہونے والا۔ الگ الگ۔ ﴿وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ط﴾ (12/ یوسف: 67) ”اور تم داخل ہو الگ الگ دروازوں سے۔“ ﴿يَصَاحِبِي السَّجْنَ ءَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمْ

اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٢﴾ (یوسف: 39) ”اے قید خانے کے میرے دونوں رفیقو! یہ تو بتاؤ کیا بہت سے جدا جدا رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔“

ب ح ر

(ف)

بَحْرًا

بَحْرٌ

بَحِيرَةٌ

چیرنا۔ پھاڑنا۔ جیسے زمین کو گہرا کرنا یا اونٹ کا کان چیرنا۔  
ج: أَبْحُرٌ اور بِحَارٌ۔ زمین کا نشیب جہاں پانی جمع ہو۔ سمندر۔ دریا۔ ﴿وَالْفُلُكَ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ﴾ (2/ البقرة: 164) ”اور کشتی جو چلتی ہے دریا میں۔“ ﴿مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ﴾ (31/ لقمان: 27) ”اس کے پیچھے سات سمندر ہوں۔“ ﴿وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴾ (82/ الانفطار: 3) ”اور جب سمندر بہائے جائیں گے۔“  
”جس جانور کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے تھے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔“ (تفسیر عثمانی، ص ۱۶۵)۔ ”اس کا لغوی معنی ہے کان چرا۔ وہ اونٹنی جو پانچ بچے جنتی اور آخری بچہ نہ ہوتا تو کان چیر کر اُسے چھوڑ دیتے۔ اس پر سواری کرنا، اس کا گوشت سب اپنے اُوپر حرام خیال کر لیتے۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۵۱۵)۔ ﴿وَمَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ﴾ (5/ المائدة: 103) ”اور اللہ نے مقرر نہیں کیا کوئی بھی بحیرہ۔“

أُنْجَبَيْنَا (ن ج و): البقرة آیت 49 دیکھیں۔

غ ر ق

(س۔ن) غَرَقًا اور غَرَقًا پانی کی تہہ میں چلے جانا۔ ڈوب جانا۔ غوطہ لگانا۔ ﴿حَتَّىٰ إِذَا أَذْرَكَهُ الْغَرَقُ﴾ (10/ یونس: 90) ”یہاں تک کہ جب آ لیا اس کو ڈوبنے نے یعنی جب وہ ڈوبنے لگا۔“ ﴿وَاللَّيْلُ غَرَقًا﴾ (79/ النازعات: 1) ”قسم ہے (فرشتوں کی) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں۔“ اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”غرق اور اغراق کے معنی کسی کام میں پوری قوت خرچ کرنے کے بھی ہیں۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے۔ اغرق النازع في القوس یعنی کمان کھینچنے والے نے اس کے کھینچنے میں اپنی پوری قوت خرچ کر دی۔“ (معارف القرآن، ج ۸، ص ۶۲۳)۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ”قسم ہے اُن فرشتوں کی جو (کافروں کی) جان سختی سے نکالتے ہیں۔“  
(افعال) اِغْرَاقًا کسی کو ڈبو دینا۔ ﴿وَإِغْرَاقًا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ (7/ الاعراف: 64) ”اور ہم نے ڈبو دیا ان لوگوں کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیاں کو۔“  
ج: مُغْرَقُونَ۔ اسم المفعول ہے۔ جس کو ڈبویا جائے۔ ڈبویا ہوا۔ ﴿وَلَا تُخَاطَبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ﴾ (11/ ہود: 37) ”اور آپؐ خطاب نہ کریں مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا یقیناً وہ لوگ ڈبوئے جانے والے ہیں۔“

أَلْ: البقرة آیت 41 دیکھیں۔ فِرْعَوْنُ: البقرة آیت 49 دیکھیں۔

ن ظ ر

(ن) نَظَرًا، نَظَرًا کسی کی طرف نگاہ کر کے اپنی نظریا فکر کو متحرک کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔  
(۱) کسی طرف محض دیکھنا۔ (۲) صورتحال کو سمجھنے کے لیے دیکھنا۔ (۳) غور و فکر کرنا۔ (۴) دوسرے کے حالات سمجھنے

کے لیے دیکھنا۔ رعایت کرنا۔ (۵) انتظار کرنا۔ عام طور پر انتظار کرنے کا مفہوم باب افتعال میں ہے لیکن ان معنوں میں باب (ن) سے بھی آجاتا ہے۔ ﴿وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ ط﴾ (9/التوبة: 127) ”اور جب بھی کوئی صورت اتاری جاتی ہے تو ان میں سے کچھ دیکھتے ہیں کچھ کی طرف۔“ ﴿قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَذِبِينَ ۝﴾ (27/النمل: 27) ”انہوں نے کہا میں دیکھوں گا آیا تو نے سچ کہا یا تو ہے جھوٹ بولنے والوں میں سے۔“ ﴿أَوْ لَمْ يَنْظُرُوا فِي مَكْنُوتِ السَّبُوتِ وَالْأَرْضِ ط﴾ (7/الاعراف: 185) ”تو کیا ان لوگوں نے غور و فکر نہیں کیا زمین اور آسمانوں کی بادشاہت میں۔“ ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلُلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلَائِكَةُ وَفُصِي الْأَمْرُ ط﴾ (2/البقرة: 210) ”کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ آئے ان کے پاس اللہ کا عذاب چھائے ہوئے بادلوں کی صورت میں اور فرشتے اور ان کا فیصلہ ہی کر دیا جائے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اَنْظُرُ

ج: اَنْظُرُوا۔ فعل امر ہے۔ تو دیکھ۔ ﴿فَانْظُرْ إِلَىٰ اثَرِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُغْنِيكَ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط﴾ (30/الروم: 50) ”پس تو غور کر اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف کیسے وہ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کی موت کے بعد۔“ ﴿وَلَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا اَنْظُرْنَا وَاسْمِعُوا ط﴾ (2/البقرة: 104) ”اور تم لوگ مت کہو راعنا اور کہو آپ رعایت کریں ہماری اور سنو۔“ ﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انْظُرُونَا ط﴾ (57/الحديد: 113) ”اور اُس روز کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے اے نیک سختو ذرا ہمارا بھی انتظار کرو۔“

نَاظِرٌ

ج: نَاظِرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ دیکھنے والا۔ ﴿فَاقْبَعْ تَوْهَانَا تَسْرُ النَّظِيرِينَ ۝﴾ (2/البقرة: 69) ”شوخی ہے اس کا رنگ وہ یعنی گائے خوش کرتی ہے دیکھنے والوں کو۔“

نَاظِرَةٌ

اسم الفاعل ہے۔ دیکھنے والی۔ ﴿فَنَظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْبُرْسُلُونَ ۝﴾ (27/النمل: 35) ”تو میں دیکھنے والی ہوں کہ کس چیز کے ساتھ واپس ہوتے ہیں بھیجے ہوئے لوگ۔“

نَظْرَةٌ

اسم ذات ہے۔ ایک نگاہ۔ ایک نظر۔ ﴿فَنَظَرُ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝﴾ (37/الصافات: 88) ”تو اس نے دیکھا ایک نظر ستاروں کو۔“

اِنْظَارًا

(افعال)

کسی کو مہلت دینا۔ ﴿ثُمَّ كَيْدُونٍ فَلَا تُنْظَرُونَ ۝﴾ (7/الاعراف: 195) ”پھر تم لوگ داؤ چلاؤ مجھ پر اور مہلت نہ دو مجھ کو۔“

نَظْرَةٌ

اسم ذات ہے۔ رعایت۔ مہلت۔ ﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ط﴾ (2/البقرة: 280) ”اور اگر وہ ہے تنگی والا تو مہلت ہے آسانی تک۔“

اَنْظُرُ

فعل امر ہے۔ تو مہلت دے۔ ﴿قَالَ اَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝﴾ (7/الاعراف: 14) ”اس نے کہا تو مہلت دے مجھ کو ان لوگوں کو دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک۔“

مُنْظَرٌ

ج: مُنْظَرُونَ۔ اسم المفعول ہے۔ مہلت دیا ہوا یعنی جس کو مہلت دی گئی۔ ﴿قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۝﴾ (7/الاعراف: 15) ”فرمایا بے شک تو مہلت دیئے ہوئے لوگوں میں سے ہے۔“

اِنْتِظَارًا

(افتعال)

راہ دیکھنا۔ انتظار کرنا۔ ﴿فَبَيْنَهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَ مَنَّهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ ط﴾ (33/الاحزاب: 23) ”تو ان میں ہیں وہ، جنہوں نے پورا کیا اپنی منت کو اور ان میں ہیں وہ، جو راہ دیکھتے ہیں۔“

ج: اِنْتَظِرُوا۔ فعل امر ہے۔ تو انتظار کرو۔ ﴿فَاعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ﴾ (32/ السجدة: 30)  
 ”پس اے حبیبِ رخ انور پھیر لیجئے اُن سے اور انتظار فرمائیے وہ بھی منتظر ہیں۔“ ﴿فَاِنْتَظِرُوا﴾ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ  
 الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۱۰﴾ (10/ یونس: 20) ”تو تم لوگ انتظار کرو بے شک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں  
 سے ہوں۔“

مُنْتَظِرٌ ج: مُنْتَظِرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ راہ دیکھنے والا۔ انتظار کرنے والا۔ اوپر آیت (10/ یونس: 20) دیکھیں۔

## ترکیب

وُحرف عطف ہے اور اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْکُرُوا محذوف ہے۔ فَرَقْنَا فعل ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر  
 نَحْنُ ہے۔ بِکُمْ متعلق فعل ہے اور اَلْبَحْرُ مفعول ہے۔ بِکُمْ میں ’ب‘ بمعنی ’ل‘ ہے یعنی فَرَقْنَا لَکُمْ، مطلب ہے تمہارے لیے یا ’ب‘ سبب ہے یعنی  
 تمہاری وجہ سے۔ فُ حرف عطف ہے۔ اَنْجَيْنَا فعل اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے اور کُمْ مفعول ہے۔ اسی طرح آگے وُ عطف کا ہے، اَعْرِفْنَا  
 فعل اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل اور اَلْ فِرْعَوْنَ مفعول ہے، اسی لیے اَلْ حالت نصب میں ہے۔ آگے وُ حالیہ ہے، اَنْتُمْ مبتدا اور جملہ فعلیہ تَنْظُرُونَ اس  
 کی خبر۔ یہ جملہ اسمیہ حال ہے فَاَنْجَيْنَاکُمْ میں کُمْ ضمیر کا۔

ترجمہ	وَ اِذْ	فَرَقْنَا	بِکُمْ	اَلْبَحْرَ	فَاَنْجَيْنَاکُمْ
البقرة: 50	اور (یا دکر) جب	ہم نے پھاڑ کر الگ کیا	تمہارے لیے یا تمہاری وجہ سے	سمندر کو	پھر ہم نے نجات دی تم کو
	وَ اَعْرِفْنَا	اَلْ فِرْعَوْنَ	وَ	اَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۰﴾	
	اور ہم نے ڈبودیا	فرعون کے پیروکاروں کو	اس حال میں کہ	تم لوگ دیکھ رہے تھے	

## آیت: 51

﴿وَ اِذْ وَاَعَدْنَا مُوسٰی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾

نوٹ گزشتہ آیات میں قرآنی الفاظ اور ان کے مادوں کے حوالے اکٹھے دیے گئے تھے۔ لیکن آیت زیر مطالعہ سے الفاظ کے صرف مادے  
 دیے جائیں گے کیونکہ قرآن مجید کے طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ لفظ دیکھ کر اس کے مادے کو پہچانے۔

اِذْ البقرة آیت 30 دیکھیں۔

## و ع د

(ض) (ل) وَاَعَدْنَا، مَوْعِدًا، مِیْعَادًا وعدہ کرنا۔ ﴿هٰذَا مَآءُ الْعَذْرٰیۃِ وَصَدَقَ الْہٰیۡسَلُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾ (36/ یس: 52) ”یہ ہے وہ جو وعدہ کیا رحمن نے اور سچ  
 کہا بھیجے ہوؤں نے یعنی رسولوں نے۔“

عَدٌ فعل امر ہے۔ تو وعدہ کرو۔ ﴿وَشَآدَکُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْہُمْ ط﴾ (17/ بنی اسرائیل: 64) ”اور تو حصہ دار  
 بن ان کے مال اور اولاد میں اور تو وعدہ کر ان سے۔“

مَوْعُوْدٌ اسم المفعول ہے۔ جس کا وعدہ کیا گیا۔ ﴿وَالْیَوْمَ الْوَعُوْدِ ﴿۱۰﴾﴾ (85/ البروج: 2) ”اور جس دن کا وعدہ کیا گیا  
 ہے۔“

وَعْدٌ

مصدر کے علاوہ بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے۔ وعدہ۔ ﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (10/ یونس: 48) ”اور وہ لوگ کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم لوگ سچے ہو۔“

نوٹ: وعدہ اور عہد میں فرق یہ ہے کہ وعدہ ایک طرفہ ہوتا ہے اور عہد اس قول کا نام ہے جو دو طرفہ یعنی فریقین کے درمیان باہمی بات چیت سے طے ہوتا ہے جس پر دونوں کو قائم رہنا ضروری ہوتا ہے۔

مَوْعِدٌ

مَفْعِلٌ کا وزن ہے۔ یہ لفظ مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (1) مصدر مسمیٰ بمعنی وعدہ کرنا۔ (2) اسم ظرف بمعنی وعدے کا وقت یا جگہ۔ ﴿فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلَفُهُ﴾ (20/ طہ: 58) ”پس تو مقرر کر ہمارے اور اپنے درمیان وعدے کا وقت جس کے ہم خلاف نہ کریں۔“ ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ﴾ (11/ ہود: 17) ”اور جو کفر کرے گا اُس کے ساتھ مختلف گروہوں میں سے تو آتش جہنم ہی اُس کے وعدے کی جگہ ہے۔“ (3) اسم ذات بمعنی وعدہ۔ ﴿وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ﴾ (20/ طہ: 97) ”بے شک تیرے لیے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔“ ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ﴾ (9/ التوبة: 114) ”اور نہیں تھا حضرت ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت مانگنا مگر صرف اس وعدے کی وجہ سے جس کا وعدہ انہوں نے اپنے باپ سے کیا تھا۔“

مِيعَادٌ

یہ لفظ بھی مصدر کے علاوہ وعدہ اور وعدے کا مقرر وقت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ (3/ آل عمران: 9) ”بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پھرتا اپنے وعدے سے۔“ ﴿وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لِاحْتَالِكُمْ فِي الْمِيعَادِ﴾ (8/ الانفال: 42) ”اور اگر تم لڑائی کے لیے وقت مقرر کرتے تو ضرور اختلاف کرتے وقت مقرر کے بارے میں۔“ ﴿قُلْ لَّكُمْ مِيعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْذِنُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ﴾ (34/ بآ: 30) ”فرمائیے اے منکرو! تمہارے لیے وعدے کا دن مقرر ہے نہ تم اس سے ایک لمحہ پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ ایک لمحہ آگے بڑھ سکو گے۔“

(ب) وَعِيدًا

ڈرانا۔ دھمکانا۔ ﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ﴾ (2/ البقرة: 268) ”شیطان تمہیں فقری سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔“ ﴿فَاتِنَّا بِمَا نَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (7/ الاعراف: 70) ”پس تم جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے لے آؤ اگر تم سچوں میں سے ہو۔“

وَعِيدٌ

مصدر کے علاوہ اسم ذات کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عذاب کا وعدہ۔ دھمکی۔ ڈراوا۔ ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ﴾ (50/ ق: 45) ”پس آپ یاد دہانی کرائیں قرآن کے ذریعے اس کو جو ڈرتا ہے میری دھمکی سے۔“ ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ﴾ (50/ ق: 20) ”یہ ہے دن ڈرانے کا۔“

(افعال) اِيعَادًا

کسی کو دھمکی دینا۔ ڈرانا۔ ﴿وَلَا تَقْعُدُوا بِحِلِّ صَوَاطِئِكُمْ تَوْعِدُونَ﴾ (7/ الاعراف: 86) ”اور تم لوگ مت بیٹھو ہر ایسے راستے پر جہاں تم لوگ ڈراتے ہو۔“

(مفاعله) مَوْاعِدَةٌ

ایک دوسرے سے وعدہ کرنا۔ ﴿وَلَكِنْ لَا تَوَاعِدُوهُنَّ سِتْرًا﴾ (2/ البقرة: 235) ”اور لیکن تم لوگ خواتین سے باہمی وعدہ مت کرو خفیہ طور پر۔“ عموماً مفاعله میں مشارکہ ہوتا ہے لیکن عربی میں یہ لفظ ایک طرفہ وعدے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ﴿وَوَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً﴾ (7/ الاعراف: 142) ”اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے تیس رات کا۔“

(تفاعل) تَوَاعَدًا ایک دوسرے سے وعدہ کرنا۔ ﴿وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ﴾ (8/ الانفال: 42) ”اور اگر تم لڑائی کے لیے وقت مقرر کرتے تو ضرور اختلاف کرتے وقت مقرر کے بارے میں۔“

ل ی ل

ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

(x)

لَبَّيْ

اسم جنس ہے۔ اس کی جمع لَبَّيَالِ اور واحد لَبَّيْلَةٌ ہے۔ رات۔ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (97/ القدر: 1) ”بیشک ہم نے نازل کیا اس کو قدر کی رات میں۔“ ﴿سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 1) ”پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔“ لَبَّيْ پر جب ’ال‘ داخل ہو تو ایک ل کے ساتھ لَبَّيْلُ لکھا جاتا ہے۔ ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى الْكُتُبَاءَ﴾ (6/ الانعام: 76) ”پھر جب چھا گئی اُن پر رات تو اُنہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔“ لَبَّيَالِ اصل میں لَبَّيَالِی ہے جو قاعدے کے مطابق تبدیل ہو کر لَبَّيَالِ لکھا جاتا ہے۔ ﴿إِنِّي أَنذَرْتُكَ إِلَّا تَكْفُرْ النَّاسُ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ (19/ مریم: 10) ”تیری نشانی ہے کہ تو کلام نہیں کرے گا لوگوں سے تین راتیں مکمل۔“

ع خ ذ: البقرة آیت 48 دیکھیں۔

ع ج ل

(س) عَجَلًا، عَجَلَةً کسی چیز کو وقت سے پہلے حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ جلد بازی کرنا۔ ﴿وَعَجَلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَى﴾ (20/ طہ: 84) ”اور میں نے جلدی کی تیری طرف اے میرے رب تاکہ تو راضی ہو۔“ ﴿لَا تَعْجَلْ بِهِ لِسَانُكَ لَيَتَعَجَلَ بِهِ﴾ (75/ القیامہ: 16) ”آپ حرکت نہ دیں قرآن کے لیے، اپنی زبان کو تاکہ آپ جلدی کریں قرآن پڑھنے میں۔“

اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث کا صیغہ۔ بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ جلدی ملنے والی۔ پھر اس مفہوم میں یہ لفظ دنیا اور اس کے ساز و سامان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مولانا مودودی فرماتے ہیں: ”عاجلہ کے لغوی معنی ہیں جلدی ملنے والی چیز۔ اور اصطلاحاً قرآن مجید اس لفظ کو دنیا کے لیے استعمال کرتا ہے جس کے فائدے اور نتائج اسی زندگی میں حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے کی اصطلاح ”آخرت“ ہے جس کے فوائد اور نتائج کو موت کے بعد دوسری زندگی تک مؤخر کر دیا گیا ہے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۶۰) ﴿كَلَّا بَلْ تُجِئُونَ الْعَاجِلَةَ﴾ (75/ القیامہ: 20) ”ہرگز نہیں، بلکہ تم لوگ محبت کرتے ہو دنیا سے۔“

عَجُولٌ

فَعُولُ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت جلد باز۔ ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 11) ”اور انسان بڑا جلد باز ہے۔“

عَجَلٌ

اسم ذات ہے۔ جلدی۔ جلد بازی۔ ﴿خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ (21/ الانبیاء: 37) ”پیدا کیا گیا انسان کو جلد بازی سے۔“ یعنی جلد بازی انسان کی جبلت میں ودیعت کی گئی ہے۔

عَجَلٌ گائے کا بچھڑا، کیونکہ اس میں بڑی تیزی اور پھرتی پائی جاتی ہے جو تیل بننے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ ﴿فَرَأَى إِلَىٰ أَهْلِهِ

فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَبِينٍ﴾ (51/ الذریات: 26) ”پس وہ گیا اپنے گھر والوں کی طرف پھر وہ لایا ایک موٹا بچھڑا۔“

عَجَلًا (افعال) جلدی کرنا۔ جلدی کرنا۔ ﴿وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوسَىٰ﴾ (20/ طہ: 83) ”اور کس چیز نے جلدی کرائی آپ کو اپنی قوم سے اے موسیٰ۔“

تَعْجِيلًا (تفعیل) جلدی دینا۔ جلدی کرنا۔ ﴿مَنْ كَانَ يَرْيِدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 18) ”جو لوگ طلب گار ہیں صرف دنیا کے ہم جلدی دے دیتے ہیں اُس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں اُن میں سے جسے چاہتے ہیں پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اُس کے لیے جہنم۔“

عَجَلٌ فعل امر ہے۔ تو جلدی دے۔ تو جلدی کر۔ ﴿وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِسْمَ ظَنَّا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ (38/ ص: 16) ”اور مذاقاً کہتے ہیں اے ہمارے رب جلدی دے دے ہمارے حصے کا عذاب یوم الحساب سے پہلے۔“

تَعْجَلًا (تفعیل) جلدی کرنا۔ ﴿فَمَنْ تَعْجَلْ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ (2/ البقرہ: 203) ”تو جس نے جلدی کی دونوں میں تو کوئی گناہ نہیں ہے اس پر۔“

اِسْتَعْجَلًا (استفعال) وقت سے پہلے مانگنا۔ جلدی مچانا۔ ﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا﴾ (42/ اشوری: 18) ”جلدی مچاتے ہیں اس کے لیے یعنی قیامت کے لیے وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے اس پر۔“

ظ ل م: البقرة آیت 17 دیکھیں۔

### ترکیب

’و عطف کا ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْ کُوْذُ اُ مخدوف ہے۔ وَاَعْدْنَا باب مفاعله سے ماضی کا جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل نَحْنُ کی ضمیر ہے۔ اس کے دو مفعول ہوتے ہیں کس سے وعدہ کیا اور کیا وعدہ کیا۔ مَوْسٰی اس کا پہلا مفعول ہے اور اَرْبَعَيْنَ دوسرا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ جبکہ لَيْلَةً تیز ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ اَرْبَعَيْنَ کو اگر ظرف مانیں تب یہ متعلق فعل ہوگا یعنی وَاَعْدْنَا سے متعلق ہوگا اور معنی ہو جائیں گے ہم نے حضرت موسیٰ سے چالیس راتوں میں وعدہ کیا جو کہ صحیح نہیں۔ آگے ثُمَّ حرف عطف ہے اور اِتَّخَذْتُمْ مَاضِی کا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ اِتَّخَذَ بھی عموماً دو مفعول کا تقاضہ کرتا ہے۔ کس کو بنایا؟ اور کیا بنایا؟ اس آیت میں اِتَّخَذَ کا پہلا مفعول اَلْعِجْلَ ہے جبکہ دوسرا مفعول اِلَہًا مخدوف ہے۔ مِنْ بَعْدِہ میں ’ہ‘ ضمیر حضرت موسیٰ کے لیے ہے یعنی اُن کے جانے کے بعد۔ آگے وَاٰلِہِ ہے۔ اَنْتُمْ مبتدا اور ظَلِمُوْنَ خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ، حال ہے اِتَّخَذْتُمْ کی ضمیر فاعلی کا۔ (واللہ اعلم)۔

وَاِذْ وَاَعْدْنَا	مَوْسٰی	اَرْبَعَيْنَ لَيْلَةً	ثُمَّ اِتَّخَذْتُمْ
اور (یا دیکرو) جب ہم نے وعدہ کیا	حضرت موسیٰ سے	چالیس راتوں کا	پھر تم نے بنایا

ترجمہ
البقرة: 51

اَلْعِجْلَ	مِنْ بَعْدِہ	وَاَنْتُمْ ظَلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾
بچھڑے کو (معبود)	اس (حضرت موسیٰ) کے (جانے کے) بعد	اور تم ظلم کرنے والے تھے



## آیت: 52

﴿ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ ۵۲

ع ف و

(ن)

عَفُوًّا

اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کا نشان مٹا دینا۔ پھر یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) معاف کرنا۔ اپنا حق چھوڑ دینا۔ ﴿إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ط﴾ (2/ البقرة: 237) ”سوائے اس کے کہ وہ خواتین معاف کر دیں یا وہ معاف کرے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔“ ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا قَمُنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ط﴾ (42/ الشوری: 40) ”اور برائی کا بدلہ اسی جیسی ایک برائی ہے۔ تو جس نے معاف کیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔“

(۲) جو شخص سزا کا مستحق ہوا سے چھوڑ دینا، اس کے قصور کا بدلہ نہ لینا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا کسی سے درگزر کرتے ہوئے اس کے گناہوں کو مٹا دینا۔ ان معنوں میں عموماً عَنْ کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَعَفَا عَنْكُمْ ج﴾ (2/ البقرة: 187) ”اور اس نے تم سے درگزر کیا۔“ ﴿وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ﴾ (42/ الشوری: 25) ”اور وہ ہے جو قبول کرتا ہے توبہ کو اپنے بندوں سے اور وہ درگزر کرتا ہے برائیوں سے۔“

(۳) کسی چیز کو بڑھانا۔ زیادہ کرنا۔ اسی معنی میں ارشاد نبویؐ ہے: قَصُّوا الشُّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحَىٰ اپنی مونچھوں کو کتر او اور داڑھیوں کو بڑھاؤ یا زیادہ کرو۔

(۴) بڑھنا۔ زیادہ ہونا۔ (لازم)۔ جو چیز زیادہ اور گھنی ہو جائے تو عربی میں بولتے ہیں عَفَا الشَّيْءُ۔ ﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوْا﴾ (7/ الاعراف: 95) ”پھر ہم نے بدل دیا برائی کی جگہ کو بھلائی سے یہاں تک کہ وہ لوگ زیادہ ہو گئے (مال اور اولاد میں)۔“ اس آیت میں عَفَوْا بمعنی گُثِرُوا (زیادہ ہونا) ہے۔

ج: اَعْفُوا۔ فعل امر ہے۔ تو معاف کر یا درگزر کر۔ ﴿وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا﴾ (2/ البقرة: 286) ”اور تو درگزر فرما ہم سے اور تو بخش دے ہم کو اور تو رحم کر ہم پر۔“ ﴿فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ط﴾ (2/ البقرة: 109) ”پس تم معاف کرو اور چھوڑ دو یہاں تک کہ اللہ بھیج دے اپنا حکم۔“

أَعْفُ

ج: عَافُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ معاف کرنے والا۔ درگزر کرنے والا۔ ﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ط﴾ (3/ آل عمران: 134) ”اور ضبط کرنے والے غصے کو اور درگزر کرنے والے لوگوں سے۔“

عَافٍ

فَعُولٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ معاف کرنے والا۔ یوں معاف کرنے والا کہ گناہ کا نام و نشان تک نہ رہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ۝﴾ (4/ النساء: 43) ”یقیناً اللہ بے انتہا معاف کرنے والا، بے انتہا بخشنے والا ہے۔“ شب قدر میں جو دعا مانگی جاتی ہے اُس میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُجِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي۔ اے اللہ بے شک تو بہت معاف کرنے والا ہے اور تو معافی کو پسند کرتا ہے پس تو مجھ سے درگزر کر۔“

عَفُوٌّ

(۱) معافی۔ درگزر۔ (۲) بڑھی ہوئی یعنی اضافی چیز۔ ضرورت سے زائد چیز۔ ﴿حُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾

عَفُوٌّ

(7/ الاعراف: 199) ”آپ پکڑیں یعنی اپنائیں درگزر کو اور ترغیب دیں بھلائی کی۔“ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْغَفْوُ﴾ (2/ البقرة: 219) ”اور یہ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے کہ کتنا خرچ کریں، آپ کہیے کہ اضافی چیز کو۔“ اس آیت میں الْغَفْوُ سے مراد ہے مَا سَهْلٌ وَتَكَيَّسَ وَلَكُمُ يَشْقَى عَلَى الْقَلْبِ۔ جو آسان اور سہولت سے ہو اور دل پر گراں نہ گزرے۔

لَعَلَّ: البقرة آیت 21 دیکھیں۔

ش ك ر

(ن) شُكْرًا اور شُكْرًا کسی نعمت کا اعتراف کرنا اور احسان ماننا۔ شکر ادا کرنا۔ تین چیزوں کے مجموعے کا نام شکر ادا کرنا ہے۔ ایک یہ کہ آدمی دل سے محسن کے انعامات اور احسانات کا اعتراف کرے۔ دوسرے یہ کہ زبان سے اس کا اقرار کرے اور تیسرے یہ کہ عمل سے ان انعامات اور احسانات کا ثبوت دے۔ شکر کی ضد کفر ہے۔ کفر جب شکر کے مقابلے میں استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کے انعامات اور احسانات کو چھپا دینا اور بھلا دینا اور اس کا ترجمہ ناشکری سے کیا جاتا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دل سے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا اعتراف کرے، دوسرے یہ کہ زبان سے بھی کلمہ شکر ادا کرے اور تیسرے یہ کہ توحید، اسلام اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ ہی کے کاموں میں لگا دے۔ اللہ کی ناشکری کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا اعتراف کرے، نہ زبان سے کلمہ شکر ادا کرے اور ان نعمتوں کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کر دے۔ ﴿وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ﴾ (27/ النمل: 40) ”اور جو شکر ادا کرتا ہے تو بے شک وہ شکر ادا کرتا ہے اپنے آپ ہی کے لیے۔“ ﴿إِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا﴾ (34/ سبا: 13) ”کام کرو اے داؤد کے گھروالو احسان مان کر۔“ ﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ الْاَيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكْرًا﴾ (25/ الفرقان: 62) ”اور وہ وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنا دیا اُس شخص کے لیے جو سمجھنا چاہے یا شکر ادا کرنا چاہے۔“

ج: اَشْكُرُوا۔ فعل امر ہے۔ تو احسان مان۔ تو شکر ادا کر۔ ﴿إِن اَشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ﴾ (31/ لقمان: 14) ”کہ تو احسان مان میرا اور اپنے والدین کا۔“ ﴿فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾ (2/ البقرة: 152) ”سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔“

ج: شَاكِرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ اس کی نسبت جب بندے کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے شکر ادا کرنے والا اور جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے قدر دان، اعتراف خدمت کرنے والا اور بندے کی تھوڑی سی اطاعت پر بہت زیادہ اجر دینے والا۔ ﴿شَاكِرًا لِّاَنْعَمَ﴾ (16/ النمل: 121) ”شکر کرنے والا اس کے احسانوں کا۔“ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾ (2/ البقرة: 158) ”سو اللہ تو بڑا قدر دان ہے بڑا علم رکھنے والا ہے۔“ اس آیت کے تحت صاحب تفسیر ماجدی فرماتے ہیں: ”شکر کا لفظ جب اللہ کے لیے آتا ہے تو اُس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ بندہ کی تھوڑی سی اطاعت پر معاوضہ بہت زائد دیتا ہے۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۷۷)۔ ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ شَاكِرُونَ﴾ (21/ الانبیاء: 80) ”پھر کیا تم شکر گزار بنو گے۔“

مَشْكُورٌ اسم المفعول ہے۔ جس کا شکر ادا کیا جائے۔ قدر کیا ہوا۔ ﴿فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُورًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 19)

”پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی (اللہ کے ہاں) قدر دانی کی جائے گی۔“

شَكُورٌ فَعُولٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بے انتہا شکر کرنے والا۔ بڑا قدر دان۔ ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ

شَكُورٍ﴾ (5/ ابراہیم: 5) ”بے شک اس میں نشانیاں ہیں بار بار صبر کرنے والے، بے انتہا شکر کرنے

والے کے لئے۔“ ﴿إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ شَكُورٌ﴾ (42/ الشوری: 23) ”بے شک اللہ بے انتہا بخشنے والا بے انتہا قدر

کرنے والا ہے۔“

### ترکیب

ثُمَّ۔ حرف عطف ہے۔ عَفَوْنَا، ماضی کا جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ عَنْكُمْ متعلق فعل ہے۔ مِّنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ کا اشارہ گوسالہ پرستی کی طرف ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اس کا اسم، ضمیر متصل کُم ہے اور جملہ فعلیہ تَشْكُرُونَ اس کی خبر ہے۔

ترجمہ	ثُمَّ عَفَوْنَا	عَنْكُمْ	مِّنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ	لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٣﴾
البقرة: 52	پھر ہم نے درگزر کیا	تم لوگوں سے	اس کے بعد	تاکہ تم لوگ شکر کرو

### آیت: 53

﴿وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾﴾

إِذْ: البقرة آیت 30 دیکھیں۔ ءَاتَى: البقرة آیت 23 دیکھیں۔ لَكَ تَب: البقرة آیت 2 دیکھیں۔  
فَرَقَ: البقرة آیت 50 دیکھیں۔ لَعَلَّ: البقرة آیت 21 دیکھیں۔ هَدَى: الفاتحة آیت 5 دیکھیں۔

### ترکیب

’وُعطف کا ہے۔ إِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اذْکُرُوا محذوف ہے۔ آتَيْنَا ماضی کا جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ مُوسَى اس کا مفعول اول ہے اور الْكِتَابُ مفعول ثانی ہے۔ الْفُرْقَانَ عطف ہے الْكِتَابِ پر۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ ضمیر متصل، کُم اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ تَهْتَدُونَ اس کی خبر ہے۔

ترجمہ	وَإِذْ آتَيْنَا	مُوسَى	الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ	لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾
البقرة: 53	اور (یاد کرو) جب ہم نے دی	موسیٰؑ کو	کتاب اور فرقان	تاکہ تم ہدایت پاؤ

### نوٹ

یہاں کتاب سے مراد تورات ہے اور فرقان کے بارے میں ہمارے بزرگوں کے متعدد اقوال ہیں۔ چنانچہ بعض بزرگوں کے نزدیک کتاب اور فرقان کے درمیان ’تفسیری‘ ہے اور فرقان سے مراد تورات ہی ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے ”معجزات“ مراد ہیں۔ بعض کے نزدیک ”فتح وغلبہ“ مراد ہے۔ بعض کے نزدیک ”احکام شرعیہ“ یا ”دین کا علم و فہم“ مراد ہے۔ (واللہ اعلم)۔

## آیت: 54

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَى بَارِيكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِيكُمْ ۚ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝﴾

اِذْ: البقرة آیت 30 دیکھیں۔ ق و ل: البقرة آیت 8 دیکھیں۔ ظ ل م: البقرة آیت 17 دیکھیں۔  
ن ف س: البقرة آیت 9 دیکھیں۔ ع خ ذ: البقرة آیت 48 دیکھیں۔ ع ج ل: البقرة آیت 51 دیکھیں۔  
ت و ب: البقرة آیت 37 دیکھیں۔

ب ر ع

(ف)

بَرَاءٌ

اس کا بنیادی مفہوم ہے جدا کرنا، چاک کرنا، پھاڑ کر الگ کرنا۔ پھر اس سے مراد لیا جاتا ہے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا۔ وجود بخشنا۔ پیدا کرنا۔ ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كُتُبٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأََهَا﴾ (57/ الحديد: 22) ”نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر اس سے پہلے کہ ہم اُس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔“ (ترجمہ احسن البیان)

بَارِءٌ

اسم الفاعل ہے۔ عدم سے وجود میں لانے والا، خالق۔ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾ (59/ الحجر: 24) ”وہ اللہ ہی پیدا کرنے والا، وجود بخشنے والا، صورت بنانے والا ہے۔“  
اسم ذات ہے۔ وجود دی ہوئی چیز۔ مخلوق۔ فَعِيلُکَ کے وزن پر بَرِيَّةٌ بھی پڑھتے ہیں اور ”کوی“ میں تبدیل کر کے بَرِيَّةٌ بھی پڑھتے ہیں۔ فَعِيلُکَ کے وزن پر بمعنی اسم المفعول ہے۔ ﴿أَوَّلِيكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۚ﴾ (98/ البینة: 7) ”یہ لوگ ہی سب سے بہتر مخلوق ہیں۔“

بَرِيَّةٌ

(س)

بَرَاءٌ اور بَرَاءَةٌ

کسی مکروہ یا تکلیف دہ چیز سے نجات حاصل کرنا۔ بیزار ہونا۔  
ج: بَرَاءٌ اور بَرِيَّةٌ۔ بَرَاءَةٌ سے فَعِيلُکَ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ بیزار۔ لا تعلق۔ بری الذمہ۔ ﴿وَإِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝﴾ (6/ الانعام: 19) ”اور یقیناً میں بیزار ہوں اس سے جو تم لوگ شرک کرتے ہو۔“  
اِنَّا بَرَاءٌ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ﴿60/ الممتحنة: 4﴾ ”یقیناً ہم بیزار ہیں تم لوگوں سے اور اس سے جس کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا۔“ ﴿أَنْتُمْ بَرِيَّةُونَ مِمَّا أَحْمِلُ وَاَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۝﴾ (10/ یونس: 41) ”تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں اور میں بری الذمہ ہوں اس سے جو تم کرتے ہو۔“ جب بَرِيَّةٌ بطور صفت استعمال ہو تو وہ واحد، تشنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث ہونے میں اپنے موصوف کے مطابق ہوتا ہے۔

بَرِيَّةٌ

بیزار۔ لا تعلق۔ اصل میں مصدر ہے اور بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے۔ جب بطور صفت استعمال ہو تو واحد، تشنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لیے اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ ﴿إِنِّي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۝﴾ (43/ الزخرف: 26) ”یقیناً میں بیزار ہوں اس سے جس کی تم لوگ عبادت کرتے ہو۔“

بَرَاءٌ

اسم ذات بھی ہے۔ (۱) بیزاری۔ قطع تعلق۔ ﴿بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (9/ التوبة: 1) ”(یہ اعلان) بیزاری ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں سے جن سے تم لوگوں نے معاہدہ کیا مشرکوں میں سے۔“ (۲) معافی۔ چھٹکارا۔ ﴿أَمَرَ لَكُمْ بَرَاءَةً فِي الذُّبُرِ﴾ (54/ التمر: 43) ”یا آسمانی کتابوں میں تمہارے لیے کوئی معافی لکھی ہوئی ہے؟“ (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ ”یا تمہارے لیے اگلی کتابوں میں چھٹکارا لکھا ہوا ہے۔“ (ترجمہ احسن البیان)

بِرَاءَةٌ

(افعال) اِبْرَاءٌ بیماری سے نجات دینا۔ شفا دینا۔ ﴿وَأُبْرِئُ الْكَفَّةَ وَالْأَبْرَصَ﴾ (3/ آل عمران: 49) ”اور میں شفا دیتا ہوں اندھے اور کوڑھی کو۔“

(تفعیل) تَبْرِئَةً، تَبْرِیَّةً اس کا مصدر تَفْعِلُ کے وزن پر تَبْرِئَةٌ بھی پڑھا جاتا ہے اور تَبْرِیَّةً بھی۔ الزام سے نجات دینا۔ بریء الذمہ قرار دینا۔ ﴿فَبَرَّاهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا﴾ (33/ الاحزاب: 69) ”تو بری قرار دیا ان کو اللہ نے اس سے جو ان لوگوں نے کہا۔“ ج: مُبْرَءُونَ۔ اسم المفعول ہے۔ بری کیا ہوا۔ ﴿أُولَٰئِكَ مُبْرَءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ﴾ (24/ النور: 26) ”یہ لوگ بری کیے ہوئے ہیں اس سے جو وہ لوگ کہتے ہیں۔“

مُبْرَاءٌ

(تفعّل) تَبَرَّءًا مکروہ چیز سے خود بیزار ہو جانا۔ اعلان براءت کرنا۔ بیزاری کا اظہار کرنا۔ ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ﴾ (9/ التوبة: 114) ”پھر جب واضح ہوا ان پر کہ یقیناً وہ یعنی آذر دشمن ہے اللہ کا تو انہوں نے اعلان براءت کیا اس سے۔“

ق ت ل

(ن) قَتَلًا کسی کو قتل کرنا۔ یہ ایک طرف عمل ہے۔ ﴿وَمَا قَتَلُوا بِقِيَّتِهِ﴾ (4/ النساء: 157) ”اور ان لوگوں نے یعنی یہودیوں نے یقیناً قتل نہیں کیا ان کو یعنی عیسیٰ کو۔“

قَتْلًا

ج: اقْتُلُوا۔ فعل امر ہے۔ قتل کر۔ ﴿فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ﴾ (9/ التوبة: 5) ”پس جب نکل جائیں حرمت والے مہینے تو تم لوگ قتل کرو مشرکوں کو۔“ اور آیت زیر مطالعہ۔

اُقْتُلْ

اسم ذات بھی ہے قتل۔ ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (2/ البقرة: 191) ”اور فتنہ زیادہ شدید ہے قتل سے۔“ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ وہ قتل کیا گیا۔ ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 33) ”اور جو قتل کیا گیا ناحق۔“ یہ بددعا یہ جملہ بھی ہے۔ لیکن کلام الہی میں اس سے مراد ہوتا ہے کہ اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ ﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾ (74/ المدثر: 19) ”ہلاک ہو کیسی بات تجویز کی۔“ ﴿قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ﴾ (85/ البروج: 4) ”ہلاک ہوں کھائی کھودنے والے۔“

قَتْلٌ

قَتْلٌ

ج: قَتِيلٌ۔ فَعِيلٌ کے وزن پر اسم المفعول کے معنی میں مقتول مراد ہے۔ ﴿كُنْتُ عَلَيْكُمْ الْقَصَاصُ فِي الْقَتْلِ﴾ (2/ البقرة: 178) ”اے ایمان والو فرض کر دیا گیا ہے تم پر مقتولوں کا قصاص (لینا)۔“

قَتِيلٌ

کثرت اور شدت سے قتل کرنا۔ ﴿سَنُقَاتِلُ أِبْنَاءَهُمْ﴾ (7/ الاعراف: 127) ”ہم قتل کرتے رہیں گے ان کے بیٹوں کو۔“

تَقْتِيلًا

(مفاعله) مُقَاتَلَةً اور قِتَالًا ایک دوسرے کو قتل کرنا۔ جنگ کرنا۔ لڑائی کرنا۔ اس فعل کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بددعا کا مفہوم ہوتا ہے یعنی

ہلاک کرے۔ ﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلٍ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَتْلُوا ط﴾ (57/ الحدید: 10) ”برابر نہیں ہے تم لوگوں میں سے وہ جس نے خرچ کیا فتح سے پہلے اور قتال کیا۔ وہ لوگ زیادہ عظیم ہیں بلحاظ درجے کے، ان لوگوں سے جنہوں نے خرچ کیا بعد میں اور قتال کیا۔“ ﴿فَتَكُونُ ۝۹﴾ (9/ التوبہ: 30) ”ہلاک کرے ان کو اللہ، کدھر بیکے جا رہے ہیں۔“

ج: قَاتِلُوا۔ فعل امر ہے۔ تو جنگ کر۔ تو قتال کر۔ ﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (4/ النساء: 84) ”پس آپ قتال کیجئے اللہ کی راہ میں۔“ ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (2/ البقرة: 190) ”اور تم لوگ قتال کرو اللہ کی راہ میں۔“ اہتمام سے لڑنا۔ آپس میں لڑنا۔ ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَنَّاكُم﴾ (2/ البقرة: 253) ”اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے۔“

قَاتِلْ

(افتعال) اِقْتِتَالًا

خ ی ر

(ض)

خَيْرًا

خَيْرًا، خَيْرَةً

خَيْرٌ

فائدہ مند ہونا۔ صاحب خیر ہونا۔

پسند کرنا۔ انتخاب کرنا۔ فضیلت دینا۔

مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ وہ چیز جو سب کو پسندیدہ ہو۔ (۱) عربی زبان میں یہ لفظ ہر بھلائی، نیکی، خیر اور نیک کام پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ط﴾ (2/ البقرة: 110) ”اور جو نیکی بھی تم آگے بھیجو گے اپنے لیے تو تم پاؤ گے اس کو (یعنی اس کا اجر) اللہ کے ہاں۔“ ﴿وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ (3/ آل عمران: 104) ”اور ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک ایسی جماعت جو نیکی کی طرف بلائے۔“ (۲) مال و دولت۔ عرب مال کو بھی خیر سے تعبیر کرتے تھے گویا مال بھلائی ہی بھلائی ہے۔ ﴿وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ط﴾ (100/ العدیث: 8) ”اور یقیناً وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔“ ﴿قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ وَالْيَدَيْنِ﴾ (2/ البقرة: 215) ”آپ تمہارے جو کچھ خرچ کرو اپنے مال سے تو اس کے مستحق تمہارے مال باپ ہیں۔“ اس مادہ کا فعل التفضیل اَخْيَرُ بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بجائے زیادہ تر خَيْرٌ استعمال ہوتا ہے اور قرآن مجید میں بھی خَيْرٌ استعمال ہوا ہے۔ اَخْيَرُ کہیں نہیں آیا۔ بہتر یا سب سے بہتر۔ ﴿أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ﴾ (7/ الاعراف: 12) ”میں بہتر ہوں اس سے۔“ ﴿بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ط وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ۝﴾ (3/ آل عمران: 150) ”بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔“ خَيْرٌ کا استعمال جب فعل التفضیل کے معنی میں ہو تو اس کی جمع نہیں آتی۔ (لغات القرآن، ج ۲، ص ۳۲۹)

خَيْرٌ

خَيْرَاتٌ

یہ خَيْرَاتٌ کی جمع سالم ہے۔ بھلائیاں۔ نیکیاں۔ نیک عورتیں۔ بہترین اخلاق والی عورتیں۔ ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسِرُّونَ فِي الْخَيْرَاتِ﴾ (21/ الانبیاء: 90) ”بیشک وہ لوگ جلدی کیا کرتے تھے نیکیوں میں۔“ ﴿فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حَسَنَاتٌ﴾ (55/ الرحمن: 70) ”اُن میں نیک سیرت، خوبصورت عورتیں ہیں۔“

اَخْيَارٌ

خَيْرٌ کی اَفْعَالُ کے وزن پر جمع مکسر ہے۔ بہت خیر والے۔ ﴿وَإِذْ كُرُوا سُلَيْمٰنَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ط وَكُلٌّ مِنَ الْأَخْيَارِ ط﴾ (38/ ص: 48) ”اور یاد کرو اسلمیلؑ کو اور یسعؑ کو اور ذوالکفلؑ کو، وہ سب بہت خیر والوں میں سے تھے۔“

مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ اختیار۔ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط﴾ (33/ الاحزاب: 36) ”نہیں ہے کسی مومن مرد کے لیے اور نہ ہی کسی مومن عورت کے لیے، جب فیصلہ کرے اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا، کہ ہو ان کے لیے پسند کرنے کا اختیار اپنے کام میں۔“

(تفعّل) تَخَيَّرَا کسی چیز کو اپنے لیے پسند کرنا۔ ﴿وَفَاكِهَةً وَمَبَآئِثَ يَخْتَرُونَ ل﴾ (56/ الواقعة: 20) ”اور پھل، اس میں سے جو وہ لوگ پسند کریں۔“

(افتعال) اخْتِيَارًا چن لینا۔ منتخب کرنا۔ ﴿وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا﴾ (7/ الاعراف: 155) ”اور چن لیے حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے ستر مرد۔“

عِنْدَ یہ ظرف ہے اور قرب کے معنی دیتا ہے۔ پھر کبھی تو بطور ظرف مکان، قرب مکانی کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿فَلَمَّا رَأَاهُ مُسْتَقَرًّا عِنْدَهُ﴾ (27/ النمل: 40) ”پھر جب حضرت سلیمانؑ نے اسے اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا۔“ یا فرمایا: ﴿عِنْدَهَا جَنَّةُ النَّبَاوَى ط﴾ (53/ النجم: 15) ”اس کے قریب جنتہ الماویٰ ہے۔“ اور کبھی بطور ظرف زمان، قرب زمانی کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً عِنْدَ الصُّبْحِ۔ صبح کے قریب یا عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ سورج نکلنے کے قریب۔ اور کبھی معنوی طور پر قرب ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ﴾ (27/ النمل: 40) ”اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب میں سے علم تھا۔“ یا فرمایا: ﴿بَلْ أَحْيَاكَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ل﴾ (3/ آل عمران: 169) ”بلکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔“ اس پر حرف جر میں سے صرف من آتا ہے جو مزید تاکید کا مفہوم پیدا کرتا ہے اور کوئی حرف نہیں آتا۔ جیسے فرمایا: ﴿فَإِذَا بَرِزُوا مِن عِنْدِكَ﴾ (4/ النساء: 81) ”پھر جب باہر نکلتے ہیں آپ کے پاس سے۔“ (واللہ اعلم)۔

ت و ب: البقرة آیت 37 دیکھیں۔ رح م: آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ترکیب ’و عطف کا ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْکُروا محذوف ہے۔ قَالَ کا فاعل مُوسٰی ہے اور لِقَوْمِهِ متعلق فعل ہے۔ یَا قَوْمِ میں میم کی کسرہ بتا رہی ہے کہ اس کا مضاف الیہ یا ’متکلم محذوف ہے۔ یعنی یہ فقرہ دراصل یَا قَوْمِی ہے۔ اِنَّ کا اسم کُم ہے اور ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ جملہ فعلیہ اِنَّ کی خبر ہے۔ بِاتِّخَاذٍ میں ’ب‘ سببیہ ہے اور اِتِّخَاذٍ مصدر ہے اور مضاف ہونے کی وجہ سے لام تعریف اور تنوین سے خالی ہے۔ کُم اس کا مضاف الیہ ہے۔ یہاں پر مصدر، فعل کا کام کر رہا ہے اس لیے اِتِّخَاذٍ کا مفعول اَوَّلُ اَلْعَجَلِ ہے اور اس کا مفعول ثانی اِلَہًا محذوف ہے۔ فَتُؤَبِّوْا میں ’ف‘ استئنافیہ ہے اور تُؤَبِّوْا فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ اِلٰی بَارِیکُمْ متعلق فعل ہے۔ تَابَ کے ساتھ جب اِلٰی کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے بندے کا اپنی غلطی پر پشیمان ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنا یعنی توبہ کرنا۔ آگے فَاَقْتُلُوْا میں ’ف‘ عطف کا ہے۔ اور اَقْتُلُوْا، تُؤَبِّوْا پر عطف ہے۔ اَنْفُسَكُمْ اس کا مفعول ہے۔ ذَلِکُمْ مبتدا ہے، خَبَرُ اور لَکُمْ متعلق خبر ہے۔ عِنْدَ بَارِیکُمْ طرف ہے آگے فَتَابَ عَلَیْکُمْ سے پہلے ”فَفَعَلْتُمْ مَا اَمَرُکُمْ بِہِ مُوسٰی“ محذوف ہے۔ تَابَ کا فاعل اس میں شامل ہُو کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ عَلَیْکُمْ متعلق فعل ہے۔ تَابَ کے ساتھ جب عَلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے اللہ کا اپنی رحمت کے ساتھ بندے کی طرف رجوع کرنا یعنی توبہ قبول کرنا۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اس سے متصل ضمیر اس کا اسم ہے۔ ہُو ضمیر فاعل ہے اور تاکید کے لیے ہے اور اَلتَّوَابُ اور اَلرَّحِیْمُ اس کی خبریں ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوسٰی	لِقَوْمِهِ	یَقَوْمِ	اِنَّکُمْ	ظَلَمْتُمْ
اور (یاد کرو) جب کہا موسیٰؑ نے	اپنی قوم سے	اے میری قوم	بے شک تم نے	ظلم کیا

ترجمہ

البقرة: 54

اَنْفُسَكُمْ	بَاتِحَاكُمْ	الْعَجَل	فَتُوبُوا	اِلٰىٰ بَارِيكُمْ
اپنے آپ پر	بسیتمہارے بنانے کے	بچھڑے کو (معبود)	پس تم توبہ کرو	اپنے خالق سے
فَاَقْتُلُوا	اَنْفُسَكُمْ ط	ذِكْمُ خَيْرٍ	لَّكُمْ	عِنْدَ بَارِيكُمْ ط
اور تم قتل کرو	اپنوں کو (یعنی جنہوں نے شرک کیا)	یہ بہتر ہے	تمہارے لیے	تمہارے خالق کے نزدیک
فَتَابَ عَلَيْكُمْ ط	اِنَّهٗ	هُوَ التَّوَابُ	الرَّحِيْمُ ۝۵	
پس اس (اللہ) نے تمہاری توبہ قبول کی	یقیناً وہ	بہت ہی توبہ قبول کرنے والا	انتہائی رحم کرنے والا ہے	

## نوٹ: 1:

آیت میں قوم سے مراد خاص وہ لوگ ہیں جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا اور فَاَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ سے یہ مراد نہیں کہ ہر شخص نے خود اپنی گردن پر تلوار چلا دے۔ دراصل حکم یہ تھا کہ ہر قبیلہ کے ایسے افراد جنہوں نے بچھڑے کی پرستش میں حصہ نہیں لیا تھا، اپنے قبیلہ کے ان لوگوں کو قتل کریں جنہوں نے اس کی پرستش کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ باپ نے بیٹے کو، بیٹے نے باپ کو اور بھائی نے بھائی کو قتل کیا۔ اس صورتحال کو اپنے آپ کو قتل کرنا کہا گیا ہے۔

## نوٹ: 2:

بنو اسرائیل نے جب توبہ کر لی یعنی اپنے مجرموں کو قتل کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ یہاں پر کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ اُبھرنے پیدا ہوتی ہے کہ مجرموں کو توبہ کے جرم کی سزا دی گئی پھر توبہ کہاں قبول ہوئی۔

اس ضمن میں پہلی بات یہ سمجھ لیں کہ توبہ کی قبولیت کا تعلق آخرت کی سزا سے ہے۔ اگر توبہ کرنے کے باوجود کسی کو اپنے گناہ کی سزا دنیا میں ملتی ہے تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔ اور ایسی صورت میں توبہ کی قبولیت یعنی آخرت کی سزا سے بچنے کا امکان بہت بڑھ جاتا ہے۔ اگر کسی کی توبہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آخرت کی سزا کے ساتھ اس کی دنیا کی سزا بھی معاف کر دے تو یہ اضافی رحمت یعنی اس کا فضل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کچھ جرائم کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ توبہ کرنے سے دنیا کی سزا ساقط نہیں ہوتی۔ مثلاً قتل عدا کا مجرم اگر توبہ کر لے تب بھی پھانسی کی سزا برقرار رہے گی الا یہ کہ مقتول کے ورثاء معاف کر دیں یا ثبوت زنا بالشہادۃ پر رجم۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ لوگوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور درخواست کی کہ انہیں رجم کی سزا دی جائے تاکہ ان کی توبہ کی قبولیت اور آخرت کی سزا سے بچنے کی صورت پیدا ہو۔

## آیت: 55

﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يُوسُفٰی لَنْ نُّؤْمِنَ بِكَ حَتّٰی نَرٰی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْکُمُ الصَّعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝۵۵﴾

اِذْ: البقرة آیت 30 دیکھیں۔ ق و ل: البقرة آیت 8 دیکھیں۔ ع م ن: البقرة آیت 3 دیکھیں۔

## حَتّٰی

یہ لفظ کسی چیز کی انتہا اور غایت بتلانے کے لیے آتا ہے۔ یہ صرف اسم یا فعل پر داخل ہوتا ہے، کسی ضمیر پر داخل نہیں ہوتا۔ یہ تین طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ (۱) بطور حرف جر۔ (تک - Till)۔ اسم کو جردیتا ہے (عادل)۔ عربی میں کہتے ہیں اَکَلْتُ السَّمَكَةَ حَتّٰی رَأَسَهَا (میں نے مچھلی کو اس کے سر تک کھا یا یعنی سر نہیں کھایا)۔ قرآن مجید میں فرمایا ﴿حَتّٰی جِئِنَا﴾ (12/ یوسف: 35) ”کچھ سالوں تک“۔ ﴿حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵﴾ (97/ القدر: 5) ”فجر کے طلوع ہونے تک“۔



(۲) بطور نا صب مضارع۔ (یہاں تک کہ۔ تاکہ)۔ مضارع پر داخل ہو تو مضارع کو نصب دیتا ہے (عامل)۔ عربی میں کہتے ہیں لَنْ أَجْلِسَ حَتَّى يَأْذَنَ الْمَعْلَمُ۔ میں نہیں بیٹھوں گا یہاں تک کہ استاد اجازت دے۔ قرآن مجید میں فرمایا ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ (3/ آل عمران: 92) ”تم ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز میں سے خرچ نہیں کرو گے۔“ یا فرمایا: ﴿مَسْتَتِهْمُ الْبِاسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَزُلْزُلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرُ اللَّهُ﴾ (2/ البقرة: 214) ”چھو ان کو سختی اور مصیبت نے اور وہ ہلا دیے گئے یہاں تک کہ (وقت کے) رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے کہہ اٹھے کب آئے گی اللہ کی مدد۔“

(۳) بطور حرف عطف (یہاں تک کہ)۔ غیر عامل ہے۔ اَكَلْتُ السَّمَكَةَ حَتَّى رَأَسَهَا (میں نے مچھلی کھائی یہاں تک کہ اس کا سر بھی کھا گیا)۔ یہاں ماقبل کا نصب مابعد کو بھی آگیا ہے۔ لغات القرآن کے مطابق قرآن مجید میں حَتَّى بطور عطف استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)۔

## ر ع ی

(ف) رُؤْيَا اور رَايَا اس کا ماضی رَاٰ اور مضارع میں ہمزہ کو حذف کر کے یٰ رٰ استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کا ادراک کرنا۔ دیکھنا۔ خواہ آنکھوں سے دیکھنا ہو، عقل و بصیرت سے دیکھنا ہو یا خواب میں دیکھنا ہو۔ دیکھنے کے لیے یہ لفظ عام ہے۔ پھر یہ لفظ خیال کرنا یا غور و فکر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے لیے فرمایا: ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى الْكُكْبَاءَ﴾ (6/ الانعام: 76) ”پھر جب چھا گئی ان پر رات تو انہوں نے دیکھا ایک تارا۔“ ﴿فَعَثَ ثِقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَآخِرَى كَافِرَةً يَرُودُهُمْ مُثْلِيهِمْ رَأَى الْعَبْنِ﴾ (3/ آل عمران: 13) ”ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں اور دوسرا کافر تھا۔ دیکھ رہے تھے (مسلمان) انہیں اپنے سے دو چند (اپنی) آنکھوں سے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ عقل و بصیرت سے دیکھنے کے لیے فرمایا: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى﴾ (53/ النجم: 11) ”جھوٹ نہیں کہا رسولؐ کے دل نے جو دیکھا۔“ (ترجمہ شیخ البند)۔ یہاں رُؤْيَا بمعنی عقل و بصیرت سے دیکھنا ہے۔ خواب میں دیکھنے کے لیے فرمایا: ﴿إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبُحُكَ فَأَنْظُرْ مَاذَا تَنَزَّلِي﴾ (37/ الصافات: 102) ”بے شک میں دیکھتا ہوں نیند میں کہ میں ذبح کرتا ہوں تجھ کو پس تو دیکھ کہ تو کیا خیال کرتا ہے۔“ خیال کرنے یا تصور کرنے کے لیے فرمایا: ﴿وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ﴾ (2/ البقرة: 165) ”اور کاش تصور کریں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا (اس وقت کا) جب وہ لوگ دیکھیں گے عذاب کو۔“ جب اس کے ساتھ ہمزہ استفہام ہو، جیسے آرَايْتَ (کیا تو نے دیکھا) یا أَرَأَيْتُمْ (کیا تم نے دیکھا) تو اس سے مراد لی جاتی ہے کسی کی حالت پر غور کرنا، ”کیا کسی چیز کو جاننا یا پھر یہ أَخْبِرْنِي (تو مجھے بتا) یا أَخْبِرُونِي (تم مجھے بتاؤ) کے قائم مقام ہوتا ہے۔ مثلاً: ﴿أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ﴾ (25/ الفرقان: 43) ”کیا آپؐ نے اس کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ ﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْإِيمَانِ﴾ (107/ الماعون: 1) ”کیا آپؐ نے دیکھا اُس کو جو (روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے)۔“ یعنی کیا آپؐ نے جانا اور پہچانا اُس شخص کو جو روزِ جزا کو نہیں مانتا۔ ﴿أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ﴾ (26/ الشعراء: 205) ”ذرا بتلا اگر ہم انہیں چند سال تک عیش میں رہنے دیں۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ ﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ﴾ (26/ الشعراء: 75) ”حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کیا تم نے دیکھا یا کیا تم نے ان کی حالت پر غور کیا جنہیں تم پوجتے ہو۔“ ﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ﴾ (56/ الواقعة: 58) ”اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم جو منی پہنچاتے ہو۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ کبھی اس کے آگے کاف خطاب بھی لگا دیا جاتا ہے یعنی أَرَأَيْتَكَ یا أَرَأَيْتَكُمْ۔ ایسی

صورت میں 'ت' تبدیل نہیں ہوتی بلکہ کاف خطاب حسب مقام تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ﴿قَالَ ارْءَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كُوِّمَتْ عَلَيْكَ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 62) ”اس نے کہا مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿قُلْ ارْءَيْتَكُمْ اِنْ اُنْزِلَ عَلَيْكُمْ عَذَابٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (6/ الانعام: 40) ”آپؐ کہیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آپڑے۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔ جب اس کے ساتھ الی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی چیز کی حالت پر غور کر کے اسے سمجھنا اور اس سے عبرت حاصل کرنا۔ ﴿اَلَمْ تَكُنْ اِلٰی رَبِّكَ﴾ (25/ الفرقان: 45) ”کیا آپؐ نے اپنے رب (کی قدرت) کی طرف نظر نہیں کی۔“ (نوٹ: مادہ رءٰی کی املاء اور استعمال کے متعلق کچھ ضروری باتیں آگے نوٹ میں دیکھیں)

رَأٰی

اسم ذات بھی ہے۔ رائے۔ خیال۔ ﴿وَمَا نَزَّلَكَ لِتَتَّبِعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَادُوْا لَنَا بِاَدْنٰی الرَّاٰی﴾ (11/ ہود: 27) ”اور ہم تو بس یہی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہی ہوئے ہیں جو ہم میں سے بالکل رذیل ہیں (اور وہ بھی) سرسری رائے سے۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔ بَادِی الرَّاٰی۔ ابتدائی رائے یا ظاہری، سرسری رائے۔

رُؤِیَا

اسم ذات ہے۔ یہ فُعلی کا وزن ہے۔ اس لیے مبنی کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ کبھی ء کو حذف کر کے واؤ کے ساتھ رُؤِیَا بھی کہہ دیتے ہیں۔ اس کا عام اور مشہور معنی ”خواب“ ہے۔ مثلاً فرمایا: ﴿لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰی اِخْوَتِكَ﴾ (12/ یوسف: 5) ”تو مت بیان کر اپنے خواب کو اپنے بھائیوں سے۔“ اور حدیث مبارک میں فرمایا: لَمْ یَبْقَ مِنْ مُّبَشِّرَاتِ النَّبُوَّةِ اِلَّا الرُّؤِیَا۔ یعنی مبشرات نبوت میں سے صرف خواب رہ گئے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ عربی زبان میں رُؤِیَا مصدر بمعنی ”حالت بیداری میں دیکھنا“ اور اسم ذات بمعنی ”نظارہ، منظر“ بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ان معنوں میں قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءِیَا اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 60) ”اور وہ دکھلا دیا جو تجھ کو دکھلایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں کے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ ”ہم نے واقعہ معراج میں جو تماشا (بحالت بیداری) آپؐ کو دکھلایا تھا.....“ (ترجمہ حضرت تھانوی)۔ ”اور ہم نے جو منظر آپؐ کو دکھلایا تھا اسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔ ”صاحب ضیاء القرآن اس آیت میں الرُّؤِیَا کا ترجمہ ”نظارہ“ کرتے ہیں اور حاشیے میں فرماتے ہیں: ”اس آیت میں رُؤِیَا کا لفظ خواب کے معنی میں مستعمل نہیں بلکہ عالم بیداری میں دیکھنے کے لیے مستعمل ہے حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے المراد برؤِیَا ہینا رُؤِیَا عین یہاں رُؤِیَا سے مراد عالم بیداری میں دیکھنا ہے۔ سعید بن جبیر، حسن، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریر اور ان کے علاوہ کثیر التعداد علماء تفسیر کی یہی رائے ہے اور اہل عرب کہتے ہیں رَأٰی بعینی رُؤِیَةً و رُؤِیَا (مظہری)۔“ (ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۶۶۸)

رُءِیَ

اسم ذات ہے۔ ”وہ دکش حالت اور ظاہری لباس جو آنکھوں سے دکھائی دے۔“ (ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۹۳)۔ نمود و نمائش۔ ظاہری سچ دھج۔ یہ رُؤِیَۃ سے مشتق ہے۔ ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَوْمٍ هُمْ اَحْسَنُ اَنْۢثَا وَّ رُءِیَا ۝﴾ (19/ مریم: 74) ”اور کتنی قومیں اُن سے پہلے تھیں جن کو ہم نے برباد کر دیا، وہ ساز و سامان اور ظاہری سچ دھج میں ان سے بہتر تھیں۔“

(افعال) اِرَاعَۃٌ اور اِرَاعَۃٌ اس کا ماضی۔ مضارع اَرٰی۔ یُری استعمال ہوتا ہے۔ دکھانا۔ سمجھانا۔ اس کے عموماً دو مفعول ہوتے ہیں یعنی کس کو دکھایا اور کیا دکھایا اور دونوں بغیر صلے کے آتے ہیں۔ ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِیْ اِبْرٰہِیْمَ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (6/ الانعام: 75) ”اور اس طرح ہم نے دکھائی ابراہیمؑ کو زمین اور آسمانوں کی بادشاہت۔“ ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ مَا اُرِیْكُمْ اِلَّا

مَا آتَى ﴿٤٠/ مومن: 29﴾ ”بولا فرعون میں تو وہی بات سمجھتا ہوں تم کو جو سوچھی مجھ کو۔“ (ترجمہ شیخ الہند)  
ج: اَرْوَا۔ فعل امر ہے۔ تو دکھا۔ تو سمجھا۔ ﴿وَاَرْنَا مَنَايِسِكُنَا﴾ (2/ البقرة: 128) ”اور تو دکھا اور سمجھا ہم کو ہماری عبادت کے طریقے۔“ ﴿هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ط﴾ (31/ لقمان: 11) ”یہ سب کچھ بنایا ہوا ہے اللہ کا اب دکھلاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو اُس کے سوا ہیں۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

(مفاعله) رِئَاءَ اور رِئَاءَ اس کا ماضی۔ مضارع رَأَى۔ يَرَى استعمال ہوتا ہے۔ حقیقت کے خلاف دکھانا۔ دکھاوا کرنا۔ ریا کاری کرنا۔ ﴿يُرَآءُ وَنَ النَّاسِ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (4/ النساء: 142) ”وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور یاد نہیں کرتے اللہ کو مگر تھوڑا سا۔“ ﴿وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ﴾ (4/ النساء: 38) ”اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے۔“

(تفاعل) تَرَاءٍ اس کا ماضی۔ مضارع تَرَاءَى۔ يَتَرَاءَى استعمال ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو دیکھنا۔ آمنے سامنے ہونا۔ ﴿فَلَبَّاتِ تَرَاءَتِ الْفَيْثَيْنِ نَكَصَ عَلَى عَقَبَيْهِ﴾ (8/ الانفال: 48) ”پھر جب آمنے سامنے ہوئیں دو جماعتیں تو وہ پیچھے ہٹا اپنی ایڑیوں کے بل۔“

اللَّهُ (ع ل ه): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ج ہ ر

(ف) جَهْرًا، جَهْرَةً اور اس کا بنیادی مفہوم ہے نمایاں کرنا۔ ظاہر کرنا۔ پھر عام طور پر یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) آواز کو ظاہر کرنا (یعنی بلند کرنا) اور اعلان کرنا تاکہ دوسرے سن لیں۔ (۲) کسی چیز کو دکھانے کے لیے ظاہر کرنا تاکہ وہ کھلم کھلا دکھائی دے۔ چنانچہ آواز کے لیے فرمایا: ﴿سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنَ اسَرَ الْقَوْلَ وَمَنَ جَهَرَ بِهِ﴾ (13/ الرعد: 10) ”برابر ہیں تم میں سے وہ جو چھپائے بات کو اور وہ جو نمایاں کرے اس کو۔“ ﴿ثُمَّ اِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهْرًا﴾ (71/ نوح: 8) ”پھر میں نے دعوت دی ان کو آواز بلند کرتے ہوئے۔“ ﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالشَّوْرِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظَلَمَ ط﴾ (4/ النساء: 148) ”برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا مگر مظلوم کو اجازت ہے۔“ (ترجمہ احسن البیان)۔ اور دیکھنے کے لیے فرمایا: ﴿فَقَالُوا اَرْنَا اللَّهَ جَهْرَةً﴾ (4/ النساء: 153) ”تو انہوں نے کہا تو دکھا ہمیں اللہ کھلم کھلا۔“ اور آیت زیر مطالعہ۔ اور عام مفہوم کے اعتبار سے فرمایا: ﴿يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ٥﴾ (6/ الانعام: 3) ”وہ جانتا ہے تمہارے چھپانے کو اور تمہارے نمایاں کرنے کو اور وہ جانتا ہے جو تم لوگ کماتے ہو۔“  
ج: اَجْهَرُوا۔ فعل امر ہے۔ تو نمایاں کر۔ ﴿وَاسْرُوا قَوْلَكُمْ اَوْ اَجْهَرُوا بِهِ ط﴾ (67/ الملك: 13) ”اور تم لوگ چھپاؤ اپنی بات کو یا نمایاں کرو اس کو۔“

ع خ ذ: البقرة آیت 48 دیکھیں۔ ص ع ق: البقرة آیت 19 دیکھیں۔ ن ظ ر: البقرة آیت 50 دیکھیں۔

ترکیب

”و“ حرف عطف ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْکُرُوا مخدوف ہے۔ قُلْتُمْ، ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ یا حرف ندا ہے۔ اور مُؤْمِلِي، منادئ ہے۔ کُنْ، نواصب مضارع میں سے ہے اس لیے تُوْمِنْ حالت نصب میں ہے اور لَکَ متعلق فعل ہے۔ یاد کر لیجئے اگر اَمِنْ یُوْمِنْ کے ساتھ لُ کا صلہ آئے تو اس سے مراد ہوتی ہے کسی کی بات کو تسلیم کر لینا خواہ اس میں دلی یقین شامل نہ ہو۔ اور اگر بُ کا صلہ آئے تو مراد ہوتی ہے قبی

یقین کے ساتھ کسی کی بات کو ماننا۔ گویا یہاں پر بنی اسرائیل حضرت موسیٰ سے کہہ رہے ہیں کہ تورات کی قلبی تصدیق تو دور کی بات، ہم ظاہری طور پر بھی آپ کی بات اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک ہم علانیہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ لیتے۔ حَتّٰی بھی نواصب مضارع میں سے ہے اس لیے نَزَّی حالت نصب میں ہے۔ نَزَّی فعل اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل، لفظ اللہ اس کا مفعول اور جَهْرَةً حال ہے۔ جَهْرَةً کو قُلْتُمْ کی ضمیر فاعلی کا حال بھی مانا گیا ہے اور لفظ اللہ کا بھی۔ اگر قُلْتُمْ کی ضمیر فاعلی کا حال مانیں تب مطلب ہوگا جب تم نے باوازی بلند کہہ دیا اور اگر لفظ اللہ کا حال مانیں تب مطلب ہوگا جب تک اللہ کو علانیہ یا کھلم کھلا نہیں دیکھ لیتے۔ ہمارے اکثر بزرگوں نے اسے لفظ اللہ کا حال مان کر ترجمہ کیا ہے۔ آگے 'ف' عطف کا ہے۔ اخَذْتُ، واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ کُمْ مفعول ہے اور الضَّعْفَةُ، اس کا فاعل۔ وُحالیہ ہے اور جملہ اسمیہ اَنْتُمْ تَنْظُرُونَ، حال ہے، کُمْ ضمیر کا۔

ترجمہ	وَإِذْ قُلْتُمْ	يٰمُوسٰى	لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ	حَتّٰی نَرٰى
البقرة: 55	اور (یاد کرو) جب تم نے کہا	اے موسیٰ	ہم ہرگز نہیں مانیں گے آپ کی بات	یہاں تک کہ ہم دیکھیں
	اللّٰهُ جَهْرَةً	و	اَنْتُمْ تَنْظُرُونَ	
	اللہ کو علانیہ	اس حال میں کہ	تم دیکھ رہے تھے (اور اس کی مدافعت میں کچھ نہیں کر رہے تھے)	

## نوٹ

مادہ ”رعی“ کی املاء اور استعمال کے متعلق چند باتیں ذہن نشین کر لیں۔

- (۱) ثلاثی مجرد میں اس کا ماضی رَعٰی استعمال ہوتا ہے اور عام عربی میں اسی طرح لکھا جاتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں اسے ”عی“ کو حذف کر کے لکھا گیا ہے جیسے رَاٰکُمْ کِبًا۔
- (۲) ثلاثی مجرد میں اس کا مضارع ہمزہ کو حذف کر کے یُرٰی استعمال ہوتا ہے اور قرآن مجید میں بھی اسے ”عی“ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ البتہ ضمیر مفعولی لگاتے وقت ”عی“ کو حذف کیا گیا ہے جیسے اِنَّکُمْ یُرٰیکُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ۔
- (۳) ثلاثی مجرد میں جمع متکلم کے صیغہ میں مضارع مضموم نَزَّی اور مضارع منصوب نَزَّی، دونوں تبدیل ہو کر نَزَّی ہو جاتے ہیں۔ اس لیے حَتّٰی نَزَّی میں حَتّٰی کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔
- (۴) ثلاثی مجرد میں مضارع کے واحد متکلم کا وزن اَفْعَلْ ہے جبکہ باب افعال میں ماضی کے واحد مذکر غائب کا وزن اَفْعَلَ ہے۔ ان دونوں وزن میں یہ مادہ تبدیل ہو کر آری استعمال ہوتا ہے۔ جملہ کے مفہوم سے ان کا فرق پتہ چلتا ہے۔
- (۵) جمع مذکر حاضر کے صیغہ تَكُوْنُ کے ساتھ جب نْ ثقیلہ لگے تو تَكُوْنُ لکھا جاتا ہے۔ لَتَكُوْنُ الْجَحِیْمَ (الاکثر: 6) اور واحد مؤنث حاضر کے صیغہ تَكُوْنِ کے ساتھ جب نْ ثقیلہ لگے تو تَكُوْنِ بتا ہے۔ فَاَمَّا تَكُوْنِ (مریم: 26)۔ اس کا فعل امر دُ ہے۔

## آیت: 56

﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾

## ب ع ث

(ف)

بَعَثْنَا

اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی کو اٹھا کر کسی طرف بھیجنا۔ اس لیے یہ اٹھانے اور بھیجنے، دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی نسبت جب انسانوں کی طرف ہو تو انہی دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً کہیں گے بَعَثْتُ الْبَعِیْرَ میں نے اونٹ کو اٹھایا اور چلایا اور بَعَثُ الْاِنْسَانِ فِيْ حَاجَةٍ کا مطلب ہوگا کسی کو کسی کام کے لیے بھیجنا۔ اس کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو

تو پھر یہ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) اشیاء کو عدم سے وجود میں لانا، یہ فعل اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ شاید ان معنوں میں فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا (واللہ اعلم)۔

(۲) بھیجنا۔ چنانچہ رسولوں کو بھیجنے کے لیے فرمایا: ﴿فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ﴾ (البقرة: 213) ”تو بھیجا اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر۔“ غیر رسول کو بھیجنے کے لیے فرمایا: ﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ﴾ (7/ الاعراف: 167) ”اور وہ وقت یاد کرو جب آپ کے پروردگار نے یہ جتلا دیا کہ وہ ان یہود پر قیامت کے دن تک کسی ایسے کو مسلط رکھے گا جو انہیں سزائے شدید میں مبتلا رکھے گا۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ عذاب کو بھیجنے کے لیے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ قَوْكُمْ﴾ (6/ الانعام: 65) ”آپ کہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے اس بات پر کہ وہ تم پر بھیج دے عذاب تمہارے اوپر سے۔“ کوئے کو بھیجنے کے لیے فرمایا: ﴿فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا﴾ (5/ المائدة: 31) ”پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوئے کو بھیجا۔“ (۳) مردوں کو زندہ کرنا۔ ﴿فَأَمَّا تِلْكَ الْأُمَّةُ مِائَةً عَامٍ ثُمَّ بَعَثْنَا﴾ (2/ البقرة: 259) ”تو موت دے دی اللہ نے ان کو سوسال کے لیے پھر انہیں زندہ کیا۔“ ﴿وَالَّذِينَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ﴾ (6/ الانعام: 36) ”اور مردوں کو، اللہ ان کو زندہ کرے گا۔“ ﴿فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ﴾ (30/ الروم: 56) ”تو یہ ہے دوبارہ جی اٹھنے کا دن۔“ یہ صفت اللہ تعالیٰ کبھی اپنے خاص بندوں کو بھی عطا فرما دیتا ہے جیسے کہ حضرت عیسیٰ۔

(۴) نیند سے اٹھانا۔ ﴿ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ﴾ (18/ الکہف: 12) ”پھر ہم نے ان کو جگا دیا۔“ ﴿ثُمَّ يَبْعَثُكُمُ فِيهِ﴾ (6/ الانعام: 60) ”پھر وہ تم کو جگا دیتا ہے اس (دن) میں۔“ (۵) کھڑا کرنا، جگہ دینا۔ ﴿عَلَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 79) ”قريب ہے کہ کھڑا کر دے تجھ کو تیرا رب مقام محمود میں۔“ (ترجمہ الہند) ”عجب کیا کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں جگہ دے۔“ (ترجمہ ماجدی) (۶) مقرر کرنا۔ ﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا﴾ (5/ المائدة: 12) ”اور ہم نے انہی میں سے بارہ سردار مقرر کیے۔“ ﴿إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا﴾ (2/ البقرة: 247) ”بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔“

ج: اِبْعَثُوا۔ فعل امر ہے۔ تو اٹھا۔ تو بھیج۔ ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾ (2/ البقرة: 129) ”اے ہمارے رب! اور تو بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے۔“ ﴿فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا﴾ (4/ النساء: 35) ”تو ایک منصف اس مرد کے گھر والوں میں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو۔“

ج: مَبْعُوثٌ۔ اسم المفعول ہے۔ اٹھایا ہوا۔ بھیجا ہوا۔ ﴿عَاثَنَا كَبْعُوثُونَ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 49) ”کیا ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔“ ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ﴾ (6/ الانعام: 29) ”اور ہم اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔“ یعنی ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ مردوں کے لیے اس کا استعمال بمعنی جی اٹھانا ہے۔

(انفعال) اِنْبَعَاثًا۔ اٹھنا۔ جانا۔ ﴿إِذْ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا﴾ (91/ الشمس: 12) ”جب اٹھا ان میں سے زیادہ بد بخت۔“ ﴿لَكِنَّ كَرِهَ اللَّهُ اِنْبَعَاثَهُمْ﴾ (9/ التوبة: 46) ”لیکن ناپسند کیا اللہ نے اُن کے کھڑے ہونے کو۔“

## ترکیب

ثُمَّ حرف عطف ہے بَعَثْنَا فعل، اس میں شامل ضمیر نَحْنُ اس کا فاعل اور کُمْ اس کا مفعول ہے۔ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ متعلق فعل ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، کُمْ اس کا اسم اور جملہ فعلیہ تَشْكُرُونَ اس کی خبر ہے۔

ترجمہ	ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ	مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ	لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٧﴾
البقرة: 56	پھر ہم نے اٹھایا تم کو (یعنی زندہ کیا)	تمہاری موت کے بعد	تاکہ تم شکر ادا کرو

## آیت: 57

﴿وَضَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰ وَ السَّلْوٰى ط كَلُواْ مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ط وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِن كَانُواْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٨﴾﴾

ظ ل ل

(س) ظَلَاً، ظُلُوّاً (۱) ہمیشہ رہنا۔ دن کے لیے استعمال ہو جیسے ظَلَّ الیوم تو مراد ہوتی ہے دن کا سایہ دار ہونا یا سارا دن سایہ رہنا۔ (۲) ظَلَّ، يَظْلُ، افعال ناقصہ میں سے بھی ہے۔ ان معنوں میں اس کے معنی ہوتے ہیں دن میں کسی کام کو کرنا یا سارا دن ایک جیسی حالت رہنا۔ پھر یہ صَاد (ہو جانا) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس وقت دن کی تخصیص نہیں رہتی۔ ان معنوں میں اس کے بعض صیغے کبھی صرف ایک لام کے ساتھ بھی لکھے جاتے ہیں۔ ﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا﴾ (16/ النحل: 58) ”اور جب کبھی خوشخبری دی جاتی ہے ان کے کسی ایک کو بیٹی کی تو ہو جاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ۔“ ﴿وَأَنظُرْ إِلَىٰ إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا﴾ (20/ طہ: 97) ”اور تو دیکھ اپنے معبود کی طرف جس پر تو ہوا اعتکاف کرنے والا۔“

ج: ظَلَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ (۱) سایہ۔ اس کی ضد ضِحٌّ (دھوپ) ہے۔ ہر وہ جگہ جہاں دھوپ نہ پہنچے اسے ظِلٌّ کہتے ہیں نیز ہر ڈھانپ لینے والی چیز کو بھی ظِلٌّ کہہ دیا جاتا ہے۔ (۲) عزت و حفاظت، ہر قسم کی خوشحالی۔ ﴿الْكَمْ تَرَىٰ إِلَىٰ رَيْبِكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ (25/ الفرقان: 45) ”کیا آپ نے دیکھا نہیں اپنے رب کی (قدرت کی) طرف کیسے اس نے پھیلا یا سائے کو۔“ ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ وَعِوْنٍ﴾ (77/ المرسلات: 41) ”متقی لوگ آج سایوں اور چشموں میں ہیں۔“ (ترجمہ تفہیم القرآن) ”پرہیزگار ہر طرح سے عزت و حفاظت میں ہوں گے۔“ (امام راغب)

ج: ظُلَّةٌ۔ اسم ذات ہے۔ وہ چیز جس سے سایہ کیا جائے۔ بادل۔ سائبان۔ ﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ﴾ (7/ الاعراف: 171) ”اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ کو ان کے اوپر جیسے کہ وہ سائبان ہے۔“ ﴿وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلِّ دَعَا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (31/ لقمان: 32) ”اور جب چھا جاتی ہیں ان پر موجیں سائبانوں کی طرح تو وہ پکارتے ہیں اللہ کو، خالص کرتے ہوئے اس کے لیے دین کو۔“

فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشگی والا سایہ۔ گھنی چھاؤں۔ سایہ دینے والا۔ ﴿لَهُمْ فِيهَا زُجُجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَ نُذِخْ لَهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا﴾ (4/ النساء: 57) ”ان کے لیے اس میں پاک جوڑے ہیں اور ہم داخل کریں گے ان کو گھنی چھاؤں میں۔“ ﴿لَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ الْهَبِّ﴾ (77/ المرسلات: 31) ”جو دراصل نہ سایہ دینے والا ہے اور نہ شعلے سے بچا سکتا ہے۔“ (ترجمہ حسن البیان)

(تفعیل) تَظْلِيلًا

کسی پر کسی چیز کا سایہ کرنا۔ امان دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

غ م م

(ن)

عَمَّا

کسی چیز کو ڈھانپ دینا۔ غمگین کرنا (یعنی خوشی کو ڈھانپ دینا)۔

عَمُّ

اسم ذات ہے۔ رنج۔ بے چینی۔ ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ط﴾ (21/ الانبیاء: 88) ”تو ہم نے سُن لی اس کی اور ہم نے نجات دی اس کو غم سے۔“

عُمَّةٌ

صفت ہے۔ پوشیدہ۔ مُبْهِم۔ مُشْتَبِه۔ ﴿ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً﴾ (10/ یونس: 71) ”پھر نہ رہے تم کو اپنے کام میں شبہ۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”پھر وہ تمہاری تدبیر تمہارے حق میں پوشیدہ نہ رہے۔“ (ترجمہ ماجدئی)

عِبَامَةٌ

ج: عِبَامَةٌ۔ اسم ذات ہے۔ بادل۔ کیونکہ یہ سورج کی روشنی کو ڈھانپ دیتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

ن ذ ل: البقرة آیت 4 دیکھیں۔

م ن ن

(ن)

مَنَّا، مِنَّةً

(۱) کسی پر وزن یا بوجھ ڈالنا۔ اس بنیادی مفہوم سے پھر دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کسی پر احسان کرنا۔ (ب) احسان جتنا۔ ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ﴾ (3/ آل عمران: 164) ”اللہ نے احسان کیا ہے ایمان لانے والوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہی میں سے۔“ ﴿يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ﴾ (49/ الحجرات: 17) ”وہ لوگ احسان جتاتے ہیں آپ پر کہ وہ اسلام لائے۔ آپ کہیے تم احسان مت جتاؤ مجھ پر اپنے اسلام کا۔“

(۲) کم کرنا۔ منقطع کرنا۔ ختم کرنا۔ کمزور کرنا۔

أَمْنٌ

فعل امر ہے۔ تو احسان کر۔ ﴿هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (38/ ص: 39) ”یہ ہماری بخشش ہے۔ پس تو احسان کریا رو کے رکھ کسی حساب کے بغیر۔“

مَنْ

اسم ذات ہے۔ (۱) مقررہ وزن یعنی ایک من۔ (۲) احسان۔ انعام۔ (۳) ایک قسم کی شبنم جو پتھروں اور درختوں پر شہد کی مانند جم کر خشک ہو جاتی تھی، جسے اللہ تعالیٰ نے صحرائیں بنی اسرائیل کے کھانے کے لیے نازل کیا تھا (اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان تھا)۔ یہ ذائقے میں میٹھی تھی۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتَكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ﴾ (2/ البقرة: 264) ”اے ایمان والو! تم باطل مت کرو اپنے صدقات کو احسان سے اور تکلیف سے۔“ یعنی احسان جتا کر اور تکلیف دے کر۔ اور آیت زیر مطالعہ۔

مَمْنُونٌ

اسم المفعول ہے۔ (۱) جس پر احسان کیا گیا۔ (۲) جب یہ مصدری معنی نمبر ۲ سے ہو تو مطلب ہوگا جسے ختم کیا گیا، جسے منقطع کیا گیا اور غَیْزُ مَمْنُونٍ کا مطلب ہوگا غَیْزُ مَقْطُوعٍ یعنی جو ختم نہ ہو، جو منقطع نہ ہو اور بعض بزرگوں نے غَیْزُ مَمْنُونٍ کا ترجمہ ”بے شمار“ اور ”بغیر عمل“ بھی کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ﴿لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾ (41/ الحَمْد السجدة: 8) ”ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔“ (ترجمہ ماجدئی)

مَنُونٌ

فَعُولٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ (۱) بہت زیادہ احسان جتانے والا۔ (۲) موت۔ کہا جاتا ہے ذَهَبَتْ بِهِمُ الْمُنُونُ، موت نے ان کو تباہ کر دیا۔ (۳) زمانہ۔ رَيْبُ الْمُنُونِ۔ حوادثِ زمانہ۔ رَيْبُ کا استعمال جب مَنُونٌ (زمانہ) کے ساتھ ہو تو اس سے گردشِ زمانہ یا حوادثِ زمانہ مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ زمانہ کی گردشوں کے تعین اوقات میں شک رہتا ہے کہ خدا جانے کب گردش کا وقت آجائے، اس لیے یہ معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ اور گردشِ زمانہ سے مراد ہے کسی کی اچھی حالت بری حالت سے تبدیل ہو جائے۔ انسان کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ یا گردش، انسان کی موت ہوتی ہے اس لیے رَيْبُ الْمُنُونِ سے حادثہ موت بھی مراد لیا جاتا ہے۔ حادثہ موت میں رَيْبُ یعنی شک سے یہ مراد نہیں کہ موت واقع ہونے میں شک و شبہ ہے بلکہ اس لحاظ سے رَيْبُ کہا جاتا ہے کہ موت کا وقت طے نہیں، اس لیے انسان تردد میں رہتا ہے کہ نہ جانے کب موت کا وقت آجائے۔ عربی زبان میں رَيْبُ الْمُنُونِ کا محاورہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے کے برے انجام کا منتظر ہو۔ ﴿أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ مِّثْلُ بَعْضِ رَيْبِ الْمُنُونِ﴾ (52/ الطور: 30) ”کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے ہم منتظر ہیں اُس پر گردشِ زمانہ کے۔“ (ترجمہ شیخ ابند)

سَلَوٰی

بٹیر کی قسم کے ایک پرندے کو سَلَوٰی کہتے ہیں۔ امام راغبؒ نے اسے مادہ س ل و کے تحت بیان کیا ہے اور فرماتے ہیں ”السَّلَوٰی اصل میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے لیے تسلی کا باعث ہو۔ اسی سے السَّلَوٰنُ وَالتَّسْلِيَةُ ہے جس کے معنی اطمینان اور راحت کے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

ءك ل: البقرة آیت 35 دیکھیں۔

ط ی ب

(ض)

طَيِّبًا

نفس و پاکیزہ ہونا۔ حلال ہونا۔ کسی چیز سے دل کا خوش ہونا۔ پسند ہونا۔ ﴿قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا﴾ (39/ الزمر: 73) ”ان سے کہا اس کے دربان نے السلامُ علیکم، تم پاکیزہ رہے پس تم اس (جنت) میں داخل ہو جاؤ۔“ ﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ (4/ النساء: 3) ”تو تم نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں عورتوں میں سے۔“ یہ فعل التفضیل میں واحد مونث کا صیغہ فَعْلٰی ہے۔ اصل میں طَيِّبٰی تھا۔ ’ی‘ میں تبدیل ہو کر طَوْبٰی بن گیا۔ اس کے معنی ہوتے ہیں بہت عمدہ، بہت پاکیزہ، خوشحالی۔ حضرت ابن عباسؓ کے مطابق اس کا معنی ہے ”دل کی خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک“۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنت کے ایک درخت کا نام بھی طوبٰی ہے۔ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبٰی لَهُمْ وَحَسُنَ مَا يَمِيزُ﴾ (13/ الرعد: 29) ”جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے اچھے تو خوشحالی ہے ان کے لیے اور اچھا انجام ہے۔“ حدیث پاک میں ہے: طُوبٰی لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيرًا (وارے نیارے اس شخص کے جو اپنے نامہ اعمال میں زیادہ استغفار پائے) او کما قال۔

طَيِّبٌ

ج: طَيِّبُونَ۔ صفت ہے۔ پاک۔ پاکیزہ۔ حلال۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں ”اصل میں طَيِّبٌ وہ چیز ہے کہ جس سے حواس لذت اٹھائیں اور جی مزہ پائے۔“ ﴿وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (5/ المائدة: 88) ”اور کھاؤ اُس سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے حلال اور پاکیزہ۔“ ﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ نَبَاتًا بِإِذْنِ رَبِّهِ﴾ (7/ الاعراف: 58) ”اور پاکیزہ شہر، نکلتا ہے اس کا سبزہ اس کے رب کی اجازت سے۔“ ﴿وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ﴾ (24/ النور: 26) ”اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہیں۔“ اور انسانوں میں ”طَيِّبٌ“ وہ ہیں کہ جو جہالت اورہ



بد اعمالیوں کی نجاست سے پاک ہوں اور علم و ایمان اور اعمالِ صالحہ سے آراستہ ہوں۔

طَيْبَةً

ج: طَيِّبَاتٌ - طَيِّبٌ کی مونث۔ پاک۔ پاکیزہ۔ حلال۔ ﴿قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً﴾  
(3/ آل عمران: 38) ”حضرت زکریاؑ نے عرض کی اے میرے رب عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد۔“  
﴿الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ﴾ (5/ المائدة: 5) ”آج حلال کر دی گئیں ہیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں۔“ اور  
آیت زیر مطالعہ۔

طَيْبٌ خوشبو۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

رزق: البقرة آیت 3 دیکھیں۔ ظل مر: البقرة آیت 17 دیکھیں۔ لک ون: البقرة آیت 10 دیکھیں۔  
ن ف س: البقرة آیت 9 دیکھیں۔

ترکیب

’وَعُطِفَ‘ کا ہے۔ ظَلَلْنَا فعل، اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے۔ عَلَيْنَا متعلق فعل ہے اور اَلْغَمَامُ اس کا مفعول ہے۔ اسی طرح اَنْزَلْنَا فعل ہے اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے۔ عَلَيْنَا متعلق فعل ہے اور اَلْمَنِّ وَالسَّلْوٰی اس کے مفعول ہیں۔ كَلُّوا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ آگے مرکب جاری مِنْ طَيِّبَاتٍ مَا رَزَقْنٰكُمْ متعلق فعل ہے۔ اس میں طَيِّبَاتٍ مضاف ہے اور مِنْ کی وجہ سے مجرور ہے اور ’مَا‘ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ رَزَقْنٰكُمْ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مضاف الیہ ہیں۔ آگے ’مَا‘ نافیہ ہے اور ظَلَلُوا ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور ’نَا‘ ضمیر مفعولی ہے۔ ضمیر مفعولی ’نَا‘ لگنے سے ظَلَمُوا کا آخری الف گر گیا (واو الجمع)۔ نوٹ کر لیجئے اگر یہ ماضی کا جمع متکلم کا صیغہ ہوتا تو پھر ظَلَمْنَا آتا۔ لٰكِن، لٰكِنْ کا مخفف ہے اور اس کی تفصیل آیت 12 کے آخر میں دیکھیں۔ كَلُّوا افعال ناقصہ میں سے ہے اس کا اسم اس میں شامل ضمیر ’هُمْ‘ ہے اور جملہ فعلیہ يَظْلِمُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اس کی خبر ہے۔ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ کا مفعول ہے اور اس کو تاکید کے لیے مقدم کر دیا گیا ہے۔ كَانْ جب مضارع پر داخل ہو تو ماضی استمراری کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

و ظَلَلْنَا	عَلَيْنَا	اَلْغَمَامُ	و اَنْزَلْنَا	عَلَيْنَا
اور ہم نے سایہ فگن کیا	تم پر	بادلوں کو	اور ہم نے اتارا	تم پر
اَلْمَنِّ وَالسَّلْوٰی ط	كَلُّوا	مِنْ طَيِّبَاتٍ مَا	رَزَقْنٰكُمْ ط	
من اور سلوئی	تم کھاؤ	اس کے پاکیزہ سے جو	ہم نے عطا کیا تم کو	
وَمَا ظَلَمُوْنَا	وَلٰكِن	كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝		
اور انہوں نے ظلم نہیں کیا ہم پر	اور لیکن (بلکہ)	وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کیا کرتے تھے		

ترجمہ

البقرة: 57

نوٹ

آسان عربی گرامر (از لطف الرحمن خان صاحب) میں آپ كَانْ اور كَيْسْ پڑھ چکے ہیں۔ یہ جب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں تو خبر کو نصب دیتے ہیں۔ خبر کو نصب دینے والے تقریباً گیارہ مزید افعال ناقصہ عربی میں استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں سے صرف ظَلَّ، اَصْبَحَ، مَا ذَالَ، مَا دَامَ، مَا بَرِحَ اور مَا فَتِحَ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ ان میں سے ظَلَّ کی تفصیل آپ آیت زیر مطالعہ میں پڑھ چکے ہیں۔ باقی افعال کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے اور یہ بات بھی دوبارہ یاد کر لیجئے کہ ان افعال میں سے كَيْسْ اور مَا دَامَ کے صرف ماضی کے صیغے استعمال ہوتے ہیں اور باقی تمام کے ماضی اور مضارع دونوں استعمال ہوتے ہیں۔

اَصْبَحَ۔ يُصْبِحُ (باب افعال) میں اصل مفہوم ہے، صبح کے وقت ہو جانا لیکن پھر زیادہ تر صرف ہو جانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فَالْقَافَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبِرْتُمْ بِنِعْمَةِ إِخْوَانِكُمْ﴾ (3/ آل عمران: 103) ”پھر اس نے الفت پیدا کی تمہارے دلوں کے مابین تو تم ہو گئے اس کی نعمت سے بھائی بھائی۔“ ﴿فَتَصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (49/ الحجرات: 6) ”تو تم ہو جاؤ گے اس پر جو تم نے کیا ندامت کرنے والے۔“ کَانَ کی طرح اَصْبَحَ بھی ”تامہ“ ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں ”صبح کرنا“ یا ”صبح کے وقت آنا“ مثلاً کہیں گے اَصْبَحْنَا بِالْخَيْرِ ہم نے خیریت سے صبح کی۔ اَصْبَحَ عَلَيْهِمُ الظُّلُوفَانُ صبح کے وقت ان پر طوفان آیا۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿فَاصْبِحْ فِي الْمَدِينَةِ﴾ (28/ القصص: 18) ”پھر اس نے (یعنی حضرت موسیٰ نے) صبح کی شہر میں۔“ ﴿فَسُبْحَنَّ اللَّهُ جِئْنَا نَسْمُونَ وَجِئْنَا نَصْبِحُونَ﴾ (30/ الروم: 17) ”سو پا کی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔“

زَالِ- يَزَالُ (ف) کے معنی ہیں زائل ہونا۔ اس سے پہلے جب مَا نَافِيہ یا لَا لگتا ہے تو معنی ہوتے ہیں زائل نہ ہونا۔ پھر یہ ہمیشہ ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فَمَا زِلْنَاهُ فِي شَاكٍ مِّمَّا جَاءَكُمْ بِهِ ط﴾ (40/ مومن: 34) ”تو تم ہمیشہ شک میں رہے اس سے جو وہ لایا تمہارے پاس۔“ ﴿وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ﴾ (2/ البقرہ: 217) ”اور وہ ہمیشہ قتال کرتے رہیں گے تم سے یہاں تک کہ وہ پھیر دیں تم کو تمہارے دین سے۔“

مَا دَامَ میں اصل فعل دَامَ ہے جس کے معنی ہیں ہمیشہ کے لیے ہو جانا یا رہنا اس کے ساتھ جو مَا لگا ہے۔ یہ مَا ظرفیہ ہے یعنی اس میں ظرف (وقت) کا مفہوم ہے جس کے معنی ہیں ”جب تک۔“ اس طرح مَا دَامَ کا مطلب ہو جاتا ہے ”وہ جب تک رہا۔“ ﴿وَأَوْصِنِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ﴾ (19/ مریم: 31) ”اور اس نے مجھے تاکید کی نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں زندہ۔“

بَرَح۔ یَبْرَح (س) اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو چھوڑ دینا یا کسی جگہ سے ہٹ جانا۔ جب اس کے ساتھ ’لا‘ یا ’کُنْ‘ لگتا ہے تو نفی پیدا ہو جاتی ہے یعنی کسی چیز کو نہ چھوڑنا یا کسی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اس طرح اس میں بیشکی کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے اور یہ ہمیشہ حَتَّىٰ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً فرمایا: ﴿قَالُوا كُنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عَظْفِرٌ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ﴾ (20/طہ: 91) ”قوم نے کہا ہم تو اس کی عبادت پر جے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ آئیں ہماری طرف موسیٰ۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

فَتِیَّ- یَفْتِنُ (س، ف) اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی کو کسی کام سے روکنا۔ جب اس کے ساتھ ’لا‘ یا ’مَا‘ نافیہ لگتا ہے تو مطلب ہوتا ہے کسی کو کسی کام سے نہ روکنا۔ اس سے ہیئگی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے یعنی وہ ہمیشہ کرتا رہا یا کرتا رہے گا۔ قرآن مجید میں یہ فعل، افعال ناقصہ کی صورت میں صرف ایک مرتبہ سورہ یوسف کی آیت 85 میں استعمال ہوا ہے اور وہاں بھی ’لا‘ محذوف ہے۔ ﴿قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتُوۡنَ اَ تَذٰکُرُ یٰۤوۡسُفَ﴾ (12/ یوسف: 85) ”انہوں نے کہا اللہ کی قسم آپ ہمیشہ کرتے رہیں گے یوسفؑ کا تذکرہ۔“ (واللہ اعلم)۔

افعال ناقصہ کی مزید تفصیل عربی کا معلم، حصہ سوم سے ایک نظر دیکھ لیں۔

## آیت: 58

﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَاَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ ۖ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٩﴾﴾

اِذْ: البقرة آیت 30، دیکھیں۔ ق و ل: البقرة آیت 8، دیکھیں۔

د خ ل

(ن) دُخْلًا (داخل ہونا (لازم)۔ اس کی ضد خروج (نکلنا) ہے۔ یہ لفظ ظاہری اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً فرمایا:

﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ (3/ آل عمران: 97) ”اس میں واضح نشانیاں ہیں، ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے اور جو داخل ہوا اس میں وہ ہے امن میں ہونے والا۔“ ﴿وَلَبَّائِكُمْ خَلِّ إِلَيْكُمُ فِي فُجُورِكُمْ﴾ (49/ الحجرات: 14) ”اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔“ اس کے ساتھ جب علیؑ کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کی خدمت میں حاضر ہونا، کسی کی زیارت کرنا، یا کسی پر حملہ کرنا۔ مثلاً فرمایا: ﴿وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ﴾ (12/ يوسف: 58) ”اور ایک روز آنکے برادرانِ یوسفؑ اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَعَمَّ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبُيُوتَ﴾ (5/ المائدة: 23) ”کہاں دو مردوں نے اللہ سے ڈرنے والوں میں سے کہ خدا کی نوازش تھی ان دو پر گھس جاؤ ان پر حملہ کر کے دروازہ میں۔“ (ترجمہ شیخ البند)۔ اس صورت میں اس کا فعل مجہول بھی استعمال ہو جاتا ہے مثلاً فرمایا: ﴿وَكُوْدُخِلْتُ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا﴾ (33/ الاحزاب: 14) ”اور اگر مدینے کے اطراف سے ان پر (لشکر) داخل کیے جاتے۔“ (ترجمہ حسن البیان)۔ لیکن اکثر بزرگوں نے آیت میں دُخِلْتُ کا ترجمہ فعل معروف کے لحاظ سے کیا ہے۔ مثلاً ”اور اگر شہر میں کوئی گھس آئے ان پر۔“ (ترجمہ شیخ البند)، ”اور اگر ان (لوگوں) پر (مدینہ کے) اطراف سے کوئی (لشکر) کافروں کا آگھسے۔“ (ترجمہ ماجدی)، ”اگر گھس آتے (کفار کے لشکر) ان پر مدینہ کے اطراف سے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (واللہ اعلم)۔ اس کے ساتھ ب کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے داخل کرنا اور دَخَلَ بِأَمْرٍ عِتْہ، کنایہ بیوی سے ہم بستری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَرَبَّائِبُكُمُ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ إِذْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ (4/ النساء: 23) ”اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں (پرورش پا رہی) ہیں اُن بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے صحبت نہ کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حرج نہیں تم پر (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں)۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اُدْخُلْ

ج: اُدْخُلُوا۔ فعل امر ہے۔ تو داخل ہو۔ ﴿قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ﴾ (36/ یس: 26) ”کہا گیا تو داخل ہو جا جنت میں۔“ ﴿وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّٰخِلِينَ﴾ (66/ التحريم: 10) ”اور کہا گیا تم دونوں داخل ہو آگ میں، داخل ہونے والوں کے ساتھ۔“ اور آیت زیر مطالعہ۔

دَاخِلٌ

ج: دَاخِلُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ داخل ہونے والا۔ اوپر آیت نمبر (66/ التحريم: 10) دیکھیں۔ ﴿فَإِنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ﴾ (5/ المائدة: 22) ”پھر اگر وہ وہاں سے نکل گئے، تو ہم داخل ہوں گے۔“ عقل یا جسم میں خرابی داخل ہونا۔

دَخَلًا

(س)

دَخَلٌ

اسم ذات ہے۔ عقل یا جسمانی خرابی۔ فساد۔ چھپی ہوئی دشمنی۔ فریب۔ خاندانی عیب یعنی وہ لوگ جو اپنے آپ کو کسی کی جانب منسوب کرتے ہوں اور فی الحقیقت ان میں سے نہ ہوں۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا آيَاتِنَاكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ﴾ (16/ النحل: 94) ”اور اپنی قسموں کو باہمی فساد کا ذریعہ نہ بناؤ۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ ”اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں فریب دینے کا ذریعہ۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

ادْخَالًا

(افعال)

داخل کرنا۔ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ﴾ (4/ النساء: 57) ”اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے بھلے، ہم داخل کریں گے ان کو باغات میں۔“

اُدْخِلْ

ج: اُدْخِلُوا۔ فعل امر ہے۔ تو داخل کر۔ ﴿وَاُدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ﴾ (27/ النمل: 19) ”اور تو

داخل کر مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے صالح بندوں میں۔“ ﴿ادْخُلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (40/ مؤمن: 46)  
”تم داخل کر دو فرعون کیوں کو سخت ترین عذاب میں۔“

اسم المفعول ہے جو ظرف کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ داخل کیا ہوا یا داخل کرنے کی جگہ۔ ﴿نَكَفَر عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَ  
نُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا﴾ (4/ النساء: 31) ”تو ہم دور کریں گے تم سے تمہاری برائیوں کو اور ہم داخل کریں گے تم کو  
باعزت داخل کرنے کی جگہ میں۔“

مُدْخَلٌ

کسی جگہ مشقت سے داخل ہونا۔ گھسنا۔

(افتعال) اِدْخَالًا

اسم المفعول جو بطور ظرف استعمال ہوتا ہے۔ گھسنے کی جگہ۔ ﴿لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأًا أَوْ مَغْرَبًا أَوْ مُدْخَلًا﴾  
(9/ التوبة: 57) ”اگر وہ لوگ پائیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا کوئی گھسنے کی جگہ۔“

مُدْخَلٌ

ق ر ی

جمع کرنا۔ کہتے ہیں قَرْيَتُ الْمَاءِ فِي الْحَوْضِ۔ میں نے حوض میں پانی جمع کر دیا۔

(ض) قَرْيٌ اور قَرْيَا

ج: قَرْيٌ۔ جب لام تعریف داخل ہو تو الْقَرْيُ۔ اسم ذات ہے۔ جہاں انسان جمع ہو کر آباد ہو جائیں۔ اس مفہوم  
میں یہ لفظ بستی اور بستی والوں، دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ﴾ (4/ النساء: 75)  
”اے ہمارے رب تو نکال ہم کو اس بستی سے۔“ ﴿وَسَعَلَ الْقَرْيَةُ الْيَتِي كُنَّا فِيهَا﴾ (12/ يوسف: 82) ”اور آپ پوچھ  
لیجئے اس بستی والوں سے جس میں ہم تھے۔“ ﴿لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَبِيعًا إِلَّا فِي قَرْيٍ مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ﴾  
(59/ الحشر: 14) ”یہ لوگ نہیں لڑیں گے تم سے جم کر مگر قلعہ بند شہروں میں یا دیواروں کے پیچھے سے۔“ ﴿وَتِلْكَ الْقَرْيُ  
أَهْلُكُنَّهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا﴾ (18/ الکہف: 59) ”اور یہ بستیوں والے، ہم نے ہلاک کیا ان کو جب انہوں نے ظلم کیا۔“ ﴿وَ  
لِنُنْذِرَ أُمَّ الْقَرْيِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (6/ الانعام: 92) ”اور تاکہ آپ ڈرائیں مکہ والوں کو اور جو اُس کے ارد گرد  
ہیں۔“ اُمُّ الْقَرْيِ: مکہ معظمہ کا دوسرا نام ہے۔ ام القری کے معنی بستیوں کی اصل اور جڑ کے ہیں۔ یا مرکزی بستی کے۔  
مکہ معظمہ چونکہ ساری دنیا کا دینی مرکز ہے۔ تمام روئے زمین پر خدا کا پہلا گھر وہیں بنا۔ اور قبلہ اول ہونے کا شرف اسی  
کو حاصل ہوا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی تمام عرب کا دینی و دنیوی مرجع تھا اور آج بھی نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم اسلامی  
کا۔ ان وجوہ سے قرآن مجید نے مکہ معظمہ کو ام القری کہا ہے۔ (لغات القرآن، ج ۱، ص ۷۳۷)

ع ل: البقرة آیت 35 دیکھیں۔ حَبِثٌ: البقرة آیت 35 دیکھیں۔ ش ی ع: البقرة آیت 20 دیکھیں۔  
ر غ د: البقرة آیت 35 دیکھیں۔

بَابٌ

ج: أَبْوَابٌ۔ دروازہ۔

س ج د: البقرة آیت 34 دیکھیں۔

ح ط ط

(ن) حَطَّاً۔ اترنا۔ نازل ہونا۔ (لازم)۔ کسی چیز کو اوپر سے نیچے اتارنا یا کسی کا بوجھ اتارنا (متعدی)۔ کہا جاتا ہے حَطَّطْتُ  
الرَّحْلَ میں نے سواری سے پالان اتار کر نیچے رکھ دیا۔

(استفعال) اسْتَحْطَاكَ

بوجھ اتارنے کی درخواست کرنا۔

حِطَّةً

اسم ذات ہے۔ بوجھ اتارنے کی درخواست یا دعا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ گناہوں کا بوجھ اتارنے کی دعا کے لیے آیا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔ اس سے مراد ہے حُطَّ عَنَّا ذُنُوبَنَا یعنی اے اللہ ہمارے گناہ ہم سے اتار دے اور بعض بزرگوں نے اس سے مراد لی ہے قُولُوا صَوَابًا یعنی صحیح بات کہنا۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ”حِطَّةً کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ خدا سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے جانا، دوسرے یہ کہ لوٹ مار اور قتل عام کے بجائے بستی کے باشندوں میں درگزر اور عام معافی کا اعلان کرتے جانا۔“ اور مولانا عبدالمجید دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ”قُولُوا حِطَّةً سے یہ مراد نہیں کہ بعینہ لفظ حِطَّةً کا تلفظ ادا کرتے جاؤ۔ یہ لفظ تو عربی ہے، اور اسرائیلیوں کی زبان عربی نہیں۔ عبرانی تھی۔ مراد یہ ہے کہ انہیں زبان سے بھی کلمات توبہ واستغفار ادا کرتے رہنے کا حکم ملا تھا۔“

غ ف ر

(ض)

غَفَّرَ اور غَفَّرَانَا

اس کا بنیادی مفہوم ہے ڈھانپ دینا، چھپا دینا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ غَفَرَ کے معنی ہیں کسی چیز پر کوئی ایسی چیز پہنا دینا جو اسے میل کچیل اور دوسری نقصان دہ چیزوں سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ عربی میں کہتے ہیں (غَفَرَ تَوْبَكَ فِي الْوَعَاءِ) اپنے کپڑوں کو تھیلے وغیرہ میں ڈال کر چھپا دو۔ اسی طرح کہتے ہیں غَفَرَ الشَّبَابَ بِالْخَضَابِ اس نے خضاب سے بالوں کی سفیدی کو چھپا دیا۔ اَلْغَفَرُ لوہے کے خود (لوہے کی ٹوپی) کو کہتے ہیں جو دوران جنگ سپاہی سر پر پہن لیتے ہیں جس سے سردشمن کے وار سے محفوظ رہتا ہے۔ اَلْغَفَاةُ اُس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے عورتیں اپنے ڈوپٹے کو تیل سے بچانے کے لیے اس کے نیچے سر پر اوڑھ لیتی ہیں اور اس کپڑے کو بھی کہتے ہیں جس سے کمان کے گوشے کو لپیٹتے ہیں اور اس بادل کو بھی جو دوسرے بادل پر چھایا ہوا ہو۔ ان تمام بنیادی مفاہیم کے ساتھ یہ لفظ جب قرآن و سنت میں اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا بندے کے گناہوں کو چھپا دینا، ڈھانپ دینا یا بندے کو گناہوں کی سزا سے محفوظ رکھنا۔ پھر اردو میں اس کا ترجمہ معاف کر دینا اور بخش دینا سے کیا جاتا ہے۔ ﴿وَمَنْ يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى﴾ (3/ آل عمران: 135) ”اور کون بخشتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا۔“ یہ لفظ بندوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً فرمایا: ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ (42/ الشوری: 43) ”اور بے شک جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو یقیناً یہ جوصلے کے کاموں میں سے ہے۔“ کبھی یہ لفظ ظاہری طور پر درگزر کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے چاہے دل سے معاف نہ بھی کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ﴾ (45/ الباقیہ: 14) ”آپؐ کہیے ان لوگوں سے جو ایمان لائے کہ وہ لوگ درگزر کریں ان سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی یعنی بدلے کے دن کی۔“

إِغْفِرْ

فعل امر ہے۔ تو بخش دے۔ تو درگزر کر۔ ﴿رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ﴾ (23/ المؤمنون: 118) ”اے میرے رب تو بخش دے اور تو رحم فرما۔“

غَافِرٌ

ج: غَافِرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ معاف کرنے والا۔ ﴿غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾ (40/ المؤمن: 3) ”معاف کرنے والا گناہ کا اور قبول کرنے والا توبہ کا۔“

اسم المبالغہ ہے۔ بہت زیادہ یعنی دل کھول کر بخشنے والا۔ یہ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (2/ البقرہ: 173) ”بے انتہا بخشنے والا ہے ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔“

اسم المبالغہ ہے۔ کثرت سے یعنی بار بار بخشنے والا۔ یہ بھی اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿وَرَأَيْتُ لَغَفَّارًا لِّمَن تَابَ وَامَنَّ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ﴾ (20/ طہ: 82) ”اور یقیناً میں کثرت سے بخشنے والا ہوں اس کو جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل کیے نیک پھر اس نے ہدایت پائی۔“

اسم ذات ہے۔ معافی۔ بخشش۔ ﴿وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ﴾ (2/ البقرہ: 221) ”اور اللہ بلاتا ہے جنت اور مغفرت کی طرف۔“

تول اور عمل سے معافی مانگنا۔ قول اور عمل سے بخشش طلب کرنا۔ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہوتی ہے چاہے اللہ کا نام مذکور ہو یا نہ ہو۔ جس سے معافی مانگی جائے وہ مفعول بنفسہ آتا ہے۔ جس کے لیے معافی مانگی جائے اس پر لام کا صلہ آتا ہے اور جس غلطی یا گناہ کی معافی مانگی جائے اس پر کبھی لام کا صلہ آتا ہے اور کبھی نہیں۔ ﴿كُلُوا وَتَسْتَغْفِرُونَ﴾ (27/ النمل: 46) ”تم لوگ کیوں نہیں بخشش مانگتے اللہ سے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“ ﴿فَاسْتَغْفِرُوا لِذُنُوبِكُمْ﴾ (3/ آل عمران: 135) ”پھر انہوں نے معافی مانگی اپنے گناہوں کی۔“ ﴿سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي﴾ (12/ یوسف: 98) ”عنقریب میں بخشش طلب کروں گا تمہارے لیے اپنے رب سے۔“

ج: اِسْتَغْفِرُوا۔ فعل امر ہے۔ تو معافی مانگ۔ ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ (3/ آل عمران: 159) ”اور آپ ﷺ مغفرت طلب کریں ان کے لیے اور مشورہ کریں ان سے فیصلوں میں۔“

ج: مُسْتَغْفِرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ معافی مانگنے والا۔ ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ﴾ (3/ آل عمران: 17) ”اور بخشش طلب کرنے والے راتوں کے پچھلے پہر میں۔“

خ ط ع

(س) (ل) خَطَاٌ اور خِطَاَةٌ قصد و ارادے کے ساتھ غلطی کرنا۔ گناہ کرنا۔ یہ قابل گرفت ہے۔ قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

(ب) خَطَاٌ بنیادی مفہوم ہے صحیح راہ سے ہٹ جانا۔ چوک جانا۔ بغیر قصد اور ارادے کے غلطی کرنا۔ یہ (آخرت کے اعتبار سے) قابل گرفت نہیں۔ قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا ہے۔

ج: خَطِيئَاتٌ اور خَطَايَا۔ اسم ذات ہے۔ اس کا مطلب قریب قریب سَيِّئَةٌ کی طرح ہے۔ غلطی۔ گناہ۔ چاہے ارادہ اور قصد سے ہو یا بغیر ارادے اور قصد کے۔ ﴿مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ﴾ (2/ البقرہ: 81) ”جس نے کمائی کوئی برائی اور اس کو گھیر لیا اس کی غلطی نے تو وہ لوگ آگ والے ہیں۔“ ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا﴾ (4/ النساء: 112) ”اور جس نے کمائی کوئی خطا یا کوئی گناہ۔“ امام راغب فرماتے ہیں اس آیت میں خَطِيئَةٌ سے مراد وہ فعل ہے جو بلا قصد ہوا ہو۔ اور اسی قسم کی خطا کے متعلق حضرت ابراہیم نے کہا تھا ﴿وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ﴾ (26/ الشعراء: 82) ”اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخش دے گا۔“ ﴿وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ﴾

(7/ الاعراف: 161) ”اور تم لوگ داخل ہو دو روازے میں سجدہ کرنے والے ہوتے ہوئے تو ہم بخش دیں گے تمہاری خطاؤں کو۔“ ﴿إِنَّا أَمْنَا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطِيئَاتِنَا﴾ (20/ طہ: 73) ”بے شک ہم ایمان لائے اپنے رب پر تاکہ وہ بخش دے ہمارے لیے ہماری خطاؤں کو۔“ اور آیت زیر مطالعہ۔

خطاُ اسم ذات بھی ہے۔ قصد و ارادے کے ساتھ کیا ہوا گناہ یا غلطی۔ یہ قابل گرفت ہے۔ ﴿نَحْنُ نَزَّلُ قُرْآنًا لَّهُمْ لِيَذُكَّرُوا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 31) ”ہم رزق دیتے ہیں ان کو بھی اور تم کو بھی بے شک ان کو قتل کرنا بڑی غلطی ہے۔“

خطاُ اسم ذات بھی ہے۔ بغیر ارادے اور قصد سے کیا ہوا گناہ یا غلطی۔ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً﴾ (4/ النساء: 92) ”اور نہیں ہے جائز کسی مومن کے لیے کہ وہ قتل کرے کسی مومن کو مگر بلا ارادہ غلطی سے۔“ اسی قسم کی خطا کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا: ﴿فَرَّجَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَا وَالنِّسْيَانَ﴾ کہ میری امت سے خطا اور نسیان اٹھالیے گئے ہیں۔

خاطِئُ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ جان بوجھ کر غلطی کرنے والا۔ گناہ گار۔ ﴿يَا بَنِي إِسْرَءِيلَ اسْمِعُوا كَلَامِي﴾ (12/ یوسف: 97) ”اے ہمارے والد آپ بخشش طلب کریں ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بے شک ہم غلطی کرنے والے تھے۔“

خاطِئَةُ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ جان بوجھ کر غلطی کرنے والی۔ گناہ گار۔ ﴿نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ (96/ اعلق: 16) ”وہ پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے۔“ کبھی خاطِئَةُ کا اطلاق ”گناہ“ کے لیے بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً فرمایا: ﴿وَالْمُؤْتَفِكْتُ بِالْخَطِئَةِ﴾ (69/ الحاتہ: 9) ”اور الٹی ہوئی بستیوں والوں نے (بڑے بڑے) قصور کئے تھے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: ﴿الْخَطِئَةُ: الذَّنْبُ الْعَظِيمُ﴾۔ بہت بڑا گناہ۔

اِخْطَاءُ (افعال) غلطی کرنا۔ چوک جانا۔ ﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ﴾ (33/ الاحزاب: 5) ”اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس میں جس میں تم چوک گئے۔“ اور حدیث پاک میں ہے: ﴿مَنْ اجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ﴾ جس نے اجتہاد کیا، لیکن اس سے غلطی ہوگئی اسے پھر بھی اجر ملے گا۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ اسم الفاعل ہے۔ مخطِئُ اسے کہا جاتا ہے جو نیکی کا ارادہ کرے لیکن اُس سے غلطی ہو جائے۔

ذی د: البقرة آیت 10 دیکھیں۔

ح س ن

حَسَنًا (ک) پسندیدہ ہونا، خوبصورت ہونا، اچھا یا بھلا ہونا۔ ﴿وَحَسَنَ أَوْلَیْكَ رَفِیقًا﴾ (4/ النساء: 69) ”اور اچھے ہوئے وہ لوگ بطور ساتھی کے۔“ (ن)

حُسْنٌ اسم ذات ہے۔ خوبصورتی۔ اچھائی۔ بھلائی۔ نوٹ کر لیجئے یہ لفظ اسم ذات ہے اس لیے بطور صفت نہیں آسکتا کیونکہ اسم ذات صفت نہیں بنتے۔ ﴿وَاللَّهُ عِنْدَ حُسْنِ الثَّوَابِ﴾ (3/ آل عمران: 195) ”اور اللہ اس کے پاس ثواب کی خوبصورتی یعنی بہترین بدلہ ہے۔“

حَسَنٌ

ج: حَسَنٌ۔ مؤنث: حَسَنَةٌ وَ حَسَنَاءٌ۔ ج: حَسَنَاتٌ اور حَسَانٌ۔ اسم صفت ہے۔ خوبصورت۔ حسین۔ اچھا۔ عمدہ۔ اس سے مراد ہر وہ نعمت ہے جو انسان کو حاصل ہو کر اس کی مسرت کا سبب بنے۔ یہ لفظ تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں اور بھلائیوں کو شامل ہے۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ (2/ البقرة: 245) ”کون ہے جو قرض دے اللہ کو ایک خوبصورت قرض۔“ ﴿مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا﴾ (4/ النساء: 85) ”جو سفارش کرے کوئی اچھی سفارش کی تو اس کے لیے ہے ایک حصہ اس میں سے۔“ ﴿فِيهِمْ خَيْرٌ حَسَنًا﴾ (55/ الرحمن: 70) ”ان میں اچھی سیرت والیاں، اچھی صورت والیاں ہوں گی۔“ ﴿مُنْكَيْنٍ عَلَى رُفُوفٍ حُضِرٍ وَ عَبَقَرٍ حَسَنًا﴾ (55/ الرحمن: 76) ”سبز مسندوں اور عمدہ فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔“ (ترجمہ احسن البیان)۔

نوٹ ۱: حَسَنٌ، حَسَنٌ کی بھی جمع ہے اور حَسَنَةٌ وَ حَسَنَاءٌ کی بھی جمع ہے۔ چنانچہ الرحمن: 70 میں یہ ایک مؤنث لفظ (خَيْرَاتٌ) کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے اور آیت 76 میں ایک مذکر لفظ (عَبَقَرٍ) کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

نوٹ ۲: حَسَنَةٌ اور اس کی جمع حَسَنَاتٌ صفت کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں جسے شَفَاعَةٌ حَسَنَةٌ، مَوْعِظَةٌ حَسَنَةٌ، اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ وغیرہ اور بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتے ہیں اس صورت میں اس کے معنی ہوتے ہیں، نیکی، بھلائی، خوبی، نعمت وغیرہ۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً﴾ (2/ البقرة: 201) ”اے ہمارے رب عطا فرما ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (11/ هود: 114) ”بے شک نیکیاں مٹا دیتی ہیں برائیوں کو۔“ حَسَنَةٌ کی ضد سَيِّئَةٌ آتی ہے جیسے فرمایا: ﴿إِنْ تَسْتَسْكِمُ حَسَنَةً تَسْوُهُمْ ذُوْا اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا﴾ (3/ آل عمران: 120) ”اگر پہنچے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں اور اگر پہنچے تمہیں کوئی تکلیف تو (بڑے) خوش ہوتے ہیں اُس سے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

أَحْسَنُ

مؤنث: حُسْنَى۔ اسم التفضیل ہے۔ زیادہ اچھا یا سب سے اچھا۔ ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً﴾ (2/ البقرة: 138) ”اور کون زیادہ اچھا ہے اللہ سے بلحاظ رنگ کے۔“ ﴿وَتَتَذَكَّرُ لَكُمْ رِبَّكَ الْحُسْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ بِمَا صَبَرُوا﴾ (7/ الاعراف: 137) ”اور پورا ہوا تیرے رب کا سب سے اچھا فرمان بنی اسرائیل پر بسبب اس کے جو انہوں نے صبر کیا۔“ ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيْنِ﴾ (9/ التوبة: 52) ”آپؐ یہ بھی کہہ دیجئے تم تو ہمارے حق میں دو بھلائیوں ہی میں سے ایک (بھلائی) کے منتظر رہتے ہو۔“ (ترجمہ ماجد)۔ آیت میں حُسْنَيْنِ، حُسْنَى کا تثنیہ ہے۔ اور الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى (سب سے اچھے نام) سے مراد ہیں اللہ تعالیٰ کے ۹۹ صفاتی نام۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ ط أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى﴾ (17/ بنی اسرائیل: 110) ”کہہ دیجئے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔“ (ترجمہ احسن البیان)۔



(افعال)

إِحْسَانًا

اس کے اصل لغوی معنی ہیں ”کسی کام کو حسن و خوبی کے ساتھ کرنا“۔ اس کی پھر دو قسمیں ہیں (1) کسی کام کو اپنی ذات میں اچھا اور مکمل کرنا۔ اپنے فعل میں حسن پیدا کرنا اور یہ چیز حسن علم اور حسن عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ (2) بندوں کے حقوق حسن و خوبی کے ساتھ ادا کرنا، ان سے حسن سلوک کرنا اور ان پر انعام کرنا۔ ان معنوں میں عموماً الٰہی کا صلاح استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَاحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ (28 / القصص: 77) ”اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اردو زبان میں احسان کا لفظ عام طور پر اسی دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کسی شخص کے عمل میں جب احسان کی یہ دونوں قسمیں جمع ہوتی ہیں تب اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان بذاتِ خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہتا ہے۔ ایک طرف تو اس کی عبادت میں حسن اور اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی عبادت یوں کرتا ہے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم اسے یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی وضاحت حدیث جبریلؑ میں بیان ہوئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: **إِلَّا حُسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ** (صحیح بخاری) ”احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی ایسی بندگی کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ درجہ نصیب نہ ہو تو اتنی بات کا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔“ اسے یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ اس کی بھلائی کا صلہ بھلائی ہی کی صورت میں ملے گا۔ آدمی فرائض سے بڑھ کر نوافل ادا کرتا ہے اس کے اعمال اور اخلاق بہترین ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف اس کے ارد گرد انسان ہوں یا حیوان سب اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بندوں سے معاملات کرتے وقت ایسا شخص عدل و انصاف سے بلند ہو کر فضل اور غنوکو اختیار کرتا ہے۔ کسی مزدور کو مزدوری دیتے وقت طے شدہ رقم سے زیادہ ادا کرتا ہے۔ کسی سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو درگزر کرتا ہے۔ حیوانات تک ایسے شخص سے فائدہ اٹھاتے ہیں چنانچہ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: جس شخص کے گھر میں اس کی بلی کو اس کی خوراک اور ضروریات نہ ملیں اور جس کے پنجرے میں بند پرندوں کی پوری خبر گیری نہ ہوتی ہو وہ کتنی ہی عبادت کرے محسنین میں شمار نہیں ہوگا۔ (بحوالہ معارف القرآن، ج ۵، ص ۳۹۱)۔ قرآن مجید میں سے مثالیں: ﴿إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا﴾ (18 / الکہف: 30) ”بے شک ہم ضائع نہیں کرتے اس کے اجر کو جو عمدہ (اور مفید) کام کرتا ہے۔“ ﴿إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسِنُوا﴾ (5 / الاعراف: 93) ”جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اور عمل کیے بھلائیوں والے پھر انہوں نے (مزید) تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر انہوں نے (اور) تقویٰ اختیار کیا اور درجہ احسان کو پہنچے۔“

**عدل اور احسان میں فرق:** قرآن مجید میں فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ (16 / النحل: 90)

”بے شک اللہ تعالیٰ تم کو عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔“ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”احسان عدل سے بڑھ کر چیز ہے کیونکہ دوسرے کا حق پورا ادا کر دینا اور اپنا حق پورا لینے کا نام عدل ہے لیکن احسان یہ ہے کہ دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دیا جائے اور اپنے حق سے کم لیا جائے لہذا احسان کا درجہ عدل سے بڑھ کر ہے۔“ (مفردات القرآن، ج ۱، ص ۲۳)۔ اور حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”عدل تو یہ ہے کہ دوسرے کا حق پورا پورا اس کو دے دے اور اپنا وصول کر لے، نہ کم نہ زیادہ، اور کوئی تکلیف تمہیں پہنچائے تو ٹھیک اتنی ہی تکلیف تم اس کو پہنچاؤ نہ کم نہ زیادہ، اور احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اس کے اصل حق سے زیادہ دو اور خود اپنے حق میں چشم پوشی سے کام لو، کہ کچھ کم ہو جائے تو خوشی قبول کر لو، اسی طرح دوسرا کوئی تمہیں ہاتھ پاؤں سے ایذا پہنچائے تو تم برابر کا انتقام لینے کے بجائے اس کو

معاف کر دو، بلکہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دواسی طرح عدل کا حکم تو فرض واجب کے درجہ میں ہوا اور احسان کا حکم نفلی اور تبرع کے طور پر ہوا۔“ (معارف القرآن، ج ۵، ص ۳۹۱)۔ عدل سے بھی معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے لیکن احسان سے مزید خوشگواری اور اپنائیت کے جذبات نشوونما پاتے ہیں۔

ہر چیز میں احسان کا حکم: اسلام میں ہر چیز میں احسان یعنی حسن و خوبی کے ساتھ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورہ النحل کی آیت 90 آپ نے پڑھ لی اب صحیح مسلم کی یہ حدیث مبارک دیکھیے، فرمایا: إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحَدِّثْ أَحَدُكُمْ شَفْعَتَهُ وَلْيُرْحُ ذُبْيَ حَتَّهُ (مسلم) ”اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے سلسلے میں احسان تم پر فرض کیا ہے، تو جب قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور اپنی چھری تیز کرو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔“

احسان کا بدلہ احسان: قرآن مجید میں فرمایا: ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ (55/ الرحمن: 60) ”احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے۔“ اس آیت میں پہلے احسان سے مراد ہے حسن عبادت اور حسن معاملات اور دوسرے احسان سے مراد ہے اس کا صلہ یعنی جنت اور اس کی نعمتیں حضرت مولانا عبدالماجد ربابی نے اس آیت کا ترجمہ نہایت خوب صورت انداز سے کیا ہے فرماتے ہیں: ”بھلا کمال اطاعت کا بدلہ بجز کمال عنایت کے کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔“

ج: مُحْسِنُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ درجہ احسان پر کام کرنے والا یعنی ہر عمل کو اچھے اور بہترین طریقے سے کرنے والا۔ پورے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا، جیسے حدیث مبارک میں احسان کی تعریف کی گئی ہے۔ نیکیاں کرنے والا۔ لوگوں سے حسن سلوک کرنے والا۔ ﴿بَلَىٰ فَمَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾ (2/ البقرة: 112) ”کیوں نہیں جس نے تابع کر دیا منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اس کے لیے ہے ثواب اس کا اپنے رب کے پاس۔“ (ترجمہ شیح الہند)۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (2/ البقرة: 195) ”بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

ج: مُحْسِنَاتٌ۔ مُحْسِن کی مؤنث۔ درجہ احسان پر کام کرنے والی۔ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (33/ الاحزاب: 29) ”تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے اجر عظیم۔“

ج: أَحْسِنُوا۔ فعل امر ہے۔ تو احسان کرو۔ ﴿وَاحْسِنُ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ (28/ القصص: 77) ”اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَاحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (2/ البقرة: 195) ”اور سلوک و احسان کرو، بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

### ترکیب

’و‘ حرف عطف ہے اور اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْکُرُوا مخدوف ہے۔ قُلْنَا ماضی میں جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اُذْخُلُوا فعل امر کا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ یہ فعل لازم ہے اس لیے اس کا مفعول نہیں آئے گا۔ چنانچہ آگے مرکب اشاری هَذِهِ الْقَرْيَةُ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب

ہے۔ فَكُلُوا میں 'ف' عطف کا ہے اور کُلُوا اَدْخُلُوا پر عطف ہے۔ مِنْهَا جار مجرور متعلق فعل ہیں۔ 'هَا' ضمیر الْقَرْيَةِ کے لیے ہے۔ حَيْثُ ظرف مکان ہے۔ شِئْتُمْ ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ رَعَدًا، یہاں محذوف مفعول مطلق اَكَلًا کی صفت ہے یعنی یہ جملہ یوں ہے فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ اَكَلًا رَعَدًا۔ رَعَدًا کو کُلُوا کی ضمیر فاعلی کا حال بھی مانا گیا ہے۔ آگے 'و' عطف کا ہے اور اَدْخُلُوا فعل امر کا صیغہ ہے۔ الْبَابُ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور سُجَّدًا اَدْخُلُوا کی ضمیر فاعلی کا حال ہے۔ وَقُولُوا میں 'و' عطف کا ہے اور قُولُوا فعل امر کا صیغہ ہے۔ حِطَّةً، اگر قُولُوا کا مفعول ہوتا تو حالت نصب میں حِطَّةً آتا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ مفعول نہیں ہے۔ یہاں حِطَّةً محذوف مبتدا کی خبر ہے اس لیے حالت رفع میں ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے وَقُولُوا دُعَاءَنَا حِطَّةً۔ اَمَى: حِطَّ عَنْكَ ذُنُوبُكَ۔ آگے نَعْفِرْ فعل امر قُولُوا کا جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے۔ لَكُمْ متعلق فعل ہے اور خَطِيئَتُكُمْ مفعول ہے۔ وَ سَنُؤَيِّدُ میں 'و' استئنافیہ ہے 'س' مستقبل کے لیے ہے، نَزِيدُ جمع متکلم کا صیغہ ہے اور الْمُحْسِنِينَ اس کا مفعول ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا	ادْخُلُوا	هَذِهِ الْقَرْيَةَ	فَكُلُوا	مِنْهَا
اور (یاد کرو) جب ہم نے کہا	تم داخل ہو	اس بستی میں	اور تم کھاؤ	اس میں سے
حَيْثُ	شِئْتُمْ	رَعَدًا	وَادْخُلُوا	الْبَابَ
جہاں سے	تم چاہو	جی بھر کے	اور تم داخل ہو	دروازے میں
سُجَّدًا	وَقُولُوا	حِطَّةً	نَعْفِرْ	لَكُمْ
سجدہ کرنے والوں کی حالت میں	اور کہو	معافی ہو	تو ہم بخش دیں گے	تمہارے لیے
خَطِيئَتُكُمْ ط	وَسَنُؤَيِّدُ	الْمُحْسِنِينَ ۝		
تمہاری خطاؤں کو	اور ہم زیادہ دیں گے	نیکی کرنے والوں کو		

ترجمہ

البقرة: 58

## آیت: 59

﴿فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝٥٩﴾

ب د ل

(ن)

بَدَّلَا

بدلنا۔ بدلے میں لینا۔

بَدَلْ

اسم ذات ہے۔ بدلے میں ملی ہوئی چیز۔ بدل۔ بدلہ۔ ﴿يُؤَسِّسُ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ۝٥٩﴾ (18/ الکہف: 50) ”بہت برا ہے ظالموں کے لیے بدلہ۔“

(افعال)

إِبْدَالًا

کسی چیز کی جگہ دوسری چیز رکھنا۔ بدل دینا۔ بدلے میں دینا۔ ﴿عَلَىٰ رَبُّنَا أَنْ يُبَدِّلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا﴾ (68/ القلم: 32) ”امید ہے ہمارے رب سے کہ وہ بدلے میں دے ہم کو اس سے بہتر۔“

(تفعیل)

تَبْدِيلًا

کسی چیز کی جگہ دوسری چیز رکھنا۔ بدل دینا یا بدلے میں دینا (تدریجاً)۔ تبدیل کرنا۔ ﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ﴾ (7/ الاعراف: 95) ”پھر ہم نے رفتہ رفتہ تبدیل کیا برائی کی جگہ کو بھلائی سے۔“

مُبَدِّلُ اسم الفاعل ہے۔ تبدیل کرنے والا۔ ﴿وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ﴾ (6/ الانعام: 34) ”اور کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے اللہ کے فرمانوں کو۔“

بَدَّلَ فعل امر ہے۔ تو بدل۔ تو تبدیل کر۔ ﴿قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ﴾ (10/ یونس: 15) ”کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی لے آ کوئی قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال۔“ (ترجمہ شیخ الہنّٰی)

(تفعّل) تَبَدَّلَا کسی چیز کی جگہ دوسری چیز رکھنا۔ کسی چیز کی جگہ دوسری چیز لینا۔ بدلنا۔ ﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ أَكْفَرًا بِإِيمَانٍ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ (2/ البقرة: 108) ”اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے تو وہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے۔“

(استفعال) اسْتَبَدَّلَا کسی چیز کی جگہ دوسری چیز طلب کرنا۔ تبدیلی چاہنا۔ ﴿اسْتَبَدَّلُوا الَّذِي هُوَ آدْنٰى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾ (2/ البقرة: 61) ”کیا تم لوگ وہ چاہتے ہو جو گھٹیا ہے اس کے بدلے میں جو بہتر ہے۔“

ظ ل م: البقرة آیت 17 دیکھیں۔ ق و ل: البقرة آیت 8 دیکھیں۔ غَيْرُ: الفاتحة آیت 7 دیکھیں۔  
ن ز ل: البقرة آیت 4 دیکھیں۔

ر ج ز

(ن) رَجُزًا (۱) کسی چیز کا خوب بلنا۔ کپکانا۔ جب کمزوری کی وجہ سے چلتے وقت اونٹ کی ٹانگیں کپکانے لگیں اور وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگے تو عرب کہتے ہیں رَجَزٌ الْبُعِيْرُ۔ (۲) رجز یہ اشعار (یعنی جنگی اشعار) پڑھنا۔

رَجُزٌ اور رُجُزٌ اسم ذات ہے۔ (۱) عذاب، جو جسم پر کپکپی طاری کر دے۔ مولانا عبدالمجید دیرپا بادی فرماتے ہیں: ”رَجُزٌ عام ہے۔ ہر عذاب کے لیے خواہ وہ کسی صورت میں ہو۔“ اور بعض بزرگوں کے مطابق ایسا عذاب جو اپنی شدت کے باعث لرزہ خیز ہو اور اس کے جھٹکے شدید اور لگاتار ہوں۔ (۲) گندگی۔ نجاست۔ بت۔ ﴿إِنَّا مُنْذِرُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رَجُزًا مِّنَ السَّمَاءِ﴾ (29/ العنکبوت: 34) ”بے شک ہم نازل کرنے والے ہیں اس بستی کے لوگوں پر ایک عذاب آسمان سے۔“ ﴿وَيَذْهَبَ عَنْكُمُ رَجَزُ الشَّيْطَانِ﴾ (8/ الانفال: 11) ”اور تاکہ وہ لے جائے تم سے شیطان کی گندگی کو۔“ ﴿وَالرَّجُزُ فَاهْجُرْ﴾ (74/ المدثر: 5) ”اور گندگی سے دور رہ۔“ (ترجمہ شیخ الہنّٰی)۔ ”اور بتوں سے الگ رہئے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔

س م و: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ف س ق: البقرة آیت 26 دیکھیں۔

ترکیب

’ف‘ استنفاہیہ ہے۔ بَدَّلَ فعل۔ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا اسم موصول اور صلہ ل کر اس کا فاعل اور قَوْلًا مفعول پہ ہے۔ جملہ غَيْرِ الَّذِيْ قِيلَ لَهُمْ، قَوْلًا کی صفت ہے۔ اسی لیے غَيْرَ حالت نصب میں ہے اور مضاف ہے۔ الَّذِيْ قِيلَ لَهُمْ، اسم موصول اور صلہ ل کر مضاف الیہ ہیں۔ قِيلَ، ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر ’هُوَ‘ ہے اور اس سے مراد وہ بات ہے جس کے کرنے کا ان کو حکم دیا گیا تھا یعنی وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةً۔ لَهُمْ متعلق فعل ہے۔ فَانْزَلْنَا میں ’ف‘ عطف کا ہے۔ انْزَلْنَا فعل، رَجُزًا مفعول اور عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوا متعلق فعل ہے۔ مِنَ السَّمَاءِ، رَجُزًا کی صفت ہے۔ رَجُزًا کی تین عذاب کی شدت کے اظہار کے لیے ہے۔ بِمَا مِئْبُ سَبِيْہ ہے اور ما یہاں مصدر یہ ہے جس نے بعد والے جملے میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں۔ کَانُوا، فعل ناقص ہے اور اس کا اسم اس میں شامل ضمیر ’هُم‘ ہے اور آگے جملہ فعلیہ يَفْسُقُونَ اس کی خبر ہے۔ یہ بھی یاد کر لیجئے

کہ گان جب مضارع پہ داخل ہو تو اس سے دوام اور استمرار کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ ما‘ مصدر یہ سے اب اس سارے جملے کی ترکیب ہو جائے گی بِسَبَبِ فُسْقِهِمُ الْمُسْتَعْمِرُ۔ یعنی ان کی مسلسل نافرمانی کرنے کی وجہ سے ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا گیا۔ اور یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ آیت میں الَّذِينَ ظَلَمُوا کی تکرار، ان ظالموں کے ظلم کو نمایاں کرنے کے لیے ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ	فَبَدَّلَ	الَّذِينَ ظَلَمُوا	قَوْلًا	عَذِبَ الَّذِي
البقرة: 59	تو بدل ڈالا	ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا	بات کو	اس کے علاوہ جو

فَقِيلَ لَهُمْ	فَاَنْزَلْنَا	عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا	رِجْزًا
کہی گئی تھی ان سے	تو ہم نے نازل کیا	ان پر جنہوں نے ظلم کیا	ایک عذاب

مِّنَ السَّمَاءِ	بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾
آسمان سے	اُن کی مسلسل نافرمانی کرنے کی وجہ سے

نوٹ: 1

”تبدیلی یہی کہ بجائے حطہ براہِ تمسخر حنطہ کہنے لگے (یعنی گیہوں) اور سجدہ کی جگہ اپنے سرینوں پر پھسلنا شروع کیا جب شہر میں پہنچے تو اُن پر طاعون پڑا، دوپہر میں ستر ہزار یہود مر گئے۔“ (تفسیر عثمانی، ص ۱۲)

نوٹ: 2

اس آیت مبارکہ کے تحت اگر معارف القرآن سے ”کلام میں لفظی تغیر و تبدل کا حکم شرعی“ پڑھ لیا جائے تو انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔

### آیت: 60

﴿وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝۶۰﴾

إِذْ: البقرة آیت 30 دیکھیں۔

س ق ی

(ض) سَقِيًّا اور سِقَايَةً کسی کو پلانا۔ سیراب کرنا۔ ﴿وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُرًا ۝﴾ (76/ الدھر: 21) ”اور پلائے گا ان کو ان کا رب انتہائی پاکیزہ شراب۔“ ﴿أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (9/ البقرة: 19) ”کیا تم نے کر دیا حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام کا بسانا۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔

مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) مصدر ہے بمعنی کسی کو پلانا۔ (۲) مصدر ہے بمعنی پانی پینا۔ (۳) اسم ذات ہے بمعنی پانی پینے کی باری۔ ﴿فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ۝﴾ (91/ الشمس: 13) ”اور ان لوگوں سے اللہ کے رسول نے کہا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ ”پھر کہا اُن کو اللہ کے رسول نے خبردار رہو اللہ کی اونٹنی سے اور اس کی پانی پینے کی باری سے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔

سِقَايَةً مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے اور مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) پانی پلانے کی جگہ۔ (۲) پانی پینے کا برتن۔ پیالہ۔ (۳) پانی جمع کرنے کی جگہ۔ حوض۔ ﴿جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ﴾ (12 / يوسف: 70) ”اس نے رکھا پانی کے پیالے کو اپنے بھائی کے تھیلے میں۔“

(افعال) إِسْقَاءُ کسی کو پینے کے لیے دینا۔ ﴿نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَ دَمٍ لَبَنًا خَالِصًا﴾ (16 / النحل: 66) ”ہم پینے کے لیے دیتے ہیں تم کو اس میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہے، گو برا اور خون کے بیچ میں سے خالص دودھ۔“

(استفعال) اِسْتِسْقَاءُ کسی سے پانی طلب کرنا۔ پینے کے لیے مانگنا۔ ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ﴾ (7 / الاعراف: 160) ”اور ہم نے وحی کی حضرت موسیٰ کی طرف جب پینے کے لیے مانگا اس سے اس کی قوم نے۔“ اور آیت زیر مطالعہ۔

ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ ق و ل: البقرة آیت 8 دیکھیں۔ ض ر ب: البقرة آیت 26 دیکھیں۔

ع ص و

(ن) عَصَوًا کسی کو لاٹھی سے مارنا۔

عَصَا تشبیہ: عَصَوَانٍ۔ ج: عَصِيٌّ۔ اسم ذات ہے۔ لاٹھی۔ ﴿قَالَ هِيَ عَصَايَ﴾ (20 / طہ: 18) ”انہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔“ ﴿فَالْقَوَا جَبَالَهُمْ وَعَصِيَّهُمْ﴾ (26 / الشعراء: 44) ”تو ان لوگوں نے ڈالیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں۔“

ح ج ر: البقرة آیت 24 دیکھیں۔

ف ج ر

(ن) (ل) فَجْرًا کسی چیز کو وسیع طور پر پھاڑنا۔ کسی چیز کو پھاڑ کر پانی بہانا۔ پانی کے بہاؤ کے لیے راستہ چیرنا۔ ﴿وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا﴾ (17 / بنی اسرائیل: 90) ”اور انہوں نے کہا ہم ہرگز نہ مانیں گے تیری بات یہاں تک کہ تو پھاڑ کر بہا دے ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ۔“

فَجْرٌ اصل میں مصدر ہے لیکن بطور ظرف بھی استعمال ہوتا ہے۔ فجر کا وقت۔ صبح۔ فجر کو فجر اس لیے کہتے ہیں کہ صبح کی روشنی بھی رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے۔ ﴿اقْعِدِ الصَّلَاةَ لِذُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ عَسْقِ الْيَلِّ وَقُرْآنِ الْفَجْرِ﴾ (17 / بنی اسرائیل: 78) ”آپ نماز قائم کیجئے سورج ڈھلنے (کے بعد) سے لے کر رات کا اندھیرا ہونے تک اور (قائم کیجئے) فجر کے وقت کا قرآن پڑھنا بھی (یعنی فجر کی نماز)۔“

(ب) فَجُورًا اس کا لغوی معنی ہے سوار کا زین سے ایک طرف جھک جانا۔ پھر یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑ کر اپنی مرضی کرنا، حق سے روگردانی کرنا، نافرمانی کرنا اور جھوٹ بولنا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿يُؤَيِّدُ الْإِنْسَانَ لِفَفْجَرٍ أَمَامَهُ﴾ (75 / القیامہ: 5) ”بلکہ انسان چاہتا ہے کہ وہ نافرمانی کرے اپنے آگے بھی یعنی آئندہ بھی۔“

اسم ذات بھی ہے۔ نافرمانی۔ برائی۔ ﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۖ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۗ﴾ (91/ الشمس: 7-8) ”قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی۔ پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

فُجُورٌ

ج: فَاجِرُونَ، فَجَارٌ اور فَجَرَةٌ۔ فُجُورٌ سے اسم الفاعل ہے۔ نافرمانی کرنے والا، دین کا پردہ پھاڑنے والا، علانیہ گناہ کرنے والا، جھوٹا۔ ﴿وَلَا يَكِلُ وَآلَا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝﴾ (71/ نوح: 27) ”اور وہ لوگ (اولاد) نہیں جنیں گے مگر نافرمان ناشکری۔“ ﴿أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَافُكِرًا ۝﴾ (38/ ص: 28) ”یا ہم بنادیں گے پرہیزگاروں کو نافرمانوں جیسا۔“ ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ الْفَجَرَةُ ۝﴾ (80/ عبس: 42) ”وہ یہی کافر بدکردار لوگ ہوں گے۔“ پھاڑنا۔ پھاڑ کر بہانا (اس میں تسلسل کا مفہوم ہوتا ہے)۔ ﴿وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعَيْنُونَ ۝﴾ (36/ یونس: 34) ”اور ہم نے جاری کیے اس میں چشمے۔“

فَاجِرٌ

پھوٹ بہنا۔ (کوشش اور تکلف سے)۔ ﴿وَإِنَّ مِنَ الْجَارَةِ لَكَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۝﴾ (2/ البقرة: 74) ”اور بے شک پتھروں میں وہ بھی ہیں جن سے پھوٹ بہتی ہیں نہریں۔“ پھوٹ بہنا۔ (بلا تکلف)۔ آیت زیر مطالعہ۔

(تفعیل) تَفْجِيرًا

(تفعّل) تَفَجَّجًا

(انفعال) اِنْفَجَارًا

ع ي ن

(۱) نظر لگانا۔ (۲) پانی یا آنسو جاری ہونا۔ (۳) آنکھ پر مارنا۔ ج: أَعْيُنٌ۔ اسم ذات ہے۔ آنکھ۔ ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ (5/ المائدہ: 45) ”اور ہم نے واجب کیا ان پر اس میں (یعنی تورات میں) کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔“ ﴿وَأَصْنَعُ الْفُلَاكَ بِأَعْيُنِنَا ۝﴾ (11/ ہود: 37) ”اور آپ بنائیں کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے۔“ عربی زبان میں عَيْنٌ کے معنی کسی چیز کا محافظ کے بھی آتے ہیں اور جب کہا جائے فَلَانٌ بِعَيْنِي تو اس سے مراد ہوتی ہے کہ فلاں میری حفاظت اور نگرانی میں ہے۔ چنانچہ ہود: 37 کا ترجمہ اس محاورے کے لحاظ سے بھی کیا گیا ہے: ”اور تم کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے تیار کرو۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔ اس آیت کے حاشیے میں علامہ عثمانی فرماتے ہیں: ”حق تعالیٰ نے نوح سے فرمایا کہ ایک کشتی ہمارے روبرو (یعنی ہماری حفاظت و نگرانی میں) ہمارے حکم اور تعلیم والہام کے موافق تیار کرو۔“ (تفسیر عثمانی ص ۲۹۸)

(ض) عَيْنًا

عَيْنٌ

ج: عَيْوُنٌ۔ اسم ذات ہے۔ پانی کا چشمہ۔ ﴿عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ ۝﴾ (76/ الدھر: 6) ”ایک چشمہ، پینیں گے اس سے اللہ کے بندے۔“ ﴿فَاَخْرَجْنَاهُمْ مِّنْ جَدَّتٍ وَعَيْوُنٍ ۝﴾ (26/ الشعراء: 57) ”تو ہم نے نکالا ان کو باغوں اور چشموں سے۔“

عَيْنٌ

ج: عَيْنٌ۔ یہ أَفْعَلُ الْعُيُوبِ میں أَعْيُنٌ کی مؤنث ہے۔ مراد ہے بڑی اور خوب صورت آنکھوں والی۔ محاورہ عرب میں عَيْنٌ اور حُورٌ آنکھوں کی صفات ہیں اور اس سے عورت کا حسن و جمال مراد لیا جاتا ہے۔ عَيْنٌ سے مراد موٹی موٹی آنکھوں والی اور حُورٌ سے مراد ایسی عورت جس کی آنکھوں کی سفیدی نہایت سفید ہو اور سیاہی خوب سیاہ ہو۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَعِنْدَهُمْ قُصِرَتِ الْأَلْطَفُ عَيْنٌ ۝﴾ (37/ الصافات: 48) ”اور ان کے پاس ہیں نگاہ نیچی رکھنے

عَيْنَاءُ

والیاں، بڑی آنکھوں والیاں۔“ وحشی/نیل گائے کی آنکھیں بھی چونکہ موٹی اور خوب صورت ہوتی ہیں لہذا اسے بھی عَيْنَاء کہا جاتا ہے۔

مَعِينٌ

لغت میں اس لفظ کے دو مادے آتے ہیں (۱) م ع ن (ف) مَعْنًا، جس کا مطلب ہے پانی جاری ہونا، پانی جاری کرنا اور (۲) ع ی ن (ض) عَيْنًا، جس کا بھی ایک مطلب ہے پانی جاری ہونا۔ چنانچہ اس کا مادہ اگر م ع ن ہو تو یہ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنی ”ہمیشہ اور ہر حال میں جاری شفاف پانی جو کبھی خشک نہ ہو۔“ اور اگر اس کا مادہ ع ی ن ہو تو پھر یہ مَفْعِلٌ کے وزن پر ظرف مکان ہے بمعنی ”پانی جاری ہونے کی جگہ۔“ مَفْعِلٌ کے وزن پر اصل میں مَعِينٌ بنے گا، جو پھر قواعد کے اطلاق کے بعد مَعِينٌ بن جائے گا۔ حضرت مولانا محمد نسیم صاحب بارہ بکلوئی نے ”منتخب لغات القرآن“ میں سورہ مؤمنون کی آیت 50 کے تحت یہ دونوں باتیں لکھ دی ہیں، البتہ زیادہ تر علماء کی رائے کے مطابق اس لفظ کا مادہ ”م ع ن“ ہے (واللہ اعلم)۔ ہم اس لفظ کو ”ع ی ن“ کے تحت بھی پڑھ رہے ہیں اور انشاء اللہ سورہ مؤمنون کی آیت 50 کے تحت ”م ع ن“ میں بھی پڑھیں گے۔ ﴿وَأَوْيَهُمَا إِلَىٰ رُبُوعٍ ذَاتِ قُرَارٍ وَ مَعِينٍ﴾ (23/ المؤمنون: 50) ”اور ہم نے ان دونوں کو بلند زمین پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل تھی اور جہاں چشمے جاری تھے۔“

قَدْ

قَدْ حرف تحقیق ہے اور فعل کے ساتھ مخصوص ہے۔ فعل ماضی پر بھی داخل ہوتا ہے اور مضارع پر بھی۔ ماضی پر داخل ہوتا (۱) ماضی مطلق کو ماضی قریب بنا دیتا ہے اور (۲) تاکید اور فی الواقع ہونے کا مفہوم پیدا کرتا ہے اور شک کو دور کرتا ہے۔ مثلاً: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ (23/ المؤمنون: 1) ”یقیناً ایمان والوں نے فلاح پالی۔“ ﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الْبَنِيِّ تَجَادَلُكَ فِي دُجْهًا﴾ (58/ المجادلة: 1) ”بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی۔“ کبھی تاکید بڑھانے کے لیے قَدْ پر لام تاکید بھی داخل کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (48/ الفتح: 18) ”یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا۔“ فعل مضارع پر قَدْ داخل ہو تو تکثیر کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾ (2/ البقرة: 144) ”ہم نے کئی بار دیکھا ہے آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا۔“ اس آیت میں بقول زنجشیری کثرت رویت مراد ہے۔ قَدْ کے اور بھی کئی استعمالات ہیں جو لغات القرآن سے دیکھے جاسکتے ہیں۔

ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ ک ل ل: البقرة آیت 20 دیکھیں۔

ع ن س

(ض)

إِنْسَاءُ، اُنْسَاءُ

کسی چیز کو دیکھ کر یا سن کر وحشت دور ہونا۔ اجنبیت دور ہونا۔ مانوس ہونا۔

البقرة آیت 8 دیکھیں۔

الْإِنْسَانُ

(افعال)

إِنْسَاءُ

کسی چیز سے انس پانا۔ کسی چیز کو دیکھنا اور جاننا۔ محسوس کرنا۔ صاحب مترادفات القرآن لکھتے ہیں: ”انس کے معنی نہ غور کرنا ہے نہ نظر سے دیکھنا اور نہ دیدہ دل سے دیکھنا (یعنی دل کی نظر سے دیکھنا) بلکہ اس کا معنی مانوس ہونا یا کسی چیز کا قرائن سے معلوم ہونا اور امام راغب کے الفاظ میں کسی سے انس پانا ہے۔ تاہم اپنی زبان کے محاورہ کے لحاظ سے اس کا ترجمہ دیکھنا سے کر لیا جاتا ہے یعنی دُور سے یا گہری نظر سے دیکھ کر معلوم کر لینا۔“ (مترادفات القرآن: ۵۰۶)۔ ﴿فَإِنْ أَسْنَمُوا مِنْهُمْ رُشْدًا﴾ (4/ النساء: 6) ”پھر اگر تم دیکھو ان میں سمجھ بوجھ۔“ ﴿إِنِّي أَنَسْتُ نَارًا﴾ (27/ النمل: 7) ”میں نے آگ دیکھی۔“



انسیت چاہنا۔ کسی کو اپنے سے مانوس کرنا تاکہ وحشت دور ہو۔ اجازت لینا۔ اس کے ساتھ ملنے کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے کسی کام کے لیے جی لگا کر بیٹھنا۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا﴾ (24/النور: 27) ”اے ایمان والو تم اپنے (خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کر لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو۔“ اس آیت کے تحت مولانا عبد الماجد فرماتے ہیں: ”تَسْتَأْذِنُوا: محض اجازت طلب کرنے کے لیے لفظ تَسْتَأْذِنُوا کافی تھا۔ بجائے اس کے تَسْتَأْذِنُوا لانے سے (جو انس سے ہے) مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسے اپنا نام و پتہ پوری طرح بتا دو تاکہ اسے وحشت نہ رہے۔“ (تفسیر ماجدی، ص: ۷۳۶)

(استفعال) اسْتِئْذِنَا سَا

ج: مُسْتَأْذِنُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ انسیت چاہنے والا۔ جی لگا کر بیٹھ رہنے والا۔ ﴿فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مَسْتَأْذِنِينَ لِحَدِيثٍ﴾ (33/الاحزاب: 53) ”پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو۔“ (ترجمہ ماجدی)

مُسْتَأْذِنُسْ

## ش ر ب

(س) شَرَبًا، شَرِبًا، شَرَبًا پینا۔ ﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي﴾ (2/البقرة: 249) ”پس جس نے پیا اس سے تو وہ نہیں ہے مجھ سے۔“ ج: اِشْرَبُوا۔ فعل امر ہے۔ تو پی۔ ﴿وَالْأَشْرَبُ وَلَا تُشْرَفُوا﴾ (7/الاعراف: 31) ”اور تم لوگ پیو اور ضرورت سے زیادہ خرچ مت کرو۔“

ج: شَارِبُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پینے والا۔ ﴿وَأَنهَارٌ مِّنْ خَبَرٍ لَّدَکَ لِلشَّارِبِينَ﴾ (47/محمد: 15) ”اور کچھ نہریں ہیں لذیذ شراب کی پینے والوں کے لیے۔“

شَارِبْ

ج: مَشَارِبٌ۔ اسم الظرف ہے۔ پینے کی جگہ۔ مَشْرَبٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے اور ﴿وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ﴾ (36/یونس: 73) ”اور ان کے لیے ہے اس میں نفع اٹھانے اور پینے کے مقامات۔“

مَشْرَبْ

پانی پینے کی ایک باری۔ پانی کا ایک حصہ۔ ﴿هَذِهِ نَاقَةُ آلِهَا شَرِبَ وَلَكُمْ شَرِبٌ يَوْمَ مَعْلُومٍ﴾ (26/اشعراء: 155) ”یہ ایک اونٹنی ہے۔ اس کے لیے ہے پینے کی ایک باری اور تمہارے لیے ہے ایک معلوم دن کی پینے کی باری۔“

شَرِبْ

یہ مصدر ہے بمعنی پینا اور اسم کا معنی بھی دیتا ہے بمعنی مشروب۔ ﴿فَلْيَشْرَبُوا شَرِبَ الْهَيْمِ﴾ (56/الواقعة: 55) ”پھر وہ لوگ پینے والے ہیں پیا سے اونٹ کی طرح پینا۔“

شُرْبْ

اسم ذات ہے۔ پینے کی چیز۔ ”شراب عربی میں ہر مشروب (پینے والی چیز) کو کہتے ہیں۔ اس سے ذہن اُردو کے لفظ شراب اور اُس کے گندھے، نشیے مفہوم کی طرف کہیں منتقل نہ ہو جائے۔“ (تفسیر ماجدی) ”ہر وہ چیز جس کو چبانے پڑے بلکہ پیاجائے، عربی میں اس کے لیے شراب کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔“ (لغات القرآن، ج ۳، ص ۲۶۵) ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ﴾ (10/یونس: 4) ”اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے ہے پینے کی چیز کھولتے پانی میں سے۔“ اردو میں جسے شراب کہا جاتا ہے عربی میں اسے ”خمر“ کہتے ہیں۔

شَرَابْ

(افعال)

إِشْرَابًا

پلانا۔ ﴿وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعَجَلَ بِكُفْرِهِمْ ط﴾ (2/ البقرة: 93) ”اور پلایا گیا ان کے دلوں میں بچھڑے (کی محبت کو) ان کے کفر کی وجہ سے۔“ عربی محاورے میں جب کسی کی محبت یا دشمنی دل میں سرایت کر جائے تو اس کے لیے لفظ شَرَابٌ کو بطور استعارہ استعمال کرتے ہیں۔ اَشْرَبَ فِي قَلْبِهِ حُبَّ فُلَانٍ کا مطلب ہے، اس کے دل میں اس کی محبت جڑ پکڑ گئی۔ مولانا عبد الماجد دریابادی فرماتے ہیں: ﴿وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمْ﴾ مراد یہ ہے کہ گوسالہ کی محبت ان کی رگ رگ میں رچ گئی تھی، جیسے پانی رگ رگ میں پہنچ کر جزو بدن بن جاتا ہے۔ مشروب سے یہ استعارہ شدید محبت اور شدید نفرت دونوں موقعوں پر اہل عرب کی زبان میں عام ہے۔“ (تفسیر ماجدی: ۴۷)

ع ل ک ل: البقرة آیت 35 دیکھیں۔ ر ذ ق: البقرة آیت 3 دیکھیں۔ ع ل ۵: آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ع ث ی

(ف۔س)

عَيْثًا

کفر یا غرور میں مبالغہ کرنا۔ سخت فساد پیدا کرنا۔ انتشار پھیلانا۔

لَا تَعْتَوُوا

فعل نہیں ہے۔ جمع مذکر حاضر کا صیغہ۔ تم فساد مت پھیلاؤ۔ آیت زیر مطالعہ۔ نوٹ: لَا تَعْتَوُوا کا مادہ بعض اہل لغت نے ’ع ی ث‘ بھی لکھا ہے، عَيْثًا مصدر سے۔ عَيْثٌ کا لفظ زیادہ تر فسادِ حسی کے لیے بولا جاتا ہے اور عَيْثٌ کا لفظ ذہنی اور فکری فساد کے لیے یعنی تقریروں اور لٹریچر کے ذریعے غلط عقائد اور نظریات پھیلانا۔

ع ر ض: البقرة آیت 11 دیکھیں۔ ف س د: البقرة آیت 11 دیکھیں۔

ترکیب

’و حرف عطف ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے۔ اس سے پہلے اذْکُرُوا مخدوف ہے۔ اِذْ کو آگے ملانے کے لیے زیددی ہے۔ اِسْتَسْقَى کے فاعل حضرت موسیٰؑ ہیں اور لِقَوْمِهِ متعلق فعل ہے۔ فَقُلْنَا میں ’ف‘ عطف کا ہے اور قُلْنَا ماضی میں جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے۔ اِضْرِبْ فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے جو حضرت موسیٰؑ کے لیے ہے، بِعَصَاكَ متعلق فعل ہے اور اَلْحَجَرُ مفعول ہے اس لیے نصب میں ہے۔ اِنْفَجَرَتْ کا فاعل اِثْنَتَا عَشْرَةَ ہے۔ چونکہ گیارہ سے انیس تک کے عدد میں عَشَرَ بنی برحقہ ہوتا ہے اس لیے اِثْنَتَا (در اصل اِثْنَتَانِ) فاعل ہونے کی وجہ سے رفع میں ہے، مِنْهُ، جار مجرور متعلق فعل ہیں اور ’ہ‘ ضمیر اَلْحَجَرِ (پتھر) کے لیے ہے، جبکہ عَيْثًا تیز ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ قَدْ تاکید کے لیے ہے اور عَلِمَ کا فاعل کُلُّ اُنَّاسٍ ہے۔ یہ چونکہ مرکب اضافی ہے اس لیے فاعل کی رفع صرف مضاف کُلُّ پر آئی ہے۔ مَشْرَبَهُمْ بھی مرکب اضافی اور عَلِمَ کا مفعول ہے، اسی لیے منصوب ہے۔ اس کی نصب بھی صرف مضاف مَشْرَبِ پر آئی ہے۔ کُلُّوا اور اِشْرَبُوا دونوں امر کے صیغے ہیں ان کے درمیان ’و‘ عطف کا ہے اور ان سے پہلے قُلْنَا لَهُمْ مخدوف ہے۔ مِنْ رَزَقِ اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ وَلَا تَعْتَوُوا میں ’و‘ عطف کا ہے ’لَا‘ نہیں کا ہے اور تَعْتَوُوا مضارع مجزوم ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ فی الْاَرْضِ متعلق فعل ہے اور مُفْسِدِينَ دراصل لَا تَعْتَوُوا میں شامل اَنْتُمْ ضمیر فاعلی کا حال ہے اس لیے منصوب ہے۔ اس آخری حصے کے متعلق مولانا عبد الماجد فرماتے ہیں: ”عشی کے معنی خود ہی فساد میں حد سے گزر جانے کے ہیں۔ مُفْسِدِينَ جو ترکیب میں حال واقع ہوا ہے۔ ہر پہلو سے فساد کی تاکید کے لیے ہے۔“

ترجمہ	وَإِذْ اِسْتَسْقٰی	مُوسٰی	لِقَوْمِهِ	فَقُلْنَا	اِضْرِبْ	بِعَصَاكَ
اور (یا ذکر) جب پینے کے لیے پانی مانگا	حضرت موسیٰؑ نے	اپنی قوم کے لیے	تو ہم نے کہا	آپؑ ماریے	اپنی لاٹھی سے	

البقرة: 60

الْحَجَرُ ط	فَانْفَجَرَتْ	مِنْهُ	اَتَيْنَا عَشْرَةَ	عَيْنًا ط	قَدْ عَلِمَ	كُلُّ اُنَاسٍ
پتھر کو	پس پھوٹ نکلے	اس سے	بارہ	چشمے	جان لیا	ہر ایک گروہ نے
مَشْرَبُهُمْ ط	كُلُوا وَاشْرَبُوا	مِنْ رِزْقِ اللَّهِ	وَلَا تَعْنُوا			
اپنے پینے کی جگہ کو	(اور ہم نے اُن سے کہا) تم لوگ کھاؤ اور پیو	اللہ کے رزق میں سے	اور تم لوگ انتشار مت پھیلاؤ			
	فِي الْاَرْضِ	مُفْسِدِينَ				
	زمین میں	فساد برپا کرنے والے ہوتے ہوئے				

## نوٹ

صاحب مترادفات القرآن لکھتے ہیں: ”اَفْسَدَ کا اطلاق صرف ایک بار فساد کرنے پر بھی ہو سکتا ہے اور جب فساد عادت کی شکل اختیار کر جائے تو عَاثٌ یَا عَثَا آئے گا۔“ (مترادفات القرآن، ص ۶۶)۔ اور حضرت مولانا ادریس صاحب کا مدح لکھتے ہیں: ”لَا تَعْنُوا، عَثَى سے مشتق ہے جس کے معنی سخت فساد مچانے کے ہیں۔ یعنی مفسد اور فساد کی تو تم پہلے ہی سے ہو مگر خیر اس فساد کو تم اپنی ہی ذات تک محدود رکھو۔ اس میں اور کسی قسم کا اضافہ نہ کرو اور نہ لوگوں میں اس کو پھیلاؤ۔“ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۱۸۹)۔ گویا فساد کی فساد جب اس کی ذات سے عام معاشرے میں پھیلنے لگے اور دوسرے لوگ بھی اس کی زد میں آنے لگیں تو یہ شدت فساد یعنی عَثَى ہے۔ (واللہ اعلم)۔

## آیت: 61

﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يُوسَىٰ لَنْ نُّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُثْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصِلِهَا ط قَالَ أَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ط اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مِمَّا سَأَلْتُمْ ط وَضَرَبْتَ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ ط وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ط ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ يَفْتَتُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَ كَانُوا يَعْتَدُونَ ع﴾

اِذْ: البقرة آیت 30 دیکھیں۔ ق و ل: البقرة آیت 8 دیکھیں۔ ص ب د: البقرة آیت 45 دیکھیں۔

## ط ع م

(س) طَعْمًا، طَعَامًا اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو چکھنا۔ چکھنا، کھانے سے بھی ہو سکتا ہے اور پینے سے بھی۔ اس لیے یہ لفظ کسی چیز کو کھانے اور پینے، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کھانے کے لیے فرمایا: ﴿فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا﴾ (33/ الاحزاب: 53) ”پس جب تم لوگ کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ۔“ عام مفہوم یہی لیا جاتا ہے۔ اور پینے کے لیے فرمایا: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي﴾ (2/ البقرة: 249) ”اور جس نے نہ پیا وہ یقیناً میرے ساتھیوں میں سے ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت میں يَطْعَمُهُ کا ترجمہ چکھنے سے بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً: ”اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بے شک میرا ہے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔

اسم ذات بھی ہے۔ ذائقہ۔ مزہ۔ ﴿وَأَنهٗزُ مِّنۡ لَّبَنِ لَّمۡ يَتَغَيَّرۡ طَعْمُهُۥ﴾ (47/ محمد: 15) ”اور نہریں ہیں دودھ کی، نہیں بدلتا ان کا ذائقہ۔“

طَعْمٌ

اسم ذات بھی ہے۔ اس کے عام معنی ہیں خوراک۔ کھانے کی چیز۔ کھانا۔ جیسے فرمایا: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلالًا لِّبَنِيۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ (3/ آل عمران: 93) ”سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کے لیے۔“ (ترجمہ فیاء القرآن)۔ ”ہر کھانا بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ حدیث مبارک میں طعام کا لفظ گندم کے لیے بھی آیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید الخدریؓ کی روایت میں صَاحًا مِّنۡ طَعَامٍ کے الفاظ آئے ہیں۔ البتہ بعض علماء کرام نے اس حدیث میں طعام کے عام معنی ہی لیے ہیں۔ سورۃ المائدہ کی آیت 5 میں طعام کا لفظ ”ذبیحہ“ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَطَعَامُ الذِّیۡنَ اُوْتُوۡا الْکِتٰبَ حَلٰلٌ لَّکُمۡ﴾ (5/ المائدہ: 5) ”اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے۔“ اور کبھی طعام کا لفظ اطعام، ”کسی کو کھانا کھانا“ کے معنوں میں بھی استعمال ہو جاتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَلَا یَحْضُضْ عَلٰی طَعَامِہِ الْیَسۡکِیۡنَ﴾ (107/ الماعون: 3) ”اور فقیر کے کھانا کھانے پر رغبت نہیں دلاتا۔“

طَعَامٌ

اسم الفاعل ہے۔ کھانے والا۔ ﴿لَاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّتَطَعُّہٗ﴾ (6/ الانعام: 145) ”میں نہیں پاتا اس میں جو وحی کیا گیا میری طرف کسی حرام کی ہوئی چیز کو کھانے والے پر، وہ کھاتا ہے جس کو۔“ کسی کو کھانا کھانا۔ کسی کو کھانا دینا۔ ﴿الَّذِیۡۤ اِطْعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوعٍ﴾ (106/ قمر: 4) ”جس نے کھلایا ان کو بھوک میں۔“

طَاعِمٌ

(افعال)

اِطْعَمًا

ج: اَطْعَمُوا۔ فعل امر ہے۔ تو کھلا۔ ﴿وَاطْعَمُوا۟ الْقٰنِیۡعَ وَالْمُعْتَرِطَ﴾ (22/ الحج: 36) ”اور تم لوگ کھلاؤ قناعت کرنے والے کو (یعنی سوال نہ کرنے والے کو) اور مانگنے والے کو۔“

اَطْعَمٌ

کھانا مانگنا۔ ﴿اِذَاۤ اَتٰیآ اَہْلَ قَرْیَۃٍ اِسْتَطْعَمَآ اَہْلَہَا﴾ (18/ الکہف: 77) ”جب وہ دونوں پہنچے بستی والوں کے پاس تو انہوں نے کھانا مانگا اس کے رہنے والوں سے۔“

(استفعال) اِسْتَطْعَمًا

و ح د

تہا ہونا۔ اکیلا ہونا۔ ﴿قَالُوۡۤا اِجْعَلۡنَا لِیَنۡعُبَدَ اللّٰہَ وَحَدًا﴾ (7/ الاعراف: 70) ”انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں۔“ قاموس القرآن کے مطابق وَحْدٌ کا لفظ ضمیر واحد کی طرف مضاف ہو کر ہی استعمال ہوتا ہے جیسے خَلَقَ اللّٰهُ الْعَالَمَ وَحْدًا، تہا اللہ نے دنیا پیدا کی۔

(ض) وَحْدًا، وَحَدَّةٌ

فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ تہا۔ اکیلا۔ ایک۔ ﴿وَاللّٰھُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ﴾ (2/ البقرة: 163) ”اور تمہارا معبود ایک معبود ہے۔“ کبھی اس کا استعمال اَحَدٌ کے معنی میں بھی ہوتا ہے یعنی لاثانی، بے نظیر۔ عربی میں کہا جاتا ہے هُوَ وَّاحِدٌ قَوْمِہ۔ وہ اپنی قوم میں لاثانی ہے یعنی علم و فضیلت وغیرہ میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ اسمائے حسنیٰ میں یہی معنی مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿هُوَ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (39/ الزمر: 4) ”وہی اللہ ہے اکیلا، سب پر غالب۔“ گنتی کا سب سے پہلا عدد بھی ہے یعنی ایک اور کبھی وَّاحِدٌ، عدد کی صفت کے طور پر آتا ہے مثلاً اَلْفٌ وَّاحِدٌ (ایک ہزار)۔

وَاحِدٌ

وَاحِدٌ کی مونث۔ ایک۔ اکیلی۔ ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (2/ البقرة: 213) ”تھے سب لوگ ایک دین پر۔“ عَشْرَةٌ وَّاحِدَةٌ (ایک عشرہ)، مِائَةٌ وَّاحِدَةٌ (ایک سو)۔

وَاحِدَةٌ

وَجِدُّ فَعِیل کے وزن پر صفت ہے۔ تنہا۔ اکیلا۔ مفرد۔ ﴿ذُرِّیُّ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیدًا ۝﴾ (74/ المذثر: 11) ”آپ چھوڑ دیں مجھ کو اور اس کو جسے میں نے پیدا کیا اکیلا۔“

دع و: البقرة آیت 23 دیکھیں۔ رب ب: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ خ رج: البقرة آیت 22 دیکھیں۔

ن ب ت

(ن) نَبَاتًا اور نَبَاتًا کسی چیز کا اگنا یا اگانا۔ (لازم و متعدی)۔ ﴿وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورٍ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ﴾ (23/ المؤمنون: 20) ”اور ایک درخت، وہ نکلتا ہے طور سینا سے، اگتا ہے روغن کے ساتھ۔“ اس آیت میں تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب لغات القرآن فرماتے ہیں: ”تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ (وہ تیل اگاتی ہے) میں بکا حال کے لیے ہے تعدیہ کے لیے نہیں، کیونکہ نَبَتٌ خود متعدی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ اس طرح اگتی ہے کہ تیل اس میں بالقوہ موجود ہوتا ہے۔“ (لغات القرآن، ج ۲، ص: ۱۹۳)۔

نَبَاتٌ اسم ذات بھی ہے۔ زمین سے اگنے والی ہر چیز۔ زمین کی پیداوار۔ سبزہ۔ ﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ نَبَاتًا﴾ (7/ الاعراف: 58) ”اور پاک شہر، نکلتا ہے اس کا سبزہ اس کے رب کی اجازت سے۔“ امام راغب فرماتے ہیں: ”ہر وہ چیز جو زمین سے اگتی ہے۔ اسے نَبَاتٌ یا نَبَاتٌ کہا جاتا ہے۔ خواہ وہ تنہ دار ہو جیسے درخت۔ یا بے تنہ۔ جیسے جڑی بوٹیاں لیکن عرف میں خاص کر نبات اسے کہتے ہیں جس کا تنہ نہ ہو۔ بلکہ عوام تو جانوروں کے چارہ پر ہی نبات کا لفظ بولتے ہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ: ﴿لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا﴾ (78/ النبا: 15) ”تا کہ اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں۔ میں نبات سے مراد چارہ ہی ہے لیکن یہ اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے ہر بڑھنے والی چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ اور نباتات، حیوانات اور انسان سب پر بولا جاتا ہے اور نَبَات! (افعال) کا لفظ ان سب چیزوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ (مفردات القرآن، ج ۲، ص: ۱۰۲۴)۔

(افعال) اُنْبَاتًا اگانا۔ بڑھانا۔ نشوونما کرنا۔ ﴿وَآنَزَلْ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَانْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ﴾ (27/ النمل: 60) ”اور اس نے اتارا تمہارے لیے آسمان سے پانی پھر اس نے اگائے اس سے باغات۔“ ﴿وَآتَيْنَاهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾ (3/ آل عمران: 37) ”اور بڑھایا اُس کو اچھی طرح بڑھانا۔“ (ترجمہ شیخ البند)۔ ﴿وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا﴾ (71/ نوح: 17) ”اور تم کو زمین سے ایک (خاص اہتمام سے) اگایا ہے (اور پیدا کیا ہے)۔“ (ترجمہ احسن البیان)۔

ع ر ض: البقرة آیت 11 دیکھیں۔

بَقْلٌ: سبزی۔ ترکاری۔ ساگ۔ تدبر قرآن کے مطابق نقل کا لفظ سبزیوں اور ترکاریوں کی تمام اقسام کے لیے عام ہے۔  
قِثَاءٌ: ایک قسم کی لمبی سبز سبزی۔ تر۔ ککڑی۔  
فُومٌ: گندم۔ گیہوں۔ لہسن۔  
عَدَسٌ: مسور۔ دال  
بَصْلٌ: پیاز

نوٹ: اِن الفاظ کے مادوں کی وضاحت نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اِن مادوں سے کوئی اور لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا ہے اور یہ الفاظ بھی صرف

اسی آیت میں آئے ہیں۔ اس لیے ان الفاظ کا صرف ترجمہ دے دیا گیا ہے۔

ب دل: البقرة آیت 59 دیکھیں۔

د ن و

(ن۔س) (۱) دُنُوًّا (۱) قریب ہونا۔ نزدیک ہونا۔ خواہ یہ قرب ذاتی ہو، حکمی ہو، مکانی یا زمانی ہو یا لحاظ مرتبہ ہو یہ لفظ سب کے لیے بولا جاتا ہے۔ ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى﴾ (53/ النجم: 8) ”پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا۔“ (ترجمہ شیخ الہند) (۲) اچھا ہونا۔ بہتر ہونا۔

(ب) دَنَايَةً، دَنَاءً کم تر ہونا۔ حقیر ہونا۔ ذلیل ہونا۔

دَانٍ مؤنث دَانِيَةً۔ فاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ قریب ہونے والا۔ جھکنے والا۔ قریب۔ ﴿وَجَنَّا الْجَنَّاتِ﴾ دَانٍ ﴿﴾ (55/ الرحمن: 54) ”اور دونوں باغوں کے پھل بہت ہی قریب ہوں گے۔“ (ترجمہ ماجدی) ”اور دونوں باغوں کا پھل نیچے جھکا ہوگا۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿فِي جَنَّاتٍ عَالِيَةٍ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ﴾ (69/ الحاقة: 22-23) ”اونچے باغ میں جس کے میوے جھکے پڑے ہیں۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔  
فعل التفصيل ہے۔ واحد مذکر۔ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

أَدْنَى

(۱) زیادہ قریب۔ زیادہ نزدیک۔ ﴿ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِشَهَادَةٍ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا﴾ (2/ البقرة: 282) ”اس میں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ ﴿ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا﴾ (4/ النساء: 3) ”اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ ﴿ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَا﴾ (5/ المائدة: 108) ”یہ طریقہ زیادہ قریب ہے کہ گواہ دیا کریں گواہی جیسا کہ چاہیے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ خُلْفَى الْبَيْلِ﴾ (73/ المزمل: 20) ”بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ ﴿عَلَبَتِ الْوُؤْمُ ۖ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ﴾ (30/ الروم: 3) ”اہل روم ایک قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے۔“ (ترجمہ ماجدی)

(۲) زیادہ بہتر۔ زیادہ مناسب۔ ﴿ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفَ فَلَا يُؤْذِينَ﴾ (33/ الاحزاب: 59) ”یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔“ (ترجمہ تفہیم القرآن)۔

(۳) اگر ”خیر“ (بہتر) کے مقابلے پر استعمال ہو تو اس سے ”حقیر، کم تر“ مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿اَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾ ”کیا تم لینا چاہتے ہو وہ جو کم تر ہے اس کے بدلے جو بہتر ہے۔“

(۴) اگر ”اکثر“ (زیادہ) کے مقابلے پر استعمال ہو تو اس سے ”کم“ مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرُ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا﴾ (58/ المجادلة: 7) ”اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے خواہ وہ کہیں ہوں۔“ (ترجمہ ماجدی)۔

(۵) اگر ”اکبر“ (بڑا) کے مقابلے پر استعمال ہو اس سے ”چھوٹا یا تھوڑا“ مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿و

لَنْذِيْقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَذْيِ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٨﴾ (32/ السجدة: 21) ”بالتقین ہم انہیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب اس بڑے عذاب کے سوا چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ آئیں۔“ (ترجمہ احسن البیان)۔ ”اور ہم ضرور چکھاتے رہیں گے انہیں تھوڑا تھوڑا عذاب بڑے عذاب سے پہلے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(٦) الْأَذْيِ، قرآن مجید میں ”دنیا“ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَذْيِ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا﴾ (7/ الاعراف: 169) ”پھر ان کے بعد ایسے نالائق جانشین ہوئے جو کتاب کے وارث بنائے گئے، وہ لیتے ہیں اس دنیا کا عارضی سامان اور کہتے ہیں ہمیں بخش دیا جائے گا۔“ اس آیت میں الْأَذْيِ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”لفظ اَذْيِ، دُنُوٌّ بمعنی قرب سے بھی مشتق

کہا جاسکتا ہے، اس صورت میں اَذْيِ کے معنی اقْرَب کے ہو جائیں گے، اسی کا مؤنث دُنْيَا ہے جس کے معنی قریب کے ہیں، آخرت کے مقابلہ میں جہان انسان سے زیادہ قریب ہے اس لیے اس کو اَذْيِ اور دُنْيَا کہا جاتا ہے، اور دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ لفظ دُكَاة بمعنی ذلت سے مشتق ہو تو اس کے معنی ذلیل و حقیر کے ہو جائیں گے، دنیا اور اس کے سب سامان بمقابلہ آخرت کے حقیر و ذلیل ہیں اس لیے اس کو اَذْيِ اور دُنْيَا کہا گیا۔“ (معارف القرآن، ج ۴، ص ۱۰۳)

لفظ دُنْيَا در اصل الفعل التفضيل میں مؤنث کے صیغہ فَعْلَى کے وزن پر ہے۔ اصل میں دُنُوْیٰ بنتا ہے۔ ”و کوئی“ میں تبدیل کر کے دُنْيَا لکھا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اسے معرّف باللام الدُّنْيَا استعمال کیا گیا ہے۔ اگر اسے دُنُوٌّ سے مشتق مانا جائے تو پھر اس کا لفظی معنی ”زیادہ نزدیک، زیادہ قریب“ بنتا ہے اور اگر اسے دُكَاة سے مشتق مانا جائے تو پھر اس کا معنی ”زیادہ حقیر، زیادہ ذلیل“ بنتا ہے۔ اصطلاحاً اس سے مراد زمین اور زمینی زندگی ہے اور یہ لفظ آخرت کے مقابلے پر بولا جاتا ہے۔ ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ﴾ (22/ الحج: 11) ”اس نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی۔“ آخرت کے مقابلے میں اس جہاں کے لیے جب اَذْيِ یا دُنْيَا کا لفظ استعمال ہو تو اس سے دونوں مفہوم مراد لیے جاتے ہیں یعنی یہ جہاں، انسان سے آخرت کے مقابلے میں زیادہ قریب بھی ہے اور اس کا کل سامان آخرت کے مقابلے میں حقیر بھی ہے۔

الدُّنْيَا

اگر یہ لفظ ”اَقْصَى“ کے مقابلے پر آئے تب بھی اس سے قریب کا مفہوم لیا جاتا ہے جیسے فرمایا: ﴿إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى﴾ (8/ الانفال: 42) ”جب تم (مدینے کے) قریب کے ناکے پر تھے اور وہ (کافر) بعید کے ناکے پر۔“

قریب کرنا۔ لپیٹ لینا۔ اس کے ساتھ جب علیٰ کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے اوپر سے لٹکا لینا ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾ (33/ الاحزاب: 59) ”اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔“ اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ”اِدْنَاء کے اصل معنی قریب کرنے اور لپیٹ لینے کے ہیں، مگر جب اس کے ساتھ علیٰ کا صلہ آئے تو اس میں اِدْنَاء یعنی اوپر سے لٹکا لینے کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۱۲۹)

(افعال) اِدْنَاء

(ن)

مَصْرًا

مِصْرُ

مِصْرُ

کوئی سی چیزوں کے درمیان حد ہونا۔

اگر معرب ہو تو اس کا مطلب ہے کوئی بھی فصیل والا شہر۔ آیت زیر مطالعہ۔

اگر غیر منصرف ہو تو اس کا مطلب ہے ملک مصر۔ ﴿يَقُولُ الْمَلِكُ لِمَنْ لِي مِصْرُ﴾ (43/ الزمر: 51) ”اے میری قوم کیا میرے لیے نہیں ہے مصر کی حکومت/سلطنت۔“

(ف)

سُؤَالًا

سوال کرنا۔ سوال کرنا کبھی تو کسی سے کوئی چیز مانگنے کے لیے ہو سکتا ہے اور کبھی کسی سے کسی چیز کے بارے میں پوچھنے اور جاننے کے لیے۔ چنانچہ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ زیادہ تر انہی دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کسی سے کوئی چیز مانگنا یا طلب کرنا۔ اس کے دو مفعول آتے ہیں۔ کس سے مانگا اور کیا مانگا۔ جس سے مانگا جائے وہ مفعول بنفسہ آتا ہے اور جو چیز مانگی جائے وہ کبھی بنفسہ آتی ہے کبھی مِنْ کے صلے کے ساتھ اور کبھی ب کے صلے کے ساتھ۔ ﴿وَإِذَا سَأَلْتَهُمْ مَتَاعًا فَسَئَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾ (33/ الاحزاب: 53) ”جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔“ ﴿فَمَا سَأَلْتَهُمْ مِنْ أَجْرٍ﴾ (10/ یونس: 72) ”تو میں نے نہیں مانگا تم سے کوئی بھی معاوضہ۔“ ﴿سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ﴾ (70/ المعارج: 1) ”مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا۔“ (ترجمہ شیخ البند)۔ ”مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب کو جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔

(۲) کسی سے کسی چیز کے بارے میں پوچھنا۔ جس سے پوچھا جائے وہ مفعول بنفسہ آتا ہے۔ اور جس چیز کے بارے میں پوچھا جائے وہ کبھی مفعول بنفسہ ہوتا ہے۔ جیسے سَأَلْتَهُ كَذَا، کبھی عَنْ کے صلے کے ساتھ آتا ہے جیسے سَأَلْتَهُ عَنْ كَذَا اور کبھی ب کے صلے کے ساتھ جیسے سَأَلْتَهُ بِكَذَا۔ البتہ عَنْ کا صلہ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں تینوں طرح استعمال ہوا ہے۔ ﴿وَ لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (39/ الزمر: 38) ”اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔“ (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 85) ”اور وہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔“ ﴿سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ﴾ (70/ المعارج: 1) ”پوچھا ایک پوچھنے والے نے ایک عذاب کے بارے میں جو واقع ہو کر رہے گا۔“ تفسیر ماجدی کے مطابق یہاں بِعَذَابٍ میں ب، عَنْ کے مرادف ہے۔ (واللہ اعلم)۔ تفہیم القرآن اور ضیاء القرآن میں اس آیت میں سَأَلَ کے بارے میں دونوں وضاحتیں لکھ دی گئی ہیں۔ یعنی سَأَلَ کا مفہوم ”مانگنے“ یا ”پوچھنے“ دونوں ہو سکتے ہیں اسی لیے اس آیت کو دونوں جگہ لکھ دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

سُؤَالٌ

بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے۔ درخواست۔ مطالبہ۔ سوال۔ ﴿قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ لَعْنَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ﴾ (38/ ص: 24) ”(داؤد) نے کہا کہ اس نے تیری دینی اپنی دنیوں میں ملانے کی درخواست کر کے واقعی تجھ پر ظلم کیا۔“ (ترجمہ ماجدی)۔

سُؤَالٌ

اسم ذات ہے۔ درخواست۔ التجا۔ سوال۔ ﴿قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسَىٰ﴾ (20/ طہ: 36) ”جواب ملا منظور کر لی گئی ہے آپ کی درخواست اے موسیٰ۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔



اِسْتَلَّ

ج: اِسْتَلُّوا۔ فعل امر ہے۔ تو مانگ۔ تو پوچھ۔ قرآن مجید میں یہ زیادہ تر جملے کے درمیان میں ماقبل سے ملا کر لکھا گیا ہے اور حمزۃ الوصل گرا کر فُسِّلَ یَاوَسُّلَ آیا ہے۔ دو جگہ جملہ کے شروع میں آیا ہے وہاں بھی مادہ کا حمزہ گرا کر صرف سَلَّ آیا ہے۔ ﴿وَسَلَّ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا﴾ (12/ یوسف: 82) ”تو آپ اُس شہر کے لوگوں سے پوچھ لیں جہاں ہم تھے۔“ ﴿وَسَلُّوْا مَا اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوْا مَا اَنْفَقُوْا﴾ (60/ متحنہ: 10) ”اور تم لوگ مانگو جو تم نے خرچ کیا اور چاہے کہ وہ لوگ مانگیں جو انہوں نے خرچ کیا۔“ ﴿فَسَلُّوْا اَهْلَ الدِّيَارِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (16/ النحل: 43) ”پس تم پوچھو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے۔“ ﴿سَلَّ بَنِي إِسْرَآءِیْلَ کَمْ اَتٰیْنٰھُمْ مِنْ اٰیٰتِیْ بَیِّنٰتٍ﴾ (2/ البقرة: 211) ”تو پوچھ بنی اسرائیل سے ہم نے دیں ان کو کتنی ہی روشن نشانیاں۔“

سَائِلٌ

ج: سَائِلُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ مانگنے والا۔ پوچھنے والا۔ ﴿وَفِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (51/ الذریات: 19) ”اور ان کے اموال میں حق ہے مانگنے والوں کے لیے اور سوال سے بچنے والوں کے لیے۔“ ﴿لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوسُفَ وَ اِخْوَتِہٖ اٰیٰتٌ لِّلْساٰئِلِیْنَ﴾ (12/ یوسف: 7) ”یقیناً یوسف اور ان کے بھائیوں میں نشانیاں ہیں پوچھنے والوں کے لیے۔“

مَسْئُوْلٌ

ج: مَسْئُوْلُونَ۔ اسم المفعول ہے۔ جو مانگا جائے۔ جس کے متعلق پوچھا جائے۔ جس سے سوال کیا جائے۔ جس سے پوچھ گچھ کی جائے۔ ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِکَ كَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 36) ”بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اُس سے پوچھ ہوگی۔“ (ترجمہ شیخ البند) ﴿وَقِفُوْھُمْ اِنَّھُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ﴾ (37/ الصافات: 24) ”اور اُن کو (ذرا) ٹھہراؤ اُن سے پوچھ گچھ ہوگی۔“ (ترجمہ ماجدی)

(تفاعل) تَسَاوَلًا

باہم ایک دوسرے سے پوچھنا، مانگنا، سوال کرنا۔ ﴿عَمَّ یَتَسَاوَلُوْنَ﴾ (78/ النبا: 1) ”کس چیز کے بارے میں یہ لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں۔“

ض ر ب: البقرة آیت 26 دیکھیں۔

ذ ل ل

(ض) ذُلًّا، ذِلَّةً، ذَلَالَةً (۱) نرم ہونا، عاجزی کرنا (۲) تابعدار یا مطیع ہونا، جھک جانا (۳) ذلیل و خوار ہونا۔ ﴿لَوْ لَا اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی﴾ (20/ طہ: 134) ”کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تاکہ ہم پیروی کرتے تیری نشانیوں کی اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ہوتے اور رسوا ہوتے۔“

ذُلٌّ

مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ نرمی۔ تابعداری۔ انکساری۔ عاجزی۔ ﴿وَ اَخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذِّلِّ مِنَ الرَّحْمٰتِ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 24) ”اور جھکا دو اُن کے لیے تواضع و انکسار کے پر رحمت (و محبت) سے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ امام راغب فرماتے ہیں: ”ذُلٌّ (بضم ذال) زور و قہر کی وجہ سے جھکنے کو کہتے ہیں مگر جب طبیعت کی تیزی اور سختی از خود مغلوب ہو جائے تو اسے ذُلٌّ (بکسرہ ذال) کہا جاتا ہے۔ لہذا بنی اسرائیل: ۲۴ کے معنی یہ ہیں کہ ان کے سامنے مقہور و مجبور بن کر رہو۔ اور ایک قراءت میں جَنَاحَ الذِّلِّ (بکسرہ ذال) ہے یعنی ان کے سامنے نرم و خوار اطاعت گزار بن کر رہا کرو۔“ (مفردات القرآن، ج ۱، ص ۳۶۵)

ذِلَّةٌ

مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ ذلت۔ خواری۔ زیر دستی۔ کمزوری۔ اس کی ضد عِزَّةٌ ہے جس کے معنی ہیں بالادستی۔ آیت زیر مطالعہ۔

ذَلِيلٌ

ج: اذِلَّةٌ۔ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ اس کی ضد عِزِّيٌّ ہے جس کی جمع اَعِزَّةٌ ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) نرم دل۔ مہربان۔ ﴿اِذْلِكْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَعِزَّةً عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ (5/ المائدہ: 54) ”نرم دل ہیں مسلمانوں پر زبردست ہیں کافروں پر۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”ایمان والوں پر وہ مہربان ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں سخت ہوں گے۔“ (ترجمہ ماجدئ)

(۲) کمزور۔ بے سروسامان۔ ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَ اَنْتُمْ اِذْلَكْتُمْ﴾ (3/ آل عمران: 123) ”اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”اور یقیناً اللہ نے تمہاری نصرت کی بدر میں حالانکہ تم پست تھے۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔ حاشیہ میں حضرت عبدالماجد دریا بادی فرماتے ہیں: ”یعنی تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر۔“

(۳) ذلیل۔ بے عزت۔ ﴿قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْا اَعِزَّةً اَهْلِهَا اِذْلَكَةً﴾ (27/ النمل: 34) ”کہنے لگی بادشاہ جب گھتے ہیں کسی بستی میں اس کو خراب کر دیتے ہیں اور کر ڈالتے ہیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”وہ بولی کہ بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں تو اسے تہ وبالاکر دیتے ہیں اور وہاں والوں میں جو عزت دار ہوتے ہیں انہیں وہ ذلیل کر دیتے ہیں۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔ ﴿لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَا اِذْلَكَةً وَ هُمْ ضِعْفُوْنَ﴾ (27/ النمل: 37) ”اور نکال دیں گے ان کو وہاں سے بے عزت کر کر اور وہ خوار ہوں گے۔“ (ترجمہ شیخ الہند) اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ ماتحت ہو جائیں گے۔“ (ترجمہ ماجدئ)۔

اردو زبان میں ذلیل کا لفظ اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ جبکہ عربی زبان میں، جیسے کہ آپ نے ابھی پڑھا، یہ لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ اس لفظ کی مزید وضاحت لکھ دی جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ ال عمران کی آیت 123 کے تحت فرماتے ہیں: ”اذِلَّةٌ، ذلیل کی جمع ہے۔ ذلیل عزیز کا مقابل لفظ ہے۔ عزیز کے معنی ہیں غالب، زور آور اور دوسروں کی دسترس سے باہر۔ ذلیل کے معنی کمزور، ناتواں اور دوسروں کے لیے لقمہ تر کے ہیں اخلاقی رذالت اس لفظ کے بنیادی اجزائیں سے نہیں ہے بلکہ اس کے لوازم بعیدہ میں سے ہے۔ چنانچہ یہ لفظ اچھے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً: ﴿اِذْلِكْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَعِزَّةً عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ (المائدہ: 54) ”وہ مسلمانوں کے لیے نہایت نرم اور کافروں کے لیے نہایت سخت ہیں۔“ یعنی اگر کفار ان کے اندر انگلی دھسنا اور ان کو اپنے اغراض کے لیے نرم کرنا چاہیں تو وہ پتھر کی چٹان ہیں لیکن مسلمانوں کے لیے نہایت نرم خو ہیں۔ وہ ان سے جس طرح چاہیں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ آیت زیر بحث (آل عمران: 123) میں بھی یہ لفظ مسلمانوں کی صرف اس وقت کی عددی و مادی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں اخلاقی ضعف و ذلت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔“ (تدبر قرآن، ج ۲، ص ۱۷۰)۔ اور صاحب مترادفات القرآن فرماتے ہیں: ”اذِلَّةٌ (ذلیل کی جمع) اس کی ضد اَعِزَّةٌ ہے جو عِزِّيُّز کی جمع ہے۔ ہمارے ہاں عموماً ذلیل کے معنی رذیل، خسیس اور کمینہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور عِزِّيُّز کے معنی قریبی رشتہ دار۔ یہ دونوں مفہوم لغوی لحاظ سے غلط ہیں۔ حقیقت میں ذلیل کے معنی زیر دست اور عِزِّيُّز کے معنی بالادست ہیں۔ ذلیل کے مفہوم کا تصور عِزِّيُّز کے مقابلہ کے بغیر محال ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ﴾ (3/ آل عمران: 123) ”اور اللہ نے جنگ بدر میں بھی تمہاری مدد کی تھی جبکہ تم کمزور تھے۔“ (متراوفات القرآن، ص ۵۲۹)۔

ج: اَذِلُّونَ۔ اَذِلَّيْنِ۔ اَفْعِلْ تَفْضِيلِ کا صیغہ ہے۔ زیادہ کمزور۔ زیادہ ذلیل۔ ﴿يُخْرِجَنَّ الْأَعْدُو مِنْهَا الْأَذِلَّةَ﴾ (63/ المنافقون: 8) ”کہتے ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو تو نکال دے گا جس کا زور ہے، وہاں سے کمزور (ذلیل) لوگوں کو۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادِّثُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذِلَّةِ﴾ (58/ المجادلة: 20) ”بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

ج: ذُلُّ۔ فَعُولُ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ تابعدار۔ سدھایا ہوا۔ پست۔ مسخر۔ آسان۔ فرمانبردار اونٹنی جس پر آسانی اور سہولت سے سواری کی جاسکے، عرب اسے نَاقَةُ ذُلُّ کہتے ہیں۔ ﴿إِنَّهَا بِقَرَّةٍ لَا ذُلُّ تَنْبِيْرُ الْأَرْضِ﴾ (2/ البقرة: 71) ”بے شک وہ ایک گائے ہے، نہیں سدھائی گئی کہ وہ ہل چلائے زمین میں۔“ نوٹ کر لیں کہ ذُلُّ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مونث کے لیے ”ق“ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی اسی لیے البقرة: 71 میں بِقَرَّةٍ کی صفت کے لیے اس کے ساتھ ”ق“ نہیں لگائی گئی۔ قرآن مجید میں یہ لفظ زمین کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا﴾ (67/ الملك: 15) ”وہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ اس صورت میں اس سے مراد ہوتا ہے مسخر کی ہوئی زمین، نرم کی ہوئی زمین یا ہموار کی ہوئی زمین۔ ذُلُّ کی جمع ذُلُلٌ آتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ فَاسْلِكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا﴾ (16/ النحل: 69) ”پھر ہر (قسم کے) پھلوں سے (رس) چوستی پھر، پھر اپنے پروردگار کے راستوں میں چل جو تیرے لیے آسان ہیں۔“ (ترجمہ ماجدی)۔

ذلیل و خوار کرنا۔ ﴿وَتَعَزَّوْا مِنْ تَشَاءِ وَتَذَلُّوا مِنْ تَشَاءِ﴾ (3/ آل عمران: 26) ”تو جسے چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے۔“ (ترجمہ ماجدی)

ذلیل کرنا۔ تابع کرنا۔ پست کرنا۔ اختیار میں کرنا۔ ﴿وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ﴾ (36/ البقرة: 72) ”اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿وَذَلَّلْتُ قَطُوفَهَا تَذَلُّلًا﴾ (76/ الدهر: 14) ”اور پست کر رکھے ہیں اس کے گچھے لٹکا کر۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”اور ان کے میوے ان کے بالکل اختیار میں ہوں گے۔“ (ترجمہ ماجدی)

س ل ک ن: البقرة آیت 35 دیکھیں۔

ب و ع

(ن)

بَوَّءَ

لغت میں اس کے تین معنی آتے ہیں۔ (۱) لوٹنا۔ پھرنا۔ (۲) مستحق ہونا۔ حق دار ہونا۔ (۳) کمانا۔ ﴿أَفَبَيْنَ الْأَغْنَىٰ وَرِضْوَانِ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ﴾ (3/ آل عمران: 162) ”کیا پس وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے درپے ہے، اس شخص جیسا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے؟“ (ترجمہ حسن البیان)۔ ”کیا جو شخص رضائے الہی کا تابع ہے وہ بھلا اس جیسا ہو جائے گا جو غضب الہی کا مستحق ہے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ ”کیا ایک شخص جو تابع ہے اللہ کی مرضی کا برابر ہو سکتا ہے اُس کے جس نے کمایا غصہ اللہ کا۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ آیت زیر مطالعہ میں بھی بَاءُ و کا ترجمہ پہلے اور

دوسرے معنی کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔ ﴿إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبْوَأَ بِأَشْجَىٰ وَأَشْهَكَ﴾ (5/ المائدة: 29) ”میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو لوٹے میرے قتل کے گناہ اور اپنے پیچھے گناہ کے ساتھ۔“

کسی کو ٹھکانا دینا۔ کسی مناسب مقام کا تعین کرنا۔ جگہ مقرر کرنا۔ ﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنَنْبُوَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ط﴾ (16/ النحل: 41) ”اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے ہجرت کی بعد اُس کے کہ اُن پر ظلم ہو چکا تھا ہم اُن کو دنیا میں بھی بہت اچھا ٹھکانا دیں گے۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ ﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ ط﴾ (22/ الحج: 26) ”اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کے (تعمیر کرنے) کی جگہ۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَإِذْ عَدَوْتُ مِنْ أَهْلِكَ ثُبُوءً ط﴾ (3/ آل عمران: 121) ”اور یاد کرو (اے محبوبؐ) جب صبح سویرے رخصت ہوئے آپؐ اپنے گھروں سے (اور میدانِ اُحد میں) بٹھارہے تھے مومنوں کو مورچوں پر جنگ کے لیے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(تفعیل) تَبْوِيَةً

اسم المفعول ہے جو ظرف کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ٹھکانہ۔ اقامت کی جگہ۔ ﴿وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ مَبْوَءَ صِدْقٍ ط﴾ (10/ یونس: 93) ”اور یقیناً ہم نے ٹھکانہ دیا بنی اسرائیل کو، سچائی کا ٹھکانہ (یعنی بہترین ٹھکانہ)۔“ اقامت اختیار کرنا۔ ﴿وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ط﴾ (12/ یوسف: 56) ”اور اس طرح ہم نے اختیار دیا یوسفؑ کو اس زمین میں یعنی ملک مصر میں کہ وہ اقامت اختیار کریں اس میں جہاں وہ چاہیں۔“ حدیث مبارک میں فرمایا: مَنْ كَذَبَ عَلَى مُتَعَدٍّ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ”جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ لگائے اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے۔“ (بحوالہ مفردات القرآن ج ۱، ص ۱۲۹)

مَبْوَءٌ

(تفعیل) تَبْوَةً

غضب: الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔

ل ۵: آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ل ۱۰: البقرة آیت 10 دیکھیں۔

ق ۱: البقرة آیت 54 دیکھیں۔

ل ۶: البقرة آیت 6 دیکھیں۔

ن ب و

(ن)

نَبْوَةٌ

بلند و بالا ہونا۔

نَبِيٌّ

ج: نَبِيُّونَ اور أَنْبِيَاءُ۔ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بلند و بالا۔ اعلیٰ و ارفع۔ نبی کو نبی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں میں معزز اور بلند اقدار کا حامل ہوتا ہے۔ ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ الْكَنُزُ الْكِنُزُ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ط﴾ (19/ مریم: 30) ”بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے دی مجھے کتاب اور اس نے بنایا مجھے نبی۔“ ﴿وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ ط﴾ (2/ البقرة: 136) ”اور جو دیا گیا نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔“ ﴿فَلَمَّا تَفَتَّلُوا أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ ط﴾ (2/ البقرة: 91) ”تو کیوں تم لوگ قتل کرتے تھے اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے۔“ مولانا مودودیؒ نبیؑ کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”نبیؑ“ کے معنی میں اہل لغت کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اس کو لفظ نَبَا سے مشتق قرار دیتے ہیں جس کے معنی خبر کے ہیں، اور اس اصل کے لحاظ سے نبی کے معنی ”خبر دینے والے“ کے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کا مادہ نَبُو ہے، یعنی رفعت اور بلندی۔ اور اس معنی کے لحاظ سے نبی کا مطلب ہے ”بلند مرتبہ“ اور ”عالی مقام“ ازہری نے کسائی سے ایک تیسرا قول بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لفظ دراصل نبیؑ ہے جس کے معنی طریق اور راستے کے ہیں اور انبیاء کو نبی اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف جانے کا راستہ ہیں۔ پس کسی شخص کو

”رسول نبی“ کہنے کا مطلب یا تو ”عالی مقام پیغمبر“ ہے یا ”اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دینے والا پیغمبر“ یا پھر ”وہ پیغمبر جو اللہ کا راستہ بتانے والا ہے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۷۲)۔ البتہ نوٹ کر لیجئے کہ قرآن مجید میں کسی نبی کے لیے نَبِیُّءٌ کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ نَبِیُّ آیا ہے۔ خود حضورؐ نے بھی اپنے لیے نَبِیُّ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے حضورؐ کو خطاب کر کے کہا یا نَبِیُّ اللہ، تو آپؐ نے ان کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا: ”کُنْتُ بِنَبِیِّ اللہ وَلَکِنْ نَبِیُّ اللہ۔“ اب عربی میں نَبِیُّءٌ کا لفظ جھوٹے مدعی نبوت کے لیے آتا ہے۔ جیسے تَنْبَأُ مُسَیْنِکُمُ (جھوٹا دعویٰ نبوت کیا مسلمانہ نے)۔

نُبُوَّةٌ اسم ذات ہے۔ بلندی۔ سرفرازی۔ نبوت۔ نبوت کے اصطلاحی معنی ہیں لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو پیغمبری ملنا۔ ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ اتَّيَبُتْهُمْ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ﴾ (6/ الانعام: 89) ”یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے دی کتاب اور حکم اور نبوت۔“

غَيْبُ: الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔ ح ق ق: البقرة آیت 26 دیکھیں۔

ع ص ی

(ض) عَصِيَانًا، عَصِيًّا اور مَعْصِيَةً حکم عدولی کرنا۔ نافرمانی کرنا۔ اطاعت سے نکل جانا۔ ﴿فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ﴾ (73/ الزمر: 16) ”پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی۔“ ﴿فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (14/ ابراہیم: 36) ”پس جس نے پیروی کی میری تو بے شک وہ مجھ سے ہے اور جس نے نافرمانی کی میری تو یقیناً تو بے انتہا بخشنے والا، ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔“ ﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ﴾ (66/ التحریم: 6) ”نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اُس نے انہیں حکم دیا۔“

يَعْصِي مَنْ يَعْصِي اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ مُبِينًا ﴿ط﴾ (33/ الاحزاب: 36) ”اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو وہ بھٹک گیا کھلی گمراہی میں۔“

عَصِيٌّ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت مشبہ یا مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بڑا نافرمان۔ بہت حکم عدولی کرنے والا (اس میں ہمیشہ یا مسلسل نافرمانی کرنے کا مفہوم ہے)۔ ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا﴾ (19/ مریم: 44) ”بے شک شیطان رحمن کا بڑا نافرمان ہے۔“

مَعْصِيَةٌ مصدر میمی بھی ہے اور اسم بھی۔ مطلب ہے نافرمانی کرنا۔ اور نافرمانی، حکم عدولی۔ ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا بِالْإِفْهَامِ وَالْعَدْوَانِ وَ مَعْصِيَةِ الرَّسُولِ﴾ (58/ المجادلہ: 9) ”تو تم لوگ باہم مشورہ مت کرو گناہ کا اور سرکشی کا اور ان رسولؐ کی نافرمانی کا۔“ مصدر کے علاوہ بطور اسم بھی استعمال ہوتا ہے۔ نافرمانی۔ گناہ۔ یہ لفظ اطاعت کی ضد ہے۔ ﴿وَكَذَلِكَ لِيُكْفَرُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ (49/ الحجرات: 7) ”اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کفر، فسق اور نافرمانی کو۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

ع د و: البقرة آیت 36 دیکھیں۔

## ترکیب

’وَعُطِفَ‘ کا ہے اور اِذْ ظَرْفِ زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْکُرُوا محذوف ہے۔ قُلْتُمْ ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ یٰمُوسٰی میں، یا حرف نداء ہے اور موسٰی منادی۔ کُنْ نواصب مضارع میں سے ہے اسی لیے نَصْبِ حالت نصب میں ہے اور مضارع پر داخل ہو تو مستقبل میں زور دار نفی کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ متعلق ہے نَصْبِ کے۔ طَعَامٍ وَّاحِدٍ مرکب توصیفی ہے۔ فَادْعُ میں ’ف‘ استئنافية ہے۔ اُدْعُ فعل امر ہے۔ لَنَا متعلق فعل ہے اور رَبِّکَ مفعول ہے۔ اُدْعُ کا جواب امر ہونے کی وجہ سے یُخْرِجُ مجرور م ہوا ہے۔ لَنَا متعلق فعل ہے۔ مِنَّا مرکب ہے۔ مِنْ حرف جر اور ’مَا‘ اسم موصول کا۔ تُثْبِتُ الْأَرْضُ جملہ فعلیہ صلہ ہے ’مَا‘ موصول کا اس میں تُثْبِتُ فعل ہے اور الْأَرْضُ اس کا فاعل ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے یعنی مِنَّا تُثْبِتُهُ الْأَرْضُ، صلہ اور موصول مل کر حالت جر میں ہیں مِن کی وجہ سے اور جار مجرور مل کر متعلق ہیں یُخْرِجُ سے۔ مِنْ بَقْلَہَا میں ’مِنْ‘ بیانیہ ہے جو تفصیل یا وضاحت کے لیے آتا ہے۔ یہاں یہ مِنَّا میں اسم موصول ’مَا‘ کی وضاحت کر رہا ہے۔ بَقْلَہَا سے بَقْلَہَا تک سارے مرکب اضافی ہیں۔ سارے مضاف مِن کی وجہ سے حالت جر میں ہیں اور ’ہَا ضمیریں، الْأَرْضُ کے لیے ہیں۔ قَالَ، ماضی میں واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اَسْتَسْبِدُّ لَّوْنٍ میں ’ا‘ استفہامیہ ہے۔ تَسْتَسْبِدُّ لَّوْنٍ مضارع میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ اَلَّذِیْ۔ اسم موصول ہے اور آگے جملہ اسمیہ ہُوَ اَدْنٰی اس کا صلہ ہے اور صلہ اور موصول مل کر مفعول ہیں تَسْتَسْبِدُّ لَّوْنٍ کا۔ یعنی یہ وہ چیز ہے جو چاہی جارہی ہے اور آگے ’ب‘ صلے کے ساتھ اس چیز کا ذکر ہے جس کے بدلے میں چاہی جارہی ہے۔ چنانچہ بِالَّذِیْ ہُوَ خَیْرٌ میں ’ب‘ حرف جر ہے اَلَّذِیْ اسم موصول اور جملہ اسمیہ ہُوَ خَیْرٌ اس کا صلہ ہے۔ اور صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں ’ب‘ کی وجہ سے۔ اِهْبِطُوا۔ فعل امر ہے اور مَصْرُوعٌ مفعول بہ ہے۔ فَاَنْتَ میں ’ف‘ استئنافية ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ ’مَا‘ اسم موصول اور سَأَلْتُمْ جملہ فعلیہ اس کا صلہ۔ صلہ اور موصول مل کر اِنَّ کا اسم ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور لَکُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ وَضَرَبْتَ میں ’وَ‘ استئنافية ہے۔ ضَرَبْتَ فعل مجہول ہے۔ عَلَیْہُمْ متعلق فعل ہے اور اَلَّذِیْ لَہُ اور اَلْمَسْکِنَةُ نَائِبُ الْفَاعِلِ ہیں۔ بَاۡتُوْا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس کے واو الجمع کا الف خلاف قاعدہ گرا ہوا ہے۔ آگے بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ اس سے متعلق ہے۔ ذٰلِکَ۔ مبتدا ہے اور اس سے ذلت اور مسکنت کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور بِاَنْہُمْ سے شروع ہونے والا جملہ متعلق خبر ہے جو کہ اب قائم مقام خبر ہوگا۔ بِاَنْہُمْ میں ’ب‘ سیبیہ ہے۔ اَنْ۔ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ ہُمْ اس کا اسم اور جملہ فعلیہ کَانُوْا یُکْفِرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ اس کی خبر ہے۔ آگے وَعُطِفَ کا ہے اور جملہ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیْنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ، جملہ ماقبل پر عطف ہے۔ آگے ذٰلِکَ۔ مبتدا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے یہاں سے شروع ہونے والا جملہ متعلق خبر ہے۔ جو کہ اب قائم مقام خبر ہوگا۔ ہٰمٰی میں ’ب‘ سیبیہ ہے۔ ’مَا‘ مصدر یہ ہے جس نے اگلے فعل کے ساتھ مل کر مصدری معنی پیدا کر دیئے ہیں۔ یہاں ذٰلِکَ کا اشارہ بھی ذلت اور مسکنت کی طرف ہے۔ آگے وَعُطِفَ کا ہے، کَانَ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے اور جملہ فعلیہ یَعْتَدُوْنَ، کَانَ کی خبر ہے۔ اس جملے میں بھی ’مَا‘ مصدر یہ کی وجہ سے مصدری معنی پیدا ہو گئے ہیں اور یہ جملہ ان معنوں میں ہے ذٰلِکَ بِعَصِیَانِہُمْ وَبِکُوْنِہُمْ یَعْتَدُوْنَ۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ	وَ اِذْ قُلْتُمْ	یٰمُوسٰی	کُنْ نَصْبِ	عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ
البقرة: 61	اور (یاد کرو) جب کہا تم نے	اے موسٰی	ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے	ایک ہی طرح کے کھانے پر
	فَادْعُ	لَنَا	رَبِّکَ	یُخْرِجُ لَنَا
	پس آپ پکاریے	ہمارے لیے	اپنے رب کو	کہ وہ نکالے ہمارے لیے
	تُثْبِتُ	اَلْاَرْضُ	مِنْ	بَقْلَہَا
	اُگاتی ہے	زمین	جیسے کہ	اس کی سبزی
			وَقَوَّیْہَا	وَقَوَّیْہَا
			اور اس کی ٹکڑی	اور اس کی گندم/لہسن

وَعَدَّ سَهَا	وَبَصَلَهَا ط	قَالَ	اَسْتَبْدِلُوْنَ
اور اس کی مسور	اور اس کا پیاز	انہوں نے کہا	کیا تم تبدیلی میں چاہتے ہو
الَّذِي هُوَ اَدْنٰى	بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ط	اِهْبِطُوْا	مِصْرًا
اس کو جو کمتر ہے	اس کے بدلے جو بہتر ہے	تم اترو	کسی شہر میں
لَكُمْ	مَا سَأَلْتُمْ ط	وَضَرَبَتْ عَلَيْهِمْ	الدِّلَّةُ
تمہارے لیے ہے	وہ جو تم نے مانگا	اور ان پر تھوپ دی گئی	ذلت
وَبَآءُوْ	بِعَظَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط	ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ	
اور وہ لوگ لوٹے/مستحق ہو گئے	اللہ کے غضب کے ساتھ/اللہ کے غضب کے	یہ اس لیے کہ وہ	
كَانُوا يَكْفُرُوْنَ	بِآيَاتِ اللّٰهِ	وَيَقْتُلُوْنَ	النَّبِيْنَ
انکار کیا کرتے تھے	اللہ کی آیات کا	اور قتل کیا کرتے تھے	نبیوں کو
ذٰلِكَ بِمَا	عَصَوْا	وَكَانُوا يَعْتَدُوْنَ	
یہ اس سبب سے جو	انہوں نے نافرمانی کی	اور جو وہ حد سے تجاوز کیا کرتے تھے	

## نوٹ

آیت کی ترکیب میں آپ کو بتایا گیا ہے کہ لفظ بَآءُوْ میں الف خلاف قاعدہ محذوف ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھ لیں۔ ابتداء جب قرآن مجید لکھا گیا تو کچھ الفاظ اس طرح نہیں لکھے گئے جیسے عام عربی میں لکھے جاتے ہیں۔ مثلاً صَلَوةً کے بجائے صَلَوَةٌ۔ اسی طرح واو الجمع کا لفظ بعض مقامات پر یا تو خلاف قاعدہ لکھا گیا ہے یا محذوف ہے۔ اب یہ تحقیق و تفتیش کہ ایسا کیوں ہوا، ایک ایسی سعی ہے جس کا حاصل کچھ نہیں ہے۔ البتہ اس حوالے سے جو بات سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ ابتداء قرآن مجید جس طرح لکھا گیا تھا، آج تک اسے اسی طرح لکھا جا رہا ہے (اسے رسم عثمانی کہا جاتا ہے)۔ اصول یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس مقام پر جو لفظ جس طرح لکھا ہے، اس مقام پر وہی قرآن کا درست املا ہے۔ کسی لفظ کو مروجہ عربی کے مطابق لکھنا یا کسی خلاف قاعدہ لفظ کو درست کر کے قاعدے کے مطابق لکھنا قرآن مجید کا غلط املا شمار کیا جاتا ہے۔ جیسے تَتَذَكَّرُوْنَ اور تَذَكَّرُوْنَ ایک ہی لفظ ہے اور اسے دونوں طرح لکھنا درست ہے۔ لیکن قرآن مجید میں جس مقام پر تَتَذَكَّرُوْنَ لکھا ہے وہاں تَذَكَّرُوْنَ لکھنا اور پڑھنا غلط ہے اور جہاں تَذَكَّرُوْنَ لکھا ہے وہاں تَتَذَكَّرُوْنَ لکھنا اور پڑھنا غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگوں کے درجات بلند فرمائے جنہوں نے اتنے غیر لچکدار (RIGID) اصول وضع کر کے قرآن مجید کو تحریف سے محفوظ رکھنے کا انتظام کیا۔ (از لطف الرحمن خان صاحب)

## آیت: 62

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّبِيَّانَ مِنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلُوا صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ٦٢

ع م ن: البقرة آیت 3 دیکھیں۔

ہ و د

(ن) هُوَ (۱) تو بہ کرنا۔ رجوع کرنا۔ حق کی طرف لوٹنا۔ (۲) یہودی ہونا۔ یہودی بننا۔ ﴿إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ط﴾ (7/ الاعراف: 156) ”بے شک ہم نے رجوع کیا تیری طرف۔“ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ﴾ (62/ جمعہ: 6) ”اے لوگو جو یہودی ہوئے اگر تم کو زعم ہے کہ تم لوگ اللہ کے دوست ہو، دوسروں کے سوا، تو تم لوگ تمنا کرو موت کی۔“

الَّذِينَ هَادُوا اس آیت مبارکہ میں الَّذِينَ هَادُوا کی اصطلاح پہلی مرتبہ آئی ہے۔ مناسب ہے کہ اس کی وضاحت کر دی جائے۔ حضرت مولانا مودودیؒ سورۃ الحجۃ کی آیت نمبر 6 ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ”یہ نکتہ قابل توجہ ہے“ اے یہودیو، ”نہیں کہا ہے بلکہ“ اے وہ لوگو جو یہودی بن گئے ہو، ”یا“ جنہوں نے یہودیت اختیار کر لی ہے، ”فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل دین جو موسیٰؑ اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء لائے تھے وہ تو اسلام ہی تھا۔ ان انبیاء میں سے کوئی بھی یہودی نہ تھا، اور نہ ان کے زمانے میں یہودیت پیدا ہوئی تھی۔ یہ مذہب اس نام کے ساتھ بہت بعد کی پیداوار ہے۔ یہ اُس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوبؑ کے چوتھے بیٹے یہوداہ کی نسل سے تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد جب سلطنت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی تو یہ خاندان اُس ریاست کا مالک ہوا جو یہودیہ کے نام سے موسوم ہوئی، اور بنی اسرائیل کے دوسرے قبیلوں نے اپنی الگ ریاست قائم کر لی جو سامریہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ پھر اسیریا نے نہ صرف یہ کہ سامریہ کو برباد کر دیا بلکہ اُن اسرائیلی قبیلوں کا بھی نام و نشان مٹا دیا جو اس ریاست کے بانی تھے۔ اس کے بعد صرف یہوداہ، اور اس کے ساتھ بن یامین کی نسل باقی رہ گئی جس پر یہوداہ کی نسل کے غلبے کی وجہ سے ”یہود“ ہی کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اس نسل کے اندر کاهنوں اور ربیوں اور اخبار نے اپنے اپنے خیالات و نظریات اور رجحانات کے مطابق عقائد اور رسوم اور مذہبی ضوابط کا جوڈھانچہ صد ہا برس میں تیار کیا اس کا نام یہودیت ہے۔ یہ ڈھانچہ چوتھی صدی قبل مسیح سے بننا شروع ہوا اور پانچویں صدی عیسوی تک بنتا رہا۔ اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی ربانی ہدایت کا بہت تھوڑا ہی عنصر اس میں شامل ہے۔ اور اس کا حلیہ بھی اچھا خاصا بگڑ چکا ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ان کو الَّذِينَ هَادُوا کہہ کر خطاب کیا گیا ہے، یعنی ”اے وہ لوگو جو یہودی بن کر رہ گئے ہو۔“ ان میں سب کے سب اسرائیلی ہی نہ تھے، بلکہ وہ غیر اسرائیلی لوگ بھی تھے جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ قرآن میں جہاں بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے وہاں ”اے بنی اسرائیل“ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اور جہاں مذہب یہود



کے پیروؤں کو خطاب کیا گیا ہے وہاں اَلَّذِينَ هَادُوا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔“ (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۸۹) اور مولانا عبدالماجد دریا بادی فرماتے ہیں ”اَلَّذِينَ هَادُوا“ اور جو لوگ یہودی ہوئے، یعنی جو لوگ دین یہودیت کے پیرو ہیں۔ خواہ پہلے سے یہودی چلے آ رہے ہوں یا پہلے مشرک تھے اب یہود کے عقیدے اور شعار اختیار کر لیے ہوں۔ اب تک ذکر بنی اسرائیل کے نام کے ایک خاندان کا چلا آ رہا تھا۔ اب ذکران کے مسلک اور عقیدوں کا شروع ہوتا ہے اور پہلی بار لفظ اَلَّذِينَ هَادُوا آیا ہے۔ مذہب یہود ایک نسلی مذہب ہے۔ تبلیغی مذہب نہیں کسی غیر اسرائیلی کو باضابطہ یہودی بنانے کا طریقہ ان کے ہاں نہیں لیکن عرب میں متعدد قبیلے ایسے آباد تھے جو نہ پیدائشی یہودی تھے اور نہ سلاً اسرائیلی۔ بلکہ عرب یا بنی اسمعیل تھے۔ لیکن یہودی صحبت سے متاثر، اور ان کے علوم سے مرعوب ہو کر انہوں نے پہلے یہود کے طور طریقے اور پھر اُن کے عقیدے اختیار کر لیے اور رفتہ رفتہ اُن کا شمار بھی یہودی آبادی میں ہونے لگا۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۳۴، تلخیصاً)

هُودٌ

یہ اسم الفاعل ہَادٍ کی جمع ہے یعنی توبہ کرنے والا۔ رجوع کرنے والا۔ قرآن مجید میں یہ اسم علم کے طور پر آیا ہے۔ (۱) بنی اسرائیل کا فرد۔ یہودی۔ هَادٍ کے معنی نرمی کے ساتھ آہستہ آہستہ رجوع کرنا بھی ہے اور یہودی ہونا بھی۔ تورات کو تلاوت کے وقت آہستہ آہستہ اور جھوم کر پڑھنے سے ان کا نام یہودی ہوا (مفردات) اور بعض لوگوں کے خیال کے مطابق ان کی نسبت حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یہودا کی طرف ہے۔ اور بعض بزرگوں کے مطابق بچھڑے کی پرستش سے توبہ کرنے کی وجہ سے یہودی کہلائے۔ ﴿وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا﴾ (البقرة: 135) ”اور ان لوگوں نے کہا کہ تم لوگ ہو جاؤ یہودی یا عیسائی تو تم لوگ ہدایت پاؤ گے۔“ (۲) حضرت ہودؑ کا نام۔ ﴿كَذَّبَتْ عَادُ الْفَرَسَلِينَ﴾ (ذُ قَالَتْ لَهُمْ اٰخُوهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ) (26/ اشعراء: 123-124) ”جھٹلایا قوم عاد نے بھیجے ہوؤں کو یعنی رسولوں کو۔ جب کہا ان سے ان کے بھائی ہودؑ نے کہ تم لوگ اللہ کی ناراضگی سے کیوں نہیں ڈرتے۔“

يَهُودِيٌّ

ج: يَهُودٌ۔ اسم نسبت ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی پیروی کرنے والا۔ مذہب یہود رکھنے والا۔ یہودی۔ ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا﴾ (3/ آل عمران: 67) ”حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ عیسائی۔“ وَ قَالَتِ الْيَهُودُ كَيْسَتْ النَّصْرٰى عَلَى شَيْءٍ ص ﴿(2/ البقرة: 113) ”اور یہودیوں نے کہا کہ عیسائی کسی چیز پر نہیں ہیں۔“

ن ص ر: البقرة آیت 48 دیکھیں۔

ص ب ع

(ف)

صَبَأٌ  
صَابِئٌ

مذہب تبدیل کرنا۔ بے دین ہونا۔ جب کوئی شخص اسلام لاتا تھا تو کفار کہتے تھے قَدْ صَبَأَ وہ دین سے پھر گیا۔ ج: صَابِئُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ مذہب تبدیل کرنے والا۔ بے دین ہونے والا۔ صابی مذہب کا پیروکار۔ آیت زیر مطالعہ۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی فرماتے ہیں: ”صابی کے لفظی معنی ہیں جو کوئی بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں آجائے یا اُس کی طرف مائل ہو جائے۔ اصطلاح میں صابیون (Sabians) کے نام کا ایک مذہبی فرقہ تھا جو عرب کے شمال و مشرق میں شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا۔ یہ لوگ دین توحید اور عقیدہ رسالت کے قائل تھے اور اس لیے اصلاً اہل کتاب تھے، اپنے کو ”نصارائے یحییٰ“ کہتے تھے۔ گویا حضرت یحییٰؑ کی اُمت تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے مبصر و نکتہ رس خلیفہ راشد اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے محقق صحابی نے صابیوں کا شمار اہل کتاب میں کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال مانا ہے۔ تابعین میں سے متعدد اکابر ان کے اہل کتاب یا موحد ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔

اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ جو خود بھی عراقی تھے اور اس لیے صابیوں سے براہ راست واقفیت کا موقع رکھتے تھے، ان کا فتویٰ ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کے ہاں کی عورتوں سے نکاح بھی جائز۔ (تفسیر ماجدی، ص ۳۴، تلخیصاً)۔ صاحب احسن البیان فرماتے ہیں: ”صَابِئِيْنَ، صَابِيَّةٌ“ کی جمع ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو یقیناً ابتداءً کسی دین حق کے پیرو رہے ہوں گے اسی لیے قرآن میں یہودیت و عیسائیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے لیکن بعد میں ان کے اندر فرشتہ پرستی اور ستارہ پرستی آگئی، یا یہ کسی بھی دین کے پیرو نہ رہے۔ اسی لیے لامذہب لوگوں کو صابی کہا جانے لگا۔“ (احسن البیان، ص ۲۷)

مَنْ: البقرة آیت 8 دیکھیں۔ ع ل ۵: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ يَوْمُ: الفاتحة آیت 3 دیکھیں۔  
ع خ ر: البقرة آیت 4 دیکھیں۔ ع م ل: البقرة آیت 25 دیکھیں۔ ص ل ح: البقرة آیت 11 دیکھیں۔

ع ج ر

(ن) أَجْرًا اور أَجْرَةً بدلہ دینا، خواہ وہ بدلہ دنیاوی ہو یا اُخروی۔ مزدوری دینا۔ کسی کی مزدوری کرنا۔ ﴿رَبِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَکَ اِحْدٰی ابْنَتَیْ هٰتَیْنِ عَلٰی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمَنَیْ حَبِیْجٍ﴾ (28/ القصص: 27) ”بے شک میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں نکاح کردوں تجھ سے دو میں سے اپنی ایک بیٹی کا، اس پر کہ تو مزدوری کرے میری آٹھ برس۔“

ج: أَجُورٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ کسی کام کا بدلہ۔ اجرت۔ مزدوری۔ یہ دنیا اور آخرت، دونوں جگہ کے بدلے کے لیے آتا ہے لیکن صرف اچھے بدلے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ برے بدلے کے لیے نہیں آتا۔ جبکہ لفظ جزاء اچھے اور برے، دونوں طرح کے بدلے کے لیے آتا ہے۔ ﴿وَلَا تُجْرُوا الْاٰخِرَةَ اَلْکِبْرُ مَرُّ کَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ﴾ (16/ النحل: 41) ”اور یقیناً آخرت کا بدلہ سب سے بڑا ہے کاش وہ لوگ جانتے ہوتے۔“ ﴿اُولٰٓئِکَ سَوَفَ یُؤْتٰیهِمْ اُجُورُهُمْ﴾ (4/ النساء: 152) ”یہ لوگ ہیں، وہ عنقریب دے گا ان کو ان کے بدلے۔“ قرآن مجید میں أَجُور کا لفظ کنایہ عورتوں کے مہر کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿وَاَتَوْهُنَّ اُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (4/ النساء: 25) ”اور دو ان کے مہر موافق دستور کے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

(استفعال) اِسْتَجَارًا کسی کو مزدوری پر رکھنا۔ ﴿اِنَّ خَیْرَ مِّنْ اِسْتَاْجَرْتَ﴾ (28/ القصص: 26) ”یقیناً وہ بہتر ہے جس کو آپ نے مزدوری پر رکھا۔“  
اِسْتَاْجُرُ فعل امر ہے۔ تو مزدوری پر رکھ۔ ﴿قَالَتْ اِحْدِلْهُمَا یَا بَتِ اِسْتَاْجِرْ﴾ (28/ القصص: 26) ”کہا دو میں سے ایک نے اے میرے والد! آپ مزدوری پر رکھیں اس کو۔“

عِنْدَ: البقرة آیت 54 دیکھیں۔ ر ب ب: الفاتحة آیت 1 دیکھیں۔ خ و ف: البقرة آیت 38 دیکھیں۔  
ح ز ن: البقرة آیت 38 دیکھیں۔

ترکیب

اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے اَلصّٰبِیُّیْنَ تک پورا جملہ اِنَّ کا اسم ہے۔ مَنْ اٰمَنَ سے عَمِلَ صَالِحًا تک جملہ شرطیہ ہے۔ فَلَهُمْ سے یَحْزَنُوْنَ تک جواب شرط ہے۔ یہ شرط اور جواب شرط مل کر اِنَّ کی خبر ہے۔  
مَنْ اٰمَنَ کے بعد مِنْهُمْ محذوف ہے، اس کو حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے ترجمے میں واضح کیا ہے، فرماتے ہیں ”جو ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر.....“۔ مَنْ اصلاً واحد لفظ ہے لیکن جمع کے معنی بھی دیتا ہے اور یہاں جمع کے معنی میں آیا ہے۔ اس لیے لفظی رعایت کے تحت اٰمَنَ واحد کا صیغہ آیا ہے پھر

معنوی رعایت کے تحت جواب شرط لہم میں جمع کی ضمیر ہم آئی ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ آیت کے آخری حصے فَلَاحُوفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کے متعلق فرماتے ہیں: ”خوف کی نفی تو عام انداز میں کردی گئی، مگر حزن کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ لَا حُزْنَ عَلَيْهِمْ، بلکہ بصیغہ فعل لایا گیا، اور اُس کی ضمیر فاعل کو مقدم کر کے وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ فرمایا گیا، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ کسی چیز یا مراد کے فوت ہونے کے غم سے آزاد ہونا صرف انہی اولیاء اللہ کا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات کی مکمل پیروی کرنے والے ہیں، ان کے سوا کوئی انسان اس غم سے نہیں بچ سکتا۔“ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۲۰۲)

ترجمہ	إِنَّ الَّذِينَ	آمَنُوا	وَالَّذِينَ	هَادُوا	وَالنَّصَارَى
البقرة: 62	بے شک جو لوگ	ایمان لائے	اور وہ لوگ جو	یہودی ہوئے	اور نصرانی ہوئے

وَالضَّالِّينَ	مَنْ آمَنَ	بِاللَّهِ	وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
اور صائبی ہوئے	جو ایمان لایا (ان میں سے)	اللہ پر	اور آخری دن پر

وَعَمِلَ صَالِحًا	فَلَهُمْ	أَجْرُهُمْ	عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ	وَلَا خَوْفٌ
اور عمل کیے نیک	تو ان کے لیے ہے	ان کا اجر	ان کے رب کے پاس	اور کچھ خوف نہیں ہے

عَلَيْهِمْ	وَلَا هُمْ	يَحْزَنُونَ
ان پر	اور نہ ہی وہ لوگ	غمگین ہوں گے

**نوٹ** اس آیت کے متعلق مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ”سلسلہ عبارت کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں ایمان اور اعمال صالحہ کی تفصیلات بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ کن کن باتوں کو آدمی مانے اور کیا کیا اعمال کرے تو خدا کے ہاں اجر کا مستحق ہو۔ یہ چیزیں اپنے اپنے موقع پر تفصیل کے ساتھ آئیں گی۔ یہاں تو یہودیوں کے اس زعمِ باطل کی تردید مقصود ہے کہ وہ صرف یہودی گروہ کو نجات کا اجارہ دار سمجھتے تھے۔ وہ اس خیالِ خام میں مبتلا تھے کہ ان کے گروہ سے اللہ کا کوئی خاص رشتہ ہے جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہے، لہذا جو ان کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے وہ خواہ اعمال اور عقائد کے لحاظ سے کیسا ہی ہو، بہر حال نجات اس کے لیے مقدر ہے اور باقی تمام انسان جو ان کے گروہ سے باہر ہیں وہ صرف جہنم کا ایندھن بننے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ہاں اصل چیز تمہاری یہ گروہ بندیاں نہیں ہیں بلکہ وہاں جو کچھ اعتبار ہے، وہ ایمان اور عمل صالح کا ہے۔ جو انسان بھی یہ چیز لے کر حاضر ہوگا وہ اپنے رب سے اپنا اجر پائے گا۔ خدا کے ہاں فیصلہ آدمی کی صفات پر ہوگا نہ کہ تمہاری مردم شماری کے رجسٹروں پر۔“ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۸۲)

### آیت: 63

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ط خُذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

إِذْ: البقرة آیت 30 دیکھیں۔ ع خ ذ: البقرة آیت 48 دیکھیں۔ و ث ق: البقرة آیت 27 دیکھیں۔

ر ف ع

(ف)

رَفَعْنَا

اٹھانا۔ بلند کرنا۔ یہ حسّی اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً حسّی طور پر بلند کرنے کے لیے آیت زیر مطالعہ

میں فرمایا: ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ﴾ ”اور بلند کیا ہم نے تمہارے اوپر طور کو۔“ یا فرمایا: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ ط﴾ (2/ البقرة: 127) ”اور یاد کرو جب اٹھا رہے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسماعیل بھی۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اور معنوی طور پر بلند کرنے کے لیے فرمایا: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ط﴾ (94/ آل عمران: 4) ”اور ہم نے بلند کیا آپ کے لیے آپ کے ذکر کو۔“ یا فرمایا: ﴿وَرَفَعَ بَعْضُكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ﴾ (6/ الانعام: 165) ”اور بلند کیا ہے تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آواز کے متعلق استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے آواز اونچی کرنا۔ جیسے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (49/ الحجرات: 2) ”اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کریم کی آواز سے۔“

**رَفِيعٌ** کا وزن ہے اسم الفاعل کے معنی میں۔ اٹھانے والا۔ بلند کرنے والا۔ ﴿رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ ع﴾ (40/ مؤمن: 15) ”درجات کا بلند کرنے والا، عرش والا۔“

**رَافِعٌ** مؤنث: رَافِعَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ اٹھانے والا۔ بلند کرنے والا۔ ﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيُعِيسَى إِبْنِي مَرْيَمَ أَنِ امْصُرْكَ وَارْفَعْكَ إِلَى﴾ (3/ آل عمران: 55) ”جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ! میں پورا پورا لینے والا ہوں آپ کو اور اٹھانے والا ہوں آپ کو اپنی طرف۔“ ﴿خَافِضَةً ذَافِعَةً﴾ (56/ الواقعة: 3) ”پست کرنے والی، بلند کرنے والی۔“

**مَرْفُوعٌ** مؤنث: مَرْفُوعَةٌ۔ اسم المفعول ہے۔ بلند کیا ہوا۔ ﴿وَالسَّقْفَ الْمَرْفُوعَ﴾ (52/ الطور: 5) ”قسم ہے بلندی ہوئی چھت یعنی آسمان کی۔“ ﴿فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ﴾ (80/ عبس: 13-14) ”عزت دیے ہوئے، بلند کیے ہوئے، پاک کیے ہوئے صحیفوں میں۔“

فَوْقُ: البقرة آیت 20 دیکھیں۔

ط و ر

(ن)

كُورًا، كُورًا

كُورٌ

قریب ہونا۔ نزدیک ہونا۔ عربی میں کہتے ہیں لَا أَكُورُ بہ میں اس کے قریب تک نہیں جاؤں گا۔ ج: أَكُورٌ۔ بنیادی مفہوم ہے حد و اندازہ۔ پھر مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً: حالت۔ مرحلہ۔ طرح طرح سے۔ منزل۔ ہیئت۔ باری۔ عربی میں کہا جاتا ہے عَدَا كُورَةً۔ وہ اپنی حد سے بڑھ گیا۔ وَجَاوَزَ كُورَةً اور وہ اپنے اندازے سے تجاوز کر گیا۔ اَتَيْتُهُ كُورًا بَعْدَ كُورٍ میں اس کے پاس بار بار آیا۔ فَعَلَ كَذَا كُورًا بَعْدَ كُورٍ اس نے یہ کام ایک بار کے بعد دوسری بار کیا۔ عربی میں النَّاسُ أَكُورٌ کے معنی ہیں لوگ مختلف قسم اور حالات کے ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا﴾ (71/ نوح: 14) ”اور اس نے بنایا تم کو طرح طرح سے۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت مبارکہ میں اطوار کے معنی طرح طرح کی شکل و صورت کے بھی ہو سکتے ہیں یا یہ کہ انسان ماں کے پیٹ میں جو طرح طرح کی حالتیں اور شکلیں بدلتا ہے یعنی نطفہ، علقہ، مضغہ وغیرہ اس کی طرف اشارہ ہو یا یہ کہ انسان پیدائش سے لے کر موت تک جو مختلف مراحل طے کرتا ہے اور جتنے ادوار سے گزرتا ہے، وہ مراد ہوں۔ اگر یہ سب معانی بھی مراد لے لیے جائیں تب بھی کوئی حرج نہیں۔ (واللہ اعلم)۔

## الطُّورُ

جزیرہ نمائے سیناء کے ایک مخصوص و متعین پہاڑ کا نام جیسے طور سینین (التین: 2) اور طور سیناء یا طور سیناء (المؤمنون: 20) بھی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں طور کے معنی پہاڑ کے ہیں البتہ علمائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ اُس پہاڑ کو طور کہتے ہیں جو سرسبز و شاداب ہو، خشک پہاڑ کو طور نہیں کہتے۔ اب طور اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا، جہاں انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا، ید بیضاء اور عصا کے معجزات جہاں دیے گئے اور جہاں آپؑ کو الواح تورات عطا کی گئیں۔ اسی پہاڑ کو حضرت جبرائیلؑ نے بنی اسرائیل کے سروں پر لا کھڑا کیا تھا۔ قرآن مجید میں دو مقامات پر اسی پہاڑ کی قسم کھائی گئی ہے۔ ﴿وَ الطُّورِ﴾ (52/ الطور: 1) ”قسم ہے طور کی۔“ ﴿وَ طُورِ سِينِينَ﴾ (95/ التین: 2) ”(اور قسم ہے) طور سینین کی۔“ مولانا عبدالمجید دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ”الطُّور۔ طور، مطلق پہاڑ کو بھی کہتے ہیں اور جزیرہ نمائے سیناء کے ایک مخصوص و متعین پہاڑ کا بھی نام ہے۔ جدید جغرافیہ نویس کہتے ہیں کہ طور کا اطلاق جزیرہ نمائے سیناء کے متعدد پہاڑوں پر ہوتا ہے۔ لیکن حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے سلسلہ میں جبل طور سے مراد جبل سیناء ہوتا ہے۔ لیکن خود جبل سیناء کی کوئی ایک چوٹی نہیں، متعدد چوٹیاں ہیں۔ انہیں میں سے کسی کا نام طور ہوگا۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۳۶)

ع ت ی: البقرة آیت 23 دیکھیں۔

## ق و ی

طاقت ور ہونا۔ مضبوط ہونا۔ کسی کام کی قدرت رکھنا۔ کسی چیز کی قابلیت یا صلاحیت ہونا۔ اگر یہ مادہ باب نَصَو سے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے غالب آنا۔ قُوَيْتُهُ میں لڑائی میں اس پر غالب آیا۔ اگر باب سَبَّح سے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے طاقتور ہونا۔ سخت بھوکا ہونا۔ مکان کا خالی ہونا، بارش کا رک جانا۔ قَوِيَ وہ طاقتور ہو گیا یا سخت بھوکا ہو گیا، قَوِيَ الدَّارُ مکان خالی ہو گیا۔ قَوِيَ الْمَطَرُ بارش رک گئی۔ البتہ قرآن مجید میں یہ لفظ طاقت ور ہونا اور کسی کام کی قدرت رکھنا کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

## قُوَّةٌ

(س)

ج: قُوًى۔ اسم ذات بھی ہے۔ طاقت۔ زور۔ اس کی ضد ضعف ہے۔ قرآن مجید میں قُوَّة کا لفظ کئی طرح کے معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً، بدنی قوت کے لیے جیسے فرمایا: ﴿وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ (41/ حَمَّ السَّجْدَةِ: 15) ”اور (عاد) کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے۔“ اندرونی قلبی طاقت کے لیے جیسے فرمایا: ﴿يَجِبِي خُنْ الْكِتَابِ بِقُوَّةٍ﴾ (19/ مريم: 12) ”اے بیٹی! پکڑ لو اس کتاب کو مضبوطی سے۔“ یعنی پورے عزم اور حوصلے سے کتاب الہی پر عمل کرو۔ خارجی بیرونی طاقت کے لیے جیسے فرمایا: ﴿قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً﴾ (11/ هود: 80) ”حضرت لوطؑ نے کہا اے کاش! میرے پاس تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی۔“ چنانچہ بعض بزرگوں نے اس جگہ قوت سے فوجی یا مالی طاقت مراد لی ہے (مفردات)۔ نیز فرمایا: ﴿نَحْنُ أَوْلُو قُوَّةٍ﴾ (27/ النمل: 33) ”ہم طاقت والے ہیں۔“ یعنی جسمانی طاقت کے علاوہ ہم کو فوجی، مالی ہر طرح کی طاقت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت کے لیے جیسے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ (51/ الذاریات: 58) ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی (سب کو) روزی دینے والا، قوت والا (اور) زور والا ہے۔“ (ترجمہ القرآن)۔ اس کی جمع قُوًى آتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوًى﴾ (53/ النجم: 5) ”اس کو سکھایا ہے سخت قوتوں والے نے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔

## قُوَّةٌ

فَعِيلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ طاقتور۔ قدرت والا۔ ﴿وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ﴾ (27/ النمل: 39) ”اور یقیناً میں اس کو (اٹھالانے کی) طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔“ ﴿إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ (57/ الحديد: 25) ”بے شک اللہ تعالیٰ طاقت ور اور غالب ہے۔“

قَوِيٌّ

(افعال)

إِقْوَاءٌ

محتاج ہونا۔ ضرورت مند ہونا۔ بنجر زمین پر قیام کرنا۔ پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”قَوَاءٌ اس زمین کو کہتے ہیں جو بنجر اُجاڑ ہوا اور آبادی سے بہت دُور ہو۔ اِقْوَاءٌ کا معنی ہے ایسی بنجر اجاڑ زمین میں فروکش ہونا (یعنی قیام کرنا)۔ اسی لیے مسافر کو مُقَوِّیٰ کہتے ہیں، کیونکہ بسا اوقات سفر میں انہیں ایسے مقامات پر فروکش ہونا پڑتا ہے (یعنی قیام کرنا پڑتا ہے) جہاں پانی وغیرہ دستیاب نہیں ہوتا۔“ (ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۹۹)

مُقَوِّی

ج: مُقْوُونَ-مُقَوِّينَ۔ اسم الفاعل ہے۔ محتاج۔ ضرورت مند۔ مسافر۔ ﴿نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذَكُّرًا وَ مَتَاعًا لِلْمُقَوِّينَ﴾ (56/ الواقعة: 73) ”ہم نے بنایا اس کو یاد دہانی اور برتنے کا سامان ضرورت مندوں/ مسافروں کے لیے۔“ صاحب احسن البیان فرماتے ہیں: ”مُقَوِّينَ، مُقَوِّی کی جمع ہے، قَوَاءٌ یعنی خالی صحرا میں داخل ہونے والا، مراد مسافر ہے۔ یعنی مسافر صحراؤں اور جنگلوں میں ان درختوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ان سے روشنی، گرمی اور ایندھن حاصل کرتے ہیں۔ بعض نے مُقَوِّينَ سے وہ فقراء مراد لیے ہیں جو بھوک کی وجہ سے خالی پیٹ ہوں۔ بعض نے اس کے معنی مُسْتَمْتِعِينَ (فائدہ اٹھانے والے) کیے ہیں۔ اس میں امیر، غریب، مقیم اور مسافر سب آجاتے ہیں اور سب ہی آگ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔“ (تفسیر احسن البیان، ص ۱۵۲۸)

ترکیب

’و‘ حرف عطف ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اذْکُرُوا محذوف ہے۔ اِخْذُنَا، ماضی میں جمع متکلم کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے۔ مِیْنًا قُلُّمُ اس کا مفعول ہے۔ وَرَفَعْنَا میں ’و‘ عطف کا ہے اور رَفَعْنَا کا فاعل اس میں شامل نَحْنُ کی ضمیر ہے۔ اور الطُّورُ اس کا مفعول ہے۔ جبکہ فَوْقَكُمْ میں فَوْقَ ظرف مکان ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ اِخْذُوا سے پہلے قُلْنَا لَهُمْ محذوف ہے۔ اِخْذُوا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ اس کا فاعل ہے۔ اسم موصول ’مَا‘ اپنے صلے اَتَيْنَكُمْ بِقُوَّةٍ کے ساتھ مل کر اس کا مفعول ہے۔ اَتَيْنَكُمْ میں اَتَيْنَا فعل بافاعل اور کُمْ اس کا مفعول ہے۔ بِقُوَّةٍ متعلق فعل ہے۔ وَاذْکُرُوا میں ’و‘ عطف کا ہے اور اذْکُرُوا فعل امر کا صیغہ ہے۔ مَا فِیْهِ اس کا مفعول ہے۔ فِیْهِ میں ’ہ‘ ضمیر مَا اَتَيْنَكُمْ کے لیے ہے۔ آگے لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ کُمْ اس کا اسم اور جملہ فعلیہ تَتَّقُونَ اس کی خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

وَإِذْ أَخَذْنَا	مِیْنًا قُلُّمُ	وَرَفَعْنَا	فَوْقَكُمْ	الطُّورُ
اور (یا د کرو) جب لیا ہم نے	پختہ وعدہ تم لوگوں سے	اور بلند کیا ہم نے	تمہارے اوپر	کو ہٹو رکھو

ترجمہ

البقرة: 63

اِخْذُوا	مَا	اَتَيْنَكُمْ	بِقُوَّةٍ	وَاذْکُرُوا
کہ تم لوگ پکڑو	اس کو جو	ہم نے دیا تم کو	مضبوطی سے	اور تم یاد رکھو

مَا	فِیْهِ	لَعَلَّكُمْ	تَتَّقُونَ
اس کو جو	اس میں ہے	تاکہ تم	پرہیزگار بن جاؤ

## نوٹ

”کہتے ہیں کہ توریت نازل ہوئی تو بنی اسرائیل شرارت سے کہنے لگے کہ ”توریت کے حکم تو مشکل اور بھاری ہیں ہم سے نہیں ہو سکتے۔“ تب خدائے تعالیٰ نے ایک پہاڑ کو حکم کیا جو ان سب کے سروں پر آن کر اترنے لگا اور سامنے آگ پیدا ہوئی۔ گجائش سرتابی اصلاً نہ رہی مجبوراً احکام توریت کو قبول کیا۔ باقی یہ شبہ کہ ”پہاڑ سروں پر معلق کر کے تسلیم کرانا توریت کا یہ تو صریح اجبار و اکراہ ہے جو آیۃ لا اکراہ فی الدین اور نیز قاعدہ تکلیف کے بالکل خلاف ہے کیونکہ بنائے تکلیف تو اختیار پر ہے اور اکراہ منقض اختیار ہے“ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکراہ دربارہ قبول دین ہرگز نہیں ”دین تو بنی اسرائیل پہلے سے قبول کیے ہوئے تھے“ اور بار بار حضرت موسیٰ سے تقاضا کرتے تھے کہ ”کوئی کتاب متضمن احکام ہم کو لا کر دو کہ اس پر عمل کریں“ اور اس پر معاہدہ کر چکے تھے۔ جب توریت ان کو دی گئی تو عہد شکنی پر کمر بستہ ہوئے تو اب پہاڑ کا معلق کرنا نقض عہد سے روکنے کے لیے تھا نہ کہ قبول دین کے لیے۔“ (تفسیر عثمانی ص ۱۳)

## آیت: 64

﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝۶۴﴾

## و ل ی

یہ مادہ باب (ح) و (ض) دونوں سے استعمال ہوتا ہے البتہ باب (ض) سے کم استعمال ہوتا ہے۔

(ح) (ض) (ل) و لایۃ اور و لایۃ کثیر المعنی الفاظ ہیں۔ کسی سے محبت ہونا۔ دوستی ہونا۔ کسی سے گہرا تعلق ہونا۔ واسطہ یا سروکار ہونا۔ کسی کی بگڑی بنانے والا ہونا یعنی کارساز ہونا۔ کسی کام کا متولی و منتظم ہونا۔ کسی کی مدد کرنا۔ حکومت، اختیار یا غلبہ ہونا۔ امام راغبؒ لکھتے ہیں: ”الْوَلَايَةُ (بکسر الواو) کے معنی نصرت اور و لایۃ (بفتح الواو) کے معنی کسی کام کا متولی ہونے کے ہیں۔“ مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ لکھتے ہیں: ”و لایۃ (بفتح) کے معنی کارساز و انصرام امور کے ہیں اور و لایۃ (بالکسر) کے معنی مدد و نصرت کے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں کارساز و معنی میں مرادف ہیں۔ ابن جریرؒ نے لکھا ہے کہ بصرہ اور کوفہ و مدینہ کے بعض قاریوں کی زبان پر و لایۃ (بفتح) ہے، جس کے معنی دوستی، مدد کے ہیں۔ اور کوفہ کے عام قاریوں کی قرآن و لایۃ (بالکسر) ہے۔ جس کے معنی حکومت و غلبہ کے ہیں۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۶۳) ان مصادر سے کوئی فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)۔

## (ب) و لایا

فاصلے کے بغیر کسی کے پیچھے چلنا۔ متصل ہونا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ کسی کے قریب ہونا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، خواہ یہ قرب بلحاظ مکان ہو، نسب ہو، بلحاظ دین و اعتقاد ہو یا بلحاظ دوستی و نصرت ہو۔ عربی زبان میں وہ بارش جو موسم بہار کی پہلی بارش کے فوراً بعد بر سے اسی و لایا کہا جاتا ہے۔ پہلی بارش کو و سمی کہتے ہیں۔ عربی میں کہتے ہیں ذَاوَلِیْ ذَاوَلِیْ دَارِیْ۔ اس کا گھر میرے گھر کے قریب ہے۔ اسی طرح و لایا الشیء الشیء کا مطلب ہے ایک چیز دوسری چیز کے قریب ہوئی۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ﴾ (9/ التوبہ: 123) ”تم لوگ قتال کرو ان لوگوں سے جو نزدیک ہیں تمہارے، کافروں میں سے۔“ اور حدیث مبارک میں فرمایا: خَيُّ الْقُرُونِ قُرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ”سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر ان کا جو ان سے ملنے والے ہیں۔ پھر ان کا جو ان سے ملنے والے ہیں۔“

## وَالِ

اسم الفاعل ہے۔ مددگار۔ حمایتی۔ ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُونِهِ مِّنْ وَّالٍ﴾ (13/ الرعد: 11) ”اور نہیں ہے ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔“

وَلِيٌّ

ج: اُولِيَاءُ۔ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے اور متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً: مددگار۔ حمایتی۔ کارساز۔ دوست۔ وارث۔ ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝﴾ (2/ البقرة: 107) ”اور نہیں ہے تم لوگوں کے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ ہی کوئی مددگار۔“ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ﴾ (5/ المائدہ: 51) ”اے لوگو! جو ایمان لائے، تم لوگ مت بناؤ یہود کو اور نصاریٰ کو دوست۔“ قرآن و سنت کی اصطلاح میں کسی مومن کو وَلِيُّ اللہ کہنا بھی جائز ہے، اللہ تعالیٰ کو وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ کہنا بھی جائز ہے اور مومن کو مومن کا ولی کہنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے متعلق فرمایا: ﴿وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾ (3/ آل عمران: 68) ”اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا حمایتی/مددگار/ ولی ہے۔“ اور مومنین کے متعلق فرمایا: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝﴾ (10/ یونس: 62) ”یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“ (ترجمہ شیخ الہند) اور مومنین کے آپس کے تعلق کے متعلق فرمایا: ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (9/ التوبة: 71) ”مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار/ معاون ہیں۔“ قرآن مجید میں یہ لفظ سرپرست یا وکیل کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً: ﴿فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ﴾ (2/ البقرة: 282) ”تو لکھائے اس کا ولی (سرپرست) انصاف سے۔“ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادی فرماتے ہیں: ”ولی سے مراد ولی شرعی ہے یا وکیل یا مختار (یا پردیسی کے لیے) ترجمان۔“ پھر ولی کا لفظ قرآن مجید میں کم از کم تین مقامات پر ”وارث“ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: ﴿فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا﴾ (19/ مریم: 5) ”سو تو ہی مجھے (خاص) اپنے پاس سے وارث دے۔“ سب بزرگوں کے نزدیک ولی یہاں صلبی اولاد اور وارث کے مفہوم میں ہے۔ اسی طرح بنی اسرائیل: 33 اور النمل: 49 میں بھی یہ وارث کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ مولانا مودودیؒ سورۃ الشوریٰ کی آیت 6 ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ”اصل میں یہ لفظ ”اولیاء“ استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم عربی زبان میں بہت وسیع ہے۔ معبودان باطل کے متعلق گمراہ انسانوں کے مختلف عقائد اور بہت سے مختلف طرز عمل ہیں جن کو قرآن مجید میں ”اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا ولی بنانے“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کا تتبع کرنے سے لفظ ”ولی“ کے حسب ذیل مفہومات معلوم ہوتے ہیں: (۱) جس کے کہنے پر آدمی چلے جس کی ہدایت پر عمل کرے اور جس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں، رسوم اور قوانین و ضوابط کی پیروی کرے۔ (النساء، آیات ۱۱۸ تا ۱۲۰۔ الاعراف ۳، ۴ تا ۳۰)۔ (۲) جس کی رہنمائی (Guidance) پر آدمی اعتماد کرے اور یہ سمجھے کہ وہ اسے صحیح راستہ بتانے والا اور غلطی سے بچانے والا ہے۔ (البقرة ۲۵۷۔ بنی اسرائیل ۹۷۔ الکہف ۱۷، ۵۰۔ الجاثیہ ۱۹)۔ (۳) جس کے متعلق آدمی یہ ہے کہ میں دنیا میں خواہ کچھ کرتا رہوں، وہ مجھے اُس کے بُرے نتائج سے اور اگر خدا ہے اور آخرت بھی ہونے والی ہے، تو اُس کے عذاب سے بچالے گا۔ (النساء ۱۲۳۔ الانعام ۵۱۔ الرعد ۳۔ العنکبوت ۲۲۔ الاحزاب ۶۵۔ الزمر ۳)۔ (۴) جس کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ وہ دنیا میں فوق الفطری طریقے سے اس کی مدد کرتا ہے، آفات و مصائب سے اس کی حفاظت کرتا ہے، اسے روزگار دلواتا ہے، اولاد دیتا ہے، مرادیں برلاتا ہے، اور دوسری ہر طرح کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ (ہود، ۲۰۔ الرعد، ۱۶، العنکبوت ۴۱)۔



بعض مقامات پر قرآن میں ولی کا لفظ ان میں سے کسی ایک معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اور بعض مقامات پر جامعیت کے ساتھ اس کے سارے ہی مفہومات مراد ہیں۔ (تفہیم القرآن، ص ۴۰ ص ۴۸۰)

مَوْلٰی، مَوْلٰی

ج: مَوْلٰی۔ ہر وہ شخص جو کسی دوسرے شخص کی مدد کسی قرابت یا تعلق کی وجہ سے کرے، اسے مَوْلٰی کہتے ہیں۔ خواہ وہ تعلق نسب کا ہو، دوستی کا ہو، ہم عقیدہ ہونے کا ہو یا آزاد کرنے کا۔ صاحب لغات القرآن فرماتے ہیں کہ وَلِیٌّ اور مَوْلٰی دونوں ہم معنی الفاظ ہیں، ہر ایک کے معنی میں قرب و اتصال کا مفہوم ہے اور امام راغب فرماتے ہیں: ”اَلْمَوْلٰی اور اَلْمَوْلٰی، یہ دونوں کبھی اسم الفاعل یعنی مَوْلٰی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اسم المفعول یعنی مَوْلٰی کے معنی میں آتے ہیں۔“ اس تعریف سے معلوم ہوا کہ عربی زبان کا یہ لفظ بھی بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ لفظ بگڑی بنانے والا، کارساز، مالک، دوست، رشتہ دار، چچا کا بیٹا، کلالہ، عصبات، عام وارث، آزاد کرنے والا آقا، آزاد شدہ غلام اور ہمسایہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو کسی دوسرے کے معاملے کا والی ہو وہ بھی اس کا مَوْلٰی کہلاتا ہے۔ ﴿بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰیكُمْ ۚ﴾ (3/ آل عمران: 150) ”بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ﴿یَوْمَ لَا یُعْنٰی مَوْلٰی عَنْ مَوْلٰی شَیْئًا﴾ (44/ الدخان: 41) ”اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔“ (ترجمہ احسن البیان)۔ کسی مومن کو مولی اللہ کہنا درست نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ کو مومنین کا مَوْلٰی اَللّٰہُ کہنا درست ہے بلکہ اس انداز میں کافروں کے لیے بھی مَوْلٰیہُمُ الْحَقِّ کے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ البتہ معنی میں فرق ہو جائے گا۔ مومنوں کے لیے معنی ہوں گے مددگار، حمایتی، دوست وغیرہ اور کافروں کے لیے معنی ہوں گے ”مالک“۔ چنانچہ مومنوں کے لیے فرمایا: ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلٰی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (47/ محمد: 11) ”یہ (مسلمانوں کی کامیابی اور کافروں کی تباہی) اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ دوست، کارساز، مددگار ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔“ اور کافروں کے متعلق فرمایا: ﴿وَرُدُّوْا اِلٰی اللّٰہِ مَوْلٰیہُمُ الْحَقِّ﴾ (10/ یونس: 30) ”اور انہیں لوٹا دیا جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ سورہ محمد کی آیت 11 کے تحت فرماتے ہیں: ”لفظ مَوْلٰی بہت سے معانی کے لیے مستعمل ہوتا ہے ایک معنی کارساز کے ہیں جو اس جگہ (محمد: 11) مراد ہیں اور ایک معنی مالک کے ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ کفار کے بارے میں آیا ہے: ﴿رُدُّوْا اِلٰی اللّٰہِ مَوْلٰیہُمُ الْحَقِّ﴾ (یونس: 30) اس میں اللہ تعالیٰ کو کفار کے لیے بھی مَوْلٰی قرار دیا ہے کیونکہ مَوْلٰی کے معنی مالک کے ہیں اور مالکیت اللہ تعالیٰ کی عام ہے مومن کافر کوئی اُس سے خارج نہیں۔“ (معارف القرآن، ج ۸ ص ۳۱) ﴿وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وُدِّ اَعْمٰی﴾ (19/ مریم: 5) ”مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے۔“ (ترجمہ احسن البیان) ﴿فَاَخَوٰنُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْکُمْ ط﴾ (33/ الاحزاب: 5) ”تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔“ (ترجمہ احسن البیان)۔

اَوَّلٰی

تشنیہ: اَوَّلٰی۔ اَفْعَلُ التَّفْضِیْلِ کا صیغہ ہے۔ زیادہ قریب۔ زیادہ حقدار۔ زیادہ خیر خواہ۔ زیادہ حمایتی۔ عام طور پر ان معنوں میں ’ب‘ کا صلہ آتا ہے مثلاً: ﴿اِنَّ اَوَّلٰی النَّاکِسِ بِاَبْرِہِیْمَ لَکَذٰلِیْنِ اَتَّبَعُوْهُ﴾ (3/ آل عمران: 68) ”بے شک لوگوں میں سے قریب تر لوگ حضرت ابراہیمؑ سے تو وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی۔“ ﴿وَاَوَّلُوْا اِلَآحَاہُمْ بَعْضُهُمْ اَوَّلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ ط﴾ (8/ الانفال: 75) ”اور رشتہ دار، ان میں سے بعض زیادہ حقدار ہیں بعض کے اللہ کے قانون میں۔“ ﴿فَاللّٰہُ اَوَّلٰی بِہِمَاکُم﴾ (4/ النساء: 135) ”پس اللہ زیادہ خیر خواہ ان دونوں کا۔“

جب اس کے ساتھ 'لام' صلہ آئے تو ڈانٹ اور دھمکی کا مفہوم ہوتا ہے اور مطلب ہوتا ہے خرابی اور برائی سے زیادہ قریب یا خرابی اور برائی کا زیادہ مستحق۔ چنانچہ فرمایا: ﴿أُولَىٰ لَكَ فَأُولَىٰ ۖ ثُمَّ أُولَىٰ لَكَ فَأُولَىٰ ۖ﴾ (75/ البقرة: 34-35) ”خرابی تیری، خرابی پر خرابی تیری، پھر خرابی تیری، خرابی پر خرابی تیری۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ﴿فَأُولَىٰ لَهُمْ ۖ﴾ (47/ محمد: 20) ”سو خرابی ہے اُن کی۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرابت۔ واسطہ۔ اختیار۔ میراث۔ مدد۔ کار سازی۔ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِّنْ وَلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا﴾ (8/ الانفال: 72) ”اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تم کو اُن کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”اور جو لوگ ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تمہارا اُن سے کوئی تعلق میراث کا نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔“ (ترجمہ ماجد) ﴿هٰذَا لَكَ اُولَايَةٌ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۖ﴾ (18/ الکہف: 44) ”یہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا۔“ (ترجمہ شیخ الہند) ”یہاں سے ثابت ہو گیا کہ سارا اختیار اللہ سچے کے لیے ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

وَلَايَةٌ

یہ لفظ بھی متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے:

(۱) کسی کو کسی کے قریب کرنا۔ ملا دینا۔ ﴿وَكَذٰلِكَ نُؤَيِّ بِعُضِّ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (6/ الانعام: 129) ”اور اسی طرح ہم ساتھ ملا دیں گے گنہگاروں کو ایک کو دوسرے سے ان کے اعمال کے سبب۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ یہ عموماً دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے یعنی کس کو قریب کیا اور کس کے قریب کیا۔

(۲) کسی کو کسی کی طرف پھیر دینا۔ یہ بھی دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے۔ یعنی کس کو پھیرا اور کس کی طرف پھیرا۔ اور دونوں مفعول بنفسہ آتے ہیں۔ مثلاً: ﴿فَلَنُؤَيِّبَنَّكَ قَبْلَكَ تَوَاضِعًا﴾ (2/ البقرة: 144) ”تو ہم لازماً پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف آپ راضی ہوں جس سے۔“ ﴿وَإِنْ يُقَاتِلُواكُمْ يُوَلُّوكُمْ الْاَدْبَارَ﴾ (3/ آل عمران: 111) ”اور اگر وہ لوگ جنگ کریں گے تم سے تو وہ پھیر دیں گے تمہاری طرف پیٹھوں کو۔“

(۳) کسی کی طرف پیٹھ پھیرنا یا پیٹھ پھیر کر چل دینا یا بھاگ جانا۔ ﴿وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰیٰتُنَا وَلٰى مُسْتَكْبِرًا﴾ (31/ لقمان: 7) ”اور جب بھی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اس کو ہماری آیات تو وہ پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے تکبر کرتے ہوئے۔“ کبھی اس کے ساتھ علی کا صلہ بھی آتا ہے۔ ﴿وَلَوْ اَعْلٰى اَدْبَارُهُمْ نَفُورًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 46) ”تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں نفرت کرتے ہوئے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿فَلَمَّا رَاَهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلِي مُدِيرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۖ﴾ (27/ النمل: 10) ”پھر جب انہوں نے اُسے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے جیسے سانپ کرتا ہے تو وہ پیچھے پیٹھ پھیر کر بھاگے۔“ (ترجمہ ماجد)

(۴) کسی کی طرف پھرنا یا مڑنا۔ ان معنوں میں الی کا صلہ استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿لَوْ يَجِدُونَ مَلَجًا اَوْ مَغْرَبًا اَوْ مَدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ﴾ (9/ التوبة: 57) ”اگر مل جائے انہیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غاریا گس بیٹھنے کی جگہ تو (دیکھو گا) وہ منہ پھیر لیں گے اس طرف۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّندِرِينَ﴾ (46/ الاحقاف: 29) ”پھر جب تلاوت ہو چکی تو لو لے اپنی قوم کی طرف ڈر سنا تے ہوئے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۵) کسی کو کسی چیز سے پھیر دینا، ہٹا دینا۔ ان معنوں میں عموماً عَنْ کا صلہ آتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿مَا وَلٰهُمُ عَنْ قَبْلَتِهِمُ الْبَيْتِ كَانُوا عَلَيْهِمْ﴾ (2/ البقرة: 142) ”کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو اُن کے (اس) قبلہ سے جس پر

(تفعیل)

تَوَلَّيَةٌ

وہ اب تک تھے ہٹا دیا۔“ (ترجمہ ماجدی)۔ ”کس چیز نے پھیر دیا ان مسلمانوں کو اپنے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۶) مسلط کر دینا۔ بعض بزرگوں نے (الانعام: 129) ﴿وَكَذَلِكَ نُؤَوِّيُ بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ میں نُؤَوِّي کا ترجمہ ”مسلط کر دیں گے“ سے کیا ہے۔ چنانچہ مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ”لفظ نُؤَوِّي کے عربی لغت کے اعتبار سے دو ترجمے ہو سکتے ہیں، ایک ملا دینے اور قریب کر دینے کے اور دوسرے مسلط کر دینے کے، ائمہ تفسیر صحابہ و تابعین سے بھی دونوں طرح کی روایات میں اس کی تفسیر منقول ہے۔“ اور مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: ”نُؤَوِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا میں نولی کے معنی ”ہم مسلط کر دیں گے“ کے بھی کیے گئے ہیں۔“

ج: وَلُوا۔ فعل امر ہے۔ تو پھیر دے۔ ﴿فَوَلَّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ (البقرة: 144) ”تو آپؐ پھیر دیں اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف اور جہاں کہیں ہو تم لوگ تو پھیر دو اپنے چہروں کو اس کی طرف۔“

اسم الفاعل ہے۔ پھیرنے والا۔ ﴿وَلِجَلِّ وَجْهَهُ هُوَ مَوْلِيهَا﴾ (2/ البقرة: 148) ”اور ہر کسی کے واسطے ایک جانب ہے یعنی قبلہ کہ وہ منہ کرتا ہے اس طرف۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔  
یہ لفظ بھی مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے:

(۱) اس کا تعدیہ جب بلا واسطہ ہو (یعنی جب اس کا مفعول بنفسہ آئے) تو اس سے تین معانی مراد لیے جاتے ہیں۔  
(۱) کسی سے دوستی رکھنا جیسے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ (5/ المائدہ: 51) ”اور جو کوئی تم میں سے اُن سے دوستی رکھے گا تو بے شک وہ انہی میں سے ہوگا۔“ (۲) کسی کام کو اٹھانا۔ قرآن مجید میں اس مفہوم میں معنوی طور پر استعمال ہوا ہے مثلاً: ﴿وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرًا مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (24/ النور: 11) ”اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا بوجھ، اس کے واسطے بڑا عذاب ہے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ (۳) والی و حاکم ہونا۔ جیسے فرمایا: ﴿فَقَهْلَ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ﴾ (47/ محمد: 22) ”پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں۔“ (ترجمہ شیخ الہند)۔ اور اکثر مفسرین نے اس آیت میں تَوَلَّيْتُمْ کا ترجمہ ”حکومت مل جانے“ سے کیا ہے۔

(ب) جب یہ لفظ عَنْ کے صلے کے ساتھ متعدی ہوتا ہے، خواہ عَنْ لکھا ہوا ہو یا پوشیدہ ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے پیڑھ پھیرنا، منہ موڑنا، بے رخی کرنا، توجہ نہ کرنا، نزدیکی چھوڑ دینا۔ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ﴾ (3/ آل عمران: 63) ”پھر اگر وہ پھر جائیں تو اللہ خوب جانتا ہے فساد کرنے والوں کو۔“ ﴿اِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ﴾ (88/ الفاشیہ: 23) ”مگر جس نے رُگردانی کی اور کفر کیا۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾ (8/ الانفال: 20) ”اور اس سے منہ مت پھیرو اس حال میں کہ تم سنتے ہو۔“

فعل امر ہے۔ واحد مذکر حاضر۔ تو منہ پھیر۔ بغیر صلہ عَنْ کے استعمال کی صورت میں اس کا معنی ہوگا تو دوست بنا۔ لیکن اس معنی میں امر کا صیغہ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا کیونکہ تَوَلَّ کا صیغہ پانچ مرتبہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ عَنْ کے صلے کے ساتھ آیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿فَتَوَلَّى عَنْهُمْ فَمَا اَنْتَ بِمَلُومٍ﴾ (51/ الذاریات: 54) ”پس آپؐ منہ پھیر لیں ان سے تو آپؐ پر کوئی الزام نہیں ہے۔“

وَلَّ

مَوَّلٍ

تَوَلَّى

(تَفَعَّلَ)

## بَعْدُ: البقرة آیت 27 دیکھیں۔

﴿لَوْ لَا اور لَوْ مَا﴾ یہ کو حرف شرط اور لا اور مَا نافیہ سے مرکب ہیں۔ لفظ کوئی تبدیلی نہیں کرتے۔ ان کے بعد دو جملے آتے ہیں۔ پہلے کو شرط اور دوسرے کو جزاء کہتے ہیں۔ جزاء پر اکثر لام لگا دیا جاتا ہے (اور کبھی نہیں بھی لگایا جاتا)۔ اس صورت میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے ”اگر یہ نہ ہوتا تو“۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَوْ لَا دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ﴾ (البقرة: 251) ”اور اگر نہ ہوتا دفع کر دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے تو خراب ہو جاتا ملک۔“ (ترجمہ شیخ الہند) اور آیت زیر مطالعہ۔ نیز فرمایا: ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا﴾ (النور: 21) ”اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا۔“ اگر کو لا ضمیر پر داخل ہو تو ضمیر مرفوع ہوتی ہے جیسے فرمایا: ﴿لَوْ لَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ﴾ (سبا: 34) ”اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔“

یہ دونوں بطور حرف تخصیض بھی استعمال ہوتے ہیں یعنی وہ حروف جن سے کسی کو کسی فعل پر ابھارا جائے یا ترغیب دلائی جائے اور آمادہ کیا جائے۔ اس صورت میں یہ ہمیشہ فعل کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ فعل مضارع بھی ہو سکتا ہے اور ماضی بھی۔ اس صورت میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے ”کیوں نہیں ایسا کیا یا ایسا کرتے“ مثلاً: ﴿لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ﴾ (النمل: 27) ”تم اللہ سے استغفار کیوں نہیں کرتے۔“ ﴿لَوْ لَا جَاءُوا عَلَيْكَ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ﴾ (النور: 13) ”وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔“ ﴿لَوْ مَا تَأْتَيْنَا بِالْمَلِكَةِ﴾ (الحجر: 7) ”کیوں نہیں آپ لے آتے ہمارے پاس فرشتوں کو۔“ کبھی ایک جوابی جملہ بھی آتا ہے جس پر ف داخل ہوتا ہے اور اگر مضارع ہو تو نصب پڑھا جاتا ہے۔ مثلاً: ﴿رَبِّ لَوْ لَا أَخَذْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَدَّقَ﴾ (النافقون: 10) ”اے میرے رب تو نے مجھے تھوڑی دیر تک مہلت کیوں نہیں دی تاکہ میں صدقہ خیرات کر لیتا۔“ ﴿فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةً أَمِنَتْ فَفَعَلَهَا إِيْمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ ط﴾ (يونس: 98) ”پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان (کسی سے ایسا نہ ہوا) بجز قوم یونس کے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

ف ض ل: البقرة آیت 47 دیکھیں۔

ع ل ة: آیت بسم اللہ دیکھیں۔

خ س ر: البقرة آیت 27 دیکھیں۔

ل و ن: البقرة آیت 10 دیکھیں۔

## ترکیب

ثُمَّ، حرف عطف ہے۔ تَوَلَّيْتُمْ، ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ اس سے متعلق ہے۔ فَلَوْ لَا میں ف، استثنائیہ ہے۔ لَوْ لَا، کو شرطیہ اور لا نافیہ کا مرکب ہے۔ فَضْلُ اللہ مبتدا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ عَلَيْكُمْ متعلق خبر ہے۔ آگے و عطف کا ہے اور رَحْمَتُهُ، فَضْلُ اللہ پر عطف ہے۔ اگلا جملہ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخَيْرِ جواب شرط ہے۔ اسی لیے لَكُنْتُمْ پر لام لگا ہے۔ كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ خبر محذوف ہے اور مِّنَ الْخَيْرِ متعلق خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ	ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ	مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ	فَلَوْ لَا	فَضْلُ اللہ	عَلَيْكُمْ
البقرة: 64	پھر منہ موڑ لیا تم نے	اس (پختہ وعدے) کے بعد (بھی)	تو اگر نہ ہوتا	اللہ کا فضل	تم پر
	وَرَحْمَتُهُ	لَكُنْتُمْ	مِّنَ الْخَيْرِ ۝		
	اور اس کی رحمت	تو تم لوگ ہو جاتے	نقصان اٹھانے والوں میں سے		

## نوٹ

”مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ“ سے مراد ہے قول و اقرار کرنے کے بعد یا کتاب ہدایت اور احکام مل جانے کے بعد اور یہ جو فرمایا ”اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی..... الخ“ تو اس سے مراد ہے کہ انہیں اس نافرمانی کی فوری سزا نہیں دی گئی اور انہیں دوسری قوموں کی طرح تباہ و برباد نہیں کیا گیا بلکہ انہیں سنبھلنے کی اور اپنے آپ کو درست کرنے کی مزید مہلت دی گئی۔

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## سورة البقرة (۲)

## آیت نمبر (2/ البقرہ: 65)

﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾

س ب ت

(ض) سَبْتًا کسی چیز کو قطع کرنا۔ کاٹ دینا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر کاروبار ترک کرنے اور آرام کرنے کے معانی میں آتا ہے۔ ﴿وَيَوْمَ لَا يُسْأَلُونَ وَلَا تُسْأَلُهُمْ﴾ (7/ الاعراف: 163) ”اور جس دن وہ لوگ کاروبار ترک نہیں کرتے تھے، وہ نہ آتی ان کے پاس۔“

سَبْتُ ہفتہ یعنی سنچر (SATURDAY) کا دن۔ کیونکہ اس دن یہود کو کاروبار کرنا منع تھا۔ آیت زیر مطالعہ۔

سُبَاتٌ سکوت۔ آرام۔ ﴿وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ (78/ النبا: 9) ”اور ہم نے بنایا تمہاری نیند کو آرام۔“

ق ر د

(س) قَرْدًا زمین سے چمٹ کر ساکت ہو جانا۔ دھوکا دینا۔

قِرْدٌ نَجِ قِرْدَةٌ۔ بندر۔ آیت زیر مطالعہ۔

خ س ع

(ف) خَسًا کمزور ہونا۔ تھکا ماندہ ہونا۔

(س) خَسًا دھتکارا جانا۔

خَاسِيًا اسم الفاعل ہے۔ صفت کے طور پر آتا ہے۔ دھتکارا جانے والا۔ تھکا ماندہ۔ آیت زیر مطالعہ اور ﴿يَنْقَلِبُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِيًا وَهُوَ حَسِيرٌ﴾ (67/ الملك: 4) ”تو لوٹے گی نگاہ تیری طرف تھکی ماندی اور وہ ناکام ہوگی۔“

إِخْسًا فعل امر ہے۔ تو دور ہو جا۔ دفع ہو جا۔ ﴿قَالَ احْسَبُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ﴾ (23/ المؤمنون: 108) ”وہ کہے گا تم لوگ دفع ہو جاؤ اس میں اور کلام مت کرو مجھ سے۔“

ترکیب

عَلِمْتُمْ میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ اَلَّذِينَ اعْتَدُوا یہ پورا جملہ عَلِمْتُمْ کا مفعول ہے۔ مِنْكُمْ اور فِي السَّبْتِ متعلق فعل ہیں۔ كُونُوا میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے، قِرْدَةً مفعول ہے اور خَاسِئِينَ قِرْدَةٍ کی صفت ہے۔

ترجمہ

وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ	الَّذِينَ	اعْتَدُوا	مِنْكُمْ
اور جان لیا ہے تم لوگوں نے	ان لوگوں کو جنہوں نے	حد سے تجاوز کیا	تم میں سے

یہود کے لیے ہفتے کا دن عبادت اور آرام کے لیے مخصوص تھا۔ اس دن ہر قسم کا دنیاوی کام ممنوع تھا۔ بستی کے کچھ لوگ اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مچھلیاں پکڑتے تھے۔ کچھ لوگ مچھلی تو نہیں پکڑتے تھے لیکن منع بھی نہیں کرتے تھے۔ کچھ لوگ منع کرتے تھے۔ جب بندر بنانے کا عذاب آیا تو منع کرنے والے محفوظ رہے۔ باقی تمام لوگ بندر میں تبدیل ہو گئے اور چند دنوں میں مر گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم میں مسخ صورت کا عذاب نازل کرتے ہیں تو ان کی نسل نہیں چلتی۔ (معاف القرآن بحوالہ مسلم)

مَوْعِظَةٌ اسم ذات ہے۔ وعظ۔ نصیحت۔ آیت زیر مطالعہ۔

یَدِیَّا

ہاتھ پر مارنا۔

یَدِیَّا

ج آئید۔ اسم ذات ہے۔ ہاتھ تھیلی۔ ﴿حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ﴾ (9/ التوبہ: 29) ”یہاں تک کہ وہ لوگ دیں جزیہ ہاتھ سے۔“ ﴿أَلَهُمْ أَزْجَلُ يَبْشُورَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آيْدٌ يَّبْطِشُونَ بِهَا﴾ (7/ الاعراف: 195) ”کیا ان کے پیر ہیں، وہ لوگ چلتے ہیں جس سے یا ان کے ہاتھ ہیں وہ لوگ پکڑتے ہیں جس سے۔“

بَيْنَ يَدَيْنِ۔ اس کے لفظی معنی ہیں دونوں ہاتھ یا تھیلی کے درمیان۔ لیکن یہ عربی محاورہ ہے۔ اس کا مطلب ہے ”سامنے“۔ کیونکہ جو چیز ہاتھ یا تھیلی کے درمیان ہوتی ہے وہ سامنے بھی ہوتی ہے۔

## ترکیب

فَجَعَلْنَاهَا مِثْلَ بَيْنِ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا ہے۔ جبکہ دوسرا مفعول ثانی مَوْعِظَةً ہے اور لِلْمُتَّقِينَ اس کا متعلق فعل ہے۔ جَعَلْنَاهَا يَدَيْهَا اور خَلْفَهَا میں ہا کی ضمیریں گذشتہ آیت کے لفظ قَدَدَةً کے لیے بھی ہو سکتی ہیں اور اس واقعہ یا بستی کے لیے بھی ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی ان ضمائر کا مرجع مانا جائے، آیت کے مفہوم میں فرق واقع نہیں ہوتا۔

بَيْنَ يَدَيْهَا میں يَدِی دراصل يَدِی کا تثنیہ يَدَيْنِ ہے جو بَيْن کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہے۔ اور چونکہ یہ آگے ہا کا مضاف بن رہا ہے اس لیے نون اعرابی گرا ہوا ہے۔

## ترجمہ

فَجَعَلْنَاهَا	نَكَالًا	لِهَا	بَيْنَ يَدَيْهَا	وَمَا
تو ہم نے بنایا اس کو	نشانِ عبرت	اس کے لیے جو	اس کے سامنے ہے	اور جو

خَلْفَهَا	وَمَوْعِظَةً	لِلْمُتَّقِينَ
اس کے پیچھے ہے	اور نصیحت	اللہ کی ناراضگی سے بچنے والوں کے لیے

## آیت نمبر (2/ البقرہ: 67)

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُؤًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ٦٧﴾

جَهْلًا

(۱) ذہن کا علم سے خالی ہونا۔ یعنی نہ جاننا۔ نادان ہونا۔ (۲) ذہن میں حقیقت کے خلاف نظریات اور عقائد کا ہونا یعنی غلط خیالات رکھنا۔ ﴿وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ يَجْهَلُونَ ٦٧﴾ (6/ الانعام: 111) ”اور لیکن ان کی اکثریت غلط عقائد رکھتی ہے۔“

جَاهِلٌ

اسم فاعل ہے۔ نہ جاننے والا۔ غلط خیالات والا۔ ﴿يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ﴾ (2/ البقرہ: 273) ”ناواقف ان لوگوں کو سمجھتا ہے غنی۔“ ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَمًا﴾ (25/ الفرقان: 63) ”اور جب کبھی ان سے خطاب کرتے ہیں غلط خیالات والے لوگ تو وہ کہتے ہیں سلام۔“

جَهُولٌ

فَعُولٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ دل کھول کر غلط نظریات قائم کرنے والا۔ ﴿إِنَّكَ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ (33/ الاحزاب: 72) ”بے شک وہ یعنی انسان دل کھول کر چیزوں کو غلط جگہ رکھنے والا، غلط عقائد رکھنے والا ہے۔“

جَهَالَةٌ

اسم ذات ہے۔ لاعلمی یا نادانی۔ غلط خیالات۔ ﴿أَنْتَ مِنْ عَمَلٍ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنْتَ عُفُوٌ رَحِيمٌ﴾ (6/ الانعام: 54) ”کہ جس نے عمل کیا تم میں سے کسی برائی کا نادانی کے سبب سے پھر اس نے توبہ کی اس کے بعد اور اصلاح کی تو یہ کہ وہ تو یعنی اللہ بے انتہا بخشنے والا، ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔“ ﴿أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ﴾ (49/ الحجرات: 6) ”کہ کہیں تم لوگ جا پڑو کسی قوم پر غلط خیالات کے سبب سے۔“

جَاهِلِيَّةٌ

اسم نسبت ہے۔ غلط سوچنے والی۔ ﴿يُظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ (3/ آل عمران: 154) ”وہ لوگ گمان کرتے ہیں اللہ کے متعلق حق کے بغیر غلط سوچ والا گمان۔“

ترکیب

إِنَّ اللّٰهَ مِّنَ اللّٰهِ، إِنَّ كَا اسم ہے اور يٰمُرْكُم جملہ فعلیہ إِنَّ کی خبر ہے۔ اَنْ تَذَبْحُوا کا مفعول بَقَرَةً ہے۔ تَتَّخِذُوا کا مفعول اَوَّلَنَا کی ضمیر مفعولی ہے جبکہ هٰؤُلَاءِ اس کا مفعول ثانی ہے۔

ترجمہ

وَاِذْ قَالَ مُوسٰى	لِقَوْمِهٖ	إِنَّ اللّٰهَ	يٰمُرْكُم
اور جب کہا موسیٰ نے	اپنی قوم سے	کہ اللہ	حکم دیتا ہے تم لوگوں کو
اَنْ تَذَبْحُوا	بَقَرَةً	قَالُوا	اتَّخِذْنَا
کہ تم لوگ ذبح کرو	ایک گائے کو	ان لوگوں نے کہا	کیا آپ بناتے ہیں ہم کو
هٰؤُلَاءِ	قَالَ	اَعُوْذُ بِاللّٰهِ	اَنْ اَكُوْنَ
مذاق کا نشانہ	انہوں نے کہا	میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں	کہ میں ہوں

مِنَ الْجَاهِلِيْنَ

غلط خیالات والوں میں سے

بَقَرٌ کا لفظ اسم جنس ہے جو گائے اور بیل دونوں کے لیے آتا ہے۔ واحد گائے کے لیے بَقَرَةٌ اور واحد بیل کے لیے ثَوْرٌ آتا ہے۔

نوٹ-1

بنو اسرائیل کا ایک شخص قتل ہو گیا تھا اور قاتل لا پتہ تھا۔ لوگوں نے موسیٰ سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر

نوٹ-2



قاتل کا نام بتائیں۔ اس پر گائے ذبح کرنے کا حکم ملا تو حسبِ عادت انہوں نے اعتراض کرنا شروع کیا۔ ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ ہم نے تو قاتل کا نام پوچھنے کے لیے کہا تھا، آپ گائے ذبح کرنے کو کہہ رہے ہیں۔ یہ کیا مذاق ہے؟

موسیٰ نے یہ کہنے کے بجائے کہ میں مذاق نہیں کر رہا ہوں، یہ کہا کہ میں جاہلوں میں سے نہیں ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مذاق کرنا غلط بات ہے البتہ اس سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ اہم اور سنجیدہ معاملات میں غیر سنجیدہ رویہ اختیار کرنا غلط ہے۔

نوٹ-3

### آیت نمبر (2/ البقرہ: 68)

﴿قَالُوا دُعِ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۖ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ ۖ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾﴾

ب ی ن

یُبَيِّنًا اور تَبَيَّنًا (ض) کسی چیز کا کسی سے جدا ہونا یا الگ ہونا تاکہ ان کے درمیان کی چیز ظاہر ہو جائے۔ جیسے کتاب کے اوراق ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں تو ان پر لکھی ہوئی تحریر واضح ہوتی ہے۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) جدا یا الگ ہونا۔ (۲) درمیان میں ہونا۔ (۳) ظاہر یا واضح ہونا۔ ثلاثی مجرد سے کوئی فعل قرآن مجید میں نہیں آیا۔

بَيِّنٌ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں واضح۔ روشن۔ زیادہ تر کسی دلیل یا سند کی صفت کے طور پر آتا ہے۔ اسی لیے اکثر موصوف یعنی دلیل یا سند کا لفظ مخذوف کر کے صرف صفت استعمال کر لیتے ہیں۔ ﴿لَوْ لَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ ط﴾ (18/ البقرہ: 15)؛ ”وہ لوگ کیوں نہیں لاتے ان پر یعنی جھوٹے معبودوں پر کوئی روشن دلیل۔“ ﴿فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ط﴾ (6/ الانعام: 157) ”تو آچکی ہے تم لوگوں کے پاس روشن دلیل تم لوگوں کے رب کی طرف سے۔“ ﴿وَأَتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ ط﴾ (2/ البقرہ: 87) ”اور ہم نے دیا عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں۔“

بَيِّنٌ طرف ہے۔ مضاف بن کر آتا ہے اسی لیے تنوین اور لام تعریف کے بغیر منصوب ہے۔ درمیان۔ بیچ۔ ﴿لَا نَفَرٌ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ط﴾ (2/ البقرہ: 285) ”ہم فرق نہیں کرتے اس کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان۔“

بَيِّنٌ گفتگو۔ کلام۔ خطبہ جو مافی الضمیر کو واضح کرے۔ ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ ط عَلَّمَهُ الْبَيِّنَاتِ ط﴾ (55/ الرحمن: 3-4) ”اس نے پیدا کیا انسان کو، اس نے اس کو سکھایا مافی الضمیر کو واضح کرنا۔“

إِبَاطَةٌ (افعال) واضح کرنا۔ واضح ہونا (لازم و متعدی) ﴿وَلَا يَكَاذُ بَيِّنٌ ط﴾ (43/ الزخرف: 52) ”اور لگتا نہیں کہ وہ واضح کرے یعنی واضح بات کرے۔“

مُبَيِّنٌ اسم الفاعل ہے جو صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ واضح ہونے والا۔ واضح کھلا۔ ﴿إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ط﴾ (2/ البقرہ: 168) ”بے شک وہ یعنی شیطان تم لوگوں کے لیے کھلا دشمن ہے۔“

تَبَيَّنًا (تفعیل) کثرت سے یعنی خوب اچھی طرح واضح کرنا۔ ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ط﴾

(3/ آل عمران: 103) ”اس طرح اللہ واضح کرتا ہے تمہارے لیے اپنی نشانوں کو شاید تم لوگ ہدایت

229

پاؤ۔“

اسم الفاعل ہے۔ خوب واضح کرنے والی۔ ﴿وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ﴾ (24/ النور: 34)  
”اور ہم نے نازل کیا ہے تم لوگوں کی طرف خوب واضح کرنے والی نشانیاں۔“

(1) بتکلف جدا ہونا۔ الگ ہونا۔ (2) کسی چیز کا از خود واضح ہونا۔ (3) کسی چیز کے متعلق ذہن کا  
بتکلف واضح ہونا یعنی تحقیق کرنا۔ چھان بین کرنا۔ ﴿قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (2/ البقرہ: 256)  
”الگ ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے۔“ ﴿سَرَّيْنَهُمُ الْيَتِيمَ فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى  
يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (41/ حم السجدة: 53) ”ہم دکھائیں گے ان کو اپنی نشانیاں، آفاق  
میں اور ان کے اپنے وجود میں یہاں تک کہ واضح ہو جائے ان کے لیے یہ یعنی قرآن حق ہے۔“

فعل امر ہے۔ تو واضح ہو۔ تو تحقیق کر۔ ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ (49/ الحجرات: 6) ”اگر  
آئے تم لوگوں کے پاس کوئی فاسق کسی خبر کے ساتھ تو تم لوگ تحقیق کرو۔“

(1) وضاحت چاہنا۔ (2) واضح ہو جانا۔ ﴿وَكَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ الْآيَاتِ وَ لِمُسْتَبِينَ سَبِيلُ  
الْمُجْرِمِينَ﴾ (6/ الانعام: 55) ”اور اس طرح ہم تفصیل بیان کرتے ہیں نشانوں کی اس حال  
میں کہ واضح ہو جائے مجرموں کا راستہ۔“

اسم الفاعل ہے۔ واضح ہو جانے والا۔ ﴿وَأَتَيْنَهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ﴾ (37/ الصافات: 117)  
”اور ہم نے دیا ان دونوں کو واضح ہو جانے والی کتاب۔“

ف ر ض

گائے بیل کا بوڑھا ہونا۔  
فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بوڑھا ہونے والا یعنی بوڑھا۔ آیت زیر مطالعہ۔  
کسی سخت چیز کو کاٹنا یا اس میں سوراخ کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ اس کا زیادہ استعمال یہ ہے کہ  
خود اپنے اوپر یا دوسرے پر کچھ واجب کرنا۔ فرض کرنا۔ ﴿الْحَجُّ أَشْهُدٌ مَّعْلُومَةٌ﴾ فَمَنْ فَرَضَ  
فِيهِنَّ الْحَجَّ (2/ البقرہ: 197) ”حج معلوم مہینوں میں ہے، تو جس نے فرض کیا ان میں حج کو۔“  
﴿سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا﴾ (24/ النور: 1) ”یہ ایک سورت ہے، ہم نے اتارا اس کو اور ہم نے فرض کیا  
اس کو۔“

اسم المفعول ہے۔ فرض کیا ہوا۔ ﴿وَاللِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ  
أَوْ كَثُرَ﴾ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (4/ النساء: 7) ”اور عورتوں کے لیے ایک حصہ ہے اس میں سے جو  
چھوڑا والدین نے اور قرابت داروں نے، اس میں سے جو کم ہو یا زیادہ، فرض کیا ہوا ایک حصہ ہے۔“  
فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ جو فرض ہوا۔ واجب۔ ﴿فَرِيضَةٌ مِنَ اللَّهِ﴾ (4/ النساء: 11) ”یہ  
فرض ہے اللہ کی طرف سے۔“

فُرُوضًا (ک)

فَارِضٌ (ض)  
فَرَضًا

مَفْرُوضٌ

فَرِيضَةٌ

ب ک ر

صبح سویرے کچھ کرنا۔

بُكُورًا

(ن)

ج اَبْكَارُ۔ ہر چیز کا ابتدائی حصہ۔ کنوارا یا کنواری (کیونکہ کنوارا اپنی جوانی کا ابتدائی حصہ ہوتا ہے)۔  
آیت زیر مطالعہ اور ﴿فَجَعَلْنَهُنَّ اَبْكَارًا﴾ (56/ البقرہ: 36) ”تو ہم نے بنایا ان کو  
کنواریاں۔“

بُكَرَةٌ دن کا ابتدائی حصہ۔ صبح سویرے۔ ﴿اَنْ سَبَّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ (19/ مریم: 11) ”کہ تم لوگ تسبیح  
کر صبح سویرے اور شام کو۔“

## ترکیب

فعل امر اُدْعُ کا جواب امر ہونے کی وجہ سے یُبَيِّنُ مجزوم ہوا ہے۔ مَا هِيَ میں مَا مبتداء اور هِيَ خبر ہے اور یہ جملہ یُبَيِّنُ کا  
مفعول ہے۔ اِنَّہ میں ہا کی ضمیر اِنَّ کا اسم ہے اور رب کے لیے آئی ہے جبکہ یَقُولُ جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اِنَّہا میں ہا کی ضمیر اِنَّ کا  
اسم ہے اور بَقَرَةٌ اس کی خبر ہے لیکن یہ نکرہ مخصوصہ ہے کیونکہ آگے لَا فَارِضٌ۔ لَا بُكَرٌ اور عَوَانٌ اس کی تین صفتیں آئی ہیں۔

## ترجمہ

قَالُوا	اُدْعُ	لَنَا	رَبَّكَ	يُبَيِّنُ
ان لوگوں نے کہا	آپ پکاریئے	ہمارے لیے	اپنے رب کو	کہ وہ واضح کر دے

لَنَا	مَا هِيَ	قَالَ	اِنَّہ	يَقُولُ	اِنَّہا	بَقَرَةٌ
ہمارے لیے	وہ کیا ہے	انہوں نے کہا	کہ وہ	کہتا ہے	کہ وہ	ایک ایسی گائے ہے جو

لَا فَارِضٌ	وَلَا بُكَرٌ	عَوَانٌ	بَيْنَ ذٰلِكَ	فَاعْمَلُوا
نہ بوڑھی ہے	اور نہ کنواری ہے	بچہ میں ہے	اس کے مابین	پس تم لوگ کرو

مَا	تُؤْمَرُونَ
وہ جو	تم کو حکم دیا جاتا ہے

## آیت نمبر (2/ البقرہ: 69)

﴿قَالُوا اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لُونُهَا قَالَ اِنَّہ یَقُولُ اِنَّہَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقْعُ لَوْنُهَا تَسْرُ  
النَّظَرِیْنَ ۝﴾

## ف ق ع

(ف۔س)

فَقْعًا رنگ کا صاف اور خالص ہونا۔ چمکدار ہونا۔  
فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ صفت کے طور پر آتا ہے۔ چمکدار۔ شوخ۔ آیت زیر مطالعہ۔

## س ر ر

(ن)

سُرُورًا کسی کو خوش کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔  
مَسْرُورٌ اسم المفعول ہے۔ صفت کے طور پر آتا ہے۔ خوش کیا ہوا۔ خوش و خرم۔ ﴿اِنَّہ كَانَ فِیْ اَهْلِیْہِ  
مَسْرُورًا﴾ (84/ الانشقاق: 13) ”بے شک وہ تھا اپنے گھر والوں میں خوش و خرم۔“  
اَفْعَلُ الوان و عیوب میں فَعْلَاءٌ کا وزن ہے۔ خوشی کا رنگ یا خوشی کی کیفیت۔ ﴿الَّذِیْنَ

يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالصَّوَّاءِ ﴿3/ آل عمران: 134﴾ ”جو لوگ انفاق کرتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں۔“

سَرَّاءُ اسم ذات ہے۔ راز۔ بھید۔ (کبھی کوئی بات چھپا کر کسی کو خوش کرتے ہیں) ﴿الْكَهْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ﴾ (9/ التوبہ: 78) ”کیا وہ لوگ جانتے نہیں کہ اللہ جانتا ہے ان کے بھید کو اور ان کی سرگوشی کو۔“ ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ﴾ (86/ الطارق: 9) ”جس روز جانچا جائے گا بھیدوں کو۔“

سَرِيرٌ ج سَرِيرٌ۔ فَعِيلٌ کا وزن ہے۔ اس کے لفظی معنی بنتے ہیں دائمی طور پر خوش کرنے والا۔ لیکن عام طور پر یہ تخت شاہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ﴾ (88/ الغاشیہ: 13) ”اس میں ہیں بلند کیے ہوئے تخت۔“

إِسْرَاءُ (افعال) (1) راز کی بات بتانا۔ (2) راز یا بھید کو چھپانا۔ (کبھی کسی کو راز بتا کر خوش کرتے ہیں اور کبھی چھپا کر)۔ ﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا﴾ (66/ التحریم: 3) ”اور جب نبیؐ نے راز کی ایک بات بتائی اپنی ازواجؓ میں سے کسی پر۔“ ﴿فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ﴾ (12/ یوسف: 77) ”تو چھپایا اس کو یوسفؑ نے اپنے جی میں۔“ ﴿وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَبَّاءُ أَوَّاعًا﴾ (10/ یونس: 54) ”اور وہ لوگ چھپائیں گے ندامت کو جب وہ دیکھیں گے عذاب کو۔“

أَسَرَّ ج أَسَرُّوا۔ فعل امر ہے۔ تو چھپا۔ ﴿وَأَسَرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ﴾ (67/ الملک: 13) ”اور تم لوگ چھپاؤ اپنی بات کو یا نمایاں کرو اس کو۔“

### ترکیب

بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ مرکب توصیفی ہے۔ فَاقِعٌ لَوْنُهَا میں فَاقِعٌ خبر مقدم ہے اور لَوْنُهَا مبتداء مؤخر ہے۔ تَسْرُّ مَضَارِعَ کا واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ اس میں شامل ہی کی ضمیر اس کا فاعل ہے جبکہ النُّظْرَيْنِ مفعول ہے۔ تَسْرُّ میں ہی کی ضمیر بَقَرَةٌ کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور لَوْنُ کے لیے بھی، حالانکہ لَوْنُ مذکر ہے۔ اس کی وجہ سمجھ لیں۔ جب کوئی مذکر لفظ کسی مؤنث لفظ کی طرف مضاف ہو، جیسے یہاں لَوْنُ (مذکر) هَا (مؤنث) کی طرف مضاف ہے، تو ایسے مذکر لفظ کے لیے مؤنث کا صیغہ لانا جائز ہے۔

### ترجمہ

مَا	يُبَيِّنُ لَنَا	قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
کیا ہے	کہ وہ واضح کر دے ہمارے لیے	انہوں نے کہا آپ پکارئیے ہمارے لیے اپنے رب کو

لَوْنُهَا	قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ	إِنَّهَا	بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ	فَاقِعٌ
اس کا رنگ	انہوں نے کہا کہ وہ کہتا ہے	کہ وہ	ایک پیلی گائے ہے	شوخ ہے

لَوْنُهَا	تَسْرُّ	النُّظْرَيْنِ
اس کا رنگ	وہ خوش کرتا ہے	دیکھنے والوں کو

نوٹ-1

اس آیت کی لغت میں مادہ ’س ر د‘ کی باب افعال میں وضاحت کرتے ہوئے آیت نمبر (10/ یونس: 54) میں لفظ اَسْرُوا آیا ہے اور آیت نمبر (67/ الملک: 13) میں اَسْرُوا آیا ہے۔ ان دونوں کے فرق کو نوٹ کر کے ذہن نشین کر لیں۔ اَسْرُوا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں ان لوگوں نے چھپایا۔ جبکہ اَسْرُوا فعل امر میں جمع مذکر مخاطب کا صیغہ ہے، اس کے معنی ہیں تم لوگ چھپاؤ۔

### آیت نمبر (2/ البقرہ: 70)

﴿قَالُوا دُعِ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقْرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَكَاهِتُونَ﴾

ترکیب

إِنَّ کا اسم الْبَقْرَ ہے اس لیے منصوب ہے اور یہاں الْبَقْرَةَ کے بجائے الْبَقْرَ یعنی اسم جنس آیا ہے۔ تَشَابَهَ عَلَيْنَا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اِنَّا میں شامل نا کی ضمیر اِنَّ کا اسم ہے اور اسم الفاعل لَكَاهِتُونَ اس کی خبر ہے۔ اِن شَاءَ اللَّهُ جملہ فعلیہ شرط ہے اور اِنَّا لَكَاهِتُونَ جملہ اسمیہ جواب شرط ہے۔

ترجمہ

قَالُوا دُعِ لَنَا رَبَّكَ	يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ
انہوں نے کہا آپ پکاریے ہمارے لیے اپنے رب کو	کہ وہ واضح کر دے ہمارے لیے کہ وہ کیا ہے

إِنَّ الْبَقْرَ	تَشْبَهُ	عَلَيْنَا	وَإِنَّا	إِن شَاءَ	اللَّهُ
بے شک تمام گائے بیل	باہم ملتے جلتے ہوئے	ہم پر	اور یقیناً ہم	اگر چاہا	اللہ نے

لَكَاهِتُونَ
تو ہدایت پانے والے ہیں

نوٹ-1

گائے کے قصے میں اب تک جو آیات زیر مطالعہ آئی ہیں ان میں ایک دو باتیں نوٹ کرنے کے قابل ہیں۔ لیکن ان کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پس منظر ذہن میں واضح ہو۔ فرعونوں کے دور میں مصر میں گائے کی پرستش عام تھی۔ حضرت موسیٰ کے ساتھ بنو اسرائیل کے جو لوگ تھے ان کی اکثریت مصر میں پیدا ہوئی تھی اور اسی ماحول میں پروان چڑھی تھی۔ گو مصر میں انہوں نے گائے کی پرستش نہیں کی لیکن اس کی عظمت ان کے دلوں میں رچ بس گئی تھی اسی بات نے انہیں بچھڑے کی پرستش پر آمادہ کیا اور اسی وجہ سے وہ گائے ذبح کرنے میں پس و پیش کر رہے تھے۔

نوٹ-2

اب پہلی بات یہ نوٹ کریں کہ آیات 67-68 اور 69 میں حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل لفظ بَقْرَةَ (کوئی ایک گائے) استعمال کر رہے ہیں لیکن اس آیت میں بنو اسرائیل نے اسم جنس الْبَقْرَ استعمال کیا ہے جس میں گائے اور بیل دونوں شامل ہوتے ہیں۔

دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ ان کی بات میں واحد مذکر کا صیغہ تَشَابَهَ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

ان کا اصل شبہ اور الجھن بیل کے متعلق تھی۔ اگر گائے کے متعلق ہوتی تو تَشَابَهَتْ آتا۔  
ان لوگوں کا یہ اندازِ کلام اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ ان کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے  
حکم کو بیل ذبح کرنے کے حکم میں تبدیل کر دے۔

نوٹ-3

تیسری بات یہ ہے کہ انہوں نے موسیٰ سے ہر دفعہ یہ کہا کہ آپ ”اپنے رب“ کو پکاریئے۔ ہر جگہ رَبِّک کہا ہے کسی ایک جگہ بھی رَبَّنَا  
نہیں کہا کہ آپ ”ہمارے رب“ کو پکاریئے۔ یہ اندازِ کلام بھی بہت کچھ غمازی کر رہا ہے۔

### آیت نمبر (2/ البقرہ: 71)

﴿قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيبَةَ فِيهَا قَالُوا  
الْأَنْ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبْحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۝٤١﴾

ث و ر

(ن) ثَوْرًا غبار، دھواں یا بادل وغیرہ کا اوپر اٹھنا۔  
(افعال) اِثَارَةً اوپر اٹھانا۔ زمین جو تنا (کیونکہ اس میں زمین کی مٹی کو اوپر اٹھاتے ہیں)۔ ﴿اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ  
الرِّيحَ فَّتُثِيرُ سَحَابًا﴾ (30/ الروم: 48) ”اللہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو تو وہ اوپر اٹھاتی ہے بادل  
کو۔“ ﴿كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا﴾ (30/ الروم: 9) ”وہ لوگ زیادہ شدید  
تھے ان سے بلحاظ قوت کے اور انہوں نے جو تازمین کو اور آباد کیا اس کو۔“  
اسم ذات ہے۔ بیل (کیونکہ یہ زمین جو تاتا ہے)۔ یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا

س ل م

(س) سَلَامًا اور سَلَامَةً (۱) آفت اور بلا سے محفوظ ہونا۔ سلامتی میں ہونا۔ (۲) عیب اور نقص سے پاک ہونا۔ صحیح و سالم۔  
سَلِيمٌ فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ صحیح و سالم ہونے والا۔ تندرست۔ ﴿وَقَدْ كَانُوا يَدْعُونَ إِلَى الشُّجُودِ  
وَهُمْ سَلِيمُونَ ۝٤٣﴾ (68/ القلم: 43) ”اور یقیناً وہ لوگ بلائے جاتے تھے سجدہ کی طرف اس حال  
میں کہ وہ لوگ تندرست تھے۔“  
سَلَمٌ صفت ہے۔ صحیح و سالم۔ مکمل۔ پورے کا پورا۔ ﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَ  
رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ط﴾ (39/ الزمر: 29) ”اللہ مثال دیتا ہے ایک آدمی یعنی ایک غلام کی اس  
میں شریک ہیں کچھ مختلف مزاج لوگ یعنی کئی آقا اور ایک غلام کی جو پورا کا پورا ہے ایک آدمی یعنی ایک  
آقا کے لیے۔“  
سَلْمٌ اسم ذات ہے۔ صلح۔ ﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾ (8/ الانفال: 61) ”اور اگر وہ لوگ جھکیں صلح  
کے لیے تو آپ جھکیں اس کے لیے۔“  
سِلْمٌ اسم ذات ہے۔ سلامتی۔ اسلام۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۝٢٨﴾  
(2/ البقرہ: 208) ”اے لوگو! جو ایمان لائے تم لوگ داخل ہو سلامتی میں یعنی اسلام میں پورے  
کے پورے۔“



اسم ذات ہے۔ حفاظت کے لیے بلند جگہ پر چڑھنے کا ذریعہ۔ سیڑھی۔ ﴿أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّرْتَعُونَ فِيهِ﴾ (52/ الطور: 38) ”یا ان کے پاس ہے کوئی سیڑھی، وہ لوگ کان لگاتے ہیں جس میں یعنی جس پر چڑھ کے۔“

اسم ذات ہے۔ سلامتی۔ سلامتی کی دعا۔ ﴿لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (6/ الانعام: 127) ”ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے پاس۔“ ﴿وَتَجِئْتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ﴾ (10/ یونس: 10) ”اور ان کی دعا ہے اس میں سلامتی کی دعا۔“

(افعال) اِسْلَامًا کسی کی فرمانبرداری قبول کرنا۔ تابعداری کرنا (اس طرح انسان عافیت میں آجاتا ہے)۔ اصطلاحاً اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنا یعنی اسلام لانا۔ ﴿وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَبَّائِدْ خُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ (49/ الحجرات: 14) ”اور لیکن تم لوگ کہو ہم نے فرمانبرداری قبول کی اور ابھی تک داخل نہیں ہوا ایمان تمہارے دلوں میں۔“

فعل امر ہے۔ تو فرمانبرداری قبول کر۔ ﴿فَالَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوط﴾ (22/ الحج: 34) ”پس تمہارا الہ واحد الہ ہے تو اس کی ہی تم لوگ فرمانبرداری کرو۔“

اسم الفاعل ہے۔ فرمانبرداری قبول کرنے والا۔ تابعدار۔ مسلمان ﴿أَنْتَ وَلِيٌّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ تَوْفِقِي مُسْلِمًا وَ الْحَقِيقِي بِالْصَّالِحِينَ ﴿12﴾ (12/ يوسف: 101) ”تو میرا مولا ہے دنیا اور آخرت میں تو موت دے مجھ کو مسلمان ہوتے ہوئے اور تو ملا دے مجھ کو صالح لوگوں کے ساتھ۔“

باب افعال کا مصدر ہے۔ اصطلاحاً دین اسلام یعنی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کا ضابطہ حیات۔ ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (3/ آل عمران: 85) ”اور جو تلاش کرتا ہے اسلام کے علاوہ کو بطور دین کے تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اس سے۔“

(تفعیل) تَسْلِيمًا (۱) آفت سے بچانا۔ کسی کو کسی کے سپرد کرنا۔ (۲) صحیح و سالم یعنی پورا رکھنا۔ (۳) سلامتی کی دعا دینا۔ ﴿وَلَوْ أَرَبَهُمْ كَثِيرًا لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأُمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ﴾ (8/ الانفال: 43) ”اور اگر وہ تمہیں دکھاتا ان لوگوں کو زیادہ تو تم لوگ ہمت ہار دیتے اور تم لوگ جھگڑتے فیصلے میں لیکن اللہ نے بچایا۔“ ﴿لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا﴾ (24/ النور: 27) ”تم لوگ داخل مت ہو کسی کے گھروں میں اپنے گھروں کے علاوہ یہاں تک کہ اجازت مانگ لو اور سلامتی کی دعا دے لو اس میں رہنے والوں پر۔“

فعل امر ہے۔ تو بچا۔ تو سلامتی کی دعا دے۔ ﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ﴾ (24/ النور: 61) ”جب بھی تم لوگ داخل ہو کچھ گھروں میں تو سلامتی کی دعا دو یعنی سلام کرو اپنوں پر۔“

اسم المفعول ہے، بطور صفت آتا ہے۔ بچایا ہوا۔ سپرد کیا ہوا۔ ﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحَرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهَا﴾ (4/ النساء: 92) ”اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے تو ایک مسلمان گردن یعنی مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا ہے حوالے کیا ہوا اس کے گھر والوں کے لیے۔“

وَشَيْئًا  
شَيْئَةً  
کسی چیز کو مصنوعی طور پر سجانا۔ نقش و نگار بنانا۔  
اسم ذات ہے۔ داغ۔ نشان۔ آیت زیر مطالعہ۔

إِنَّهَا بَقْرَةٌ لَا ذَلُولٌ فِيهَا مِثْلُ بَقْرَةٍ مَوْصُوفٍ أَوْ لَا ذَلُولٌ صِفَتٌ هِيَ۔ یہ مرکب توصیفی (ن) کی خبر ہے۔ تُثِيرُ فَعْلٌ، اس کا فاعل اس میں شامل ہی کی ضمیر ہے جو بَقْرَةٌ کے لیے ہے جبکہ الْأَرْضُ اس کا مفعول ہے۔ یہ جملہ فعلیہ مرکب توصیفی بَقْرَةٌ لَا ذَلُولٌ کا حال ہے۔ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ جملہ فعلیہ خبر ہے اور اس کا مبتداء ہی مخدوف ہے۔ مُسَلَّمَةٌ بھی خبر ہے اور اس کا بھی مبتداء ہی مخدوف ہے۔ لَا شَيْئَةَ مَبْتَدَاءٌ ہے اس کی خبر مَوْجُودَةٌ مخدوف ہے اور فِيهَا متعلق خبر ہے۔ لَا شَيْئَةَ کے ساتھ لائے نفی جنس لگا ہوا ہے۔

قَالَ	إِنَّهُ	يَقُولُ	إِنَّهَا	بَقْرَةٌ	لَا ذَلُولٌ
انہوں نے کہا	کہ وہ	کہتا ہے	کہ وہ	ایک گائے ہے	جو سدھائی نہیں گئی

تُثِيرُ	الْأَرْضَ	وَلَا تَسْقِي	الْحَرْثَ	مُسَلَّمَةٌ
کہ وہ جوتی ہے	زمین کو	اور وہ پانی نہیں پلاتی	کھیتی کو	وہ بچائی گئی ہے (ہر مشقت سے)

لَا شَيْئَةَ	فِيهَا	قَالُوا	الْأَنْ	جِئْتُ بِالْحَقِّ ط
کسی قسم کا کوئی نشان نہیں	اس میں	ان لوگوں نے کہا	اب	تو لایا حق کو

فَدَبَحُوهَا	وَمَا كَادُوا	يَفْعَلُونَ
تو ان لوگوں نے ذبح کیا اس کو	اور لگتا نہیں تھا کہ	وہ لوگ کریں گے

حضرت ابراہیمؑ سے نسبت کی بنیاد پر بنو اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ وہ جنتی ہیں۔ جبکہ حضرت ابراہیمؑ کا حال یہ تھا کہ خواب میں اشارہ ملا تو وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے، بلکہ اپنے جانتے میں تو انہوں نے ذبح کر دیا تھا۔ ادھر ان کا حال یہ ہے کہ کلیم اللہ نے اللہ کا حکم واضح الفاظ میں سنایا تو اس پر عمل کرنے میں انہوں نے اتنا پس و پیش کیا۔

یہ ایک واقعہ درحقیقت ان کے عمومی طرز عمل کی نمائندگی کر رہا ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام پر بے چون و چرا عمل نہیں کرتے تھے اور ان کا یہی طرز عمل امت مسلمہ کے منصب سے ان کی معزولی کا بنیادی سبب بنا۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی کسی مقرب ہستی سے نسبت اس کے نقش قدم کی پیروی کرنے سے ہے، نسلی تعلق سے نہیں ہے ورنہ حضرت نوحؑ کی آنکھوں کے سامنے ان کا بیٹا غرق نہ ہوتا۔



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## سورة البقرة (۲)

## آیت نمبر (72)

﴿وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادْرَأْتُمْ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ﴾

ق ت ل

- (ن) قَتَلًا کسی کو قتل کرنا۔ ﴿وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا﴾ (4/ النساء: 157) ”اور ان لوگوں نے یعنی یہودیوں نے یقیناً قتل نہیں کیا ان کو یعنی عیسیٰ کو۔“
- أُقْتُلُ فعل امر ہے۔ تو قتل کر۔ ﴿فَإِذَا النُّسَخُ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ﴾ (9/ التوبہ: 5) ”پس جب نکل جائیں حرمت والے مہینے تو تم لوگ قتل کرو مشرکوں کو۔“
- قَتْلٌ اسم ذات ہے۔ قتل۔ ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (2/ البقرہ: 191) ”اور فتنہ زیادہ شدید ہے قتل سے۔“
- تَقْتِيلًا تسلسل سے یعنی کثرت سے قتل کرنا۔ ﴿سُقْتِلُ أَبْنَاءُ هُمْ﴾ (7/ الاعراف: 127) ”ہم قتل کرتے رہیں گے ان کے بیٹوں کو۔“
- (مفاعله) مُقَاتَلَةً اور قِتَالًا ایک دوسرے کو قتل کرنا۔ جنگ کرنا۔ اس فعل کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بددعا کا مفہوم ہوتا ہے یعنی ہلاک کرے۔ ﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلٌ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَتْلُوا﴾ (57/ الحديد: 10) ”برابر نہیں ہے تم لوگوں میں سے وہ جس نے انفاق کیا فتح سے پہلے اور قتال کیا۔ وہ لوگ زیادہ عظیم ہیں بلحاظ درجے کے، ان لوگوں سے جنہوں نے انفاق کیا بعد میں اور قتال کیا۔“ ﴿قَتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (9/ التوبہ: 30) ”ہلاک کرے ان کو اللہ، کہاں اوندھے جاتے ہیں۔“
- قَاتِلٌ فعل امر ہے۔ تو جنگ کر۔ تو قتال کر۔ ﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (4/ النساء: 84) ”پس آپ قتال کیجئے اللہ کی راہ میں۔“ ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (2/ البقرہ: 190) ”اور تم لوگ قتال کرو اللہ کی راہ میں۔“
- (افتعال) اِقْتِتَالًا اہتمام سے لڑنا۔ آپس میں لڑنا۔ ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا﴾ (2/ البقرہ: 253) ”اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے۔“

د ر ع

- (ف) دَرَاءٌ دھکیلنا۔ ہٹانا۔ ﴿وَيَذَرُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ﴾ (13/ الرعد: 22) ”اور وہ لوگ ہٹاتے ہیں بھلائی سے برائی کو۔“
- إِذْرَاءٌ فعل امر ہے۔ تو ہٹا۔ ﴿قُلْ فَادْرَأْ وَأَعَنْ أَنْفُسَكُمْ الْمَوْتَ﴾ (3/ آل عمران: 168) ”آپ کہئے تو تم لوگ ہٹالو اپنی جان سے موت کو۔“
- (تفاعل) إِذَارَاءً الزام کو ایک دوسرے پر ڈالنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

قَتَلْتُمْ كَامْفَعُولِ نَفْسًا ہے اور فِيهَا میں ہا کی ضمیر نَفْسًا کے لیے ہے۔ اَللّٰهُ مبتداء، مُخْرِجٌ خبر اور مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ جملہ فعلیہ متعلق خبر ہے۔

ترکیب

ترجمہ

وَإِذْ قَتَلْتُمْ	نَفْسًا	فَادْرَأْتُمْ
اور جب تم لوگوں نے قتل کیا	ایک جان کو	تو الزام ایک دوسرے پر ڈالا

فِيهَا	وَاللّٰهُ	مُخْرِجٌ	مَا	كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ
اس میں	اور اللہ	نکالنے والا تھا	وہ جو	تم لوگ چھپاتے تھے

ایک مرتبہ پھر یاد کر لیں، آیت نمبر (2/ البقرہ: 11-12) کے نوٹ-1 میں بتایا جا چکا ہے کہ جملہ اگر اِذ سے شروع ہو تو اس کا ترجمہ ماضی میں کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ کا ترجمہ ”اللہ نکالنے والا ہے“ کے بجائے ”اللہ نکالنے والا تھا“ کیا گیا ہے۔

نوٹ-1

اوپر لغت میں آیت نمبر (9/ الروم: 30) کا ترجمہ ”قتل کیا ان کو اللہ نے“ کرنے کے بجائے ”قتل کرے ان کو اللہ“ کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سمجھنے کے لیے دعائیہ کلمات کے متعلق چند باتیں سمجھ لیں۔ دعا کے تین انداز ہیں۔ (۱) کبھی ہم اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے دعا کرتے ہیں جیسے یا اللہ! تو مجھے معاف کر۔ یا اللہ! تو اس کو معاف کر۔ (۲) کبھی ہم اس کو مخاطب کرتے ہیں جس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تجھ کو معاف کرے۔ (۳) کبھی ہمارا مخاطب کوئی نہیں ہوتا۔ ہم صرف اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ جیسے اللہ اسے معاف کرے۔ اللہ ہم سب کو معاف کرے۔

نوٹ-2

اُردو میں قاعدہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں فعل امر حاضر استعمال ہوتا ہے، ”تو کر“۔ جبکہ دوسری اور تیسری صورت میں فعل امر غائب استعمال ہوتا ہے، ”وہ کرے“۔ عربی میں بھی پہلی صورت میں فعل امر حاضر ہی آتا ہے۔ جیسے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَه۔ لیکن دوسری اور تیسری صورت میں فعل امر غائب کے بجائے فعل ماضی یا مضارع آتا ہے۔ جیسے غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ۔ غَفَرَ اللّٰهُ لَنَا۔ يَزْحَمُكَ اللّٰهُ وغیرہ۔

اب نوٹ کریں کہ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ کا اگر لفظی ترجمہ کریں کہ ”معاف کیا اللہ نے تجھ کو“ تو ایسی صورت میں دعا کا مفہوم نہیں رہتا۔ اس لیے اردو محاورے کے مطابق ترجمہ کرنا پڑتا ہے کہ ”معاف کرے اللہ تجھ کو“۔ اسی طرح يَزْحَمُكَ اللّٰهُ کا ترجمہ ”رحم کرتا ہے یا رحم کرے گا تجھ پر اللہ“ کرنے کے بجائے ترجمہ ہوگا ”رحم کرے تجھ پر اللہ“۔ یہی وجہ ہے کہ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ کا ترجمہ ”ہلاک کیا ان کو اللہ نے“ درست نہیں ہوگا۔ بلکہ ”ہلاک کرے ان کو اللہ“ درست ہوگا۔

آیت نمبر (2/ البقرہ: 73)

﴿فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۖ كَذَلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝﴾

اِضْرِبُوْهُ میں ہ کی ضمیر واحد مذکر ہے اس لیے یہ مقتول کے لیے ہے۔ بِبَعْضِهَا میں ہا کی ضمیر واحد مؤنث ہے اس

ترکیب

لیے یہ گائے کے لیے ہے۔ یٰحٰی کا فاعل اللہ اور اس کا مفعول اَلْمَوْتِ ہے۔ یٰرِیٰ کا فاعل اس میں شامل ہوئی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ اس کا مفعول اَوَّلُ کُفْرٍ ہے اور اٰیۃ مفعول ثانی ہے۔ یہ دراصل اٰیٰتِ (حالتِ نصب) تھا۔ مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین ختم ہوئی اور کاف کی ضمیر مضاف الیہ ہے۔

ترجمہ

اَلْمَوْتٰی لَا	وَمِیْرَیْکُمْ	اٰیٰتِہٖ	لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ
مردہ کو	اور وہ دکھاتا ہے تم کو	اپنی نشانیاں	شاید تم لوگ عقل کرو

نوٹ-1

آیت نمبر (2/ البقرہ: 74)

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۖ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۖ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْبَاءُ ۖ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤٧﴾﴾

ق س و

(ن)	قَسُوْا	تھوس ہونا۔ سخت ہونا۔ ﴿فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ط﴾ (57/ الحدید: 16) ”پس طویل ہوئی ان پر مدت تو سخت ہوئے ان کے دل۔“
قاس	مَوْنَتْ قَاسِيَةً۔	اسم الفاعل ہے۔ سخت ہونے والا۔ ﴿فِتْنَةً لِلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَ الْقَاسِيَةُ قُلُوْبُهُمْ ط﴾ (22/ الحج: 53) ”آزمائش ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض ہے اور سخت ہونے والے ہیں جن کے دل۔“
قَسُوْةٌ		اسم ذات ہے۔ سختی۔ آیت زیر مطالعہ۔

ش ق ق

(ن) شَقًّا اور مَشَقَّةً پھاڑنا۔ کام کا دشوار ہونا۔ ﴿ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا﴾ (80/عيس: 26) ”پھر ہم نے پھاڑا زمین کو جیسا پھاڑنے کا حق ہے۔“

أَفْعُلُ التَّفْضِيلُ ہے۔ زیادہ دشوار۔ ﴿وَالْعَذَابُ الْآخِرَةُ أَشَقُّ﴾ (13/الرعد: 34) ”اور یقیناً آخرت کا عذاب سب سے زیادہ دشوار ہے۔“

اسم ذات ہے۔ دشواری۔ مشقت۔ ﴿لَمْ تَكُونُوا بِالْعِثَّةِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ﴾ (16/النحل: 7)

”تم لوگ نہیں ہو پہنچنے والے اس کو مگر جان کی مشقت سے۔“

اسم ذات ہے۔ مشکل سفر۔ ﴿وَلَكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ط﴾ (9/ التوبہ: 42) ”اور لیکن دور ہوا یعنی طویل ہوا ان پر مشکل سفر۔“

ایک دوسرے کی مخالفت کرنا۔ (پھٹ کر الگ ہونے کی وجہ سے) ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقَّوْا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ﴾ (8/ الانفال: 13) ”یہ اس لیے کہ ان لوگوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول کی۔“

پھٹ جانا۔ پھٹ پڑنا۔ ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ﴾ (25/ الفرقان: 25) ”اور جس دن آسمان پھٹ جائے گا۔“

پھٹ جانا۔ ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَالشَّيْءُ الْقَمَرُ ۝﴾ (54/ القمر: 1) ”قریب ہوئی قیامت اور پھٹ گیا چاند۔“

شُقَّةٌ

شِقَاقًا

تَشَقُّقًا

اِنْشِقَاقًا

(مفاعله)

(تفعّل)

(انفعال)

خ ش ی

مرعوب ہونا۔ ڈرنا۔ ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴾ (98/ البقرہ: 8) ”یہ ہے اس کے لیے جو مرعوب ہوا اپنے رب سے۔“

فعل امر ہے۔ تو مرعوب ہو۔ ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي﴾ (2/ البقرہ: 150) ”تو تم لوگ مت مرعوب ہوا ان لوگوں سے اور مرعوب ہو مجھ سے۔“

اسم ذات ہے۔ رعب۔ دہشت۔ ﴿يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ (4/ النساء: 77) ”وہ لوگ مرعوب ہوتے ہیں لوگوں سے جیسے کہ اللہ کا رعب۔“

خَشِيًا

اِخْشِ

خَشِيَةً

(س)

غ ف ل

کسی حقیقت کو ذہن میں حاضر نہ رکھنا۔ چوکتا نہ ہونا۔ غافل ہونا۔ ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ﴾ (4/ النساء: 102) ”تمنا کی ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا، کاش تم لوگ غفلت کرو اپنے ہتھیاروں سے۔“

اسم الفاعل ہے۔ غفلت کرنے والا۔ ﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَفُلُونَ﴾ (10/ یونس: 92) ”اور بے شک لوگوں میں سے اکثر ہماری نشانیوں سے غفلت برتنے والے ہیں۔“

اسم ذات ہے۔ غفلت۔ ﴿يُؤَيِّنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا﴾ (21/ الانبیاء: 97) ”ہائے ہماری بدبختی ہم تھے غفلت میں اس سے۔“

غافل کرنا۔ ﴿وَلَا تُطِغْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ (18/ الکہف: 28) ”اور تا بعد اری مت کر اس کی ہم نے غافل کیا جس کے دل کو اپنی یاد سے۔“

غَفَلًا

غَافِلٌ

غَفْلَةً

اِغْفَالًا

(ن)

(انفعال)

ترکیب

قَسَتْ فعل، قُلُوبُكُمْ فاعل اور مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ متعلق فعل ہے۔ ہی کی ضمیر قُلُوبُ کے لیے ہے اور جملہ میں ہی مبتداء ہے۔ اس کی خبر قَسُوۃٌ محذوف ہے، جبکہ کَالْحِجَارَةِ متعلق خبر تھا جواب قائم مقام خبر ہے۔ اُو کے بعد ہی مبتداء محذوف ہے۔ اَشَدُّ اس کی خبر ہے، جس کی تمیز قَسُوۃٌ ہے، اس لیے منصوب ہے۔ کہا میں مّا موصولہ پر لام تاکید لگا ہوا ہے اور اِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ مِنَ الْحِجَارَةِ قائم مقام خبر مقدم ہے جبکہ

يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ جملہ فعلیہ موصولہ کا صلہ ہے۔ اس میں يَتَفَجَّرُ فعل، الْأَنْهَارُ فاعل اور مِنْهُ متعلق فعل ہے۔ 229

ترجمہ

ثُمَّ قَسَتْ	قُلُوبُكُمْ	مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ	فَهِیَ
پھر سخت ہوئے	تمہارے دل	اس کے بعد سے	پس یہ

كَالْحِجَارَةِ	أَوْ أَشَدُّ	قَسْوَةً	وَأَنَّ	مِنَ الْحِجَارَةِ
پتھروں کی مانند ہیں	یا زیادہ ہیں	سختی میں	اور یقیناً	پتھروں میں سے ہیں

لَهَا	يَتَفَجَّرُ	مِنْهُ	الْأَنْهَارُ	وَأَنَّ	مِنْهَا	لَهَا
وہ جو	پھوٹ بہتی ہیں	جن سے	نہریں	اور یقیناً	ان میں ہیں	وہ جو

يَشَقُّ	فِي خُجٍّ	مِنْهُ	الْبَاطِنِ	وَأَنَّ مِنْهَا	لَهَا
چٹا اٹھتے ہیں	تو رستا ہے	ان سے	پانی	اور یقیناً ان میں ہیں	وہ جو

يَهْبِطُ	مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ	وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ	عَمَّا	تَعْمَلُونَ
گر پڑتے ہیں	اللہ کے رعب سے	اور اللہ غافل نہیں ہے	اس سے جو	تم لوگ کرتے ہو

نوٹ-1

ثُمَّ اور آگے مِنْ بَعْدِ ذَلِك سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا اثر ہوا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد پھر لوگوں کے دل سخت ہوتے چلے گئے۔ دل سخت ہونے کا مطلب ہے کہ اس میں موجود خواہشات کا اس سے نکلنا مشکل ہو اور کسی نئے جذبہ یا اُمنگ کا اس میں داخل ہونا مشکل ہو۔ یہ امکان اگر حتمی طور پر ختم ہو جائے تو اس کو دل پر مہر لگنا کہتے ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ دل کا سخت ہونا اس پر مہر لگنے سے پہلے کا مرحلہ ہے۔

نوٹ-2

اس مقام پر پہلی بات یہ سمجھ لیں کہ پتھر گرنے کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ یہاں پر ان تمام اسباب کا نہیں بلکہ صرف ایک سبب کا ذکر ہے۔ دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ خوف محسوس کرنے کے لیے جو اصل صلاحیت درکار ہے وہ عقل نہیں بلکہ حس ہے۔ عقل سے جس کو مدد ملتی ہے لیکن عقل کا ہونا شرط نہیں ہے۔ ایک انسان جب اندھا ہوتا ہے تو اس کی حس تیز ہو جاتی ہے۔ سانپ کی آنکھ نہیں ہوتی لیکن وہ حس سے اپنا کام چلا لیتا ہے۔ تمام جانور حالانکہ غیر عاقل مخلوق ہیں لیکن حس ہونے کی وجہ سے وہ بھی خوف محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح سے نباتات و جمادات میں جس کی موجودگی اب سائنس سے ثابت ہے۔ اس لیے ان کے خوف محسوس کرنے پر کلام کرنا، کم علمی کا مظاہرہ ہے۔

نوٹ-3

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ایسی باتوں کا ذکر ہے جن کو پورے طور پر سمجھنا پرانے زمانے میں ممکن نہیں تھا۔ اس کی سب سے پہلی مثال سورۃ الفاتحہ میں، رَبِّ الْعَالَمِينَ میں عَالَم کے لیے جمع کے صیغہ کا استعمال ہے۔ اس کے بعد

وقفہ وقفہ سے پورے قرآن مجید میں اس نوعیت کی باتیں ہیں۔ پتھروں کا خوف محسوس کرنا بھی ان میں سے ایک 29 ہے۔ پرانے زمانے میں جن لوگوں نے اپنے رب کی طرف سے حق تسلیم کیا، تو اپنی قوتِ ایمانی کے بل بوتے پر کیا۔ جیسے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ رب ہے اس عالم کا بھی جسے ہم جانتے ہیں اور ان تمام عالموں کا بھی جنہیں ہم نہیں جانتے۔ اور جنہوں نے اعتراضات کئے، تو عقل پر غیر ضروری اعتماد اور لاعلمی کی بنا پر کئے اور اب بھی کرتے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے سائنس آگے بڑھ رہی ہے ایک ایک کر کے اعتراضات دور ہو رہے ہیں اور قرآن کی بات درست ثابت ہو رہی ہے۔ یہ صورتحال ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

### آیت نمبر (2/ البقرہ: 75)

﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْعُوْنَ كَلِمَ اللّٰهِ ثُمَّ يَحَرِّفُوْنَهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يٰۤعْلَمُوْنَ﴾ (45)

ط م ع

(س) طمعا خواہش کے ساتھ کسی چیز کی امید رکھنا۔ لالچ کرنا۔ آرزو کرنا۔ ﴿وَنُطْمِعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (5/ المائدہ: 84) ”اور ہم آرزو کرتے ہیں کہ ہم کو داخل کرے ہمارا رب صالح لوگوں کے ساتھ۔“

طمع اسم ذات ہے۔ لالچ۔ آرزو۔ ﴿وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَطَمَعًا﴾ (7/ الاعراف: 56) ”اور تم لوگ پکارو اس کو خوف کرتے ہوئے اور آرزو کرتے ہوئے۔“

ح ر ف

(ض) حَرْفًا کسی چیز کے کنارے پر ہونا۔ جھکا ہوا ہونا۔ حَرْفٌ اسم ذات ہے۔ کنارہ۔ دھار۔ سرا۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلَى حَرْفٍ﴾ (22/ الحج: 11) ”اور لوگوں میں وہ بھی ہے جو بندگی کرتا ہے اللہ کی ایک کنارہ پر۔“

(تفعیل) تَحْرِيفًا کسی چیز کو کنارے پر کرنا۔ جھکا دینا۔ ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهَا﴾ (5/ المائدہ: 13) ”وہ لوگ جھکاتے ہیں بات کو اس کے ٹھکانے سے یعنی بات کو بدل دیتے ہیں۔“

(تفعل) تَحَرَّفًا کسی جانب جھک جانا۔ جھکائی دینا۔

مُتَحَرِّفٌ اسم الفاعل ہے۔ جھکنے والا۔ جھکائی دینے والا۔ ﴿وَمَنْ يُؤَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبْرًا اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ﴾ (8/ الانفال: 16) ”اور جو پھیرے گا ان کی طرف اس دن اپنی پیٹھ کو سوائے جھکائی دینے والا ہوتے ہوئے قتال کے لیے۔“

وَقَدْ كَانَ میں واو حالیہ ہے۔ كَانَ پر قَدْ داخل ہونے کی وجہ سے یہ ماضی قریب (PRESENT PERFECT TENSE) ہے۔ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ میں فَرِيقٌ نکرہ مخصوصہ ہے اور كَانَ کا اسم ہے۔ اور اس کی خبر مَوْجُودٌ محذوف

ترکیب



ہے۔ یَسْمَعُونَ سے آخر تک فَرِیق کی خصوصیت ہے۔ یُحَرِّفُونَهُ اور عَقَلُوهُ دونوں میں ءِ کی ضمیر 229 کلام اللہ کے لیے ہے۔ وَهُمْ یَعْلَمُونَ میں بھی واوِ حالیہ ہے۔

اَفَتَتَّبِعُونَ	اَنْ یُّؤْمِنُوْا	لَکُمْ	وَ
تو کیا تم لوگ آرزو کرتے ہو	کہ وہ لوگ مان لیں	تمہاری بات	در آں حالیکہ

ترجمہ

قَدْ کَانَ فَرِیقٌ	وَمِنْهُمْ	یَسْمَعُونَ	کَلِمَ اللّٰهِ	ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہُ
ایک ایسا فریق	ان میں	جو سنتے ہیں	اللہ کے کلام کو	پھر وہ جھکاتے (بدلتے) ہیں اس کو

مِنْ بَعْدٍ	مَا	عَقَلُوْهُ	وَ	هُمْ یَعْلَمُونَ
اس کے بعد	کہ جو	انہوں نے سمجھا اس کو	اس حال میں کہ	وہ جانتے ہیں

آیت نمبر (2/ البقرہ: 76)

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بِعَضُّهُمْ إِلَى بَعْضٍ قَالُوا اتَّحَدَّثْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝﴾

ح د ث

کسی ایسی چیز کا وجود میں آنا جو پہلے نہیں تھی (فعل لازم)۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ قرآن مجید میں یہ زیادہ تر کسی بات یا خبر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ثلاثی مجرد سے فعل قرآن میں نہیں آیا۔  
جِ احَادِیْثُ۔ فَعِیْلُ کا وزن ہے۔ بنیادی مفہوم ہے وجود میں آنے والا، اس کے ساتھ پھر مختلف معانی میں اسم ذات کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کلام۔ بات۔ ﴿فَلْيَاتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ﴾ (52/ الطور: 34) ”تو وہ لوگ لائیں اس کے جیسا کوئی کلام۔“ حضور ﷺ کے فرمودات کو بھی اس معنی میں حدیث کہتے ہیں۔ (۲) خبر۔ حال۔ ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝﴾ (88/ الغاشیہ: 1) ”کیا پہنچی آپ کے پاس اس چھا جانے والی کی خبر۔“ (۳) گفتگو۔ بات۔ ﴿حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۝﴾ (6/ الانعام: 68) ”یہاں تک کہ وہ لوگ بال کی کھال نکالیں اس کے علاوہ کسی بات میں۔“ (۴) داستان۔ افسانہ۔ ﴿فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۝﴾ (34/ سبأ: 19) ”تو ہم نے بنا دیا ان کو افسانے۔“ (۵) خواب۔ ﴿وَعَلَّيْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۝﴾ (12/ یوسف: 101) ”اور تو نے علم دیا مجھ کو خوابوں کی تعبیر میں سے۔“

حُدُوْثًا

(ن)

حَدِیْثٌ

کوئی نیا وجود دینا۔ ﴿فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أَحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝﴾ (18/ الکہف: 70) ”تو آپ نہ پوچھیں مجھ سے کسی چیز کے بارے میں یہاں تک کہ میں وجود دوں آپ کے لیے اس میں سے کسی بات کو۔“

اِحْدَاثًا

(افعال)

مُحَدَّثُ اسم المفعول ہے۔ نیا وجود دیا ہوا۔ نئی نصیحت۔ ﴿وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الْمُحَدَّثِينَ مُحَدَّثًا﴾ (26/ الشعراء: 5) ”اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی یاد دہانی رحمن کی طرف سے، کوئی نئی نصیحت، مگر وہ لوگ تھے اس سے اعراض کرنے والے۔“

تَحْدِيثًا خبر دینا۔ بیان کرنا۔ ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ (99/ الزلزال: 4) ”اس دن وہ بیان کرے گی اپنی خبروں کو۔“

حَدَّثُ فعل امر ہے۔ تو خبر دے۔ تو بیان کر۔ ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (93/ الضحیٰ: 11) ”اور اپنے رب کی نعمت کا آپ چرچا کریں۔“

(تفعیل)

ف ت ح

(ف)

فَتَحًّا (۱) کسی چیز کو کھولنا۔ (۲) پیچیدگی کی گرہ کھولنا یعنی فیصلہ کرنا۔ ﴿فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط﴾ (6/ الانعام: 44) ”ہم نے کھولا ان پر ہر چیز کے دروازے۔“ ﴿ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ط﴾ (34/ سبا: 26) ”پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے مابین حق سے۔“

اِفْتَحُ فعل امر ہے۔ تو کھول۔ تو فیصلہ کر۔ ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ﴾ (7/ الاعراف: 89) ”اے ہمارے رب تو فیصلہ کر ہمارے اور ہماری قوم کے مابین حق سے۔“

فَاتِحُ اسم الفاعل ہے۔ کھولنے والا۔ فیصلہ کرنے والا۔ ﴿وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ﴾ (7/ الاعراف: 89) ”اور تو فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔“

فَتَّاحُ اسم المبالغة ہے۔ بہت کھولنے والا۔ بہت فیصلہ کرنے والا۔ ﴿وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ﴾ (34/ سبا: 26) ”اور وہ ہی بہت فیصلہ کرنے والا، ہر حال میں جاننے والا ہے۔“

مَفَاتِحُ اسم الالہ ہے۔ کھولنے کا آلہ یعنی کنجی۔ ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ﴾ (6/ الانعام: 59) ”اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔“

فَتَحُ اسم ذات ہے۔ فتح۔ فیصلہ۔ ﴿نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ط﴾ (61/ الصف: 13) ”کوئی مدد، اللہ کی طرف سے اور ایک قریبی فتح۔“ ﴿يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ﴾ (32/ السجدة: 29) ”فیصلے کے دن نفع نہیں دے گا ان کو جنہوں نے کفر کیا، ان کا ایمان۔“

تَفْتِيحًا کثرت سے کھولنا۔ ﴿لَا تُفْتَحُ لَهُمُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ﴾ (7/ الاعراف: 40) ”ذرا سا بھی نہیں کھولے جائیں گے ان کے لیے آسمان کے دروازے۔“

مُفْتَحُ مؤنث مُفْتَحَةٌ۔ اسم المفعول ہے۔ کھولا ہوا۔ ﴿وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَّآبٍ﴾ جَنَّاتِ عَدْنٍ مُّفْتَحَةٌ لَّهُمُ الْآبْوَابُ ﴿﴾ (38/ ص: 49-50) ”یقیناً متقی لوگوں کے لیے خوبصورت ٹھکانہ ہے، عدن کے باغات ہیں، کھولے گئے ہیں ان کے لیے دروازے۔“

اِسْتَفْتَحًا فتح مانگنا۔ فیصلہ مانگنا۔ ﴿وَكَانُوا مِنْ قَبْلِ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ (2/ البقرہ: 89) ”وہ لوگ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے ان پر جنہوں نے کفر کیا۔“ ﴿وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ﴾ (14/ ابراہیم: 15) ”اور ان لوگوں نے فیصلہ مانگا اور نامراد ہوا ہر ایک زبردست، ہٹ دھرم۔“

(تفعیل)

(استفعال)



(ن) حَجًّا

(۱) دلیل میں غالب آنا۔ (۲) کسی زیارت کا ارادہ کرنا۔ حج کرنا۔ اصطلاحاً اب یہ صرف حج کے لیے مخصوص مہینہ میں بیت اللہ کی زیارت کرنے کے لیے آتا ہے۔ ﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ﴾ (2/ البقرہ: 158) ”تو جس نے زیارت کی اس گھر کی یعنی حج کیا یا عمرہ کیا۔“

حَجُّ

یہ لفظ مصدر کے طور پر ہی آتا ہے۔ حج کرنا۔ ﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ ۖ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ط﴾ (2/ البقرہ: 197) ”حج کرنا معلوم مہینوں میں ہے۔ پس جس نے فرض کیا ان میں حج کرنے کو تو کوئی مباشرت نہیں ہے اور کوئی حکم عدولی نہیں ہے اور کوئی جھگڑا نہیں ہے حج کرنے میں۔“

حَجَّ

حَجَّ حَجَّجُ۔ اسم ذات ہے۔ زیارت یعنی حج۔ سال (کیونکہ ایک حج سے دوسرے حج تک ایک سال ہو جاتا ہے)۔ ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حَجُّ الْبَيْتِ﴾ (3/ آل عمران: 97) ”اور اللہ کے لیے ہے لوگوں پر اس گھر کا حج۔“ ﴿عَلَىٰ أَنْ تَأْجُرَنِي ثَلَاثِي حَجَّجٍ ط﴾ (28/ القصص: 27) ”اس پر کہ تو ملازمت کرے میری آٹھ سال۔“

حُجَّةٌ

اسم ذات ہے۔ (۱) دلیل۔ حجت۔ (۲) بحث و تکرار۔ ﴿لَيْلًا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ط﴾ (2/ البقرہ: 150) ”تا کہ نہ رہے لوگوں کے لیے تم لوگوں پر کوئی حجت۔“ ﴿لَنَا أَعْمَالُنَا وَلكُمْ أَعْمَالُكُمْ ط لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ط﴾ (42/ الشوری: 15) ”ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل ہیں۔ کوئی بحث و تکرار نہیں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان۔“

حَاجٌّ

اسم الفاعل ہے۔ واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے اور اس کی جمع حُجَّاج بھی آتی ہے۔ حج کرنے والا۔ حاجی۔ ﴿أَجْعَلْنَاهُ سَفَایَةً الْحَاجِّ وَ عِمَارَةً الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ جُهِدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ط﴾ (9/ التوبہ: 19) ”کیا تم لوگوں نے کر دیا حاجیوں کی سبیل کو اور مسجد حرام کے بسانے کو اس کے جیسا جو ایمان لایا اللہ پر اور آخری دن پر اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں۔“

مُحَاجَّةٌ

(مفاعله)

ایک دوسرے سے دلیل بازی کرنا۔ بحث کرنا۔ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهٖ﴾ (2/ البقرہ: 258) ”کیا آپ نے غور نہیں کیا اس کی طرف جس نے بحث کی ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں۔“

تَحَاجًّا

(تفاعل)

باہم جھگڑا کرنا۔ ﴿وَإِذْ يَتَحَاجُّونَ فِي النَّارِ﴾ (40/ مومن: 47) ”اور جب وہ لوگ باہم جھگڑا کریں گے آگ میں۔“

ترکیب

إِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا شَرَطَ هُـ لَقُوا کا فاعل اس میں شامل هُـ کی ضمیر ہے جبکہ الَّذِينَ آمَنُوا اس کا مفعول ہے۔ وَإِذَا خَلَا بِعُضُومِهِمْ إِلَى بَعْضٍ شَرَطَ هُـ جبکہ قَالُوا سے تَعْقِلُونَ تک جواب شرط ہے۔ خَلَا کا فاعل بَعْضُهُمْ ہے۔

ترجمہ

وَإِذَا لَقُوا	الَّذِينَ	آمَنُوا	قَالُوا	29 مِمَّا
اور جب وہ لوگ ملتے ہیں	ان لوگوں سے جو	ایمان لائے	تو وہ کہتے ہیں	ہم ایمان لائے

وَإِذَا خَلَا	بَعْضُهُمْ	إِلَىٰ بَعْضٍ	قَالُوا	
اور جب تنہائی میں ملتے ہیں	ان کے بعض	بعض سے	تو وہ کہتے ہیں	

اتَّخَذُوا نُصُوحَهُمْ	بِمَا	فَتَحَّ اللَّهُ	عَلَيْكُمْ	
کیا تم لوگ بیان کرتے ہو ان سے	اس کو جو	کھولا اللہ نے	تم پر	

لِيُخَالِفُوا	بِهِ	عِنْدَ رَبِّكُمْ	أَفَلَا تَعْقِلُونَ	
تاکہ وہ لوگ بحث کریں تم سے	اس کے ذریعہ	تمہارے رب کے پاس	تو کیا تم لوگ عقل نہیں کرتے	

آیت نمبر (2/ البقرہ: 77)

﴿أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ ٧٧

ع ل ن

(ن۔ض۔س)

عَلَانِيَةً کسی بات کا آشکار ہونا۔ ظاہر ہونا۔ ﴿وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً﴾ (13/ الرعد: 22)  
 ”اور ان لوگوں نے انفاق کیا اس میں سے جو ہم نے عطا کیا ان کو چھپاتے ہوئے اور آشکار ہوتے ہوئے۔“

إِعْلَانًا کسی بات کو آشکار یا ظاہر کرنا۔ ﴿رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ﴾ (14/ ابراہیم: 38) ”اے ہمارے رب! بے شک تو جانتا ہے اس کو جو ہم چھپاتے ہیں اور اس کو جو ہم آشکار کرتے ہیں۔“

ترکیب

أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ میں أَنَّ کا اسم لفظ اللہ ہے اور جملہ فعلیہ يَعْلَمُ سے يُعْلِنُونَ تک اس کی خبر ہے۔ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ، يَعْلَمُ کا مفعول ہے اور یہ پورا جملہ اسمیہ أَوَلَا يَعْلَمُونَ کا مفعول ہے۔

أَوَلَا يَعْلَمُونَ	أَنَّ اللَّهَ	يَعْلَمُ	مَا	يُسِرُّونَ	وَمَا
تو کیا وہ لوگ جانتے نہیں	کہ اللہ	جانتا ہے	اس کو جو	وہ چھپاتے ہیں	اور اس کو جو

ترجمہ

يُعْلِنُونَ
وہ آشکار کرتے ہیں

آیت نمبر (2/ البقرہ: 78)

﴿وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي وَإِنَّهُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾ ٧٨

(ن) اَمَّا

اُمُّ

اُمُّ

اُمِّيُّ

اُمَّةٌ

اِمَامٌ

(۱) کسی چیز کا قصد کرنا۔ ارادہ کرنا۔ (۲) کسی کی ابتداء اور تربیت کا باعث ہونا۔ (۳) راہنمائی کرنا۔ اسم الفاعل ہے۔ ارادہ کرنے والا۔ ﴿وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ (5/ المائدہ: 2) ”اور نہ ہی اس محترم گھر کا ارادہ کرنے والوں کو۔“

ج اَمَّهَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ ہر وہ چیز جو کسی کی ابتداء اور تربیت کا ذریعہ بنے۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف انداز میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) ﴿وَعِنْدَآ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ (13/ الرعد: 39) ”اور اس کے یعنی اللہ کے پاس اصل یعنی ORIGINAL کتاب ہے۔“ (۲) ﴿وَلْيُنْذِرْ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (6/ الانعام: 92) ”تا کہ آپ خبردار کریں بستیوں کے تربیت کنندہ یعنی مکہ مکرمہ کے لوگوں کو اور جو اس کے ارد گرد ہیں۔“ (۳) ﴿وَ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى﴾ (28/ القصص: 7) ”اور ہم نے وحی کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف۔“ ﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ﴾ (16/ النحل: 78) ”اور اللہ نے نکال تم لوگوں کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے۔“

اسم نسبت ہے۔ ماں سے نسبت والا۔ پیدائش کے وقت بچہ کچھ نہیں جانتا۔ اس لحاظ سے اُمِّيُّ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ اُن پڑھ۔ ﴿فَاٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ﴾ (7/ الاعراف: 158) ”پس تم لوگ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو امی نبی ہیں۔“ ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمِّيِّنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (62/ الجمعہ: 2) ”وہ ہے جس نے اُٹھایا اُن پڑھ لوگوں میں ایک رسول ان میں سے۔“

ج اُمَمٌ۔ اسم ذات ہے۔ (۱) ضابطہ حیات۔ دین۔ (۲) کسی ضابطہ حیات کی پیروی کرنے والے لوگوں کی جماعت۔ ﴿اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰى اُمَّةٍ﴾ (43/ الزخرف: 22) ”ہم نے پایا اپنے آباو اجداد کو ایک دین پر۔“ ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾ (2/ البقرہ: 134) ”وہ ایک اُمت ہے جو گزر چکی ہے۔“ ﴿وَ اِنْ تَكْذِبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ﴾ (29/ العنکبوت: 18) ”اور اگر تم لوگ جھٹلاتے ہو تو جھٹلایا ہے اُمتوں نے تم سے پہلے۔“

ج اِمَّةٌ۔ اسم ذات ہے۔ جو چیز راہنمائی کا ذریعہ ہو۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) راستہ۔ ﴿وَ اِنَّهُمْ لَبِآ مَا مِرْمِيْنَ﴾ (15/ الحجر: 79) ”اور بے شک یہ دونوں یعنی دونوں بستیاں ایک واضح راستے پر ہیں۔“ (۲) ریکارڈ، خواہ وہ فائلوں، کیسٹ یا ڈسک، کسی بھی شکل میں ہو۔ ﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اَثَارَهُمْ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ (36/ یٰسین: 12) ”اور ہم لکھتے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور اپنے پیچھے چھوڑا۔ اور ہر ایک چیز کو ہم نے شمار کیا یعنی SERIALIZE کیا ایک واضح ریکارڈ میں۔“ (۳) راہنما کتاب۔ ﴿وَ مِنْ قَبْلِهِ كِتٰبٌ مُّوْتٰى اِمَامًا وَ رَحْمَةً﴾ (46/ الاحقاف: 12) ”اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے راہنما اور رحمت ہوتے ہوئے۔“ (۴) راہنما شخص۔ ﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ (2/ البقرہ: 124) ”بے شک میں بنانے والا ہوں آپ کو لوگوں کے لیے پیشوا۔“

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا﴾ (21/ الانبیاء: 73) ”اور ہم نے بنا کر ان کو پیشوا، وہ لوگ ہدایت دیتے ہیں ہمارے حکم سے۔“

ظرف ہے۔ سامنے۔ ﴿بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجَرَهُ أَمَامَهُ﴾ (75/ القیامہ: 5) ”بلکہ انسان چاہتا ہے کہ وہ نافرمانی کرے اپنے سامنے۔“

م ن ی

(ض)

مَنْیَا  
أُمْنِيَّةُ  
(۱) کسی چیز کا اندازہ طے کرنا یعنی مقدار کرنا۔ (۲) کسی کو کسی چیز میں مبتلا کرنا۔  
ج اَمَانِي۔ اسم ذات ہے۔ اندازہ۔ تخمینہ۔ زیادہ تر خواہش یا آرزو کے معانی میں آتا ہے۔ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ أَيْنَهُ ط﴾ (22/ الحج: 52) ”اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے کوئی بھی رسول اور نہ ہی کوئی نبی مگر جب بھی وہ تمنا کرتے تو ڈالتا شیطان ان کی خواہش میں۔ اور اللہ منسوخ کرتا ہے اس کو جو شیطان ڈالتا ہے پھر اللہ محکم کرتا ہے اپنی نشانیوں کو۔“ ﴿وَعَزَّزْتُكُمْ الْأَمَانِي﴾ (57/ الحديد: 14) ”اور دھوکا دیا تم لوگوں کو آرزوؤں نے۔“

مَنْیُ  
إِمْنَاءُ  
اسم ذات ہے۔ نطفہ کی بوند۔ (کیونکہ یہ حیوانات کی ساخت مقرر کرتی ہے) ﴿الْمَ يَكُ نُطْفَةٍ مِنْ مَنِيٍّ﴾ (75/ القیامہ: 37) ”کیا وہ نہیں تھا کسی بوند میں سے ایک نطفہ۔“  
کوئی رقیق چیز اندازے سے گرانا۔ ﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ﴾ عَاَنْتُمْ تَخْلُقُونَ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿۵۹﴾ (56/ الواقعة: 58-59) ”تو کیا تم لوگوں نے غور کیا اس پر جو تم گراتے ہو۔ کیا تم لوگ پیدا کرتے ہو اس سے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔“

تَمْنِيَّةُ  
تَمْنِي  
خواہش دلانا۔ آرزو میں مبتلا کرنا۔ ﴿يَعِدُهُمْ وَيُمْنِيهِمْ ط﴾ (4/ النساء: 120) ”وہ یعنی شیطان وعدہ دیتا ہی ان کو اور ان کو آرزو میں مبتلا کرتا ہے۔“

تَمْنِي  
خواہش یا آرزو میں بتکلف مبتلا ہونا۔ تمنا کرنا۔ ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ط﴾ (4/ النساء: 32) ”اور تم لوگ تمنامت کرو اس کی، اللہ نے فضیلت دی جس سے، تم میں سے کسی کو کسی پر۔“

ترکیب

أُمِّيُونَ مبتداء مؤخر مکرر ہے، اس کی خبر مَوْجُودٌ محذوف ہے، اور مِنْهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ لَا يَعْلَمُونَ سے اَمَانِي تک پورا جملہ اُمِّيُونَ کی صفت یا بدل ہے۔

اِنْ نَافِيہ کے بعد جب اِلَّا سے مستثنیٰ کرتے ہیں تو اس سے بھی حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے جیسے He IS NOTHING BUT----- ایسی صورت میں اِلَّا کا مستثنیٰ عموماً اسم آتا ہے لیکن یہاں فعل آیا ہے۔ کیونکہ اسم محذوف ہے۔ اِنْ هُمْ اِلَّا قَوْمٌ يَظُنُّونَ۔

ترجمہ

وَمِنْهُمْ	أُمِّيُونَ	لَا يَعْلَمُونَ	الْكِتَابَ	إِلَّا أَمَانِي
اور ان میں ہیں	اُن پڑھ لوگ	جن کو علم نہیں	کتاب کا	سوائے آرزوؤں کے

وَإِنْ هُمْ	إِلَّا	يُظُنُّونَ
اور وہ لوگ نہیں ہیں	سوائے اس کے کہ	وہ گمان کرتے ہیں

## نوٹ-1

لفظ اُمِّیُّ (اُن پڑھ) کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں واضح ہونی چاہیے کہ پڑھنے لکھنے کی صلاحیت حصولِ علم میں مدد دیتی ہے لیکن یہ شرط نہیں۔ دیہاتوں میں آپ کو آج بھی بہت سے اُن پڑھ عالم مل جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مشاہدے اور غور و فکر کی صلاحیتوں کو استعمال کر کے جو علم حاصل کیا وہ بہتوں سے بہتر ہے۔ دوسری طرف دنیا میں پڑھے لکھے جاہلوں کی کمی نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو فکسڈ ڈپازٹ کر دیا ہے۔ اس لیے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ پڑھنا لکھنا اور عالم ہونا یا اُن پڑھ ہونا اور جاہل ہونا لازم و ملزوم نہیں ہیں۔ اگر کوئی اُن پڑھ ہونے کے باوجود عالم ہے تو یہ بڑے کریڈٹ کی بات ہے۔

## نوٹ-2

دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ علم حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے جسے آجکل کی اصطلاح میں ریسرچ کہتے ہیں۔ یعنی حواسِ خمسہ سے معلومات حاصل کر کے ان پر غور و فکر کرنا اور نتائج اخذ کرنا۔ لیکن یہ علم کائنات کے ان حقائق تک محدود ہوتا ہے جو ہمارے حواسِ خمسہ کے دائرے کے اندر ہوتے ہیں۔ جبکہ اس کائنات کے بے شمار حقائق حواسِ خمسہ کے دائرے کے باہر ہیں۔ انسان ان کا علم ریسرچ کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتا۔

اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کو انسان کے لیے دوسرا ذریعہ علم بنایا۔ پھر اس کا فائٹل ایڈیشن انسان کو دے کر اس کی حفاظت کو خود اپنے ذمہ لیا۔ تاکہ حواسِ خمسہ سے حاصل کردہ علم کو انسان وحی کے علم کے ذریعہ مکمل کرے، پھر ریسرچ کر کے صحیح نتائج تک رسائی حاصل کرے۔ صرف علم وحی کی بنیاد پر یا صرف حواس کے علم کی بنیاد پر یعنی نامکمل علم کی بنیاد پر جو بھی ریسرچ ہوگی اس کے نتائج کے درست ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گنتی کی چند تھیوری اور نظریات کے علاوہ تقریباً ہر تھیوری اور نظریہ کچھ عرصہ بعد یا تو غلط ثابت ہوتا ہے یا اس میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا صورتحال اور اس نوعیت کے جن مسائل کا آج انسانیت کو سامنا ہے اس کی بنیادی وجہ کی نشاندہی آیت زیرِ مطالعہ میں کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ، (۱) علم الکتاب یعنی علم وحی کو نظر انداز کرنے والا شخص ابھی تک ”اُن پڑھ“ ہے خواہ اس نے PHD کر لیا ہو۔ (۲) ایسا شخص بے بنیاد خواہشات اور آرزوؤں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ (۳) ایسا شخص ظن یعنی گمان کی بنیاد پر زندگی بسر کرتا ہے۔

ظن کی وضاحت ضروری ہے۔ علم وحی کے ساتھ حواس کے علم پر غور و فکر کر کے جو نتائج اخذ کیے جاتے ہیں، لغوی اعتبار سے وہ بھی ظن ہیں، لیکن ان میں یقین کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ علم وحی کے بغیر اخذ کردہ نتائج بھی ظن ہیں، لیکن ان میں ترص یعنی گوگو (SCEPTICISM) کا عنصر غالب ہوتا ہے۔

انسانیت کا المیہ یہ ہے کہ زیادہ تر ریسرچ علم وحی کو نظر انداز کر کے ہوتی ہے۔ ہمارے ریسرچ اسکالرز کی اکثریت کا حال

یہ ہے کہ

سنی جو حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی  
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ آج پوری انسانیت، مسلم اور غیر مسلم سمیت سب، ظن اور امانی میں گرفتار ہیں۔

### آیت نمبر (79)

﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ط  
فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾﴾

و ی ل

(X) اس مادہ سے ثلاثی مجرد میں کوئی فعل نہیں آتا جبکہ مزید فیہ کا کوئی فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔  
وَيْلٌ اسم ذات ہے۔ ہلاکت۔ تباہی۔ بربادی۔ ﴿وَيْلٌ لَّكَ اَمِنْ﴾ (46/ الاحقاف: 17) ”تیری بربادی! تو ایمان لا۔“

ک س ب

کَسَبًا محنت سے کوئی چیز حاصل کرنا۔ کمائی کرنا۔ ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ (31/ لقمان: 34) ”اور نہیں جانتی کوئی جان کہ وہ کیا کمائی کرے گی کل۔“  
اِكْتَسَبًا اہتمام سے کمائی کرنا۔ ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاٰثِمِ﴾ (24/ النور: 11) ”ان میں سے ہر ایک شخص کے لیے ہے وہ، جو اس نے کمایا گناہ میں سے۔“

ترکیب

وَيْلٌ مبتداء نکرہ ہے، اس کی خبر و اجب مخدوف ہے۔ لِلَّذِينَ قائم مقام خبر ہے۔ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ یہ پورا جملہ اَلَّذِينَ کا صلہ ہے۔ يَكْتُبُونَ کا مفعول اَلْكِتَابَ ہے اور بِأَيْدِيهِمْ متعلق فعل ہے۔ يَقُولُونَ اور لِيَشْتَرُوا دونوں کا فاعل ان میں شامل ہُم کی ضمیریں ہیں جو اَلَّذِينَ کے لیے ہیں جبکہ بہ کی ضمیر اَلْكِتَابَ کے لیے ہے۔ لِيَشْتَرُوا کا مفعول ثَمَنًا قَلِيلًا ہے۔

ترجمہ

فَوَيْلٌ	لِلَّذِينَ	يَكْتُبُونَ	الْكِتَابَ	بِأَيْدِيهِمْ
پس بربادی ہے	ان لوگوں کے لیے جو	لکھتے ہیں	کتاب کو	اپنے ہاتھوں سے

ثُمَّ يَقُولُونَ	هَذَا	مِنْ عِنْدِ اللَّهِ	لِيَشْتَرُوا	بِهِ
پھر وہ کہتے ہیں	یہ	اللہ کے پاس سے ہے	تاکہ وہ حاصل کریں	اس کے عوض

ثَمَنًا قَلِيلًا ط	فَوَيْلٌ	لَّهُمْ	مِمَّا	كَتَبَتْ	أَيْدِيهِمْ
کچھ تھوڑی سی قیمت	تو تباہی ہے	ان کے لیے	اس سے جو	لکھا	ان کے ہاتھوں نے

وَوَيْلٌ	لَّهُمْ	مِمَّا	يَكْسِبُونَ
اور تباہی ہے	ان کے لیے	اس سے جو	وہ کمائی کرتے ہیں

نوٹ-1

گذشتہ آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو علم کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اس آیت میں علم وحی کے حامل افراد میں سے ایک مخصوص گروہ کا ذکر ہے۔ یہ کردار آج بھی پایا جاتا ہے۔ اور علم وحی کے حامل لوگوں کی اکثریت کا رویہ یہ ہے کہ یہ لوگ ریسرچ کے قائل نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ﴿حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ (5/ المائدہ: 104) ”ہم کو کافی ہے وہ، ہم نے پایا جس پر، اپنے آبا و اجداد کو۔“ گیارہ سو سال پہلے کا مرتب کردہ درس نظامی کا سلیبس آج تک سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کا رخیہ میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول و منظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: [www.khuddam-ul-quran.com](http://www.khuddam-ul-quran.com) , [info@khuddam-ul-quran.com](mailto:info@khuddam-ul-quran.com)

03217805614, 0412437618, 0412437781

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد



# بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## سورة البقرة (۲)

### آیت نمبر (80)

﴿وَقَالُوا لَنْ تَمْسَنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۖ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾

م س س

- مَسًّا (ن-س) چھونا۔ لاحق ہونا یعنی پہنچنا۔ ﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَا سَتَكُنُّتُ مِنَ الْخَبِيرِ ۖ وَمَا مَسَّنِي السُّوءُ﴾ (7/ الاعراف: 188) ”اور اگر میں جانتا ہوتا غیب کو تو کثرت حاصل کرتا بھلائی میں سے اور نہ چھوتی یعنی نہ پہنچتی مجھ کو برائی۔“
- مِسَّاسِ اسم فعل ہے۔ چھو۔ ﴿فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَّاسَ ۖ﴾ (20/ طہ: 97) ”تو یقیناً تیرے لیے ہے یعنی تیری سزا ہے زندگی میں کہ تو کہے مت چھوؤ۔“
- مَسَّ اسم ذات ہے۔ چھوا ہٹ۔ TOUCH۔ ﴿ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ۝﴾ (54/ البقرہ: 48) ”تو لوگ چکھو دوزخ کی چھوا ہٹ یعنی دوزخ کی آگ۔“
- تَمَسَّاسًا (تفاعل) ایک دوسرے کو چھونا۔ ﴿فَتَحْزِرُوا رَقَبَةً مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَسَّاسًا﴾ (58/ المجادلہ: 3) ”تو آزاد کرنا ہے کسی گردن کا اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو چھوئیں۔“

### ترکیب

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ ہے۔ ایسا مآظرف ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے اور مَعْدُودَةً اس کی صفت ہے۔ ایسا مآظرف عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے صفت واحد مؤنث آئی ہے۔ لیکن قرآن مجید میں تین مقامات پر جمع مؤنث مَعْدُودَات بھی آئی ہے۔ اَتَّخَذْتُمْ میں ہمزہ استفہام ہے۔ یہ دراصل اِتَّخَذْتُمْ تھا۔ افعال کا ہمزہ الوصل ما قبل سے ملا کر پڑھنے کے لیے صامت (SILENT) ہوا تو یہ اِتَّخَذْتُمْ بنا پھر ہمزہ الوصل لکھنے میں بھی گر گیا۔

### ترجمہ

وَقَالُوا	لَنْ تَمَسَّنَا	النَّارُ	إِلَّا	أَيَّامًا مَّعْدُودَةً
اور ان لوگوں نے کہا	ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو	آگ	مگر	گئے ہوئے چند دن
قُلْ	أَتَّخَذْتُمْ	عِنْدَ اللَّهِ	عَهْدًا	فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ
آپ کہئے	کیا تم لوگوں نے لیا	اللہ کے پاس	کوئی وعدہ	تو اللہ خلاف نہیں کرے گا
عَهْدَهُ	أَمْ تَقُولُونَ	عَلَى اللَّهِ	مَا	لَا تَعْلَمُونَ
اپنے وعدہ کے	یا تم لوگ کہتے ہو	اللہ پر	وہ جو	تم لوگ نہیں جانتے



نوٹ-1

یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر وہ دوزخ میں گئے بھی تو کچھ عرصہ بعد وہاں سے نکال کر ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ ان کے اس عقیدے کی اس آیت میں تردید کی گئی ہے اور اسے اللہ پر جھوٹ قرار دیا گیا ہے۔ عَلٰی اللہ کا مطلب یہی ہے۔ دوسری طرف ہمارا بھی ہو یہی عقیدہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ہمارا عقیدہ درست ہے تو یہودیوں کا عقیدہ کیوں غلط ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے پہلے اپنا عقیدہ سمجھ لیں۔

ہمارے عقیدے کی اصل بنیاد احادیث ہیں۔ ان میں ایک طویل حدیث آیت نمبر (17/ بنی اسرائیل: 79) کی تفسیر میں ابن کثیر میں منقول ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ اجازت ملے گی اور ہر مرتبہ آپ اپنے کچھ امتیوں کو دوزخ سے نکال کر لائیں گے۔ تیسری مرتبہ نکالنے کے بعد فرمائیں گے کہ اب تو وہاں پر وہی لوگ رہ گئے ہیں جنہیں قرآن نے روک رکھا ہے۔

اس حدیث میں ہدایت و راہنمائی کے متعدد پہلو ہیں۔ لیکن دو پہلو ہمارے مسئلہ سے براہ راست متعلق ہیں۔ اولاً یہ کہ ہمارا عقیدہ بے بنیاد نہیں ہے بلکہ درست ہے۔ ثانیاً یہ کہ تمام مسلمانوں کو یہ رعایت نہیں ملے گی بلکہ کچھ کو ملے گی۔ کچھ کو قرآن روک لے گا اور کچھ کسی اور وجہ سے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

یہودیوں کے عقیدے کی سند کا ہمیں علم نہیں ہے۔ لیکن تورات یا موسیٰؑ کے قول میں اگر کوئی ایسی بات تھی تو وہ اس وقت تک کے لیے تھی جب تک شریعت موسوی نافذ تھی۔ اس کے بعد جن یہودیوں نے عیسیٰؑ کا انکار کیا تو وہ مسلمان نہیں رہے بلکہ کافر ہو گئے۔ اس لیے وہ مذکورہ رعایت کے مستحق نہیں رہے اور اب ان کا یہ عقیدہ باطل ہے۔

### آیت نمبر (81-82)

﴿بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَآحَاطَتْ بِهِ خَاطِئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝﴾

ترکیب

مَنْ شرطیہ ہے اور مبتداء ہے۔ كَسَبَ سَيِّئَةً جملہ فعلیہ خبر اول ہے۔ آحَاطَتْ کا فاعل خَاطِئَتُهُ ہے اور بہ میں ہ کی ضمیر مَنْ کے لیے ہے۔ یہ جملہ فعلیہ مَنْ کی خبر ثانی ہے۔ یہاں تک بیان شرط ہے۔ اس کے آگے فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ جواب شرط ہے جس میں دو جملہ اسمیہ ہیں۔ فَأُولَٰئِكَ مبتداء اور أَصْحَابُ النَّارِ خبر ہے۔ هُمْ مبتداء، خَالِدُونَ خبر اور فِيهَا متعلق خبر ہے۔ اس میں ہا کی ضمیر النَّار کے لیے ہے۔

ترجمہ

بَلَىٰ	مَنْ كَسَبَ	سَيِّئَةً	وَآحَاطَتْ	بِهِ	خَاطِئَتُهُ
کیوں نہیں	جس نے کمائی	کوئی برائی	اور احاطہ کیا	اس کا	اس کی خطانے

فَأُولَٰئِكَ	أَصْحَابُ النَّارِ ۖ	هُم	فِيهَا	خَالِدُونَ	وَالَّذِينَ
تو وہ لوگ	آگ والے ہیں	وہ لوگ	اس میں	ہمیشہ رہنے والے ہیں	اور جو لوگ

آمَنُوا	وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ	أُولَٰئِكَ	أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ	هُم	فِيهَا
ایمان لائے	اور عمل کیے بھلے	وہ لوگ	جنت والے ہیں	وہ لوگ	اس میں

خُلِدُونَ<sup>ع</sup>

ہمیشہ رہنے والے ہیں

نوٹ-1

سَيِّئَةً کے متعلق مفسرین نے مختلف رائے دی ہے۔ ابن کثیرؒ نے ان کو نقل کیا ہے۔ ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ اس سے مراد کفر ہے۔ ابو ہریرہؓ کی رائے ہے کہ اس سے مراد شرک ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد گناہ کبیرہ ہے جس پر دوام ہو۔

نوٹ-2

وَالَّذِينَ آمَنُوا سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان کے ساتھ نبی وقت پر ایمان لائے۔ اور عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سے مراد وہ اعمال ہیں جو ایسے افراد نے اپنے نبی اور رسول کی شریعت کے مطابق کیے۔ واضح رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اگر کوئی اللہ پر، آخرت پر اور انبیاء و رسل پر ایمان رکھتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان نہیں لاتا تو اس کا شمار وَالَّذِينَ آمَنُوا میں نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی اس کے نیک اعمال عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ شمار ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے قیامت تک کے لیے آپ ہی نبی وقت ہیں۔

## آیت نمبر (2/ البقرہ: 83)

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾﴾

ترکیب

اَخَذْنَا کا فاعل ضمیر نَحْنُ ہے۔ مِيثَاقِ اس کا مفعول اول ہے اور بَنِي إِسْرَءِيلَ مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ میں کلام منفی ہے اور مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے اس لیے لفظ اللہ کا اعراب جملہ کے مطابق ہے یعنی یہ تَعْبُدُونَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ (دیکھیں آیت: (2/ البقرہ: 34) کا سبق)۔ بِالْوَالِدَيْنِ متعلق فعل مقدم ہے، فعل محذوف ہے اور إِحْسَانًا اس کا مفعول مطلق ہے۔ یہ سادہ جملہ اس طرح ہوتا وَ أَحْسِنُوا إِحْسَانًا بِالْوَالِدَيْنِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ، اور وَ الْمَسْكِينِ، یہ سب بِالْوَالِدَيْنِ کی ب پر عطف ہیں اس لیے حالت جر میں ہیں۔ قُولُوا فعل امر ہے، لِلنَّاسِ متعلق فعل ہے جبکہ حُسْنًا اسم ذات ہے اور قُولُوا کا مفعول ہے۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ میں کلام مثبت ہے اس لیے مستثنیٰ قَلِيلًا نصب میں آیا ہے۔

ترجمہ

وَإِذْ أَخَذْنَا	مِيثَاقَ	بَنِي إِسْرَءِيلَ	لَا تَعْبُدُونَ	256	إِلَّا
اور جب ہم نے لیا	پختہ عہد	بنو اسرائیل سے	تم لوگ بندگی نہیں کرو گے		مگر

اللَّهُ	وَبِالْوَالِدَيْنِ	إِحْسَانًا	وَذِي الْقُرْبَىٰ
اللہ کی	اور والدین سے	حسن سلوک کرو جیسا احسان کا حق ہے	اور قرابت داروں سے

وَالْيَتَامَىٰ	وَالْمَسْكِينِ	وَقُولُوا	لِلنَّاسِ	حَسَنًا
اور یتیموں سے	اور مسکینوں سے	اور تم لوگ بات کرو	لوگوں سے	بھلائی کی

وَأَقِيمُوا	الصَّلَاةَ	وَأَتُوا	الزَّكَاةَ	ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ	إِلَّا
اور قائم کرو	نماز کو	اور پہنچاؤ	زکوٰۃ کو	پھر تم لوگوں نے منہ موڑا	سوائے

فَلْيَلَا مِنْكُمْ	وَأَنْتُمْ	مُعْرِضُونَ
تم میں سے چند کے	اور تم لوگ	منہ موڑنے والے ہو

تَوَلَّى اور اَعْوَضَ تقریباً ہم معنی ہیں کیونکہ دونوں میں اعراض کرنے اور منہ موڑنے کا مفہوم ہے۔ اس کے باوجود اس آیت میں ان دونوں الفاظ کا ایک ساتھ استعمال بلا وجہ نہیں ہے۔ تَوَلَّيْتُمْ فعل ہے اور اس میں نظر انداز کرنے کے عمل کی طرف اشارہ ہے۔ جبکہ مُعْرِضُونَ اسم الفاعل ہے اور اس میں نظر انداز کرنے کی عادت کی طرف اشارہ ہے۔

نوٹ-1

آیت نمبر (2/ البقرہ: 84)

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ﴾ (۸۴)

د و ر

(ن) دَوْرًا چکر کھانا۔ گھومنا۔ گھیرنا۔ ﴿يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ﴾ (33/ الاحزاب: 19) ”وہ لوگ دیکھتے ہیں تمہاری طرف، گھومتی ہیں ان کی آنکھیں۔“

دَارَ ج دِيَارٌ۔ کسی چیز سے گھری ہوئی جگہ۔ گھر۔ ﴿وَاللَّهُ يَدْعُوًا إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ ط﴾ (10/ يونس: 25) ”اور اللہ دعوت دیتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف۔“ ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطْرًا﴾ (8/ الانفال: 47) ”اور تم لوگ مت ہونا ان کے مانند جو نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے۔“

دِيَارٌ یہ فَعَالٌ کا نہیں بلکہ فَيْعَالٌ کا وزن ہے۔ رہنے والا۔ بسنے والا۔ ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا﴾ (71/ نوح: 26) ”اے میرے رب! تو مت چھوڑ زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا۔“

دَائِرَةٌ

جَدَوَائِرُ۔ مؤنث اسم الفاعل فَاعِلَةٌ کا وزن ہے۔ گھومنے والی۔ گھیرنے والی 256 اس سے مراد ہے گردشِ زمانہ۔ آفت۔ ﴿نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ط﴾ (5/ المائدہ: 52) ”ہم ڈرتے ہیں کہ ہم کو آگے کوئی زمانے کی گردش۔“ ﴿وَيَتَرَبَّصُّ بِكُمْ الدَّوَائِرُ ط﴾ (9/ التوبہ: 98) ”اور وہ انتظار کرتا ہے تمہارے لیے زمانے کی گردشوں کا۔“

إِدَارَةٌ

(انفال)

گھمانا۔ گردش دینا۔ ﴿إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُوتُهَا بَيْنَكُمْ﴾ (2/ البقرہ: 282) ”سوائے اس کے کہ وہ ہو کوئی حاضر سودا تم لوگ گھماتے ہو جس کو آپس میں۔“

ترجمہ

وَإِذْ أَخَذْنَا	مِيثَاقَكُمْ	لَا تَسْفِكُونَ	دِمَاءَكُمْ
اور جب ہم نے لیا	تم لوگوں سے پختہ عہد	تم لوگ نہیں بہاؤ گے	اپنوں کے خون
وَلَا تُخْرِجُونَ	أَنْفُسَكُمْ	مِنْ دِيَارِكُمْ	ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ
اور تم لوگ نہیں نکالو گے	اپنوں کو	اپنے گھروں سے	پھر تم نے اقرار کیا
وَ	أَنْتُمْ	تَشْهَدُونَ	
اس حال میں کہ	تم لوگ	گواہی دیتے ہو یعنی اب بھی مانتے ہو	

آیت نمبر (2/ البقرہ: 85)

﴿ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فِرْقًا مِّنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسْرَىٰ تُمْسِكُوهُمْ وَهِيَ فِتْنَةٌ مَّحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ط أَفْتُمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ٨٥﴾

ظ ه ر

ظُهُورًا

(ف)

کسی چیز کا نمایاں ہونا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) ظاہر ہونا۔ ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (30/ الروم: 41) ”ظاہر ہوا فساد خشکی میں اور تری میں۔“ (۲) چڑھنا۔ ﴿فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ﴾ (18/ الکہف: 97) ”تو ان کو طاقت نہیں کہ وہ چڑھیں اس پر۔“ (۳) غالب ہونا۔ ﴿وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَقْبُضُوا فِيكُمْ إِلَّا﴾ (9/ التوبہ: 8) ”اور اگر وہ غالب ہوں تم پر تو لحاظ نہ کریں تم میں قربت کا۔“ (۴) کسی بات پر غالب ہونا یعنی کسی راز کو جان لینا۔ ﴿إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ﴾ (18/ الکہف: 20) ”اور اگر انہوں نے پہچان لیا تم کو تو وہ رجم کر دیں گے تم کو۔“

ظُهُورٌ

جَظْهُورٌ۔ اسم ذات ہے۔ کسی چیز کا پچھلا حصہ۔ پیٹھ۔ ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا

تَرَكَ عَلَى ظُهُرِهَا مِنْ دَابَّةٍ ﴿(35/ فاطر: 45)﴾ ”اور اگر پکڑتا اللہ لوگوں کو بسبب 56ھ کے جو انہوں نے کمائی کی تو نہ چھوڑتا اس کی یعنی زمین کی پشت پر کوئی بھی چلنے والا۔“ ﴿وَهُمْ يَحِمْلُونَ وُزَارَهُمْ عَلَى ظُهُورِهِمْ ط﴾ ﴿(6/ الانعام: 31)﴾ ”اور وہ لوگ اٹھاتے ہیں اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر۔“

فَاعِلٌ کا وزن ہے یعنی ظاہر ہونے والا۔ پھر کسی چیز کے ظاہر حصہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَفْلُونَ ﴿(30/ الروم: 7)﴾ وہ لوگ جانتے ہیں ظاہر کو دنیوی زندگی میں سے اور وہ لوگ آخرت سے ہی غفلت برتنے والے ہیں۔“

فَعِيلٌ کا وزن ہے یعنی ہمیشہ اور ہر حال میں ظاہر ہونے والا پھر مددگار کے معنی میں آتا ہے۔ ﴿فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿(28/ القصص: 86)﴾ ”تو ہرگز مت ہونا مددگار کافروں کے لیے۔“

دوپہر (جب سورج خوب نمایاں ہوتا ہے) ﴿وَ حِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيرَةِ ﴿(24/ النور: 58)﴾ ”اور جس وقت تم لوگ رکھتے ہو (اتار کے) اپنے کپڑے دوپہر میں۔“

(۱) ظاہر کرنا۔ ﴿أَن يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ﴿(40/ مومن: 26)﴾ ”کہ وہ ظاہر کرے زمین میں فساد کو۔“ (۲) غالب کرنا۔ ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ﴿(9/ التوبة: 33)﴾ ”تا کہ وہ غالب کرے اس کو دین پر کل کا کل۔“ (۳) کسی کو راز بتانا۔ ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿(72/ الجن: 26)﴾ ”تو وہ مطلع نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی ایک کو۔“ (۴) دوپہر میں داخل ہونا۔ ﴿وَ حِينَ تُظْهِرُونَ ﴿(30/ الروم: 18)﴾ ”اور جس وقت تم لوگ دوپہر میں داخل ہوتے ہو یعنی جب دوپہر ہو جائے۔“

مُظَاهَرَةً اور ظَهَرًا (۱) کسی کے خلاف آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿و ظَهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ ﴿(60/ الممتحنة: 9)﴾ ”اور انہوں نے ایک دوسرے کی مدد کی تم لوگوں کو نکالنے پر۔“ (۲) کسی کے خلاف کسی دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا ﴿(9/ التوبة: 4)﴾ ”اور نہ انہوں نے مدد کی تمہارے خلاف کسی ایک کی۔“ (۳) ظہار کرنا یعنی اپنی بیویوں میں سے کسی کو ماں کے برابر کہہ دینا۔ (یہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم تھی)۔ ﴿وَمَا جَعَلَ أَدْوَا جُكُمْ أَلَّا تُظْهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ ﴿(33/ الاحزاب: 4)﴾ ”اور اس نے یعنی الہ نے نہیں بنایا تمہاری بیویوں کو جن سے تم لوگ ظہار کرتے ہو ان میں سے، تمہاری مائیں۔“

(۱) ایک دوسرے کا مددگار ہونا۔ ﴿قَالُوا سِحْرَانِ تَظْهَرَا ﴿(28/ القصص: 48)﴾ ”انہوں نے کہا دونوں جادو ہیں، دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہوئے۔“ (۲) باہم مل کر کسی پر چڑھائی کرنا۔ ﴿وَإِنْ تَظْهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ ﴿(66/ التحريم: 4)﴾ ”اور اگر تم دونوں نے مل کر ان پر چڑھائی کی تو یقیناً اللہ تو ان کا ہی مددگار ہے۔“

ع ث م

اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا۔ غلط کام کرنا۔ گناہ کرنا۔ فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ گناہ کرنے والا۔ گنہگار۔ ﴿إِنَّا إِذَا لَيْنَ الْأَشْيَيْنِ ﴿(5/ المائدہ: 106)﴾ ”یقیناً ہم تب تو گناہ کرنے والوں میں سے ہیں۔“

فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ گناہ کرنے والا۔ ہمیشہ اور ہر حال میں گنہگار۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

أَثِمًا

أَثِمٌ

أَثِيمٌ

(س)

مَنْ كَانَ حَوَاتًا أَتِيًّا ﴿١٠٧﴾ (4/ النساء: 107) ”بے شک اللہ محبت نہیں کرتا اس سے جو ہو بڑا خائن اور بہت گنہگار۔“

اسم ذات ہے۔ غلط کام۔ گناہ۔ ﴿وَأَشْهُمًا أَكْبَرُ مِنْ تَفْعِهِمَا ط﴾ (2/ البقرہ: 219) ”اور ان دونوں کا گناہ زیادہ بڑا ہے ان کے نفع سے۔“

اسم ذات ہے۔ گناہ کی سزا۔ ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا﴾ (25/ الفرقان: 68) ”اور جو یہ کرے گا تو وہ ملے گا سزا سے۔“

کسی کو خطا کا کہنا۔ گناہ کا الزام لگانا۔ ﴿لَا يَسْعَوْنَ فِيهَا لُغَاؤًا وَلَا تَأْتِيَهَا﴾ (56/ الواقعة: 25) ”وہ لوگ نہیں سنیں گے اس میں کوئی بیکار بات اور نہ ہی الزام تراشی کرنا۔“

کسی کو کسی چیز سے باندھ دینا۔ قیدی بنانا۔ ﴿وَقَدْ فِى قُلُوبِهِمُ الرَّعْبُ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا﴾ (33/ الاحزاب: 26) ”اور اس نے ڈالا ان کے دلوں میں رعب تو کسی فریق کو تم لوگ قتل کرتے ہو اور قیدی بناتے ہو کسی فریق کو۔“

اسم ذات ہے۔ بندش۔ ﴿نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ﴾ (76/ الدھر: 28) ”ہم نے پیدا کیا ان کو اور ہم نے شدید کیا ان کی بندش کو۔“

جِ اسْرٰی اور اسْرٰی۔ فَعِيلٌ کا وزن ہے اسم المفعول کے معنی میں۔ باندھا ہوا، جکڑا ہوا یعنی قیدی۔ ﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حِدِّهِمْ مَسْكِينًا وَيَتِيمًا وَاسِيرًا﴾ (76/ الدھر: 8) ”اور وہ لوگ کھلاتے ہیں کھانا، اس کی محبت کے باوجود، مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو۔“ ﴿مَا كَانَ لِإِنِّي أَنْ يَكُونَ لَكَ اسْرٰی﴾ (8/ الانفال: 67) ”نہیں ہے کسی نبی کے لیے کہ ہوں اس کے لیے کچھ قیدی۔“

بدلے میں کچھ لے کر کسی کو کسی مشکل سے نجات دینا یا چھوڑنا۔ ﴿وَقَدْ يَنْهٰهُ بِذُنُجٍ عَظِيمٍ﴾ (37/ الصافات: 107) ”اور ہم نے مشکل میں سے نکالا اس کو ایک عظیم ذبیحہ کے بدلے۔“ ﴿فَالَمَّا مَنَّا بَعْدُ وَإِنَّمَا فِدَاءٌ﴾ (47/ محمد: 4) ”پس یا تو احسان کرنا ہے اس کے بعد یا بدلے میں کچھ لے کر چھوڑنا ہے۔“

اسم ذات ہے۔ چھڑانے کی لیے جو چیز دی جائے۔ فدیہ۔ ﴿فَالْيَوْمَ لَا يُوْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ﴾ (57/ الحديد: 15) ”تو آج نہیں لی جائے گی تم لوگوں سے بدلے میں کوئی چیز۔“ کسی کو بدلے میں کچھ دے کر کسی کو چھڑانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

بدلے میں کچھ دے کر خود کو چھڑانا۔ ﴿لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّثْلَهُ مَعَهُ لَا فِتْنَدُوا بِهِ ط﴾ (13/ الرعد: 18) ”اگر ہوتا ان کے لیے جو زمین میں ہے سب کا سب اور اس جیسا ان کے ساتھ، تو ضرور خود کو چھڑاتے اسے دے کر۔“

(۱) منع کرنا۔ روکنا (کسی چیز کے ناپسندیدہ یا نقصان دہ ہونے کی وجہ سے اس کے استعمال کو)۔  
(۲) منع کرنا۔ روکنا (کسی چیز کی عظمت اور بزرگی کی وجہ سے اس کی بے ادبی کو)۔  
اسم المفعول ہے۔ جس کو روکا گیا۔ روکا ہوا۔ منع کیا ہوا۔ ﴿فِى أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلْسَائِلِ

اِثْمٌ

اَثَامٌ

تَأْتِيًا

اَسْرًا

اَسْرًا

اَسِيرٌ

فِدَاءٌ

فِدْيَةٌ

مُفَادَاةً

اِفْتِدَاءً

حَرَمًا

مَحْرُومٌ

(تفعیل)

ع س ر  
(ض)ف د ی  
(ض)

(مفاعله)

(افتعال)

ح ر م  
(ض)



وَالْمَحْزُورُ ﴿٧٥﴾ (70/ المعارف: 25) ”ان کے اموال میں ایک معلوم حق ہے مانگنے والوں کے لیے اور محروم کے لیے۔“

حَرَامٌ صفت ہے۔ ممنوع۔ حرام (استعمال سے منع کیا ہوا اور بے ادبی سے منع کیا ہوا، دونوں کے لیے حرام کا لفظ آتا ہے)۔ ﴿هَذَا حَلَلٌ وَهَذَا حَرَامٌ﴾ (16/ النحل: 116) ”یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔“ ﴿قَوْلٌ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط﴾ (2/ البقرہ: 144) ”تو آپؐ پھیر دیں اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف۔“

حَرْمٌ حُرْمٌ۔ حُرْمَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ وہ چیز جس کے استعمال یا بے ادبی سے روکا گیا۔ ﴿أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُكْظِفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ط﴾ (29/ العنکبوت: 67) ”کہ ہم نے بنایا ایک امن والی ممنوع جگہ حالانکہ اُچک لیے جاتے ہیں لوگ ان کے ارد گرد سے۔“ ﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّيِّئَ وَ أَنْتُمْ حُرْمٌ ط﴾ (5/ المائدہ: 95) ”تم لوگ قتل مت کرو شکار کو اس حال میں کہ تم لوگ ممنوعہ چیزوں یعنی احرام میں ہو۔“ ﴿مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ ط﴾ (9/ التوبہ: 36) ”ان میں سے چار محترم ہیں۔“ ﴿وَمَنْ يُعْظَمْ حُرْمَتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ﴾ (22/ الحج: 30) ”اور جو تعظیم کرتا ہے اللہ کی حرمتوں کی تو وہ خیر ہے اس کے لیے۔“

تَحْرِيمًا (تفعیل) حرام کرنا۔ حرام قرار دینا۔ ﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾ (5/ المائدہ: 72) ”بے شک وہ جس نے شریک کیا اللہ کے ساتھ تو حرام کیا ہے اللہ نے اس پر جنت کو۔“

مَحْرَمٌ اسم المفعول ہے۔ حرام کیا ہوا۔ ﴿فَإِنَّهَا مُحْرَمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً﴾ (5/ المائدہ: 26) ”تو اسے یعنی بستی کو حرام کیا گیا ہے ان پر چالیس سال تک۔“

خ ز ی

خَزَى اور خَزِيًّا (س) رسوا ہونا۔ بدنام ہونا۔ ﴿مَنْ قَبِلَ أَنْ تَبْلُغَ نَفْسُكَ﴾ (20/ طہ: 134) ”اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ہوتے اور رسوا ہوتے۔“

أَخْزَى التَّفْضِيلُ ہے۔ زیادہ یا سب سے زیادہ رسوائی والا۔ ﴿لَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى﴾ (41/ السجدہ: 16) ”اور یقیناً آخرت کا عذاب سب سے زیادہ رسوائی والا ہے۔“

خِزَى اسم ذات ہے۔ رسوائی۔ بدنامی۔ ﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ﴾ (2/ البقرہ: 114) ”ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔“

إِخْزَاءٌ (افعال) رسوا کرنا۔ ﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ﴾ (16/ النحل: 27) ”پھر قیامت کے دن وہ رسوا کرے گا ان کو۔“

مُخْزِي اسم الفاعل ہے۔ رسوا کرنے والا۔ ﴿وَإِنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ﴾ (9/ التوبہ: 2) ”اور یہ کہ اللہ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو۔“

ر د د

رَدًّا (ن) کسی چیز کو واپس کر دینا۔ لوٹانا۔ پھیرنا۔ ﴿فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ آتِهِ﴾ (28/ القصص: 13) ”تو ہم نے لوٹایا ان کو یعنی موسیٰؑ کو ان کی والدہ کی طرف۔“

رُدُّ فعل امر ہے۔ تو لوٹا۔ ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (4/ النساء: 59) ”پس اگر تم لوگ تنازع کرو کسی چیز میں تو تم لوگ لوٹاؤ اس کو اللہ اور ان رسول کی طرف۔“

رَادَّ

فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ لوٹانے والا۔ ﴿وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ط﴾ (10/ یونس: 107) ”اور اگر وہ یعنی اللہ ارادہ کرے تیرے لیے کسی خیر کا تو کوئی لوٹانے والا نہیں ہے اس کے فضل کو۔“

مَرَدُوٌّ

اسم المفعول ہے۔ لوٹایا ہوا۔ واپس کیا ہوا۔ ﴿عَاثًا لِّمَرَدِّ دُودُونٍ فِي الْحَاذِرَةِ ط﴾ (79/ الذِّخْرِ: 10) ”کیا ہم لوگ لوٹائے جانے والے ہیں قبر میں سے۔“

مَرَدٌ

اسم الظرف ہے۔ لوٹانے کی جگہ۔ ﴿وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءَ فَلَا مَرَدَ لَهُ ط﴾ (13/ الرعد: 11) ”اور جب کبھی اللہ ارادہ کرے کسی قوم کے لیے کسی برائی یعنی عذاب کا تو لوٹانے کی کوئی جگہ یعنی امکان نہیں ہے اس کو۔“

(تفعّل)

تَرَدُّدًا

لوٹنے کی کوشش کرنا مگر ناکام رہنا۔ کسی معاملہ میں شک و شبہ میں پڑنا۔ ڈانواں ڈول ہونا۔ ﴿فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ط﴾ (9/ التوبہ: 45) ”تو وہ لوگ اپنے شک میں ڈانواں ڈول رہتے ہیں۔“

(افتعال)

إِرْتِدَادًا

اہتمام سے واپس ہونا۔ لوٹنا۔ پھرنا۔ ﴿فَارْتَدَّ عَلَى آثَارِهِمَا ط﴾ (18/ الکہف: 64) ”تو وہ دونوں لوٹے اپنے نقش قدم پر۔“

ش د د

(ن)

شَدَّ

سخت کرنا۔ مضبوط کرنا۔ ﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ ط﴾ (38/ ص: 20) ”اور ہم نے مضبوط کیا اس کے ملک کو یعنی سلطنت کو۔“

شُدُّ اور أَشَدُّ

دونوں فعل امر ہیں۔ تو سخت کر۔ تو مضبوط کر۔ ﴿فَشَدُّوا لِرَبِّكَ ط﴾ (47/ محمد: 4) ”تو تم لوگ مضبوط کرو جکڑنے کو۔“ ﴿وَأَشَدُّ عَلَى قُلُوبِهِمْ ط﴾ (10/ یونس: 88) ”اور تو سخت کر دے ان کے دلوں کو۔“

أَشَدُّ

أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ ہے۔ زیادہ سخت۔ ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ط﴾ (2/ البقرہ: 191) ”اور فتنہ زیادہ سخت ہے قتل سے۔“

أَشَدُّ

اسم ذات ہے۔ مضبوطی۔ سختی۔ ﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً ط﴾ (46/ الاحقاف: 15) ”یہاں تک کہ جب وہ پہنچے اپنی پختگی کو اور پہنچے چالیس سال کو۔“

شَدِيدٌ

شَدِيدٌ اور شَدَادٌ۔ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں سخت۔ ﴿وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ ط وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ ط﴾ (57/ الحديد: 20) ”اور آخرت میں ایک شدید عذاب ہے اور ایک مغفرت ہے اللہ کی طرف سے۔“ ﴿أَشَدُّ آءٍ عَلَى الْكَافِرِ رُحْبَاءُ بَيْنَهُمْ ط﴾ (48/ الفتح: 29) ”سخت ہیں کافروں پر اور نرم ہیں آپس میں۔“ ﴿ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ ط﴾ (12/ یوسف: 48) ”پھر آئیں گے اس کے بعد سات شدید یعنی سات سختی والے سال۔“

(افتعال)

إِشْتِدَادًا

اہتمام سے سخت ہونا۔ مضبوط ہونا۔ ﴿أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ إِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ط﴾ (14/ ابراہیم: 18) ”ان کے اعمال راکھ کی مانند ہیں، سخت ہوئی جس پر ہوا آندھی کے دن میں۔“



## ترکیب

اَنْتُمْ مبتداء اور هُوَ لاءِ اس کی خبر ہے جبکہ تَقْتُلُوْنَ، تُخْرِجُوْنَ اور تَظْهَرُوْنَ سے شروع ہونے والے تینوں جملہ فعلیہ متعلق خبر ہیں اور اَنْتُمْ کا حال ہیں۔ تَظْهَرُوْنَ باب تفاعل ہے اور اصل میں تَتَظْهَرُوْنَ تھا۔ وَالْعُدُوَانِ میں حرف جار ہب محذوف ہے اس لیے یہ حالت جز میں ہے۔ یَا تُؤْکَا کا فاعل اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے۔ اور کُمْ مفعول ہے جبکہ اُسْرٰی ضمیر فاعلی هُمْ کا حال ہے۔ یَا تُؤْکُم اُسْرٰی شرط ہے اور تُفْدُوْهُمْ جواب شرط ہے۔ وَهُوَ مُحَرَّمٌ میں هُوَ ضمیر الشان ہے، مُحَرَّمٌ اسم المفعول اور خبر مقدم ہے، عَلَیْکُمْ متعلق خبر ہے اور اِخْرَاجُهُمْ مبتداء مؤخر ہے۔ فَمَا جَزَاءُ مَنْ میں مَا کو نافی بھی مانا جاسکتا ہے اور استفہامیہ بھی۔ ترجمے میں فرق پڑے گا۔ مَا کو نافی مانیں تو ترجمہ ہوگا ”نہیں ہے بدلہ اس کا جو.....“ اگر استفہامیہ مانیں تو ترجمہ ہوگا ”کیا ہی بدلہ اس کا جو.....“ دونوں ترجمے درست ہیں لیکن اس سے اصل مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یَوْمَ الْقِیَمَةِ میں یَوْمَ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اَشَدُّ الْعَذَابِ مرکب اضافی ہے اس لیے اَشَدُّ یہاں پر تفضیل کل ہے۔ SUPERLATIVE DEGREE

## ترجمہ

ثُمَّ اَنْتُمْ	هُوَ لَاءِ	تَقْتُلُوْنَ	اَلْاَنْفُسُکُمْ	وَتُخْرِجُوْنَ	فَرِیقًا
پھر تم	وہ لوگ ہو	کہ قتل کرتے ہو	اپنوں کو	اور نکالتے ہو	ایک فریق کو

مِنْکُمْ	مِنْ دِیَارِهِمْ	تَظْهَرُوْنَ	عَلِیْہُمْ	بِالْاِثْمِ
اپنوں میں سے	ان کے گھروں سے	باہر مل کر چڑھائی کرتے ہو	ان پر	گناہ سے

وَالْعُدُوَانِ ط	وَإِنْ	یَا تُؤْکُم	اُسْرٰی
اور دشمنی سے	اور اگر	وہ لوگ آتے ہیں تمہارے پاس	قیدی ہو کر

تُفْدُوْهُمْ	وَهُوَ	مُحَرَّمٌ	عَلِیْکُمْ
تو تم لوگ بدلہ دے کر چھڑاتے ہو ان کو	اور بات یہ ہے کہ	حرام کیا گیا ہے	تم لوگوں پر

اِخْرَاجُهُمْ ط	اَفْتُوْهُمْ	بِبَعْضِ الْکِتَابِ	وَتَنْفَرُوْنَ
ان کا نکالنا	تو کیا تم لوگ ایمان لاتے ہو	کتاب کے ایک حصے پر	اور انکار کرتے ہو

بِبَعْضٍ ؕ	فَمَا جَزَاءُ مَنْ	یَفْعَلُ ذٰلِکَ	مِنْکُمْ	اِلَّا
ایک حصے کا	تو کیا ہے بدلہ اس کا جو	کرتا ہے یہ	تم میں سے	سوائے اس کے کہ

خِزْیٌ	فِی الْحَیٰوَةِ الدُّنْیَا ؕ	وِیَوْمَ الْقِیَمَةِ	یُرَدُّوْنَ
رسوائی ہے	دنوی زندگی میں	اور قیامت کے دن	وہ لوگ لوٹائے جائیں گے

اِلٰی اَشَدِّ الْعَذَابِ ط	وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ	عَمَّا	تَعْمَلُوْنَ
سخت ترین عذاب کی طرف	اور اللہ غافل نہیں ہے	اس سے جو	تم لوگ کرتے ہو

اوپر ترکیب میں ضمیر الشان کا ذکر آیا ہے۔ یہاں اسے سمجھ لیں۔ بعض اوقات جملہ کے شروع میں ایک ضمیر لائی جاتی ہے جس کا کوئی مَرَجع نہیں ہوتا۔ یعنی اس سے پیشتر کوئی ایسا لفظ مذکور نہیں ہوتا جس کی طرف یہ ضمیر اشارہ کرے۔ اس ضمن میں خاص بات یہ نوٹ کر لیں کہ یہ صرف واحد مذکر یا واحد مؤنث کی ضمیر ہوتی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے ”حقیقت تو یہ ہے کہ“۔ ”سچی بات تو یہ ہے کہ“۔ جیسے قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (آپ کہیے! حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ یکتا ہے)۔ فَإِنَّهَا لَا تَعْبَىٰ الْأَبْصَارُ (پس بے شک سچی بات تو یہی ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں)۔ ضمیر الشان کا اُردو مفہوم ذرا طویل ہے اس لیے قرآن مجید کے ترجموں میں اکثر اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

نوٹ-1

اس آیت میں تورات کے بجائے کتاب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تورات پر جزوی عمل کرنا جیسا جرم تھا، قرآن پر جزوی عمل کرنا بھی ویسا ہی جرم ہے۔

نوٹ-2

اس آیت میں تورات پر جس جزوی عمل کی طرف اشارہ ہے اسے سمجھ لیں۔ تورات میں حکم تھا کہ بنو اسرائیل کا کوئی فرد اگر کسی مشکل میں پھنس جائے تو اسے اس مصیبت سے نکالنا پوری قوم کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ چنانچہ کوئی یہودی جب کسی دوسری قوم کا قیدی ہو جاتا تھا تو تورات کے اس حکم کا حوالہ دے کر چندہ کرتے اور فدیہ دے کر اسے چھڑاتے تھے۔ یعنی تورات کے اس حکم پر عمل کرتے تھے۔ لیکن تورات میں ہی یہ حکم بھی تھا کہ آپس میں خون خرابہ نہ کریں اور ایک دوسرے کو جلاوطن نہ کریں۔ وہ لوگ اس حکم پر عمل نہیں کرتے تھے۔

نوٹ-3

### آیت نمبر (2/ البقرہ: 86)

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝٨٦﴾

خ ف ف

خَفَاً

(ض)

(۱) ہلکا ہونا۔ ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ﴾ (7/ الاعراف: 9) ”پس وہ، ہلکے ہوئے جن کے ترازو۔“

(۲) کم عقل ہونا۔ قرآن مجید میں اس معنی میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا۔“

خَفِيفٌ

ج خَفَافٌ۔ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہلکا ﴿حَلَكْتُ حَمَلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ﴾

(7/ الاعراف: 189) ”اس نے اٹھایا ایک ہلکا بوجھ تو وہ چلی اس کے ساتھ۔“ ﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا﴾ (9/ التوبہ: 41) ”تو لوگ کوچ کرو ہلکے ہوتے ہوئے یا بھاری ہوتے ہوئے۔“

تَخْفِيفًا

(تفعیل)

ہلکا کرنا۔ ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ يَخْفِفْ عَنْكُمَا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝٨٧﴾ (40/ مؤمن: 49) ”تم لوگ پکارو اپنے رب کو کہ وہ کم کرے ہم سے کسی دن عذاب کو۔“

اسْتَخْفَفَا

(استفعال)

(۱) کسی کو ہلکا سمجھنا۔ ﴿وَلَا يَسْتَخْفِفُكَ الَّذِينَ لَا يُوْقِنُونَ ۝٦٠﴾ (30/ الروم: 60) ”اور ہرگز ہلکا نہ سمجھیں تم کو وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے۔“ (۲) کسی کو کم عقل کرنا۔ مت ماردینا۔ ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ ۝٤٣﴾ (43/ الزخرف: 54) ”پس اس نے مت ماردی اپنی قوم کی تو انہوں نے اطاعت کی اس کی۔“

## ترکیب

اِشْتَرَوْا دراصل اِشْتَرَوْا تھا۔ اسے آگے ملانے کے لیے واو پر ضمہ دی گئی ہے۔ الْحَيٰوة الدُّنْيَا بنفسہ 256 ہے۔ اس لیے یہ وہ چیز ہے جو خریدی گئی۔ اَلْاٰخِرَةُ پر پ کا صلہ آیا ہے اس لیے یہ وہ قیمت ہے جو ادا کی گئی۔ يُخَفِّفُ باب تفعیل کا مضارع مجہول ہے اور الْعَذَابُ اس کا نائب الفاعل ہونے کی وجہ سے رفع میں ہے۔ لَا يُنْصَرُونَ بھی مضارع مجہول ہے اور یہ ہُمْ کی خبر ہے۔

## ترجمہ

اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	اِشْتَرَوْا	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	بِالْاٰخِرَةِ
یہ وہ لوگ ہیں	جنہوں نے	خریدا	دنوی زندگی کو	آخرت کے بدلے
فَلَا يُخَفِّفُ	عَنْهُمْ	الْعَذَابُ	وَلَا هُمْ	يُنْصَرُونَ
تو کم نہیں کیا جائے گا	ان سے	عذاب کو	اور نہ ہی وہ لوگ	مدد دیے جائیں گے

## آیت نمبر (2/ البقرہ: 87)

﴿وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۚ وَاتَيْنَا عِيسٰى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰى اَنْفُسُكُمْ اُتٰكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ؕ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ ۖ وَفَرِيقًا تَقْتُلُوْنَ ۙ﴾

## ق ف و

(ن)

قَفَّوْا

کسی کا پیچھا کرنا۔ پیچھے پڑنا۔

لَا تَقْفُ

فعل نہی ہے۔ تو پیچھے مت پڑ۔ ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ط﴾ (17/ بنی اسرائیل: 36) ”اور تو پیچھے مت پڑ اس کے جس کا تجھ کو کوئی علم نہیں ہے۔“

(تفعیل)

تَقْفِيَةً

کسی کو کسی کے پیچھے لگانا۔ کسی کے پیچھے بھیجنا۔ ﴿ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ اٰثَارِهِم بِرُسُلِنَا﴾ (57/ الحدید: 27) ”پھر ہم نے بھیجا ان کے پیچھے اپنے رسولوں کو۔“

## ر س ل

(س)

رَسَلًا

نرمی سے چلنا۔ کسی کام کے لیے، زیادہ تر پیغام دینے کے لیے روانہ ہونا۔

رَسُوْلٌ

ج رَسُلٌ۔ فَعُوْلُ کے وزن پر صفت ہے۔ روانہ ہونے والا۔ پیغامبر۔ (یہ لفظ عام ہے۔ انبیاء کرام، فرشتوں اور عام انسانوں، سب کے لیے قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے)۔ ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌۢ لِّمَا مَعَهُمْ﴾ (2/ البقرہ: 101) ”اور جب آیا ان کے پاس کوئی تصدیق کرنے والا پیغامبر اللہ کے پاس سے اس کی جو ان کے پاس ہے۔“ ﴿وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِيْمَ بِالْبَشٰرَةِ﴾ (11/ ہود: 69) ”اور یقیناً آئے ہمارے پیغامبر یعنی فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت کے ساتھ۔“ ﴿فَلَمَّا جَاءَهُ الرُّسُوْلُ قَالَ اِذْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ﴾ (12/ یوسف: 50) ”تو جب آیا ان کے یعنی یوسف کے پاس وہ پیغامبر، تو انہوں نے کہا تو واپس جا اپنے رب یعنی فرعون کی طرف۔“

رِسَالَةٌ

نَجْرَسَلَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ پیغام۔ ﴿يَقُولُ لَقَدْ أَرْسَلْتُكَ رِسَالَةً رَبِّي﴾ (7/ الاعراف: 79)  
 ”اے میری قوم! میں نے پہنچا دیا ہے تم لوگوں کو اپنے رب کا پیغام۔“ ﴿أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَتِ رَبِّي﴾  
 (7/ الاعراف: 68) ”میں پہنچاتا ہوں تم لوگوں کو اپنے رب کے پیغامات۔“

اِرْسَالًا

(افعال)

کسی کام کے لیے یا پیغام پہنچانے کے لیے کسی کو روانہ کرنا۔ بھیجنا۔ ﴿فَارْسَلْنَا فِي الْبَدَائِينَ حَشِيرِينَ﴾ (26/ الشعراء: 56) ”تو بھیجا فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو۔“ ﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا﴾ (2/ البقرہ: 151) ”جیسا کہ ہم نے بھیجا تم میں ایک رسول تم میں سے، وہ پڑھ کر سناتا ہے تم کو ہماری آیات۔“

أَرْسَلْتُ

فعل امر ہے۔ تو روانہ کر۔ تو بھیج۔ ﴿فَارْسَلْنَا مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ (20/ طہ: 47) ”پس تو روانہ کر ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔“

مُرْسِلٌ

اسم الفاعل ہے۔ روانہ کرنے والا۔ بھیجنے والا۔ ﴿وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ﴾ (27/ النمل: 35)  
 ”اور میں بھیجنے والی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ۔“

مُرْسَلٌ

اسم المفعول ہے۔ روانہ کیا ہوا۔ بھیجا ہوا۔ ﴿هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ﴾ (36/ یونس: 52) ”یہ ہے وہ جو وعدہ کیا رحمن نے اور سچ کہا بھیجے ہوؤں نے۔“

ع ی د

(ض)

أَيَّدَا

أَيَّدُ

مضبوط ہونا۔ قوی ہونا۔  
 اسم ذات ہے۔ مضبوطی۔ قوت۔ ﴿وَالسَّيِّئَاتِ يَنْبَغِيهَا يَأْيِدُ﴾ (51/ الذریت: 47) ”اور آسمان! ہم نے بنایا اس کو قوت سے۔“

تَأْيِيدًا

(تفعیل)

مضبوط کرنا۔ تقویت دینا۔ ﴿وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ﴾ (3/ آل عمران: 13) ”اور اللہ تقویت دیتا ہے اپنی مدد سے جسے وہ چاہتا ہے۔“

ر و ح

(ن)

رَوَاحًا

شام کے وقت واپس آنا۔ ﴿وَالسَّيِّئِينَ الرِّيحُ عُدُّوْهَا شَهْرًا وَرَوَاحُهَا شَهْرًا﴾ (34/ سبأ: 12) ”اور سلیمان کے لیے ہوا، جس کی صبح ایک مہینہ ہے اور جس کا شام کو واپس ہونا ایک مہینہ ہے۔“

(۱) رِيْحًا

(ف۔س)

(۲) رَاحَةً

رِيْحًا

(ض)

رَوْحٌ

بادِ نسیم۔ پھر زیادہ تر آرام و آسودگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتو مطلب ہوتا ہے رحمت۔ ﴿فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴾ (۵۵) ﴿فَرَوْحٌ وَرِيْحَانٌ﴾ وَجَنَّتْ نَعِيمُ ﴿۵۶﴾ (56/ الواقعة: 88-89) ”پھر اگر وہ ہے مقرب لوگوں میں تو راحت ہے اور خوشبودار پودا ہے اور ہمیشگی والی نعمت کا باغ ہے۔“

﴿لَا يَأْتِيَنَّكَ مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ۝﴾ (12/ یوسف: 87) ”اور مایوس نہیں ہوتی اللہ کی رحمت سے مگر کافر قوم۔“

رُوح

سانس۔ چونکہ ہر جاندار کی زندگی کا دار و مدار سانس پر ہوتا ہے اس لیے یہ مطلق جان یعنی روح کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي﴾ (15/ الحجر: 29) ”اور جب میں نوک پلک درست کر دوں اس کی اور میں پھونک دوں اس میں اپنی سانس میں سے۔“ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝﴾ (17/ بنی اسرائیل: 85) ”اور وہ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے روح کے بارے میں۔ آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے اور نہیں دیا گیا تم کو اس علم میں سے مگر تھوڑا سا۔“

الرُّوح

قرآن مجید میں یہ حضرت جبریلؑ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ کہیں روح الامین اور روح القدس بھی آیا ہے۔ کہیں یہ لفظ دین و ایمان کی روح یعنی وحی کے لیے بھی آیا ہے۔ ﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا ۖ﴾ (78/ النبا: 38) ”جس دن کھڑے ہوں گے جبریلؑ اور فرشتے قطار باندھے ہوئے۔“ ﴿يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ﴾ (16/ النحل: 2) ”وہ اتارتا ہے فرشتوں کو روح کے ساتھ یعنی دین یا ایمان کی روح کے ساتھ اپنے حکم سے۔“

رِيح

جَ رِيَا ح۔ ہوا۔ خوشبو۔ ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ﴾ (38/ ص: 36) ”تو ہم نے مسخر کیا ان کے لیے یعنی سلیمانؑ کے لیے ہوا کو، وہ چلتی ان کے حکم سے۔“ ﴿إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ﴾ (12/ یوسف: 94) ”بے شک میں پاتا ہوں یوسفؑ کی خوشبو کو۔“ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ﴾ (3/ آل عمران: 46) ”اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبریاں ہوتے ہوئے۔“

رِيحَان

ہر خوشبودار پودا۔ اوپر آیت نمبر۔ (56/ الواقعة: 89) دیکھیں۔

ہ و ی

هَوِيَّا

(ض)

اوپر سے نیچے اترنا۔ گرنا۔ ﴿وَمَنْ يَخْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوِيَ ۝﴾ (20/ طہ: 81) ”اور جس پر حلال ہوتا ہے میرا غضب تو بے شک وہ گرا۔“ ﴿فَأَجْعَلْ أَقْنِدًا مِّنَ النَّاسِ تُهَوِّي إِلَيْهِمْ﴾ (14/ ابراہیم: 37) ”پس تو کر دے کچھ دلوں کو لوگوں میں سے، وہ گرتے ہوں یعنی مائل ہوتے ہوں ان کی طرف۔“

هَوَى

(س)

کسی چیز کی طرف جھکنا۔ چاہنا۔ پسند کرنا۔ ﴿إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۖ﴾ (53/ النجم: 23) ”وہ لوگ پیروی نہیں کرتے مگر گمان کی اور اس کی جو پسند کرتا ہے نفس۔“

هَآوِيَةً

فَاعِلَةٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ نیچے اترنے والی۔ یہ استعارہ ہے جہنم کے لیے۔ ﴿وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۖ فَأُمُّهُ هَآوِيَةٌ ۝﴾ (101/ القارعة: 8-9) ”اور جس کے ہلکے ہوں پلڑے تو اس کی گود نیچے اترنے والی ہے۔ یعنی جہنم ہے۔“

ج اُھواء۔ اس کے اصل معنی ہیں فضا۔ چونکہ فضا میں ہوا ہوتی ہے اس لیے مطلقہ 256 کے لیے بھی آتا ہوا ہے۔ ہوا کو قرار نہیں ہوتا اس لیے ڈانواں ڈول ہونے کی کیفیت کے لیے بھی آتا ہے۔ خواہشات آدمی کو ڈانواں ڈول اور بے قرار کرتی ہیں اس لیے مطلق خواہش کے لیے بھی آتا ہے۔ ﴿مُفْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَأَفْكَتُهُمْ هَوَاءٌ ط﴾ (14/ ابراہیم: 43) ”دوڑتے ہوئے، اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے، نہیں جھپکے گی ان کی طرف ان کی پلک اور ان کے دل ڈولتے ہوں گے۔“ ﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ ط﴾ (28/ القصص: 50) ”اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے پیروی کی اپنی خواہش کی اللہ کی ہدایت کے بغیر۔“ ﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ (6/ الانعام: 150) ”اور پیروی مت کرو ان کی خواہشات کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو۔“

اھواء (افعال) اوپر سے نیچے اتارنا۔ پٹخ دینا۔ ﴿وَالْمُتَفَكِّهَةُ أَهْوَى ط﴾ (53/ النجم: 53) ”اور اٹلنے والی بستی کو اس نے پٹھا۔“

اِسْتَهْوَاء (استفعال) خواہشات کو مزین کر کے دکھانا۔ پھسلا دینا۔ بہکا دینا۔ ﴿كَأَنِّي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيْطَانُ فِي الْأَرْضِ حَيَّانٌ ط﴾ (6/ الانعام: 71) ”اس کی مانند جس کو بہکا دیا شیطانوں نے زمین میں متردد کرتے ہوئے۔“

اَتَيْنَا کا مفعول اول مَوْسَىٰ اور مفعول ثانی اَلْكِتَابَ ہے۔ اسی طرح آگے اَتَيْنَا کا مفعول اول عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ہے اور مفعول ثانی اَلْبَيِّنَاتِ ہے۔ اَيَّدْنَاهُ میں ضمیر مفعولی عِيسَىٰ کے لیے ہے۔ اَفْكَلْمًا حرف شرط ہے۔ جَاءَكُمْ سے اَنْفُسُكُمْ تک شرط ہے اور اِسْتَكْبَرْتُمْ سے تَقْتُلُونَ تک جواب شرط ہے۔ دونوں جگہ پر فَرِيقًا مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔

ترکیب

وَلَقَدْ اَتَيْنَا	مُوسَىٰ	اَلْكِتَابَ	وَقَفَّيْنَا	مِّنْ بَعْدِهِ
اور بے شک ہم نے دیا	موسیٰؑ کو	کتاب یعنی تورات	اور ہم نے بھیجا	ان کے بعد

ترجمہ

بِالرُّسُلِ ۖ	وَاَتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ	اَلْبَيِّنَاتِ
رسولوں کو	اور ہم نے دیا عِيسَىؑ بن مریم کو	روشن دلیلیں یعنی معجزات

وَاَيَّدْنَاهُ	بِرُوحِ الْقُدُسِ ط	اَفْكَلْمًا
اور ہم نے تقویت دی ان کو	پاکیزگی کی روح یعنی جبریلؑ سے	تو کیا (ایسا نہیں ہوا کہ) جب بھی

جَاءَكُمْ	رَسُولٌ	اِیْمًا	لَا تَهْوَىٰ	اَنْفُسُكُمْ
آیا تمہارے پاس	کوئی رسول	اس کے ساتھ جو	نہیں چاہتے	تمہارے جی



اُسْتُكْبِرْتُمْ ۚ	فَفَرِقْنَا	كَذَّبْتُمْ ۖ	وَفَرِقْنَا	256 تَقْتُلُونَ
تو تم لوگوں نے گھمنڈ کیا	پس ایک فریق کو	تم نے جھٹلایا	اور ایک فریق کو	قتل کرتے ہو

نوٹ-1

نوٹ-2

معجزات کے متعلق ایک بات یہ سمجھ لیں کہ انبیاء کرام کو معجزات ان کے زمانے کے لحاظ سے دیے جاتے تھے۔ موسیٰ کے زمانے میں جادو کا فن اپنے عروج پر تھا اور اس وقت جادوگر لوگ معاشرہ میں معزز زمانے جاتے تھے۔ اس لیے موسیٰ کو ایسے معجزے دیے گئے جس نے جادوگروں کو عاجز کر دیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں طب کو بہت عروج حاصل ہوا تھا اور طبیب لوگوں کو معاشرہ میں بلند مقام حاصل ہوتا تھا۔ اس لیے ان کو ایسے معجزے دیے گئے جس نے طبیب لوگوں کو عاجز کر دیا۔ حضور ﷺ کے زمانے میں ادب اور شعر و شاعری اپنے عروج پر تھی اور شاعری لوگوں کا معاشرے میں بڑا مقام تھا۔ اس لیے آپؐ کو قرآن مجید کا معجزہ دیا گیا جس نے عرب کے بڑے سے بڑے شاعر کو عاجز کر دیا۔

دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ جس نبی کو جو معجزہ دیا گیا اسے وہ اپنی مرضی سے نہیں دکھا سکتے تھے۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت دکھاتے تھے۔ ایس نہیں تھا کہ حضرت موسیٰؑ کہیں بیٹھنے کے لیے یا سونے کے لیے جب بھی لاٹھی زمین پر رکھتے تھے تو وہ سانپ بن جاتی تھی۔ عام حالات میں وہ لاٹھی ہی رہتی تھی۔ صرف مخصوص مواقع پر اللہ کے حکم سے جب انہوں نے لاٹھی کو زمین پر ڈالا تو وہ سانپ بنی۔ ایسا نہیں تھا کہ عیسیٰؑ جب چاہیں قبر سے کسی مردے کو نکال کر زندہ کر دیں۔ بلکہ مخصوص مواقع پر اللہ کے حکم سے انہوں نے ایسا کیا۔ اسی طرح حضور ﷺ کو وحی کا انتظار رہتا تھا۔ لیکن جبریلؑ صرف اللہ کے حکم سے تشریف لاتے تھے۔ البتہ دیگر انبیاء کرام کے معجزے دکھانے کے بعد ختم ہو جاتے تھے۔ لیکن قرآن مجید ایک واحد معجزہ ہے جو محفوظ ہوتا چلا گیا، آج تک محفوظ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اس لحاظ سے قرآن مجید کو زندہ معجزہ کہتے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة البقرة (۲)

## آیت نمبر (88)

256

﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۖ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ﴾

غ ل ف

(ن)

غُلْفًا

ڈھانکنا۔ غلاف میں ڈالنا۔

(س)

غَلَفًا

ڈھکا ہوا ہونا۔ غلاف میں ہونا۔

أَغْلَفُ

ج غُلْفٌ۔ افعِل الوان وعیوب ہے۔ غلاف میں بند چیز۔ آیت زیر مطالعہ۔

ل ع ن

(ف)

لَعَنًا

دھتکارنا۔ دور کرنا۔ لعنت اگر اللہ کی طرف سے ہو تو مطلب ہوتا ہے اپنی رحمت اور شفقت سے دور کرنا۔ اگر انسان کی طرف سے ہو تو بد دعا ہوتی ہے کہ اللہ اسے رحمت سے دور کرے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرِينَ﴾ (33/ الاحزاب: 64) ”بے شک اللہ نے لعنت کی کافروں پر۔“ ﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا﴾ (7/ الاعراف: 38) ”جب بھی داخل ہوتی ہے کوئی جماعت، تو وہ لعنت کرتی ہے اپنی بہن پر یعنی دوسری جماعت پر۔“

إِلْعَنَ

فعل امر ہے۔ تو لعنت کر۔ ﴿رَبَّنَا آتِنَاهُمْ ضَعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَاهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا﴾ (33/ الاحزاب: 68) ”اے ہمارے رب! تو دے ان کو دو گنا عذاب اور تو لعنت کر ان پر بڑی لعنت۔“ اسم الفاعل ہے۔ لعنت کرنے والا۔ ﴿أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ﴾ (2/ البقرہ: 159) ”یہ لوگ ہیں لعنت کرتا ہے ان پر اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے۔“

مَلْعُونٌ

اسم المفعول ہے۔ لعنت کیا ہوا۔ ﴿مَلْعُونِينَ ۖ أَيَّمَا تَقَفُّوْا أَخْذُوا وَقُتِلُوا تَقْتِيلًا﴾ (33/ الاحزاب: 61) ”لعنت کیے ہوئے ہیں جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائیں اور خوب قتل کیے جائیں جیسے قتل کرنے کا حق ہے۔“

لَعْنَةٌ

اسم ذات ہے۔ لعنت۔ ﴿فَاذِّنْ مَوْذِنًا بَيْنَهُمْ أَنَّ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ (7/ الاعراف: 44) ”تو پکارا ایک پکارنے والے نے کہ اللہ کی لعنت ہے ظلم کرنے والوں پر۔“

ترکیب

قُلُوبُنَا مرکب اضافی ہے اور مبتداء ہے۔ غُلْفٌ اس کی خبر ہے۔ قَلِيلًا مَّا میں مآ زائدہ ہے اور اس کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ قَلِيلًا صفت ہے۔ اس کا موصوف اِيْمَانًا محذوف ہے اور یہ مرکب توصیفی مفعول مقدم ہے یَوْمِئِذٍ کا سادہ جملہ اس طرح ہوتا یَوْمِئِذٍ اِيْمَانًا قَلِيلًا۔

ترجمہ

وَقَالُوا

قُلُوبُنَا

غُلْفٌ

بَلْ

لَعَنَهُمُ اللَّهُ



اور انہوں نے کہا	ہمارے دل	غلاف میں بند ہیں	(ہرگز نہیں) بلکہ	اللہ نے رحمت سے دور کیا ان کو
256				
بِكَفْرِهِمْ	فَقَلِيلًا مِّمَّا يُؤْمِنُونَ			
ان کے کفر کے سبب سے	تو وہ لوگ تھوڑا سا ایمان لاتے ہیں			

نوٹ-1

کلمہ بَلْ کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ بَلْ سے پہلے جو بات کہی گئی ہے وہ غلط ہے اور بَلْ کہہ کر اس کی تردید کرنا مقصود ہے۔ ایسی صورت میں اس سے پہلے لفظ کَلَّا (ہرگز نہیں) محذوف ہوتا ہے، جیسا کہ آیت زیر مطالعہ میں ہے، اور ایسی صورت میں بَلْ کا پورا مفہوم یہ ہوتا ہے۔ ”ہرگز نہیں! بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ“ کبھی بَلْ کے ساتھ کَلَّا لکھ بھی دیتے ہیں لیکن مفہوم یہی رہتا ہے۔ جیسے ﴿قَالَ أَصَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۖ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مِمَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝﴾ (83/المطففين: 13-14) ”انہوں نے کہا پرانے زمانے کے قصے ہیں۔ ہرگز نہیں! بلکہ سچی بات یہ ہے کہ زنگ چڑھایا ان کے دلوں پر اس نے جو یہ لوگ کمائی کیا کرتے تھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بَلْ سے پہلے جو بات کہی گئی ہے وہ درست ہے اور بَلْ کہہ کر اس کی تردید کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ البتہ اس کے بعد بَلْ کہہ کر اس سچائی کو تسلیم نہ کرنے یا اس سے استفادہ نہ کرنے کی وجہ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں بَلْ سے پہلے لفظ کَلَّا محذوف نہیں ہوتا۔ نیز ایسی صورت میں بَلْ کا مفہوم اردو محاورہ میں ”بلکہ“ کے بجائے ”لیکن“ سے ادا ہوتا ہے اور اس کا پورا مفہوم یہ ہوتا ہے۔ ”لیکن حقیقت یہ ہے کہ“ جیسے ﴿وَالْقُرْآنُ ذِي الذِّكْرِ ۖ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ۝﴾ (38/ص: 1-2) ”قسم ہے قرآن کی جو نصیحت والا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہٹ دھرمی اور مخالفت میں ہیں۔“

نوٹ-2

اس آیت کی ترکیب میں ہم نے لکھا ہے کہ قَلِيلًا مِّمَّا میں ماز اندہ ہے۔ کیونکہ تفسیر حقانی میں بھی یہی ہے اور ہمارے استاذ محترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب مرحوم کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن بہر حال اسے موصولہ ماننے کی بھی گنجائش ہے۔ ایسی صورت میں (اِيْمَانًا) قَلِيلًا مِّمَّا يُؤْمِنُونَ کا مطلب ہوگا کہ تھوڑا ایمان ہے وہ، جو یہ لوگ ایمان لاتے ہیں۔ اس طرح مفہوم تبدیل نہیں ہوتا اور ماز اندہ ماننے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ البتہ قَلِيلًا سے پہلے رَجَاءً محذوف ماننا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ رَجَاءً عاقل کی جمع مکسر ہے۔ اس لیے اس کی صفت یا تو واحد مؤنث آسکتی ہے یا جمع مذکر آئے گی۔ جبکہ قَلِيلًا واحد مذکر ہے۔ اس لیے اس آیت کا یہ مفہوم لینا درست نہیں ہوگا کہ ان میں تھوڑے سے لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

نوٹ-3

تھوڑے ایمان یا کم ایمان سے مراد یہ ہے کہ آدمی اللہ، آخرت، انبیاء و رسل، کتب، وحی وغیرہ کو تو مانے لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور اس کے رسول کی شریعت پر عمل نہ کرے۔ یا کچھ پر عمل کرے اور کچھ میں اپنی من مانی کرے۔

آیت نمبر (89)

﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۖ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ

# كَفَرُوا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۖ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾

256

ج ی ع

(ض) جِيئَةً

(۱) آنا (لازم)۔ (۲) جَاءَ بہ کسی کے ساتھ آنا یعنی لانا (متعدی)۔ (۳) کوئی کام کرنا۔ ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط﴾ (17/ بنی اسرائیل: 81) ”اور آپؐ کیسے حق آیا اور باطل مٹا۔“ ﴿مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ ط﴾ (6/ الانعام: 91) ”کس نے اتارا کتاب کو جو لائے موسیٰؑ۔“ ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا فَرِيًّا ۝﴾ (19/ مریم: 27) ”بے شک آپؑ نے کیا ہے ایک حیران کن چیز یعنی کام۔“

جِيءَ

فِيْلَ کے وزن پر ماضی مجہول ہے۔ لایا گیا۔ ﴿وَوَضِعَ الْكِتَابَ وَجَآئِءَ بِاللَّبِيبِ وَالشَّهَدَاءِ﴾ (39/ الزمر: 69) ”اور رکھی جائے گی کتاب اور لائے جائیں گے انبیاء اور گواہ۔“ کسی کو لانا۔ ﴿فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِئْعٍ تُخْلِتُهُ﴾ (19/ مریم: 23) ”تو لایا اس کو دردزہ کھجور کے تنے کی طرف۔“

(افعال) اِجَاءَةً

ع ر ف

(ض) عِرْفَانًا

کسی کو پہچاننا۔ کسی کی مہک پانا (مہک بھی پہچان کا ذریعہ ہے)۔ ﴿الَّذِينَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ ط﴾ (2/ البقرہ: 146) ”وہ لوگ ہمیں نے دیا جن کو کتاب، وہ لوگ پہچانتے ہیں اس کو جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔“

مَعْرُوفٌ

اسم المفعول ہے۔ پہچانا ہوا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) دستور اور رواج کے مطابق کام کیونکہ عام لوگ اس سے واقف ہوتے ہیں۔ (۲) نیکی کیونکہ انسانی فطرت اسے پہچانتی ہے۔ ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ط﴾ (4/ النساء: 6) ”اور جو فقیر ہو تو اسے چاہیے کہ وہ کھائے دستور کے مطابق۔“ ﴿وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (3/ آل عمران: 104) ”اور چاہیے کہ ہو تم میں ایک جماعت، وہ بلائی ہو بھلائی کی طرف اور ترغیب دیتی ہو نیکی کی۔“

عُرِفَ

اسم ذات ہے۔ پہچان۔ خوشبو۔ پھر ثابت شدہ باتوں یعنی نیکی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَأُمِرُ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ۝﴾ (7/ الاعراف: 199) ”اور ترغیب دو نیکی کی اور اعراض کرو جاہلوں سے۔“

الْأَعْرَافُ

دوزخ اور جنت کے درمیان ایک مقام ہے۔ ﴿وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيئِهِمْ ط﴾ (7/ الاعراف: 46) ”اور اعراف پر لوگ ہوں گے، وہ پہچانیں گے سب کو ان کی نشانی سے۔“

عَرَافَاتٌ

میدان عرفات جہاں حج کے دن قیام ہوتا ہے۔ ﴿فَإِذَا أَقَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ﴾ (2/ البقرہ: 198) ”تو جب تم لوگ پلٹو عرفات سے۔“

تَعْرِيفًا

(تفعیل)

(۱) کسی کو کسی کی پہچان کرانا۔ تعارف کرانا۔ (۲) کسی کو خوشبودار بنانا۔ خوشبو میں بسانا۔ ﴿عَرَفَ بَعْضُهُمْ وَأَعْرِضَ عَنْ بَعْضٍ ط﴾ (66/ التحریم: 3) ”انہوں نے تعارف کرایا اس کے بعض کا اور اعراض کیا بعض سے۔“

﴿وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝﴾ (47/ محمد: 6) ”اور وہ داخل کرے گا ان کو اس جنت میں،

256

اس نے خوشبو میں بسایا جس کو ان کے لیے۔

(تفاعل) تَعَارَفًا باہم ایک دوسرے کو پہچانا۔ ﴿يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ط﴾ (10/ یونس: 45) ”ایک دوسرے کو پہچانیں گے آپس میں۔“

(افتعال) اِعْتَرَفًا اہتمام سے پہچانا۔ پھر زیادہ تر کسی بات کا اقرار کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ ﴿فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا﴾ (40/ مومن: 11) ”تو ہم نے اقرار کیا اپنے گناہوں کا۔“

## ترکیب

لَمَّا حرف شرط ہے۔ جَاءَ سے مَعَهُم تک جملہ شرطیہ ہے۔ اس کا جواب شرط اَنْكَرُوْهُ مَحذوف ہے۔ جَاءَ فعل اور هُمْ اس کا مفعول ہے۔ كَتَبَ موصوف اور مُصَدِّقُ اسم الفاعل اس کی صفت ہے۔ كَتَبَ مُصَدِّقُ مرکب توصیفی بن کر جَاءَ کا فاعل ہے۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور لَمَّا مَعَهُم متعلقات ہیں۔ وَكَانُوا کا واو حالیہ ہے۔ كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ ماضی استمراری ہے۔ فَلَمَّا حرف شرط ہے۔ جَاءَ هُمْ مَّا عَرَفُوا جملہ شرط ہے اور كَفَرُوا پہ جب شرط ہے۔

## ترجمہ

وَلَمَّا	جَاءَهُمْ	كَتَبَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ	لَمَّا
اور جب	آئی ان کے پاس	اللہ کے پاس سے ایک تصدیق کرنے والی کتاب	اس کی جو
مَعَهُمْ ۙ	وَ	كَانُوا	مِنْ قَبْلُ
ان کے ساتھ ہے	اس حال میں کہ	وہ لوگ	اس سے پہلے
كَفَرُوا ۚ	فَلَمَّا	جَاءَهُمْ	مَّا
کفر کیا	تو جب	آیا ان کے پاس	وہ جس کو
كَفَرُوا ۚ	عَرَفُوا	كَفَرُوا ۚ	كَفَرُوا ۚ
کفر کیا	تو جب	انہوں نے پہچانا	تو انہوں نے انکار کیا اس کا
فَلَعَنَهُ اللّٰهُ	عَلَى الْكَافِرِينَ	عَلَى الْكَافِرِينَ	عَلَى الْكَافِرِينَ
تو اللہ کی رحمت سے دوری ہے	انکار کرنے والوں پر	انکار کرنے والوں پر	انکار کرنے والوں پر

تورات اور انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی جہاں اور نشانیاں درج تھیں وہیں ان کی فتح و نصرت کی خبر بھی تھی۔ اس بنا پر مدینہ میں آباد یہودی قبائل دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! اب تو اپنے آخری نبیؐ کو بھیج دے تاکہ ہم کو کافروں پر فتح حاصل ہو۔

نوٹ-1

مدینہ میں آباد یہودی قبائل کے علم اور دانائی کی داد دینی پڑتی ہے کہ تورات میں دی گئی نشانیوں کی مدد سے وہ ٹھیک اس جگہ آکر بیٹھ گئے تھے جہاں اللہ کے آخری نبی ﷺ نے تشریف فرما ہونا تھا۔ ایسے لوگوں کے لیے یہ خیال کرنا کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کو پہچاننے میں کوئی مشکل پیش آئی، ایک بے معنی بات ہے۔ سیرت میں درج متعدد واقعات سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ انہیں پہچاننے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ اس ضمن میں بی بی صفیہؓ کے والد اور ان کے چچا کے درمیان مکالمہ، میرے علم کی حد تک، حرف آخر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ انہوں نے انکار کیوں کیا؟ اس کا جواب اگلی آیت میں آ رہا ہے۔

نوٹ-2

## آیت نمبر (90)

256

﴿بُسْبَا شَتَرُوا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۚ فَبَآءُ وُّبَغْضٍ عَلٰى غَضَبٍ طَوَّلُ الْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝۹۰﴾

ب ع س

(س۔ک) بُسَا

کسی چیز کا مضبوط ہونا۔ سخت ہونا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں زیادہ تر دو معانی میں آیا ہے۔ (۱) فقر و فاقہ کی حالت کا سخت ہونا۔ (۲) جنگ کا سخت ہونا۔ ثلاثی مجرد سے فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

بُسْ

ج بُسَاء۔ اسم ذات ہے۔ سختی۔ ﴿وَالصّٰدِقِيْنَ فِي الْبَآسَاءِ وَالصّٰوِءِ وَحِيْنَ الْبَآسِ ط﴾ (2/ البقرہ: 177) ”اور ڈٹے رہنے والے فقر و فاقہ کی سختیوں میں اور جسمانی تکالیف میں اور گھمسان کی جنگ کے وقت۔“

بَاسٌ

فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ سخت ہونے والا۔ صفت کے طور پر آتا ہے۔ سخت۔ شدید۔ ﴿وَاطْعُبُوا الْبَآسَ الْفَقِيْرَ ۝۲۸﴾ (22/ الحج: 28) ”اور تم لوگ کھلاؤ انتہائی محتاج کو۔“

بَيْسٌ

فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں سخت۔ شدید۔ ﴿وَآخِذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَّيْسٍ﴾ (7/ الاعراف: 165) ”اور ہم نے پکڑا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا، ایک شدید عذاب میں۔“

بُسْ

زم یعنی مذمت کرنے کا لفظ ہے۔ کیا ہی برا۔ کتنا برا۔ ﴿فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ط وَلِبَاسٌ الْبِهَادُ ۝۲۰﴾ (2/ البقرہ: 206) ”تو کافی ہے اس کو جہنم اور یقیناً وہ بہت برا بچھونا ہے۔“

(افتعال) اِبْتَسَا

سخت غمگین ہونا۔ دل برداشتہ ہونا۔ فعل نہیں ہے۔ تو دل برداشتہ مت ہو۔ ﴿فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۱۱﴾ (11/ ہود: 36) ”پس آپ دل برداشتہ نہ ہو اس سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔“

لَا تَبْتَئِسْ

ب غ ی

(ض) بَغْيًا

کسی چیز کی چاہت یا طلب میں حد سے بڑھ جانا۔ اس طرح یہ دو معانی میں آتا ہے۔ (۱) چاہنا۔ طلب کرنا۔ (۲) زیادتی کرنا۔ سرکشی کرنا۔ ﴿فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلٰى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوْا الَّتٰى تَبْغٰى﴾ (49/ الحجرات: 9) ”پس اگر زیادتی کرے دو میں کی ایک جماعت دوسری پر تو تم لوگ جنگ کرو اس سے جو زیادتی کرتی ہے۔“ ﴿قُلْ اَغْيَرَ اللّٰهُ اَبْغٰى رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ط﴾ (6/ الانعام: 164) ”آپ کہئے کیا اللہ کے سوا کسی کو میں چاہوں بطور رب کے حالانکہ وہ ہر ایک چیز کا رب ہے۔“

بَاغٍ

فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ سرکشی کرنے والا۔ چاہنے والا۔ ﴿فَمِنْ اَضْطَرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَ

لَا عَادَ فَإِنَّ اللَّهَ عَفْوٌ رَحِيمٌ ﴿١٥﴾ (16/ النحل: 115) ”پس جولا چار ہوا، نہ خواہش کرنے والا اور

256

نہ حد سے بڑھنے والا، تو یقیناً اللہ غفور و رحیم ہے۔“

بَغِيٌّ اسم ذات ہے۔ چاہت۔ زیادتی۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ﴾ (10/ یونس: 23) ”اے لوگو! کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تم لوگ کی زیادتی تمہارے اپنے آپ پر ہے۔“

بَغِيٌّ اسم نسبت ہے۔ چاہت والا۔ زیادتی والا۔ ﴿وَمَا كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا﴾ (19/ مریم: 28) ”اور نہ تھیں آپ کی والدہ زیادتی والی۔“

إِبْتِغَاءُ (افتعال) اہتمام سے چاہنا۔ جستجو کرنا۔ ﴿فَمِنْ ابْتِغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ﴾ (23/ المؤمنون: 7) ”پس جس نے چاہا اس سے آگے تو وہ لوگ ہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔“

إِبْتِغِ فعل امر ہے۔ تو طلب کر۔ تو تلاش کر۔ ﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ (28/ القصص: 77) ”اور تو جستجو کر، اس میں سے جو دیا تجھ کو اللہ نے، آخرت کے گھر کی اور تو مت بھول اپنا حصہ دنیا میں سے۔“

إِبْتِغَاءُ (انفعال) نرم و آسان ہونا۔ مقام و رتبہ میں شایان شان ہو۔ ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ (36/ یس: 69) ”اور ہم نے نہیں سکھایا ان کو شعر کہنا اور وہ شایان شان نہیں ہوتا ان کے لیے۔“

ه و ن

هَوْنًا (ن) (۱) نرم و آسان ہونا۔ (۲) ذلیل و رسوا ہونا۔

هَوْنٌ اسم ذات ہے۔ نرمی۔ ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَتَّقُونَ عَلَى الْآرْضِ هَوْنًا﴾ (25/ الفرقان: 63) ”اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر نرمی سے۔“

هَوْنٌ اسم ذات ہے۔ ذلت۔ رسوائی۔ ﴿الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ﴾ (6/ الانعام: 93) ”آج تم لوگوں کو بدلہ دیا جائے گا ذلت کے عذاب سے۔“

هَيْنٌ صفت ہے۔ ہلکا۔ آسان۔ ﴿قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هَيْنٍ﴾ (19/ مریم: 21) ”کہا آپ کے رب نے یہ مجھ پر آسان ہے۔“

أَهْوَنُ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ ہے۔ زیادہ آسان۔ سب سے آسان۔ ﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدُو الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ (30/ الروم: 27) ”اور وہ ہے جس نے ایجاد کیا پیدائش کو پھر وہ لوٹائے گا اس کو اور یہ زیادہ آسان ہے اس پر۔“

إِهَانَةٌ (انفعال) ذلیل کرنا۔ رسوا کرنا۔ ﴿فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ﴾ (89/ الفجر: 16) ”تو وہ کہتا ہے میرے رب نے رسوا کیا مجھ کو۔“

مِهِينٌ اسم الفاعل ہے۔ ذلیل کرنے والا۔ رسوا کرنے والا۔ ﴿وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ (4/ النساء: 37) ”اور ہم نے تیار کیا کافروں کی لیے ایک ذلیل کرنے والا عذاب۔“

مُہَانُ اسم المفعول ہے۔ ذلیل کیا ہوا۔ ﴿وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا﴾ (25/ الفرقان: 69) ”اور وہ ہمیشہ رہے گا اس میں ذلیل کیا ہوا۔“

256

## ترکیب

بُئْسَ لفظ ذم ہے اور اس کے ساتھ ما موصولہ ہے۔ اَنْفُسَهُمْ مفعول بنفسہ ہے یعنی جو خریدا۔ جس کے بدلے خریدا، اس کے لیے بہ آیا ہے۔ اس میں ہ کی ضمیر ماک ے لیے ہے اور اَنْ يَكْفُرُوا بِمَا اَنْزَلَ اللَّهُ پورا جملہ ما کا صلہ ہے بَغْيًا حال ہے۔ اَنْ يُنْزَلَ سے مِنْ عِبَادِهِ تک پورا جملہ بَغْيًا کا سبب ہے اور فَبَاءٌ وَبَغْضٍ عَلَى غَضَبٍ اس کا نتیجہ ہے۔ لِّلْكَافِرِينَ قائم مقام خبر مقدم ہے اور مرکب توصیفی عَذَابٌ مُّهِينٌ مبتداء مؤخر مکررہ ہے۔

## ترجمہ

بُئْسَمَا	اَشْتَرُوا	بِهِ	اَنْفُسَهُمْ	اَنْ يَكْفُرُوا
کتنا برا ہے وہ	انہوں نے خریدا	جس کے بدلے	اپنے نفس کو	کہ وہ لوگ انکار کرتے ہیں
بِمَا	اَنْزَلَ اللَّهُ	بَغْيًا	اَنْ يُنْزَلَ اللَّهُ	مِنْ فَضْلِهِ
اس کا جسے	اللہ نے اتارا	سرکشی کرتے ہوئے	کہ اللہ اتارتا ہے	اپنے فضل میں سے
عَلَى مَنْ	يَشَاءُ	مِنْ عِبَادِهِ	فَبَاءٌ	بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ
جس پر	وہ چاہتا ہے	اپنے بندوں میں سے	پس وہ لوگ لوٹے	غضب پر غضب کے ساتھ
وَلِّلْكَافِرِينَ	عَذَابٌ مُّهِينٌ			
اور کافروں کے لیے	ایک ذلیل کرنے والا عذاب ہے			

## نوٹ-1

استاد محترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب مرحوم کے جو لیکچر کیسٹ میں ریکارڈ کیے گئے ہیں اس میں حافظ صاحب نے اس آیت کے لفظ ”فَبَاءٌ“ کے املا پر کوئی بات نہیں کی ہے۔ اس لیے اس کے املا کو چیک کرنے کے لیے متعدد نسخے دیکھے۔ تدبر قرآن اور معارف القرآن میں اسے واو الجمع کے الف کے ساتھ یعنی بَاءٌ وَا لکھا گیا ہے۔ جبکہ ابن کثیر، احمد رضا خان صاحب، شیخ الہند، مولانا فتح محمد جالندھری اور پکتھال کے نسخوں میں یہ الف کے بغیر یعنی بَاءٌ و لکھا ہے۔ فیصلہ کرنے کے لیے سعودی عرب سے شائع شدہ نسخہ دیکھا۔ اس میں بھی یہ الف کے بغیر ہے۔ چنانچہ اس سند پر ہم نے بھی بَاءٌ و لکھا ہے۔

## نوٹ-2

اس آیت میں مذکور جس جرم کی بناء پر بنو اسرائیل اللہ تعالیٰ کے غضب کے سزاوار ہوئے، اس کی نوعیت کو صحیح طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ لفظ فضل کا پورا مفہوم ہمارے ذہن میں واضح ہو۔

آیت نمبر (2/ البقرہ: 47) کی لغت میں آپ کو بتایا گیا ہے کہ جو چیز حق سے زیادہ ہو اسے فضل کہتے ہیں۔ مثلاً

ہوٹل میں کھانے کے بعد ہم جو بل ادا کرتے ہیں وہ کھانے کی اجرت یعنی اجر ہے۔ پھر بیرے کو جو ٹپ دیتے ہیں وہ فضل ہے۔ بل



ہم حساب کتاب سے ادا کرتے ہیں اور ٹپ بغیر حساب دیتے ہیں۔ اس ضمن میں اہم تر بات یہ ہے کہ ٹپ میرے کا حق نہیں ہوتا بلکہ یہ کلیۃً دینے والے کی مرضی پر منحصر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس علیم اور حکیم ہستی کی مرضی بھی علم اور حکمت کے ساتھ ہوتی ہے۔<sup>256</sup>

اب نوٹ کریں کہ آیت زیر مطالعہ میں یہی بتایا گیا ہے کہ فضل اللہ کا تھا۔ دینے والا بھی اللہ تھا۔ اس نے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہا دیا۔ اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ اور اگر کوئی اعتراض کرے گا تو وہ اللہ کے غضب کو دعوت دے گا۔ لیکن بنو اسرائیل نے یہ اعتراض کیا کہ نبوت و رسالت تو ان کا خاندانی ورثہ ہے، یہ نعمت بنو اسماعیل کو کیوں دی گئی؟ اس لیے انہوں نے جانتے بوجھتے قرآن مجید کو کلام اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول اللہ ماننے سے انکار کیا اور اللہ کے غضب کو دعوت دی۔

یہودیوں کو بحیثیت مجموعی اس بات کا رنج تو تھا کہ یہ نعمت ان کی نسل سے چھن گئی۔ لیکن مدینہ میں آباد یہودیوں کے لیے صدمے کا ایک اضافی پہلو بھی تھا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ تو رات میں دی گئی نشانیوں کی مدد سے یہودی وہ جگہ کیوں تلاش کر رہے تھے جہاں اللہ کے آخری نبی کا ظہور ہونا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ وہ نبی آسمان سے نہیں اترے گا بلکہ اس جگہ پر آباد لوگوں میں سے کسی شخص کے سر پر یہ تاج رکھا جائے گا۔ اس لیے ان کی کوشش تھی کہ وہ اس جگہ پر جا کر آباد ہو جائیں تاکہ ان کے علماء میں سے یا ان کی اولاد میں سے کسی کو یہ سعادت حاصل ہو جائے۔ مدینہ کے یہودی علماء کو جب پتہ چلا کہ وہ بالکل ٹھیک جگہ پر آ کر آباد ہوئے تھے لیکن پھر بھی محروم رہے تو اس صدمہ نے نہ صرف انہیں بے حال کر دیا بلکہ وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ (إلا ماشاء اللہ۔)

نوٹ-3

اب سوال یہ ہے کہ آج کے دور میں ہمارے لیے اس آیت میں کیا راہنمائی ہے؟ اس ضمن میں یہ نوٹ کریں کہ نبوت و رسالت کا دروازہ تو یقیناً بند ہو چکا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ شاید اسی حقیقت کو اجاگر کرنے کے لیے اس آیت میں جب یہودیوں کے انکار کا ذکر کیا گیا تو یہَا اَنْزَلَ اللّٰهُ کے الفاظ آئے ہیں۔ اس میں نَزَلَ کے لیے ماضی کا صیغہ آیا ہے اور وہ بھی باب افعال میں، جس میں کام کو ایک مرتبہ کرنے کا مفہوم ہوتا ہے۔ لیکن جب ان کے انکار کی وجہ بیان کی گئی تو اَنْ يُنَزِّلَ اللّٰهُ کے الفاظ آئے ہیں۔ اس میں نَزَلَ کے لیے مضارع کا صیغہ آیا ہے اور وہ بھی باب تفعیل میں، جس میں کام کے تسلسل کا مفہوم ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو اللہ کی سنت ہے جس کا سلسلہ جاری رہے گا۔

اس حوالہ سے اب یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ آج بھی جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو اپنے فضل میں سے کچھ دیتا ہے تو اس بندے سے یا اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرنا تو دور کی بات ہے، اگر ہم نے دل میں یہ رنجش اور کدورت بھی رکھی کہ یہ اللہ نے کیا کیا؟ یہ چیز اسے کیوں دی؟ مجھے کیوں نہیں دی یا فلاں کو کیوں نہیں دی؟ تو یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہے۔ اس بات کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح سمجھایا ہے کہ حسد کرنے والے کی نیکیوں کو حسد اس طرح کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو۔

## آیت نمبر (2/ البقرہ: 91)

256

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَقُولُوا آمَنَّا وَكَانُوا كَذِبًا ۚ﴾ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٩١﴾

و ر ی

(ض) وَرِيًّا

وَرَاءَ

کسی چیز کا کسی چیز کے پیچھے چھپا ہوا ہونا۔ چھماق سے چنگاری نکلنا۔ آگ جلنا۔  
طرف ہے اور زیادہ تر مضاف بن کر آتا ہے۔ جیسے فَوْقُ، تَحْتَ، عِنْدَ وغیرہ ہیں۔ (۱) پیچھے۔  
بعد۔ (۲) سوا۔ علاوہ۔ ﴿فَسَلُّوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ط﴾ (33/ الاحزاب: 53) ”تو تم لوگ مانگو  
ان سے پردے کے پیچھے سے۔“ ﴿فَبَشِّرْهُنَّ بِاسْحَاقٍ ۖ وَمِنْ وَرَاءِ اسْحَاقَ يَعْقُوبُ ؕ﴾  
(11/ ہود: 71) ”تو ہم نے خوشخبری دی انہیں اسحاقؑ کی اور اسحاقؑ کے بعد یعقوبؑ کی۔“ ﴿فَمِنْ  
اِبْنَتِي وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُوْنَ ۚ﴾ (23/ المؤمنون: 7) ”پس جو چاہے اس کے سوا تو وہ لوگ  
ہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔“

(افعال) اِيْرَاءَ

آگ کو جلانا۔ ﴿اَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۙ﴾ (56/ الواقعة: 71) ”تو کیا تم لوگوں نے دیکھا  
اس آگ کو جو تم لوگ جلاتے ہو۔“

(مفاعله) مُوَارَاةً

کسی سے کسی چیز کو چھپانا۔ ﴿قَدْ اُنْزِلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِي سُوَاتِكُمْ﴾ (7/ الاعراف: 26) ”ہم  
نے اتارا ہے تم پر لباس، وہ چھپاتا ہے تمہاری ستر کو۔“

(تفاعل) تَوَارٍ

باہم ایک دوسرے سے چھپنا۔ ﴿يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ﴾ (16/ النحل: 59) ”وہ چھپتا ہے لوگوں  
سے۔“

ترکیب

قَالُوا کے بعد نُوْمِنْ جمع متکلم کا صیغہ بتا رہا ہے کہ ان کے قول کو DIRECT TENSE میں نقل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد  
وَيَكْفُرُونَ میں غائب کا صیغہ بتا رہا ہے کہ یہ ان کے قول پر تبصرہ ہے اور اس کا واؤ حالیہ ہے۔ وَهُوَ الْحَقُّ بھی تبصرہ ہے اور اس کا واو  
بھی حالیہ ہے۔ الْحَقُّ پر لام جنس ہے۔ مُصَدِّقًا اسم الفاعل ہے اور حال ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ فَلِمَ تَقْتُلُونَ مضارع  
ہے لیکن اس کے آگے مِنْ قَبْلُ آیا ہے۔ اس لیے اس کا ترجمہ ماضی استمراری میں ہوگا۔

ترجمہ

وَإِذَا	قِيلَ لَهُمْ	اٰمِنُوْا	بِمَا	اَنْزَلَ اللّٰهُ	قَالُوْا
اور جب کبھی	کہا جاتا ہے ان سے	تم لوگ ایمان لاؤ	اس پر جو	اتارا اللہ نے	تو وہ لوگ کہتے ہیں
نُوْمِنْ	بِمَا	اَنْزَلَ	عَلَيْنَا	وَ	يَكْفُرُوْنَ
ہم ایمان لاتے ہیں	اس پر جو	اتارا گیا	ہم پر	در آں حالیکہ	وہ لوگ انکار کرتے ہیں
بِمَا	وَرَاءَ ۙ	وَ	هُوَ	الْحَقُّ	مُصَدِّقًا
اس کا جو	اس کے بعد ہے	حالانکہ	وہ	کل کا کل حق ہے	تصدیق کرنے والا ہوتے ہوئے



لَبَّأَسْ	مَعَهُمْ ط	قُلْ	فَلِمَ	تَقْتُلُونَ	أَنْبِيََاءَ اللَّهِ
اس کی جو	ان کے ساتھ ہے	آپ پوچھے	تو پھر کیوں	تم لوگ قتل کیا کرتے تھے	اللہ کے نبیوں کو

مِنْ قَبْلُ	إِنْ كُنْتُمْ	مُؤْمِنِينَ
اس سے پہلے	اگر تم لوگ ہو	ایمان لانے والے

وَرَاءُ کے معنی میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ المنجد نے اسے مادہ ”و ر ع“ کے تحت دیا ہے۔ جبکہ مفردات اور معجم میں اسے مادہ ”و ر ی“ کے تحت دیا ہے۔

نوٹ-1

اس آیت میں اہم بات یہ ہے کہ اہل کتاب کے قول کو نقل کیا گیا کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر اتارا گیا یعنی تورات اور انجیل۔ جبکہ ان کی حالت یعنی ان کا عمل یہ ہے کہ وہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں جو اس کے بعد ہے یعنی جو تورات اور انجیل کے بعد اتارا گیا ہے یعنی قرآن مجید۔ بات کہنے کا یہ جو انداز ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی تورات یا انجیل پر واقعی ایمان رکھتا تھا تو اس کے لیے قرآن مجید کا انکار کرنا ممکن نہیں تھا۔ اور اگر کوئی قرآن مجید کا انکار کرنے والا تورات یا انجیل پر ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا دعویٰ غلط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید دراصل تورات اور انجیل کا تسلسل اور تتمہ ہے۔ نیز یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت تک تورات اور انجیل میں جو نشانیاں موجود تھیں ان پر ایمان رکھنے والوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور قرآن مجید کو پہچاننا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انکار کرنے والے یہود و نصاریٰ کے علماء نے پہچاننے کے بعد انکار کیا۔ اس طرح تورات اور انجیل پر اپنے زبانی دعوے کی انہوں نے اپنے عمل سے تکذیب کی۔ بی بی صفیہؓ کے والد اور چچا کا مکالمہ، نجران کے عیسائی وفد کا مباہلہ سے کئی کترانا، ہرقل کا ایمان لانے کی خواہش کے باوجود محروم رہنا اور اس طرح کے متعدد واقعات اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔ ضمنی طور پر نوٹ کر لیں کہ سلطنت روم کی بادشاہت قبول کرنے سے پہلے ہرقل کا شمار عیسائیوں کے چوٹی کے عالم دین میں ہوتا تھا۔

نوٹ-2

دوسری طرف تورات اور انجیل پر حقیقی ایمان رکھنے والے یہود و نصاریٰ کے علماء نے اسلام قبول کیا۔ یہودیوں میں اس کی واضح مثال حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ پہنچتے ہی اسلام قبول کیا۔ عیسائیوں میں اس کی مثال حبشہ کے شاہ نجاشی کی ہے جن کے انتقال پر مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

### آیت نمبر (2/ البقرہ: 92)

﴿وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۝٩٢﴾

جاء کا فاعل موسیٰ ہے۔ البیِّنَاتِ صفت ہے اور اس کا موصوف الایات محذوف ہے۔ پورا مرکب توصیفی اس طرح ہوتا۔ بِالْآيَاتِ الْبَيِّنَاتِ۔ فعل اتَّخَذْتُمْ کا مفعول اول الْعِجْل ہے جبکہ اس کا مفعول ثانی الْهٰذَا محذوف ہے۔

ترکیب

مِنْ بَعْدِهِ میں کی ضمیر موسیٰ کے لیے ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَ	كُم	مُوسَىٰ	بِالْبَيِّنَاتِ	ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ
اور آچکے ہیں	تمہارے پاس	موسیٰؑ	واضح (نشانیوں) کے ساتھ	پھر تم لوگوں نے بنایا

ترجمہ

الْعَجَلِ	مِنْ بَعْدِهِ	وَأَنْتُمْ	ظَالِمُونَ
بجھڑے کو (اللہ)	ان کے بعد	اور تم لوگ	ہو (ہی) ظلم کرنے والے

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کا رخیہ میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول و منظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کابی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: [www.khuddam-ul-quran.com](http://www.khuddam-ul-quran.com) , [info@khuddam-ul-quran.com](mailto:info@khuddam-ul-quran.com)

03217805614, 0412437618, 0412437781

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### سورة البقرة (۲)

#### آیت نمبر (93)

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ط خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْبَعُوا قَالُوا سُبْحَنَا وَعَصَيْنَاكَ وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ط قُلْ يُسَبِّأُ يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِبْيَاقُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۹۳﴾﴾

ط و ر

(ن)

طَوْرًا

قریب ہونا۔ نزدیک ہونا۔

طَوْرٌ

ج۔ اَطْوَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ مختلف لیکن قریب قریب ملتے جلتے ہونے کی کیفیت۔ حالت۔ ہیئت۔  
﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝﴾ (71/نوح: 14) ”اور اس نے پیدا کیا ہے تم لوگوں کو مختلف اور ملتی جلتی حالتوں میں۔“

الطُّورُ

ایک پہاڑ کا نام ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

اَخَذْنَا کا مفعول مرکب اضافی مِيثَاقَكُمْ ہے اور رَفَعْنَا کا مفعول الطُّور ہے جبکہ مرکب اضافی فَوْقَكُمْ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ فعل امر خُذُوا کا مفعول ما موصولہ ہے اور اس کا صلہ جملہ فعلیہ اَتَيْنَاكُمْ ہے۔ جبکہ بِقُوَّةٍ دراصل حال ہے لیکن حرف جار کی وجہ سے مجرور ہے۔ اس طرح یہ مرکب جاری محلاً منصوب ہے۔ اُشْرِبُوا ماضی مجہول ہے۔ اس میں شامل هُمْ کی ضمیر مفعول اول اور نائب فاعل ہے اس لیے مرفوع ہے۔ جبکہ الْعِجْلُ مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یَأْمُرُ کا فاعل اِيبَاقُكُمْ ہے۔

ترجمہ

وَإِذْ	أَخَذْنَا	مِيثَاقَكُمْ	وَرَفَعْنَا	فَوْقَكُمْ	الطُّورَ ط
اور جب	ہم نے لیا	تم سے پختہ عہد	اور ہم نے بلند کیا	تمہارے اوپر	کوہ طور کو

خُذُوا	مَا	آتَيْنَاكُمْ	بِقُوَّةٍ	وَاسْبَعُوا
(کہ) تم لوگ پکڑو	اس کو جو	ہم نے دیا تم کو	عمل کی قدرت سے	اور تم لوگ سنو

قَالُوا	سَبَعْنَا	وَعَصَيْنَاكَ	وَأُشْرِبُوا	فِي قُلُوبِهِمْ	الْعِجْلَ
انہوں نے کہا	ہم نے سنا	اور ہم نے نافرمانی کی	اور پلا دی گئی	ان کے دلوں میں	بچھڑے (کی محبت)

بِكُفْرِهِمْ ط	قُلْ	يُسَبِّأُ	يَأْمُرُكُمْ بِهِ	إِيبَاقُكُمْ
ان کے کفر کے سبب سے	آپ کہہ دیجئے	کتنا برا ہے وہ	تم کو حکم دیتا ہے جو	تمہارا ایمان

مُؤْمِنِينَ 273	إِنْ كُنْتُمْ
ایمان لانے والے ہو	اگر تم لوگ

## آیت نمبر (94)

﴿قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ﴿٩٤﴾

خ ل ص

(ن) خُلُوصًا کسی سے الگ ہونا۔ ملاوٹ سے پاک ہونا۔ ﴿فَلَبَّأَ اسْتَبَقُوا مِنْهُ خَالِصُونَ نَجِيًّا﴾ (12/ یوسف: 80) ”پھر جب وہ لوگ مایوس ہوئے اس سے تو وہ الگ ہوئے سرگوشی والا ہوتے ہوئے۔“

خَالِصٌ فاعل کے وزن پر صفت ہے۔ ملاوٹ سے پاک ہونے والا یعنی ملاوٹ سے پاک۔ خالص۔ ﴿نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَ دِمٍّ لِّبَنًا خَالِصًا﴾ (16/ النحل: 66) ”ہم پلاتے ہیں تم لوگوں کو اس میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہے، گوبر اور خون کے درمیان سے، ملاوٹ سے پاک دودھ۔“

(افعال) إِخْلَاصًا دوسروں سے الگ کرنا۔ ملاوٹ سے پاک کرنا۔ ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ﴾ (4/ النساء: 146) ”سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور چھپے اللہ سے اور ملاوٹ سے پاک کیا اپنے دین کو اللہ کے لیے۔“

مُخْلِصٌ اسم الفاعل ہے۔ ملاوٹ سے پاک کرنے والا۔ ﴿قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ﴾ (39/ الزمر: 11) ”آپؐ کہتے کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں بندگی کروں اللہ کی، ملاوٹ سے پاک کرنے والا ہوتے ہوئے اس کے لیے نظام حیات کو۔“

مُخْلَصٌ اسم المفعول ہے۔ ملاوٹ سے پاک کیا ہوا۔ دوسروں سے الگ کیا ہوا۔ ﴿إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا﴾ (19/ مریم: 51) ”بے شک وہ یعنی موسیٰؑ تھے الگ کیے ہوئے یعنی چنے ہوئے اور وہ تھے رسول نبی۔“

(استفعال) اسْتِخْلَاصًا دوسروں سے الگ کر کے چن لینا۔ منتخب کرنا۔ ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ انْتَبِهْ بَهْ اسْتَخْلَصْ لِنَفْسِي﴾ (12/ یوسف: 54) ”بادشاہ نے کہا تم لوگ لاؤ میرے پاس ان کو، میں منتخب کرتا ہوں ان کو اپنے لیے۔“

كَانَتْ کا اسم الدَّارُ الْآخِرَةُ ہے جبکہ خَالِصَةً اس کی خبر ہے۔ لَكُمْ۔ عِنْدَ اللَّهِ اور مِنْ دُونِ النَّاسِ متعلق خبر ہیں۔ یہ پورا جملہ شرط ہے جبکہ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ جواب شرط ہے۔

ترکیب

قُلْ	إِنْ كَانَتْ	لَكُمْ	الدَّارُ الْآخِرَةُ	عِنْدَ اللَّهِ	خَالِصَةً
آپؐ کہتے	اگر ہے	تمہارے لیے	آخری گھر	اللہ کے پاس	الگ کرنے والا

ترجمہ

مَنْ دُونَ النَّاسِ	فَتَبَوُّوا	الْمَوْتَ	إِنْ كُنْتُمْ	73 حُذِقِينَ
دوسرے لوگوں سے	تو تم لوگ تمنا کرو	موت کی	اگر تم لوگ ہو	سچ کہنے والے

### آیت نمبر (95)

﴿وَلَنْ يَتَسَوَّهَ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝۹۵﴾

ق د م

- (ن) قَدَّمَ
- کسی کے آگے ہونا۔ ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (11/ صود: 98) ”وہ آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن۔“
- أَقْدَمُ
- افعل التفضیل ہے۔ زیادہ آگے۔ ﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۚ أَنْتُمْ وَ آبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ ۚ﴾ (26/ الشعراء: 75-76) ”تو کیا تم لوگ نے غور کیا اس پر جس کی تم عبادت کرتے ہو، تم لوگ اور تمہارے اگلے آباء یعنی آباء واجداد۔“
- قَدَّمَ
- نَاقِضًا۔ اسم ذات ہے۔ پاؤں۔ قدم۔ ﴿بَيْنَكُمْ فَتْرًا قَدَّمَ بَعْدَ ثُبُوتِهَا﴾ (16/ النحل: 94) ”تو پھسلے کوئی قدم اس کے جننے کے بعد۔“ ﴿رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا﴾ (2/ البقرہ: 250) ”اے ہمارے رب! تو انڈیل دے ہم پر صبر کو اور تو جمادے ہمارے قدموں کو۔“
- (س) قُدُّوْا
- کسی کام کا ارادہ کرنا۔ ﴿وَقُدِّمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا ۝۲۵﴾ (25/ الفرقان: 23) ”اور ہم نے ارادہ کیا اس کی طرف جو انہوں نے عمل کیے کسی عمل میں سے، تو ہم نے بنایا اس کو بکھرے ہوئے ذرے۔“
- (ک) قَدَّامَةً
- پُرانا ہونا۔
- قَدِيمٌ
- فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ پرانا ہونے والا یعنی پرانا۔ ﴿فَسَيَقُولُونَ هَذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ ۝۱۱﴾ (46/ الاحقاف: 11) ”تو وہ لوگ کہیں گے یہ پرانا بہتان ہے۔“
- (تفعیل) تَقْدِيمًا
- آگے کرنا۔ آگے بھیجنا۔ ﴿يُكَبِّرُوا الْإِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۚ﴾ (75/ القیامہ: 13) ”جتا دیا جائے گا انسان کو اس دن جو اس نے آگے کیا اور جو پیچھے کیا۔“
- قَدَّمَ
- فعل امر ہے۔ تو آگے کر۔ تو آگے بھیج۔ ﴿إِذَا نَادَىٰ نَجْوَىٰ الرَّسُولِ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَىٰكُمْ صَدَقَاتٌ ۚ﴾ (58/ المجادلہ: 12) ”جب بھی تم لوگ سرگوشی کرو ان رسول سے تو آگے کرو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ۔“
- (تفعّل) تَقَدَّمَ
- بتکلف خود کو آگے کرنا۔ پیش پیش ہونا۔ آگے ہونا۔ ﴿لَسَنَ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۚ﴾ (74/ المدثر: 37) ”اس کے لیے جو چاہے تم میں سے کہ وہ آگے ہو یا پیچھے رہے۔“
- (استفعال) اسْتَقْدَمًا
- پہلے ہونا۔ قبل از وقت ہونا۔ آگے ہونا۔ ﴿إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝۱۰﴾ (10/ یونس: 49) ”اور جب بھی آتی ہے ان کی اجل تو وہ لوگ پیچھے نہیں ہوتے ایک گھڑی اور نہ آگے ہوتے ہیں۔“
- مُسْتَقْدِمٌ
- اسم الفاعل ہے۔ پہلے یا آگے ہونے والا۔ ﴿وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ ۚ﴾ (15/ الحجر: 24) ”اور ہم نے جان لیا ہے آگے ہونے والوں کو تم میں سے۔“

## ترکیب

يَتَمَنَّوْا کا مفعولہ کی ضمیر ہے جو گزشتہ آیت کے لفظ الْمَوْت کے لیے ہے۔ اَبَدًا ظرف زمان ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔  
قَدَّ مَت کا فاعل اَيَّدِيْهِمْ ہے۔ اَللّٰهُ مبتداء، عَلِيْمٌ خبر اور بِالظَّالِمِيْنَ متعلق خبر ہے۔

## ترجمہ

وَكُنْ يَتَمَنَّوْهُ	اَبَدًا	بِهَا	قَدَّ مَت
اور وہ لوگ ہرگز تمنا نہیں کریں گے اس کی	کبھی بھی	بسبب اس کے جو	آگے بھیجا

اَيَّدِيْهِمْ ط	وَاللّٰهُ	عَلِيْمٌ	بِالظَّالِمِيْنَ
ان کے ہاتھوں نے	اور اللہ	جاننے والا ہے	ظلم کرنے والوں کو

## نوٹ-1

لفظ اَبَدًا کا مادہ ”ء ب د“ ہے لیکن اسے لغت میں اس لیے نہیں دیا کہ اس کے علاوہ اس مادہ سے کوئی اور فعل یا اسم قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ جیسا کہ اوپر ترکیب میں بتایا گیا ہے کہ اَبَدًا ظرف زمان ہے لیکن اہم بات یہ ہے کہ اس میں مسلسل اور لامتناہی زمانہ کا مفہوم ہے۔ اس وجہ سے مثبت اور منفی جملوں میں اس کا اردو ترجمہ مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً ﴿خُلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا﴾ (4/ النساء: 122) ”(ایک حالت میں رہنے والے ہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ) ﴿كُنْ كَذٰلِكَ اَبَدًا﴾ (5/ المائدہ: 24) ”ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے اس میں کبھی بھی۔“

## آیت نمبر (96)

﴿وَلْتَجِدْنَهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيٰوةٍ ۖ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا يُوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يَْعْرِضُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِسُحْرٰجِهٖۙ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُعْمَرَ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۙ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۶﴾

## و ج د

وَجُوْدًا (ض) کسی چیز کو پانا۔ ﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صٰبِرًا ط﴾ (38/ ص: 44) ”ہم نے پایا اس کو یعنی ایوبؑ کو صبر کرنے والا۔“  
وَجْدٌ پائی ہوئی صلاحیت۔ اہلیت۔ طاقت۔ ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وَّجَدِكُمْ﴾ (65/ الطلاق: 6) ”تم لوگ سکونت دو خواتین کو جہاں تم سکونت رکھتے ہو، اپنے مقدور بھر۔“

## ح ر ص

حَرْصًا (ض) کسی چیز کی شدت سے خواہش کرنا۔ لالچ کرنا۔ ﴿وَكُنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ السِّبَاِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ﴾ (4/ النساء: 129) ”اور تم لوگ ہرگز استطاعت نہیں رکھتے کہ عدل کرو عورتوں کے مابین اور اگرچہ شدید خواہش کرو۔“  
حَرِيْصٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ شدید خواہش کرنے والا۔ لالچی۔ ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ﴾ (9/ التوبہ: 128) ”آپؐ کے ہیں تمہارے پاس

ایک رسول تم میں سے، گراں ہے ان پر وہ جو تم کو تکلیف دے، شدید خواہش رکھنے والے ہیں تم پر یعنی بھلائی کی۔“

273

افعل التفصیل ہے۔ زیادہ لالچی یا سب سے زیادہ لالچی۔ آیت زیر مطالعہ۔

أَحْرَصُ

و د د

محبت کرنا۔ چاہنا۔ خواہش کرنا۔ ﴿وَدَّتْ طَالِيفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ﴾ (3/ آل

وَدًّا

(س)

عمران: 69) ”چاہتی ہے ایک جماعت اہل کتاب میں سے کہ کاش وہ لوگ گمراہ کر دیں تم لوگوں کو۔“

فَعُولُ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ انتہائی محبت کرنے والا۔ انتہائی خیر خواہ۔ ﴿إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ

وَدُودٌ

وَدُودٌ﴾ (11/ ہود: 90) ”بے شک میرا رب ہمیشہ رحم کرنے والا، انتہائی خیر خواہ ہے۔“

اسم ذات ہے۔ محبت۔ خیر خواہی۔ ﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَ رَحْمَةً﴾ (30/ الروم: 21) ”اور

مَوَدَّةٌ

اس نے بنایا تمہارے مابین محبت اور رحمت۔“

اسم ذات ہے۔ محبت۔ ﴿سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا﴾ (19/ مریم: 96) ”رحمن بنادے گا ان کے

وُدٌّ

لیے محبت کو۔“

ایک بت کا نام ہے۔ ﴿وَلَا تَذَرْنِ وَدًّا وَلَا سِوَاءَهُ﴾ (71/ نوح: 23) ”اور تم لوگ ہرگز نہ چھوڑنا

وَدٌّ

وَدَّ کو اور نہ ہی سوا ع کو۔“

باہم محبت کرنا۔ خیر خواہی کرنا۔ ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ

مُؤَادَّةً

(مفاعله)

كَادَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ (58/ المجادلہ: 22) ”تو نہیں پائے گا کسی قوم کو جو ایمان لاتی ہے اللہ پر اور آخری

دن پر کہ وہ خیر خواہی کریں اس کی جس نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی۔“

ع م ر

کسی زمین یا جگہ کو آباد کرنا۔ ﴿كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَ آثَارُوا الْأَرْضَ وَ عَمَرُوهَا﴾

عَمَرًا

(ن)

(30/ الروم: 9) ”وہ لوگ زیادہ شدید تھے ان سے بلحاظ قوت کے اور انہوں نے زمین کو جوتا اور

اسے آباد کیا۔“

مَفْعُولُ کے وزن پر صفت ہے۔ آباد کیا ہوا یعنی آباد۔ ﴿وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ﴾ (52/ الطور: 4)

مَعْمُورٌ

”قسم ہے آباد گھر کی۔“

بدن کا زندگی سے آباد رہنے کا عرصہ۔ عمر۔ ﴿وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمَرِكَ سِنِينَ﴾ (26/ الشعراء:

عُمُرٌ

18) ”اور تو نے قیام کیا ہم میں اپنی عمر میں سے کئی سال۔“

اس کے معنی بھی عمر کے ہیں لیکن اس کا زیادہ تر استعمال قسم کھاتے وقت یا دعا کے وقت ہوتا ہے۔

عُمُرٌ

﴿لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (15/ الحجر: 72) ”آپ کی عمر کی قسم یقیناً یہ لوگ

اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔“

اسم ذات ہے۔ آبادی۔ ﴿أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ أَمَنَ

عِمَارَةً

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجْهًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (9/ التوبہ: 19) ”کیا تم

لوگوں نے بنایا حاجیوں کی سبیل کو اور مسجد حرام کی آبادی کو اس کے جیسا جو ایمان لایا اللہ پر اور آخری

دن پر اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں، یہ برابر نہیں ہوتے اللہ کے پاس۔“



عُمْرَةٌ	حج کے علاوہ بیت اللہ کی زیارت کرنا۔ عمرہ۔ (کیونکہ اس سے بیت اللہ آباد ہوتا ہے)۔ ﴿وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ط﴾ (2/ البقرہ: 196) ”اور تم لوگ پورا کرو حج کو اور عمرہ کو اللہ کے لیے۔“	273
تَعْيِيرًا	کسی کو عمر دینا یعنی زندگی دینا۔ ﴿أَوْ لَمْ نَعْيَرَكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمْ التَّنْذِيرُ ط﴾ (35/ فاطر: 37) ”تو کیا ہم نے عمر نہیں دی تم کو اتنی جس میں وہ سمجھ لیتا جس نے سمجھنا ہوتا اس حال میں کہ تمہارے پاس آیا خبردار کرنے والا۔“	
مُعَبَّرٌ	اسم المفعول ہے۔ عمر دیا ہوا۔ زیادہ تر طویل عمر کے لیے آتا ہے۔ ﴿وَمَا يُعَبَّرُ مِنْ مُعَبَّرٍ﴾ (35/ فاطر: 11) ”اور جو عمر دی جاتی ہے طویل العمر کو۔“	
إِعْتِمَارًا	کسی جگہ کو آباد کرنے کا اہتمام کرنا۔ زیارت کرنا۔ عمرہ کرنا۔ ﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ﴾ (2/ البقرہ: 158) ”تو جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ کرے۔“	(افتعال)
إِسْتِعْمَارًا	کسی کو کسی جگہ بسانا۔ ﴿هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا﴾ (11/ ہود: 61) ”اس نے پیدا کیا تم کو زمین سے اور اس نے بسایا تم کو اس میں۔“	(استفعال)

س ن و

سَنُوًا	کسی چیز کا چمکنا۔ نمایاں ہونا۔	(ن)
سَنًا	اسم ذات ہے۔ چمک۔ ﴿يَكَادُ سَنًا بَرْقُهُ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ط﴾ (24/ النور: 43) ”قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک لے جائے آنکھوں کو۔“	
سَنَةً	ج سِنُون۔ زمانے کے نمایاں ہونے کا معین عرصہ۔ ایک سال۔ ﴿فَلَيْتَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خُسُفِينَ عَامًا ط﴾ (29/ العنکبوت: 14) ”تو انہوں نے یعنی حضرت نوحؑ نے بسر کیے ان میں ہزار سال سوائے پچاس برس کے یعنی 950 سال۔“ ﴿وَقَدَّرْنَا مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابِ ط﴾ (10/ یونس: 5) ”اور اس نے مقدر کیا اس کے لیے یعنی چاند، سورج وغیرہ کے لیے منزلیں تاکہ تم لوگ جان لو سالوں کی گنتی اور حساب یعنی مہینوں، دنوں وغیرہ کا حساب۔“	

ز ح ز ح

زَحْزَحَةً	دور کرنا۔ ہٹانا۔ بچانا۔ ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ط﴾ (3/ آل عمران: 185) ”پس جو دور کیا گیا آگ سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو اس نے مراد پالی۔“	(رباعی)
مَزْحُحٌ	اسم الفاعل ہے۔ دور کرنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔	

ترکیب

لَتَجِدَنَّ کا مفعول اوّل ہُمْ کی ضمیر ہے۔ مرکب اضافی اَحْرَصَ النَّاسِ مفعول ثانی ہے اس لیے اس کا مضاف اَحْرَصَ منصوب ہے۔ علی حیلۃ متعلق فعل ہے۔ وَمِنَ الَّذِينَ اَشْرَكُوا کے دو امکانات ہیں۔ ایک امکان یہ ہے کہ اسے لَتَجِدَنَّ کا دوسرا مفعول اوّل مانا جائے۔ ایسی صورت میں مطلب ہوگا کہ تو لازماً پائے گا ان کو یعنی یہودیوں کو اور ان میں سے جنہوں نے شرک کیا، لوگوں میں سب سے زیادہ حریص زندگی پر۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ اسے النَّاسِ پر عطف مانا جائے۔ ایسی صورت میں مطلب ہوگا لوگوں میں سب سے زیادہ حریص اور ان سے بھی زیادہ حریص جنہوں نے شرک کیا۔ ترجمہ میں ہم دوسرے امکان کو ترجیح دیں گے۔



وَمَا هُوَ بِمُزَحِّجٍ فِي مَآ نَافِيَهٗ - هُوَ مُبْتَدِئٌ أَوْ مُرَكَّبٌ بِمُطَرِّحٍ حَزَّجِهٖ خَبَرُ هَآ كِ - هُوَ كِ ضَمِيرٌ عَلَيَّ هَمَارِی تَرْجِیْہِ  
ہے کہ اسے یُودُ کے اسم شدید خواہش کے لیے مانا جائے یعنی یہ خواہش اسے بچانے والی نہیں ہے عذاب سے کہ اسے لمبی عمر دے  
دی جائے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ	أَحْصَى النَّاسِ	عَلَى حَيَوٰةٍ	وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا
اور تو لازماً پائے گا ان کو	لوگوں میں سب سے زیادہ حریص	زندگی پر	اور ان سے (بھی زیادہ حریص) جنہوں نے شرک کیا

يُودُ	أَحَدُهُمْ	لَوْ يُعَمَّرُ	أَلْفَ سَنَةٍ	وَمَا هُوَ	بِمُزَحِّجٍ
چاہتا ہے	ان کا ہر ایک	کاش وہ عمر دیا جائے	ہزار سال کی	اور یہ (آرزو)	اس کو بچانے والی نہیں ہے

مِنَ الْعَذَابِ	أَنْ يُعَمَّرَ	وَاللَّهُ بِصِيرٍ	بِهَا	يَعْمَلُونَ
عذاب سے	کہ وہ عمر دیا جائے (لمبی)	اور اللہ دیکھنے والا ہے	اس کو جو	یہ لوگ کرتے ہیں

ترجمہ

نوٹ-1

المخبر میں ہے کہ حَوَّصَ باب نصر اور سمع سے آتا ہے لیکن قرآن مجید میں یہ ضرب سے آیا ہے۔ کیونکہ اس کا مضارع مسور العین یعنی  
”ز“ کے زیر کے ساتھ اِنْ تَحْوِضْ آیا ہے (16/ النحل: 37) اس لیے لغت میں ہم نے اسے باب ضرب سے لکھا ہے۔

نوٹ-2

عَلَى حَيَوٰةٍ میں حَيَوٰةٍ مکرہ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ زندگی کے حریص ہیں، چاہے وہ کیسی بھی ہو۔ خواہ عزت کی ہو یا  
ذلت کی ہو۔

### آیت نمبر (97)

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَ  
بُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (96)

ترکیب

مَنْ شرطیہ ہے۔ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ شرط ہے اور اس کا جواب شرط مخذوف ہے۔ تفسیر حقانی میں یہاں پر فَهُوَ عَدُوُّ اللَّهِ  
(تو وہ اللہ کا دشمن ہے) کو مخذوف مانا گیا ہے۔ جبکہ ہمارے استاد محترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب یہ مخذوف مانتے تھے کہ ”دشمن  
ہے تو ہوا کرے۔“ فَإِنَّهُ میں ہا کی ضمیر جبریل کے لیے ہے۔ نَزَّلَهُ میں ہا کی ضمیر قرآن مجید کے لیے ہے۔ اس آیت میں یا اس  
سے پہلے قرآن مجید کا ذکر نہیں ہے لیکن عبارت بتا رہی ہے کہ قرآن کے علاوہ اس ضمیر کا کوئی اور مرجع ماننا ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح  
بَيْنَ يَدَيْهِ میں بھی ہا کی ضمیر قرآن مجید کے لیے ہے۔ مُصَدِّقًا حال ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے اور یہ نَزَّلَهُ کی ضمیر ہا یعنی  
قرآن مجید کا حال ہے۔ اسی طرح سے هُدًى اور بُشْرَى بھی قرآن کا حال ہیں۔

273

قُلْ	مَنْ كَانَ	عَدُوًّا	لِّجَبْرِيلَ	فَإِنَّهُ	نَزَّلَهُ	عَلَى قَلْبِكَ
آپ کہہ دیجئے	جو ہے	دشمن	جبریل کا	تو انہوں نے تو	اتارا اس کو	آپ کے دل پر

ترجمہ

بِإِذْنِ اللَّهِ	مُصَدِّقًا	لِّهَا	بَيْنَ يَدَيْهِ
اللہ کی اجازت سے	تصدیق کرنے والا ہوتے ہوئے	اس کی جو	اس کے پہلے ہے

وَهْدَى	وَبُشْرَى	لِلْمُؤْمِنِينَ
اور ہدایت ہوتے ہوئے	اور بشارت ہوتے ہوئے	ایمان لانے والوں کے لیے

## آیت نمبر (98\_99)

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ﴾ ۹۸ ﴿وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ﴾ ۹۹ ﴿

مَنْ كَانَ	عَدُوًّا	لِلَّهِ	وَمَلَائِكَتِهِ	وَرُسُلِهِ	وَجِبْرِيلَ
جو ہے	دشمن	اللہ کا	اور اس کے فرشتوں کا	اور اس کے رسولوں کا	اور جبریل علیہ السلام کا

ترجمہ

وَمِيكَلَ	فَإِنَّ اللَّهَ	عَدُوٌّ	لِّلْكَافِرِينَ	وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا
اور میکائیل علیہ السلام کا	تو بیشک اللہ	دشمن ہے	انکار کرنے والوں کا	اور بیشک ہم نے اتارا ہے

إِلَيْكَ	آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ	وَمَا يَكْفُرُ	بِهَا	إِلَّا الْفَاسِقُونَ
آپ کی طرف	کھلی نشانیوں کو	اور انکار نہیں کرتے	اس کا	مگر نافرمانی کرنے والے

علماء یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرتے تھے کہ اگر جواب درست ہو تو اہم ایمان لے آئیں گے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام اسی طرح ایمان لائے تھے۔ جبکہ دوسرے علماء جوابات تو درست تسلیم کرتے تھے لیکن یہ کہہ کر انکار کر دیتے تھے کہ آپ پر جبریل وحی لاتے ہیں جن سے ہماری دشمنی ہے کیونکہ وہ سختی اور خونریزی کے احکام لاتے ہیں۔ اگر کوئی اور فرشتہ وحی لاتا تو ہم ایمان لے آتے۔ اس کے جواب میں مذکورہ آیات نازل ہوئیں کہ فرشتے اور رسول تو اللہ کی اجازت سے اس کے احکام لاتے ہیں۔ ان سے دشمنی دراصل اللہ سے دشمنی ہے۔ اس لیے اللہ ایسے لوگوں کا دشمن ہے۔

نوٹ۔ 1

## آیت نمبر (100)

﴿أَوْ كَلِمًا عَهْدًا وَعَهْدًا نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ ط بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝﴾

ن ب ذ

(ض) نَبَذَ کسی چیز کو الگ کرنا۔ پھینک دینا۔ ﴿فَاخَذْنَاهُ وَجُودًا فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۝﴾ (28/ القصص:

40) ”پس ہم نے پکڑا اس کو اور اس کے لشکر کو پھر ہم نے پھینکا ان کو پانی میں۔“

فعل امر ہے۔ تو الگ کر۔ تو پھینک ﴿وَأَمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ﴾

(8/ الانفال: 58) ”اور اگر تم کو خوف ہو کسی قوم سے خیانت کا یعنی معاہدہ کی خلاف ورزی کا تو تم پھینکنا ان کی طرف یعنی معاہدہ کو۔“

(افتعال) انْتَبَذَ الگ ہونا۔ خود کو پھینکنا یعنی گوشہ نشین ہونا۔ ﴿فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝﴾ (19/ مریم: 22) ”تو وہ گوشہ نشین ہوئیں اس کے ساتھ ایک دور دراز جگہ میں۔“

اَوْ کا ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ بنتا ہے ”اور کیا نہیں“ لیکن اس کا پورا مفہوم ہے ”اور کیا ایسا نہیں ہے۔“ کَلِمًا شرطیہ ہے۔ عَهْدًا اَوْ عَهْدًا شرط ہے، عَهْدًا مفعول مطلق ہے اور نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ اس کا جواب ہے۔

ترکیب

ترجمہ

اَوْ	كَلِمًا	عَهْدًا	عَهْدًا
اور کیا (ایسا نہیں ہے کہ)	جب کبھی	ان لوگوں نے معاہدہ کیا	جیسا عہد کرنے کا حق ہے

نَبَذَ	فَرِيقٌ	مِّنْهُمْ ط	بَلْ	اَكْثَرُهُمْ
تو پھینکا اس کو	ایک فریق نے	ان میں سے	بلکہ	ان کے اکثر

لَا يُؤْمِنُونَ
ایمان نہیں لاتے

مفعول مطلق کا استعمال آپ آیت نمبر (2/ البقرہ: 48) میں پڑھ چکے ہیں۔ اب یہ بات سمجھ لیں کہ مزید فیہ کے افعال کے ساتھ اسی باب کا مصدر بھی بطور مفعول مطلق آتا ہے اور ثلاثی مجرد کا مصدر لانا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ آیت زیر مطالعہ میں عَهْدًا اَوْ باب مفاعلہ سے ماضی مذکر غائب کا صیغہ ہے جبکہ اس کا مفعول مطلق ثلاثی مجرد کا مصدر عَهْدًا آیا ہے۔

نوٹ-1

## آیت نمبر (101)

﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ۖ كِتَابَ اللَّهِ وَرَأَوْا ظُهُورَهُمْ كَانَتْهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾

## ترکیب

لَبَّأَ شَرَطِيہ ہے۔ جَاءَ هُمْ سے مَعَهُمْ تک شرط ہے۔ نَبَذَ فَرِيقٌ سے وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ تک جواب شرط ہے۔ جبکہ کَانَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ حال ہے فَرِيقٌ کا۔

جَاءَ کا مفعول هُمْ ہے، اس کا فاعل رَسُولٌ ہے جو کہ موصوف ہے، اس کی صفت مُصَدِّقٌ ہے اور درمیان میں مِنْ عِنْدِ اللَّهِ متعلق فعل ہے۔ مرکب توصیفی رَسُولٌ مُصَدِّقٌ نکرہ مخصوصہ ہے اور لَبَّأَ مَعَهُمْ اس کی خصوصیت ہے۔ نَبَذَ کا فاعل فَرِيقٌ ہے اور یہ بھی نکرہ مخصوصہ ہے۔ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ اس کی خصوصیت ہے۔ أُوتُوا دراصل اُتِيَ (باب افعال) کا ماضی مجہول ہے۔ اس کا نائب فاعل الَّذِينَ ہے اس لیے محلاً رفع میں ہے جبکہ اَلْكِتَابِ اس کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ كَتَبَ اللَّهُ دراصل نَبَذَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور وَرَاءَ ظرف ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔

## ترجمہ

وَلَبَّأَ	جَاءَ هُمْ	رَسُولٌ	مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ	مُصَدِّقٌ	لَبَّأَ
اور جب	آیا ان کے پاس	ایک رسول	اللہ کے پاس سے	تصدیق کرنے والا	اس کی جو

مَعَهُمْ	نَبَذَ	فَرِيقٌ	مِّنَ الَّذِينَ	أُوتُوا	اَلْكِتَابَ	كَتَبَ اللَّهُ
ان کے ساتھ ہے	تو پھینکا	ایک فریق نے	ان میں سے جن کو	دی گئی	کتاب	اللہ کی کتاب کو

وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ	كَانَهُمْ	لَا يَعْلَمُونَ
اپنی پیٹھوں کے پیچھے	جیسے کہ وہ لوگ	جانتے نہیں ہیں

أُوتُوا الْكِتَابَ میں کتاب سے مراد سابقہ کتابیں یعنی تورات اور انجیل ہیں۔ جبکہ كَتَبَ اللَّهُ میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ آیت کے آخر میں ”جیسے کہ وہ لوگ جانتے نہیں ہیں“ کا فقرہ بتا رہا ہے کہ تورات اور انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن مجید اور صحابہ کرامؓ کے متعلق اتنی واضح نشانیاں موجود تھیں کہ انہیں ان کو پہچاننے میں کوئی مشکل پیش نہیں آ سکتی تھی۔ لیکن ان لوگوں نے رویہ وہ اختیار کیا کہ جیسے ان کے پاس یہ علم نہیں ہے۔

نوٹ-1

## آیت نمبر (102)

﴿وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَىٰ مُلْكٍ سُلَيْمٍ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٌ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ  
النَّاسَ السَّحَرَفَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۖ وَمَا يُعَلِّمَنِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۖ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۖ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝﴾

س ح ر

(ف)

273

سِحْرًا

چاندی پر سونے کا ملمع کرنا۔ دھوکا دینا۔ جادو کرنا۔ ﴿سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ﴾ (7/ الاعراف: 116)  
 ”انہوں نے ملمع کیا یعنی جادو کیا لوگوں کی آنکھوں پر۔“

سِحْرُ

اسم ذات بھی ہے۔ ملمع۔ جادو۔ ﴿إِنَّهُ لَكَيْبُرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ (20/ طہ: 71) ”یقیناً یہ تمہارا بڑا ہے جس نے سکھایا تم کو جادو۔“

سَحَرُ

جَاسِحًا۔ ایسی صبح جس پر رات کا ملمع ہو۔ صبح صادق۔ صبح تڑکے۔ ﴿نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ﴾ (54/ القمر: 34) ”ہم نے نجات دی ان کو صبح تڑکے۔“ ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالسَّحَابِ﴾ (3/ آل عمران: 17) ”اور مغفرت طلب کرنے والے سویرے سویرے۔“

سَاحِرٌ

جَاسِحَةٌ اور سَاحِرُونَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ملمع کرنے والا۔ جادو کرنے والا۔ جادوگر۔ ﴿وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ﴾ (20/ طہ: 69) ”اور مراد کو نہیں پہنچتا جادوگر۔“ ﴿وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ﴾ (7/ الاعراف: 113) ”اور آئے جادوگر لوگ فرعون کے پاس۔“ ﴿وَلَا يُفْلِحُ السَّحَرُونَ﴾ (10/ یونس: 77) ”اور مراد کو نہیں پہنچتے جادوگر لوگ۔“

سَحَّارٌ

فَعَّالٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ بڑا جادوگر۔ ﴿يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ﴾ (26/ الشعراء: 37) ”وہ لوگ لے آئیں تیرے پاس ہر ایک جاننے والے بڑے جادوگر کو۔“

مَسْحُورٌ

اسم المفعول ہے۔ جادو کیا ہوا۔ ﴿إِنِّي لَأَكْظُمُكَ يَهُوسُيَ مَسْحُورًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 101) ”کہ میں گمان کرتا ہوں تم کو اے موسیٰ جادو کیا ہوا۔“

مُسَحَّرٌ

باب تفعیل سے اسم المفعول ہے۔ بار بار یعنی کثرت سے جادو کیا ہوا۔ ﴿إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ﴾ (26/ الشعراء: 153) ”کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تو جادو کئے ہوئے لوگوں میں سے ہے۔“

ف ت ن

(ض)

فُتُونًا

سونے کو آگ میں ڈال کر کھراکھوٹا معلوم کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو مطلب ہوتا ہے (۱) کھراکھوٹا الگ الگ کرنے کے لیے آزمائش میں ڈالنا۔ (۲) عذاب دینا۔ اگر غیر اللہ کی طرف نسبت ہو تو مطلب ہوتا ہے۔ (۳) ایسی مشکل یا آفت میں ڈالنا جس میں گمراہی کا امکان غالب ہو۔ (۴) لغزش دینا۔ پھسلا دینا۔ (۵) تکلیف دینا۔ ﴿أَحْسَبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ (29/ العنکبوت: 2) ”کیا لوگوں نے گمان کیا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے کہ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور وہ لوگ آزمائش میں نہ ڈالے جائیں گے۔“ ﴿يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ﴾ (51/ الذریات: 13) ”اس دن وہ لوگ آگ پر عذاب دیے جائیں گے۔“ ﴿وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ﴾ (57/ الحدید: 14) ”اور لیکن یعنی مگر تم لوگوں نے مشکل میں ڈالا اپنے آپ کو۔“ ﴿وَاحْذَرُوا أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ (5/ المائدہ: 49) ”اور آپ محتاط رہیں ان سے کہ وہ لوگ پھسلا دیں آپ کو اس کے بعض سے جو نازل کیا اللہ نے آپ کی طرف۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا الْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ﴾  
(85/ البروج: 10) ”بیشک جن لوگوں نے ایذا دی مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو پھر انہوں نے توبہ نہیں کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔“

اسم الفاعل ہے۔ لغزش دینے والا۔ ﴿مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَتْنِينَ﴾ (37/ الصافات: 162) ”اور تم لوگ اس سے یعنی ایمان سے لغزش دینے والے نہیں ہو یعنی نہیں دے سکتے۔“

اسم ذات ہے۔ (۱) آزمائش۔ (۲) عذاب۔ (۳) مشکل۔ آفت۔ (۴) لغزش۔ گمراہی۔  
(۵) تکلیف۔ ﴿وَأَعْلَبُوا أَنْهًا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةً﴾ (8/ الانفال: 28) ”تم لوگ جان لو کہ دراصل تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔“ ﴿ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ﴾ (51/ الذریات: 14) ”تم لوگ چکھو اپنے عذاب کو۔“ ﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ (8/ الانفال: 25) ”اور تم لوگ بچو ایسی آفت سے جو خاص ان لوگوں کو نہیں پہنچے گی جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے۔“ ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَ يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾ (8/ الانفال: 39) ”اور تم لوگ قتال کرو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے کوئی گمراہی اور ہو جائے نظام حیات، اس کا کل، اللہ کے لیے۔“ ﴿وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ اِنْقَلَبْ عَلَى وَجْهِهِ﴾ (22/ الحج: 11) ”اور اگر پہنچتی ہے اس کو کوئی تکلیف تو وہ پلٹ جاتا ہے اپنے چہرے پر۔“

فَاتِنٌ

فِتْنَةٌ

ض ر ر

کسی کو نقصان پہنچانا۔ تکلیف دینا۔ ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ﴾ (10/ یونس: 106) ”اور تو مت پکار اللہ کے سوا اس کو جو تجھ کو نفع نہیں دیتا اور نقصان نہیں پہنچاتا۔“  
ج ضَرَّاءُ۔ اسم ذات ہے۔ نقصان۔ تکلیف۔ ﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا﴾ (7/ الاعراف: 188) ”آپ کہتے ہیں اختیار نہیں رکھتا اپنی جان کے لیے کسی نفع کا اور نہ ہی کسی نقصان کا۔“ ﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾ (3/ آل عمران: 134) ”وہ لوگ جو انفاق کرتے ہیں آسانیوں میں اور تکالیف میں۔“

ضَرًّا

(ن)

اسم ذات ہے۔ مجبوری۔ عذر۔ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقُعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجَاهِدُونَ﴾ (4/ النساء: 95) ”برابر نہیں ہیں بیٹھنے والے مومنوں میں سے، بغیر عذر والے، اور جہاد کرنے والے۔“

ضَرَرٌ

فَاعِلٌ كے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ تکلیف دینے والا۔ ﴿وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا﴾ (58/ المجادلہ: 10) ”اور وہ نقصان پہنچانے والا نہیں ہے ان کو کچھ بھی۔“

ضَارٌّ

باہم نقصان پہنچانا، تکلیف دینا۔ ﴿وَلَا تُضَارُّوهُمْ لَتُضَيِّقُوا عَلَيْهِمْ﴾ (65/ الطلاق: 6) ”اور تم لوگ تکلیف مت دو ان خواتین کو تا کہ تم لوگ تنگی کرو ان پر۔“

ضَرَارًا

(مفاعله)

اس باب میں مضاعف کا اسم الفاعل اور اسم المفعول دونوں ہم شکل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس کے دو معانی ہیں۔ (۱) نقصان پہنچانے والا۔ (۲) نقصان پہنچایا ہوا۔ ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ﴾ (4/ النساء: 12) ”وصیت کے بعد، اس نے وصیت کی جس کی یا قرض کے بعد، بغیر نقصان پہنچانے والا ہوتے ہوئے۔“

مُضَارٌّ



(افتعال)

اضْطَرَّارًا

مجبور کرنا۔ ﴿ثُمَّ اضْطَرَّارًا إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ط﴾ (2/ البقرہ: 126) ”پھر میں مجبور کروں گا اس کو آگ کے عذاب کی طرف۔“

مُضْطَرٌّ

اس میں بھی دو امکان ہیں۔ (۱) مجبور کرنے والا۔ جابر۔ (۲) مجبور کیا ہوا۔ مجبور۔ لاچار۔ ﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ﴾ (27/ النمل: 62) ”یا کون جواب دیتا ہے یعنی قبول کرتا ہے لاچار کی جب بھی وہ پکارے اس کو۔“

ن ف ع

(ف)

نَفْعًا

فائدہ دینا۔ ﴿أَنذَعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا﴾ (6/ الانعام: 71) ”کیا ہم پکارے اللہ کے سوا اس کو جو ہم کو نفع نہیں دیتا اور نہ ہم کو نقصان پہنچاتا ہے۔“

نَفْعٌ

اسم ذات ہے۔ فائدہ۔ ﴿لَا يَمْلِكُونَ لِنَفْسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ط﴾ (13/ الرعد: 16) ”وہ لوگ اختیار نہیں رکھتے اپنے آپ کے لیے کسی فائدے کا اور نہ کسی نقصان کا۔“

مَنْفَعَةٌ

اسم ذات ہے۔ ہر وہ چیز جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ﴿لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (22/ الحج: 33) ”تمہارے لیے اس میں فائدہ اٹھانے کی چیزیں ہیں ایک مقررہ ميعاد تک۔“

ترکیب

تَتَّبِعُوا مضارع میں واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور اس پر الف کا اضافہ قرآن مجید کا مخصوص املا ہے۔ اس کا فاعل اسم ظاہر الشَّيَاطِينُ عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے مؤنث کا صیغہ بھی جائز ہے۔ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ میں لکن کا اسم ہونے کی وجہ سے الشَّيَاطِينَ نصب میں ہے اور جملہ فعلیہ کَفَرُوا اس کی خبر ہے۔ يُعَلِّمُونَ کا فاعل اس میں شامل ہُم کی ضمیر ہے جو الشَّيَاطِينَ کے لیے ہے جبکہ النَّاسِ اس کا مفعول اول اور السِّحْرُ مفعول ثانی ہے اور یہ پورا جملہ کَفَرُوا کا حال ہے۔ وَمَا أُنْزِلَ عطف ہے وَاتَّبِعُوا پر۔ هَارُوتَ وَمَارُوتَ بدل ہے الْمَلَكَيْنِ کا، اس لیے یہ حالت جر میں ہے اور غیر منصرف ہونے کی وجہ سے تا پر فتح آئی ہے۔ يُعَلِّمِينَ کا فاعل اس میں شامل ہُم کی ضمیر ہے جو ہاروت اور ماروت کے لیے ہے۔ فَيَتَعَلَّمُونَ کا مفعول مَا يُفَرِّقُونَ بہ ہے۔ بِضَارِبِينَ بہ میں ہ کی ضمیر مَا يُفَرِّقُونَ بہ کے لیے ہے۔

ترجمہ

وَاتَّبِعُوا	مَا	تَتَّبِعُوا	الشَّيَاطِينُ	عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ؑ
اور وہ لوگ پیچھے پڑے	اس کے جو	پڑھتے تھے	شیاطین	سلیمان کے ملک میں

وَمَا كَفَرُوا	سُلَيْمَانُ	وَلَكِنَّ	الشَّيَاطِينَ	كَفَرُوا	يُعَلِّمُونَ
اور کفر نہیں کیا	سلیمان نے	اور لیکن (بلکہ)	شیاطین نے	کفر کیا ہے	وہ سکھاتے تھے

النَّاسِ	السِّحْرِ	وَمَا	أُنْزِلَ	عَلَىٰ الْمَلَكَيْنِ	بِبَابِلَ
لوگوں کو	جادو	اور اس کے (پیچھے پڑے) جو	اتارا گیا	دو فرشتوں پر	بابل میں

هَارُوتَ وَمَارُوتَ ط	وَمَا يُعَلِّمِينَ	مِنْ أَحَدٍ	حَتَّىٰ
ہاروت اور ماروت پر	اور وہ دونوں نہیں سکھاتے تھے	کسی ایک کو	یہاں تک کہ

يَقُولَ	إِنَّمَا	نَحْنُ	فِتْنَةٌ	۳ لَا تَكْفُرُ ط
وہ دونوں کہتے	کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	ہم	آزمائش ہیں	پس تو کفر مت کر

فَيَتَعَلَّمُونَ	مِنْهُمَا	مَا	يُفَرِّقُونَ بِهِ	بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ط
تو (بھی) وہ لوگ سیکھتے	ان دونوں سے	اس کو	وہ لوگ جدائی ڈالتے جس سے	مرد اور اس کی بیوی کے مابین

وَمَا هُمْ بِضَآئِرِينَ	بِهِ	مِنْ أَحَدٍ	إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ط	
اور وہ لوگ نقصان پہنچانے والے نہیں ہیں	اس سے	کسی ایک کو	مگر اللہ کی اجازت سے	

وَيَتَعَلَّمُونَ	مَا	يَضُرُّهُمْ	وَلَا يَنْفَعُهُمْ ط	وَلَقَدْ عَلِمُوا
اور وہ سیکھتے	اس کو جو	ان کو نقصان دیتا	اور ان کو نفع نہیں دیتا	اور یقیناً وہ جان چکے تھے

لَكِنَّ اشْتَرَاهُ	مَالَهُ	فِي الْآخِرَةِ	مِنْ خَلْقٍ ط	وَلَيْسَ
کہ بیشک جس نے خریدا اس کو	اس کے لیے نہیں ہے	آخرت میں	کوئی حصہ	اور یقیناً کتنا برا ہے

مَا شَرَوْا بِهِ	أَنْفُسَهُمْ ط	لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ		
وہ، انہوں نے سوا کیا جس سے	اپنے آپ کا	کاش وہ لوگ جانتے ہوتے		

نوٹ-1

اس آیت سے جادو کے متعلق جو راہنمائی حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے۔ (۱) جادو کا وجود اور اس کا مؤثر ہونا ثابت ہے۔ (۲) جادو کا کفر ہونا ثابت ہے۔ (۳) جادو کا اثر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لیے جادو کا توڑ جادو سے کرنا غلط ہے بلکہ اس کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ”جادو کو دور کرنے (یعنی دور رکھنے) اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لیے سب سے اعلیٰ چیز قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کی سورتیں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں ہے۔ اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجے کی چیز ہے“ (ابن کثیر)۔

### آیت نمبر (103)

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَآتَقُوا لَشَوْبَةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ ط لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ع﴾

ث و ب

(ن)

تَوْبًا

کسی چیز کا اپنی اصل کی طرف لوٹنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) منزل مقصود تک پہنچنا۔ (۲) بدلہ پانا (عمل کا عمل کرنے والے یعنی اپنے اصل کی طرف لوٹ آنا)۔

مَثَابَةً

مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ (مَثَابٌ) کے ساتھ تائ وحدت ہے۔ جیسے بَقَرَةٌ بَقَرَةٌ)۔ لوٹنے کی ایک جگہ۔ ﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ (2/ البقرہ: 125) ”اور جب ہم نے بنایا اس گھر کو لوٹنے کا ایک ٹھکانہ لوگوں کے لیے۔“



تَوَابٌ اسم ذات ہے۔ کسی عمل کی جزا۔ بدلہ۔ ﴿فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط﴾ (4/ النساء: 134) ”تو اللہ ہی کے پاس آخرت اور دنیا کی جزا ہے۔“

مَثُوبَةٌ اسم ذات ہے۔ جزا۔ بدلہ۔ ﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذَلِكَ مَثُوبَةً ط﴾ (5/ المائدہ: 60) ”کیا میں خبر دوں تم لوگوں کو اس سے زیادہ شر کی بطور بدلے کے۔“

تَوْبٌ ج ثِيَابٌ۔ اسم ذات ہے۔ کپڑا (کپاس کی منزل مقصود)۔ ﴿يَكْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا ط﴾ (18/ الکہف: 31) ”اور وہ پہنیں گے سبز کپڑے۔“

ثِيْبَاتٌ فَيُعَلِّ کے وزن پر صفت ثِيْبٌ کی جمع مؤنث سالم ہے۔ بیوہ یا طلاق شدہ خواتین (کیونکہ وہ شادی سے پہلے کی حالت پر لوٹ آئی ہیں)۔ ﴿ثِيْبَاتٍ وَآبِكَارًا ط﴾ (66/ التحریم: 5) ”شوہر آشنا خواتین اور کنواریاں۔“

اِثَابَةٌ (افعال) بدلے میں کچھ دینا۔ ﴿فَاثَابَكُمْ غَمًّا يَغْمُ ط﴾ (3/ آل عمران: 153) ”تو اس نے بدلے میں دیا تم لوگوں کو غم پر غم۔“ ﴿فَاثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّتِ ط﴾ (5/ المائدہ: 85) ”تو بدلے میں دیا ان کو اللہ نے، بسبب اس کے جو انہوں نے کہا، باغات۔“

تَثْوِيْبًا (تفعیل) بدلہ دینا۔ ﴿هَلْ تُثَوِّبُ الْكَفَّارَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ط﴾ (83/ المطففين: 36) ”کیا بدلہ دیے گئے کافر لوگ، وہ جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔“

خ ی ر

خَيْرًا (ض) فائدہ مند ہونا۔ صاحب خیر ہونا (لازم)۔ پسند کرنا (متعدی)۔

خَيْرٌ اسم ذات ہے۔ (۱) جس کا انجام پسندیدہ ہو۔ بھلائی۔ خیر۔ (۲) پسندیدہ چیز۔ مال۔ دولت۔ ﴿وَمَا تَقْدِرُوا إِلَّا أَنْفُسُكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ط﴾ (2/ البقرہ: 110) ”اور جو تم لوگ آگے بھیجتے ہو اپنے آپ کے لیے کوئی بھی بھلائی، تم لوگ پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس۔“ ﴿وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ط﴾ (100/ الغدایت: 8) ”اور یقیناً وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔“

خَيْرٌ اس مادہ کا افعال التفضیل اَخْيَرُ بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بجائے زیادہ تر خَيْرٌ استعمال ہوتا ہے اور قرآن مجید میں بھی خَيْرٌ استعمال ہوا ہے۔ اَخْيَرُ کہیں نہیں آیا۔ بہتر یا سب سے بہتر۔ ﴿أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ ط﴾ (7/ الاعراف: 12) ”میں بہتر ہوں اس سے۔“ ﴿بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ج وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ط﴾ (3/ آل عمران: 150) ”بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہی اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔“

خَيْرَاتٌ یہ خَيْرٌ کی جمع مؤنث سالم ہے۔ بھلائیاں۔ نیکیاں۔ ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ط﴾ (21/ الانبیاء: 90) ”بیشک وہ لوگ جلدی کیا کرتے تھے نیکیوں میں۔“

اَخْيَارٌ اَفْعَالٌ کے وزن پر جمع مکسر ہے۔ بہت خیر والا۔ ﴿وَإِذْ كُرِّسُوعُ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ط وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ط﴾ (38/ ص: 48) ”اور یاد کرو اسمعیلؑ کو اور یسعؑ کو اور ذوالکفلؑ کو، وہ سب بہت خیر والوں میں سے ہیں۔“

خَيْرَةٌ پسند کرنے کی قدرت۔ اختیار۔ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ

أَمْرًا أَنْ يَكُونُوا لَهُمُ الْخَيْرُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط ﴿33/ الاحزاب: 36﴾ ”نہیں ہے کسی مومن مرد کے لیے اور نہ ہی کسی مومن عورت کے لیے، جب فیصلہ کرے اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا، کہ ہوا ان کے لیے پسند کرنے کا اختیار اپنے کام میں۔“

(تفعّل) تَخَيَّرَ کسی چیز کو اپنے لیے پسند کرنا۔ ﴿وَفَاكِهَةً مِمَّا يَتَخَيَّرُونَ﴾ ﴿56/ الواقعة: 20﴾ ”اور پھل، اس میں سے جو وہ لوگ پسند کریں۔“

(افعلّ) اِخْتِيَارًا پسندیدہ چیز کو حاصل کر لینا۔ چن لینا۔ منتخب کرنا۔ ﴿وَإِخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا﴾ ﴿7/ الاعراف: 155﴾ ”اور چن لیا موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر مرد۔“

لَوْ شرطیہ ہے۔ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا اشرط ہے اور لَمْ تُؤْبَهُ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ جواب شرط ہے۔ لَمْ تُؤْبَهُ پر لام جواب شرط کا ہے اور مَثْبُوتٌ مبتداء نکرہ ہے، خَيْرٌ اس کی خبر ہے اور مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ متعلق خبر ہے۔ لَوْ کَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کالَوْ متنی ہے۔

ترکیب

وَلَوْ	اَنَّهُمْ	اٰمَنُوْا	وَاتَّقَوْا	لَمْ تُؤْبَهُ	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
اور اگر	یہ کہ وہ لوگ	ایمان لاتے	اور پرہیزگاری کرتے	تو بدلہ	اللہ کے پاس سے

ترجمہ

خَيْرٌ ط	لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ
بہتر ہوتا	کاش وہ لوگ جانتے ہوتے

ترکیب میں بتایا گیا کہ مَثْبُوتٌ نکرہ ہے لیکن مبتداء ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی عام قاعدہ بیان کرنا ہوتا ہے تو ایسی صورت میں مبتداء کو معرفہ اور نکرہ، دونوں طرح سے لانا جائز ہے۔

نوٹ-1

آیت زیر مطالعہ کی لغت میں مادہ ”ث و ب“ کے ایک لفظ مَثَابَةٌ کے معنی بتاتے ہوئے ہم نے بتایا ہے کہ اس کے ساتھ تائے وحدت لگی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب سمجھ لیں۔

نوٹ-2

بعض اسماء کسی چیز کی قسم یا جنس کے لیے آتے ہیں۔ وہ بذاتِ خود بھی واحد ہوتے ہیں اور ان کی جمع بھی آتی ہے لیکن جب اس قسم کی کسی ایک چیز کا ذکر کرنا ہوتا ہے تو اسم جنس کے واحد لفظ کے آخر میں گول تے (ة) کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے عَنَبٌ (انگور) ایک خاص قسم کے پھل کا اسم جنس ہے، اس کی جمع اَعْنَابٌ ہے، لیکن انگور کے ایک دانے کو عِنْبَةٌ کہتے ہیں۔ اسی طرح سے شَجَرٌ (درخت) کی جمع اَشْجَارٌ اور واحد شَجَرَةٌ ہے۔ حَبٌّ (دانہ) کی جمع حَبُوبٌ اور واحد حَبَّةٌ ہے۔ نَبْلٌ (چینٹی) کی جمع نَبَالٌ اور واحد نَمْلَةٌ ہے۔

اب یہ نوٹ کر لیں کہ اسم جنس میں دراصل جمع کا مفہوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا واحد گول تے (ة) کا اضافہ کر کے بناتے ہیں۔ البتہ اس کی جمع اس وقت استعمال ہوتی ہے جب اس جنس کی مختلف اقسام کا ذکر ہو۔ مثلاً ایک باغ میں صرف آم کے درخت ہیں۔ تو ان درختوں کو اَشْجَارٌ نہیں بلکہ شَجَرٌ کہیں گے۔ دوسرے باغ میں کچھ آم کے، کچھ کھجور کے، کچھ بیری کے اور مختلف چیزوں کے درخت ہیں۔ اب ان درختوں کو شَجَرٌ نہیں بلکہ اَشْجَارٌ کہیں گے۔

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے جس جس نے بھی اس کا خیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا

اللہ قبول و منظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب  
کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: [www.khuddam-ul-quran.com](http://www.khuddam-ul-quran.com), [info@khuddam-ul-quran.com](mailto:info@khuddam-ul-quran.com)

03217805614, 0412437618, 0412437781

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد

# بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## سورة البقرة (۲)

### آیت نمبر (104)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

ر ع ی

رَعَايَةً (ف)

(۱) حفاظت کرنا۔ (۲) نظر رکھنا یا نگرانی کرنا۔ (۳) مویشی چرانا۔ (۴) کسی کے حق کی حفاظت کرنا  
یعنی رعایت کرنا۔ ﴿فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ (57/ المائدہ: 27) ”تو انہوں نے حفاظت نہیں کی  
اس کی جیسا کہ اس کی حفاظت کرنے کا حق ہے۔“

فعل امر ہے۔ تو حفاظت کر۔ ﴿كُلُوا وَارْعُوا أَنْعَامَكُمْ ط﴾ (20/ طہ: 54) ”تم لوگ کھاؤ اور چراؤ  
اپنے مویشیوں کو۔“

رَاعٍ اور رَاعُونَ۔ حفاظت کرنے والا۔ چرواہا۔ ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ  
رُءُوفُونَ﴾ (23/ المؤمنون: 8) ”اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے  
ہیں۔“ ﴿لَا تَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ سَكَنَةً﴾ (28/ القصص: 23) ”ہم نہیں پلاتے یہاں تک کہ  
واپس لے جائیں چرواہے۔“

مَرْعًى مَفْعَلٌ لے وزن پر اسم الظرف ہے۔ چراگاہ۔ پھر چارے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَالَّذِينَ  
الَّذِينَ أَخْرَجَ الْمَرْعَى﴾ (87/ الاعلا: 4) ”اور جس نے نکالا چارے کو۔“

مُرَاعَاةً کسی کے حق پر نگاہ رکھنا۔ رعایت کرنا۔  
رَاعٍ فعل امر ہے۔ تو رعایت کر۔ ﴿وَيَقُولُونَ سَبِّحْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمِعْ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لَيْفًا  
بِالْسِّنِّهِمْ﴾ (4/ النساء: 46) ”اور وہ لوگ کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نہ مانا اور آپ سنیے، سنایا  
ہوا ہونے کے بغیر اور (کہتے ہیں) راعنا اپنی زبانوں کو پھیرتے ہوئے۔“

(مفاعله)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	لَا تَقُولُوا	رَاعِنَا	وَقُولُوا	انْظُرْنَا
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو	تم لوگ مت کہو	راعنا	اور کہو	آپ مہلت دیں ہم کو

ترجمہ

وَاسْمَعُوا	وَلِلْكَافِرِينَ	عَذَابٌ أَلِيمٌ
اور تم لوگ سنو	اور انکار کرنے والوں کے لیے	ایک دردناک عذاب ہے

کسی مجلس میں جب کوئی بات کر رہا ہو اور اس کی بات سمجھ میں نہ آئے یا درمیان میں ہم کچھ کہنا چاہیں تو اردو میں ”قطع کلامی  
معاف“ کہنے کا رواج ہے انگریزی میں EXCUSE ME یا BEG YOUR PARDON کہنے کا رواج

نوٹ۔ 1

ہے۔ ایسے ہی عربی میں رَاعِنًا یا اُنْظُرْنَا کہنے کا رواج تھا۔ رَاعِنًا کہنے سے کیوں منع کیا گیا اس کی وجہ سمجھ لیں۔  
 مادہ ”ر ع ی“ سے باب مفاعله میں فعل امر رَاعِ بنتا ہے۔ اس پر جب ضمیر مفعولی نا داخل ہوتی ہے تو لفظ رَاعِنًا بنتا ہے جس کے معنی ہیں ہماری رعایت کریں۔ لیکن اسی مادے سے ثلاثی مجرد میں اسم الفاعل رَاعِ بنتا ہے۔ یہ جب مضاف بنتا ہے تو تنوین ختم ہو جاتی ہے اور اس پر مضاف الیہ نا لگائیں تب بھی لفظ رَاعِنًا بنے گا جس کے معنی ہوں گے ہمارا چرواہا۔ اس طرح یہ ایک ذومعنی لفظ ہے۔ یہودی اور منافق اس کا غلط استعمال کرتے تھے اس لیے یہ لفظ ممنوع قرار دیا گیا۔  
 اس حوالہ سے یہ بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے گفتگو میں ذومعنی الفاظ کا استعمال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

### آیت نمبر (105)

﴿مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ رَبِّكُمْ طَوَّ اللَّهُ يَخْتِصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝﴾

خ ص ص

- (ن) خَصًّا خاص کرنا (متعدی)۔ خاص ہونا (لازم)۔  
 خاصَّ مؤنث خاصَّة فاعل کے وزن پر صفت ہے۔ خاص۔ ﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ (8/ الانفال: 25) ”اور تم لوگ بچو ایک فتنہ سے جو نہیں پہنچے گا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے، خاص ہوتے ہوئے، یعنی صرف ظالموں کو نہیں بلکہ سب کو پہنچے گا۔“  
 مفلس ہونا۔ محتاج ہونا۔  
 (س) خَصَّاصَةً اس ذات بھی ہے۔ مفلسی۔ محتاجی۔ ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَّاصَةٌ﴾ (59/ الحشر: 9) ”اور وہ لوگ ترجیح دیتے ہیں اپنے آپ پر اور اگر یعنی خواہ ہوا ان کو محتاجی۔“  
 اختصاصًا اہتمام سے خاص کرنا۔ چن لینا۔ آیت زیر مطالعہ۔  
 (افتعال)

يَوَدُّ کا فاعل الَّذِينَ كَفَرُوا ہے جس کی وضاحت کے لیے مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ آیا ہے جو کہ متعلق فعل ہے۔ الْمُشْرِكِينَ سے پہلے مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ کے الفاظ مخدوف ہیں اس لئے یہ حالت جر میں ہے۔ أَنْ يُنْزَلَ سے مِنْ رَبِّكُمْ تک پورا جملہ يَوَدُّ کا مفعول ہے۔ يَخْتِصُّ کا فاعل اللَّهُ ہے۔ يَخْتِصُّ اور يَشَاءُ دونوں کا مفعول مَنْ ہے۔

ترکیب

مَا يَوَدُّ	الَّذِينَ كَفَرُوا	مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ	وَلَا الْمُشْرِكِينَ
نہیں چاہتے	وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا	اہل کتاب میں سے	اور نہ ہی شرک کرنے والوں میں سے

ترجمہ

أَنْ يُنْزَلَ	عَلَيْكُمْ	مِنْ خَيْرٍ	مِنْ رَبِّكُمْ ط	وَاللَّهُ
کہ نازل کی جائے	تم لوگوں پر	کوئی بھلائی	تمہارے رب کی طرف سے	اور اللہ

يَخْتَصُّ	بِرَحْمَتِهِ	مَنْ	يَشَاءُ ط	وَاللَّهُ	ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ
مخصوص کرتا ہے	اپنی رحمت سے	ان کو جن کو	و چاہتا ہے	اور اللہ	بڑے فضل والا ہے

## آیت نمبر (106)

﴿ مَا نُنْسخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسخُهَا نَاتٍ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا ط أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ (١٠٦)

ن س خ

نُسْخًا (ف) کسی چیز کا دوسری چیز کو زائل کر کے اس کی جگہ لینا۔ جیسے دھوپ کا سایہ یا سایہ کا دھوپ کی جگہ لینا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً (۱) کتاب کو حرف بہ حرف نقل کرنا۔ (کیونکہ کتاب کے حروف تختی یا کاغذ کی سادہ جگہ کو لے لیتے ہیں)۔ (۲) کسی چیز کو زائل کر دینا۔ ﴿فَيَنْسُخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ﴾ (22/ الحج: 52) ”تو اللہ زائل کرتا ہے اس کو جو ڈالتا ہے شیطان۔“

نُسْخَةُ اسم ذات ہے۔ نقل کیے ہوئے حروف۔ تحریر ﴿وَفِي نُسخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ﴾ (7/ الاعراف: 154) ”اور ان کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی۔“

اِسْتَنْسَاخًا (استعمال) لکھنے کے لیے کہنا۔ لکھوانا۔ ﴿إِنَّا كُنَّا نُنْسخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (45/ الباقیہ: 29) ”ہم لکھواتے تھے جو تم لوگ عمل کرتے تھے۔“

مَا شرطیہ ہے نُنْسخُ اور نُنْسخ شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ جبکہ نَاتٍ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ نُنْسخُهَا مِثْلَهَا اور مِّنْهَا میں ہا کی ضمیریں آيَةٍ کے لیے ہیں۔ لفظ اللہ، اَنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، قَدِيرٌ اس کی خبر ہے اور عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ متعلق خبر ہے۔

ترکیب

مَا نُنْسخُ	مِنْ آيَةٍ	أَوْ نُنْسخُهَا	نَاتٍ
جو ہم زائل کرتے ہیں	کوئی بھی آیت	یا ہم بھلا دیتے ہیں اس کو	تو ہم لاتے ہیں

ترجمہ

بِخَيْرٍ مِّنْهَا	أَوْ مِثْلَهَا ط	أَلَمْ تَعْلَمْ	أَنَّ اللَّهَ	عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ	قَدِيرٌ
اس سے زیادہ بہتر کو	یا اس کی مانند	کیا تو نے جانا نہیں	کہ اللہ	ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے

یہودی نسخ احکام کے قائل نہیں ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا نقص ثابت ہوتا ہے۔ اس دلیل کی بنیاد پر وہ کسی نئی شریعت کے قائل نہیں ہیں، نہ شریعت عیسوی کے اور نہ ہی شریعت محمدی کے۔ ان کی اس دلیل کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور جواب دیا گیا کہ اگر وہ کوئی آیت زائل کرتا ہے تو اس کی جگہ کوئی دوسری آیت نازل کر دیتا ہے۔ اس میں نسل انسانی کے عبوری دور کی طرف اشارہ ہے۔ اسے سمجھ لیں۔

نوٹ-1

احکام کی تبدیلی کی ضرورت اس لیے نہیں تھی کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں تھا کہ کون سا حکم انسانوں کے لیے مفید ہے۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انسانی ذہن اور انسانی معاشرہ نے ارتقائی مراحل طے کیے ہیں۔ اس لیے نسل انسانی کے عبوری دور میں عبوری احکام ہی اس کے حق میں مفید تھے۔ جیسے نوزائیدہ بچے کے لیے ٹھوس غذا نقصان دہ ہوتی ہے لیکن بعد میں وہی ٹھوس غذا اس کے لیے ضروری ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر اپنے مریضوں کی دوا بھی تبدیل کرتا ہے اور ان کی خوراک بھی تبدیل کرتا ہے۔ والدین اور ڈاکٹر یہ کام لاعلمی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے علم کی وجہ سے کرتے ہیں۔

اب نوٹ کر لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے نسل انسانی کا عبوری دور تھا اور خود آپ کا ۲۳ سالہ دور بھی اسی عبوری دور کا آخری حصہ تھا۔ نسل انسانی کا یہ عبوری دور اس دن ختم ہو گیا جس دن اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ والی آیت نازل ہوئی۔ یہ آیت حیات طیبہ کے آخری ایام میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد چند مزید آیات تو نازل ہوئیں لیکن کوئی نیا حکم نہیں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے تقریباً تمام مکاتیب فکرِ نسخ آیات کے امکان اور وقوع، دونوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ صرف معتزلہ ایک ایسا فرقہ گزارا ہے جو اس کے امکان کو تسلیم کرتا تھا لیکن وقوع کو نہیں مانتا تھا۔

### آیت نمبر (107)

﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلٰیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ۝۱۰۷﴾

اَنَّ کا اسم لفظ اللہ ہے اس کی خبر ثابِت محذوف ہے۔ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ متعلق خبر تھے جواب قائم مقام خبر ہیں۔ مِنْ وَّلٰیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ دراصل مبتداء مؤخر نکرہ وَّلٰیٍّ اور نَصِیْرٍ تھے جو مِنْ تبعیضیہ داخل ہونے کی وجہ سے مجرور ہوئے ہیں۔ ان کی خبر مَوْجُوْدًا محذوف ہے۔ مَا نافیہ ہے۔ لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔

ترکیب

اَلَمْ تَعْلَمْ	اَنَّ اللّٰهَ	لَهٗ	مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط
کیا تو نے جانا نہیں	کہ اللہ	کے لیے ہے	زمین اور آسمانوں کا اقتدار

ترجمہ

وَمَا لَکُمْ	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	مِنْ وَّلٰیٍّ	وَّ لَا نَصِیْرٍ
اور تمہارے لیے نہیں ہے	اللہ کے علاوہ	کوئی بھی کارساز	اور نہ ہی کوئی مددگار

جب کسی نکرہ اسم پر مِنْ لگا کر اسے مزید نکرہ کرتے ہیں تو اسے مِنْ تبعیضیہ کہتے ہیں۔ جیسے کِتَابٌ کا مطلب ہے کوئی کتاب۔ جبکہ مِنْ کِتَابٍ کا مطلب ہے کسی قسم کی کوئی بھی کتاب۔ اسی طرح وَّلٰیٍّ اور نَصِیْرٍ کا مطلب ہے کوئی کارساز اور کوئی مددگار۔ جبکہ مِنْ وَّلٰیٍّ اور مِنْ نَصِیْرٍ کا مطلب ہے کسی قسم کا کوئی بھی کارساز اور مددگار۔

نوٹ۔ 1

### آیت نمبر (108)

﴿اَمْ تَرْیَدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَکُمْ کَمَا سِـَٔلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ط وَ مَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝۱۰۸﴾



سَبِيلًا

سَبِيلٌ

کسی پر الزام دینے کی راہ نکالنا۔ گالی دینا۔

ج سُبُلٌ۔ فَعِيلٌ کا وزن ہے لیکن اسم الفاعل یا صفت کے بجائے اسم ذات کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ (۱) راہ۔ راستہ۔ (۲) الزام۔ اس معنی میں عموماً علی کے ساتھ آتا ہے۔ ﴿أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ﴾ (16/ النحل: 125) ”دعوت دواپنے رب کے راستے کی طرف حکمت سے۔“ ﴿فَأْتِ ذَاقُ الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمُسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ط﴾ (30/ الروم: 38) ”پس دو قربت والے کو اس کا حق اور ضرورت مند کو اور راستے کے بیٹے یعنی مسافر کو۔“ ﴿فَأُولَئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ط﴾ (2/ البقرہ: 41) ”تو یہ لوگ ہیں نہیں ہے ان پر کوئی راہ یعنی کوئی الزام۔“ ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط﴾ (29/ العنکبوت: 69) ”اور جن لوگوں نے جدوجہد کی ہمارے لیے تو ہم لازماً ہدایت دیں گے ان کو اپنے راستوں کی۔“

ترکیب

أَنْ تَسْأَلُوا سے مِنْ قَبْلُ تک پورا جملہ تُرِيدُونَ کا مفعول ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے، يَتَّبِعْدَلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ شرط ہے اور فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ جواب شرط ہے۔ سَوَاءَ السَّبِيلِ مرکب اضافی ہے اور ضَلَّ کا ظرف ہے۔ اس لیے اس کے مضاف سَوَاءَ پر نصب آئی ہے۔

ترجمہ

أَمْ تُرِيدُونَ	أَنْ تَسْأَلُوا	رَسُولَكُمْ	كَمَا	سُئِلَ
یا تم لوگ چاہتے ہو	کہ تم لوگ پوچھو	اپنے رسول سے	اس کی مانند جو	پوچھا گیا

مُوسَى	مِنْ قَبْلُ ط	وَمَنْ يَتَّبِعْدَلِ	الْكُفْرَ	بِالْإِيمَانِ	فَقَدْ ضَلَّ
موسیٰ سے	اس سے پہلے	اور جو بدلہ میں لیتا ہے	کفر کو	ایمان کے عوض	تو وہ بھٹک گیا ہے

سَوَاءَ السَّبِيلِ					
راہ کے وسط سے					

نوٹ۔ 1

نسخ احکام کے پس منظر میں یہودی ایسے سوالات اٹھاتے تھے جن کے بین السطور اسلامی احکام پر اعتراض اور ترمیم یا تبدیلی کی تجویز مضمّن ہوتی تھی۔ منافقین اور کچھ سادہ لوح صحابی ان سے متاثر ہو کر وہی سوالات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرتے تھے۔ اس نوعیت کے سوالات کرنے سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع کیا ہے۔ ترجمہ پر ایک مرتبہ پھر غور کر لیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ ممانعت کا اندازہ صرف تیکھا ہے بلکہ یہ راز بھی فاش کر رہا ہے کہ اس نوعیت کے سوالات کہاں سے امپورٹ ہوتے ہیں اور ان کا COUNTRY OF ORIGIN کیا ہے؟ ساتھ ہی یہ واضح کر دیا کہ یہ روش اختیار کرنا کفر کو دعوت دینا ہے۔

یہ نہ سمجھیں کہ یہ روش صرف حیات طیبہ کے دوران تھی اب ختم ہو چکی ہے۔ یہ سلسلہ آج بھی زیادہ



شد و مد سے جاری ہے، البتہ اس کا تکیہ اب نسخ احکام کے بجائے اجتہاد پر ہوتا ہے، لیکن اس کا COUNTRY OF ORIGIN بھی وہی ہے اور اس کے لیے حکم بھی وہی ہے۔

کسی حکم کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حقیقی منشاء و مرضی معلوم کرنے کی نیت سے سوال کرنا ایک بالکل مختلف روش ہے۔ اس کی ممانعت نہ تو حیاتِ طیبہ کے دوران تھی اور نہ آج ہے اس کے لیے اصحابِ صفہ کی ایک جماعت اُس وقت مصروفِ کار تھی اور الحمد للہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

### آیت نمبر (109)

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا ۚ حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۰۹﴾

ح س د

(ن) حَسَدًا

کسی کی نعمت کے زوال کی تمنا کرنا یا کوشش کرنا۔ ﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ﴾ (4/ النساء: 54) ”یا وہ لوگ حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے۔“

حَاسِدٌ اسم الفاعل ہے۔ حسد کرنے والا۔ ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۖ﴾ (113/ الفلق: 5) ”اور حسد کرنے والے کے شر سے جب بھی وہ حسد کرے۔“

ص ف ح

(ف) صَفْحًا

نظر انداز کرنا۔ درگزر کرنا۔ ﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۚ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۖ﴾ (24/ النور: 22) ”اور چاہیے کہ وہ لوگ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم لوگ پسند نہیں کرتے کہ اللہ معاف کرے تم کو۔“

إِصْفَحَ فعل امر ہے۔ تو درگزر کر۔ نظر انداز کر۔ ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝۱۵﴾ (5/ المائدہ: 13) ”پس تو معاف کر ان کو اور نظر انداز کر بیشک اللہ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو۔“

ترکیب

وَدَّ کا فاعل کَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ہے اور لَوْ يَرُدُّونَكُم سے کُفَّارًا تک پورا جملہ اس کا مفعول ہے۔ يَرُدُّونَ کا فاعل اس میں شامل ہُم کی ضمیر ہے اور کُم کی ضمیر اس کا مفعول ہے، جبکہ کُفَّارًا ضمیر مفعولی کُم کا حال ہے۔ تفسیر حقانی میں حَسَدًا کو مفعول مانا گیا ہے۔ لیکن ہماری ترجیح یہ ہے کہ اسے يَرُدُّونَ کی ضمیر فاعلی ہُم یعنی کَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ کا حال مانا جائے۔

وَدَّ	کَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ	لَوْ يَرُدُّونَكُم
چاہا	اہل کتاب کی اکثریت نے	کاش وہ لوگ پھیر دیں تم لوگوں کو

مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ	كُفَّارًا ۖ	حَسَدًا	مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ
تمہارے ایمان کے بعد	کفر کرنے والی حالت میں	حسد کرتے ہوئے	اپنے جی ہی جی میں

مِّنْ بَعْدِ مَا	تَبَيَّنَ	لَهُمْ	الْحَقُّ ۖ	فَاعْفُوا	وَاصْفَحُوا
اس کے بعد (بھی) کہ جو	واضح ہوا	ان کے لیے	حق	پس تم لوگ معاف کرو	اور نظر انداز کرو

ترجمہ

حَاشَى	يَا قَتِي	اللَّهُ	بِأَمْرِهِ ط	إِنَّ اللَّهَ	عَلَى كُلِّ شَيْءٍ	290 قَدِيرٌ
یہاں تک کہ	لائے	اللہ	اپنا فیصلہ	بیشک اللہ	ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے

نوٹ-1

اس آیت میں اللہ نے حاسدوں سے DEAL کرنے کے لیے ہم کو ایک THREE STEP FORMULA دیا ہے۔  
 (۱) انہیں معاف کرو۔ (۲) ان کی حرکتوں کو نظر انداز کرو۔ (۳) اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو۔ اس فارمولے کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ اللہ ہر چیز پر ہمیشہ اور ہر حال میں قدرت رکھنے والا ہے۔ کسی حاسد کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر ہم کو کچھ بھی نقصان پہنچا سکے۔ اور اللہ تعالیٰ چونکہ ہمارا رب بھی ہے اس لیے وہ اجازت صرف اس وقت دیتا ہے جب ظاہری نقصان میں ہمارا کوئی فائدہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس کی قدرت کا عالم یہ ہے کہ وہ مردہ میں سے زندہ کو اور رات میں سے دن کو نکال لاتا ہے۔ ایسی قدر ہستی کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ کسی نقصان میں سے فائدہ برآمد کر دے۔ البتہ اس پوشیدہ فائدہ کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب وہ ہمارے لیے مفید ہو۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم مذکورہ فارمولے پر عمل کریں اور اللہ کے فیصلے کا انتظار کریں۔ اس کے خلاف عمل کر کے ہو سکتا ہے کہ پوشیدہ فائدے سے ہم خود کو محروم کر لیں۔

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان سے حسد کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی کوشش کو کامیاب ہونے کی اجازت دی۔ اس میں جو فائدہ پوشیدہ تھا اس کا اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن آج ساری دنیا جانتی ہے کہ اس طرح مصر میں بنو اسرائیل کے اقتدار کی بنیاد رکھی گئی تھی اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس فائدے کا ظہور کتنی طویل مدت کے بعد ہوا۔

### آیت نمبر (110)

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ط إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۱۱۰﴾

ترکیب

وَأَقِيمُوا کا واؤ گزشتہ آیت کے فاعفُوا وَاَصْفَحُوا پر عطف ہے۔ وَمَا تُقَدِّمُوا کا مَا موصولہ بھی ہے اور شرطیہ بھی۔  
 تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ شرط ہے اور تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ جواب شرط ہے۔ مِنْ خَيْرٍ کا مِنْ تبعیضیہ ہے۔  
 تَجِدُوهُ میں ہ کی ضمیر مَا کے لیے ہے۔

ترجمہ

وَأَقِيمُوا	وَأَتُوا	الزَّكَاةَ ط	وَمَا	تُقَدِّمُوا
اور تم لوگ قائم کرو	اور پہنچاؤ	زکوٰۃ کو	اور جو	تم لوگ آگے بھیجو گے

لِأَنفُسِكُمْ	مِنْ خَيْرٍ	تَجِدُوهُ	عِنْدَ اللَّهِ ط	إِنَّ اللَّهَ
اپنے آپ کے لیے	کوئی بھی بھلائی	تو تم لوگ پاؤ گے اس کو	اللہ کے پاس	یقیناً اللہ

بِمَا تَعْمَلُونَ	بَصِيرًا 290
اس کو جو تم لوگ کرتے ہو	ہر حال میں دیکھنے والا

نوٹ-1

لفظ اَتُوا اور اَتُوا کے فرق کو سمجھ کر اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ اَتُوا باب افعال میں فعل امر ات کا جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ اس کی اصلی شکل اَتِيُوا تھی جو ناقص کے قاعدے کے تحت تبدیل ہو کر اَتُوا بنتی ہے۔ پھر جب اسے آگے ملاتے ہیں تو واؤ پر علامت سکون کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس لیے اَتُوا الزکوٰۃ لکھا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں تم لوگ زکوٰۃ ادا کرو۔ جبکہ اَتُوا باب افعال میں ماضی معروف کا جمع مکرر غائب کا صیغہ ہے۔ اس کی اصلی شکل اَتِيُوا تھی جو ناقص کے قاعدے کے تحت تبدیل ہو کر اَتُوا بنتی ہے۔ پھر آگے ملانے کے لیے واؤ پر ضمہ لگاتے ہیں تو یہ اَتُوا الزکوٰۃ لکھا جاتا ہے اس کے معنی ہیں ان لوگوں نے زکوٰۃ ادا کی۔

نوٹ-2

گذشتہ آیت میں حسد کے علاج کے لیے جو فارمولا دیا گیا ہے اس پر عمل کرنے اور خاص طور سے اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرنے کے لیے انسان کو جس ٹانک کی ضرورت ہے، اس آیت میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس ٹانک کی تاثیر کے دو پہلو ہیں۔ اولاً یہ کہ نماز، زکوٰۃ اور دیگر اعمال صالحہ کا اہتمام کرنے سے اللہ کے فیصلے کا انتظار کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ثانیاً یہ کہ حاسد سے الجھ کر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے وہی وقت بامقصد اور تعمیری کاموں میں صرف کرو گے تو ظاہری نقصان میں پوشیدہ فائدے کے مستحق قرار دیے جاؤ گے۔

نوٹ کر لیں کہ آسودگی یا پریشانی، ہر حال میں، ہر مسلمان پر نماز اور زکوٰۃ فرض ہے۔ حسد کے علاج کے طور پر یہاں جس نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ہے، وہ نفل عبادات اور صدقات ہیں۔

### آیت نمبر (111)

﴿وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرِيًّا تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝﴾

ہ ت و

(ن)

هَتُوا

کسی چیز کو توڑ کر روندنا۔

(مفاعله)

هَتَاءً

دوسرے کی بات کو روندنا۔ اپنی رائے دینا۔

هَاتٍ

ج ہاتوا۔ فعل امر ہے۔ تو دے۔ تولا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ب ر ہ

(س)

بَرَّهًا

جسم کا صحت مند ہونا۔ صحت مند جلد کی طرح چمکدار ہونا۔

بُرْهَانٌ

فُعْلَانٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ انتہائی چمکدار۔ انتہائی روشن۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ

زیادہ تر فیصلہ کن دلیل کے لیے آتا ہے۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ﴾

”(4/ النساء: 174) ”اے لوگو! آچکی ہے تمہارے پاس ایک انتہائی روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔“

ترجمہ

وَقَالُوا	لَنْ يَدْخُلَ	الْجَنَّةَ	إِلَّا مَنْ	كَانَ هُودًا
اور انہوں نے کہا	ہرگز داخل نہیں ہوگا	جنت میں	سوائے اس کے جو	یہودی ہو

اَوْ نَصْرٰى ط	تِلْكَ اَمَانِيْهُمْ ط	قُلْ	هَاتُوْا	90 هَٰٓؤُنَّ
یاعیسائی ہو	یہ ان کی آرزوئیں ہیں	آپ کہئے	تم لوگ دو	اپنی روشن دلیل

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ
اگر تم لوگ سچے ہو

هُودًا اَوْ نَصْرٰى میں اَوْ تفصیل کے لیے ہے۔ یعنی یہودی اپنے لیے اور نصری اپنے لیے یہی بات کہتے تھے۔

نوٹ-1

اس آیت میں برہان کا مطلب یہ ہے کہ اگر تورات یا انجیل میں ایسی کوئی بات موجود ہے تو اسے سامنے لاؤ۔

نوٹ-2

### آیت نمبر (112)

﴿بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۱۲﴾

و ج ه

(ک)

وَجَاهَةً

وَجِيْهٍ

وَجْهٌ

جِهَةٌ

بلند رتبہ ہونا۔ باعزت ہونا۔

فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ بلند رتبہ۔ باعزت۔ ﴿اَسْبَهُ الْمَسِيْحِ عِيْسٰى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ﴾ (3/ آل عمران: 45) ”ان کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے، بلند رتبہ ہوتے ہوئے دنیا اور آخرت میں۔“

نَجْوُجُوْهُ۔ اسم ذات ہے اور مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کسی چیز کا اشرف یا ابتدائی حصہ۔ ﴿اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلٰی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاَكْفُرُوْا اٰخِرًا﴾ (3/ آل عمران: 72) ”تم لوگ ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا گیا ان پر جو ایمان لائے، دن کے اشرف حصہ میں یعنی صبح کو اور انکار کرو اس کے آخر میں یعنی شام کو۔“

(۲) چہرہ (کیونکہ یہ انسان کا اشرف اور ابتدائی حصہ ہے)۔ ﴿فَالْقُوَّةُ عَلٰی وَجْهِ اٰنٰی يٰٓاَتِ بِصِيْرًا﴾ (12/ یوسف: 93) ”پس ڈالو اس کو میرے والد کے چہرے پر تو وہ ہو جائیں گے دیکھنے والے۔“ ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ وَاَسْوَدُ وُجُوْهُ﴾ (3/ آل عمران: 106) ”جس دن سفید یعنی روشن ہو جائیں گے کچھ چہرے اور سیاہ ہو جائیں گے کچھ چہرے۔“

(۳) توجہ۔ خوشنودی۔ ﴿اِنَّمَا نَطْعُكُمْ لَوْجِهٍ اللّٰهِ﴾ (76/ الدھر: 9) ”کچھ نہیں سوائے اس کے کہ ہم کھلاتے ہیں تم لوگوں کو اللہ کی خوشنودی کے لیے۔“ ﴿اِقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوْ اَطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهَ اٰبَائِكُمْ﴾ (12/ یوسف: 9) ”تم لوگ قتل کرو یوسف کو یا پھینک دو ان کو کسی زمین میں تو خالی یعنی خالص ہو جائے گی تمہارے لیے تمہارے والد کی توجہ۔“

نَجْوَجِهَةٌ۔ اسم ذات ہے۔ توجہ کرنے کی سمت۔ ﴿وَلِلَّحْلِ وَجْهَةٌ هُوَ مَوْلِيْهَا﴾ (2/ البقرہ: 148) ”اور سب کے لیے توجہ کرنے کی کچھ سمتیں ہیں، وہ پھیرنے والا ہے یعنی اپنے چہرے کو پھیرنے والا ہے اس کی طرف۔“

(تفعیل)

تَوَجَّهَهَا

(۱) کسی کا رخ کسی جانب کرنا۔ (۲) کسی کو کسی جانب بھیجنا۔ ﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلدِّينِ فَطَرِ السُّبُوتِ وَالْأَرْضِ﴾ (6/ الانعام: 79) ”میں رخ کرتا ہوں اپنے چہرے کا اس کی طرف جس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو۔“ ﴿أَيْنَمَا يُوْجِّهْهُ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ ط﴾ (16/ النحل: 76) ”جہاں کہیں وہ بھیجتا ہے اس کو تو وہ نہیں لاتا کوئی بھلائی۔“

(تفعل)

تَوَجَّهَهَا

اپنا رخ کسی جانب کرنا۔ متوجہ ہونا۔ ﴿وَلَبَّاتُ تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ﴾ (28/ القصص: 22) ”اور جب وہ متوجہ ہوئے مدین کے سامنے۔“

ترکیب

مَنْ شَرْطِيَهٗ ہے۔ اَسْلَمَ سے مُحْسِنٌ تک شرط ہے۔ فَلَهُ سے يَحْزَنُونَ تک جواب شرط ہے۔ اَسْلَمَ میں شامل ضمیر هُوَ اس کا فاعل ہے، جو کہ مَنْ کے لیے ہے۔ مرکب اضافی وَجْهَهُ اس کا مفعول ہے، اس لیے اس کے مضاف وَجْهٌ پر نصب آئی ہے۔ وَهُوَ مُحْسِنٌ کا واوِ حالیہ ہے۔ مرکب اضافی أَجْرُهُ مبتداء مؤخر ہے۔ اس کی خبر مخدوف ہے، جو کہ ثَابِتٌ ہو سکتی ہے۔ فَلَهُ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ خَوْفٌ مبتداء نکرہ ہے کیونکہ اصول بیان کیا گیا ہے۔ اس کی خبر مخدوف ہے جو کہ مَوْجُودٌ ہو سکتی ہے۔

ترجمہ

بَلَىٰ	مَنْ اَسْلَمَ	وَجْهَهُ	لِلّٰهِ	وَ	هُوَ
کیوں نہیں	جس نے تابعدار کیا	اپنے چہرے کو	اللہ کے لیے	اس حال میں کہ	وہ

مُحْسِنٌ	فَلَهُ	أَجْرُهُ	عِنْدَ رَبِّهِ ۝
محسن ہے	تو اس کے لیے ہے	اس کا اجر	اس کے رب کے پاس

وَلَا خَوْفٌ	عَلَيْهِمْ	وَلَا هُمْ	يَحْزَنُونَ
اور کوئی خوف نہیں ہے	ان پر	اور نہ ہی وہ لوگ	پچھتاتے ہیں

نوٹ۔ 1

قرآن مجید کا یہ ایک خاص انداز ہے کہ اکثر وہ کسی چیز کے کسی جز کا ذکر کر کے اس چیز کے کل کو مراد لیتا ہے۔ نماز کے ذکر میں یہ انداز نسبتاً زیادہ واضح ہے جیسے ﴿فَمُكِّنَ إِلَآ قَلِيلًا﴾ (73/ المزل: 2) ”اس میں نماز کے ایک رکن قیام کا ذکر کر کے نماز مراد لی گئی ہے۔“ ﴿وَأَنكَعُوا مَعَ الرُّكْعَيْنِ ۝﴾ (2/ البقرہ: 43) ”اس میں نماز کے ایک رکن رکوع کا ذکر کر کے نماز باجماعت مراد لی گئی ہے۔ اسی طرح آیت زیر مطالعہ میں وَجْهَهُ سے صرف چہرہ نہیں بلکہ پوری شخصیت مراد ہے۔

### آیت نمبر (113)

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَقَالَتِ النَّصْرَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِیْمَا كَانُوا فِیْهِ يَخْتَلِفُونَ ۝﴾ (۱۱۳)

## ترکیب

اَلْيَهُودُ اور اَلنَّصْرٰی عاقل کی جمع مکسر ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ افعال کے مذکر اور مؤنث دونوں صیغہ 290 ہیں۔ اس آیت میں قَالَتْ اور لَيْسَتْ مؤنث کے صیغے آئے ہیں۔

لَيْسَتْ النَّصْرٰی اور لَيْسَتْ اَلْيَهُودُ میں اَلنَّصْرٰی اور اَلْيَهُودُ دونوں لَيْسَتْ کا اسم ہیں، ان کی خبر محذوف ہے جو کہ قائماً ہو سکتی ہے، جبکہ علیٰ شئِ متعلق خبر ہے۔ وَهُمْ يَتْلُونَ کا ووا حال ہے۔ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کا مفعول قَوْلًا، محذوف ہے، مرکب اضافی مِثْلَ قَوْلِهِمْ اس کی صفت ہے اس لیے مضاف مِثْلَ پر نصب آئی ہے۔

## ترجمہ

وَقَالَتِ الْيَهُودُ	لَيْسَتْ النَّصْرٰی	عَلٰی شَيْءٍ ۝۳	وَقَالَتِ النَّصْرٰی
اور کہا یہود نے	نہیں ہیں عیسائی	کسی چیز پر	اور کہا عیسائیوں نے

لَيْسَتْ الْيَهُودُ	عَلٰی شَيْءٍ ۝۳	وَ	هُمْ يَتْلُونَ	الْكِتٰبِ ۝
نہیں ہیں یہود	کسی چیز پر	اس حال میں کہ	وہ لوگ پڑھتے ہیں	کتاب کو

كَذٰلِكَ	قَالَ	الَّذِيْنَ	لَا يَعْلَمُوْنَ	مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۝	فَاللّٰهُ
ایسے ہی	کہا	ان لوگوں نے جو	علم نہیں رکھتے	ان کے قول کی مانند	تو اللہ

يَحْكُمُ	بَيْنَهُمْ	يَوْمَ الْقِيَمَةِ	فِيْمَا	كَانُوا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ
فیصلہ کرے گا	ان کے مابین	قیامت کے دن	اس میں	وہ لوگ اختلاف کیا کرتے تھے جس میں

## نوٹ-1

اس آیت میں اَلْكِتٰب سے مراد ہے توراۃ اور انجیل۔ چنانچہ توراۃ اور انجیل پڑھنے والے علماء یہود اور علماء نصری کے قول کو نقل کرنے کے بعد ہمیں بتایا گیا ہے کہ ایسی ہی بات وہ یہود اور نصری بھی کہتے ہیں جو علم نہیں رکھتے یعنی جاہل ہیں۔ اس طرح عالم اور جاہل برابر ہو گئے۔ یہاں زندگی کے ایک اہم اصول کی جانب ہماری راہنمائی کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ SUBJECTIVE THINKING یعنی کسی آرزو سے مغلوب سوچ، انسان کو عالم سے جاہل بنا دیتی ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے علماء کرام کے لیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔

## آیت نمبر (114)

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوْهَا إِلَّا خَافِيْنَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۱۴﴾

## م ن ع

## (ف)

مَنْعًا (۱) کسی کو کسی کام سے روکنا۔ ﴿مَا مَنَعَكَ إِلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْنَاكَ ۝﴾ (7/ الاعراف: 12) ”کس چیز

نے روکا تجھ کو کہ تو سجدہ نہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھ کو۔“

(۲) کسی چیز کو اپنے پاس روکنا۔ کنجوسی کرنا۔ ﴿وَيَمْنَعُونَ الْبَاقُونَ ۝﴾ (107/ الماعون: 7) ”اور

اپنے پاس روکتے ہیں برتنے کی چیز کو۔“



(۳) کسی کو نقصان پہنچانے سے روکنا۔ کسی کو کسی سے بچانا۔ ﴿الَّذِينَ نَسْتَحِذُ عَنْكُمْ وَنَسْعَمُ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (4/ النساء: 141) ”کیا ہم قابو یافتہ نہ تھے تم پر اور کیا ہم نے نہیں بچایا تم کو مومنوں سے۔“

مَنْعٌ مؤنث مَانَعَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ روکنے والا۔ بچانے والا۔ ﴿وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهُمْ مَّا نَعْتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (59/ الحشر: 2) ”اور انہوں نے گمان کیا کہ ان کو بچانے والے ہیں ان کے قلعے اللہ سے۔“

مَنْوُوعٌ مؤنث مَمْنُوعَةٌ۔ اسم المفعول ہے۔ روکا ہوا۔ ﴿وَكَاهَنَةٌ كَثِيرَةٌ لَا يَقْطَعُونَ وَلَا مَمْنُوعَةٌ﴾ (56/ الواقعة: 32-33) ”اور کثیر پھل، نہ کاٹے ہوئے اور نہ روکے ہوئے۔“

مَنْوُوعٌ فَعُولٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت روکنے والا۔ ﴿وَ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا﴾ (70/ المعارج: 21) ”اور جب بھی پہنچے اس کو بھلائی تو بہت کنجوسی کرنے والا ہو۔“

مَنْعٌ فَعَالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت روکنے والا۔ ﴿مَنْعًا لِلْخَيْرِ﴾ (50/ بقرہ: 25) ”بہت روکنے والا بھلائی سے۔“

## س ع ی

سَعِيًّا (ف) تیز چلنا۔ کسی کام کے لیے بھاگ دوڑ کرنا۔ کوشش کرنا۔ ﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ﴾ (57/ الحديد: 12) ”جس دن تو دیکھے گا مومنوں اور مومنات کو، چلتا ہوگا ان کا نور ان کے سامنے۔“ ﴿يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعَىٰ﴾ (79/ الزلزال: 35) ”جس دن یاد کرے گا انسان جو اس نے بھاگ دوڑ کی۔“

إِسْعٌ فعل امر ہے۔ تو دوڑ۔ تو کوشش کر۔ ﴿اِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (62/ البقرہ: 9) ”جب بھی ندا دی جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن تو تم لوگ لپکو اللہ کے ذکر کی طرف۔“

سَعَىٰ اسم ذات ہے۔ بھاگ دوڑ۔ کوشش۔ ﴿فَلَا كُفْرَانَ لِّسَعِيهِ﴾ (21/ الانبیاء: 94) ”تو کسی قسم کی کوئی ناشکری نہیں ہے اس کی کوشش کی۔“

## خ ر ب

خَرَبًا (س) کسی جگہ کا اجاڑ ہونا۔ ویران ہونا۔

خَرَابٌ اسم ذات ہے۔ ویرانی۔ آیت زیر مطالعہ۔

إِخْرَابًا (افعال) اجاڑنا۔ ویران کرنا۔ ﴿يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ﴾ (59/ الحشر: 2) ”وہ لوگ اجاڑتے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے۔“

## ترکیب

مَنْ استفہامیہ مبتداء ہے اور اَظْلَمُ اس کی خبر ہے۔ مَنَّ اصل میں مَنْ مَنْ ہے۔ یہ مَنْ جمع کے مفہوم میں ہے۔ لفظی رعایت کے تحت فعل مَنْع اور سَعَى واحد آیا ہے۔ پھر معنوی رعایت کے تحت اسم اشارہ اُولَٰئِكَ اور لَهُمْ میں هُمْ کی ضمیر جمع آئی ہے۔ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مرکب اضافی ہے اور مَنْع کا مفعول ہے۔ فِیْہَا میں ہا کی ضمیر مساجد کے لیے ہے جبکہ اِسْمُہ میں ہا کی ضمیر اللہ کے لیے ہے۔ خَرَابُہَا میں بھی ہا کی ضمیر مساجد کے لیے ہے، خَائِفِیْنِ حال ہے۔ خَزْمِی اور عَذَابٌ عَظِیْمٌ مبتداء مؤخر مکررہ ہیں اور ان کی خبریں محذوف ہیں۔

ترجمہ

وَمَنْ	أَظْلَمُ	مِمَّنْ	مَمْنَعٌ	مَسْجِدَ اللَّهِ	أَنْ يُذْكَرَ
اور کون	زیادہ ظالم ہے	ان سے جو	روکیں	اللہ کی مسجدوں کو	کہ یاد کیا جائے
فِيهَا	أَسْبَهُ	وَسَعَى	فِي خَرَائِبِهَا	أُولَئِكَ	
ان میں	اس کے نام کو	اور کوشش کریں	ان کی ویرانی میں	یہ لوگ ہیں	
مَا كَانَ لَهُمْ	أَنْ يُدْخِلُوهُمَا	إِلَّا خَائِفِينَ			
نہیں تھا جن کے لیے	کہ وہ داخل ہوں ان میں	مگر خوف کرنے والے ہوتے ہوئے			
لَهُمْ فِي الدُّنْيَا	خِزْيٌ	وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ	عَذَابٌ عَظِيمٌ		
ان کے لیے دنیا میں ہے	ایک رسوائی	اور ان کے لیے آخرت میں ہے	ایک عظیم عذاب		

مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں اس آیت سے حاصل ہونے والی راہنمائی پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:-

نوٹ-1

- ۱۔ مسجد میں نماز اور ذکر سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز اور حرام ہیں۔
- ۲۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی کو مسجد میں جانے سے صراحتاً روکا جائے۔
- ۳۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور کر کے یا اس کے قریب جوار میں شور کر کے لوگوں کی نماز اور ذکر میں خلل ڈالے۔ یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے۔
- ۴۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جب لوگ اپنے نوافل یا تسبیح و تلاوت میں مصروف ہوں اس وقت مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت یا ذکر کرنے لگے تو یہ بھی نمازیوں کی نماز و تسبیح میں خلل ڈالنے اور ذکر اللہ کو روکنے کی صورت ہے۔ اس لیے یہ بھی ناجائز ہے۔
- ۵۔ جس وقت لوگ نماز و تسبیح میں مشغول ہوں اس وقت مسجد میں اپنے لیے سوال کرنا یا دینی کام کے لیے چندہ اکٹھا کرنا ممنوع ہے۔

### آیت نمبر (115)

﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُولُوْا فَنُفِثْ وَجْهُهُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾﴾

ش ر ق

(ن-س)

روشنی کا پھوٹنا۔ کسی چیز کا سرخ ہونا۔  
 مَشْرِقٌ مَشْرِقٌ۔ مَفْعِلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ روشن یا سرخ ہونے کی جگہ یا سمت۔  
 اصطلاحاً سورج نکلنے کی سمت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوْا وُجُوْكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ (2/ البقرہ: 177) ”نیکی یہی نہیں ہے کہ تم لوگ پھیر دو اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف۔“ ﴿وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿٥﴾﴾ (37/ الصفات: 5) ”اور تمام مشرقوں کا رب۔“



اسم نسبت ہے۔ مشرق والا۔ مشرقی۔ ﴿لَا شَرْقِيَّةٌ وَلَا غَرْبِيَّةٌ﴾ (24/ النور: 35) ”نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی ہے۔“

شَرْقِيٌّ

کسی چیز سے کسی چیز کا روشن یا سرخ ہونا۔ ﴿وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا﴾ (39/ الزمر: 69) ”اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے۔“

إِشْرَاقًا

(افعال)

یہ باب افعال کا مصدر ہے۔ اصطلاحاً اس کا مطلب ہے سورج سے زمین کا روشن ہونا یا روشن ہونے کا وقت جب سورج سوانیزے بلند ہو جائے یعنی طلوع آفتاب کے 25۔ 20 منٹ بعد۔ ﴿يُسَبِّحَنَّ بِالنَّعْشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ﴾ (38/ ص: 18) ”وہ سب تسبیح کرتے ہیں عشاء اور اشراق میں۔“

الْإِشْرَاقُ

اسم الفاعل ہے۔ روشن ہونے والا۔ اصطلاحاً اس کا مطلب ہے سورج نکلنے ہی صبح کا وقت۔ ﴿فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ﴾ (26/ الشعراء: 60) ”تو انہوں نے پیچھا کیا ان کا سورج نکلنے ہی۔“

مُشْرِقٌ

غ ر ب

دور چلے جانا۔ دوری کی وجہ سے چھپ جانا۔ غروب ہونا۔ ﴿وَإِذَا غَرَبَتِ تَغْرِضُهُمْ ذَاتَ الشَّامِلِ﴾ (18/ الکہف: 17) ”اور جب وہ یعنی سورج غروب ہوتا ہے، کتر اجاتا ہے ان سے بائیں جانب۔“

غَرَبًا

(ن)

سیاہ رنگ والا ہونا (سیاہی اصل رنگ کو چھپا دیتی ہے)۔ یہ بات نَصَرَ کے مصدر غَرَبَ کی جمع ہے۔ ﴿وَسَيَبْخُحُ بِحَدِّ رِبَاكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا﴾ (20/ طہ: 130) ”اور آپ تسبیح کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے۔“

غَرَبًا

(س)

مَغَارِبُ۔ مَفْعَلٌ لکے وزن پر اسم الظرف ہے۔ غروب ہونے کی سمت یا وقت۔ مادہ ”ش ر ق“ میں آیت نمبر (2/ البقرہ: 177) ﴿فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ﴾ (70/ المعارج: 40) ”پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی۔“

مَغْرِبٌ

اسم نسبت ہے۔ مغرب والا۔ مغربی۔ مادہ ”ش ر ق“ میں آیت نمبر۔ (24/ النور: 35) دیکھیں۔ اسم جنس ہے کَوَا۔ (کیونکہ وہ سیاہ ہوتا ہے)۔ ﴿فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا﴾ (5/ المائدہ: 5) ”تو بھیجا اللہ نے ایک کوا۔“

غَرَبِيٌّ

غُرَابٌ

ج غَرَابِيْبُ۔ صفت ہے۔ انتہائی سیاہ بھنگ۔ ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ﴾ (35/ سبأ: 27) ”اور پہاڑوں میں سفید راستے ہیں، مختلف سرخی ہے ان کے رنگوں کی، اور کچھ بھنگ سیاہ ہیں۔“

غَرَابِيبٌ

ث م م

کسی چیز کو درست کرنا۔

ثَبَّتَا

(ن)

حرف عطف ہے جو کلام کی ترتیب کو درست رکھنے کے لیے آتا ہے۔ پھر۔ تب۔ اس کے بعد۔ ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَاحْسِنُوا﴾ (5/ المائدہ: 93) ”پھر انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اس کے بعد پھر انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور بلا کم و کاست نیکی کی۔“

ثُمَّ

ثُمَّ اشارة بعید کے طور پر آتا ہے۔ وہیں۔ اُسی جگہ۔ ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَرَ رَأَيْتَ نَعِيمًا﴾ (76/ البقرہ: 20) ”جب بھی تو دیکھے گا تو وہیں تو دیکھے گا ہمیشگی والی آسودگی۔“

و س ع

(س) سَعَةً کشادہ ہونا (لازم)۔ کشادہ کرنا (معتدی)۔ ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط﴾ (7/ الاعراف: 156) ”اور میری رحمت کشادہ ہوئی ہر چیز پر۔“

سَعَةً اسم ذات بھی ہے۔ کشادگی۔ وسعت۔ ﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ط﴾ (65/ الطلاق: 7) ”چاہے کہ خرچ کرے کشادگی والا اپنی کشادگی میں سے۔“

وُسْعٌ اسم ذات ہے۔ وسعت۔ اہلیت۔ ﴿لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ط﴾ (2/ البقرہ: 286) ”اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی جان کو مگر اس کی اہلیت کو۔“

وَاسِعٌ فاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ کشادہ کرنے والا۔ ﴿ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ط وَ اللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝﴾ (5/ المائدہ: 54) ”یہ اللہ کا فضل ہے وہ دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے اور اللہ کشادہ کرنے والا جاننے والا ہے۔“

وَاسِعَةٌ یہ واسِعٌ کا مؤنث ہے۔ زیادہ تر صفت کے طور پر آتا ہے۔ کشادہ ہونے والی یعنی کشادہ۔ ﴿وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ ط﴾ (39/ الزمر: 10) ”اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔“

(افعال) اِيسَاعًا رزق میں کشادہ ہونا۔ کسی جگہ کو کشادہ کرنا۔ اسم الفاعل ہے۔ رزق میں کشادہ ہونے والا۔ جگہ کو کشادہ کرنے والا۔ ﴿عَلَى الْمَوْسَى قَدْرًا وَعَلَى الْهَارُونَ قَدْرًا ط﴾ (2/ البقرہ: 236) ”رزق میں کشادہ ہونے والے پر ہے اس کے مقدور بھرا اور تنگدست پر ہے اس کے مقدور بھر۔“

مُوسِعٌ اسم الفاعل ہے۔ رزق میں کشادہ ہونے والا۔ جگہ کو کشادہ کرنے والا۔ ﴿وَالسَّاءِ بَنِيْنَهَا بِأَيْدٍ وَ إِنَّا لَمَوْسِعُونَ ۝﴾ (51/ الذرّيات: 47) ”اور آسمان، ہم نے بنایا اس کو ہاتھوں سے اور بے شک ہم کشادہ کرنے والے ہیں۔“

الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ مبتداء مؤخر ہیں، خبر محذوف ہے اور قائم مقام خبر کو تاکید کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔ اَيْنَمَا کلمہ شرط ہے، تَوَلَّوْا شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور فَكَمَّ وَجْهَ اللَّهِ جواب شرط ہے۔ مضارع مجزوم تَوَلَّوْا کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور اس کا مفعول وُجُوْهُكُمْ محذوف ہے۔

ترکیب

وَلِلَّهِ	الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ	فَاَيْنَمَا	تَوَلَّوْا
اور اللہ کے لیے ہی ہے	مشرق اور مغرب	پس جہاں کہیں بھی	تم لوگ پھيرو گے (اپنے چہروں کو)
فَكَمَّ	وَجْهَ اللَّهِ ط	إِنَّ اللَّهَ	وَاسِعٌ عَلِيمٌ
تو وہیں	اللہ کی توجہ ہے	بے شک اللہ	وسعت والا جاننے والا ہے

ترجمہ

یہ آیت تحویل قبلہ کے حکم سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے اسے تحویل قبلہ کے حکم کی پیش بندی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور اس پہلو سے آیت میں مشرق اور مغرب کے الفاظ کی اہمیت کو سمجھ لیں۔

نوٹ-1

مدینہ میں ہجرت کے بعد سولہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی گئی۔ اُس وقت مدینہ کے نمازیوں کا رُخ شمال کی طرف ہوتا تھا کیونکہ بیت المقدس مدینہ کے شمال میں ہے۔ تحویل قبلہ کے بعد اب مدینہ

کے نمازیوں کا رخ جنوب کی طرف ہوتا ہے کیونکہ خانہ کعبہ میں مدینہ کے جنوب میں ہے۔ اب نوٹ کریں کہ 290 آیت میں شمال اور جنوب کے بجائے مشرق اور مغرب کی بات کی گئی ہے۔ اس طرح گویا چاروں سمتوں کا احاطہ کر کے فرمایا فَاَيُّكُمْ لَا۔ جہاں کہیں بھی یعنی جس طرف بھی رخ کرو، اللہ کی توجہ ہر طرف ہے۔

نوٹ-2

اس میں یہ حقیقت واضح کر دی کہ اللہ تعالیٰ کی توجہ کسی سمت میں مقید نہیں ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد عمل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہر شخص کو آزادی دے دی جائے کہ جس طرف اس کا جی چاہے رخ کر کے نماز پڑھ لے۔ دوسری یہ کہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود کوئی ایک سمت مقرر کی جائے۔ اسلام میں جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ اس لحاظ سے بڑا عجیب ہے کہ نہ تو افراد کو آزادی ہے کہ جدھر جی چاہے رخ کر کے نماز پڑھیں اور نہ ہی کسی ایک سمت کا تعین ہے۔ البتہ ایک رخ کا تعین کیا ہے۔ ایک قبلہ مقرر کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت کا ہر فرد پابند ہے کہ وہ اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھے۔ اس طرح امت میں تنظیم اور اتحاد کی عملی تربیت کا اہتمام ہو گیا۔ اب ساری دنیا کے مسلمان جب قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو نہ صرف شمال و جنوب اور مشرق و مغرب بلکہ ان کے درمیان کے تمام زاویہ سمت کا خود بخود احاطہ ہو جاتا ہے۔

### آیت نمبر (116)

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ط بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط كُلُّ لَّهُ قُنُوْنٌ ﴿١١٦﴾﴾

و ل د

(ض) وَلَا دَا بچے کی پیدائش کا باعث ہونا۔ بچہ جنا۔ ﴿وَلَا يَلِدُ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا فَاجِرًا كَفٰرًا ﴿٢٥﴾﴾ (71/نوح: 27) اور وہ لوگ نہیں جنہیں گے مگر گنہگار ناشکرے کو۔

وَالِدٌ مؤنث وَالِدَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ پیدائش کا باعث ہونے والا۔ والد۔ باپ ﴿وَاحْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ ﴿٣١﴾﴾ (31/لقمان: 33) ”تم لوگ ڈرو ایک ایسے دن سے جب کام نہیں آئے گا کوئی باپ اپنی اولاد کے۔“ ﴿لَا تُضَاوُّ وَالِدٌ اَوْ وَلَدًا ﴿٢﴾﴾ (2/البقرہ: 233) ”ضرر نہ پہنچایا جائے کسی ماں کو اس کے بچہ سے۔“

وَالِدَانِ یہ وَالِدٌ کا تشبیہ ہے۔ اصطلاحاً ماں، باپ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿اِنْ اَشْكُرْ لِيْ وَلَدًا لِّدِيْكَ ط﴾ (31/لقمان: 14) ”کہ تو شکر کر میرا اور اپنے ماں باپ کا۔“

مَوْلُوْدٌ اسم المفعول ہے۔ پیدا کیا ہوا یعنی بچہ۔ ﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَاِزٌ عَنْ وَالِدِهِ ﴿٣١﴾﴾ (31/لقمان: 33) اور نہ کوئی بچہ کام آنے والا ہے اپنے باپ کے۔“

وَلَدٌ نَّ اَوْلَادٌ۔ اسم ذات ہے۔ بچہ یا بچی۔ بیٹا (وَلَدٌ کا لفظ واحد، جمع، مزرکر، مؤنث، سب کے لیے آتا ہے اور اس کی جمع اَوْلَادٌ بھی آتی ہے۔ اس کے علاوہ منھ بولے بیٹے کے لیے بھی آتا ہے)۔ ﴿فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهِ وَلَدٌ ﴿٤﴾﴾ (4/النساء: 11) ”پھر اگر نہ ہو اس کے بیٹا، بیٹی۔“ ﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط﴾ (6/الانعام: 151) ”اور تم لوگ قتل مت کرو اپنی اولاد کو مفلسی سے یعنی مفلسی کے خوف سے۔“

﴿أَوْ تَتَّخِذَ وَلَدًا ط﴾ (12/ یوسف: 21) ”یا ہم بنالیں اس کو بیٹا۔“  
 وَلَدَانٍ۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ کم عمر لڑکا۔ ﴿وَيُطَوِّفُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ  
 مُخَلَّدُونَ﴾ (76/ الذہر: 19) ”اور پھریں گے ان کے گرد پیشگی دیے ہوئے کم عمر لڑکے۔“

ق ن ت

(ن) قُنُوتًا اطاعت کرنا۔ فرمانبرداری کرنا۔ ﴿وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ (33/ الاحزاب: 31) ”اور  
 جو فرمانبرداری کرے گی تم میں سے اللہ کی اور اس کے رسول کی۔“  
 اُقْنُتُ فعل امر ہے۔ تو اطاعت کر۔ فرمانبرداری کر۔ ﴿يَزِيْمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ﴾ (3/ آل عمران: 43) ”اے  
 مریم! آپ فرمانبرداری کریں اپنے رب کی۔“  
 قَانِتٌ اسم الفاعل ہے۔ فرمانبرداری کرنے والا۔ ﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اِنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا﴾  
 (39/ الزمر: 9) ”یا وہ جو فرمانبرداری کرنے والا ہے رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرنے والا اور قیام  
 کرنے والا ہوتے ہوئے۔“

ترکیب

اِتَّخَذَ فعل، اللہ فاعل اور وَلَدًا مفعول، یہ جملہ فعلیہ قَالُوا کا مقولہ ہے جبکہ سُبْحَنَهُ جملہ معترضہ ہے۔ بَلْ مقولہ کی تردید کے  
 لیے آیا ہے۔ مَا مبتداء ہے، اس کی خبر مَوْجُودٌ مخذوف ہے جبکہ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور لَہُ متعلق خبر ہیں۔ لَہُ کلام، لام  
 تملیک ہے۔ کُلُّ مبتداء نکرہ ہے، قَانِتُونَ خبر اور لَہُ متعلق خبر ہیں۔

ترجمہ

وَقَالُوا	اِتَّخَذَ	اللَّهُ	وَلَدًا ط	سُبْحَنَهُ ط	بَلْ لَّهٗ
اور انہوں نے کہا	بنایا	اللہ نے	ایک بیٹا	اس کی پاکیزگی ہے	بلکہ اس کی ملکیت ہے
مَا	فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط	كُلُّ لَّهٗ	قَانِتُونَ	فرمانبرداری کرنے والے ہیں	جو کچھ
زمین اور آسمانوں میں ہے	سب اس کی	فرمانبرداری کرنے والے ہیں			

نوٹ-1

فعل اِتَّخَذَ دو مفعول کا تقاضہ کرتا ہے۔ کس کو بنایا اور کیا بنایا؟ اس آیت میں مفعول اول (کس کو بنایا) مخذوف ہے اور صرف  
 مفعول ثانی (کیا بنایا) مذکور ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس طرح اس نوعیت کے تمام عقائد کی تردید ہو گئی ہے۔ اگر  
 مفعول اول مذکور ہوتا تو صرف مذکورہ عقیدے کی تردید ہوتی۔

نوٹ-2

اولاد کی ضرورت صاحب اولاد کی ذات کے کسی نقص کی دلیل ہوتی ہے۔ مثلاً صاحب اولاد کی ذات کا فانی ہونا، تاکہ اولاد کی شکل  
 میں اس کی ذات کا تسلسل برقرار رہے اور کوئی نام لینے والا ہو۔ یا صاحب اولاد کے کسی کام کا نام نہ رکھنا۔ تاکہ اولاد اس کے کام کو  
 آگے بڑھائے، وغیرہ وغیرہ۔ جملہ معترضہ سُبْحَنَهُ سے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر نوعیت کے نقص  
 سے پاک ہے۔

## آیت نمبر (117)

﴿بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝﴾

ب د ع

(ف)

بَدِيعًا

نمونے کے بغیر کوئی چیز بنانا۔ ایجاد کرنا۔ اس لفظ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے کہ نمونہ، مادہ یا اوزار وغیرہ کے بغیر ایجاد کرنا۔

بَدِيعٌ

فَعِيلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ ایجاد کرنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔

يُدْعُ

صفت ہے۔ نیا۔ انوکھا۔ ﴿مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ (46/ الاحقاف: 9) ”میں کوئی انوکھا نہیں ہوں رسولوں میں سے۔“

اِبْتَدَاعًا

(افتعال)

اہتمام سے کوئی نئی چیز ایجاد کرنا۔ ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ﴾ (57/ الحديد: 27) ”اور رہبانیت! انہوں نے ایجاد کیا اس کو ہم نے واجب نہیں کیا جسے، ان پر۔“

ق ض ي

(ض)

قَضَاءً

(۱) کسی چیز کو مضبوطی سے بنانا۔ ﴿فَقَضَّيْنَهُنَّ سَبْعَ سَلْوَاتٍ﴾ (41/ حم السجدة: 12) ”تو اس نے مضبوطی سے بنایا ان کو سات آسمان۔“

(۲) کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہونا۔ ﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مِّنَ سَلَاتِكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ﴾ (2/ البقرہ: 200) ”پس جب تم لوگ فارغ ہو جاؤ اپنے عبادت کے طریقوں سے تو یاد کرو اللہ کو۔“

(۳) کسی بات یا کام کا فیصلہ کرنا۔ ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِلَٰهًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 23) ”اور فیصلہ کیا تیرے رب نے کہ تم لوگ عبادت مت کرو مگر اسکی۔“

اِقْضِ

فعل امر ہے۔ تو فیصلہ کر۔ ﴿فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ ط إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ط﴾ (20/ طہ: 72) ”پس تو فیصلہ کر جو تو فیصلہ کرنے والا ہے۔ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تو فیصلہ کرے گا اس دنیا کی زندگی کا۔“

قَاضٍ

فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ فیصلہ کرنے والا۔ اوپر آیت نمبر (20/ طہ: 72) دیکھیں۔

مَقْضًى

اسم المفعول ہے۔ فیصلہ کیا ہوا۔ ﴿وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝﴾ (19/ مریم: 21) ”اور وہ تھا فیصلہ کیا ہوا کام۔“

ترکیب

مرکب اضافی بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خبر ہے۔ اس کا مبتداء هُوَ مخدوف ہے۔ إِذَا کلمہ شرط، قَضَىٰ أَمْرًا شرط اور فَإِنَّمَا سے فَيَكُونُ تک جواب شرط ہے۔

ترجمہ

بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط	وَإِذَا	قَضَىٰ	أَمْرًا
زمین اور آسمانوں کا ایجاد کرنے والا ہے	اور جب بھی	وہ فیصلہ کرتا ہے	کسی کام کا
فَإِنَّمَا	يَقُولُ	لَهُ	كُنْ
تو بس	وہ کہتا ہے	اس کو	تو ہو جا
فَيَكُونُ			
			پس وہ ہو جاتا ہے



السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کا رخیہ میں مال، جان اور صلاحتوں کو لگایا  
اللہ قبول و منظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب  
کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: [www.khuddam-ul-quran.com](http://www.khuddam-ul-quran.com) , [info@khuddam-ul-quran.com](mailto:info@khuddam-ul-quran.com)

03217805614, 0412437618, 0412437781

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد

آیات

118 تا 141

تک کی تفسیر ہمارے پاس موجود  
نہیں ہے۔ اس لئے ہم نے ان

23

آیات کا صرف لفظ بالفظ ترجمہ  
شامل کر دیا ہے۔



وَقَالَ		الَّذِينَ		لَا يَعْلَمُونَ			
اور کہا		انہوں نے جو		نہیں علم رکھتے			
لَوْ لَا	يُكَلِّمُنَا	اللَّهُ	أَوْ	تَأْتِينَا	آيَةً ط	كَذَلِكَ	قَالَ
کیوں نہیں	کلام کرتا ہم سے	اللہ	یا	آتی ہمارے پاس	کوئی نشانی	اسی طرح	کہا تھا
الَّذِينَ	مِنْ قَبْلِهِمْ	مِّثْلَ	قَوْلِهِمْ ط	تَشَابَهَتْ	قُلُوبُهُمْ ط	قَدْ	
انہوں نے جو	ان سے پہلے تھے	مثل / مانند	ان کی بات کے	مشابہ ہو گئے	دل ان کے	تحقیق	
بَيْنَا	الْآيَاتِ	لِقَوْمٍ	يُوقِنُونَ 118	إِنَّا	أَرْسَلْنَاكَ	بِالْحَقِّ	
واضح کر دیں ہم نے	آیات	ان لوگوں کے لیے	جو یقین رکھتے ہیں	بے شک ہم نے	بھیجا ہم نے آپ کو	ساتھ حق کے	
بَشِيرًا	وَنَذِيرًا	وَلَا تُسْأَلُ	عَنْ أَصْحَابِ	الْجَحِيمِ 119			
خوش خبری دینے والا	اور ڈرانے والا (بنا کر)	اور نہ آپ سے سوال کیا جائے گا	ساتھیوں کے بارے میں	جہنم کے			
وَلَكِنْ	تَرْضَى	عَنْكَ	الْيَهُودُ	وَلَا	النَّصَارَى	حَتَّى	تَتَّبِعَ
اور ہرگز نہیں	راضی ہوں گے	آپ سے	یہود	اور نہ	نصاری	یہاں تک کہ	آپ پیروی کریں
مِلَّتَهُمْ ط	قُلْ	إِنَّ	هُدًى	اللَّهُ	هُوَ	الْهُدَى ط	وَلَكِنْ
ان کے طریقے کی	کہہ دیجیے	بے شک	ہدایت	اللہ کی	وہی	ہدایت ہے	اور البتہ اگر
اتَّبَعْتَ	أَهْوَاءَهُمْ	بَعْدَ	الَّذِي	جَاءَكَ	مِنَ الْعِلْمِ 1	مَا	
پیروی کی آپ نے	ان کی خواہشات کی	بعد اس کے	جو	آگیا آپ کے پاس	علم میں سے	نہیں	



لَكَ	مِنَ اللَّهِ	مِنْ وَلِيِّ	وَلَا	نَصِيرٍ ١٢٠	الَّذِينَ	اتَّبَعَهُمْ
آپ کے لیے	اللہ سے (بچانے والا)	کوئی حمایتی	اور نہ	کوئی مددگار	وہ لوگ جو	دی ہم نے انہیں
الْكِتَابَ	يَتْلُونَهُ	حَقَّ	تِلَاوَتِهِ ط	أُولَئِكَ	يُؤْمِنُونَ	بِهِ ط
کتاب	وہ تلاوت کرتے ہیں اس کی	(جیسا) حق ہے	اس کی تلاوت کا	یہی لوگ ہیں	جو ایمان لاتے ہیں	اس پر
وَمَنْ	يَكْفُرْ بِهِ	فَأُولَئِكَ هُمْ	الْخٰسِرُونَ ١٢١	يَبْنِيْ	اِسْرَءٰیِلَ	
اور جو کوئی	کفر کرے گا	اس کا	تو یہی لوگ ہیں	وہ	جو خسارہ پانے والے ہیں	اے بنی اسرائیل
اٰذْكُرُوْا	نِعْمَتِيْ	الَّتِيْ	اَنْعَمْتُ	عَلَيْكُمْ	وَ اِنِّيْ	فَضَّلْتُكُمْ
یاد کرو	میری نعمت کو	وہ جو	انعام کی میں نے	تم پر	اور بے شک میں	فضیلت دی تھی میں نے تمہیں
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ١٢٢	وَاتَّقُوا	يَوْمًا	لَّا تَجْزِيْ	نَفْسٌ	عَنْ نَّفْسٍ	
تمام جہانوں پر	اور ڈرو	اس دن سے	نہیں کام آئے گا	کوئی نفس	کسی نفس کے	
شَيْعًا	وَلَا	يُقْبَلُ	مِنْهَا	عَدْلٌ	وَلَا	تَنْفَعُهَا
کچھ بھی	اور نہ	قبول کیا جائے گا	اس سے	کوئی بدلہ	اور نہ	نفع دے گی اسے
وَلَا	هُمْ	يُنْصَرُونَ ١٢٣	وَ اِذْ	اِبْتَلٰ	اِبْرٰهٖمَ	رَبُّهُ
اور نہ	وہ	وہ مدد کیے جائیں گے	اور جب	آزمایا	ابراہیم کو	اس کے رب نے
فَاَتَتْهُنَّ ط	قَالَ	اِنِّيْ	جَاعِلُكَ	لِلنَّاسِ	اِمَامًا ط	قَالَ
تو اس نے پورا کر دیا انہیں	فرمایا	بے شک میں	بنانے والا ہوں تجھے	لوگوں کے لیے	امام	کہا
وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ط	قَالَ	لَا يَنَالُ	عَهْدِيْ	الظٰلِمِيْنَ ١٢٤	وَ اِذْ	
اور میری اولاد میں سے	فرمایا	نہیں پہنچے گا	عہد میرا	ظالموں کو	اور جب	
جَعَلْنَا	الْبَيْتَ	مَثَابَةً	لِّلنَّاسِ	وَ اٰمَنَّا ط	وَ اتَّخَذُوْا	
بنایا ہم نے	بیت اللہ کو	لوٹنے کی جگہ / مرکز	لوگوں کے لیے	اور امن کی جگہ	اور بنالو	

مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ	مُصَلًّى ٥	وَعَهْدُنَا	إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ	وَإِسْمَاعِيلَ
مقام ابراہیم کو	جائے نماز	اور عہد لیا ہم نے	ابراہیم سے	اور اسماعیل سے
أَنْ	طَهَّرَا	بَيْتِي	لِلطَّائِفِينَ	وَالرُّكَّعِ
کہ	تم دونوں پاک کرو	میرے گھر کو	واسطے طواف کرنے والوں کے	اور رکوع کرنے والوں
السُّجُودِ ١٢٥	وَإِذْ قَالَ	إِبْرَاهِيمُ	رَبِّ	اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا
سجدہ کرنے والوں کے	اور جب	کہا	ابراہیم نے	اے میرے رب
أَمِنًا	وَأَرْزُقْ	أَهْلَهُ	مِنَ الشَّارِتِ	مَنْ أَمِنَ مِنْهُمْ
امن والا	اور رزق دے	اس کے رہنے والوں کو	پھلوں میں سے	جو کوئی ایمان لائے ان میں سے
بِاللَّهِ	وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ٥	قَالَ	وَمَنْ كَفَرَ	فَأُمْتِّعْهُ قَلِيلًا
اللہ پر	اور آخری دن پر	فرمایا	اور جس نے کفر کیا	تو میں فائدہ دوں گا اسے تھوڑا سا
ثُمَّ	أَضْطَرُّهُ	إِلَىٰ	عَذَابِ النَّارِ ٥	وَبِئْسَ الْبَصِيرُ ١٢٦
پھر	میں مجبور کر دوں گا اسے	طرف	عذاب	اور کتنی بری ہے لوٹنے کی جگہ
وَإِذْ يَرْفَعُ	إِبْرَاهِيمُ	الْقَوَاعِدَ	مِنَ الْبَيْتِ	وَإِسْمَاعِيلُ ٥
اور جب بلند کر رہے تھے	ابراہیم	بنیادیں	بیت اللہ کی	اور اسماعیل اے ہمارے رب
تَقَبَّلْ	مِنَّا ٥	إِنَّكَ	أَنْتَ	السَّابِقُ
تو قبول فرما	ہم سے	بے شک تو	تو ہی ہے	خوب سننے والا
وَأَجْعَلْنَا	مُسْلِمِينَ	لَكَ	وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا	أُمَّةً
اور بنا ہمیں	فرماں بردار	اپنے لیے	اور ہماری اولاد میں سے	ایک امت
لَكَ ٥	وَأَرْنَا	مَنَاسِكَنَا	وَتُبَّ	عَلَيْنَا ٥
اپنے لیے	اور دکھا ہمیں	ہماری عبادت کے طریقے	اور مہربان ہو	ہم پر
أَنْتَ	إِنَّكَ	أَنْتَ	إِنَّكَ	أَنْتَ
تو ہی ہے	بے شک تو	تو ہی ہے	تو ہی ہے	تو ہی ہے

التَّوَابُ	الرَّحِيمُ ⑫⑧	رَبَّنَا	وَابْعَثْ	فِيهِمْ	رَسُولًا
بہت توبہ قبول کرنے والا	نہایت رحم کرنے والا	اے ہمارے رب	اور مبعوث فرما	ان میں	ایک رسول کو
مِّنْهُمْ	يَتْلُوا	عَلَيْهِمْ	آيَاتِكَ	وَيُعَلِّمُهُمُ	الْكِتَابَ
ان ہی میں سے	وہ تلاوت کرے	ان پر	آیات تیری	اور وہ تعلیم دے انہیں	کتاب
وَالْحِكْمَةَ	وَيُزَكِّيهِمْ ط	إِنَّكَ	أَنْتَ	الْعَزِيزُ	الْحَكِيمُ ⑫⑨ ع
اور حکمت کی	اور وہ تزکیہ کرے ان کا	بے شک تو	تو ہی ہے	بہت زبردست	خوب حکمت والا
وَمَنْ	يَرْغَبُ	عَنْ مِّلَّةٍ	إِبْرَاهِمَ	إِلَّا	مَنْ سَفِهَ
اور کون ہے	جو منہ موڑے	طریقے سے	ابراہیم کے	مگر	وہ جس نے بے وقوف بنایا
نَفْسَهُ ط	وَلَقَدْ	اصْطَفَيْنَاهُ	فِي الدُّنْيَا	وَإِنَّهُ	فِي الْآخِرَةِ
اپنے نفس کو	اور البتہ تحقیق	چن لیا تھا ہم نے اسے	دنیا میں	اور بے شک وہ	آخرت میں
لِّمَنِ الصَّالِحِينَ ⑫⑩	إِذْ قَالَ	لَهُ	رَبُّهُ	أَسْلِمَ لَا	قَالَ
البتہ صالح لوگوں میں سے ہے	جب	کہا	اس کو	اس کے رب نے	فرماں بردار ہو جا اس نے کہا
أَسَلْتُ	لِرَبِّ	الْعَالَمِينَ ⑫⑪	وَوَصَّى	بِهَآ	إِبْرَاهِمَ
میں فرماں بردار ہو گیا	رب کے لیے	تمام جہانوں کے	اور وصیت کی	اس کی	ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو
وَيَعْقُوبُ ط	يَبْنِي	إِنَّ	اللَّهَ	اصْطَفَى	لَكُمْ الدِّينَ
اور یعقوب نے	اے میرے بیٹو	بے شک	اللہ نے	چن لیا	تمہارے لیے دین کو
فَلَا تَمُوتُنَّ	إِلَّا	وَأَنْتُمْ	مُسْلِمُونَ ⑫⑫ ط	أَمْ	كُنْتُمْ
پس تم ہرگز نہ مرنا	مگر	اس حال میں کہ تم	مسلمان ہو	کیا	تھے تم موجود
إِذْ حَضَرَ	يَعْقُوبَ	الْمَوْتَ لَا	إِذْ قَالَ	لِبَنِيهِ	مَا تَعْبُدُونَ
جب آئی	یعقوب کو	موت	جب	اس نے کہا	اپنے بیٹوں سے کس کی تم عبادت کرو گے



مِنْ بَعْدِي <sup>ط</sup>	قَالُوا	نَعْبُدُ	إِلَهَكَ	وَالله	أَبَاكَ	إِبْرَاهِمَ
میرے بعد	انہوں نے کہا	ہم عبادت کریں گے	تیرے الہ کی	اور الہ کی	تیرے آباؤ اجداد کے	ابراہیم
وَإِسْمَاعِيلَ	وَإِسْحَاقَ	إِلَهًا	وَاحِدًا <sup>ح</sup>	وَنَحْنُ	لَهُ	مُسْلِمُونَ <sup>133</sup>
اور اسماعیل	اور اسحاق کے	الہ کی	ایک ہی کی	اور ہم	اسی کے لیے	فرماں بردار ہیں
تِلْكَ	أُمَّةٌ	قَدْ	خَلَّتْ <sup>ج</sup>	لَهَا	مَا	كَسَبَتْ وَلَكُمْ
یہ	ایک امت تھی	تحقیق	وہ گزر گئی	اس کے لیے ہے	جو	اس نے کمایا اور تمہارے لیے ہے
مَا	كَسَبْتُمْ <sup>ج</sup>	وَلَا	تُسْعَلُونَ	عَبَا	كَانُوا	يَعْمَلُونَ <sup>134</sup>
جو	کمایا تم نے	اور نہ	تم سوال کیے جاؤ گے	اس کے بارے میں جو	تھے وہ	وہ عمل کرتے
وَقَالُوا	كُونُوا	هُودًا	أَوْ	نَصْرَى	تَهْتَدُوا <sup>ط</sup>	قُلْ بَلْ
اور انہوں نے کہا	ہو جاؤ	یہودی	یا	نصرانی	تم ہدایت پالو گے	کہہ دیجیے بلکہ
مِلَّةَ	إِبْرَاهِمَ	حَنِيفًا <sup>ط</sup>	وَمَا	كَانَ	مِنَ الْمُشْرِكِينَ <sup>135</sup>	
ملت	ابراہیم کی	جو یکسو تھا	اور نہیں	تھا وہ	مشرکین میں سے	
قُولُوا	أَمَّا	بِالله	وَمَا	أُنْزِلَ	إِلَيْنَا	وَمَا
کہو تم	ایمان لائے ہم	اللہ پر	اور (اس پر) جو	نازل کیا گیا	طرف ہمارے	اور جو
إِلَى	إِبْرَاهِمَ	وَإِسْمَاعِيلَ	وَإِسْحَاقَ	وَيَعْقُوبَ	وَالْأَسْبَاطَ	
طرف	ابراہیم کے	اور اسماعیل	اور اسحاق	اور یعقوب	اور اولاد یعقوب کے	
وَمَا	أُوتِيَ	مُوسَى	وَعِيسَى	وَمَا	أُوتِيَ	النَّبِيُّونَ
اور جو	دیئے گئے	موسیٰ	اور عیسیٰ	اور جو	دیئے گئے	تمام انبیاء
لَا نُفَرِّقُ	بَيْنَ	أَحَدٍ	مِنْهُمْ <sup>ح</sup>	وَنَحْنُ	لَهُ	مُسْلِمُونَ <sup>136</sup>
نہیں ہم فرق کرتے	درمیان	کسی ایک کے	ان میں سے	اور ہم	اسی کے لیے	فرماں بردار ہیں

فَإِنْ	أَمِنُوا	بِمِثْلِ مَا	أَمَنْتُمْ	بِهِ	فَقَدْ	اهْتَدَوْا	وَإِنْ
پھر اگر	وہ ایمان لے آئیں	جس طرح	ایمان لائے تم	ساتھ اس کے	پس تحقیق	وہ ہدایت پا گئے	اور اگر
تَوَلَّوْا	فَانْبَا	هُمْ	فِي شِقَاقٍ	فَسَيَكْفِيكُمْ	اللَّهُ	وَهُوَ	
وہ منہ پھیر لیں	تو بے شک	وہ	اختلاف میں ہیں	پس عنقریب کافی ہوگا آپ کو ان سے	اللہ	اور وہ	
السَّيِّعُ	الْعَلِيمُ	صِبْغَةً	اللَّهُ	وَمَنْ	أَحْسَنُ	مِنْ اللَّهِ	
خوب سننے والا ہے	خوب جاننے والا ہے	رنگ	اللہ کا	اور کون	زیادہ اچھا ہے	اللہ سے	
صِبْغَةً	وَنَحْنُ	لَهُ	عِبْدُونَ	قُلْ	أَتُحَاجُّونَنَا		
رنگ میں	اور ہم	اسی کی	عبادت کرنے والے ہیں	کہہ دیجیے	کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے		
فِي اللَّهِ	وَهُوَ	رَبُّنَا	وَرَبُّكُمْ	وَلَنَا	أَعْمَالُنَا	وَلَكُمْ	
اللہ کے بارے میں	حالانکہ وہ	رب ہے ہمارا	اور رب ہے تمہارا	اور ہمارے لیے ہیں	اعمال ہمارے	اور تمہارے لیے ہیں	
أَعْمَالُكُمْ	وَنَحْنُ	لَهُ	مُخْلِصُونَ	أَمْ	تَقُولُونَ		
اعمال تمہارے	اور ہم	اسی کے لیے	مخلص ہیں	یا	تم کہتے ہو		
إِنَّ	إِبْرَاهِمَ	وَإِسْمَاعِيلَ	وَإِسْحَاقَ	وَيَعْقُوبَ	وَالْأَسْبَاطَ		
بے شک	ابراہیم	اور اسماعیل	اور اسحاق	اور یعقوب	اور اولاد یعقوب		
كَانُوا	هُودًا	أَوْ	نَصْرَى	قُلْ	ءَأَنْتُمْ	أَعْلَمُ	أَمْ
تھے وہ	یہودی	یا	نصرانی	کہہ دیجیے	کیا تم	زیادہ جانتے ہو	یا
وَمَنْ	أَظْلَمُ	مِمَّنْ	كُتِمَ	شَهَادَةً	عِنْدَهُ	مِنْ اللَّهِ	
اور کون	بڑا ظالم ہے	اس سے جو	چھپائے	گواہی کو	جو پاس ہے اس کے	اللہ کی طرف سے	
وَمَا	اللَّهُ	بِغَافِلٍ	عَمَّا	تَعْمَلُونَ	تِلْكَ	أُمَّةٌ	
اور نہیں	اللہ	غافل	اس سے جو	تم عمل کرتے ہو	یہ	ایک امت تھی	

قَدْ	خَلَتْ ج	لَهَا	مَا	كَسَبَتْ	وَلَكُمْ	مَا	كَسَبْتُمْ ج
تحقیق	وہ گزر گئی	اس کے لیے ہے	جو	اس نے کمایا	اور تمہارے لیے ہے	جو	کمایا تم نے
وَلَا	تُسْأَلُونَ	عَبَّأ	كَانُوا	يَعْمَلُونَ ع			
اور نہ	تم سوال کیے جاؤ گے	اس کے بارے میں جو	تھے وہ	وہ عمل کرتے			

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة البقرة (۲)

آیت نمبر (142)

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَن قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۱۴۲﴾

ترکیب

سَيَقُولُ کا فاعل السُّفَهَاءُ ہے اور مِنَ النَّاسِ اس کی وضاحت ہے۔ مَا استفہامیہ ہے اور مبتداء ہے، جب کہ جملہ فعلیہ وَلَّهُمْ اس کی خبر ہے۔ عَن قِبَلَتِهِمْ متعلق خبر ہے اور یہ پورا فقرہ موصوف ہے جب کہ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا اس کی صفت ہے۔ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ مبتداء موخر ہیں ان کی خبر مخذوف ہے اور لِلَّهِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ يَهْدِي کا فاعل اس میں شامل ہو کی ضمیر ہے جو اللہ کے لئے ہے اور مَنْ اس کا مفعول ہے يَشَاءُ کا فاعل بھی ہو کی ضمیر ہے جو اللہ کے لئے ہے۔

ترجمہ

سَيَقُولُ	السُّفَهَاءُ	مِنَ النَّاسِ	مَا	وَلَّهُمْ	عَن قِبَلَتِهِمُ الَّتِي
کہیں گے	بیوقوف لوگ	لوگوں میں سے	کس چیز نے	پھیرا ان کو	ان کے اُس قبلے سے
لَكَ اَنُؤَا	عَلَيْهَا ۚ	قُلْ	لِلَّهِ	الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ	يَهْدِي
وہ لوگ تھے	جس پر	آپ کہتے	اللہ ہی کے لئے ہے	مشرق اور مغرب	وہ ہدایت دیتا ہے
مَنْ	يَشَاءُ	إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ			
اس کو جس کو	وہ چاہتا ہے	ایک سیدھے راستے کی طرف			

آیت نمبر (143)

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرُّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۚ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرُّسُولَ ۚ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّكُمْ ۚ إِنَّا أَنشَأْنَاكُمْ مِنْ نَارٍ وَنَارٍ ۚ﴾

رَّحِيمٌ ۝۱۴۳﴾

و س ط

کسی کے درمیان میں بیٹھنا۔ درمیان میں ہونا۔ ﴿فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا﴾ (100/العدیۃ: 5) (ض)

”پھر وہ سب یعنی گھوڑوں کے رسالے اس کے درمیان میں بیٹھے یعنی گھس گئے جم کر۔“

(ک)

وَسَاكَاةً  
أَوْسَطَ

شریف ہونا۔ افضل ہونا۔

مؤنث وُسطی۔ اُفعل التفضیل ہے۔ زیادہ درمیان یعنی ٹھیک یا بالکل درمیان۔ ﴿فَكَفَّارَةٌ 320﴾  
إِطْعَامَ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ ﴿5/ المائدہ: 89﴾ ”تو اس کا کفارہ  
ہے کھانا کھانا دس مسکینوں کو، اس کے اوسط سے جو تم لوگ کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو۔“ ﴿حِفْظُوا  
عَلَى الصَّلَاةِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى ۖ﴾ (2/ البقرہ: 238) ”تم لوگ نگہبان رہو نمازوں پر اور درمیانی  
نماز پر۔“

معتدل۔ متوازن (یعنی افراط و تفریط سے پاک)۔ آیت زیر مطالعہ۔ یہ مذکر مؤنث، واحد جمع، سب  
کے لئے آتا ہے۔

وَسَطَ

ع ق ب

(ض۔ن)

عَقَبًا

پیر کا پچھلا حصہ مارنا یعنی ایڑی مارنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔  
جیسے (۱) پیچھے آنا۔ (۲) جانشین ہونا۔ (۳) ایک چیز جانے کے بعد اس کا دوسرا رخ سامنے آنا۔ جیسے  
رات کے بعد صبح کا آنا یعنی نتیجہ ظاہر ہونا۔ بدلہ سامنے آنا۔

عُقْبَى

اُفعل التفضیل کے مؤنث فُعْلَى کا وزن ہے۔ زیادہ یا سب سے پیچھے یعنی آخر میں ظاہر ہونے والا نتیجہ  
یا بدلہ۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ زیادہ تر دو معانی میں آتا ہے۔ (۱) آخری۔ (۲) بدلہ۔ ﴿وَوَيْدَرُؤُنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿13/ الرعد: 22﴾ ”اور وہ لوگ دفع  
کرتے ہیں بھلائی سے برائی کو۔ ان لوگوں کے لئے ہے آخری گھر۔“ ﴿تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ  
وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ﴿13/ الرعد: 35﴾ ”یہ بدلہ ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا  
اور کافروں کا بدلہ ہے آگ۔“

عَقَبٌ

ج اَعْقَابٌ۔ اسم ذات ہے۔ کسی چیز کا پچھلا حصہ۔ (۱) ایڑی۔ (۲) بیٹے۔ پوتے وغیرہ۔ ﴿فَلَمَّا  
تَرَاءَتِ الْفِئَتَيْنِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ﴾ (8/ الانفال: 48) ”پھر جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں  
فوجیں تو وہ پسپا ہوا اپنی دونوں ایڑیوں پر۔“ ﴿وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ  
يَرْجِعُونَ ﴿43/ الزخرف: 28﴾ ”اور اس نے بنایا اس کو ایک باقی رہنے والا فرمان اپنی اولاد میں،  
شائد وہ لوگ رجوع کریں۔“ ﴿يَرُدُّكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ﴾ (3/ آل عمران: 149) ”تو وہ پھیر دیں  
گے تم لوگوں کو تمہاری ایڑیوں پر۔“

عُقْبٌ

اسم ذات ہے۔ نتیجہ۔ انجام۔ ﴿هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ﴿18/ الکہف: 44﴾ ”وہ بہتر ہے  
بطور بدلے کے اور بہتر ہے بطور انجام کے۔“

عَاقِبَةُ

اسم ذات ہے۔ بدلہ (خواہ اچھا ہو یا برا) ﴿فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ﴿3/ آل عمران: 137﴾ ”پس تم لوگ دیکھو کیسا تھا جھٹلانے والوں کا بدلہ۔“ ﴿إِنَّ الْعَاقِبَةَ  
لِلْمُتَّقِينَ ﴿11/ ہود: 49﴾ ”بے شک بدلہ ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے۔“ ﴿وَاللَّهُ  
عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿22/ الحج: 41﴾ ”اور اللہ کی ہی ہے یعنی ملکیت ہے تمام کاموں کا بدلہ۔“

عَقَبَةٌ

دشوار گزار گھاٹی۔ ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿90/ البلد: 11﴾ ”تو اس نے عبور نہیں کیا گھاٹی کو۔“  
کسی چیز کے بدلے میں کچھ دینا۔ بدلہ دینا۔ ﴿فَاعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ﴾ (9/ التوبة: 77) ”تو  
اس نے بدلے میں دیا ان کو ایک نفاق ان کے دلوں میں۔“

إِعْقَابًا

(افعال)



(تفعیل) تَعْقِبًا

پیچھے ہونا۔ پیچھے ڈالنا۔ ﴿وَلَّى مُدْبِرًا وَ لَمْ يُعَقِّبْ ط﴾ (27/ النمل: 320) وہ چل دیا پیچھے پھرتے ہوئے اور پیچھے ہوا ہی نہیں یعنی مڑ کر نہ دیکھا۔

مُعَقَّبٌ

اسم الفاعل ہے۔ پیچھے ہونے والا۔ پیچھے ڈالنے والا۔ ﴿وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ط﴾ (13/ الرعد: 41) ”اور اللہ حکم کرتا ہے، کوئی پیچھے ڈالنے والا نہیں ہے اس کے حکم کو۔“ ﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ﴾ (13/ الرعد: 11) ”اس کے ہیں یعنی اس کی ملکیت ہیں پیچھے رہنے والے یعنی پہرے دار، اس کے یعنی انسان کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے۔“

(مفاعله) مُعَاقَبَةٌ

ایک دوسرے کے پیچھے پڑنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں آتا ہے۔ (۱) کسی کے ساتھ زیادتی کرنا۔ (۲) کسی زیادتی کا بدلہ دینا۔ (۳) کسی زیادتی پر گرفت کرنا۔ سزا دینا۔ ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ط﴾ (16/ النحل: 126) ”اور اگر تم لوگ بدلہ لو، تو بدلہ لو اس کے جیسا، تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی جتنی۔“ ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ع﴾ (2/ البقرہ: 196) ”اور تم لوگ جان لو کہ اللہ سزا دینے کا سخت ہے۔“

فعل امر ہے۔ تو بدلہ دے۔ سزا دے۔ اور آیت نمبر (16/ النحل: 126) دیکھیں۔

عَاقِبٌ

ض ی ع

(ض) ضِيَاءًا

کسی چیز کا تلف ہونا۔ بیکار ہونا۔ کسی چیز کو تلف کرنا۔ ضائع کرنا۔ ﴿إِنِّي لَأَاضِيعُ عَمَلِ عَامِلٍ مِّنْكُمْ﴾ (3/ آل عمران: 195) ”کہ میں ضائع نہیں کرتا کسی عمل کرنے والے کے عمل کو، تم میں سے۔“

(افعال) إِضَاعَةً

ر ع ف

(ف) رَأْفَةً

نرم دل ہونا۔ شفیق ہونا۔ فُحُولٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت نرمی کرنے والا۔ بہت شفقت کرنے والا۔ ﴿وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ع﴾ (2/ البقرہ: 207) ”اور اللہ بہت نرمی کرنے والا ہے بندوں سے۔“

اسم ذات بھی ہے۔ نرمی۔ شفقت۔ ﴿وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَ رَحْمَةً ط﴾ (57/ الحدید: 27) ”اور ہم نے بنایا یعنی رکھا اُن کے دلوں میں جنہوں نے پیروی کی اُن کی، نرمی اور رحمت۔“

رَءُوفٌ

رَأْفَةً

ترکیب

كَذَٰلِكَ میں اشارہ گذشتہ آیت کے مَنْ يَّشَاءُ کی طرف ہے۔ جَعَلْنَا کا مفعول اوّل کُم کی ضمیر ہے، جب کہ مرکب توصیفی اُمّةٌ وَ سَطًا مفعول ثانی ہے۔ لَتَتَّكُونُوا پر لام تکی داخل ہوا ہے اس لئے تَتَّكُونُونَ کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ اس کا اسم اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے، شَهَادَاءِ اس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور عَلَي النَّاسِ متعلق خبر ہے۔ يَكُونُ کی نصب لام تکی کی وجہ سے ہے جو لَتَتَّكُونُوا پر آچکا ہے اور اس کا اسم الرَّسُولُ ہے، جس پر لام تعریف داخل ہوا ہے، شَهِيدًا اس کی خبر ہے اور عَلَيْكُمْ متعلق خبر ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا کا مفعول اوّل الْقِبْلَةَ ہے جس پر لام تعریف داخل ہوا ہے جب کہ مفعول ثانی محذوف ہے۔ اَلَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا کا پورا فقرہ الْقِبْلَةَ کی صفت ہے۔

مَا جَعَلْنَا كَامِفْعُول ثَانِي عَلَيْهَا كَعْدَ أَنَا تَهَا جَسَ مَحْذُوف كِيَا كِيَا هِيَا اُور يِه قِبْلَةً هُوسَكْتَا هِيَا۔ اَلَّتِي كَعْدَ سَا تَه كُنْتُ كَا اِسْم اِس مِيں شَا مِل اَنْت كِي ضَمِير هِيَا، اِس كِي خَبَر مَحْذُوف هِيَا جَو كَه قَائِمًا هُوسَكْتَا هِيَا۔ عَقَبِيَه دِرَا صِل عَقَبُ كَا شَنِيَه 20 عَقَبَان تَهَا۔ اِس پَر عَلٰی دَاخِل هُوَا تُو حَالَت جَر مِيں يِه عَقَبِيْن هُو كِيَا پَهْر مَضَاف هُونِي كِي وَجِه سِي اِس كَا نُون اِعْرَابِي كَر كِيَا۔ جَب كِه يِه ضَمِير اِس كَا مَضَاف اِيَه هِيَا۔ اِن دِرَا صِل اِنَّ هِيَا۔ كَانْتُ كِي ضَمِير اَب هِيَا كَعْدَ هَا هُو كِي، اِنَّ كَا اِسْم هِيَا اُور يِه اَلْتَّحْوِيلَةَ (تَحْوِيل) كَعْدَ لَنِي هِيَا۔ جَب كَه لَكِبِيرَةً كَانْتُ كِي خَبَر هِيَا۔ مَا كَانَ اللّٰهُ مِيں آفَاقِي صِدَاقَت كَا بَيَان هِيَا۔ اِس لَنِي كَان كَا تَرْجَمِه حَال مِيں هُو كَا۔

ترجمہ

وَكَذَلِكَ	جَعَلْنَاهُمْ	أُمَّةً وَسَطًا	لِتَكُونُوا	شُهَدَاءَ
اور اِس طَرَح	ہم نے بنایا تم لوگوں کو	ایک معتدل امت	تاکہ تم لوگ ہو جاؤ	گواہ

عَلَى النَّاسِ	وَيَكُونُ	الرَّسُولُ	عَلَيْكُمْ	شَهِيدًا ط	وَمَا جَعَلْنَا
لوگوں پر	اور تاکہ ہو جائیں	یہ رسول	تم لوگوں پر	گواہ	اور ہم نے نہیں بنایا

الْقِبْلَةَ	الَّتِي كُنْتُ عَلَيْهَا	إِلَّا	لِنَعْلَمَ	مَنْ
اُس قبلہ کو	جس پر آپ تھے	سوائے اِس کے	تاکہ ہم جان لیں کہ	کون

يَتَّبِعُ	الرَّسُولَ	مِمَّنْ	يَنْقَلِبُ	عَلَى عَقَبِيَّو ط
پیروی کرتا ہے	ان رسول کی	اس میں سے جو	پلٹ جاتا ہے	اپنی دونوں ایڑیوں پر

وَأِنْ	كَانَتْ	لَكَبِيرَةً	إِلَّا عَلَى الَّذِينَ	هَدَى	اللَّهُ ط
اور یقیناً	وہ تھی	بھاری	سوائے ان لوگوں کے جنہیں	ہدایت دی	اللہ نے

وَمَا كَانَ اللَّهُ	لِيُضِلَّ	إِنَّمَا كُنْ ط	إِنَّ اللَّهَ
اور اللہ نہیں ہے	کہ وہ ضائع کرے	تم لوگوں کے ایمان کو	یقیناً اللہ

بِالنَّاسِ لِيُؤْفَ	رَحِيمٌ
لوگوں کے حق میں بے انتہا نرمی کرنے والا ہے	ہر حال میں رحم کرنے والا ہے

تَرْكِب مِيں آپ کو بتایا گیا ہے کہ اِنْ كَانْتُ كَعْدَ سَا تَه جَو اِنْ هِيَا دِرَا صِل اِنَّ هِيَا۔ اِس كَو اِنْ مُخَفَّفَه كَہتے ہيں اور اِس كَو پِيچَانِي كِي كُوئی عِلَامَت نَہيں هِيَا۔ اِس كَو جملہ كے مَفْهُوم سِي پِيچَانَا جَاتَا هِيَا۔ اَب اِسی آيَت مِيں اِگر اِس كَو اِنْ شَرْطِيَه مَان كَر تَرْجَمِه كَرِيں تُو جملہ بے مَعْنِي هُو جَاتَا هِيَا۔ اور اِگر اِنْ نَافِيَه مَان كَر تَرْجَمِه كَرِيں تُو مَعْنِي اُلُٹ جَاتے ہيں جَو كَه خِلَاف وَاقِع هِيَا۔ اِس طَرَح مَعْلُوم هُوَا كَه يِرَا اِنْ مُخَفَّفَه هِيَا۔

نوٹ-1

كَانَ نَافِيَه (مَا كَانَ) كَعْدَ مَضَارِع پَر اِگر لَام كِي آئے تُو اِس وَاقْت لَام كِي ”تَا كَه“ كَعْدَ بَجَائِي ”كَه“ كَعْدَ مَعْنِي دِيَتَا هِيَا۔

نوٹ-2

وحی کی ایک قسم وہ ہے جسے قرآن مجید میں لکھ دیا گیا۔ اسے وحی متلو یعنی تلاوت کی ہوئی وحی کہتے ہیں۔ وحی کی دوسری قسم وہ ہے جسے قرآن مجید میں نہیں لکھا گیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے قول و عمل اسی وحی کی بناء پر تھے۔ اسے وحی غیر متلو کہتے ہیں اور اس کا ثبوت ہمیں قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ ایسے ہی مقامات میں سے ایک ہے۔

مدینہ میں تقریباً سولہ مہینے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھائی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس کو قبلہ ہم نے بنایا تھا، لیکن قرآن مجید میں یہ حکم درج نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ کا یہ عمل وحی غیر متلو کے تحت تھا۔

### آیت نمبر (144)

﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٤﴾﴾

ش ط ر

(ن) شَطْرًا کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا۔  
شَطْرٌ کسی چیز کا نصف یا وسط۔ پھر کسی چیز کے رُخ یا سمت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

ح ی ث

(x) اس مادہ سے فعل استعمال ہوتا۔  
حَيْثُ یہ ظرف مکان ہے اور ضمہ پر مبنی ہے۔ جہاں۔ کہاں (یہ زیادہ تر مکان مبہم کے لئے آتا ہے اس لئے اس کے بعد کسی جملہ یا فقرہ سے اس کی وضاحت کی جاتی ہے)۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

نَرَى کا فاعل اس میں شامل نَحْنُ کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ لفظ تَقَلُّبٌ میں حرف لام کی ضمہ بتا رہی ہے کہ یہ باب تفعیل کے ماضی کا صیغہ نہیں ہے بلکہ اس کا مصدر ہے۔ مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین سے خالی ہے۔ وَجْہِ اس کا مضاف الیہ بھی ہے اور آگے ضمیر کی کا مضاف بھی ہے۔ یہ پورا مرکب اضافی نَرَى کا مفعول ہے اس لئے اس کے مضاف تَقَلُّبٌ پر نصب آئی ہے۔ جب کہ فی السَّمَاءِ متعلق فعل ہے۔

لَنُوَلِّيَنَّ دراصل باب تفعیل میں وَلَّى یُوَلِّیٰ کا نون ثقیلہ کے ساتھ مضارع ہے اور جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اس میں شامل نَحْنُ کی ضمیر اس کا فاعل ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس کے ساتھ ضمیر کی اس کا مفعول اول ہے جب کہ قِبْلَةً مفعول ثانی ہے اور کمرہ موصوفہ ہے، تَرْضَاهَا اس کی صفت ہے۔

فَوَلِّ واحد مذكر مخاطب کے صیغہ میں فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل أَنْتَ کی ضمیر ہے۔ مرکب اضافی وَجْہِکَ اس کا مفعول اول ہے اس لئے وَجْہِکَ پر نصب آئی ہے۔ مرکب اضافی شَطْرَ الْمَسْجِدِ مفعول ثانی اس لئے شَطْرَ نصب میں ہے، جب کہ الْحَرَامُ، الْمَسْجِدِ کی صفت ہے۔ فَوَلُّوا جمع مذكر مخاطب کے صیغہ میں فعل امر

ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ وَجُوْهُكُمْ مفعول اول اور شَطْرُكُمْ مفعول ثانی ہے۔ اس میں اے کی ضمیر مسجد حرام کے لئے ہے۔ یہ جملہ فعلیہ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ کی خبر ہے۔  
اِنَّهُ الْحَقُّ میں اے کی ضمیر اَنْ کا اسم ہے اور الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے لئے ہے۔ الْحَقُّ خبر معرف باللام ہے اور ضمیر فاعل هُوَ کے بغیر ہے۔ پورا جملہ اس طرح ہوتا۔ اِنَّهُ هُوَ الْحَقُّ۔

قَدْ نَرَىٰ	تَقْلُبُ وَجْهَكَ	فِي السَّمَاءِ	فَلَنَوَلِّيَنَّكَ
ہم نے دیکھا ہے	آپ کے چہرے کا پلٹنا	آسمان میں	تو ہم لازماً پھیر دیں گے آپ کو
قِبْلَةً	تَرْضَاهَا	فَوَلِّ	وَجْهَكَ
اس قبلہ کی طرف	آپ راضی ہوں جس سے	پس آپ پھیریں	اپنے چہرے کو
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	وَحَيْثُ مَا	كُنْتُمْ	وَجُوْهُكُمْ
مسجد حرام کی طرف	اور جہاں کہیں بھی	تم لوگ ہو	اپنے چہروں کو
شَطْرَهُ	وَالَّذِينَ	اَوْتُوا	لِيَعْلَمُوْنَ
اس کی طرف	اور بیشک وہ لوگ جن کو	دی گئی	یقیناً جانتے ہیں
اِنَّهُ	الْحَقُّ	مِنْ رَبِّهِمْ	وَمَا اللّٰهُ
کہ وہ	ہی حق ہے	ان کے رب سے	اور اللہ
			بِغَافِلٍ
			عَمَّا
			يَعْمَلُوْنَ
			یہ لوگ کرتے ہیں

ترجمہ

نوٹ-1

اہل کتاب کے علماء پر یہ حقیقت پوری طرح واضح تھی کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا اور یہ بنوا سعلیل اور بنو اسرائیل، دونوں کا قبلہ تھا۔ پھر تیرہ سو سال بعد حضرت سلیمان نے بیت المقدس تعمیر کرایا تو وہ یہودیوں کا قبلہ قرار پایا۔ لیکن اپنی کتابوں میں وہ لکھا ہوا پاتے تھے کہ ”اس نبی“ یعنی آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قبلہ خانہ کعبہ ہوگا۔  
ابو العالیہ کا ایک یہودی سے مناظرہ ہو گیا۔ یہودی نے کہا کہ حضرت موسیٰ کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ ابو العالیہ نے کہا نہیں، حضرت موسیٰ بیت المقدس کے پاس نماز پڑھتے تھے لیکن آپ کا رخ بیت اللہ کی طرف ہی ہوتا تھا (واضح رہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں بیت المقدس تعمیر نہیں ہوا تھا) یہودی نے انکار کیا تو ابو العالیہ نے کہا اس جھگڑے کا فیصلہ حضرت صالح کی مسجد کرے گی۔ جو بیت المقدس کے نیچے ایک پہاڑ پر تھی۔ دیکھا گیا تو اس کا قبلہ بیت اللہ کی طرف تھا۔ (معارف القرآن، ج 1- ص 375)

### آیت نمبر (145)

﴿وَلَيْنُ اتَّيْتِ الَّذِيْنَ اَوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلِيْنَ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ اِنَّكَ اِذَا لَيِّنَ الظَّالِمِيْنَ ۝﴾

## ترکیب

لَئِنْ كَانَ شَرْطِيهِ - اَتَيْتَ سے اِيَّةِ تک شرط ہے جب کہ مَا تَبِعُوا قَبْلَكَ جواب شرط ہے۔ مَا تَبِعُوا ماضی کا صیغہ ہے۔ لیکن جواب شرط ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔ وَمَا اَنْتَ فِي مَا كَا اَسْمَا اَنْتَ ہے اور اَم الْفَاعِلِ بِتَابِعِ اس کی خبر بھی ہے اور فاعل کا بھی کام کر رہا ہے۔ اس لئے متعلق خبر قَبْلَتَهُمْ کے مضاف قَبْلَةً پر نصب آئی ہے۔ وَلَئِنْ اَتَّبَعْتَ فِي اِنْ شَرْطِيهِ - اَتَّبَعْتَ سے مِنَ الْعِلْمِ تک شرط ہے اور اِنَّكَ سے آخر تک جواب شرط ہے۔

## ترجمہ

وَلَئِنْ	اَتَيْتَ	الَّذِينَ	اَوْتُوا	الْكِتَابَ	بِحُجْلِ اِيَّةِ
اور اگر	آپ لے آئیں	ان کے پاس جن کو	دی گئی	کتاب	تمام نشانیاں (ہر نشانی)
مَا تَبِعُوا	قَبْلَكَ	وَمَا اَنْتَ	بِتَابِعِ		
تو بھی وہ لوگ پیروی نہیں کریں گے	آپ کے قبل کی	اور آپ	پیروی کرنے والے نہیں ہیں		
قَبْلَتَهُمْ	وَمَا بَعْضُهُمْ	بِتَابِعِ	قَبْلَةَ بَعْضِ		
ان کے قبل کی	اور ان کے کچھ لوگ	پیروی کرنے والے نہیں ہیں	(اپنے) کچھ لوگوں کے قبل کی		
وَلَئِنْ	اَتَّبَعْتَ	اَهُوَاءَهُمْ	مِنْ بَعْدِ	مَا	جَاءَكَ
اور اگر	آپ نے پیروی کی	ان کی خواہشات کی	اس کے بعد	کہ جو	آیا آپ کے پاس
مِنَ الْعِلْمِ	اِنَّكَ اِذَا	لَيَمِّنَ الظَّالِمِينَ			
علم میں سے	پھر تو یقیناً آپ	ظلم کرنے والوں میں سے ہوں گے			

## نوٹ-1

اِذَا حرف ہے اور اس کے معنی ہیں ”تب تو“۔ ”پھر تو“۔ یہ جملہ کے شروع میں نہیں آتا اور ہمیشہ جواب شرط پر آتا ہے۔

## نوٹ-2

اس آیت میں بھی انداز وہی ہے کہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن دراصل وارنگ ہم لوگوں کو دی گئی ہے۔

## نوٹ-3

اس آیت میں بھی اَهُوَاءَهُمْ اور مِنَ الْعِلْمِ کا تقابلی مطالعہ ہماری راہنمائی اس حقیقت کی جانب کر رہا ہے کہ SUBJECTIVE THINKING کے نتیجہ میں انسان جو عقائد اور نظریات قائم کرتا ہے، ان پر سائنٹیفک ریسرچ کے خواہ کتنے بھی روئے چڑھالے، لیکن بہر حال وہ خواہشات ہی ہوتے ہیں۔ علم حاصل کرنے کا راستہ صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ علم وحی کی روشنی میں انسان اپنی OBJECTIVE THINKING کی صلاحیت کو استعمال کرے۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ اس راستے کی ضرورت و اہمیت فزیکل سائنس سے زیادہ شوٹل سائنس میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو قومیں آج آسمان سے تارے توڑ کر لا رہی ہیں، شوٹل سائنس میں وہی قومیں آج ترقی معکوس کا شکار ہیں۔ انسانیت کو تباہی سے بچانے کے لئے اس حقیقت کا ادراک کرنا اور اس کا اعتراف کرنا اب ضروری ہے۔ اس ضمن میں آج کے ”اہل کتاب“ یعنی امت وسط کی ذمہ داری دوچند ہے کیونکہ اب علم وحی

ہمارے پاس ہے۔ اگر ہم نے اپنا فریضہ سرانجام نہیں دیا تو میدانِ حشر میں ہم شہداء علی الناس کا فریضہ سرانجام نہیں دے سکیں گے اور بقول مولانا مودودی اللہ تعالیٰ ہم سے پوچھے گا کہ جب دنیا میں معصیت، ظلم اور گمراہی کا یہ طوفان برپا تھا، تو تم کہاں مر گئے تھے۔

### آیت نمبر (146)

﴿الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ ط وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝﴾

ترکیب

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ مبتداء ہے اور يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ اس کی خبر ہے۔ إِنَّ کا اسمِ فَرِيقًا ہے اور مکرہ موصوفہ ہے۔ اس کی خبر مَوْجُودٌ مَحذُوف ہے اور مِنْهُمْ قائم مقام خبر ہے۔ جب کہ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ صفت ہے فَرِيقًا کی وَهُمْ يَعْلَمُونَ کا واو حالیہ ہے۔

ترجمہ

الَّذِينَ	اتَيْنَهُمُ	الْكِتَابَ	يَعْرِفُونَهُ	كَمَا	يَعْرِفُونَ
وہ لوگ	ہم نے دی جن کو	کتاب	وہ لوگ پہچانتے ہیں اس کو	جیسے کہ	وہ پہچانتے ہیں

ابْنَاءَهُمْ ط	وَإِنَّ	فَرِيقًا	مِنْهُمْ	لَيَكْتُمُونَ	الْحَقَّ
اپنے بیٹوں کو	اور یقیناً	ایک ایسا فریق	ان میں ہے	جو چھپاتا ہے	حق کو

و	هُمْ	يَعْلَمُونَ
اس حال میں کہ	وہ لوگ	جانتے ہیں

نوٹ-1

يَعْرِفُونَهُ میں ۱ کی ضمیر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی مانا گیا ہے، قرآن کے لئے بھی مانا گیا ہے اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ قبلہ کے طور پر بیت اللہ کے لئے ہے۔ میرے خیال میں یہ ضمیر ان سب کی جامع ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں علامتوں سے پہچانا جانا تھا اور اہل کتاب نے انہیں علامتوں کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچان لیا تھا جیسے کوئی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔

### آیت نمبر (147)

﴿الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُسْتَرِينَ ۝﴾

م ر ی

(ض)

مَرِيَّةٌ شک کی وجہ سے جھگڑا کرنا۔

مَرِيَّةٌ اسم ذات بھی ہے۔ شک۔ شبہ۔ ﴿فَلَا تَكُ فِي مَرِيَّةٍ مِّنْهُ ۚ﴾ (11/ ہود: 17) ”تو آپ نہ ہوں کسی شبہ میں اس سے۔“

مِرَاءٌ ایک دوسرے سے جھگڑنا۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَادُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝﴾ (42/ الکہف: 18) ”بیشک جو لوگ



جھگڑتے ہیں اس گھڑی میں یعنی قیامت کے بارے میں وہ دور کی گمراہی میں ہیں۔“  
 320  
 فعل نہیں ہے۔ تو مت جھگڑ۔ ﴿فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا﴾ (18/ الکہف: 22) ”پس تو مت جھگڑ ان میں مگر ظاہری جھگڑنا یعنی سرسری اختلاف ظاہر کر دینا۔“  
 باہم کسی پر یا کسی چیز میں شک کرنا۔ جھگڑا کرنا۔ ﴿وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالْأَنْذَرِ﴾ (54/ القمر: 36) ”اور اس نے خبردار کیا ہے ان کو ہماری پکڑ سے تو ان لوگوں نے جھگڑا کیا خبردار کرنے میں۔“

لَا تُمَارِ

(تفاعل)

تَمَارَا

اہتمام سے جھگڑا کرنا۔ شک کرنا۔ ﴿إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ﴾ (44/ الدخان: 50)  
 ”یشک یہ وہ ہے جس میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔“  
 اسم الفاعل ہے۔ شک کرنے والا۔ جھگڑا کرنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔

إِمْتَرَاءً

(افعال)

مُتَمَرِّ

ترکیب

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ کی ترکیب میں میرا ذہن مولانا اصلاحی کی رائے کو ترجیح دیتا ہے کہ الْحَقُّ خبر معرف باللام ہے۔ اس کا مبتداء اور ضمیر فاعل دونوں محذوف ہیں۔ پورا جملہ اس طرح ہوتا ہے۔ هَذَا هُوَ الْحَقُّ۔ جب کہ مِنْ رَبِّكَ متعلق خبر ہے۔ لَا تَكُونَنَّ واحد مذکر مخاطب کے صیغہ میں یَكُونَنَّ کا فعل نہیں، نون ثقیلہ کے ساتھ۔ اس کا فاعل اس میں شامل أَنْتَ کی ضمیر ہے۔ مِنَ الْمُتَمَرِّينَ دراصل اس کا مفعول تھا لیکن اس پر مِنْ داخل ہونے کی وجہ سے اب متعلق فعل کہلائے گا۔

الْحَقُّ	مِنْ رَبِّكَ	فَلَا تَكُونَنَّ	مِنَ الْمُتَمَرِّينَ
(یہ ہی) حق ہے	آپ کے رب سے	پس آپ ہرگز نہ ہوں	شک کرنے والوں میں سے

ترجمہ

## آیت نمبر (148)

﴿وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمْ اللَّهُ جَنِيحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝﴾

س ب ق

سَبَقًا (ض)

تیز چلنا۔ آگے نکلنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کسی بات کا آگے نکلنا یعنی بات کا طے ہو جانا۔ فیصلہ ہو جانا۔ ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۖ﴾ (37/ الصافات: 171) ”اور آگے نکل چکا ہے ہمارا فرمان یعنی ہمارا فیصلہ ہو چکا ہے ہمارے بھیجے ہوئے بندوں یعنی رسولوں کے لئے۔“ (۲) کسی کی پکڑ سے آگے نکلنا یعنی بھاگ نکلنا۔ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا﴾ (8/ الانفال: 59) ”اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ وہ لوگ بھاگ نکلے۔“ (۳) کسی کام میں آگے نکلنا یعنی پہل کرنا۔ سبقت کرنا۔ ﴿كَوْكَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ﴾ (46/ الاحقاف: 11) ”اگر وہ ہوتا بہتر تو وہ لوگ ہم پر سبقت نہ کرتے اس کی طرف۔“ (۴) کسی کی بات سے آگے نکلنا یعنی حکم عدولی کرنا۔ نافرمانی کرنا۔ ﴿لَا يَسْتَفْتُونَكَ بِالْقَوْلِ وَهُمْ

بَاْمِرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ (21/ الانبیاء: 27) ”وہ لوگ نافرمانی نہیں کرتے اس کی بات میں اور وہ لوگ اس حکم سے عمل کرتے ہیں۔“

سَابِقُ اسم الفاعل ہے۔ آگے نکلنے والا۔ ﴿وَلَا آئِلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط﴾ (36/ یس: 40) ”اور نہ رات دن کے آگے نکلنے والی ہے۔“

مَسْبُوقُ اسم المفعول ہے۔ جس کی گرفت سے نکلا گیا یعنی بے بس کیا ہوا۔ عاجز کیا ہوا۔ ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ﴾ (56/ الواقعة: 60) ”اور ہم عاجز کیے ہوئے نہیں ہیں۔“

مُسَابَقَةٌ (مفاعله) دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرنا۔ لپکنا۔

سَابِقُ فعل امر ہے۔ تو آگے نکل۔ تو لپک۔ ﴿وَسَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ﴾ (57/ الحدید: 21) ”اور تم لوگ لپکوا اپنے رب سے مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف۔“

اِسْتَبَاقًا (افعال) اہتمام سے آگے نکلنا یعنی آگے نکلنے کا مقابلہ کرنا۔ دوڑ لگانا۔ ﴿إِنَّا ذَهَبْنَا لَنَسْتَبِقُكَ وَتَوَكَّنَا يَوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا﴾ (12/ یوسف: 17) ”بیشک ہم گئے کہ دوڑ لگاتے ہیں اور ہم نے چھوڑا یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس۔“

وَجْهَةٌ مبتداء مکملہ ہے۔ اس کی خبر مَوْجُودٌ مخذوف ہے۔ لِكُلِّ متعلق خبر تھا جواب قائم مقام خبر مقدم ہے۔ هُوَ مبتداء اور مَوْلِيَّهَا اس کی خبر ہے۔ مَوْلِيَّهَا میں اسم الفاعل مَوْلٍ آیا ہے۔ مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین ختم ہوئی تو مَوْلِيٌّ ہوا۔ یہاں پر اسم الفاعل فعل کا کام کر رہا ہے جو دو مفعول کا تقاضہ کرتا ہے۔ پورا جملہ اس طرح ہوتا هُوَ مَوْلٍ نَفْسَهُ إِلَىٰ تِلْكَ الْوَجْهَةِ۔ چونکہ دونوں مفعول نَفْسُ اور وَجْهَةٌ کی ضمیریں مضاف الیہ کے طور پر آتی اس لئے مفعول اول نَفْسُ کی ضمیر کو مخذوف کر دیا گیا۔ فَاسْتَبِقُوا فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ الْخَيْرَاتِ اس کا مفعول ہے اس لئے حالت نصب میں ہے۔ تَكُونُوا شرط ہونے کی وجہ سے اور يَاتِ جواب شرط ہونے کی وجہ سے حالت جزم میں ہے۔

ترکیب

وَلِكُلِّ	وَجْهَةٌ	هُوَ	مَوْلِيَّهَا
اور سب کے لئے	توجہ کرنے کی کچھ سمتیں ہیں	وہ	پھیرنے والا ہے (خود کو) اس کی طرف

ترجمہ

فَاسْتَبِقُوا	الْخَيْرَاتِ	أَيْنَ مَا	تَكُونُوا
پس تم لوگ آگے نکلنے کا مقابلہ کرو	بھلائیوں میں	جہاں کہیں بھی	تم لوگ ہو گے

يَأْتِ بِكُمْ	اللَّهُ	جَبِيعًا	إِنَّ اللَّهَ	عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ	قَدِيرٌ
لے آئے گا تم لوگوں کو	اللہ	سب کے سب کو	بے شک اللہ	ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے

اس آیت میں رہماری رہنمائی کی گئی ہے کہ ہر ایک نے اپنا اپنا قبلہ بنایا ہوا ہے اور وہ ادھر ہی رُخ کرے گا۔ اس لئے اپنے قبلہ کی برتری ثابت کرنے کے لئے بحث و مباحثہ میں وقت ضائع مت کرو کیونکہ اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ پس یہی وقت بھلائی کے کاموں میں صرف کرو اور اس میدان میں اُن سے آگے نکلنے کا مقابلہ کرو

نوٹ-1



## آیت نمبر (149)

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ (۱۴۹)

## ترکیب

فَوَلِّ فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ وَجْهَكَ اس کا مفعول اول ہے اور شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مفعول ثانی ہے۔ اس لئے شَطْرَ پر نصب آئی ہے۔ تفسیر حقانی کے مطابق مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ یہاں پر شرط نہیں ہے۔ اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کے حکم فَوَلِّ کا متعلق فعل قرار پاتا ہے جس کو تاکید کی غرض سے مقدم کیا گیا ہے۔ إِنَّہ میں اِنَّ کا اسم لہ کی ضمیر ہے جو حکم کے لئے ہے۔ لَحَقُّ اس کی خبر ہے، مِنْ رَبِّكَ متعلق خبر ہے۔

## ترجمہ

وَمِنْ حَيْثُ	خَرَجْتَ	فَوَلِّ	وَجْهَكَ	شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ
اور جہاں سے	آپ نکلیں	تو آپ پھیریں	اپنے چہرے کو	مسجد حرام کی طرف

وَإِنَّهُ	لَلْحَقُّ	مِنْ رَبِّكَ ۚ	وَمَا اللَّهُ	بِغَافِلٍ
اور بے شک یہ	حق ہے	آپ کے رب کی جانب سے	اور اللہ	غافل نہیں ہے

عَمَّا	تَعْمَلُونَ
اس سے جو	تم لوگ کرتے ہو

آپ پڑھ چکے ہیں کہ لام تعریف پر جب لام جاؤ (ل) داخل ہوتا ہے تو لام تعریف کا ہمزہ الوصل لکھنے میں بھی گر جاتا ہے جیسے لِمُتَّقِينَ۔ اسی طرح سے لام تعریف پر جب لام تاکید (ل) داخل ہوتا ہے تب بھی ہمزہ الوصل لکھنے میں گر جاتا ہے۔ اس حوالہ سے نوٹ کریں کہ لَحَقُّ دراصل لَ الْحَقُّ تھا جو لَحَقُّ لکھا گیا ہے۔

## نوٹ-1

## آیت نمبر (150)

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۚ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۚ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلَا تَمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (۱۵۰)

## ترکیب

لِئَلَّا دراصل لَئِنْ لَا ہے لَئِنْ کی وجہ سے یَكُونُ منصوب ہے۔ اس کا اسم حُجَّةٌ نکرہ آیا ہے، اس کی خبر مخذوف ہے جو کہ مَوْجُودًا یا قَائِمًا ہو سکتی ہے جب کہ لِلنَّاسِ متعلق خبر ہے۔ لَا تَخْشَوْا فعل نہی ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور هُمْ ضمیر مفعولی ہے۔ وَاخْشَوْا فعل امر ہے۔ اس کا فاعل بھی اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور نِی ضمیر مفعولی ہے۔

ترجمہ

وَمِنْ حَيْثُ	خَرَجْتَ	فَوَلَّ	وَجْهَكَ	شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط	وَحَيْثُ مَا
اور جہاں سے	آپ نکلیں	تو آپ پھیریں	اپنے چہرے کو	مسجد حرام کی طرف	اور جہاں کہیں بھی

كُنْتُمْ	فَوَلُّوا	وُجُوهَكُمْ	شَطْرًا	لِيَلَّا يَكُونَ	لِلنَّاسِ
تم لوگ ہو	تو تم لوگ پھيرو	اپنے چہروں کو	اس کی طرف	تاکہ نہ ہو	لوگوں کے لئے

عَلَيْكُمْ	حُجَّةً	إِلَّا الَّذِينَ	ظَلَمُوا	مِنْهُمْ	
تم لوگوں پر	کوئی حجت	سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے	ظلم کیا	ان میں سے	

فَلَا تَخْشَوْهُمْ	وَاحْشَوْنِي	وَلَا تَمََّ			
پس تم لوگ مرعوب مت ہو ان لوگوں سے	اور مرعوب ہو مجھ سے	اور تاکہ میں تمام کروں			

نِعْمَتِي	عَلَيْكُمْ	وَلَعَلَّكُمْ	تَهْتَدُونَ		
اپنی نعمت کو	تم لوگوں پر	اور شاید کہ تم لوگ	ہدایت پاؤ		

تحويل قبلہ کا حکم یہودیوں پر بہت بھاری تھا۔ ان کی معزولی کے تابوت میں یہ آخری کیل تھا۔ اس لئے وہ اپنی تمام تر ذہانت اور فطانت کو بروئے کار لا کر ہر قسم کے اعتراضات کر رہے تھے اور وسوسہ اندازی کا کاروبار بھی پورے زور و شور سے جاری تھا۔ کچھ سادہ لوح صحابہ کرامؓ کا اس طوفان سے متاثر ہو جانا ایک فطری بات ہے۔ ان کے اطمینانِ قلب کے لئے تحويل قبلہ کے حکم کی تکرار کی گئی ہے۔

نوٹ-1

نیز مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ کے ساتھ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ کے الفاظ لا کر اس بات کو کھول دیا گیا کہ یہ حکم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے، وحی حکم پوری امت کے لئے بھی ہے۔ اصول یہ ہے کہ جو حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے وہی حکم پوری امت کے لئے بھی ہے۔ لیکن تحويل قبلہ کے حکم کو اس اصول پر نہیں چھوڑا گیا تاکہ آگے چل کر تعین قبلہ کے ضمن میں کوئی مین میخ نکالنے کی یا اگرچہ، مگرچہ، چنیں کہ، چنانچہ کی دھونی رمانے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ مثلاً کوئی ریسرچ سکا لریہ دور کی کوڑی لاسکتا تھا کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے اور بیت اللہ کی طرف بھی، اس لئے دونوں میں سے کسی طرف رُخ کر لیا جائے درست ہوگا۔ سچی بات یہ ہے کہ ایک دانشور سے اس نکتہ پر میری بات ہو چکی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہم لوگ اپنے ملاپن سے باز آجائیں ذرا سی وسیع النظری کا مظاہرہ کریں تو عالمی امن میں انقلاب آجائے گا اور پاکستان کو ہونے والے فوائد کا شمار کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس کی دلیل قاطعہ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ سے آخر تک آیت نمبر 143/2 ہے۔

بہر حال یہ بات اچھی طرح سمجھ کر ذہن نشین کر لیں کہ تحويل قبلہ کے ضمن میں آیت نمبر 142/2 سے اس آیت تک تکرار، تاکید اور وضاحت کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس نوعیت کی حجت و تکرار کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے جائیں۔

دوسروں کے نظریات اور طرزِ زندگی کو ترقی یافتہ سمجھنا جب کہ اسلامی نظریات اور طرزِ زندگی کو فرسودہ قرار دے کر

نوٹ-2

موجود زمانے میں ناقابل عمل سمجھنا، دراصل ایک ذہنی بیماری ہے جو عمل میں بھی سرایت کر جاتی ہے۔ اس قسم کی ذہنی مرعوبیت سے، اس آیت میں، بالکل دو ٹوک الفاظ میں منع فرمایا ہے۔ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي کا یہی مطلب ہے۔ <sup>320</sup>یونکہ یہ آیت صرف صحابہ کرامؓ کے لئے ہی نہیں آئی تھی بلکہ ہمارے اور آپ کے لئے بھی آئی ہے۔

اس حکم کے ساتھ ہی ہمارے رب نے ایک وعدہ بھی کیا ہے کہ کوئی قوم جب کبھی بھی وَاخْشَوْنِي پر عمل کرے گی، تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر اپنی نعمت تمام کر دے گا۔ غور کریں کہ اُتِمُّ (میں تمام کرتا ہوں یا کروں گا) کہنے کے بجائے لِاتِمَّ (تاکہ میں تمام کروں) فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اتمام نعمت کا وعدہ اِخْشَوْنِي کے حکم کے ساتھ مشروط ہے۔

میں نے اپنے دانشور دوست کے سامنے تصویر کا یہ رُخ رکھ کر انہیں دعوت دی کہ ہمارے دانشور لوگ اگر ذہنی غلامی سے آزادی حاصل کر کے وَاخْشَوْنِي پر عمل پیرا ہونے پر آمادہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ پاکستان پر اپنی نعمت تمام کر دے گا۔ اس وقت پاکستان کو کتنے فوائد حاصل ہوں گے؟ میں نے بہت کوشش کی کہ ہمارے دوست کم از کم ایک مرتبہ غور تو کر لیں، لیکن وہ اپنے قبلے سے رُخ پھیرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اور هُوَ مُوَلِّيْهَا کا عملی مظاہرہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس آیت میں قِبْلَتُكَ کے بجائے وَجْهَتُكَ کا لفظ لانے کی حکمت بھی سمجھ میں آگئی۔ ہماری کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ ”وہ برا وقت“ آنے سے پہلے ہی، محض اس کی دہشت سے، ہمارے دوست ویزالے کرکینڈا چلے گئے۔ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔ یہ دراصل BRAIN DRAIN کا لطیف ترجمہ ہے۔ DRAIN کے لفظی معنی بیان کرنے سے ترجمہ کثیف ہو جاتا ہے۔

### آیت نمبر (151)

﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾

کَمَا	أَرْسَلْنَا	فِيكُمْ	رَسُولًا	مِّنْكُمْ	يَتْلُوا عَلَيْكُمْ
جیسا کہ	ہم نے بھیجا	تم لوگوں میں	ایک ایسا رسول	تم لوگوں میں سے	جو پڑھ کر سناتا ہے تم لوگوں کو

ترجمہ

آيَاتِنَا	وَيُزَكِّيكُمْ	وَيُعَلِّمُكُمُ	الْكِتَابَ
ہماری آیات	اور جو تزکیہ کرتا ہے تم لوگوں کا	اور جو تعلیم دیتا ہے تم لوگوں کو	احکام کی

وَالْحِكْمَةَ	وَيُعَلِّمُكُمُ	مَّا	لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ
اور حکمت کی	اور جو تعلیم دیتا ہے تم لوگوں کو	اس کی جو	تم لوگ نہیں جانتے تھے

آیت زیر مطالعہ کی ابتداء لفظ كَمَا (جیسا کہ) سے ہوئی ہے۔ اس کا ربط گزشتہ آیت کے آخری حصے سے ہے جس میں فرمایا کہ تاکہ میں تم لوگوں پر اپنی نعمت تمام کروں اور تاکہ تم لوگ ہدایت پاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا ایک احسان عظیم ہے اور انسانیت کی ہدایت کے لئے ہے۔ اسی طرح تحویل قبلہ کا حکم بھی اللہ کا احسان ہے اور ہماری ہدایت کے لئے ہے۔

نوٹ۔ 1

نوٹ-2

اس آیت کا مفہوم گذشتہ آیت نمبر 2 / 129 میں واضح کر دیا گیا ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حیثیت کو ایک مرتبہ پھر ذہن نشین کر لیا جائے کہ اسلام کا تجویز کردہ تزکیہ کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کی تلاوت اس طرح کی جائے جیسا کہ ان کی تلاوت کا حق ہے۔ (121/2) باقی طریقے دیگر مذاہب سے مستعار لے کر مسلمان کئے گئے ہیں۔ نظریات و عقائد کے تزکیہ کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ممکن ہوتا ہے اور احکام کی حکمت عمل کے بعد سمجھی جاتی ہے۔

دنیاوی معاملات میں کسی کام کی حکمت سمجھنے کے بعد اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا درست طریقہ کار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مختلف طریقہ کار میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کا ہمیں اختیار اور آزادی حاصل ہے، یعنی یہاں ہمارے پاس CHOICE ہے۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد اس کے احکام کے ضمن میں ہماری CHOICE ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے احکام الہی کے لئے یہی ترتیب درست ہے کہ پہلے ان پر عمل کیا جائے اور بعد میں ان کی حکمت سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

### آیت نمبر (152)

﴿فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾<sup>ع</sup>

ترکیب

فَاذْكُرُوا فعل امر ہے اور نِ ضمیر مفعولی ہے اس لئے فَاذْكُرُوا میں واو الجمع کا الف گرا ہوا ہے۔ اَذْكُرْ فعل مضارع ہے اور جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ وَاشْكُرُوا بھی فعل امر ہے جب کہ لَا تَكْفُرُوا فعل نہیں ہے۔ نِ نون وقایہ یعنی ضمیر مفعولی نِ کا مخفف ہے اس لئے لَا تَكْفُرُوا کا واو الجمع بھی گرا ہوا ہے۔

فَاذْكُرُونِي	اَذْكُرْ	كُمْ	وَاشْكُرُوا لِي
پس تم لوگ یاد کرو مجھ کو	تو میں یاد رکھوں گا	تم لوگوں کو	اور تم لوگ شکر ادا کرو میرا

وَلَا تَكْفُرُونِ	نِ
اور تم لوگ ناشکری مت کرو	میری

بہت عرصہ پہلے ایک کتابچہ ”ذکر اللہ“ پڑھا تھا جو مفتی محمد شفیع کی تحریر تھی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص زبان سے سبحان اللہ کا تکرار کر رہا تھا، لیکن اس کا دماغ اور دل کہیں اور مصروف ہے۔ یہ شخص ان سے تو بہتر ہے جن کی زبان کسی قسم کی بدگوئی میں مصروف ہے، لیکن اس کا یہ عمل ذکر اللہ نہیں ہے بلکہ ذکر کا ذریعہ ہے۔ دوسرا شخص زبان سے الحمد للہ کی تکرار کر رہا ہے، اس کا ذہن بھی متوجہ ہے، لیکن دل شکر کے جذبات سے خالی ہے۔ یہ پہلے شخص سے بہتر ہے، لیکن یہ بھی ابھی ”ذریعہ ذکر“ میں ہے۔ تیسرا شخص اپنے قلب و ذہن کی گہرائیوں سے پھوٹ بننے والے جذبہ شکر کے اظہار کے لئے زبان سے الحمد للہ کی تکرار کر رہا ہے۔ یہ سب سے بہتر ہے، لیکن یہ بھی ابھی ذکر اللہ کی

نوٹ-1

منزل تک نہیں پہنچا ہے۔ صحیح جذبات و کیفیات کے ساتھ اللہ کو یاد کرنے والے کلمات کی زبان سے تکرار کرنے کے نتیجے میں جب کسی کو معاملات کرتے وقت اللہ کے احکام یاد آنے لگیں اور وہ ان پر عمل کرے، تو یہ ذکر اللہ ہے۔ اس 320 آیت سے اب آپ فَاذْكُرُونِي کا مفہوم سمجھئے اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اس نے اللہ کو یاد کیا، اگرچہ اس کی نماز۔ روزہ (نفل) وغیرہ کم ہوں اور جس نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی کی اس نے اللہ کو بھلا دیا، اگرچہ اس کی نماز۔ روزہ (نفل)۔ تسبیحات وغیرہ زیادہ ہوں۔ (معارف القرآن)۔

### آیت نمبر (153)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (153)

اس آیت کی ترکیب و تشریح کے لئے آیت نمبر ۲ / ۴۵ دیکھیں۔

ترکیب

ترجمہ	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اسْتَعِينُوا	بِالصَّبْرِ
اے لوگو! جو ایمان لائے	تم لوگ مدد طلب کرو (اللہ کی)	ثابت قدمی کے ذریعے	

وَالصَّلَاةِ	إِنَّ اللَّهَ	مَعَ الصَّابِرِينَ
اور نماز کے ذریعے	یقیناً اللہ	ثابت قدم لوگوں کے ساتھ ہے

### آیت نمبر (154)

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (154)

لَا تَقُولُوا فعل نہی ہے۔ يُقْتَلُ مضارع مجہول اور لَا تَشْعُرُونَ مضارع منفی ہیں جن میں حال اور مستقبل، دونوں زمانوں کا احاطہ ہوتا ہے۔ لِمَنْ میں مَنْ جمع کے معنی میں آیا ہے۔ لفظی رعایت کے تحت يُقْتَلُ واحد آیا ہے۔ پھر معنوی لحاظ سے مَيِّت کی جمع أَمْوَاتٌ آئی ہے جو کہ خبر ہے۔ اس کا مبتداء هُمْ محذوف ہے۔ اسی طرح سے أَحْيَاءٌ بھی خبر ہے اور اس کا بھی مبتداء هُمْ محذوف ہے۔

ترکیب

وَلَا تَقُولُوا	لِمَنْ	يُقْتَلُ
اور تم لوگ مت کہو	ان کے لئے جو	قتل کئے جاتے ہیں اور قتل کئے جائیں گے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ	أَمْوَاتٌ	بَلْ	أَحْيَاءٌ	وَلَكِنْ
اللہ کی راہ میں	(کہ وہ لوگ) مردہ ہیں	بلکہ	(وہ لوگ) زندہ ہیں	اور لیکن

320

لَا تَشْعُرُونَ

تم لوگ شعور نہیں رکھتے اور نہ رکھو گے

نوٹ-1

شہداء کے بہت سے درجے ہیں۔ ان میں سب سے بلند درجہ ان لوگوں کا ہے جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں۔ اس حوالہ سے یہ بات سمجھ لیں کہ اس آیت میں جو ہدایت ہے وہ مقتول فی سبیل اللہ کے لئے ہے۔ جب معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ زندہ ہیں تو ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ (۱) کہاں زندہ ہیں اور (۲) ان کی زندگی کی کیفیت کیا ہے؟ اس آیت میں پہلے سوال کا جواب نہیں ہے، البتہ آگے چل کر آیت نمبر (3/ 169) میں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ دوسرے سوال کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ ہم لوگ ان کی زندگی کا شعور حاصل نہیں کر سکتے۔

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### سورة البقرة (۲)

#### آیت نمبر (155)

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۖ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾﴾

ج و ع

(ن) جُوعًا بھوکا ہونا۔ ﴿إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ﴾ (20/طہ: 118) ”بے شک تیرے لئے ہے کہ تو بھوکا نہیں ہوگا اس میں اور نہ ننگا۔“  
جُوعُ اسم ذات ہے۔ بھوک۔ ﴿الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّنْ جُوعٍ﴾ (106/القریش: 4) ”جو کھانا دیتا ہے ان کو بھوک میں۔“

ن ق ص

(ن) نَقْصًا کمی کرنا۔ گھٹانا۔ ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ ۖ﴾ (50/ق: 4) ”ہمیں علم ہے اس کا جو گھٹاتی ہے زمین ان میں سے۔“  
اُنْقُصُ فعل امر ہے۔ تو کمی کر۔ تو گھٹا۔ ﴿أَوْ اِنْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا﴾ (73/المزل: 3) ”یا آپ گھٹائیں اس میں سے تھوڑا سا۔“  
مَنْقُوصُ اسم المفعول ہے۔ کمی کیا ہوا۔ گھٹایا ہوا۔ ﴿وَإِنَّا لَنُوقُوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ﴾ (11/ہود: 109) ”اور بے شک ہم پورا پورا دینے والے ہیں ان کو ان کا حصہ بغیر کوئی کمی کیا ہوا۔“  
نَقْصُ اسم ذات بھی ہے۔ کمی۔ گھٹا۔ آیت زیر مطالعہ

ترکیب

فعل مضارع نَبْلُوْ لام تاکید اور نون ثقیلہ کے ساتھ لَنَبْلُوْ آیا ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل نَحْنُ کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس کا مفعول کُمْ کی ضمیر ہے۔ جو اہل ایمان کے لئے ہے۔ بِشَيْءٍ متعلق فعل ہے۔ مِنَ الْخَوْفِ کا مِنْ بیانیہ ہے جو بِشَيْءٍ کی وضاحت کے لئے ہے۔ الْجُوعِ۔ نَقْصٍ۔ الْأَنْفُسِ۔ الثَّمَرَاتِ، ان سب سے پہلے مِنْ بیانیہ مخدوف ہے۔ اس لیے یہ سب حالت جز میں ہیں۔ بَشِّرِ دراصل فعل امر بَشِّرُ ہے جس کو آگے ملانے کے لیے کسرہ دی گئی ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل أَنْتَ کی ضمیر ہے اور الصَّابِرِينَ اس کا مفعول ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ	بِشَيْءٍ	مِّنَ الْخَوْفِ	وَالْجُوعِ
اور ہم لازماً آزمائیں گے تم لوگوں کو	کسی چیز سے	خوف میں سے	اور بھوک میں سے

ترجمہ

وَنَقْصٍ	مِّنَ الْأَمْوَالِ	وَالْأَنْفُسِ	وَالثَّمَرَاتِ ط
اور کچھ گھٹائے سے	مالوں میں سے	اور جانوں میں سے	اور پھلوں میں سے



وَبَشِّرِ	الْصَّابِرِينَ
اور آپ بشارت دیں	ثابت قدم

نوٹ-1

بَشِّرِ کا لفظی ترجمہ تو یہی بنتا ہے کہ ”کسی چیز سے“ لیکن محاورہ میں اس کا مفہوم ہے ”تھوڑا سا“ یا ”ذرا سا“۔ اس آیت میں یہ لفظ لا کر ہمیں بتا دیا گیا ہے کوئی آزمائش ہمیں کتنی بھی بڑی معلوم ہو، لیکن دراصل وہ چھوٹی ہی ہوگی۔ ہم لوگوں کو اس کا تجربہ بھی ہے۔ جب کوئی آزمائش گزر جاتی ہے تب ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ اتنی بڑی آزمائش نہیں تھی جتنا ہم واویلا کر رہے تھے۔ اور جب کوئی نئی آزمائش آتی ہے تو ہم پچھلے تجربے کو بھول جاتے ہیں۔

نوٹ-2

آزمائش کے ضمن میں پہلی بات یہ نوٹ کر لیں کہ یہ انسان کی اور ہر انسان کی ضرورت ہے۔ اس نظام سے اللہ کی کوئی غرض نہیں الٹی ہوئی ہے۔ اس لیے اس دنیا میں عابد و زاہد، فاسق و فاجر، مومن و کافر، غرض ہر قسم کے انسان کو مختلف آزمائشوں سے گزارا جاتا ہے جو مختلف ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔ اس آیت کے سیاق و سباق میں نیکو کار اہل ایمان کی بات ہو رہی ہے۔ اس لیے اس مقام پر یہ بات سمجھ لیں کہ ایمان کی حالت میں عمل صالح کرنے والے لوگوں کی کون سی ضرورت ان آزمائشوں سے پوری ہوتی ہے۔

ہماری ایک کمزوری یہ ہے کہ ہم کو کتنا بھی انعام و اکرام دے دیا جائے، عام طور پر ہم اس سے مطمئن نہیں ہوتے اور مزید کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ مطالبہ زبانی دعووں کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ہماری دوسری کمزوری یہ ہے کہ اگر ہمارے مطالبے کے مطابق ہم کو دے دیا جائے تو ہم پھر بھی مطمئن نہیں ہوتے۔ کیونکہ پھر ہم دوسرے کی تھالی میں جھانکتے ہیں کہ اس کو اتنا کیوں ملا؟ اور یہ بات طے ہے کہ میدانِ حشر میں ہماری یہ کمزوریاں ختم نہیں ہوں گی بلکہ زیادہ ہو جائیں گی۔

اس کا علاج یہی ہے کہ ہمارے بلند و بانگ دعووں کا لپ اسٹک پاؤڈر آزمائش کی کڑی دھوپ میں اُتار دیا جائے اور ہر ایک کے دعوے کی حقیقت ریکارڈ پر آجائے۔ اس طرح نیکو کار اہل ایمان میدانِ حشر میں اطمینانِ قلب کی نعت حاصل کریں گے۔

### آیت نمبر (156)

﴿الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝﴾

ترکیب

الَّذِينَ گزشتہ آیت کے الصَّابِرِينَ پر عطف ہے۔ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ شرط ہے اور قَالُوا سے رَاجِعُونَ تک جواب شرط ہے۔ أَصَابَتْ فعل ماضی کا واحد مؤنث کا صیغہ ہے لیکن إِذَا کی وجہ سے یعنی شرط ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ حال میں ہوگا۔ أَصَابَتْ کا فاعل مُصِيبَةٌ ہے اور اس کا مفعول هُمْ کی ضمیر ہے جو الَّذِينَ یعنی الصَّابِرِينَ کے لیے ہے۔ إِنَّا دراصل إِنَّ نَا ہے اَنْ حرف تاکید، ضمیر منصوبہ، نَا اس کا اسم ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ جبکہ لِلَّهِ قائم مقام خبر ہے۔ اسی طرح إِنَّا کی خبر رَاجِعُونَ ہے اور إِلَيْهِ متعلق خبر مقدم ہے۔



الَّذِينَ	إِذَا	أَصَابَتْهُمْ	مُصِيبَةٌ	قَالُوا	320	إِنَّا
وہ لوگ جو	جب بھی	پہنچتی ہے ان کو	کوئی مصیبت	تو وہ لوگ کہتے ہیں		بیشک ہم

ترجمہ

لِلّٰهِ	وَإِنَّا	إِلَيْهِ	لَجْعُونَ
اللہ کے لیے ہیں	اور یقیناً ہم	اس کی طرف ہی	لوٹنے والے ہیں

## آیت نمبر (157)

﴿أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُہْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾﴾

صَلَوَاتٌ اور رَحْمَةٌ مبتداء نکرہ ہیں کیونکہ اصول بیان ہو رہا ہے۔ ان کی خبر محذوف ہے جو کہ واجب ہو سکتی ہے۔ عَلَيْهِمْ قائم مقام خبر مقدم ہے اور مِّن رَّبِّهِمْ متعلق خبر ہے۔ یہ پورا جملہ اسمیہ پھر خبر بن رہا ہے اُولَٰئِكَ کی، جو کہ مبتداء ہے۔ وَأُولَٰئِكَ مبتداء ہُمْ ضمیر فاعل اور الْمُہْتَدُونَ خبر معارف بلام ہے۔ ناقص یائی جب باب افتعال میں آتا ہے تو اس کا اسم الفاعل اور اسم المفعول ہم شکل ہو جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے الْمُہْتَدُونَ کے دونوں امکانات تھے۔ لیکن چونکہ اِهْتَدَى لازم ہے اس لیے الْمُہْتَدُونَ اسم الفاعل ہے۔

ترکیب

أُولَٰئِكَ	عَلَيْهِمْ	صَلَوَاتٌ	مِّن رَّبِّهِمْ	وَرَحْمَةٌ	وَأُولَٰئِكَ
وہ لوگ ہیں	جن پر ہیں	عنایتیں	ان کے رب (کی جانب) سے	اور رحمت	اور وہ لوگ

ترجمہ

هُمُ الْمُہْتَدُونَ
ہی ہدایت پانے والے ہیں

## آیت نمبر (158)

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَبَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾﴾

ج ن ح

کشتی کا کسی جانب جھک جانا۔ کسی کا کسی طرف مائل ہونا۔ ﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾ (8/ الانفال: 61) ”اور اگر وہ لوگ مائل ہوں صلح کے لیے تو آپ بھی مائل ہوں اس کے لیے۔“

جُنُوحًا

(ض)

فعل امر ہے۔ تو جھک۔ تو مائل ہو۔ اوپر آیت نمبر۔ (8/ الانفال: 61)

اجْنَحْ

جَنَاحٌ

جَ اجْنَحَةٌ۔ اسم ذات ہے۔ کسی چیز کا کوئی جانب۔ انسان کا پہلو۔ بغل۔ پرندوں کے پر۔ ﴿وَاحْفَظْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (15/ الحج: 88) ”اور آپ جھکائیں اپنا پہلو مومنوں کے لیے۔“ ﴿وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ﴾ (20/ طہ: 22) ”اور آپ ملا لیں اپنا ہاتھ اپنی بغل کی طرف۔“

﴿وَلَا طَبِيرٌ يَّطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ﴾ (6/ الانعام: 38) ”اور نہ کوئی اُڑنے والا جو اُڑتا ہے اپنے دونوں پروں سے۔“ ﴿جَاعِلِ الْمَلَكِ رُسُلًا اُولٰٓئِكَ اُجْنَحَتْ﴾ (35/ فاطر: 1) ”فرشتوں کو بنانے والا رسول، جن کے پر ہیں۔“  
اسم ذات ہے۔ کسی غلط جانب جھکاؤ۔ گناہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

جُنَاحٌ

ط و ع

(ف۔ن)

طَوَّعًا

طَائِعٌ

تابعدار ہونا۔ فرمانبردار ہونا۔  
تابعدار ہونے والا۔ ﴿فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا طَاعَتًا﴾ (4/ النساء: 81) ”اور وہ لوگ کہتے ہیں فرمانبرداری کرنا ہے۔“ ﴿يَقُولُونَ لِيَلَيْتَنَّا اطَعْنَا اللَّهَ وَ اطَعْنَا الرَّسُولَ﴾ (33/ الاحزاب: 66) ”وہ لوگ کہیں گے اے کاش! ہم اطاعت کرتے اللہ کی اور ہم اطاعت کرتے ان رسول کی۔“

إِطَاعَةً اَوْ طَاعَةً

(افعال)

کسی کی فرمانبرداری کرنا۔ اطاعت کرنا۔ ﴿وَيَقُولُونَ طَاعَةً﴾ (4/ النساء: 81) ”اور وہ لوگ کہتے ہیں فرمانبرداری کرنا ہے۔“ ﴿يَقُولُونَ لِيَلَيْتَنَّا اطَعْنَا اللَّهَ وَ اطَعْنَا الرَّسُولَ﴾ (33/ الاحزاب: 66) ”وہ لوگ کہیں گے اے کاش! ہم اطاعت کرتے اللہ کی اور ہم اطاعت کرتے ان رسول کی۔“

أَطِيعُ

ج اَطِيعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو اطاعت کر۔ ﴿اَطِيعُوا اللَّهَ وَ الرَّسُولَ﴾ (3/ آل عمران: 32) ”تم لوگ اطاعت کرو اللہ کی اور ان رسول کی۔“

لَا تُطِيعُ

فعل نہی ہے۔ تو اطاعت مت کر۔ تو کہنا مت مان۔ ﴿وَلَا تُطِيعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ (18/ الکہف: 28) ”اور تو کہنا مت مان اس کا، ہم نے غافل کیا جس کے دل کو اپنی یاد سے۔“

مُطَاعٌ

اسم المفعول ہے۔ اطاعت کیا ہوا۔ بات مانا ہوا۔ ﴿ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ﴾ (81/ التکویر: 20، 21) ”قوت والا، عرش والے کے پاس رہنے والا، مانا جانے والا، وہیں امانت والا۔“

تَطَوُّعًا

(تفعیل)

کسی کو فرمانبردار بنانا، کسی کام کے لیے راضی کرنا۔ ﴿فَطَوَّعَتْ لَهَا نَفْسُهُ قَتْلَ اَخِيهِ﴾ (5/ المائدہ: 30) ”پس راضی کیا اس کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر۔“

تَطَوُّعًا

(تفعل)

بتکلف فرمانبرداری کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر اصطلاحاً نفلی عبادات کرنے کے لیے آتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

مُطَوِّعٌ

اسم الفاعل ہے۔ نفلی عبادت کرنے والا۔ ﴿الَّذِينَ يَكْمِزُونَ الْمُطَوِّعِينَ﴾ (9/ التوبة: 79) ”وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں نفلی عبادت کرنے والوں کو۔“

اِسْتِطَاعَةً

(استفعال)

فرمانبرداری کرنے کے لائق ہونا۔ صلاحیت یا قدرت رکھنا۔ ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (64/ التغابن: 16) ”پس تقویٰ کرو اللہ کا اتنا جتنی تمہاری صلاحیت ہو۔“

ش ك ر

(ن)

شُكْرًا اَوْ شُكُورًا

کسی نعمت و بھلائی کا اعتراف کرنا۔ احسان ماننا۔ شکر کرنا۔ ﴿وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ﴾ (27/ النمل: 40) ”اور جس نے شکر کیا تو کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ شکر کرتا ہے اپنے آپ کے لیے۔“  
فعل امر ہے۔ تو احسان مان۔ تو شکر کر۔ ﴿اِنْ اَشْكُرْ لِي وَلِوَالِدِيَ﴾ (31/ لقمن: 14) ”کہ تو احسان مان میرا اور اپنے والدین کا۔“

اُشْكُرُ

شَاكِرٌ اسم الفاعل ہے۔ شکر کرنے والا۔ اس کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے قدر کرنے والا۔ آیت زیر مطالعہ اور ﴿شَاكِرًا لِّأَنْعَمِهِ ط﴾ (16 / النحل: 121) ”شکر کرنے والا اس کے احسانوں کا۔“

مَشْكُورٌ اسم المفعول ہے۔ شکر کیا ہوا۔ قدر کیا ہوا۔ ﴿فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُورًا ۝﴾ (17 / بنی اسرائیل: 19) ”تو وہ لوگ ہیں جن کی بھاگ دوڑ قدر کی ہوئی ہے۔“

شَكْوَرٌ فَعُولٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بے انتہا شکر کرنے والا۔ ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝﴾ (14 / ابراہیم: 5) ”بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک بار بار صبر کرنے والے، بے انتہا شکر کرنے والے کے لئے۔“ ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝﴾ (42 / الشوری: 23) ”بے شک اللہ بے انتہا بخشنے والا بے انتہا قدر کرنے والا ہے۔“

## ترکیب

إِنَّ کا اسم الصِّفَا اور الْمَرْوَة ہیں۔ ان کی خبر مخدوف ہے جو کہ مَوْجُودَانِ ہو سکتی ہے۔ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ متعلق خبر ہے۔ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتِ أَوْ اعْتَمَرَ شرط ہے اور فَلَا جُنَاحَ سے بھمّا تک جواب شرط ہے۔ حَجَّ اور اعْتَمَرَ کا فاعل ان میں شامل ہو کی ضمیریں ہیں جو مَنْ کے لیے ہیں اور الْبَيْتِ ان دونوں کا مفعول ہے۔ یہ جملہ فعلیہ فَمَنْ مبتداء کی خبر ہے۔ فَلَا جُنَاحَ پر لائے نفی جنس ہے۔ اس لیے جُنَاحَ تنوین کے بغیر نصب میں آیا ہے اور یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر مخدوف ہے۔ جو ثَابِتٌ يَأْوَجِبُ ہو سکتی ہے۔ عَلَيْهِ قائم مقام خبر ہے۔ بھمّا میں ہمّا کی ضمیر الصِّفَا اور الْمَرْوَة کے لیے ہے۔ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا شرط ہے۔ اور فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ جواب شرط ہے۔

## ترجمہ

إِنَّ	الصِّفَا وَالْمَرْوَة	مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ج	فَمَنْ
بیشک	صفا اور مروہ ہیں	اللہ کا شعور حاصل کرنے کی علامتوں میں سے	پس جس نے

حَجَّ	الْبَيْتِ	أَوْ اعْتَمَرَ	فَلَا جُنَاحَ	عَلَيْهِ
زیارت کی	اس گھر کی	یا عمرہ کیا	تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں	اس پر

أَنْ يَطَّوَّفَ	بِهَمَّاءٍ	وَمَنْ	تَطَوَّعَ	خَيْرًا
کہ وہ بتکلف چکر لگائے	ان دونوں میں	اور جس نے	نفل کی	کوئی بھلائی

فَإِنَّ اللّٰهَ	شَاكِرٌ	عَلِيمٌ
تو یقیناً اللہ	قدر دان ہے	جاننے والا

## نوٹ۔ 1

زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ پر مورتیاں رکھی ہوتی تھیں اور کفار انہیں کی پوجا کرنے کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے۔ اس وجہ سے کچھ صحابہ کرامؓ کو شبہ تھا کہ کہیں اس میں کوئی گناہ نہ ہو۔ اس آیت میں اس شبہہ کا ازالہ کیا گیا ہے کہ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ یہ بی بی ہاجرہؓ کا عمل تھا اور سنت ابراہیمیؑ ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک حج یا عمرہ میں سعی کرنا مستحب ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، جب کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ فرض ہے۔ (معارف القرآن)

## آیت نمبر (149)

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۖ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ۝١٥٩﴾

ترکیب

الَّذِينَ سے فی الْكِتَابِ تک پوری عبارت اِنَّ کا اسم جب کہ اُولَٰئِكَ سے آخر تک اس کی خبر ہے۔ يَكْتُمُونَ کا فاعل اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے جو الَّذِينَ کے لیے ہے۔ مَا مفعول ہے۔ يَكْتُمُونَ کا بھی اور اَنْزَلْنَا کا بھی۔ مِنْ بیانیہ ہے جو مَا اَنْزَلْنَا کی وضاحت کے لیے آیا ہے۔ الْبَيِّنَاتِ صفت ہے، اس کا موصوف اَلْاٰیٰتِ محذوف ہے۔ بَيَّنَّاهُ میں هُ کی ضمیر مفعولی مَا اَنْزَلْنَا کے لیے ہے۔ لِلنَّاسِ اور فی الْكِتَابِ دونوں بَيَّنَّا فعل کے متعلق ہیں۔ اُولَٰئِكَ مبتداء ہے اور يَلْعَنُهُم سے آخر تک جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ يَلْعَنُهُم میں هُمْ کی ضمیر مفعولی الَّذِينَ کے لیے ہے۔

اِنَّ	الَّذِينَ	يَكْتُمُونَ	مَا	اَنْزَلْنَا	مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ
بیشک	جو لوگ	چھپاتے ہیں	اس کو جس کو	ہم نے نازل کیا	ہدایت اور کھلی کھلی (نشانوں) میں سے

مِنْ بَعْدِ مَا	بَيَّنَّاهُ	لِلنَّاسِ	فِي الْكِتَابِ ۖ	أُولَٰئِكَ
اس کے بعد جو	ہم نے واضح کیا اس کو	لوگوں کے لیے	کتاب میں	وہ لوگ ہیں

يَلْعَنُهُمُ	اللَّهُ	وَيَلْعَنُهُمُ	اللَّعْنُونَ
لعنت کرتا ہے جن پر	اللہ	اور لعنت کرتے ہیں جن پر	لعنت کرنے والے

نوٹ-1

حضرت ابو ہریرہؓ اور چند دیگر صحابہؓ کے قول منقول ہیں کہ اگر قرآن میں یہ آیت نہ ہوتی تو وہ لوگ حدیث بیان نہ کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک حدیث رسول بھی قرآن کے حکم میں ہے۔ (معارف القرآن)۔ اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو واضح کیا ہے۔ مِنَ الْبَيِّنَاتِ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کے جو واضح احکام ہیں انہیں پھیلانا اور عام کرنا لازم ہے اور ان کو چھپانا ایک جرم عظیم ہے۔

## آیت نمبر (160 تا 162)

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُّوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۖ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝١٦٠ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَآمَنُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝١٦١ خُلِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝١٦٢﴾

ترکیب

تَابُوا، أَصْلَحُوا اور بَيَّنُّوا کے فاعل ان میں شامل هُمْ کی ضمیریں ہیں جو الَّذِينَ کے لیے ہیں۔ تَابُوا کے بعد اِلٰی

اللہ مخدوف ہے۔ اَصْلَحُوا کا مفعول مخدوف ہے جو کہ عَمَلُهُمْ ہو سکتا ہے۔ بَيَّنُّوا کا مفعول بھی مخدوف 20 جو گزشتہ آیت کا مَا اَنْزَلْنَا ہے۔ اَنَا مبتداء ہے، اَلتَّوَابُ الرَّحِيْمُ اس کی معرف باللام خبر ہے جو ضمیر فاصل کے بغیر آئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مبتداء بھی ضمیر ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ میں الَّذِيْنَ سے كُفَّارٌ تک اِنَّ کا اسم ہے۔ اُولَئِكَ سے اَجْمَعِيْنَ تک اِنَّ کی خبر ہے۔ وَ هُمْ كُفَّارٌ کا واد حال ہے۔ اَلنَّاسِ کی تمیز ہونے کی وجہ سے اَجْمَعِيْنَ حالت نصب میں ہے۔ خَلِدِيْنَ حال ہے۔ عَلَيْهِمْ کی ضمیر هُمْ کا جو کہ الَّذِيْنَ کے لیے ہے۔ فِيْهَا میں ہا کی ضمیر لعنت کے لیے ہے۔ يُخَفَّفُ مضارع مجہول ہے۔ اَلْعَذَابُ اس کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے رفع میں جب کہ عَنْهُمْ متعلق فعل ہے۔ يُنْظَرُوْنَ بھی مضارع مجہول ہے۔ ثلاثی مجرد اور باب افعال کا مضارع مجہول ہم شکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کے دونوں امکانات ہیں۔ لیکن یہ مادہ باب افعال میں مہلت دینے کے معنی میں آتا ہے اس لیے اسے باب افعال کا مضارع مجہول ماننا بہتر ہے۔

ترجمہ

اِلَّا الَّذِيْنَ	تَابُوْا	اَصْلَحُوا	وَبَيَّنُّوا	فَاُولَئِكَ
سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے	توبہ کی	اور اصلاح کی	اور واضح کیا	تو وہ لوگ ہیں

اَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ	وَاَنَا	التَّوَابُ
میں توبہ قبول کرتا ہوں جن کی	اور میں	ہی بار بار توبہ قبول کرنے والا ہوں

الرَّحِيْمُ	اِنَّ الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	وَمَا تُوْا	وَ
ہر حال میں رحم کرنے والا ہوں	بیشک جن لوگوں نے	انکار کیا	اور مرے	اس حال میں کہ

هُمْ	كُفَّارٌ	اُولَئِكَ عَلَيْهِمْ	لَعْنَةُ اللّٰهِ	وَالْبَلَاٰئُ
وہ لوگ	انکار کرنے والے رہے	وہ لوگ ہیں جن پر	اللہ کی لعنت ہے	اور فرتوتوں کی

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۶	خَلِدِيْنَ	فِيْهَا ۚ	لَا يُخَفَّفُ
اور سب کے سب لوگوں کی	ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے ہوتے ہوئے	اس میں	ہلکا نہیں کیا جائے گا

عَنْهُمْ الْعَذَابُ	وَلَا هُمْ	يُنْظَرُوْنَ
ان سے عذاب کو	نہ ہی وہ لوگ	مہلت دیے جائیں گے

وَمَا تُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ جس کافر کے کفر کی حالت میں مرنے کا یقین نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور چونکہ ہمیں کسی شخص کے خاتمہ کا یقینی علم ہونے کا اب کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لیے کسی کافر کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ عام کافروں اور ظالموں پر بغیر تعین کے لعنت کرنا درست ہے۔ جب لعنت کا معاملہ اتنا شدید ہے تو کسی مسلمان پر (خواہ وہ کتنا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو) لعنت کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ کسی کو مردود، راندہ درگاہ، اللہ مارا وغیرہ کہنا بھی لعنت ہی کے حکم میں ہے۔ (معارف القرآن)

نوٹ-1

## آیت نمبر (163)

320

﴿وَالْهُكْمُ لِلَّهِ وَاحِدٌ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝﴾

ترکیب

مرکب اضافی الْهُكْمُ مبتداء ہے اور مرکب توصیفی اللہ وَاحِدٌ اس کی خبر ہے۔ اللہ سے پہلے لائے نفی جنس ہے اس لیے لفظ اللہ تنوین کے بغیر نصب میں آیا ہے۔ الرَّحْمَنُ اور الرَّحِيمُ صفت نہیں ہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں هُو کو موصوف ماننا پڑے گا، جبکہ ضمیر موصوف نہیں بنتی۔ اس لیے انہیں هُو کا بدل مانا جائے گا۔

ترجمہ

وَالْهُكْمُ	اللَّهُ وَاحِدٌ ۚ	لَا إِلَهَ	إِلَّا
اور تم لوگوں کا اللہ	واحد اللہ	کسی قسم کا کوئی اللہ نہیں ہے	مگر

هُوَ	الرَّحْمَنُ	الرَّحِيمُ
وہ	جو بے انتہا رحم کرنے والا ہے	جو ہر حال میں رحم کرنے والا ہے

نوٹ-1

میرے ایک دوست نے مجھ سے پوچھا کہ تم لفظ اللہ کا ترجمہ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا کہ اس لفظ کے حقیقی مفہوم کا اردو میں ترجمہ ممکن نہیں ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ انسان ایک مرتبہ اس کا مفہوم سمجھ کے ذہن نشین کر لے۔ اس کے بعد جب بھی یہ لفظ آئے تو اس کے ذہن میں آنا چاہیے کہ پرستش کے لائق، حاجت روا، مشکل کشا، پناہ دہندہ، اُن داتا، حاضر و ناظر ہستی۔ کہنے لگے اور جو لوگ دوسروں کو حاجت روا اور مشکل کشا وغیرہ مانتے ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ کلمہ شہادت لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی نفی ہے۔ ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ کہنے لگے تم انتہائی متشدد ہو۔ میں نے کہا کہ میں کس کھیت کی مولی ہوں۔ بات یہ ہے کہ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا حکم بڑا سخت ہے۔ اس نے قرآن مجید میں دو جگہ پر دو ٹوک الفاظ میں اعلان کر دیا ہے کہ وہ کلمہ شہادت کی نفی کو یعنی شرک کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اس لیے ہر کلمہ گو پر لازم ہے کہ وہ اس کی کسی قسم کی کوئی نفی نہ کرے۔

## آیت نمبر (164)

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۖ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝﴾

ل ی ل

ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔  
 اسم جنس ہے۔ اس کی جمع لیلیٰ اور واحد لیکۃ ہے۔ رات۔ ﴿إِنَّكَ أَنتَ الْغَالِبُ﴾  
 لیلیٰ

(x)



سَوِيًّا ﴿١٥﴾ (19/مریم: 10) ”تیری نشانی ہے کہ تو کلام نہیں کرے گا لوگوں سے تین راتیں مکمل۔“  
﴿١٦﴾ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾ (97/القدر: 1) ”بیشک ہم نے نازل کیا اس کو قدر کی رات میں۔“  
320

ف ل ک

(ن)

فَلُكَا

کسی چیز کا انڈے کی مانند گول ہونا۔ بیضاوی ہونا۔  
اسم ذات ہے کشتی ( کیونکہ یہ بیضاوی ہوتی ہے)۔ یہ واحد، جمع، دونوں کے لیے آتا ہے۔ آیت  
زیر مطالعہ۔

فُلُوكُ

اسم ذات ہے۔ سیاروں کی گردش کرنے کا مقررہ راستہ۔ مدار۔ (کیونکہ آسمان میں ہر گردش کرنے والی چیز کا مدار بیضاوی ہے)۔ ﴿كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ (21/ الانبیاء: 33) ”سب کسی مدار میں تہرتے ہیں۔“

فَلَاكُ

پ پ پ

(ن)

جنگ

کسی چیز کو منتشر کرنا۔ بکھیرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔  
 اسم ذات ہے۔ اضطراب، پریشانی، بے چینی (غم کی شدت کی وجہ سے)۔ ﴿إِنَّمَا أَشْكُوا بَثْنِي وَ  
 حُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ (12/ یوسف: 86) ”میں تو بس بیان کرتا ہوں اپنی پریشانی اور اپنا غم اللہ سے۔“

३३

اسم المفعول ہے۔ منتشر کیا ہوا۔ بکھیرا ہوا۔ ﴿يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ﴾ (101/ القارۃ: 4) ”جس دن ہوں گے لوگ بکھیرے ہوئے پتنگوں کی مانند۔“  
کسی چیز کا منتشر ہونا۔ بکھر جانا۔

مَبْنُوتٌ

اسم الفاعل ہے۔ منتشر ہونے والا۔ بکھیرنے والا۔ ﴿فَكَانَتْ هَبَاءٌ مُّثْبَتًا﴾ (56/ الواقعة: 6)  
 ”پھر وہ ہونگمار بکھیرنے والا ہوتے ہوئے۔“

اُنْبَتَا

(انفعال)

مُنْبِت

پ پ د

(ض)

۱۳

زمین پر چلنا۔ گھسٹنا۔ ریگنا۔  
فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ چلنے والا۔ ریگنے والا۔ لیکن یہ اسم جنس کے طور پر آتا ہے۔ اس کی جمع دَوَابُّ اور  
واحد دَابَّةٌ ہے۔ ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصَّمُرُ ابُّكُمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝﴾  
(8/ الانفال: 22) ”بیشک زمین پر چلنے والے تمام جانداروں کے بدترین اللہ کے نزدیک بہرے  
گوئے وہ لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔“ دَابَّةٌ کی لیے آیت زیر مطالعہ دیکھیں۔

کتاب

ص ر ف

(ض)

صَرُفًا

کسی کو کسی سے پھیر دینا۔ ہٹا دینا۔ ﴿سَاَصْرِفُ عَنْ آيَتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ﴾  
 (7/ الاعراف: 146) ”میں پھیر دوں گا اپنی نشانہوں سے ان لوگوں کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں۔“

فعل امر ہے۔ تو پھیر دے۔ ہٹا دے۔ ﴿رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ﴾ (25/ الفرقان: 65)

”اے ہمارے رب! تو ہٹا دے ہم سے جہنم کے عذاب کو۔“

إِصْرُفُ

اسم الظرف ہے۔ پھیرنے کی جگہ۔ ﴿وَلَمْ يَجِدْ وَاعِنَهَا مَصْرُفًا﴾ (18/ الکہف: 53) ”اور وہ لوگ نہیں پائیں گے اس سے پھیرنے کی کوئی جگہ یعنی کوئی راستہ۔“

مَصْرُفٌ

(تفعیل)

تَصْرِيفًا

کثرت سے پھیرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ زیادہ تر دو معنی میں آتا ہے۔ (۱) کسی کو بار بار گھمانا۔  
(۲) کسی بات کو بار بار بیان کرنا۔ ﴿كَذَلِكَ نَصْرِفُ الْأَيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ﴾<sup>320</sup>  
(7/ الاعراف: 58) ”اس طرح ہم بار بار بیان کرتے ہیں آیتوں کو ایسے لوگوں کے لیے جو شکر کرتے ہیں۔“

(انفعال)

انْصَرَفًا

کسی سے پھر جانا۔ ہٹ جانا۔ ﴿ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ (9/ التوبہ: 127) ”پھر وہ لوگ ہٹ جاتے ہیں اللہ نے پھیر ان کے دلوں کو۔“

س ح ب

(ف)

سَحَابًا

کسی کو گھسیٹنا۔ ﴿يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ ط﴾ (54/ القمر: 48) ”جس دن وہ لوگ گھسیٹے جائیں گے آگ میں اپنے چہروں کے بل۔“  
اسم ذات ہے۔ بادل (کیونکہ وہ بخارات کو گھسیٹتا ہے)۔ آیت زیر مطالعہ۔

سَحَابٌ

س خ ر

(ف)

سَخَّرَا

کسی سے بلا معاوضہ یعنی اعزازی طور پر کام لینا۔ بیگار لینا۔  
کسی سے مذاق کرنا۔ ﴿فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ ط سَخَّرَ اللَّهُ مِنْهُمْ﴾ (9/ التوبہ: 79) ”تو وہ لوگ مذاق کرتے ہیں ان سے۔ مذاق کیا اللہ نے ان سے۔“

سَخَّرَا

(س)

اسم الفاعل ہے۔ مذاق کرنے والا۔ ﴿وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّخِرِينَ﴾ (39/ الزمر: 56) ”اور میں تھا مذاق کرنے والوں میں سے۔“

سَاخِرٌ

اسم نسبت ہے۔ مذاق والا (جس سے مذاق کیا جائے)۔ مذاق کا نشانہ ﴿فَاتَّخَذُوا مِنْهُمْ سَخِرِيًّا﴾ (23/ المؤمنون: 110) ”پھر بنایا تم لوگوں نے ان کو مذاق کا نشانہ۔“

سِخْرِيٌّ

اسم نسبت ہے۔ خدمت گار (جس سے خدمت لی جائے) دوسروں کے کام آنے والا۔ ﴿لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخِرِيًّا ط﴾ (43/ الزخرف: 32) ”تا کہ ان کا کوئی بنائے کسی کو کام آنے والا یعنی ایک دوسرے کے کام آئیں۔“

سُخْرِيٌّ

(تفعیل)

تَسْخِيرًا

کثرت سے خدمت لینا۔ کسی کو مطیع کرنا۔ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ﴾ (14/ ابراہیم: 32) ”اور اس نے مطیع کیا کشتی کو تا کہ وہ چلے سمندر میں اس کے حکم سے۔“  
اسم المفعول ہے۔ مطیع کیا ہوا۔ آیت زیر مطالعہ۔

مُسَخَّرٌ

(استفعال)

اِسْتَسَخَّرَا

کسی کا مذاق اڑانا۔ ﴿وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ط﴾ (37/ الصفت: 14) ”اور جب بھی وہ لوگ دیکھتے ہیں کوئی نشانی تو مذاق اڑاتے ہیں۔“

ترکیب

آیت کے تقریباً آخر کا لفظ لَآيَاتٍ مبتداء مؤخر مکرر ہے اور اِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ اس کی خبر مَوْجُودٌ محذوف ہے۔ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ سے بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تک پوری عبارت قائم مقام خبر ہے جب کہ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ متعلق خبر ہے۔ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ کے بعد واختلاف۔ وَالْفُلْكَ۔ وَتَصْرِيفٍ اور وَالسَّحَابِ، ان تمام الفاظ سے پہلے فِي محذوف ہے اس لیے یہ سب حالت جر میں ہیں۔ اسی طرح وَمَا اَنْزَلَ کے مَا سے پہلے بھی فِي محذوف ہے اس لیے محلی یہ بھی حالت جر میں ہے۔



وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ فِي الْيَلِّ آيا ہے۔ یعنی دو لام کے بجائے ایک لام سے ہے۔ یہ قرآن مجید کا مخصوص املا ہے۔ فَأَحْيَا کا فاعل اس میں شامل ہو کی ضمیر ہے۔ جو اللہ کے لیے ہے۔ یہ میں ہ کی ضمیر ماء کے لیے ہے۔ مَوْتَهَا اور فِيهَا میں ہا کی ضمیریں الْأَرْضِ کے لیے ہیں۔ قَوْمِ نکرہ مخصوصہ ہے۔

إِنَّ	فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ	وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
بیشک	زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں	اور دن اور رات کے اختلاف میں

وَالْفُلْكِ الَّتِي،	تَجْرِي،	فِي الْبَحْرِ	بِهَا	يَنْفَعُ	النَّاسَ
اور کشت میں جو	چلتی ہے	سمندر میں	اس کے ساتھ جو	فائدہ دیتا ہے	لوگوں کو

وَمَا	أَنْزَلَ	اللَّهُ	مِنَ السَّمَاءِ	مِنْ مَّاءٍ	فَأَحْيَا
اور اس میں جو	اُتارا	اللہ نے	آسمان سے	کچھ پانی میں سے	پھر اس نے زندہ کیا

بِهِ	الْأَرْضِ	بَعْدَ مَوْتِهَا	وَبَثَّ	فِيهَا	مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ
اس سے	زمین کو	اس کی موت کے بعد	اور اس نے پھیلایا	اس میں	تمام چلنے والے جاندار میں سے

وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ	وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ	بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
اور ہواؤں کے گھمانے میں	اور مطیع کیے ہوئے بادل میں	زمین اور آسمان کے درمیان

لَا يَتَّ	لِقَوْمٍ	يَعْقِلُونَ ﴿٣٦﴾
یقیناً نشانیاں ہیں	ایسے لوگوں کے لیے	جو عقل سے کام لیتے ہیں

### آیت نمبر (165)

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ طَوْ لَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۖ وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾﴾

ح ب ب

حُبًّا	پسند کرنا۔ پیار کرنا۔ محبت کرنا۔	(ض)
حِبًّا	پسندیدہ ہونا۔ پیارا ہونا۔ محبوب ہونا۔	(ک)
أَحَبُّ	جِ أَحَبَّاءُ - افعال التفضیل ہے۔ زیادہ پیارا۔ ﴿وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبُّ إِلَيْكُمْ﴾ (9/ التوبہ: 24) ”اور مکانات، تم لوگ راضی ہو جن سے، زیادہ پیارے ہیں تم کو۔“ ﴿نَحْنُ أَبْنَاؤُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ (5/ المائدہ: 18) ”ہم لوگ اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے زیادہ پیارے ہیں۔“	
حُبُّ	اسم ذات ہے۔ پیار۔ محبت۔ آیت زیر مطالعہ۔	

حَبُّ اسم جنس ہے اس کا واحد حَبَّةٌ آتا ہے۔ دانہ۔ (کیونکہ یہ کسانوں کو بہت پیارا ہوتا ہے) ﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى ط﴾ (6/ الانعام: 95) ”بیشک اللہ دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا ہے۔“ ﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ﴾ (2/ البقرہ: 261) ”ان لوگوں کی مثال جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایک ایسے دانے کی مثال کی مانند ہے اُگیں جس سے سات بالیں۔“

(افعال) احْبَابًا (یہ مادہ باب ضَرَبَ اور باب افعال میں ہم معنی ہے۔ لیکن اس معنی میں قرآن مجید میں یہ صرف باب افعال سے آیا ہے)۔ ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ع﴾ (28/ القصص: 56) ”یقیناً آپ ہدایت نہیں دیتے اس کو جس کو آپ چاہیں بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے اس کو جس کو وہ چاہتا ہے۔“

(تفعیل) تَحْبِيبًا کسی کو کسی کے لیے پیارا بنادینا۔ ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ﴾ (49/ الحجرات: 7) ”بلکہ اللہ نے پیارا بنایا تمہارے لیے ایمان کو۔“

(استفعال) اسْتَحْبَابًا کسی کو کسی پر ترجیح دینا۔ پسند کرنا۔ ﴿الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ﴾ (14/ ابراہیم: 3) ”وہ لوگ جو ترجیح دیتے ہیں دنیا کی زندگی کو آخرت پر۔“

### ترکیب

وَمِنَ النَّاسِ قَوْمٌ خَرَجُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ (2/ البقرہ: 175) اس کی خبر مَوْجُودٌ محذوف ہے۔ مَنْ يَتَّخِذُ سے اُنْدَا اُنْک پورا جملہ مبتداء مؤخر ہے۔ (وضاحت کے لیے دیکھیں آیت نمبر ۸/۲ کی ترکیب) يَتَّخِذُ کا مفعول اول مرکب مِنْ دُونِ اللَّهِ ہے اور اُنْدَا اس کا مفعول ثانی ہے۔ اس کے بعد لِلّٰہ محذوف ہے۔ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا صلہ موصول کر مبتداء ہے اور اَشَدُّ اس کی خبر ہے اور تفضیل بعض کے معنی میں ہے۔ حُبًّا اس کی تمیز ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ وَلَوْ کا جواب شرط مذکور نہیں ہے اس لیے اس کو شرطیہ کے بجائے تمنی ماننا بہتر ہے۔ يَكْرِي کا فاعل الَّذِينَ ظَلَمُوا ہے۔ اس کا مفعول يَوْمَ يَأْتِ محذوف ہے۔ اَنَّ الْقُوَّةَ اور اَنَّ اللّٰہ، دونوں سے پہلے وَاذْكُرُوْنَ محذوف ہے۔ اَنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے الْقُوَّةُ نصب میں ہے اور اس پر لام جنس ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ لِلّٰہ قائم مقام خبر ہے۔ جَمِيعًا تمیز ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے اور تاکید کے لیے آتا ہے۔ اَنَّ اللّٰہ کی خبر شَدِيدُ الْعَذَابِ ہے۔

ترجمہ

وَمِنَ النَّاسِ	مَنْ	يَتَّخِذُ	مِنْ دُونِ اللَّهِ	اُنْدَا
اور لوگوں میں وہ بھی ہیں	جو	بناتے ہیں	اللہ کے علاوہ (کچھ) کو	(اس کا) ہم پہلے

يُحِبُّونَهُمْ	كَحُبِّ اللَّهِ ط	وَالَّذِينَ اٰمَنُوا
وہ لوگ محبت کرتے ہیں ان سے	اللہ کی محبت کی مانند	اور جو لوگ ایمان لائے وہ

اَشَدُّ	حُبًّا لِلّٰہ ط	وَلَوْ يَرَى	الَّذِينَ
زیادہ شدید ہیں	اللہ کے لیے محبت کے لحاظ سے	اور کاش تصور کریں	وہ لوگ جنہوں نے

ظَلَمُوا	إِذْ يَرَوْنَ	الْعَذَابَ	أَنَّ الْقُوَّةَ <sup>320</sup>
ظلم کیا (اس وقت کا)	جب وہ لوگ دیکھیں گے	عذاب کو	(اور دیکھیں گے) کہ ساری قوت

لِلَّهِ	جَبَّيْعًا	وَأَنَّ اللَّهَ	شَدِيدُ الْعَذَابِ
اللہ کے لیے ہے	سب کی سب	اور (دیکھیں گے) کہ اللہ	عذاب کا شدید ہے

نوٹ-1

دنیا کی امتحانگاہ میں بھیجنے سے پہلے انسان کو جو کچھ سکھایا یا پڑھایا جاتا ہے۔ یعنی اس کی فطرت میں ودیعت کیا جاتا ہے، اس میں اللہ کی محبت بھی شامل ہے۔ لیکن دنیا میں آنے کے بعد کچھ لوگ مادی ذرائع اور وسائل کو یعنی پیسے اور زندہ و مردہ ہستیوں کو ہی اپنا حاجت روا، مشکل کشا، ان داتا فرض کر بیٹھتے ہیں تو محبت کا یہ جذبہ ان کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو اس کا مذموم استعمال ہے۔ لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کچھ کو تجربہ اور کچھ کو مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ جب سارے آسرے وسیلے جواب دے دیتے ہیں، امیدیں دم توڑ جاتی ہیں، اس وقت جس طرح بلبل کر انسان اللہ کو پکارتا ہے، تو وہ درحقیقت اس کی فطرت کا مظہر ہے۔ جگر مرحوم کو پتہ نہیں تجربہ ہوا تھا کہ مشاہدہ، لیکن اس کیفیت کو انہوں نے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے کہ:

مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے

واضح رہے کہ مادی اسباب کے استعمال کی ممانعت نہیں ہے بلکہ تاکید ہے۔ کیونکہ اللہ نے ہمارے لیے ان کو مسخر کیا ہے (۲۰/۳۱)۔ اور دنیا کی زندگی کا سامان بنایا ہے (۶۰/۲۸)۔ ان میں عام انسان اور زندہ ہستیاں بھی شامل ہیں (۳۲/۴۳)۔ لیکن ان کو استعمال کرتے وقت دو باتوں میں ہمارا امتحان ہے۔ اولاً یہ کہ حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے ان کو استعمال کرنا ہے۔ ثانیاً یہ کہ تکیہ اور بھروسہ یعنی توکل اسباب پر نہیں کرنا ہے۔ ورنہ پھر وہی ہوگا جس کی اس آیت میں نشاندہی کی گئی ہے۔ البتہ اگر مادی اسباب کو ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جائے اور نتیجہ کے لیے توکل اللہ پر ہو تو پھر محسن سے محبت کے فطری جذبے کا رخ محسن حقیقی کی ہی جانب رہتا ہے اور یہی مطلوب ہے۔ دیگر فوائد کے ساتھ اس کا ایک نقد فائدہ یہ ہے کہ انسان کی شخصیت اپنے داخلی خلفشار سے محفوظ و مامون رہتی ہے۔ اور النفس الباطنہ کی جانب اس کا سفر جاری و ساری رہتا ہے۔

### آیت نمبر (166)

﴿إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا رَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ﴾

س ب ب

(۱) رسی کاٹنا۔ تعلقات کے بندھن کاٹنا۔ (۲) گالی دینا (کیونکہ اس سے تعلقات منقطع ہوتے

(ن)

ہیں۔ ﴿لَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ﴾ (6/ الانعام: 108) ”تم لوگ گالی مت دو ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اللہ کے علاوہ کسی کو، تو وہ لوگ برا کہیں گے اللہ کو۔“

سَبَبٌ اسم ذات ہے۔ ایسی رسی جس سے درخت پر چڑھا اور اتر جاتا ہے۔ اس بنیادی مفہوم

کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) رسی۔ (۲) بندھن۔ تعلقات۔

(۳) ذریعہ۔ سامان۔ ﴿فَلْيَبْذُذْ سَبَبَ إِلَى السَّمَاءِ﴾ (22/ الحج: 15) ”تو اسے چاہیے کہ وہ تان لے کوئی رسی آسمان کی طرف۔“ ﴿وَأَتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا﴾ (۱۸/ البقرہ: 84) ”اور ہم نے دیا اس کو ہر چیز میں سے بطور سامان کے۔“ تعلقات کے لیے آیت زیر مطالعہ دیکھیں۔

## ترکیب

تَبَرَّأَ کا فاعل الَّذِينَ اتَّبَعُوا ہے، جب کہ مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا اس کا مفعول ہے۔ رَاَوْا کا فاعل اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے جو گذشتہ جملہ کے فاعل اور مفعول دونوں کے لیے ہے، الْعَذَابِ اس کا مفعول ہے۔ تَقَطَّعَتْ کا فاعل الْأَسْبَابُ ہے، اس پر لام جنس ہے اور چونکہ یہ غیر عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے فعل واحد مؤنث آیا ہے۔ یہاں قیامت کا ذکر ہے۔ اس لیے ماضی کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔ (۲/ ۲، نوٹ۔ ۳)

## ترجمہ

إِذْ تَبَرَّأَ	الَّذِينَ	اتَّبَعُوا	مِنَ الَّذِينَ
جب اظہارِ بیزاری کریں گے	وہ لوگ جن کی	پیروی کی گئی	ان لوگوں سے جنہوں نے

اتَّبَعُوا	وَرَاَوْا	الْعَذَابِ	وَتَقَطَّعَتْ	بِهِمْ
پیروی کی	اور وہ لوگ دیکھیں گے	عذاب کو	اور کٹ جائیں گے	ان کے

الْأَسْبَابُ
سارے بندھن

## آیت نمبر (167)

﴿وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۖ كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ﴾ (۱۶۷)

## ک ر ر

(ن)

کَرُّوْراً لوٹنا۔ مڑنا  
کَرَّاً لوٹنا۔ موڑنا  
کَرَّةً ایک مرتبہ لوٹنا یا لوٹا یا جانا یعنی دوسری باری۔ دوسری انگ۔ آیت زیر مطالعہ۔

## ح س ر

(ض)

حَسْرًا تھکانا۔ غمگین کرنا۔

حَسْرًا تھکانا۔ غمگین ہونا۔

(س)

حَسْرَاتٍ اسم ذات ہے۔ تاسف۔ حسرت۔ ﴿لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكِ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ط﴾

(3/ آل عمران: 156) ”تا کہ بنائے اللہ اس کو حسرت ان کے دلوں میں۔“

حَسِيرٌ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ غم زدہ - ناکام۔ ﴿يَنْقَلِبُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ﴾ (67/ الملک: 4) ”لوٹے گی تیری طرف نگاہ تھکی ہوئی اور وہ ناکام ہوگی۔“

مَحْسُورٌ مَفْعُولٌ کے وزن پر صفت ہے۔ تھکا ہوا۔ تھکا ہارا۔ ﴿فَتَقَعَدَ مَلَكُومًا مَّحْسُورًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 29) ”کہ پھر تو بیٹھے ملامت زدہ تھکا ہارا ہوتے ہوئے“

اِسْتَحْسَرًا (استفعال) تھکاؤٹ محسوس کرنا۔ سستی کرنا۔ کاہلی کرنا۔ ﴿لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ﴾ (21/ الانبیاء: 19) ”وہ لوگ تکبر نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہ ہی سستی کرتے ہیں۔“

لَوْ أَنَّ کالو تمنی ہے۔ کَرَّةٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے اور اَنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور لَنَا قائم مقام خبر مقدم۔ فَتَتَبَّرَ آ میں مضارع منصوب آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے لام کی یالان محذوف ہے۔ یُرْمِی کا فاعل اللہ ہے، اس کا مفعول اول هُمْ کی ضمیر ہے جو قَالَ الَّذِیْنَ کے لیے ہے جب کہ اَعْمَالَهُمْ اس کا مفعول ثانی ہے اور حَسَرَاتٍ حال ہونے کی وجہ سے نصب میں آیا ہے۔

ترکیب

وَقَالَ	الَّذِیْنَ	اتَّبَعُوا	لَوْ اَنَّ	لَنَا	كَرَّةٌ
اور کہیں گے	وہ لوگ جنہوں نے	پیروی کی	کاش کہ	ہمارے لیے ہوتی	کوئی ایک اور باری

ترجمہ

فَتَتَبَّرَآ	مِنْهُمْ	كَمَا	تَتَبَّرَؤَا	مِنَّا
تا کہ پھر ہم اظہار بیزاری کرتے	ان سے	جیسے کہ	انہوں نے اظہار بیزاری کیا	ہم سے

كَذٰلِكَ	يُرِيهِمْ	اللّٰهُ	اَعْمَالَهُمْ	حَسَرَاتٍ	عَلَيْهِمْ ط
اس طرح	دکھائے گا ان کو	اللہ	ان کے اعمال	حسرتیں ہوتے ہوئے	ان پر

وَمَا هُمْ	يُخْرِجِينَ	مِنَ النَّارِ
اور وہ لوگ	نکلنے والے نہیں ہیں	آگ سے

آیت نمبر ۲/ ۱۲۳ میں اصولی بات بیان کی گئی ہے کہ کوئی جان کسی جان کے کام نہیں آئے گی۔ اسی اصول کو دوسرے الفاظ میں پانچ مقامات پر اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ (۶/ ۱۶۲ - ۱۵/ ۱۵ - ۳۵/ ۱۸ - ۳۹/ ۷ - ۵۳/ ۳۸)۔ اس اصول کے ایک پہلو کا نقشہ آیت زیر مطالعہ اور اس سے پچھلی آیت میں کھینچا گیا ہے۔ جب کسی کا کوئی مشورہ یا فتویٰ غلط ثابت ہوگا اور اس پر آنکھ بند کر کے عمل کرنے والوں کو پکڑا جائے گا یا کسی پیر صاحب کی غلطی پر ان کے مرید پکڑے جائیں گے، تو پھر اس وقت کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔

نوٹ-1

## آیت نمبر (168)

320

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝﴾

ح ل ل

(ن-ض)

جَلَّ اور حَلَّ لَا رسی کھولنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں آتا ہے۔ (۱) گرہ کھولنا۔ (۲) کسی جگہ اترنا

(منزل پر سواری سے اتر کر سامان کی رسیاں کھولتے ہیں)۔ (۳) احرام کھولنا (احرام کی پابندیاں یعنی بندشیں کھل جاتی ہیں)۔ (۴) جائز ہونا۔ حلال ہونا (استعمال کرنے کی بندش کھل جاتی ہے)۔ ﴿أَمَرَ أَرَدْتُمْ أَنْ يَجِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّكُمْ﴾ (20/ طہ: 86) ”یا ارادہ کیا تم لوگوں نے کہ اترے تم لوگوں پر کوئی غضب تمہارے رب کی جانب سے۔“ ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ (5/ المائدہ: 2) ”اور جب تم لوگ احرام کھولو تو شکار کر لو۔“ ﴿وَلَا يَجِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ﴾ (2/ البقرہ: 228) ”اور جائز نہیں ہوتا ان خواتین کے لیے کہ وہ چھپائیں اس کو جو پیدا کیا اللہ نے ان کے رحموں میں۔“

أَحْلَلُ فعل امر ہے۔ تو کھول۔ ﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي﴾ (20/ طہ: 27) ”اور تو کھول گرہ میری زبان سے۔“

مَجَلُّ اسم الظرف ہے۔ اترنے کی جگہ۔ منزل۔ ﴿لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَىٰ الْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ (22/ الحج: 33) ”تم لوگوں کے لیے ہیں اس میں کچھ فائدے ایک مقررہ مدت تک پھر اس کی منزل ہے قدیم گھر کی طرف۔“

حَلِيلٌ کا وزن ہے۔ شوہر (بیوی کے لیے ہمیشہ حلال ہوتا ہے)۔ حَلِيلَةٌ ج حَلَائِلُ۔ فَعِيلُ کے مؤنث فَعِيلَةٌ کا وزن ہے۔ بیوی (شوہر کے لیے ہمیشہ حلال ہوتی ہے)۔ ﴿وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ﴾ (4/ النساء: 23) ”اور بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری صلب سے ہیں۔“

حِلٌّ صفت بھی ہے۔ جائز۔ حلال۔ ﴿وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ﴾ (5/ المائدہ: 5) ”اور تم لوگوں کا کھانا حلال ہے ان لوگوں کے لیے۔“

حَلَالٌ صفت بھی ہے۔ جائز۔ حلال۔ ﴿هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ﴾ (16/ النحل: 116) ”یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔“

إِحْلَالٌ (افعال) کسی چیز کو جائز کرنا۔ حلال کرنا۔ ﴿لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾ (5/ المائدہ: 87) ”حرام مت کرو پاکیزہ چیزوں کو جن کو حلال کیا اللہ نے تمہارے لیے۔“

تَحْلِيلًا اور تَحِلَّةً (تفعیل) کفارہ ادا کرنا۔ (کسی عہد یا قسم کی پابندی کھولنے کے لیے)۔ ﴿قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْبَانِكُمْ﴾ (66/ التحریم: 2) ”فرض کیا ہے اللہ نے تم لوگوں کے لیے اپنی قسموں کا کفارہ ادا کرنے کو۔“

خ ط و

(ن)

خَطْوًا چلنے کے لیے قدم اٹھانا۔  
خُطُوَةٌ ج خُطُوَاتُ۔ دو قدموں کے درمیان کا فاصلہ۔ نقش قدم۔ آیت زیر مطالعہ۔

## ترکیب

کُلُوا فعل امر کا فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے جو النَّاسُ کے لیے ہے۔ اس کا مفعول مخدوف ہے جو رِزْقًا ہو سکتا ہے۔ مِمَّا فِي الْأَرْضِ متعلق فعل ہے۔ حَلَالًا مخدوف مفعول کی صفت ہے جب کہ طَيِّبًا اسی کی صفت ثانی ہے۔ لَا تَتَّبِعُوا فعل نہی کا فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے جو النَّاسُ کے لیے ہے۔ خُطُوتِ الشَّيْطَانِ مفعول ہے اس لیے اس کا مضاف خُطُوتِ حالت نصب میں آیا ہے۔

## ترجمہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ	لَتُلُوا	مِمَّا	فِي الْأَرْضِ	حَلَالًا طَيِّبًا
اے لوگو!	تم لوگ کھاؤ	اس میں سے جو	زمین میں ہے	حلال، پاکیزہ (رزق کو)

وَلَا تَتَّبِعُوا	خُطُوتِ الشَّيْطَانِ	إِنَّهُ	لَكُمْ	عَدُوٌّ مُّبِينٌ
اور تم لوگ پیروی مت کرو	شیطان کے نقش قدم کی	یقیناً وہ	تمہارے لیے	ایک کھلا دشمن ہے

## آیت نمبر (2/ البقرہ: 168)

﴿إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (۱۶۹)

## ف ح ش

(ک)

فَحْشًا فَاحِشَةٌ حد سے زیادہ برا ہونا۔ بے حیا ہونا (اتنی زیادہ برائی جو فطری حیا کو ختم کر دے)۔ کھلم کھلا برائی کرنا۔ ج فَوَاحِشٌ۔ ہر وہ چیز جو حد سے زیادہ ہو۔ بے حیائی۔ کھلی گمراہی۔ ﴿وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا﴾ (7/ الاعراف: 28) ”اور جب وہ لوگ کرتے ہیں کوئی کھلی گمراہی تو کہتے ہیں ہم نے پایا اس پر اپنے باپ دادا کو۔“ ﴿وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ﴾ (42/ الشوری: 37) ”اور جو لوگ بچتے ہیں بڑے گناہ سے اور بے حیائیوں سے۔“ فَحْشَاءُ فتنج گناہ۔ اعلانیہ برائی۔ آیت زیر مطالعہ۔

## ترکیب

يَأْمُرُ کا فاعل هُوَ کی ضمیر ہے جو گذشتہ آیت کے الشَّيْطَانِ کے لیے ہے۔ اس کا مفعول کُمْ کی ضمیر ہے جو گذشتہ آیت کے النَّاسُ کے لیے ہے۔ بِالسُّوءِ اور الْفَحْشَاءِ، دونوں متعلق فعل ہیں۔ الْفَحْشَاءِ سے پہلے حرف جر ’ب‘ مخدوف ہے اس لیے یہ مجرور ہے۔ اَنْ تَقُولُوا میں اَنْ سے پہلے يَأْمُرُ کُمْ مخدوف ہے۔

## ترجمہ

إِنَّمَا	يَأْمُرُكُمْ	بِالسُّوءِ	وَالْفَحْشَاءِ
کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	وہ ترغیب دیتا ہے تم لوگوں کو	برائی کی	اور کھلی گمراہی کی

وَأَنْ	تَقُولُوا	عَلَى اللَّهِ	مَا لَا	تَعْلَمُونَ
اور یہ کہ	تم لوگ کہو	اللہ پر	وہ جو	تم لوگ نہیں جانتے



## آیت نمبر (170)

320

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾

ل ف و

(ن)

(افعال)

لَفَّوْا کس چیز کو کم کرنا۔  
إِلْفَاءُ کسی چیز کو پالینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

اِذَا شرطیہ ہے۔ قِيلَ سے اَنْزَلَ اللہ تک شرط ہے اور قَالُوا سے اَبَاءُ ناک تک جواب شرط ہے۔ قِيلَ لَهُمْ میں اُن کی ضمیر آیت نمبر 168/2 کے النَّاس کے لیے ہے۔ قَالُوا اِبْل میں بَل سے پہلے کَلَّا محذوف ہے۔ (آیت ۸۸/۲۔ نوٹ۔ ۱)۔ عَلَیْہ میں ہ کی ضمیر ما کی ضمیر عائد ہے۔ اَوَلَوْ میں ہمزہ استفہام ہے اور لَوْ شرطیہ ہے۔ آگے کا پورا جملہ شرط ہے اور اس کا جواب شرط محذوف ہے۔ اُر دو میں محذوف جواب شرط ”تب بھی“ بنتا ہے۔ کَانَ کا اسم اَبَاءُ هُمْ ہے، اس لیے اس کا مضاف اَبَاءُ رفع میں ہے۔ لَا يَعْقِلُونَ اور لَا يَهْتَدُونَ، دونوں فعلیہ جملے اس کی خبر ہیں۔ شَيْئًا مفعول مطلق ہے۔ (آیت ۲۸/۲۔ نوٹ۔ ۲)

ترجمہ

وَإِذَا	قِيلَ	لَهُمْ	اتَّبِعُوا	مَا	أَنْزَلَ	اللَّهُ
اور جب بھی	کہا جاتا ہے	ان لوگوں سے	تم لوگ پیروی کرو	اس کی جو	اتارا	اللہ نے

قَالُوا	بَلْ	نَتَّبِعُ	مَا	أَلْفَيْنَا	عَلَيْهِ
تو وہ لوگ کہتے ہیں	(ہرگز نہیں) بلکہ	ہم پیروی کرتے ہیں	اس کی	ہم نے پایا	جس پر

أَبَاءَنَا	أَوْ لَوْ	كَانَ آبَاؤُهُمْ	لَا يَعْقِلُونَ	شَيْئًا
اپنے باپ دادا کو	تو کیا اگر	ان کے باپ دادا	عقل نہیں کرتے تھے	ذرا بھی

وَلَا يَهْتَدُونَ

اور نہ ہی ہدایت پاتے تھے (تب بھی)

نوٹ۔ 1

مسئلہ یہ ہے کہ ہر گروہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے باپ دادا اور بزرگ ہدایت پر تھے جب کہ دوسرے گمراہ تھے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اس آیت میں ایک کسوٹی دے دی گئی ہے۔ بزرگوں کے جن اقوال و اعمال کی سند ما اَنْزَلَ اللہ میں یعنی قرآن اور حدیث میں ملتی ہے ان کی تقلید کرنا درست ہے۔ اگر بزرگوں کی کچھ باتوں کی سند قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے تو زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ بزرگوں کی باتیں نہیں ہیں بلکہ انہیں غلط طور پر ان کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ہماری عافیت اس میں ہے کہ کسی بات کو قبول کرنے سے پہلے اس کی سند کے متعلق معلومات ضرور حاصل کر لیں اور اندھی تقلید نہ کریں۔



## آیت نمبر (171)

﴿وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءٌ وَنِدَاءٌ صُمُّ بُكْمٌ عُمْىٰ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾﴾

ن ع ق

(ض) نَعَقًا کوئے کا کائیں کائیں کرنا۔ چرواہے کا جانور ہانکنے کیلئے آواز نکالنا۔ ہانک پکار کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ن د و

(ن) نَدَوًا مجلس میں جمع ہونا۔ مجلس میں جمع کرنا۔

ن د ی

(س) نَدَى گلیا ہونا۔ تر ہونا۔

نَادٍ

فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ لیکن اسم ذات کے طور پر مجلس اور اہل مجلس کے معانی میں آتا ہے۔ ﴿وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمْ الْمُنْكَرَ﴾ (29/ العنکبوت: 29) ”اور تم لوگ آتے ہو اپنی مجلس میں برائی کے ساتھ۔“ ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ﴾ (96/ العلق: 17) ”پس اسے چاہیے کہ وہ بلائے اپنے اہل مجلس کو۔“

نَدِيٌّ

اسم نسبت ہے۔ مجالس والا۔ مجلسی (بیٹھک باز)۔ ﴿أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَ أَحْسَنُ نَدِيًّا﴾ (19/ مریم: 73) ”دونوں فریقوں میں سے کون بہتر ہے بلحاظ رتبہ کے اور زیادہ اچھا ہے بطور مجالس والے کے۔“

نِدَاءٌ

(مفعولہ)

بلند آواز سے پکارنا (خشک حلق سے نہیں بلکہ تر حلق سے بلند آواز نکلتی ہے)۔ ﴿وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ﴾ (7/ الاعراف: 44) ”اور آواز دیں گے جنت والے آگ والوں کو۔“ اسم ذات بھی ہے۔ بلند آواز۔ آیت زیر مطالعہ۔

نِدَاءٌ

مُنَادٍ

اسم الفاعل ہے۔ آواز دینے والا۔ پکارنے والا۔ ﴿رَبَّنَا إِنَّا سَبَعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ﴾ (3/ آل عمران: 193) ”اے ہمارے رب! بیشک ہم نے سنا ایک ندادینے والے کو جو ندا دیتا ہے ایمان کے لیے۔“

تَنَادٍ

(تفاعل)

ایک دوسرے کو پکارنا۔ ﴿فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ﴾ (68/ القلم: 21) ”تو انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا صبح ہوتے ہی۔“

ترکیب

مَثَلٌ مضاف ہے۔ الَّذِيْنَ مضاف الیہ ہے، جس کا صلہ كَفَرُوا ہے۔ یہ پورا فقرہ مبتداء ہے۔ مَثَلٌ بھی مضاف ہے اور حرف جرّ ”ک“ کی وجہ سے جرّ میں ہے۔ الَّذِيْ اس کا مضاف الیہ ہے اور یہ فقرہ خبر ہے۔ يَنْعِقُ سے نِدَاءٌ تک الَّذِيْ کا صلہ ہے۔ صُمُّ، بُكْمٌ اور عُمْىٰ یہ تینوں خبریں اور ان کا مبتداء هُمْ محذوف ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ	كَفَرُوا	كَمَثَلِ الَّذِي	يَنْعِقُ
اور ان لوگوں کی مثال جنہوں نے	کفر کیا	اس کی مثال کی مانند ہے	جو ہانک پکار کرتا ہے

بِمَا	لَا يَسْمَعُ	إِلَّا	دُعَاءٌ	وَنِدَاءٌ	صُمُّ	بُكْمٌ
اس کو جو	سن کر نہیں سمجھتا	سوائے	دعا کے	اور آواز کے	بہرے ہیں	گونگے ہیں

عُمىٰ	فَهُمْ	لَا يَعْقِلُونَ
اندھے ہیں	پس وہ لوگ	عقل نہیں کرتے

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### سورة البقرة (۲)

#### آیت نمبر (172)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾

#### ترکیب

يَا أَيُّهَا حرف ندا ہے اور الَّذِينَ آمَنُوا منادی ہے۔ فعل امر کُلُوا کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ اس کا مفعول مخذوف ہے جو کہ رَزَقْنَاكُمْ ہو سکتا ہے۔ مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ متعلق فعل ہے۔ طَيِّبَاتِ صفت ہے جس کا موصوف مخذوف ہے، مِنْ کی وجہ سے حالتِ جر میں ہے اور مضاف ہے۔ اس کا مضاف الیہ مَا ہے۔ شروع سے وَاشْكُرُوا لِلَّهِ تک دونوں جملے جواب شرط ہیں۔ ان کی شرط اگلے جملہ ہے۔ كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ماضی استمراری ہے، لیکن اِنْ شرطیہ کی وجہ سے ترجمہ حال میں ہوگا۔

#### ترجمہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	آمَنُوا	كُلُوا	مِن طَيِّبَاتِ مَا
اے لوگوں جو	ایمان لائے ہو	تم لوگ کھاؤ	اس کی پاکیزہ (چیزوں) سے جو

رَزَقْنَاكُمْ	وَاشْكُرُوا	لِلَّهِ	إِن كُنتُمْ	إِيَّاهُ
ہم نے عطا کیا تم لوگوں کو	اور تم لوگ شکر کرو	اللہ کا	اگر تم لوگ	صرف اس کی ہی

تَعْبُدُونَ
بندگی کرتے ہو

#### آیت نمبر (2/ البقرہ: 173)

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

#### خ ن ز

(س)

خَنَزِيرًا

خَنَزِيرٌ

گوشت کا سڑا ہوا والا ہونا۔ بدبودار ہونا۔

ج خَنَازِيرٌ۔ گلے کی گٹی۔ سور۔ ﴿وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْفِرْدَاقَةَ وَالْخَنَازِيرَ﴾ (5/ المائدہ: 60)

”اور اس نے بنائے ان میں سے بندر اور سور۔“

#### ھ ل ل

(ن)

هَلًا

نیچا ند ظاہر ہونا۔ قمری مہینہ شروع ہونا۔

ہَلَالٌ۔ ابتدائی اور آخری راتوں کا باریک چاند۔ ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْهَلَالِ﴾<sup>355</sup> (2/ البقرہ: 189)  
 ”یہ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے باریک چاندوں کے بارے میں۔“  
 اِهْلَا لًا (افعال)  
 نیا چاند دیکھ کر آواز دینا۔ پکارنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

### ترکیب

حَرَّمَ کا فاعل اس کی ہُو کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ عَلَیْكُمْ متعلق فعل ہے۔ اَلْبَيْتَةُ - اَلدَّمَ - لَحْمَ الْخَنْزِيرِ اور مَآءٍ، یہ سب حَرَّمَ کے مفعول ہیں۔ مَآءٍ موصولہ ہے، اُھْلٌ بِہ لِغَیْرِ اللّٰہِ اس کا صلہ ہے۔ مَن شرطیہ ہے۔ اُضْطَرَّ غَیْرُ بَاغٍ وَلَا عَادٍ شرط ہے جب کہ فَلَا اِثْمٌ عَلَیْہِ جواب شرط ہے۔ اُضْطَرَّ باب افتعال کا ماضی مجہول ہے۔ غَیْرُ بَاغٍ حال ہے اس لیے مضاف غَیْرُ پر نصب آئی ہے اور بَاغٍ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جزم میں ہے۔ عَادٍ سے پہلے غَیْرُ محذوف ہے۔ اس لیے یہ حالت جزم میں ہے اور یہ بھی حال ہے۔ فَلَا اِثْمٌ میں لائے نفی جنس ہے اس لیے اِثْمٌ تنوین کے بغیر حالت نصب میں آیا ہے۔

اِثْمًا	حَرَّمَ	عَلَیْكُمْ	اَلْبَيْتَةُ	وَالدَّمَ
کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	اس نے حرام کیا	تم لوگوں پر	مردار کو	اور خون کو

وَلَحْمَ الْخَنْزِيرِ	وَمَا	اُھْلٌ	بِہ	لِغَیْرِ اللّٰہِ	فَمِنْ
اور سور کے گوشت کو	اور اس کو	پکارا گیا	جس پر	اللہ کے بغیر	پس جو

اُضْطَرَّ	غَیْرُ بَاغٍ	وَلَا عَادٍ
لاچار کیا گیا	اس حال میں کہ نہ بغاوت کرنے والا ہو	اور نہ حد سے گزرنے والا ہو

فَلَا اِثْمٌ	عَلَیْہِ ط	اِنَّ اللّٰہَ	عَقُوْرٌ	رَّحِیْمٌ
تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	اس پر	یقیناً اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہے	ہر حال میں رحم کرنے والا ہے

اس آیت میں وَمَا اُھْلٌ بِہ لِغَیْرِ اللّٰہِ کے الفاظ نسبتاً زیادہ غور طلب ہیں۔ مردار، خون اور سور کا نام لینے کے بعد کسی چیز کا نام نہیں لیا گیا بلکہ وَمَا (اور اس کو) کہا گیا جس کی وجہ سے اس میں عمومیت پیدا ہو گئی اور اس میں ہر وہ چیز (صرف جانور نہیں) شامل ہو جائے گی جس پر آیت کے اس حصے کا اطلاق ہوگا۔ اسی طرح اُھْلٌ (پکارا گیا) کے ساتھ نام کے لفظ کا صراحتاً ذکر نہیں کیا گیا۔ اس وجہ سے اس میں بھی عمومیت پیدا ہوئی اور اس میں نام پکارنے کے علاوہ دیگر نیتیں بھی شامل ہو گئیں۔ اس بنیاد پر علماء کرام چار صورتوں کو حرام قرار دیتے ہیں جس کی تفصیل معارف القرآن میں دی ہوئی ہے۔ ہم اُن چار صورتوں کی صرف نشاندہی کر دیتے ہیں۔

نوٹ-1

- 1- ایسا جانور جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا جائے۔
- 2- ایسا جانور جس کو ذبح کرتے وقت نام تو اللہ کا لیا جائے لیکن اس سے مقصود غیر اللہ کا تقرب ہو۔
- 3- کسی جانور پر علامت لگا کر غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کے خیال سے چھوڑ دیا جائے اور اس سے کوئی

کام وغیرہ نہ لیا جائے، تو یہ عمل حرام ہے۔ البتہ کوئی دوسرا شخص ایسا کوئی جانور خرید کر اگر ذبح کر کے کھائے تو اس کے لیے حلال ہے۔  
4- جانوروں کے علاوہ دوسری چیزیں مثلاً مٹھائی یا کھانا وغیرہ بھی حرام ہیں جن پر غیر اللہ کے نام کی نذر (منت) مانی گئی ہو۔

### آیت نمبر (174)

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾

ب ط ن

بَطْنًا (ن) چھپا ہوا ہونا۔ پوشیدہ ہونا۔ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ﴾ (6/ الانعام: 151) ”اور تم لوگ قریب مت جاؤ بے حیائیوں کے، جو ظاہر ہوا اس سے اور جو پوشیدہ رہا۔“

بَاطِنُ اسم الفاعل کے وزن پر صفت ہے۔ پوشیدہ ہونے والا یعنی پوشیدہ۔ ﴿وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ط﴾ (6/ الانعام: 120) ”اور تم لوگ چھوڑ دو گناہ کے ظاہر کو اور اس کے پوشیدہ کو۔“

بِطَانَةٌ ج بَطَائِنُ - راز دار۔ بھیدی۔ کپڑے کا استر۔ ﴿لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ﴾ (3/ آل عمران: 118) ”تم لوگ مت بناؤ کسی کو راز دار اپنوں کے سوا۔“ ﴿مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ط﴾ (55/ الرحمن: 54) ”ٹیک لگائے ہوئے پچھونوں پر، ان کے استر بھڑ کیلے ریشم کے ہوں گے۔“

بَطْنٌ ج بَطُونٌ۔ پیٹ۔ کسی وادی کا نشیبی حصہ۔ ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّشْتَرِي عَلَىٰ بَطْنِهِ ۚ﴾ (24/ النور: 45) ”تو ان میں سے کوئی ہے جو چلتا ہے اپنے پیٹ کے بل۔“ ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ أَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ (48/ الفتح: 24) ”اور وہی ہے جس نے روکا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے مکہ کے نشیب میں۔“ اس کی جمع بَطُونُ آیت زیر مطالعہ میں آئی ہے۔

يَكْتُمُونَ کا مفعول مَا أَنْزَلَ اللَّهُ ہے۔ یہ میں ہے کی ضمیر مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کے لیے ہے۔ مَا يَأْكُلُونَ سے النَّار تک جملہ منفی ہے اس لیے إِلَّا غیر مؤثر ہے اور يَأْكُلُونَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے النَّار منصوب ہے۔

ترکیب

ترجمہ

إِنَّ الَّذِينَ	يَكْتُمُونَ	مَا	أَنْزَلَ	اللَّهُ	مِنَ الْكِتَابِ
بے شک وہ لوگ جو	چھپاتے ہیں	اس کو جو	اُتارا	اللہ نے	کتاب میں سے

وَيَشْتَرُونَ	بِهِ	ثَمَنًا قَلِيلًا	أُولَٰئِكَ	مَا يَأْكُلُونَ
اور وہ لوگ خریدتے ہیں	اس کے بدلے	تھوڑی قیمت	وہ لوگ	نہیں کھاتے

فِي بُطُونِهِمْ	إِلَّا	النَّارَ	وَلَا يُكَلِّمُهُمُ	اللَّهُ	يَوْمَ الْقِيَمَةِ
اپنے پیٹوں میں	مگر	آگ	اور کلام نہیں کرے گا ان سے	اللہ	قیامت کے دن

وَلَا يُزَكِّيهِمْ	وَلَهُمْ	عَذَابٌ أَلِيمٌ <sup>355</sup>
اور نہ ان کا تزکیہ کرے گا	اور ان کے لیے ہے	ایک دردناک عذاب

نوٹ-1

يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کی تفسیر نعیمی میں ان الفاظ سے وضاحت کی گئی ہے ”چھپانا یہ بھی ہے کہ کتاب کے مضمون پر کسی کو مطلع نہ ہونے دیا جائے۔“ آج کل ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ درس قرآن میں جانے سے اور ترجمہ و تفسیر سے قرآن کا مطالعہ کرنے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ علم کتابوں میں نہیں ملتا۔ ایسے لوگوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے کہ وہ کس جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

## آیت نمبر (175)

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابِ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝۱۷۵﴾

ترکیب

فَمَا میں اسم تعجب ہے اور مبتداء ہے۔ أَصْبَرَ فعل، اس کا فاعل اس میں شامل ہُو کی ضمیر ہے جو مَا كے لیے ہے اور هُمْ اس کی ضمیر مفعول ہے۔ أَصْبَرَ هُمْ جملہ فعلیہ مبتداء مَا کی خبر ہے اور عَلَى النَّارِ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ

أُولَٰئِكَ	الَّذِينَ	اشْتَرَوْا	الضَّلٰةَ	بِالْهُدٰى	وَالْعَذَابِ	بِالْمَغْفِرَةِ ۚ
وہی لوگ ہیں	جنہوں نے	خریدا	گمراہی کو	ہدایت کے بدلے	اور عذاب کو	مغفرت کے بدلے

فَمَا	أَصْبَرَ	هُمْ	عَلَى النَّارِ
تو کس چیز نے	صبر دیا	ان کو	آگ پر

نوٹ-1

اوپر ترکیب میں بتایا گیا ہے کہ مَا اسم تعجب ہے۔ اس سلسلہ میں یہ سمجھ لیں کہ مَا أَفْعَلَهُ اور أَفْعَلُ بِهِ دو وزن ہیں جو اظہار تعجب کے لیے آتے ہیں اور ان کو ”تعجب کے دو صیغے“ (صِيغَتَا التَّعْجُبِ) کہتے ہیں۔ جیسے مَا أَحْسَنَهُ (کس چیز نے حسین بنایا اس کو) یا مَا أَحْسَنَ رَشِيدًا (کس چیز نے حسین بنایا رشید کو)۔ اس کی ترکیب اوپر بتادی گئی ہے اور لفظی ترجمہ بھی دے دیا گیا ہے لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ رشید کتنا حسین ہے۔ اس طرح مَا أَصْبَرَ هُمْ عَلَى النَّارِ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ کتنے ثابت قدم ہیں آگ پر۔

اسی طرح أَحْسَنُ بِهِ یا أَحْسَنُ بِرَشِيدٍ میں أَحْسَنُ فعل امر ہے۔ بِ زائدہ ہے اور یہ ضمیر مفعول ہے۔ بِرَشِيدٍ میں بھی بِ زائدہ ہے اور بِرَشِيدٍ مفعول ہے۔ اس طرح اس کا لفظی ترجمہ ہوگا کہ تو خوبصورتی دے اس کو یعنی تو خوبصورت سمجھ اس کو اور تو خوبصورتی دے رشید کو یا تو خوبصورت سمجھ رشید کو۔ لیکن مفہوم یہی ہے کہ رشید کتنا خوبصورت ہے۔

## آیت نمبر (176)

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ طَوٰنَ الَّذِيْنَ اٰخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝۱۷۶﴾

355

(ک) بُعْدًا ﴿وَلَكِنْ بَعَدَتْ عَلَيْهِمُ الشَّقَّةُ ط﴾ (9/التوبہ: 42) ”اور لیکن دور ہوئی ان پر مسافت۔“

(س) بُعْدًا تباہ و برباد ہونا۔ ہلاک ہونا۔ ﴿أَلَا بُعْدًا لِّلْمَدِينِ كَمَا بَعَدَتْ شُمُودُ﴾ (11/ہود: 95) ”خبردار! ہلاکت ہے اہل مدین کے لیے جیسے ہلاک ہوئے شمود۔“

بَعِيدٌ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ دور۔ ﴿ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ﴾ (22/الحج: 12) ”یہی دور کی گمراہی ہے۔“

بُعْدٌ اسم ذات ہے۔ دوری یا فاصلہ۔ ہلاکت۔ ﴿يَلِكَيْتَ بَيْنِي وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ﴾ (43/الزخرف: 38) ”کاش میرے اور تیرے مابین دو مشرقوں کا فاصلہ ہوتا۔“ ہلاکت کے مفہوم کے لیے اوپر آیت نمبر ۱۱/۹۵ دیکھیں۔

بُعْدٌ ظرف زمان ہے۔ کسی کے پیچھے یا بعد۔ یہ زیادہ تر مضاف بن کر آتا ہے۔ اگر اس کا مضاف الیہ مذکور ہو تو ظرف ہونے کی وجہ سے بُعْد آتا ہے اور اگر محذوف ہو تو پھر یہ بنی برضہ (بُعْد) ہوتا ہے۔ ﴿رَبَّنَا لَا تُخِزْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا﴾ (۳/آل عمران: 8) ”اے ہمارے رب! تو ٹیڑھا مت کر ہمارے دلوں کو اس کے بعد کہ تو نے ہدایت دی ہم کو۔“ ﴿ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ (2/البقرہ: 52) ”پھر ہم نے معاف کیا تم لوگوں کو اس کے بعد۔“ ﴿لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ ط﴾ (30/الرؤم: 4) ”اللہ کے لیے ہی ہیں سب کام اس سے پہلے اور اس کے بعد۔“ دور کرنا۔ دور رکھنا۔

(افعال) اِبْعَادًا اسم المفعول ہے۔ دور کیا ہوا۔ دور رکھا ہوا۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾ (21/الانبیاء: 101) ”پیشک جن لوگوں کے لیے آگے آئی ہماری طرف سے نیکی وہ لوگ اس سے دور رکھے جائیں گے۔“

(مفاعله) مُبَاعَدَةً کسی کو کسی سے دور کرنا۔ فعل امر ہے۔ تو دور کر دے۔ ﴿رَبَّنَا بَعْدَ بَيِّنٍ اَسْفَارِنَا﴾ (34/سبا: 19) ”اے ہمارے رب! تو دور کر دے یعنی دراز کر دے ہمارے سفروں کے درمیان کو۔“

ذٰلِكَ کا اشارہ گذشتہ آیت میں مذکور عذاب کی طرف ہے۔ بِأَنَّ کابِ سببیہ ہے۔ أَنَّ کا اسم لفظ اللہ ہے، اس لیے منصوب ہے۔ نَزَّلَ الْكِتٰبَ جملہ فعلیہ اَنَّ کی خبر ہے۔ اس لیے ترجمہ میں لفظ ”ہے“ کا اضافہ ہوگا۔ بِالْحَقِّ متعلق خبر ہے۔ الَّذِيْنَ اٰخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ، یہ پورا جملہ اَنَّ کا اسم ہے، اس کی خبر محذوف ہے۔ جَوَاقِيْمُ ہو سکتی ہے۔ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيْدٍ قائم مقام خبر ہے۔

ترکیب

ذٰلِكَ	بِأَنَّ	اللّٰهُ	نَزَّلَ	اَلْكِتٰبَ	بِالْحَقِّ ط	وَ اِنَّ
وہ	اس سبب سے کہ	اللہ نے	اُتارا ہے	کتاب کو	حق کے ساتھ	اور یقیناً

ترجمہ

اَلَّذِيْنَ	اٰخْتَلَفُوْا	فِي الْكِتٰبِ	لَفِي شِقَاقٍ بَعِيْدٍ
جن لوگوں نے	اختلاف کیا	کتاب میں	وہ لوگ دور کی مخالفت میں ہیں



اہل کتاب نے اللہ کے دین کو اتنا مسخ کر دیا تھا کہ یہ معلوم کرنا ممکن نہ رہا کہ حلال کیا ہے، حرام کیا ہے، اور حق کیا ہے، باطل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کر کے حق و باطل کو پوری طرح واضح کر دیا۔ دور کی مخالفت سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی چیز کی مخالفت میں اتنی دور نکل جائے کہ اسے اپنے نفع و نقصان کا بھی ہوش نہ رہے اور وہ مغفرت کو چھوڑ کر عذاب خریدنے لگے۔

### آیت نمبر (177)

﴿لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ  
الْبَيْتِ الْكِبَرِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ  
وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا  
وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾﴾

ی ت م

(س)

يَتَمَنَّ

يَتَنِيمُ

چھوٹے بچے کا والدین کی شفقت سے محروم ہونا۔

ج يَتَنَامِي - فَعِيلٌ لے وزن پر صفت ہے انسانوں میں ایسا بچہ جس کا باپ مر گیا ہو۔  
جانوروں میں ایسا بچہ جس کی ماں مر گئی ہو۔ آیت زیر مطالعہ۔

س ب ل

(ن)

سَبَلًا

سَبِيلٌ

لکنا۔ بہنا۔ رواں دواں ہونا۔

جمع سُبُلٌ - فَعِيلٌ کا وزن ہے۔ متعدد معانی میں آتا ہے۔

(۱) آسان راستہ۔ کھلی سڑک۔ ﴿وَإِنَّهَا لَكَيْسَبِيلٌ مُّقِيمٌ ۝﴾ (15/ الحج: 76) ”اور یقیناً وہ یعنی بستی ایک مستقل سڑک پر واقع ہے۔“ ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا﴾ (43/ الزخرف: 10) ”جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو فرش اور اس نے بنائے تمہارے لیے اس میں راستے۔“ (۲) راہ۔ طریقہ (کسی نظریہ یا ضابطہ کے مطابق عمل کرنے کا طریقہ۔) ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى﴾ (4/ النساء: 115) ”اور جس نے پیروی کی مومنوں کے طریقے کے علاوہ، تو ہم پھیر دیں گے اس کو اُدھر جدھر وہ پھرا۔“ ﴿وَلَسْتَ تَبِينَ سَبِيلَ الْبُحْرَيْنِ ۝﴾ (6/ الانعام: 55) ”اور تاکہ واضح ہو جائے مجرموں کا طریقہ۔“ ﴿وَمَا لَنَا إِلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا﴾ (14/ ابراہیم: 12) ”اور ہمیں کیا ہے کہ ہم توکل نہ کریں اللہ پر اس حال میں کہ اس نے ہمیں راہنمائی دی ہے ہمارے طریقوں کی۔“ (۳) راہ۔ ذریعہ۔ (کسی تک پہنچنے یا خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ)۔ ﴿وَأَنْفَقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (2/ البقرہ: 195) ”اور تم لوگ خرچ کرو اللہ کی راہ میں۔“ ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (29/ العنکبوت: 69) ”اور جن لوگوں نے جدوجہد کی ہمارے لیے ان کی ہم لازماً راہنمائی کریں گے اپنی راہوں کی۔“

(۴) الزام - (کسی پر گرفت حاصل کرنے کا ذریعہ)۔ ﴿مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ط﴾  
(9/ التوبہ: 91) ”محسنوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔“

ر ق ب

نگہبانی کرنا۔ انتظار کرنا۔ کسی بات کا لحاظ کرنا۔ ﴿لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وَا ذِمَّةً ط﴾  
(9/ التوبہ: 10) ”وہ لوگ لحاظ نہیں کرتے کسی مومن سے قربت داری کا اور نہ ذمہ داری کا۔“  
فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ نگہبانی کرنے والا۔ نگہبان۔ ﴿مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝﴾ (50/ قی: 18) ”منہ سے نہیں نکلتی کوئی بات مگر یہ کہ اس کے پاس ہے ایک چوکس نگہبان۔“

(ن) رَقُوبًا

رَقِيبٌ

رَقَبَةٌ

ج رِقَابٌ۔ اسم ذات ہے۔ گردن (کیونکہ گردن کو مختلف سمت میں گردش دے کر انسان نگہبانی کرتا ہے)۔ ﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ط﴾ (5/ المائدہ: 89) ”تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اس کے اوسط سے جو تم لوگ کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو یا ان کو (دس مسکینوں کو) کپڑا پہنانا ہے یا کسی گردن کا آزاد کرنا ہے۔“ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ لک سی غلام کو آزاد کرانے کے لیے عربی محاورہ ہے۔ ﴿فَإِذَا لَقِيتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط﴾ (47/ محمد: 4) ”پس جب تم لوگ مقابل ہو ان کے جنہوں نے کفر کیا تو گردنوں کا مارنا ہے۔“

(تفعّل) تَرَقُّبًا

إِزْتِقَابًا (انتعال)

إِزْتَقَبَ

کسی چیز سے بچنے کے لیے خود اپنی نگہبانی کرنا۔ چوکنا ہونا۔ ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ط﴾  
(28/ القصص: 21) ”تو وہ نکلا وہاں سے ڈرتے ہوئے، اپنی نگہبانی کرتے۔“  
اہتمام سے انتظار کرنا۔  
فعل امر ہے۔ تو انتظار کر۔ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ۝﴾ (44/ الدخان: 10)  
”پس تو انتظار کر اس دن کا جب آسمان لائے گا ایک واضح دھواں۔“  
اسم الفاعل ہے۔ انتظار کرنے والا۔ ﴿فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ مُرْتَقِبُونَ ۝﴾ (44/ الدخان: 59) ”پس تو انتظار کر، بے شک وہ لوگ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔“

ترکیب

اُستاد محترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب مرحوم کی یہ رائے ہے، اور میرا ذہن اسی کو ترجیح دیتا ہے، کہ اَنْ تُوَلُّوْا سے وَالْمَغْرِبِ تک پورا جملہ کیس کا اسم ہے، جب کہ اَلْبَرِّ اس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اسے تاکید کے لیے مقدم کیا گیا ہے اور اس پر لام جنس ہے۔ اَنْ کی وجہ سے تُوَلُّوْا مضارع منصوب ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے، وَجُوْهُكُمْ مفعول ہے اور قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ متعلق فعل ہے۔

لِکِنِّ کا اسم ہونے کی وجہ سے اَلْبَرِّ منصوب ہے اور مَنْ اس کی خبر ہے۔ یہ مَنْ موصولہ ہے اور اَمِنْ بِاللّٰهِ سے اِذَا عَاهَدُوْا تک کے جملے اس کا صلہ ہیں۔ اَلْيَوْمَ سے اَلنَّبِیِّنَ تک تمام الفاظ سے پہلے حرف جر ”ب“ محذوف ہے اس لیے یہ سب مجرور ہیں۔



اُتٰی سے پہلے مَنْ محذوف ہے۔ اَلْمَالِ اس کا مفعول اوّل ہے۔ عَلٰی حُبِّہ متعلق فعل ہے اور اُتٰی میں بہ کی ضمیر اَلْمَالِ کے لیے ہے۔ ذَوِی الْقُرْبٰی سے فِی الرِّقَابِ تک اُتٰی کے مفعول ثانی ہیں۔ اسی طرح اَقَامَ الصَّلٰوةَ۔ اُتٰی الزَّكٰوةَ اور اَلْمَوْفُوْنَ سے پہلے بھی مَنْ محذوف ہے۔

ترجمہ

لَيْسَ الْبِرُّ	أَنْ تُؤْتُوا	وُجُوْهُكُمْ	قَبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
کل نیکی یہی نہیں ہے	کہ تم لوگ پھیر لو	اپنے چہروں کو	مغرب اور مشرق کی طرف

وَلَكِنْ	الْبِرُّ	مَنْ	أَمَنَ	بِاللّٰهِ	وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
اور لیکن (بلکہ)	نیکی	اس کی ہے جو	ایمان لایا	اللہ پر	اور آخری دن پر

وَالْمَالِ الْكَتْمَةِ	وَالْكِتَابِ	وَالنَّبِيِّنَ	وَأَتَى	الْمَالِ	عَلَى حُبِّہ
اور فرشتوں پر	اور کتاب پر	اور نبیوں پر	اور (جس نے) دیا	مال	اس کی محبت کے باوجود

ذَوِی الْقُرْبٰی	وَالْيَتٰمٰی	وَالْمَسْكِيْنَ	وَابْنِ السَّبِيلِ
قربابت داروں کو	اور یتیموں کو	اور مسکینوں کو	اور راستے کے بیٹے (مسافر) کو

وَالسَّائِلِيْنَ	وَفِي الرِّقَابِ	وَأَقَامَ	الصَّلٰوةَ
اور مانگنے والوں کو	اور غلاموں کو آزاد کرانے میں	اور (جس نے) قائم کیا	نماز کو

وَأَتَى	الزَّكٰوةَ	وَالْمَوْفُوْنَ	بِعَهْدِهِمْ	إِذَا
اور (جس نے) پہنچایا	زکوٰۃ کو	اور (جو) پورا کرنے والے ہیں	اپنے عہد کو	جب بھی

عَهْدُ وَا	وَالضَّابِرِيْنَ	فِي الْبَاسَاءِ
وہ لوگ باہمی معاہدہ کریں	اور ثابت قدم رہنے والے	(فقر و فاقہ کی) سختیوں میں

وَالضَّرَآءِ	وَحِينَ الْبَاسِ	أُولَئِكَ	الَّذِيْنَ
اور تکالیف میں	اور گھمسان کی جنگ کے وقت	یہ	وہ لوگ ہیں جنہوں نے

صَدَقُوا	وَأُولَئِكَ	هُمُ الْمُتَّقُونَ
سچ کر دکھایا (نیکی کو)	اور یہ لوگ	ہی متقی ہیں

آیت نمبر ۲/۲ کے نوٹ۔ ۱ میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ عربی میں کسی قریبی چیز کی بلندی اور عظمت کے اظہار کے لیے اشارہ قریب کے بجائے اشارہ بعید استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی لحاظ سے اس آیت میں اُولَئِكَ کا ترجمہ ”وہ“ کے بجائے ”یہ“ کیا گیا ہے۔

نوٹ۔ 1

نوٹ-2

آسان عربی گرامر حصہ اول کے پیرا گراف ۷: ۱۹ میں آپ کو بتایا گیا تھا کہ لفظ ذُو (والا) جب مضاف بن کر آتا ہے تو رفع۔ نصب اور جر میں یہ ذُو۔ ذَا۔ ذی استعمال ہوتا ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ اس کی جمع رفع میں ذُوو اور نصب و جر دونوں میں ذَوِی آتی ہے۔ اس آیت میں مفعول ہونے کی وجہ سے ذَوِی منصوب ہے۔

نوٹ-3

یہ آیت تحویل قبلہ کے حکم کا تتمہ ہے۔ اس حکم سے ذہنوں میں جو الجھن پیدا ہوئی تھی اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان نیکی کے کسی جز کو ہی کل نیکی سمجھ بیٹھتا ہے۔ اس آیت میں اسی غلطی کی نشاندہی کرنے کے بعد کل نیکی کی تعریف (definition) بیان کر دی گئی ہے۔

### آیت نمبر (178)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ط الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَى ط فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ط ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ط فَمَنْ اُعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾

ق ص ص

(ن) قَصًّا اور قَصَصًا کسی چیز کو نیچنی سے کاٹنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ زیادہ تر دو مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کوئی واقعہ یا قصہ بیان کرنا۔ سنانا۔ (۲) کسی کے نقوش یا آثار پر چلنا۔ پیچھا کرنا۔ ﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ﴾ (16/ النحل: 118) ”اور ان لوگوں پر جو یہودی ہوئے ہم نے حرام کیا اس کو جو ہم نے سنایا آپ کو اس سے پہلے۔“ ﴿فَازْتَدَّ عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ (18/ الکہف: 64) ”تو وہ دونوں واپس ہوئے اپنے نقش قدم پر پیچھا کرتے ہوئے۔“

فُصِّ اور اُقْصِصُ فعل امر ہے (مضاعف میں فعل امر ادغام کے ساتھ اور ادغام کے بغیر، دونوں طرح استعمال ہوتا ہے)۔ تو سنا۔ تو پیچھا کر۔ ﴿قَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ﴾ (28/ القصص: 11) ”اور انہوں نے کہا ان کی بہن سے تو پیچھا کر ان کا۔“ ﴿فَأَقْصَصَ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (7/ الاعراف: 176) ”پس آپ بیان کریں واقعات شائد وہ لوگ غور و فکر کریں۔“

قَصَّةٌ ج قصص۔ اسم ذات ہے۔ واقعہ۔ قصہ۔ ﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ﴾ (12/ یوسف: 111) ”یقیناً ان کے قصوں میں ایک عبرت ہے۔“

قَصَاصٌ کسی جرم یا کسی کا بدلہ۔ (یعنی کام کے آثار کا پیچھا کرتے ہوئے کام کرنے والے تک پہنچنا تاکہ اس کے ساتھ بھی وہی کام کیا جائے)۔ آیت زیر مطالعہ۔

ح ر ر

حَرَارًا آ زاد ہونا۔

(س)

(ن-ض)

حَرَارَةٌ

گرم ہونا۔

355

حُرٌّ

صفت ہے۔ آزاد۔ آیت زیر مطالعہ۔

حَرٌّ

اسم ذات ہے۔ گرمی ﴿وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ﴾ (9/ التوبہ: 81) ”اور ان لوگوں نے کہا کہ تم لوگ مت نکلو گرمی میں۔“

حَرُورٌ

فَعُولُ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ سخت گرمی۔ لُو۔ تیز دھوپ۔ ﴿وَالظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ﴾ (35/ فاطر: 21) ”اور نہ سایہ اور نہ تیز دھوپ۔“

حَرِيرٌ

فَعِيلٌ کا وزن ہے۔ باریک ریشم۔ ﴿وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ﴾ (22/ الحج: 23) ”اور ان کا لباس ہے اس میں باریک ریشم۔“

تَحْرِيرًا

(تفعیل)

کسی کو آزاد کرنا۔ ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ (4/ النساء: 92) ”تو ایک مومن گردن یعنی غلام کا آزاد کرنا۔“

مُحَرَّرٌ

اسم المفعول ہے۔ آزاد کیا ہوا۔ ﴿رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا﴾ (3/ آل عمران: 35) ”اے میرے رب! میں نے نذر کیا تیرے لیے اس کو جو میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا۔“

ع ن ث

(ک)

أَنْثَا

نرم و ملائم ہونا۔ مادہ ہونا۔ عورت ہونا۔

أُنْثَى

جِ انْثَا فُعْلَى کا وزن ہے۔ مادہ۔ مؤنث۔ ﴿إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا اِنْثَاءً﴾ (4/ النساء: 117) ”وہ لوگ نہیں پکارتے اس کے یعنی اللہ کے علاوہ مگر کچھ عورتوں کو۔“

ع د ی

(ض)

أَدِيًا

کسی کا حق پہچاننا۔ حق دینا۔

أَدَاءٌ

اسم ذات ہے۔ ادائیگی۔ واپسی۔ آیت زیر مطالعہ۔

تَأْدِيَةً

(تفعیل)

حق دار کو اس کا حق واپس کرنا۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ إِنْ تَأْمَنُ بِدِينِهِ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ﴾ (3/ آل عمران: 75) ”اور ان میں وہ بھی ہے جو کہ اگر تو امانت رکھے اس کے پاس ایک دینار تو وہ واپس نہیں کرے گا اس کو تیری طرف۔“

أَدٍّ

فعل امر ہے۔ تو واپس کر۔ ﴿أَنْ أَدُّوْا إِلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ﴾ (44/ الدخان: 18) ”کہ تم لوگ واپس کرو میری طرف اللہ کے بنوں کو۔“

ترکیب

کُتِبَ ماضی مجہول ہے، الْقِصَاصُ اس کا نائب فاعل ہے جب کہ عَلَیْكُمْ اور فِي الْقَتْلِ متعلق فعل ہیں۔ الْحَرُّ۔ وَالْعَبْدُ اور وَالْأُنْثَى، تینوں مبتداء ہیں۔ ان کی خبریں قِصَاصٌ محذوف ہیں جب کہ بِالْحَرِّ۔ بِالْعَبْدِ اور بِالْأُنْثَى متعلق خبر تھیں جواب قائم مقام خبر ہیں۔ فَمَنْ مبتداء ہے اور عُفِيَ سے شئیء تک جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ عُفِيَ ماضی مجہول ہے، شئیء اس کا نائب فاعل ہے جب کہ لَهُ اور مِنْ أَخِيهِ متعلق فعل ہیں۔ لَهُ میں لہ کی ضمیر مَنْ کے لیے ہے جو قاتل کے لیے آیا ہے۔ أَخِي کا لفظ مقتول کے ولی کے لیے ہے اور اس کے ساتھ لہ کی ضمیر مَنْ یعنی قاتل کے لیے ہے۔ فَاتَّبَاعٌ اور أَدَاءٌ مبتداء مکررہ ہیں کیونکہ عام قاعدے کا بیان ہے۔ ان دونوں کی خبر محذوف ہے جو وَاَجِبْ يَا لَازِمٌ ہو سکتی ہے۔ بِالْمَعْرُوفِ۔ إِلَيْهِ اور بِأَحْسَنِ متعلق خبر ہیں۔ إِلَيْهِ میں لہ کی ضمیر أَخِي یعنی مقتول کے ولی کے لیے ہے۔ ذَلِكَ مبتداء ہے۔ تَخْفِيفٌ اس کی خبر اول ہے اور رَحْمَةً خبر ثانی ہے جب کہ مِنْ رَبِّكُمْ متعلق خبر ہیں۔ فَبَيْنَ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ شرط ہے اور فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ جواب شرط ہے۔

ترجمہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	كُتِبَ	عَلَيْكُمْ	الْقَصَاصُ	فِي الْقَتْلِ ط
اے لوگو جو ایمان لائے ہو	فرض کیا گیا	تم لوگوں پر	بدلہ	مقتولوں میں (یعنی مقتولوں کا)

الْحُرُّ	بِالْحُرِّ	وَالْعَبْدُ	بِالْعَبْدِ	وَالْأُنْثَى	بِالْأُنْثَى ط
(قاتل) آزاد ہے (تو بدلہ ہے)	آزاد سے	اور غلام ہے	(تو) غلام سے	اور عورت ہے	(تو) عورت سے

فَمَنْ عَفَى لَهُ	مِنْ أَخِيهِ	شَيْءٌ
پس جس کے لیے معاف کی گئی	اس کے بھائی (کی طرف) سے	کوئی چیز

فَاتَّبَاعٌ	بِالْمَعْرُوفِ	وَأَدَاءٌ	إِلَيْهِ	بِإِحْسَانٍ ط
تو پیروی کرنا ہے	بھلے طریقے سے	اور ادائیگی ہے	اس کی طرف	خوبصورت انداز سے

ذَلِكَ	تَخْفِيفٌ	مِّن رَّسْمِكُمْ	وَرَحْمَةٌ ط	فَمِنْ أَعْتَدَى
یہ	ہلکا کرنا ہے	تمہارے رب (کی جانب) سے	اور رحمت ہے	پس جو زیادتی کرے گا

بَعْدَ ذَلِكَ	فَلَهُ	عَذَابٌ أَلِيمٌ
اس کے بعد	تو اس کے لیے	ایک دردناک عذاب ہے

مادہ ”قتل“ کی لغت آیت - ۲/۷۲ کے تحت دی گئی ہے۔ وہاں پر لفظ قَتْلُ سہوارہ گیا تھا۔ اب نوٹ کر لیں کہ فَعِيلُ کے وزن پر قَتِيلٌ بمعنی مقتول آتا ہے اور اس کی جمع قَتْلَى ہے۔

نوٹ - 1

عرب کے دو قبائل میں جنگ ہوئی جس میں طرفین کے بہت سے آدمی، آزاد۔ غلام اور عورتیں قتل ہو گئے۔ ابھی ان کا تصفیہ ہونے نہیں پایا تھا کہ دونوں قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد قصاص لینے کی بات شروع ہوئی تو بڑے قبیلے نے کہا کہ ہم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے۔ جب تک ہمارے غلام کے بدلے دوسرے کا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے میں مرد قتل نہ کیا جائے۔ اس مطالبہ کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى۔ اسلام نے اپنا عادلانہ قانون یہ نافذ کر دیا کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے۔ قاتل اگر عورت یا غلام ہے تو اس کے بدلے میں کسی بے گناہ آزاد کو قتل کرنا ظلم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ (منقول از معارف القرآن)۔

نوٹ - 2

معارف القرآن، تفہیم القرآن اور دیگر تفاسیر کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آیت کے مذکورہ حصہ میں اصل حکم یہ ہے کہ یہ مت دیکھو کہ مقتول کون ہے۔ وہ خواہ آزاد ہو یا غلام ہو یا عورت ہو، بہر صورت قاتل کو گرفتار کرنا اسلامی اجتماعیت (یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا) یعنی حکومت پر اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ پھر جب قاتل پر جرم ثابت ہو جائے تو یہ مت دیکھو کہ قاتل آزاد ہے یا غلام ہے یا عورت ہے، بہر صورت بدلے میں اس کو قتل کرنا حکومت پر فرض کیا گیا ہے۔ کسی صدر مملکت، حتیٰ کہ کسی ”اسلامی

كُتِبَ	عَلَيْكُمْ	إِذَا	حَضَرَ	أَحَدَكُمْ	الْمَوْتُ	إِنْ
فرض کیا گیا	تم لوگوں پر	جب کبھی	سامنے آئے	تم میں سے کسی ایک کو	موت	(اور) اگر

  

تَرَكَ	خَيْرًا	لِلْوَصِيَّةِ	لِلْوَالِدَيْنِ	وَالْأَقْرَبِينَ
--------	---------	---------------	-----------------	------------------

اس نے چھوڑا	کچھ مال	وصیت کو	والدین کے لیے	اور قرابت داروں کے لیے
بِالْمَعْرُوفِ	حَقًّا	عَلَى الْاٰثِقِيْنَ	355	
دستور کے مطابق	حق ہوتے ہوئے	متقی لوگوں پر		

سورۃ النساء میں آیات میراث کے نزول کے بعد ورثاء کے لیے وصیت کرنا فرض نہیں رہا۔ البتہ غیر ورثاء کے لیے ایک تہائی مال کے اندر اندر وصیت کی جاسکتی ہے۔ دو تہائی مال ورثاء میں لازماً تقسیم ہوگا۔

نوٹ-1

### آیت نمبر (2/ البقرہ: 181)

﴿فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَأَنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

مَنْ شرطیہ ہے۔ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ شرط ہے اور فَأَنَّمَا سے يُبَدِّلُونَهُ تک جواب شرط ہے۔ بَدَّلَهُ۔ سَمِعَهُ اور يُبَدِّلُونَهُ میں ء کی مذکر ضمیریں اَلْوَصِيَّةُ کے لیے آئی ہیں جو کہ مؤنث ہے۔ یہ ایک غیر معمولی بات ہے لیکن سیاق و سباق کا تقاضہ ہے کہ ان ضمیروں کو اَلْوَصِيَّةُ کے لیے ہی مانا جائے۔ اس کا جواز تلاش کرنے سے بہتر ہے کہ اس صورت حال کو ہم قرآن مجید کے ایک استثناء کے طور پر قبول کر لیں۔ اِثْمُهُ میں ء کی ضمیر بَدَّلَ کے مصدر تَبْدِيلُ کے لیے ہے۔

ترکیب

فَمَنْ	بَدَّلَهُ	بَعْدَ مَا	سَمِعَهُ	فَأَنَّمَا
پس جس نے	تبدیل کیا اس کو	اس کے بعد کہ جو	اس نے سنا اس کو	تو کچھ نہیں سوائے اس کے کہ
اِثْمُهُ	عَلَى الَّذِينَ	يُبَدِّلُونَهُ	إِنَّ اللَّهَ	سَمِيعٌ عَلِيمٌ
اس کا گناہ	ان لوگوں پر ہے جو	تبدیل کرتے ہیں اس کو	یقیناً اللہ	سننے والا ہے جاننے والا ہے

ترجمہ

### آیت نمبر (182)

﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنْفًا أَوْ إِثْبًا فَاصْلَحْ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

ج ن ف

(س)

جَنْفًا

راستہ سے ہٹ جانا۔ فیصلے میں جانبداری کرنا۔

جَنْفٌ

اس ذات ہے۔ جانبداری۔ معروف سے انحراف۔ آیت زیر مطالعہ۔

تَجَانَّفًا

کسی کی طرف مائل ہونا۔ جھکنا۔

(تقابل)

مُتَجَانِفٌ

اسم الفاعل ہے۔ مائل ہونے والا۔ جھکنے والا۔ ﴿فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْصَصَةٍ غَيْرٍ مُّتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ﴾

(5/ المائدہ: 3) ”پس جو لاچار ہو جائے بھوک میں جھکنے والا نہ ہوتے ہوئے گناہ کی طرف۔“

## ترکیب

مَنْ شَرَطِيه ہے۔ خَافَ سے بَيْنَهُمْ تک شرط ہے اور فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ جواب شرط ہے۔ مِنْ مَّوَصٍ متعلق فعل ہے جب کہ جَنْفًا اور اِثْمًا دونوں خَافَ کا مفعول ہیں۔ فَاصْلَحَ کا مفعول اَلْوَصِيَّةَ مخدوف ہے۔ بَيْنَهُمْ میں هُمْ کی ضمیر ان لوگوں کے لیے ہے جن کے لیے وصیت کی گئی ہے۔ اِثْمَ سے پہلے لائے لُفِي جنس ہے۔

## ترجمہ

فَمِنْ	خَافَ	مِنْ مَّوَصٍ	جَنْفًا	اَوْ اِثْمًا
پس جس کو	اندیشہ ہو	کسی وصیت کرنے والے سے	جانبداری کا	یا کسی گناہ کا

فَاصْلَحَ	بَيْنَهُمْ	فَلَا اِثْمَ	عَلَيْهِ ط
پھر اس نے درست کر دیا (یعنی دستور کے مطابق کر دیا)	ان لوگوں کے مابین	تو کوئی گناہ نہیں ہے	اس پر

اِنَّ اللّٰهَ	عَفُوٌّ	رَّحِيْمٌ
یقیناً اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہے	ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

## نوٹ-1

اگر کسی صویت میں جانبداری کا پہلو ہو تو گواہوں کی طرف سے اس میں اصلاح کی کوشش وصیت تبدیل کرنے کے ضمن میں نہیں آئے گی جس کی گذشتہ آیت میں ممانعت کی گئی ہے۔ البتہ گواہوں کو خود وصیت میں اصلاح کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اگر موقع ہو تو وصیت سننے وقت وصیت کرنے والے کو اس میں اصلاح پر آمادہ کرے۔ بصورت دیگر وصیت صحیح بیان کرنے کے بعد وارثوں کی باہمی رضامندی سے اس میں اصلاح کرائے۔

## آیت نمبر (183)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (2/ البقرہ: 184)

## ص و م

- (ن) صِيَامًا کسی کام سے رُک جانا۔ روزہ رکھنا۔ ﴿وَ أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (2/ البقرہ: 184) ”اور یہ کہ تم لوگ روزہ رکھو، زیادہ بہتر ہے تم لوگوں کے لیے۔“
- صَوْمٌ اسم ذات ہے (واحد اور جمع دونوں کے لیے)۔ کسی سے رُک جانے کا عہد۔ روزہ۔
- (ن) ﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ الْنِسْيَانَ﴾ (19/ مریم: 26) ”میں نے منت مانگی الرحمن کے لیے ایک روزے کی۔ پس میں ہر گز بات نہیں کروں گی آج کسی انسان سے۔“
- صَائِمٌ فَاعِلٌ كے وزن پر صفت ہے۔ روزہ رکھنے والا۔ روزہ دار۔ ﴿وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ﴾ (33/ الاحزاب: 35) ”اور روزے دار مرد اور روزے دار عورتیں۔“

## ترکیب

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا امْلُواي ہے۔ كُتِبَ ماضی مجہول ہے اور الصِّيَامُ اس کا نائب فاعل ہے جب عَلَيكُمْ متعلق فعل ہے۔

## ترجمہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	كُتِبَ	عَلَيْكُمْ	الصِّيَامُ	كَمَا	كُتِبَ
--------------------------------	--------	------------	------------	-------	--------



اے لوگوں جو	ایمان لائے	فرض کیا گیا	تم لوگوں پر	روزہ رکھنے کو	جیسا کہ	فرض کیا گیا
355						
عَلَى الَّذِينَ	مِنْ قَبْلِكُمْ	لَعَلَّكُمْ	تَتَّقُونَ			
ان لوگوں پر جو	تم سے پہلے تھے	شائد کہ تم لوگ	تقویٰ اختیار کرو			

### آیت نمبر (184)

﴿ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۚ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾

س ف ر

- (ن) سَفَرًا کسی چیز سے پردہ اٹھانا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً (۱) لکھنا۔ حقائق سے پردہ اٹھانا۔ (۲) سفر پر روانہ ہونا۔ راستوں سے پردہ اٹھانا۔
- سَفَرٌ ج اسفَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ سفر۔ آیت زیر مطالعہ۔ ﴿رَبَّنَا بَعْدَ بَيِّنٍ أَسْفَارَنَا﴾ (34/سبا: 19) ”اے ہمارے رب! تو دراز کر دے ہمارے سفروں کے درمیان یعنی منزلوں کو۔“
- سَفَرٌ ج اسفَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ کتاب۔ ﴿كَمَثَلِ الْجَمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾ (62/الجمعة: 5) ”اس گدھے کی مثال کی مانند ہے جو اٹھاتا ہے کتابیں۔“
- سَافِرٌ ج سَفَرَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ لکھنے والا۔ ﴿بِأَيِّدِي سَفَرَةٍ﴾ (80/عيس: 15) ”لکھنے والوں کے ہاتھوں میں۔“
- إِسْفَارًا (افعال) کسی چیز کے رنگ سے پردہ اٹھانا۔ چمکنا۔ روشن ہونا۔ ﴿وَالصُّبْحُ إِذَا أَسْفَرَ﴾ (74/المدثر: 34) ”اور صبح جب وہ روشن ہو۔“
- مُسْفِرٌ اسم الفاعل ہے۔ چمکنے والا۔ روشن ہونے والا۔ ﴿وَجُودُهُ يُؤَمِّنُ مُسْفِرَةً﴾ (80/عيس: 38) ”کچھ چہرے اس دن روشن ہونے والے ہیں۔“

ط و ق

- (ن) طَوْقًا گلے میں حلقہ یا طوق ہونا۔ کسی کام کی اہلیت یا طاقت ہونا۔
- طَاقَةٌ اسم ذات ہے۔ قدرت۔ طاقت۔ ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾ (2/البقرہ: 286) ”اے ہمارے رب! تو وہ بوجھ نہ اٹھوا ہم سے جس کی طاقت نہیں ہے ہم کو۔“
- إِطَاقَةً (افعال) کسی کام کو کرنے کی طاقت یا قدرت رکھنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

مرکب توصیفی ایّامًا مَّعْدُودَاتٍ گزشتہ آیت کے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ کا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مَن شرطیہ ہے۔ كَانَ سے عَلَى سَفَرٍ تک شرط ہے اور فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ جواب شرط ہے۔ اِن کا اسم اس میں شامل ہو کی ضمیر ہے جو مَن کے لیے ہے جب کہ مَرِيضًا خبر ہے۔ اس کی خبر ثانی محذوف ہے جو کہ مُسَافِرًا ہو سکتی ہے۔ عَلَى سَفَرٍ قائم مقام خبر ہے۔ اس جملہ میں آفاقی صداقت کا بیان ہے۔ اس لیے كَانَ کا ترجمہ حال میں ہوگا۔

فَعِدَّةٌ مبتداء مکررہ ہے کیونکہ عام قاعدہ بیان ہو رہا ہے۔ اس کی خبر وَاجِبٌ محذوف ہے۔ متعلق خبرِ ایّامٍ أُخَرَ مرکب



توصیفی ہے۔ فُعْلٰی کی جمع فُعُلٌ کے وزن پر اُخْرٌ آنا چاہیے لیکن یہ خلاف قاعدہ اُخْرٌ غیر منصرف استعمال ہوتا ہے اور یہاں اُخْرٌ ایّام کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ فِدِیَّةٌ مبتداء مؤخر مکررہ ہے اس کی بھی خبر واجبٌ مخدوف ہے۔ 355 عَلٰی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہُ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ یُطِیْقُوْنَہُ میں ۱ کی ضمیر الصّیّام کے لیے ہے۔ طَعَامٌ مُّسْکِیْنٍ بدل ہے فِدِیَّةٌ کا۔

ترجمہ

ایّاماً معدودات	فَمَنْ كَانَ	مِنْكُمْ	مَرِیضًا	أَوْ عَلَى سَفَرٍ	فَعِدَّةٌ
گنے ہوئے کچھ دن ہیں	پس جو	تم میں سے	مریض ہے	یا کسی سفر پر ہے	تو شمار ہے

مَنْ ایّامِ اُخْرٌ	وَعَلَى الَّذِیْنَ	یُطِیْقُوْنَہُ	فِدِیَّةٌ	طَعَامٌ مُّسْکِیْنٍ
دوسرے کسی دنوں سے	اور ان لوگوں پر جو	طاقت رکھتے ہیں اس کی	فدیہ ہے	ایک مسکین کا کھانا

فَمَنْ تَطَوَّعَ	خَبْرًا	فَهُوَ خَيْرٌ	لَّہٗ	وَأَنْ
پھر جو نفلًا زیادہ کرے	کسی نیکی کو	تو یہ بہتر ہے	اس کے لیے	اور یہ کہ

تَصُومُوا	خَيْرٌ	لَّكُمْ	إِنْ كُنْتُمْ	تَعْلَمُونَ
تم لوگ روزہ رکھو	زیادہ اچھا ہے	تمہارے لیے	اگر تم لوگ	جانتے ہو

نوٹ-1

اسلام کے دیگر احکام کی طرح روزے کو بھی بتدریج فرض کیا گیا۔ شروع میں ہر مہینہ کے تین دن روزہ رکھنے کی ہدایت تھی لیکن یہ فرض نہیں تھا۔ پھر مدینہ میں یہ آیات نازل ہوئیں جس میں روزہ فرض کیا گیا۔ اس میں مریض اور مسافر کے علاوہ ان لوگوں کو بھی رخصت دی گئی جو طاقت رکھنے کے باوجود روزہ نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ کہ وہ روزے کے بدلے فدیہ دے دیں۔ یہ بھی عبوری حکم تھا۔ حتیٰ حکم کی آیات بعد میں نازل ہوئیں۔

نوٹ-2

ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے لیکن زندگی کی گہما گہمی میں ہمیں یہ احساس نہیں رہتا کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوتے ہیں اور جس حال میں ہوتے ہیں اللہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ہم جو کچھ کر رہے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ (۴/۵۷) اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کے احساس کا تقویٰ کے ساتھ ایک مثبت ربط (POSITIVE CORRELATION) ہے۔ یہ احساس جیسے جیسے زیادہ ہوتا ہے، تقویٰ کی کیفیت بھی اسی تناسب سے گہری ہوتی ہے۔ اور یہ احساس جتنا کم ہوگا، تقویٰ میں بھی اتنی کمی ہو جائے گی۔

اب نوٹ کریں کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا کل کا کل مدار اس احساس پر ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں، اللہ ہمارے ساتھ ہے اور ہمیں دیکھ رہا ہے۔ لاشعور کی سطح سے اس احساس کو بلند کر کے اگر ہم پورے شعوری احساس کے ساتھ ایک مہینے کے روزے رکھیں تو اُمید کی جاسکتی ہے کہ رمضان کے بعد بھی تقویٰ کی کیفیت برقرار رہے۔

### آیت نمبر (185)

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ

وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۚ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُم ۚ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٥٥﴾

ش ہ ر

(ف) شَهْرًا

شَهْرٌ

(۱) کسی کی مشہوری کرنا۔ (۲) ایک مہینہ کی مدت گزارنا۔  
 شَهْرٌ اور أَشْهُرٌ۔ اسم ذات ہے۔ مہینہ۔ ماہ۔ ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا﴾ (9/ التوبہ: 36) ”بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے پاس بارہ مہینے ہیں۔“ ﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ﴾ (9/ التوبہ: 2) ”پس گھوم پھر لو زمین میں چار مہینے۔“

ر م ض

(س) رَمَضًا

رَمَضَانُ

دن کا گرم ہونا۔ گرم زمین پر پاؤں جلنا  
 ہجری سال کا نواں مہینہ۔ رمضان۔ آیت زیر مطالعہ۔

ق ر ع

(ف) قُرْآنًا اور قِرَاءَةً

دو چیزوں کو اکٹھا کرنا۔ جمع کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً  
 (۱) پڑھنا (پڑھنے والا الفاظ کو اکٹھا کرتا ہے)۔ (۲) پڑھ کر سنانا۔ اس معنی میں علی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ (۳) مدت گزارنا۔ (کسی مقررہ وقت کے شروع ہونے اور ختم ہونے کے لمحہ کو اکٹھا کرنے سے ایک مدت وجود میں آتی ہے)۔ ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ (75/ القیۃ: 18) ”پھر جب ہم پڑھیں اس کو تو آپ پیروی کریں اس کے پڑھنے کی۔“ ﴿قُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مَكْثٍ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 106) ”اور قرآن، ہم نے الگ الگ کیا اس کو تاکہ آپ پڑھ کر سنائیں اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر۔“

اِقْرَأْ

قُرْآنٌ

فعل امر ہے۔ تو پڑھ۔ ﴿اِقْرَأْ كِتَابَكَ ط﴾ (17/ بنی اسرائیل: 14) ”تو پڑھ اپنی کتاب کو۔“  
 اسم ذات بھی ہے۔ پڑھی جانے والی چیز۔ پیغام۔ خط۔ کتاب وغیرہ۔ اصطلاحاً اب اس لفظ کا استعمال صرف آخری وحی کے لیے مخصوص ہے۔ اس لیے کسی اور کتاب وغیرہ کے لیے اس کا استعمال غلط مانا جاتا ہے۔ قرآن۔ آیت زیر مطالعہ۔

قُرْءٌ

ج قُرْءٌ۔ اسم ذات ہے۔ مدت۔ قرآن مجید میں اسے خواتین کے ایک طہر اور حیض کی جامع مدت کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرْوءٍ ط﴾ (2/ البقرہ: 228) ”اور طلاق یافتہ خواتین رکی رہتی ہیں اپنے نفس سے تین مدتوں تک۔“

اِقْرَاءٌ

(افعال)

کسی کو پڑھنا۔ ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى ۝﴾ (87/ الاعلیٰ: 6) ”ہم پڑھائیں گے آپ کو پھر آپ نہیں بھولیں گے۔“

ی س ر

يَسْرًا

مَيْسُورٌ

(ض۔ک)

نرم و آسان ہونا (لازم)۔ نرم و آسان کرنا (متعدی)۔ رزق و روزی میں کشادہ ہونا۔  
 اسم المفعول ہے۔ نرم و آسان کیا ہوا۔ ﴿فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 28) ”پس تو کہہ ان سے نرم کی ہوئی بات۔“

فَعِیْلُ کے وزن پر صفت ہے۔ نرم۔ آسان۔ ﴿إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ (22/ الحج: 70)	یَسِيرٌ
”یقیناً اللہ پر آسان ہے۔“	
فُعْلٰی کا وزن ہے۔ نرمی۔ سہولت۔ کشادگی۔ ﴿وَيُسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ﴾ (87/ الاعلیٰ: 8) ”اور ہم پہنچائیں گے آپ کو کشادگی اور سہولت تک۔“	يُسْرٰی
اسم ذات ہے۔ نرمی۔ آسانی۔ ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ﴾ (94/ الم نشرح: 5-6) ”پس یقیناً سختی کے ساتھ نرمی ہے، یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔“	يُسْرٌ
رزق میں کشادگی۔ ﴿فَنَظَرْنَا إِلَىٰ مِيسِرَةٍ ط﴾ (2/ البقرہ: 280) ”تو مہلت ہے رزق میں کشادگی تک۔“	مِيسِرَةٌ
جوا۔ سٹہ۔ ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط﴾ (2/ البقرہ: 219) ”یہ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے جوئے اور شراب کے بارے میں۔“	مَيْسِرٌ
(۱) کسی چیز کو کسی کے لیے رفتہ رفتہ آسان کر دینا۔ (۲) کسی کو کسی جگہ پہنچا دینا (یعنی رفتہ رفتہ راستہ آسان کرنا)۔ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ﴾ (54/ القمر: 17) ”اور ہم نے آسان کر دیا قرآن کو یاد دہانی کے لیے۔“ پہنچانے کے مفہوم کے لیے اوپر آیت نمبر 87 / الاعلیٰ: 8 دیکھیں۔	تَيْسِيرًا (تفعیل)
فعل امر ہے۔ تو آسان کر۔ ﴿وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي﴾ (20/ طہ: 26) ”اور تو آسان کر دے میرے لیے میرے کام کو۔“	يَسِّرْ
آسان ہونا۔ ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ط﴾ (73/ المزل: 20) ”تو تم لوگ پڑھو اس کو جو آسان ہو قرآن میں سے۔“	تَيَسَّرًا (تفعّل)
آسان سمجھنا۔ ﴿إِنْ أَحْصَرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ (2/ البقرہ: 196) ”پھر اگر تم لوگ گھیر لیے جاؤ تو جو آسان سمجھو قربانی میں سے۔“	اسْتَيْسَارًا (استفعال)
ع س ر	
سخت اور دشوار ہونا۔ رزق میں تنگ دست ہونا۔	عُسْرًا (س-ک)
صفت ہے۔ سخت مشکل۔ ﴿يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِيرٌ﴾ (54/ القمر: 8) ”کہیں گے کافر لوگ یہ ایک سخت دن ہے۔“	عَسِيرٌ
فَعِیْلُ کے وزن پر صفت ہے۔ سخت۔ دشوار۔ ﴿وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا﴾ (25/ الفرقان: 26) ”اور کافروں پر وہ ایک سخت دن ہوگا۔“	عَسِيرٌ
اسم ذات ہے۔ سختی۔ تنگی۔ آیت زیر مطالعہ۔	عُسْرٌ
فُعْلٰی کا وزن ہے۔ سختی۔ دشواری۔ ﴿فَسَنِّيْكَ لِلْعُسْرَىٰ ط﴾ (92/ ایل: 10) ”پس ہم پہنچائیں گے اس کو سختی اور دشواری تک۔“	عُسْرٰی
باہم سختی کرنا۔ ضد کرنا۔ ﴿وَإِنْ تَعَاَسَرْتُمْ فَسْتَضَعْ لَآ أُخْرٰی ط﴾ (65/ الطلاق: 6) ”اور اگر باہم ضد کرو گے تو دودھ پلائے گی اس کے لیے دوسری۔“	تَعَاَسَرًا (تفاعل)
ک م ل	
کسی چیز کے اجزاء اور صفات کی کمی کا ختم ہونا۔ مکمل ہونا۔ پورا ہونا۔	كَمَالًا (ک)

کامل فاعل کے وزن پر صفت ہے۔ پورا ہونے والا یعنی پورا۔ مکمل ﴿لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (16/ النحل: 25) ”تاکہ وہ لوگ اٹھائیں اپنے بوجھ پورے کھوپڑی کے قیامت کے دن۔“

انکمالاً (افعال) پورا کرنا۔ مکمل کرنا۔ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ (5/ المائدہ: 3) ”آج کے دن میں نے مکمل کیا تمہارے لیے تمہارے نظام حیات کو۔“

شہر رمضان خبر ہے۔ اس کا مبتداء ہی محذوف ہے جو کہ آیاتاً معدودات کا بدل ہے۔ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ صفت ہے شہر رمضان کی۔ ہدای اور بیئت حال ہیں القرآن کا، اس لیے نصب میں ہیں۔ فَمَنْ شرطیہ ہے۔ شہد منکم الشہر شرط ہے اور فليصمه جواب شرط ہے۔ الشہر پر لام تعریف ہے اور فليصمه فعل امر غائب ہے۔ اور اس میں ۱ کی ضمیر الشہر کے لیے ہے۔

ترکیب

ترجمہ

شہر رمضان	الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ	الْقُرْآنُ	هُدًى
(یہ) رمضان کا مہینہ ہے	اُتارا گیا جس میں	قرآن کو	ہدایت ہوتے ہوئے

لِّلنَّاسِ	وَبَيِّنَاتٍ	مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ	فَمَنْ	شَهِدَ
لوگوں کے لیے	اور واضح ہوتے ہوئے	فرقان اور ہدایت میں سے	پس جو	موجود ہو

مِنْكُمْ	الشَّهَرِ	فَلْيَصُمْهُ	وَمَنْ كَانَ	مَرِيضًا
تم میں سے	اس مہینہ میں	تو اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے اس میں	اور جو	مریض ہے

أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ	فَعِدَّةٌ	مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ	يُرِيدُ اللَّهُ	بِكُمْ
یا کسی سفر پر ہے	تو گنتی ہے	دوسرے کسی دنوں سے	اللہ چاہتا ہے	تم لوگوں کے لیے

الْيُسْرَ	وَلَا يُرِيدُ	بِكُمْ	الْعُسْرَ	وَلِتُكْمِلُوا	الْعِدَّةَ
آسانی	اور وہ نہیں چاہتا	تم لوگوں کے لیے	سختی	اور تاکہ تم لوگ پورا کرو	گنتی کو

وَلِتُكْمِلُوا	اللَّهُ	عَلَىٰ مَا	هَدَاكُمْ
اور تاکہ تم لوگ بڑائی تسلیم کراؤ	اللہ کی	اس پر جو	اس نے ہدایت دی تم کو

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ
اور شاید کہ تم لوگ شکر ادا کرو

یہ روزوں کا حتمی حکم ہے۔ اس میں مریض اور مسافر کی رعایت برقرار رکھی گئی ہے لیکن فدیہ دے کر روزہ نہ رکھنے کی رعایت منسوخ کر دی گئی۔

نوٹ-1

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا  
بِئَنِّي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ (۱۸۶)

ذ ک ر

- (ن) جَوَابًا (۱) کوئی فاصلہ طے کرنا۔ (۲) کسی چیز کو کاٹنا یا تراشنا (کاٹنے والا کاٹتے یا تراشتے ہوئے ایک فاصلہ طے کرتا ہے)۔ ﴿وَتَشْمُذُ الَّذِينَ جَاءُوا الصَّخْرَ بِأَلْوَادٍ﴾ (89/ النجر: 9) ”اور شمود کے ساتھ جنہوں نے تراشنا پتھروں کو وادی میں۔“
- جَوَابٌ اسم ذات ہے۔ کسی بات کا جواب (کہنے والے کی بات جتنا فاصلہ طے کر کے آتی ہے، جواب دینے والے کی بات وہی فاصلہ طے کرتی ہے)۔ ﴿وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ﴾ (7/ الاعراف: 82) ”اور انہیں تھا ان کی قوم کا جواب مگر یہ کہ تم لوگ نکالو ان کو۔“
- إِجَابَةً (افعال) (۱) بات کا جواب دینا۔ (۲) کسی کی بات یعنی حکم کو ماننا۔ (۳) کسی کی بات یعنی درخواست کو قبول کرنا۔ ﴿مَا ذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ﴾ (28/ القصص: 65) ”کیا جواب دیا تم لوگوں نے رسولوں کو۔“ ﴿أَفَنُكْرِبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ﴾ (27/ النمل: 62) ”یا کون بات قبول کرتا ہے لاچار کی جب بھی وہ پکارے اس کو۔“
- أَجَبَ فعل امر ہے۔ تو کہنا مان۔ تو قبول کر۔ ﴿يَقَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ﴾ (46/ الاحقاف: 31) ”اے ہماری قوم تم لوگ کہنا مانو اللہ کی دعوت دینے والے کا۔“
- مُجِيبٌ اسم الفاعل ہے۔ ماننے والا۔ قبول کرنے والا۔ ﴿إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ﴾ (11/ هود: 61) ”یقیناً میرا رب قریب ہے، قبول کرنے والا ہے۔“
- إِسْتِجَابَةً (استفعال) یہ مادہ باب استفعال اور باب افعال میں ہم معنی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ باب استفعال میں جواب دینے، بات ماننے اور قبول کرنے کو ضروری سمجھنا۔ ترجمے میں یہ فرق واضح کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ﴾ (3/ آل عمران: 195) ”پس قبول کی ان کی بات ان کے رب نے۔“
- إِسْتَجَبَ فعل امر ہے۔ تو ضرور کہنا مان۔ تو ضرور قبول کر۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ﴾ (8/ الانفال: 24) ”اے لوگو جو ایمان لائے! تم لوگ ضرور حکم مانو اللہ کا اور ان رسول کا۔“

ر ش د

- (ن۔س) رَشَدًا صحیح یعنی نیک راہ پر چلنا۔ ہدایت یافتہ ہونا۔ ہدایت پانا۔ آیت زیر مطالعہ۔
- رَاشِدًا اسم الفاعل ہے۔ ہدایت پانے والا۔ ﴿أُولَئِكَ هُمُ الرُّشِدُونَ﴾ (49/ الحجرات: 7) ”وہ لوگ ہی ہدایت پانے والے ہیں۔“

- رَشِيدٌ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہدایت یافتہ۔ نیک چلن۔ ﴿الَّذِينَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ﴾ (11/ ہود: 78) ”کیا تم لوگوں میں کوئی نیک چلن مرد نہیں ہے۔“
- رَشَادٌ اسم ذات ہے۔ نیکی۔ بھلائی۔ ہدایت۔ ﴿وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ﴾ (40/ المؤمن: 29) ”اور میں ہدایت نہیں دیتا تم لوگوں کو مگر نیکی کے راستے کی۔“
- رَشَدٌ بھلی راہ۔ نیک راہ۔ ﴿أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ (72/ الجن: 10) ”یا ارادہ کیا ان کے لیے ان کے رب نے نیک راہ کا۔“
- رُشْدٌ (۱) نیک راہ۔ ہدایت۔ (۲) سوجھ بوجھ۔ معاملہ فہمی (جو ہدایت کا باعث ہے)۔ ﴿قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (2/ البقرہ: 256) ”واضح ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے۔“ ﴿فَإِنْ أَنْسَلْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا﴾ (4/ النساء: 6) ”پھر اگر تم لوگ پاؤ ان میں کوئی سمجھ بوجھ۔“
- اِرْشَادًا (افعال) صحیح راہ بتانا۔ ہدایت دینا۔
- مُرْشِدٌ اسم الفاعل ہے۔ سیدھی راہ بتانے والا۔ ہدایت دینے والا۔ ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا﴾ (18/ الکہف: 17) ”پھر تو نہیں پائے گا اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا رفیق۔“

اِذَا شرطیہ ہے۔ سَأَلَ سے عَنِّي تک شرط ہے جب کہ فَإِنِّي سے اِذَا دَعَا ن تک جواب شرط ہے سَأَلَ کا فاعل عِبَادِي ہے اور لَ اِس کی ضمیر مفعولی ہے اور عَنِّي متعلق فعل ہے۔ فَإِنِّي مبتداء ہے قَرِيبٌ اِس کی خبر اول ہے اور اُجِيبُ سے دَعَا ن تک جملہ فعلیہ خبر ثانی ہے۔ دَعْوَةَ الدَّاعِ مرکب اضافی ہے اور اُجِيبُ کا مفعول ہے اِس لیے اِس کا مضاف منصوب ہے۔ الدَّاعِ پر لام جنس ہے نِ دراصل نِ ہے جو دَعَا اِس کی ضمیر مفعولی ہے۔ فَلْيَسْتَجِيبُوا اور وَلْيُؤْمِنُوا فعل امر غائب ہیں۔ ان کے فاعل هُمْ کی ضمیریں ہیں۔ جو عِبَادِي کے لیے ہیں۔

ترکیب

وَإِذَا	سَأَلَكَ	عِبَادِي	عَنِّي	فَإِنِّي	قَرِيبٌ ط
اور جب بھی	پوچھیں آپ سے	میرے بندے	میرے بارے میں	تو یقیناً میں تو	قریب ہوں

ترجمہ

اُجِيبُ	دَعْوَةَ الدَّاعِ	اِذَا	دَعَا	نِ
میں قبول کرتا ہوں	ہر پکارنے والے کی پکار کو	جب بھی	وہ پکارے	مجھ کو

فَلْيَسْتَجِيبُوا	لِي	وَلْيُؤْمِنُوا	بِئِ
پس چاہیے کہ وہ لوگ حکم مانیں	میرا	اور چاہیے کہ وہ لوگ ایمان لائیں	مجھ پر

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ
شائد کہ وہ لوگ ہدایت پائیں۔

آیت نمبر ۲/ ۱۸۴ کے نوٹ۔ ۲ میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا کُل کا کُل مدار

نوٹ۔ 1



اس احساس پر ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس احساس میں اب <sup>392</sup> ایک نئے زاویے (DIMENSION) کا اضافہ کر لیں کہ اللہ تعالیٰ صرف ہمارے ساتھ ہی نہیں ہوتا بلکہ قریب بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ زمان و مکاں کی قید سے بے نیاز ہے۔ اس لیے وہ ہر جگہ، ہر لمحہ اور ہر آن موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت اور قربت کے اس احساس کو روزوں میں جگانے کی مشق کر لیں اور روزوں کے بعد بھی اس کو جگائے رکھیں تو ان شاء اللہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ والی باقی پوری ہو جائے گی اور اِنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ لَیْ حِکْمَتٌ سَجَّھْ میں آجائے گی۔ نیز فَاتَى قَرِیْبٌ لَّیْ مَزِیْدٌ وضاحت کے لے آیت نمبر ۵۸/۷ کا پورا مفہوم ذہن میں رکھیں جس میں بتایا گیا ہے کہ جہاں کہیں تین اشخاص باتیں کرتے ہیں، وہاں چوتھا اللہ ہوتا ہے۔

اب ذرا سوچیں کہ اپنے ڈرائنگ روم میں سیاست پر گفتگو کے دوران جب ہم شخصیات کو زیر بحث لاتے ہیں، اس وقت یا تو ہم غیبت کرتے ہیں یا بہتان لگاتے ہیں۔ کیونکہ لگایا جانے والا الزام اگر درست ہے تو غیبت ہے اور اگر غلط ہے تو بہتان ہے۔ یہ کام کرتے ہوئے اگر ہمیں احساس ہو جائے کہ ڈرائنگ روم میں ہم نشینوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی ہے تو یقیناً ہمارا رویہ تبدیل ہوگا۔ اسی طرح ٹی۔وی لائونج، دفتر، دوکان وغیرہ میں اس احساس کو جگا کر تجربہ کر لیں اور پھر متعلقہ آیات کا مفہوم ذہن میں دہراتے رہیں تو ان شاء اللہ رمضان کا فیض جاری رہے گا، خواہ نفل روزے رکھیں یا نہ رکھیں۔

نوٹ-2

اس آیت میں دوسری اہم بات یہ اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ اس کے لیے عابد۔زاہد۔فاسق۔فاجر وغیرہ کی کوئی قید نہیں لگائی گئی ہے۔ دوسری طرف ہمارا یعنی عام مسلمانوں کا تجربہ یہ ہے کہ ہماری اکثر دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اس لیے ہم ایسے پہنچے ہوئے لوگوں کو تلاش کرتے ہیں جن کی دعایا سفارش قبول ہو جائے۔ اس بظاہر تضاد کی وجہ یہ ہے کہ دعا کی قبولیت کا مفہوم ہمارے ذہن میں محدود ہے۔ جب کہ قرآن وحدیث میں اسے وسیع تر مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس فرق کو سمجھ لیں۔

اپنے وسیع تر مفہوم میں کسی بھی دعا کے قبول ہونے کی صورتیں یہ ہیں۔ (۱) جو چیز ہم مانگ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے علم میں اگر وہ ہمارے لیے مفید ہے اور فوری طور پر ملنے میں ہمارا کوئی نقصان بھی نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ وہ چیز ہمیں اسی وقت دے دیتا ہے۔ (۲) جو چیز ہم مانگ رہے ہیں وہ ہمارے لیے مفید تو ہے لیکن اس کا فوری طور پر ملنا ہمارے لیے مفید نہیں ہے، تو ایسی صورت میں دعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز ہمیں اس وقت دی جائے جب اس کا ملنا ہمارے لیے مفید ہو۔ (۳) جو چیز ہم مانگ رہے ہیں وہ ہمارے لیے مفید نہیں ہے، تو ایسی صورت میں دعا کی قبولیت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ چیز ہم کو نہ دی جائے اور اس کے بدلے کوئی مفید چیز دی جائے یا کوئی تکلیف اور پریشانی دور کر دی جائے یا کسی آنے والی پریشانی کو روک دیا جائے۔ (۴) دعا کی قبولیت کی ایک آخری شکل یہ بھی ہے کہ بندے کی دعا مذکورہ بالا کسی بھی طریقے سے اس دنیا میں قبول نہ کی جائے بلکہ اس کا ثواب آخرت کے لیے محفوظ کر دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ قیامت میں ایسا ثواب جب بندے کے سامنے لایا جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرے گا کہ تو نے میری باقی دُعا میں دنیا میں کیوں قبول کر لیں؟

دُعا کی قبولیت کا مفہوم اگر سمجھ میں آ گیا ہے تو اب یقین کر لیں کہ اللہ ہر بندے کی سنتا ہے۔ شرط صرف ایک ہے کہ بندہ اسے پکارے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دُعا دل سے نکلے اور ذہن اس پر مرکوز ہو۔ اگر دُعا کے رٹے رٹائے الفاظ زبان ادا کر رہی ہو اور دل و دماغ کو لمبس بنے پھر رہے ہوں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اللہ کو پکارا ہی نہیں۔

## آیت نمبر (186)

﴿ اٰحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۚ عَلِمَ اللّٰهُ اَنْكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْآنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَاَبْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۚ ثُمَّ اَتِبُوْا الصِّيَامَ اِلَى الْاَيْلِ ۚ وَلَا تَبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَكْفُوْنَ ۚ فِى الْمَسْجِدِ ۚ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرُبُوْهَا ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

ر ف ث

کوئی فحش بات کرنا۔ پھر ک نایہٴ مباشرت کے لیے بھی آتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔  
اسم ذات بھی ہے۔ فحش کلام۔ ﴿فَلَا رَفَثٌ وَلَا فُسُوقٌ وَلَا جِدَالٌ فِي الْحَجِّ ط﴾ (2/ البقرہ: 197) ”تو نہ کوئی فحش بات ہے اور نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے حج میں۔“

رَفَثًا

(س)

رَفَثٌ

خ و ن

ڈول کی رسی کے ایک ایک بل کا ٹوٹ جانا۔ عہد شکنی کرنا۔ خیانت کرنا۔ ﴿فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ﴾ (8/ الانفال: 71) ”وہ لوگ عہد شکنی کر چکے ہیں اللہ سے اس سے پہلے۔“  
اسم ذات ہے۔ عہد شکنی۔ خیانت۔ ﴿وَاَمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً﴾ (8/ الانفال: 58) ”اور اگر تمہیں خوف ہو کسی قوم سے کسی عہد شکنی کا۔“  
اسم الفاعل ہے۔ وعدہ خلافی کرنے والا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ ع﴾ (8/ الانفال: 58) ”یقیناً اللہ وعدہ خلافی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔“  
فَعَالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بار بار وعدہ خلافی کرنے والا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ع﴾ (22/ الحج: 38) ”بے شک اللہ محبت نہیں کرتا کسی بھی بار بار وعدہ خلافی کرنے والے سے، انتہائی ناشکری کرنے والے سے۔“

خَوْنًا

(ن)

خِيَانَةً

خَائِنٌ

خَوَّانٌ

خ ی ط

(ض)

خَيْطًا

خَيْطٌ

خِيَاظٌ

کپڑا سینا۔  
اسم ذات بھی ہے۔ دھاگہ۔ ڈوری۔ آیت زیر مطالعہ۔  
اسم ذات ہے۔ سوئی۔ ﴿حَتّٰى يَلِيْجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاظِ ط﴾ (7/ الاعراف: 40) ”یہاں تک کہ داخل ہو اونٹ سوئی کے ناکے میں۔“

ب ی ض

(ض)

بَيْضًا

بَيْضٌ

پرندے کا انڈا دینا۔ کسی چیز پر سفیدی کا غالب ہونا۔  
اسم جنس بھی ہے۔ انڈا۔ ﴿كَانَ لَهُنَّ بَيْضٌ مَّكَنُوْنٌ ع﴾ (37/ الصافات: 49) ”جیسے کہ وہ محفوظ کیے ہوئے انڈے ہیں۔“



مَوْنُثٌ بَيَضَاءُ ج بَيَضٌ۔ اَفْعُلُ الوان و عیوب کے وزن پر صفت ہے۔ سفید رنگ والا یعنی سفید۔ ﴿وَنَزَعْنَا يَدَآءَ إِذْ هِيَ بَيَضَاءٌ لِلظُّلُمِينَ﴾ (26/ الشعراء: 33) ”اور انہوں نے نکالا اپنا ہاتھ تو جب ہی یعنی اسی وقت وہ سفید ہے دیکھنے والوں کے لیے۔ ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ﴾ (35/ فاطر: 27) ”اور پہاڑوں میں سفید گھاٹیاں ہیں۔“

اَبْيَضُ

سفید ہو جانا۔ ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ﴾ (12/ يوسف: 84) ”اور سفید ہو گئیں ان کی دونوں آنکھیں غم سے۔“

اَبْيَضَاضُ

(اَفْعَالُ)

س و د

بز رنگ ہونا۔ کسی گروہ یا قوم کا سردار ہونا۔

سَوْدًا

(ن)

سیاہ ہونا۔ کالا ہونا۔

سَوْدًا

(س)

ج سَادَةٌ۔ سردار۔ آقا۔ ﴿وَالْفِيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ط﴾ (12/ يوسف: 25) ”اور وہ دونوں ملے عورت کے آقا یعنی شوہر سے دروازے کے پاس۔“ ﴿رَبَّنَا إِنَّا أَعْطَيْنَا سَادَتَنَا وَكِبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلًا﴾ (33/ الاحزاب: 67) ”اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی تو انہوں نے بھٹکایا ہم کو اس راستے سے۔“

سَيِّدٌ

ج سَوْدٌ۔ اَفْعُلُ الوان و عیوب کے وزن پر صفت ہے۔ کالے رنگ والا یعنی کالا۔ ﴿وَعَرَايِبُ سَوْدٌ﴾ (35/ فاطر: 27) ”اور کچھ انتہائی سیاہ ہیں۔“

اَسْوَدُ

کالا ہو جانا۔ ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ (3/ آل عمران: 106) ”جس دن سفید ہو جائیں گے کچھ چہرے اور سیاہ پڑ جائیں گے کچھ چہرے۔“

اِسْوَدَادٌ

(اَفْعَالُ)

اسم الفاعل ہے۔ سیاہ پڑنے والا۔ کالا ہونے والا۔ ﴿الَّذِينَ كَذَّبُوا عَلَى اللَّهِ وَجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ﴾ (39/ الزمر: 60) ”جن لوگوں نے جھوٹ کہا اللہ پر ان کے چہرے سیاہ پڑنے والے ہیں۔“

مُسْوَدٌ

ح د د

کسی چیز کا آخری کنارہ یا انتہا مقرر کرنا۔ جیسے کسی پلاٹ کے کناروں یعنی حدود کا تعین کرنا۔

حَدًّا

(ن)

(۱) غضبناک ہونا۔ سخت ہونا۔ (۲) کسی چیز کا تیز ہونا جیسے چھری کا تیز ہونا۔

حَدَّةٌ

(ض)

ج حُدُودٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ کنارہ۔ انتہا۔ حد۔ ﴿وَالْحَفِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ط﴾ (9/ التوبة: 112) ”اور حفاظت کرنے والا اللہ کی حدود کی۔“ (اللہ کی حدود کا مطلب ہے اس کی دی ہوئی اجازت کی انتہا جس کے آگے اس کی نافرمانی شروع ہوتی ہے)۔

حَدٌّ

فَعِيلٌ کا وزن ہے۔ (۱) لوہا۔ (۲) تیز۔ ﴿اَتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ط﴾ (18/ الکہف: 96) ”تم لوگ لاؤ میرے پاس لوہے کے تختے۔“ ﴿فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ﴾ (50/ ق: 22) ”پس تیری بصارت آج تیز ہے۔“

حَدِيدٌ

ایک دوسرے پر تیز ہونا۔ باہم مخالفت کرنا۔ طعنہ دینا۔ ﴿سَلَقُوا كُرَّ بِالسِّنَةِ جَدَادٍ﴾ (33/ الاحزاب: 19) ”وہ لوگ چڑھائی کریں گے تم لوگوں پر طعنہ دینے والی زبانوں سے۔“ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْكَذِبِ﴾ (58/ المجادلہ: 20) ”بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ لوگ انتہائی ذلیلوں میں ہیں۔“

جَدَادًا

(مفاعله)

## ترکیب

أُحِلَّ ماضی مجہول ہے اور الرَّفْتُ اس کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ جب کہ لَيْلَةَ طَرَفِ ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ هُنَّ اور أَنْتُمْ مبتداء ہیں اور لِبَاسٌ خبر ہے۔ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ ماضی استمراری ہے لیکن یہ أَنْتُمْ کی خبر ہے اس لیے ترجمہ حال میں ہوگا۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ یہاں پر اپنے لغوی مفہوم میں ہے۔ بِأَشْرَوْ فاعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل أَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور هُنَّ اس کا مفعول ہے۔ وَابْتَغُوا کا مفعول مَا ہے۔ حَتَّى کی وجہ سے يَتَبَيَّنْ منصوب ہے اور الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ اس کا فاعل ہے۔ آتُوا کا فاعل أَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور الصِّيَامَ اس کا مفعول ہے۔ إِلَى اللَّيْلِ دو لام کے بجائے یعنی اللَّيْلِ کے بجائے ایک لام سے لکھا گیا ہے، یہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ وَأَنْتُمْ عَكْفُونَ کا واو حالیہ ہے۔ يُبَيِّنُ کا فاعل اللَّهُ ہے اور آیتہ اس کا مفعول ہے اس لیے اس کا مضاف آیتِ منصوب ہے۔

## ترجمہ

أُحِلَّ	لَكُمْ	لَيْلَةَ الصِّيَامِ	الرَّفْتُ	إِلَى نِسَائِكُمْ ط	هُنَّ
حلال کیا گیا	تم لوگوں کے لیے	روزہ رکھنے کی رات میں	مباشرت کو	تمہاری عورتوں کی طرف	وہ

لِبَاسٌ	لَكُمْ	وَأَنْتُمْ	لِبَاسٌ	لَهُنَّ ط	عَلِمَ	اللَّهُ	أَنْتُمْ
لباس ہیں	تم لوگوں کے لیے	اور تم لوگ	لباس ہو	ان کے لیے	جانا	اللہ نے	کہ تم لوگ

كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ	أَنْفُسَكُمْ	فَتَابَ	عَلَيْكُمْ	وَعَفَا
خیانت کرتے رہتے ہو	اپنے آپ سے	تو اس نے شفقت کی	تم لوگوں پر	اور اس نے درگزر کیا

عَنْكُمْ ج	فَالْآنَ	بِأَشْرَوْ	هُنَّ	وَابْتَغُوا	مَا	كَتَبَ اللَّهُ
تم سے	تو اب	تم لوگ مباشرت کرو	ان سے	اور تم لوگ تلاش کرو	اس کو جو	اللہ نے لکھا

لَكُمْ	وَكُلُوا	وَأَشْرَبُوا	حَتَّى	يَتَبَيَّنَ	لَكُمْ
تمہارے لیے	اور تم لوگ کھاؤ	اور پیو	یہاں تک کہ	واضح ہو جائے	تمہارے لیے

الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ	مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ	مِنَ الْفَجْرِ ص	ثُمَّ آتُوا	الصِّيَامَ	إِلَى اللَّيْلِ
سفید دھاگہ	کالے دھاگے سے	فجر میں	پھر تم لوگ پورا کرو	روزہ رکھنے کو	رات تک

وَلَا تُبَاشِرُوا	هُنَّ	وَ	أَنْتُمْ	عَكْفُونَ	فِي الْمَسْجِدِ ط
اور تم لوگ مباشرت مت کرو	ان سے	اس حال میں کہ	تم لوگ	اعتکاف کرنے والے ہو	مسجدوں میں

تِلْكَ	حُدُودُ اللَّهِ	فَلَا تَقْرَبُوهَا	هَآ	كَذَلِكَ	يُبَيِّنُ اللَّهُ	آيَتِهِ
یہ	اللہ کی حدود ہیں	تم لوگ قریب مت ہو	ان کے	اس طرح	اللہ واضح کرتا ہے	اپنی نشانوں کو

لِلنَّاسِ	لَعَلَّهُمْ	يَتَّقُونَ
لوگوں کے لیے	شانہ کہ وہ لوگ	تقویٰ اختیار کریں

نوٹ-1

مادہ ”ب ی ض“ اور ”س و د“ کی لغت میں ثلاثی مزید فیہ کے باب اِفْعَلَالٌ کا ذکر آیا ہے۔ قرآن مجید میں اس باب کا استعمال نسبتاً کم ہوا ہے اس لیے ”آسان عربی گرامر“ میں یہ نہیں پڑھایا گیا۔ اس کے ماضی، مضارع اور مصدر کا وزن یہ ہے۔ اِفْعَلَّ - يَفْعَلُّ - اِفْعَلَّالًا۔ اس کی ابتداء میں ہمزۃ الوصل ہے۔ یہ باب زیادہ تر افعال الوان و عیوب کے لیے آتا ہے اور اس میں مفہوم یہ ہوتا ہے کہ، مذکورہ صفت میں تبدیل ہو جانا یا اس صفت کا حامل ہو جانا۔

نوٹ-2

اگر اپنے آپ سے خیانت کرنے پر صحابہ کرامؓ توبہ کرتے اور وعدہ کرتے کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے، تو ہم کہتے کہ فَتَنَابَ عَلَیْکُمْ اصطلاحی مفہوم میں ہے اور اس کے مطابق ترجمہ کرتے۔ لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے اس بات کو جانا اور اپنے حکم میں خود ہی نرمی کر دی۔ اس لیے اس آیت میں فَتَنَابَ عَلَیْکُمْ اپنے لغوی مفہوم میں ہے اور ترجمہ اسی لحاظ سے کیا گیا ہے۔

نوٹ-3

ابتداء میں روزوں میں سو جانے کے بعد کھانے پینے وغیرہ کی ممانعت تھی۔ یہ حکم قرآن میں کہیں مذکور نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے صحابہ کرامؓ اس حکم پر عمل کرتے تھے۔ اس آیت میں پہلے اس حکم کو حکم الہی قرار دیا گیا پھر آسانی کے لیے اس کو منسوخ کیا گیا (معارف القرآن)۔ اس طرح یہ بھی قرآن مجید کے ان مقامات میں سے ایک ہے جس سے وحی غیر متلوکا ثبوت ملتا ہے۔

### آیت نمبر (188)

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَامِ لِنَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِآلَائِهِمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾

د ل و

(ن)	دُلُّوا	(۱) کنویں میں ڈول ڈال کر کھینچنا۔ (۲) بھلا پھسلا کر کام نکالنا۔
	دَلُّوْ	اسم ذات ہے۔ ڈول۔ ﴿فَادْلُواْ دَلُّوْکُمْ﴾ (12/ یوسف: 19) ”تو اس نے کنویں میں لٹکایا اپنا ڈول۔“
(افعال)	اِذْلَآءٌ	کنویں میں کوئی چیز لٹکانا۔ اوپر آیت نمبر ۱۲/ ۱۹ دیکھیں۔
(تفعیل)	تَدْلِیَّةٌ	بھلا پھسلا کر گمراہ کرنا۔ نرمی سے پھسلا دینا۔ ﴿فَدَلُّهُمَا بِغُرُورٍ﴾ (7/ الاعراف: 22) ”تو اس نے پھسلا دیا ان دونوں کو دھوکے سے۔“
(تفعّل)	تَدَلَّى	لٹکانا۔ اُترنا۔ ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى﴾ (53/ النجم: 8) ”پھر وہ نزدیک ہوا پھر وہ اُترا۔“

ترکیب

لَا تَأْكُلُوا فعل نہی ہے۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور اَمْوَالُکُمْ مفعول ہے، جب کہ بَيْنَکُمْ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ لَا تَأْكُلُوا کے لائے نہی کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے تُدْلُوا کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ اس طرح یہ بھی فعل نہی ہے۔ بِهَآ میں هَا کی ضمیر اَمْوَالُکُمْ کے لیے ہے۔ لِنَأْكُلُوا کا فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ فَرِیقًا اس کا مفعول ہے اور یہاں اپنے لغوی مفہوم میں آیا ہے۔ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ کا و احوالیہ ہے۔

ترجمہ

وَلَا تَأْكُلُوا	أَمْوَالَكُمْ	بَيْنَكُمْ	بِالْبَاطِلِ	وَتُدْنُوا 392	بِهَا
اور تم لوگ مت کھاؤ	اپنے مال	آپس میں	ناحق	اور تم لوگ مت لٹکاؤ	ان کو

إِلَى الْحُكَّامِ	لِتَأْكُلُوا	فَرِيقًا	مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ	بِالْإِثْمِ	وَ
حاکموں کی طرف	تا کہ تم لوگ کھاؤ	کوئی ٹکڑا	لوگوں کے مال سے	گناہ سے	اس حال میں کہ

أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ٤

تم لوگ جانتے ہو

نوٹ-1

اس آیت کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ حاکموں کو رشوت دے کر جائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ مال دوسرے شخص کا ہے، تو محض کسی قانونی نقص کی وجہ سے اس کا مقدمہ عدالت میں نہ لے جاؤ۔ اگر عدالت نے تمہارے حق میں فیصلہ دے دیا تو اس دنیا میں تم اس کے قانونی مالک ہو گے لیکن اللہ کے نزدیک وہ تمہارے لیے حرام ہی رہے گا۔ (تفہیم القرآن)۔

## آیت نمبر (189)

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْإِهْلَةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى ٢ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ص وَ اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٣﴾

و ق ت

(ن)

وَقْتًا  
وَقْتُ  
مَوْقُوتٌ  
مِيقَاتٌ  
تَوَقَّيْتَا  
(ن)  
اسم ذات بھی ہے۔ وقت ﴿فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ٢﴾ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٣﴾  
(15/ النجر: 38-37) ”پس بے شک تو مہلت دیے ہوؤں میں سے ہے معلوم وقت کے دن تک۔“  
اسم المفعول ہے۔ مقرر کیا ہوا وقت۔ ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ٣﴾  
(4/ النساء: 103) ”بے شک نماز مومنوں پر مقرر کیے ہوئے وقت پر فرض ہے۔“  
نَجْمَ مَوَاقِيتُ - مِيعَاتُ (اسم الآله) کا وزن ہے۔ کوئی کام کرنے کی سرحد کو شناخت کرنے کا  
آلہ۔ (1) طے شدہ وقت۔ (2) نشان زدہ جگہ۔ ﴿فَجَمَعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ٣﴾  
(26/ الشعراء: 38) ”تو جمع کیے گئے سب جادوگر ایک معلوم دن کے طے شدہ وقت پر۔“ ﴿وَلَبَّيَّا جَاءَ  
مُوسَى لِمِيقَاتِنَا﴾ (7/ الاعراف: 143) ”اور جب آئے موسیٰ ہماری طے شدہ جگہ پر۔“  
مقررہ وقت یا جگہ پر جمع کرنا۔ اکٹھا کرنا۔ ﴿وَإِذَا الرُّسُلُ أَقْبَتَتْ ٣﴾ (77/ المرسلات: 11) ”اور  
جب تمام رسول جمع کیے جائیں گے۔“ أَقْبَتَتْ اصل میں وَقَّتَتْ تھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب واؤ کسی  
کلمہ کے شروع میں آرہی ہو اور اس کا ضمہ لازم ہو تو اُسے ہمزہ سے بدلا جاتا ہے۔ اسی بناء پر وُجُوهٌ کو  
أُجُوهٌ پڑھنا جائز ہے۔

## ترکیب

يَسْأَلُونَ فَعْل ہے۔ اس کا فاعل هُمْ کی ضمیر ہے اور مفعول ک کی ضمیر ہے۔ ہج مبتداء ہے۔ مَوَاقِيْتُ 29 کا خبر ہے جب کہ لِلنَّاسِ وَالْحَجَّ متعلق خبر ہے۔ الْحَجَّ کی جز بتا رہی ہے کہ یہ لِلنَّاسِ کے حرف جارہ ل کے زیر اثر ہے۔ لَيْسَ کا اسم الْيَدُ ہے اور بَأْنَ تَأْتُوا الْبُيُوتَ پورا جملہ اس کی خبر ہے جب کہ مِنْ ظُهُورِهَا متعلق خبر ہے۔ لَكِنَّ کا اسم الْيَدُ ہے اور مَنْ اس کی خبر ہے جو کہ مضاف الیہ ہے۔ اس کا مضاف يَدٌ مخذوف ہے۔ پورا جملہ اس طرح ہوتا وَلَكِنَّ الْيَدَ يَدٌ مَنْ (بلکہ اصل نیکی اس کی نیکی ہے جس نے)۔ دونوں جگہ یعنی الْيَدُ اور الْيَدُ پر لام جنس ہے۔

## ترجمہ

يَسْأَلُونَكَ	عَنِ الْأَهْلِ	قُلْ	هِيَ
وہ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے	باریک چاندوں کے بارے میں	آپ کہہ دیجئے کہ	یہ

مَوَاقِيْتُ	لِلنَّاسِ	وَالْحَجَّ	وَلَيْسَ الْيَدُ
زمانے کی سرحدوں کو شناخت کرنے کے ذریعے ہیں	لوگوں کے لیے	اور حج کے لیے	اور یہ اصل نیکی ہے

بَأْنَ تَأْتُوا	الْبُيُوتَ	مِنْ ظُهُورِهَا	وَلَكِنَّ الْيَدَ	مَنْ
کہ تم لوگ آؤ	گھروں میں	ان کے پچھواڑوں سے	اور لیکن (بلکہ) اصل نیکی	اس کی ہے جس نے

اتَّقُوا	وَأْتُوا	الْبُيُوتَ	مِنْ آبَائِهِمْ	وَاتَّقُوا اللَّهَ
تقویٰ اختیار کیا	اور تم لوگ آؤ	گھروں میں	ان کے دروازوں سے	اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو

لَعَلَّكُمْ تَقْلِحُونَ				
شائد کہ تم لوگ فلاح پاؤ				

## نوٹ-1

چاند کا گھٹنا بڑھنا ایک ایسا منظر ہے جس نے ہر زمانے میں انسان کی توجہ کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ اس لیے اس کے متعلق طرح طرح کے اوہام دنیا میں رائج رہے ہیں اور اب تک رائج ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ چاند میں کمی بیشی کا کوئی اثر انسان کی قسمت پر پڑھتا ہے۔ اہل عرب میں بھی ایسے اوہام پائے جاتے تھے جن کی حقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی گئی۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ چاند کا گھٹنا بڑھنا اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ ایک قدرتی کیلنڈر ہے۔ (تفہیم القرآن)

## نوٹ-2

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے سوالات بہت کم کیے ہیں، اور ان کے جن سوالات کا ذکر قرآن میں آیا ہے وہ کل چودہ ہیں، جن میں ایک سوال إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي ہے، دوسرا یہ ہے، اور ان کے بعد سورۃ بقرہ میں ہی چھ سوال اور مذکور ہیں جب کہ باقی چھ سوالات مختلف سورتوں میں آئے ہیں۔ (معارف القرآن)

## نوٹ-3

اس آیت کے لَيْسَ الْيَدُ والے جز سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس چیز کو اسلام نے عبادت یا ضروری قرار نہیں دیا اسے

اپنی طرف سے ضروری یا عبادت سمجھ لینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح جو چیز شرعاً جائز ہو اس کو گناہ سمجھنا بھی گناہ ہے۔ بدعات کے ناجائز ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے۔ (معارف القرآن)

### آیت نمبر (190)

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝۱۹۰﴾

قَاتِلُوا فعل امر ہے۔ اس کا فاعل أَنْتُمْ کی ضمیر ہے جب کہ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ پورا جملہ اس کا مفعول ہے۔ فِي سَبِيلِ اللَّهِ امر یعنی حکم کی تمیز ہے جو متعلق فعل کہلائے گا۔ إِنَّ کا اسم لفظ اللہ ہے اور لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ پورا جملہ اس کی خبر ہے۔

ترکیب

ترجمہ

وَقَاتِلُوا	فِي سَبِيلِ اللَّهِ	الَّذِينَ	يُقَاتِلُونَكُمْ	وَلَا تَعْتَدُوا
اور تم لوگ قاتل کرو	اللہ کی راہ میں	ان لوگوں سے جو	قاتل کرتے ہیں تم	اور زیادتی مت کرو

إِنَّ اللَّهَ	لَا يُحِبُّ	الْمُعْتَدِينَ
بے شک اللہ	محبت نہیں کرتا	زیادتی کرنے والوں سے

### آیت نمبر (191)

﴿وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۚ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَأَقْتُلُوهُمْ ۚ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝۱۹۱﴾

ث ق ف

(س)

سَقَفًا (۱) مہارت نگاہ سے کسی چیز کا ادراک کرنا۔ کسی چیز کو پالینا۔ آیت زیر مطالعہ۔ (۲) کامیاب ہونا۔ کسی کو جا پکڑنا۔ ﴿إِنْ يَنْقُصُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً﴾ (60/ الممتحنہ: 2) ”اگر وہ لوگ پکڑ پائیں تم کو تو وہ لوگ ہو جائیں گے تمہارے دشمن۔“

اس آیت میں هُمْ کی ضمیریں گذشتہ آیت کے الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ کے لیے ہے۔ الْفِتْنَةُ مبتداء ہے اور اس کے بعد فِي الدِّينِ محذوف ہے۔ أَشَدُّ تفضیل بعض ہے اور خبر ہے۔ فِيهِ میں کی ضمیر مسجد حرام کے لیے ہے۔ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ کے بعد فِيهِ محذوف ہے۔ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ مرکب اضافی ہے اور كَذَلِكَ کی خبر ہے۔

ترکیب

وَأَقْتُلُوهُمْ	حَيْثُ	ثَقِفْتُمُوهُمْ	وَأَخْرِجُوهُمْ	مِّنْ حَيْثُ
اور تم لوگ قتل کرو ان کو	جہاں کہیں	تم لوگ پاؤ ان کو	اور نکالو ان کو	جہاں سے

ترجمہ



اَخْرَجُوْكُمْ	وَالْفِتْنَةُ	اَشَدُّ	مِنَ الْقَتْلِ ؕ	لَا تَقْتُلُوْا
انہوں نے نکال دیا	اور آزمائش (دین میں)	زیادہ شدید ہے	قتل سے	اور تم لوگ جنگ مت کرو

هُمْ	عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	حَتَّىٰ	يُفْتِنُوْكُمْ	فِيْهِ ؕ	فَاِنْ
ان سے	مسجد حرام کے پاس	یہاں تک کہ	وہ لوگ جنگ کریں تم سے	اس میں	پس اگر

قَتَلُوْكُمْ	فَاَقْتُلُوْهُمْ ط	لَكَ ذٰلِكَ	جَزَاءُ الْكَافِرِيْنَ
وہ لوگ جنگ کریں تم سے (اس میں)	تو تم لوگ قتل کرو ان کو (اس میں)	اس طرح	کافروں کی جزا ہے

مکہ میں مسلمان کمزور تھے تو انہیں حکم دیا گیا تھا کہ مخالفین کے ظلم پر صبر کریں اور ثابت قدم رہیں۔ اس حکم میں پہلی ترمیم سورۃ الحج کی آیت نمبر ۳۹ میں نازل ہوئی جس میں مخالفین سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے بعد مذکورہ بالا آیات نمبر ۱۹۰-۱۹۱ میں ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور زخمیوں پر ہاتھ اٹھانے، کھیتوں اور مویشیوں کو تباہ کرنے اور اسی قسم کے دوسرے وحشیانہ افعال کی اجازت نہیں ہے۔ یہ سب ”زیادتی کرنے“ کی تعریف میں آتے ہیں اور حدیث میں ان سب کی ممانعت آئی ہے۔

نوٹ-1

بات جنگ کرنے کے حکم سے شروع ہوئی ہے۔ اس لیے حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ کے حکم کا اطلاق ان لوگوں پر ہوگا جن کے خلاف اعلان جنگ ہو اور جو جنگ میں حصہ لے رہے ہوں۔ عام حالات میں کسی غیر مسلم پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوگا۔ جزیرہ نمائے عرب کے باہر مفتوحہ علاقوں میں خلفاء راشدین کا طرز عمل اس بات کی سند ہے۔

نوٹ-2

فتنہ ایک کثیر المعانی لفظ ہے۔ اس آیت میں یہ لفظ جس مفہوم میں استعمال ہوا ہے، اسے سمجھ لیں۔ کوئی قوم رائج الوقت نظریات کی جگہ اپنے عقائد و نظریات سے اپنے نظام حیات کی اصلاح کی جب کوشش کرتی ہے تو رائج الوقت نظریات کے ٹھیکہ دار اس کا مقابلہ بالعموم دلائل کے بجائے جبر سے کرتے ہیں۔ یہ جبر خواہ معاشی ناکہ بندی (SANCTIONS) کی شکل میں ہو، ہتھیاروں کے استعمال کی شکل میں ہو یا تشدد (PERSECUTION) کی کوئی بھی شکل ہو، اُن سب کو یہاں فتنہ کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فتویٰ یہ ہے کہ (PERSECUTION) قتل سے زیادہ گھناؤنا جرم ہے، اس لیے اس نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ (PERSECUTION) کے مقابلے کے لیے جوابی کارروائی کریں، خواہ اس کے لیے ہتھیار ہی کیوں نہ اٹھانے پڑیں۔ اس جوابی کارروائی کو دہشت گردی قرار دینا ذہنی اور اخلاقی دیوالیہ پن کا ثبوت ہے۔

نوٹ-3

آیت نمبر (2/ البقرہ: 192)

﴿فَاِنْ اَنْتَهِوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (۱۹۲)

ن ہ ی

نہیاً (۱) کسی کام سے منع کرنا۔ روکنا۔ (۲) ذہن ہونا۔ زیرک ہونا (تاکہ صحیح چیز سے روکے)۔

(ف)

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ط﴾ (29/ العنکبوت: 45) ”بے شک نماز رکتی ہے بے حیائیوں اور برائی سے۔“

انہ فعل امر ہے۔ تو منع کر۔ تو روک ﴿وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (31/ لقمان: 17) ”تو ترغیب دے نیکی کی اور منع کر برائی سے۔“

نکاه اسم الفاعل ہے۔ منع کرنے والا ﴿الْأَمْرُ وَالنَّهْيُ وَالْمَعْرُوفُ وَالنَّاهِي عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (9/ التوبة: 112) ”ترغیب دینے والے نیکی کی اور منع کرنے والے برائی سے۔“

نہی اسم ذات ہے۔ ذہانت۔ فراست۔ ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ﴾ (20/ طہ: 54) ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ذہانت والوں کے لیے۔“

تنہایا (تفاعل) باہم ایک دوسرے کو روکنا۔ ﴿كَأَنَّهُمْ لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ﴾ ”وہ لوگ ایک دوسرے کو نہیں روکا کرتے تھے کسی برائی سے۔“

انتہاء (افتعال) اہتمام سے خود کو منع کرنا۔ رُک جانا۔ باز آنا۔ ﴿إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ﴾ (8/ الانفال: 38) ”اگر وہ لوگ باز آجائیں تو انہیں معاف کر دیا جائے گا۔“

انتہ فعل امر ہے۔ تو باز آ۔ ﴿وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةً ط إِنَّتَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط﴾ (4/ النساء: 171) ”اور تم لوگ مت کہو کہ تین ہیں یعنی اللہ تین ہیں تم لوگ باز آؤ، تمہارے لیے بہتر ہے۔“

منتہی اسم الفاعل ہے۔ رُکنے والا۔ باز آنے والا۔ ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝﴾ (5/ المائدہ: 91) ”تو کیا تم لوگ باز آنے والے ہو۔“

منتہی اسم المفعول ہے جو ظرف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ رُکنے کی جگہ۔ ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝﴾ (53/ النجم: 14) ”رُکنے کے بیری کے درخت کے پاس۔“

فَإِنْ اِنْتَهُوا شرط ہے اور فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ جواب شرط ہے۔ اِنْتَهُوا فعل ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس لیے اس پر حرف شرط اِنْ نے کوئی عمل نہیں کیا ہے۔

ترکیب

فَإِنْ	اِنْتَهُوا	فَإِنَّ اللّٰهَ	غَفُورٌ	رَّحِيمٌ
پاس اگر	وہ لوگ باز آئیں	تو یقیناً اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہے	ہر حال میں رحم کرنے والا ہے

ترجمہ

باز آنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر وہ لوگ اپنی پوجا پاٹ سے باز آجائیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ لوگ اپنی تشدد کی پرورش سے باز آجائیں تو چونکہ اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے اس لیے تم بھی ان سے کچھ نہ کہو اور انہیں معاف کر دو۔

نوٹ۔ 1

آیت نمبر (193)

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَ يَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ط فَإِنْ اِنْتَهُوا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝﴾ (۱۹۳)



## ترکیب

حَتَّىٰ کی وجہ سے لَا تَكُونُ منصوب ہے اور یہ لَآ اَن تَامَہ ہے۔ فِتْنَةً اس کا فاعل ہے۔ يَكُونُ کی نصب بتا رہی ہے کہ اس سے پہلے حَتَّىٰ محذوف ہے۔ یہ بھی كَانَ تَامَہ ہے اور الدِّينُ اس کا فاعل ہے۔ لِلّٰہ متعلق فعل ہے۔ فَلَا عُدْوَانَ پر لائے نفی جنس ہے اور یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو کہ وَاجِبٌ يٰثَابِتٌ ہو سکتی ہے۔ قَائِمٌ مقام خبر عَلَيْهِمْ بھی محذوف ہے۔ اِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ اس کا استثناء ہے۔

## ترجمہ

وَقَاتِلُوهُمْ	حَتَّىٰ	لَا تَكُونُ	فِتْنَةً	وَّيَكُونُ
اور تم لوگ جنگ کرو ان سے	یہاں تک کہ	نہ ہو	کوئی تشدد	اور (یہاں تک کہ) ہو

الدِّينُ	لِلّٰہ	فَإِنْ اَنْتَهُوْا	فَلَا عُدْوَانَ
نظام حیات	اللہ کے لیے	پھر اگر وہ لوگ باز آئیں	تو کسی قسم کی کوئی زیادتی نہیں ہے (ان پر)

إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ
مگر ظلم کرنے والوں پر

## نوٹ-1

اوپر ترکیب میں كَانَ تَامَہ کی بات ہوئی ہے، اسے سمجھ لیں۔ كَانَ افعال ناقصہ میں سے ہے۔ اس لیے عام طور پر اس کا ایک اسم اور ایک خبر ہوتی ہے، تب بات مکمل ہوتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی اس کا صرف اسم ہوتا ہے اور خبر کوئی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں لَآ اَن فعل ہوتا ہے اور اس کا اسم دراصل اس کا فاعل ہوتا ہے۔ اور فعل فاعل مل کر بات مکمل کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے ایسے لَآ اَن کو لَآ اَن تَامَہ کہتے ہیں۔

## نوٹ-2

لَا تَكُونُ کا فاعل اگر اَلْفِتْنَةُ ہوتا تو اس کا مطلب ہوتا کہ مذہب کی بنیاد پر مسلمانوں پر جو تشدد ہو رہا ہے وہ ختم ہو جائے۔ لیکن یہاں پر فِتْنَةُ ٹکڑہ لاکر ہدایت کی گئی ہے کہ جنگ کر کے جس تشدد کو تم نے ختم کیا ہے، اب غالب ہونے کے بعد خود اس کا ارتکاب مت کرنا۔ اس لیے مذہب کی بنیاد پر کسی غیر مسلم پر کسی قسم کا تشدد جائز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈبل اسٹینڈرڈ میڈان یو۔ ایس۔ اے کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے۔

## نوٹ-3

فَلَا عُدْوَانَ میں اصل ہدایت یہ ہے کہ غلبہ حاصل کرنے کے بعد مغلوب مخالفین کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کی جائے۔ البتہ اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جن کے جرائم کی نوعیت زیادہ سنگین اور فہرست طویل ہو۔ جنگ بدر کے تمام جنگی قیدی رہا کیے گئے۔ لیکن دو قتل کیا گیا۔ فتح مکہ میں عام معافی کے اعلان کے ساتھ ستر افراد کو مستثنیٰ قرار دیا گیا جن میں سے چار قتل بھی کیے گئے۔

## آیت نمبر (194)

﴿الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ ۖ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ ﴿١٩٤﴾

ترکیب

الشَّهْرُ الْحَرَامُ مبتداء ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ جو کہ قَائِمٌ ہو سکتی ہے۔ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ قائم مقام خبر ہے۔  
الْحُرُمَتُ مبتداء ہے اور قِصَاصُ خبر ہے۔ قِصَاصُ واحد۔ تشبیہ۔ جمع سب کے لیے آتا ہے۔ فَمَنِ اعْتَدَى شرط ہے  
فَاعْتَدُوا جواب شرط ہے۔

ترجمہ

الشَّهْرُ الْحَرَامُ	بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ	وَالْحُرُمَتُ	قِصَاصٌ ۖ	فَمَنِ
محترم مہینہ	محترم مہینے سے	اور تمام محترم چیزیں	بدلہ ہیں	پس جو

اعْتَدَى	عَلَيْكُمْ	فَاعْتَدُوا	عَلَيْهِ	بِمِثْلِ مَا	اعْتَدَى
زیادتی کرے	تم لوگوں پر	تو تم لوگ (بھی) زیادتی کرلو	اس پر	اس جیسی سے جو	اس نے زیادتی کی

عَلَيْكُمْ ۚ	وَاتَّقُوا اللَّهَ	وَاعْلَمُوا	أَنَّ اللَّهَ	مَعَ الْمُتَّقِينَ
تم لوگوں پر	اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو	اور جان لو	کہ اللہ	متقی لوگوں کے ساتھ ہے

نوٹ۔ 1

آیت کے شروع میں اصولی بات عربی محاورہ میں بیان کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مہینے کا احترام، اس کا احترام کرنے سے  
ہوتا ہے اور ہر احترام دراصل بدلہ ہوتا ہے یعنی ایک فریق کسی محترم چیز کا جتنا احترام کرے گا، اتنا ہی دوسرا فریق بھی کرے گا۔ اگر  
ایک فریق احترام نہ کرے تو دوسرے فریق سے بھی احترام کی پابندی ختم ہو جاتی ہے۔ آگے پھر اسی کی وضاحت ہے۔

## آیت نمبر (195)

﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَأَحْسِنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ ﴿١٩٥﴾

ھ ل ک

(ض)

هَلَاكَ

(۱) تباہ و برباد ہونا۔ (۲) کسی جاندار کا مردہ ہونا۔ مرنا۔ ہلاک ہونا۔ ﴿هَلَاكَ عَيْتَىٰ سُلَاطِينَهُ﴾ ﴿٦٩﴾  
(69/ المائدہ: 29) ”تباہ و برباد ہوئی یعنی جاتی رہی مجھ سے میری قوت۔“ ﴿حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ  
يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا﴾ ﴿٤٠﴾ (40/ المؤمن: 34) ”یہاں تک کہ جب اُن کا انتقال ہوا تو تم  
لوگوں نے کہا ہرگز نہیں بھیجے گا اللہ اُن کے بعد کوئی رسول۔“

هَالِكٌ

اسم الفاعل ہے۔ ہلاک ہونے والا۔ تباہ و برباد ہونے والا۔ ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ ﴿٢٨﴾  
(28/ 88) ”ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔“

مَہْلِكٌ اسم الظرف ہے۔ ہلاک ہونے کی جگہ یا وقت ﴿مَا شَهِدْنَا مَہْلِكًا أَهْلِي﴾ (27/ النمل: 49) 392  
 ”ہم موجود نہیں تھے اس کے گھر والوں کے ہلاک ہونے کے وقت۔“

تَهْلِكَةُ تہلکۃ اسم ذات ہے۔ تباہی۔ بربادی۔ ہلاکت۔ آیت زیر مطالعہ۔  
 اِهْلَاكًا اہلاک (افعال)  
 تباہ و برباد کرنا۔ ہلاک کرنا۔ ﴿أَهْلَكْتُ مَا لَا لُبْدًا ط﴾ (90/ البلد: 6) ”میں نے برباد کیا  
 ڈھیروں مال۔“ ﴿لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلِ﴾ (7/ الاعراف: 155) ”اگر تو چاہتا تو ہلاک کرتا  
 ان کو اس سے پہلے۔“

مُہْلِكٌ اسم الفاعل ہے۔ برباد کرنے والا۔ ہلاک کرنے والا۔ ﴿ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُہْلِكًا الْقُرٰی  
 بِظُلْمٍ وَّ اَہْلَہَا غُفْلُوْنَ ۝﴾ (6/ الانعام: 131) ”یہ اس لیے کہ نہیں ہے تیرا رب بستیوں کا ہلاک  
 کرنے والا ظلم سے اس حال میں کہ اس کے لوگ غافل ہوں۔“

انفاق کا لفظ مال خرچ کرنے کے لیے ہی آتا ہے اس لیے اَنْفَقُوا کا مفعول مخذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ سیاق و سباق کے لحاظ  
 سے اس آیت میں فِي سَبِيلِ اللّٰہ سے مراد جہاد ہے اس لیے اس کے بعد لِلْجِهَادِ مخذوف مانا جائے گا۔ وَلَا تُنْفِقُوا کا مفعول  
 اَنْفُسُکُمْ مخذوف ہے۔ جبکہ اَمْوَالُکُمْ کو مخذوف ماننے کی بھی گنجائش ہے۔

ترکیب

وَاَنْفَقُوا	فِي سَبِيلِ اللّٰہ	وَلَا تُنْفِقُوا
اور تم لوگ مال خرچ کرو	اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے)	اور تم لوگ مت پھینکو (اپنے آپ کو)

ترجمہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	وَأَحْسِنُوا	إِنَّ اللَّهَ
اپنے ہاتھوں سے	اور تم لوگ احسان کرو	یقیناً اللہ

يُحِبُّ	الْمُحْسِنِينَ
محبت کرتا ہے	احسان کرنے والوں سے

مسلمانوں میں کچھ تربیت یافتہ پہلوان پائے جاتے ہیں جو قرآن کے ساتھ کشتی لڑتے ہیں۔ ایسے لوگ اس آیت میں وَلَا تُنْفِقُوا  
 کے بعد اَنْفُسُکُمْ کے بجائے اَمْوَالُکُمْ کو مخذوف مانتے ہیں اور مطلب یہ نکالتے ہیں کہ جہاد کے لیے خرچ کر کے اپنا مال  
 تباہی کی طرف مت پھینکو۔ یہ کھلی اورنگی جہالت، بددیانتی اور دھوکہ دہی ہے۔ ان کی اتنی بات تو درست ہے کہ گرامر کے لحاظ سے  
 یہاں اَمْوَالُکُمْ کو مخذوف ماننے کی گنجائش ہے۔ لیکن ایسی صورت میں اس آیت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ جہاں کے لیے مال خرچ  
 کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے مال کو تباہی کی طرف مت پھینکو یعنی اگر جہاد پر خرچ نہیں کرو گے تو تمہارا مال تباہ ہو جائے گا اور  
 تاریخ شاہد ہے کہ جو قومیں جہاد ترک کر دیتی ہیں وہ خود بھی تباہ و برباد ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ ان کا مال بھی مٹی ہو جاتا ہے۔

نوٹ-1

اس آیت سے فقہاء نے یہ حکم بھی نکالا ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی دوسرے حقوق فرض ہیں (یعنی ان کے مال میں) مگر وہ  
 ندائی ہیں اور نہ ان کے لیے کوئی نصاب متعین ہے، بلکہ جب اور جتنی ضرورت ہو اس کا انتظام کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہے  
 (معارف القرآن)۔

نوٹ-1

حضرت ابوالیوب انصاریؒ کا قول ہے کہ اس آیت میں ہلاکت سے مراد ترک جہاد ہے اسی لیے انہوں نے ساری عمر جہاد میں صرف کردی اور قسطنطنیہ میں شہید ہو کر وہیں مدفون ہوئے (معارف القرآن)۔

### آیت نمبر (196)

﴿وَاتَّبِعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ ۖ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَغُذِيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٌ أَوْ نُسْكَ ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَمِنْتُمْ ۚ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۚ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝﴾

ح ص ر

(ن)	حَصْرًا	تنگی کرنا۔ گھیرنا۔
(س)	حَصْرًا	تنگی محسوس کرنا۔ گھٹن محسوس کرنا۔ ﴿أَوْ جَاءُوكُم حَصْرًا صُدُّوهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ﴾ (4/ النساء: 90) ”یا وہ لوگ! آئیں تمہارے پاس، تنگی محسوس کرتے ہوئے اپنے سینوں میں کہ وہ قتال کریں تم سے۔“
	أُحْصِرُ	باب نَصَرَ سے فعل امر ہے۔ تو گھیر۔ تو قید کر۔ ﴿وَحُذُّوهُمْ وَأُحْصِرُوهُمْ﴾ (9/ التوبہ: 5) ”اور تم لوگ پکڑو ان کو اور قید کرو ان کو۔“
	حُصُورٌ	فَعُول کے وزن کے مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ گھیرا ہوا۔ اصطلاحاً عورتوں سے بے رغبتی کرنے والے کے لیے آتا ہے۔ ﴿وَسَيِّدًا وَحُصُورًا وَنَبِيًّا﴾ (3/ آل عمران: 39) ”اور سردار اور عورتوں سے بے رغبتی والا اور نبی۔“
	حَصِيرٌ	فَعِيل کا وزن ہے۔ گھیرنے والا۔ اصطلاحاً قید خانے کے لیے آتا ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 8) ”اور ہم نے بنایا جہنم کو کافروں کے لیے ایک قید خانہ۔“
(افعال)	إِحْصَارًا	کسی کو کسی کام سے روک دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ح ل ق

(ن)	حَلَقًا	گلے پر مارنا۔ حلق کاٹنا۔ ذبح کرنا۔
(ض)	حَلَقًا	چھیلنا۔ بال مونڈنا۔ آیت زیر مطالعہ۔
(تفعیل)	تَحْلِيقًا	اچھی طرح مونڈنا۔
	مُحَلِّقٌ	اسم الفاعل ہے۔ مونڈنے والا۔ ﴿أَمِنِينَ لَا مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ﴾ (48/ الفتح: 27) ”امن میں ہوتے ہوئے، مونڈتے ہوئے اپنے سروں کو۔“

ب ل غ

(ن)	بُلُوغًا	کسی مقصود چیز کی انتہا تک پہنچنا۔ ﴿وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ هَٰذَا الْقُرْآنِ لِأَنَّ دَرَجَةً بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ط﴾
-----	----------	---

(6/ الانعام: 19) ”اور وحی کیا گیا میری طرف یہ قرآن تاکہ میں خبردار کروں تم لوگوں کو اور اس کو جس کو وہ پہنچا۔“ ﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً﴾ (46/ الاحقاف: 15) ”یہاں تک کہ جب وہ پہنچا اپنی شدت کو اور وہ پہنچا چالیس سال کو۔“

اسم الفاعل ہے۔ پہنچنے والا ﴿فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ (6/ الانعام: 149) ”پس اللہ کی ہے پہنچنے والی یعنی سمجھ میں آنے والی دلیل۔“ ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ﴿(65/ الطلاق: 3) ”اور جو بھروسہ کرتا ہے اللہ پر تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔ یقیناً اللہ اس کے کام کو پہنچنے والا ہے۔“

اسم الظرف ہے۔ پہنچنے کی جگہ۔ ﴿ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ (53/ النجم: 30) ”یہ ان کے پہنچنے کی انتہا ہے علم میں سے۔“  
آسانی سے پہنچنا۔ واضح ہونا۔ فصیح ہونا۔

فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ واضح۔ فصیح۔ ﴿وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا﴾ (4/ النساء: 63) ”اور آپ کہیں ان سے ان کے بارے میں کوئی واضح بات۔“

پہنچانا۔ ﴿لِيَعْلَمَ أَنَّ قَدْ أَبْلَغُوا رَسُولَهُمْ﴾ (72/ الجن: 28) ”تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے پہنچا دیا ہے اپنے رب کے پیغامات کو۔“

یہ بات افعال کا ایک مصدر بھی ہے اور اسم ذات بھی۔ پہنچانا۔ پیغام۔ ﴿مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا أَلْبَلَاغُ﴾ (5/ المائدہ: 99) ”ان رسول پر نہیں ہے مگر پہنچانا۔“ ﴿إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَبْدِيْنَ﴾ (21/ الانبیاء: 106) ”یقیناً اس میں ایک پیغام ہے عبادت گزاروں والی قوم کے لیے۔“

فعل امر ہے۔ تو پہنچا۔ ﴿حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلَغَهُ مَا مَنَّهُ﴾ (9/ التوبہ: 6) ”یہاں تک کہ وہ سنے اللہ کا کلام پھر اسے پہنچا دے اس کی امن کی جگہ پر۔“

آہستہ آہستہ یا رفتہ رفتہ پہنچانا۔ ﴿الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ﴾ (33/ الاحزاب: 39) ”وہ لوگ جو آہستہ آہستہ پہنچاتے رہتے ہیں اللہ کے پیغامات۔“

فعل امر ہے۔ تو آہستہ آہستہ پہنچا تا رہ۔ تبلیغ کرتا رہ۔ ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ (5/ المائدہ: 67) ”اے رسول آپ پہنچاتے رہیں اس کو جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے۔“

ا ذ ی

تکلیف پہنچنا۔ دکھ پہنچنا۔

اسم ذات بھی ہے۔ جسمانی اور نفسیاتی تکلیف۔ اذیت۔ کوفت۔ آیت زیر مطالعہ۔

تکلیف پہنچانا۔ اذیت دینا۔ ﴿لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ إِذَا دُومُوا مَوَّلٰی﴾ (33/ الاحزاب: 69) ”تم لوگ مت ہو ان کی طرف جنہوں نے اذیت دی موی کو۔“

فعل امر ہے۔ تو تکلیف دے۔ دکھ دے۔ ﴿وَالَّذِينَ يَاتِنٰہَا مِنْكُمْ فَأَذُوہُمْ﴾ (4/ النساء: 16) ”اور وہ دونوں جو یہ کام کرتے ہیں تو تم لوگ تکلیف دو ان دونوں کو۔“

بَالِغٌ

مَبْلَغٌ

(ک) بَلَاغَةٌ

بَلِيغٌ

(افعال) اِبْلَاغًا

بَلَاغٌ

أَبْلَغُ

(تفعیل) تَبْلِيغًا

بَلِّغْ

(س) أَذَى

أَذَى

(افعال) إِذَاءٌ

أَذِ

## ترکیب

وَاتَّبَعُوا فِعْلَ امر ہے، الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ اس کا مفعول ہے اور لِلّٰہ متعلق فعل ہے۔ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ تَجُوزُ شرط ہے اور فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ جواب شرط ہے۔ فَمَا كَمَا موصولہ ہے، اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ اس کا صلہ ہے۔ یہ صلہ موصول مل کر مبتداء ہے جب کہ اس کی خبر ار متعلق خبر واجبٌ عَلَيْكُمْ محذوف ہے۔ لَا تَحْلِقُوا فعل نہی ہے۔ اس کا فاعل أَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور رُءُوسُكُمْ مفعول ہے۔ يَبْلُغُ فعل لازم ہے، الْهَدْيُ فاعل ہے اور اس کا مفعول نہیں آئے گا۔ مَحَلُّهُ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ فَمَنْ كَانَ سے رَأْسُهُ تک شرط ہے اور فَفِدْيَةٌ جواب شرط ہے۔ مِنْ بَيَانِیہ ہے۔ صِيَامٌ صدقۃ اور نُسُكٍ فدیہ کی وضاحت کے لیے ہے۔ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ شرط ہے اس کی ضمیر مفعولی ہ محذوف ہے جو کہ الہدی کے لیے ہے۔ فَصِيَامٌ سے إِذَا رَجَعْتُمْ تک جواب شرط ہے۔ اس کے بعد واجبٌ عَلَيْكُمْ محذوف ہے۔ تِلْكَ مبتداء اور عَشْرَةَ كَامِلَةً خبر ہے۔ یہ جملہ تاکید کے لیے ہے۔ ذَلِكَا کا اشارہ اس آیت میں مذکور واجبات کی طرف ہے اور یہ مبتداء ہے۔ اس کی بھی خبر واجبٌ محذوف ہے، جب کہ لِمَنْ سے الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تک متعلق خبر ہے۔ لَمْ يَكُنْ کا اسم اھلُّہ ہے جب کہ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس کی خبر ہے۔ كَانَ کی خبر ہونے کی وجہ سے حَاضِرِیْن نصب میں ہے اور مضاف ہونے کی وجہ سے اس کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ شَدِيدُ الْعِقَابِ مرکب اضافی ہے۔ لیکن اُردو محاورہ کی وجہ سے اس کا ترجمہ مرکب توصیفی کا ہوگا۔ (آیت نمبر ۲/۴۹، نوٹ - ۳)

## ترجمہ

وَاتَّبَعُوا	الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ	لِلّٰہ	فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ	فَمَا	اسْتَيْسَرَ
اور تم لوگ پورا کرو	حج کو اور عمرے کو	اللہ کے لیے	پھر اگر تم لوگ روک دیئے جاؤ	تو جو	آسان ہو

مِنَ الْهَدْيِ	وَلَا تَحْلِقُوا	رُءُوسَكُمْ	حَتَّى
قربانی کے جانور میں سے وہ (واجب ہے تم پر)	اور تم لوت مت مونڈو	اپنے سروں کو	یہاں تک کہ

يَبْلُغُ الْهَدْيُ	مَحَلُّهُ	فَمَنْ	لَا أَبَ	مِنْكُمْ	مَرِيضًا	أَوْ بِهِ آذَى
پہنچے قربانی کا جانور	اپنی منزل پر	پھر جو	ہو	تم میں سے	مریض	یا اس کو تکلیف ہو

مَنْ رَأْسُهُ	فَفِدْيَةٌ	مَنْ	صِيَامٍ	أَوْ صَدَقَةٍ	أَوْ نُسُكٍ	فَإِذَا
اپنے سر میں	تو فدیہ (واجب) ہے	جیسے	روزہ رکھنا	یا کوئی صدقہ	یا کوئی قربانی	پس جب

أَمِنْكُمْ	فَمَنْ	تَمَتَّعَ	بِالْعُمْرَةِ	إِلَى الْحَجِّ	فَمَا	اسْتَيْسَرَ
تم لوگ امن میں ہو	پھر جو	فائدہ اٹھائے	عمرے سے	حج تک	تو جو	آسان ہو

مِنَ الْهَدْيِ	فَمَنْ	لَمْ يَجِدْ	فَصِيَامٌ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ
قربانی کے جانور میں سے وہ (واجب ہے اس پر)	پھر جو	نہ پائے (اس کو)	تو تین دن کا روزہ رکھنا (واجب) ہے

فِي الْحَجِّ	وَسَبْعَةٍ	إِذَا رَجَعْتُمْ	تِلْكَ	عَشْرَةَ كَامِلَةً	ذَلِك	لِمَنْ
حج میں	اور سات	جب تم لوگ لوٹو	یہ	پورے دس ہیں	یہ	اس کے لیے ہے جس کے

لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ	حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	وَاتَّقُوا اللَّهَ	وَأَعْلَمُوا
گھر والے نہیں ہیں	مسجد حرام کے حاضرین	اور اللہ کا تقوی اختیار کرو	اور تم لوگ جان لو



اِنَّ اللّٰهَ	شَدِيدُ الْعِقَابِ
کہ اللہ	سخت سزا دینے والا ہے

نوٹ-1

اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ حج یا عمرہ کرو، بلکہ کہا گیا ہے کہ انہیں پورا کرو۔ اس لیے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھ لینے کے بعد اسے پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی مجبوری لاحق ہو جائے تو قربانی کر کے احرام کھول دے لیکن بعد میں اس کی قضا لازمی ہے۔ (معارف القرآن)

نوٹ-2

قربانی سے پہلے سر مونڈنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کسی بیماری یا مجبوری سے ایسا کرنا پڑ جائے تو فدیہ میں روزہ رکھنا ہوگا یا صدقہ دینا ہوگا یا قربانی کرنی ہوگی۔ اس آیت میں اس کا نصاب نہیں دیا گیا۔ البتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا کم از کم ایک بکری کی قربانی دے۔ (معارف القرآن)

نوٹ-3

اسلام سے پہلے ایک ہی سفر میں عمرہ اور حج کرنے کو گناہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ بات ان لوگوں کے لیے ٹھیک ہے جو مسجد حرام کے حاضرین ہیں، یعنی جن کی رہائش حرم کی میقاتوں کے اندر ہے۔ لیکن باہر والوں کے لیے یہ مشکل تھا کہ وہ عمرہ کر کے واپس جائیں اور حج کے لیے دوبارہ سفر کریں۔ چنانچہ اس آیت میں باہر والوں یعنی آفاقی لوگوں کو اجازت دی گئی کہ ایک ہی سفر میں وہ عمرہ سے حج تک فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عمرہ کرنے کے بعد وہ احرام کھول دیں اور حج کے لیے دوبارہ احرام باندھیں، البتہ ایسے حاجیوں کے لیے قربانی کرنا ضروری ہے۔

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### سورة البقرة (۲)

#### آیت نمبر (197)

﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ ۖ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ طَوَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ط وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾﴾

ج د ل

- (ن) جَدَّالًا رسی کو بل دینا۔
- (س) جَدَّالًا بات کو بل دینا، گھمانا پھرانا۔ بحث کرنا ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَّالًا ﴿۵۰﴾﴾ (18/ الکہف: 54) ”اور انسان ہر چیز سے زیادہ ہے بحث کرنے میں۔“
- (مفاعله) مُجَادَلَةً اور جَدَّالًا ایک دوسرے کی بات کو گھمانا پھرانا۔ مناظرہ کرنا۔ ﴿يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا﴾ (16/ النحل: 111) ”جس دن آئے گی ہر جان بحث کرتی اپنے آپ سے۔“
- جَادِلُ فعل امر ہے۔ تو مناظرہ کر۔ ﴿وَجَادِلْهُمْ بَالِغِي هِيَ أَحْسَنُ ط﴾ (16/ النحل: 125) ”اور تو مناظرہ کر ان سے، بہترین طریقے سے۔“

ز و د

- (ن) زَوَّدًا سفر کا خرچ مہیا کرنا
- زَادُ اسم ذات ہے۔ سامان سفر۔ زادِ راہ۔ آیت زیر مطالعہ۔
- (تفعّل) تَزَوَّدًا سفر خرچ ساتھ رکھنا۔
- تَزَوَّدُ فعل امر ہے۔ تو سفر خرچ ساتھ رکھ۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

الْحَجُّ مبتداء ہے اور مرکب تو صیغی أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ خبر ہے۔ فَمَنْ شرطیہ ہے۔ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ شرط ہے اور فَلَا رَفَثَ سے فی الْحَجِّ تک جواب شرط ہے۔ فَرَضَ کا فاعل اس کی ہو کی ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے۔ الْحَجَّ اس کا مفعول ہے اور فِيهِنَّ متعلق فعل ہے۔ اس میں هُنَّ کی ضمیر أَشْهُرٌ کے لیے ہے۔ فَرَضَ کے بعد علی نَفْسِہِ مخذوف ہے۔ رَفَثٌ، فُسُوقٌ اور جِدَالٌ، تینوں سے پہلے لائے نفی جنس ہیں اور یہ مبتداء ہیں، ان کی خبریں مخذوف ہیں جو کہ جَائِزٌ ہو سکتی ہیں۔ مَا شرطیہ ہے اس لیے اس کی شرط تَفَعَّلُوا کا نون اعرابی گرا ہوا ہے اور جواب شرط يَعْلَمُ مجزوم ہے۔

باب تَفَعَّلَ کے ماضی تَفَعَّلَ سے جمع مذکر غائب کا وزن تَفَعَّلُوا بنتا ہے۔ جب کہ اس کے فعل امر تَفَعَّلْ سے جمع مذکر مخاطب کا وزن بھی تَفَعَّلُوا بنتا ہے۔ اس طرح یہ دونوں ہم شکل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے تَزَوَّدُوا کے دونوں امکانات ہیں، لیکن آیت کا مضمون بتا رہا ہے کہ یہاں یہ فعل امر ہے۔

فَإِنَّ کا اسم خَيْرُ الزَّادِ ہے، اس لیے اس کے مضاف خَيْرٌ پر نصب آئی ہے اور مرکب اضافی ہونے کی وجہ



سے یہ تفضیل کل ہے۔ اُردو محاورے کی وجہ سے اس کا ترجمہ مرکب توصیفی کا ہوتا ہے۔ اِنَّ لَكَ يٰ خَيْرًا لِّتَقْوٰی ہے اور اس پر لام جنس ہے۔ وَاتَّقُوا فِعْل امر ہے۔ ضمیر مفعولی آنے کی وجہ سے واو الجمع کا الف گر گیا اور ن ضمیر مفعولی نِی کا نون وقایہ 400 ہے۔

الْحَجُّ	أَشْهَرُ مَعْلُومَاتٍ	فَمَنْ	فَرَضَ	فِيهِنَّ	الْحَجَّ
حج (کے)	جانے پہچانے مہینے ہیں	تو جس نے	فرض کیا (خود پر)	ان میں	حج کو

ترجمہ

فَلَا رَفَثَ	وَلَا فُسُوقٌ	وَلَا جِدَالَ
تو کسی قسم کی فحش گوئی نہیں ہے	اور کوئی حکم عدولی نہیں ہے	اور کوئی تو تو میں میں نہیں ہے

فِي الْحَجِّ ط	وَمَا	تَفْعَلُوا	مِنْ خَيْرٍ	يَعْلَمُهُ	اللَّهُ ط
حج میں	اور جو	تم لوگ کرو گے	کوئی بھی بھلائی	تو جان لے گا اس کو	اللہ

وَتَزَوَّدُوا	فَإِنَّ	خَيْرَ الزَّادِ	التَّقْوَى	وَاتَّقُونِ
اور تم لوگ سفر خرچ ساتھ رکھو	پس یقیناً	بہترین زادِ راہ	تقویٰ ہے	اور تقویٰ اختیار کرو میرا

يَا أَيُّهَا الْاَلْبَابُ
اے عقل والو

سامان سفر ساتھ رکھنے کے ساتھ تقویٰ کو بہترین سامان سفر کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف تقویٰ کافی ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دیگر سامان بھی رکھو اور اسے مت بھولو۔

نوٹ-1

### آیت نمبر (198)

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ط فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الشُّعَرِ الْحَرَامِ ص وَادْكُرُوهُ كَمَا هَدَكُمْ ؕ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ۝﴾

ف ی ض

(ض) فَيَضًا پیمانہ لبریز ہونے سے پانی کا بہہ نکلنا۔ اُبل پڑنا۔ پھوٹ بہنا۔ ﴿أَعْيَنَهُمْ تَفْيِضٌ مِّنَ الدَّمِ﴾ (5/ المائدہ: 83) ”ان کی آنکھیں اُبل پڑتی ہیں آنسو سے۔“

(افعال) إِفَاضَةً کیبارگی پانی اُنڈیلنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں آتا ہے۔ مثلاً (۱) کسی جگہ سے لوگوں کا جوق در جوق نکلنا۔ آیت زیر مطالعہ۔ (۲) کسی بات کو پھیلانا۔ چرچا کرنا۔ ﴿هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ ط﴾ (46/ الاحقاف: 8) ”وہ خوب جانتا ہے اس کو تم لوگ چرچا کرتے ہو جس کا۔“

أَفْضُ فعل امر ہے۔ جوق در جوق نکل۔ آگے آیت نمبر ۱۹۹ میں آیا ہے۔

## ترکیب

لَيْسَ کا اسم جُنَاحُ نکرہ آیا ہے کیونکہ عام قاعدہ بیان ہو رہا ہے۔ اَنْ تَبْتَغُوا اس کی خبر ہے۔ اِذَا شَرِطِيہ 400 اَفْضُتُمْ مِّنْ غَرَفَاتٍ شرط ہے اور فَاذْكُرُوا سے هَذَا کُمْ تک جواب شرط ہے۔ غَرَفَاتٍ اسمِ عَلَم یعنی ایک جگہ کا نام ہے۔ فَاذْكُرُوا کا فاعل اس کی اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور لفظ اللہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جب کہ عِنْدَ ظَرْف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بھی اسمِ عَلَم ہے اور مزدلفہ کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ كَاِنْ مُخَفَّہ ہے۔ مِّنْ قَبْلِهِ میں یہ کی ضمیر ہدایت کے لیے ہے۔

## ترجمہ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ	جُنَاحٌ	اَنْ تَبْتَغُوا	فَضْلًا	مِّنْ رَّبِّكُمْ ط	فَاِذَا
تم لوگوں پر	کوئی گناہ نہیں ہے	کہ تم لوگ جستجو کرو	کچھ روزی کی	اپنے رب سے	پس جب بھی
اَفْضُتُمْ	مِّنْ غَرَفَاتٍ	فَاذْكُرُوا	اللّٰهُ	عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ص	وَ اذْكُرُوْهُ
تم لوگ جوق در جوق نکلو	عرفات سے	تو یاد کرو	اللہ کو	مشعر حرام کے پاس	اور یاد کرو اس کو
كَمَا	هَذَا كُمْ ؕ	وَ اِنْ كُنْتُمْ	مِّنْ قَبْلِهِ	لَيِّنَ الصَّالِيْنَ	
اس طرح جیسے	اس نے ہدایت کی تم کو	اور یقیناً تم لوگ	اس سے پہلے	گمراہ ہونے والوں میں سے تھے	

## نوٹ-1

”ارشادِ قرآنی وَ اذْكُرُوا كَمَا هَذَا كُمْ سے ایک اور بھی اصولی مسئلہ نکل آیا کہ ذکر اللہ اور عبادت میں آدمی خود مختار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جس طرح چاہے یاد کرے، اور جس طرح چاہے اس کی عبادت کرے، بلکہ ذکر اللہ اور ہر عبادت کے خاص آداب ہیں، اُن کے موافق ادا کرنا ہی عبادت ہے۔ اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اور اس میں کمی بیشی یا مقدم مؤخر کرنا، خواہ اس میں ذکر اللہ کی کچھ زیادتی بھی ہو، وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ نفلی عبادات اور صدقہ خیرات وغیرہ میں جو لوگ بلا دلیل شرعاً اپنی طرف سے کچھ خصوصیات اور اضافے کر لیتے ہیں اور ان کی پابندی کو ضروری سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ضروری قرار نہیں دیا، اور ان افعال کے نہ کرنے والوں کو خطا دار سمجھتے ہیں، اس آیت نے ان کی غلطی کو واضح کر دیا۔“ (معارف القرآن)

## آیت نمبر (2199)

﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٩﴾﴾

## ترکیب

فعل امر اَفِيضُوا کا فاعل اس کی اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور اَفَاضَ النَّاسُ کا فاعل النَّاسُ ہے، جب کہ مِّنْ حَيْثُ ان دونوں کا ظرف ہے اس لیے محلاً منصوب ہے۔ فعل امر وَاسْتَغْفِرُوا کا فاعل اس کی اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور لفظ اللہ اس کا مفعول ہے۔

## ترجمہ

ثُمَّ أَفِيضُوا	مِّنْ حَيْثُ	أَفَاضَ	النَّاسُ	وَاسْتَغْفِرُوا	اللّٰهُ
پھر تم لوگ جوق در جوق نکلو	جہاں سے	نکلتے	لوگ	اور مغفرت طلب کرو	اللہ سے
إِنَّ اللَّهَ	عَفُورٌ	رَّحِيمٌ			
یقیناً اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہے	ہر حال میں رحم کرنے والا ہے			

نوٹ-1

قریش خانہ کعبہ کے ”برہمن“ تھے اور عام حاجیوں کی طرح عرفات جا کر قیام کرنے میں ہتک محسوس کرتے تھے<sup>490</sup>؛ اس لیے وہ لوگ مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور وہیں سے لوٹتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وی۔ آئی۔ پی کلچر کے بُت کو توڑنے کا حکم دیا ہے، لیکن ہم لوگوں نے اسے اپنے گلے میں اٹکایا ہوا ہے، نہ لگے بنتا ہے اور نہ اُگلے بنتا ہے۔ اس کلچر کو ہم برا بھلا بھی کہتے رہتے ہیں اور چوڑے بھی نہیں۔

یہ مسجد ہے کہ مئے خانہ، تعجب اس پہ آتا ہے  
جناب شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی

### آیت نمبر (200)

﴿فَإِذَا قُضِيَتْكُمْ مَّنَاسِكُكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ ۝﴾

ترکیب

فَإِذَا شَرْطِیہ ہے۔ قُضِيَتْكُمْ مَّنَاسِكُكُمْ شَرْطِیہ ہے اور فَادْكُرُوا سے ذِکْرًا تک جواب شرط ہے۔ کَذِکْرِكُمْ میں ذِکْرِ مصدر نے فعل کا عمل کیا ہے اور آبَاءَ کو نصب دی ہے۔ تفسیر حقانی کے مطابق أَشَدَّ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ذِکْرًا اس کی تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مَنْ یہاں جمع کے مفہوم میں ہے۔ لفظی رعایت کے تحت يَقُولُ واحد آیا ہے اور معنوی لحاظ سے رَبَّنَا آتِنَا پر جمع کی ضمیر آئی ہے۔ رَبَّنَا میں رَبِّ کی نصب بتا رہی ہے کہ اس سے پہلے حرف ندا مخذوف ہے۔ مَا نافیہ ہے۔ خَلْقٍ مبتداء مؤخر نکرہ ہے اور اس پر مِنْ تبضیہ لگا ہوا ہے۔ اس کی خبر مخذوف ہے جو کہ وَاجِبًا یَاثَابِتًا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا قائم مقام خبر مقدم ہے اور اس کی ضمیر مَنْ کے لیے ہے جب کہ فی الْآخِرَةِ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ

فَإِذَا	قُضِيَتْكُمْ	مَّنَاسِكُكُمْ	فَادْكُرُوا	اللَّهُ	كَذِكْرِكُمْ
پس جب	تم لوگ پورا کر لو	اپنے حج کے اعمال کو	تو یاد کرو	اللہ کو	تمہارے یاد کرنے کی مانند

أَبَاءَكُمْ	أَوْ أَشَدَّ	ذِكْرًا	فَمِنَ النَّاسِ	مَنْ
اپنے آباء و اجداد کو	یا زیادہ شدید ہوتے ہوئے	بلحاظ ذکر کے	اور لوگوں میں وہ بھی ہیں	جو

يَقُولُ	رَبَّنَا	آتِنَا	فِي الدُّنْيَا	وَمَالَهُ	فِي الْآخِرَةِ
کہتے ہیں	اے ہمارے رب!	تو دے ہم کو	دنیا میں	اور نہیں ہے اس کے لیے	آخرت میں

مِنْ خَلْقٍ
بھلائی کا کسی قسم کا کوئی بھی حصہ

### آیت نمبر (201)

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾

مِنْهُمْ کی ضمیر گزشتہ آیت کے لفظ النَّاس کے لیے ہے۔ اِتِنَا میں اِت فعل امر ہے، ضمیر مفعولی کا مفعول اول ہے اور حَسَنَةً مفعول ثانی ہے۔ قِنَا میں قی فعل امر ہے، ضمیر مفعولی کا مفعول اول ہے اور عَذَابِ النَّارِ مفعول ثانی ہے۔<sup>400</sup>

وَمِنْهُمْ	مَنْ	يَقُولُ	رَبَّنَا	اِتِنَا	فِي الدُّنْيَا	حَسَنَةً
اور ان میں وہ بھی ہیں	جو	کہتے ہیں	اے ہمارے رب	تو دے ہم کو	دنیا میں	بھلائی
وَفِي الْآخِرَةِ	حَسَنَةً	وَقِنَا	عَذَابِ النَّارِ	اور آخرت میں	بھلائی	آگ کے عذاب سے

## آیت نمبر (202)

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾<sup>(۲۰۲)</sup>

(۱) کسی چیز کو گاڑنا، جمانا۔ (۲) کسی کو تکلیف دینا۔ ﴿وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ﴾<sup>(۱۹)</sup>  
(88/ الغاشیہ: 19) ”اور پہاڑوں کی طرف، کیسے وہ جمائے گئے۔“

نَصَبًا

(س)

محنت کرنا۔ کوشش کرنا۔  
فعل امر ہے۔ تو محنت کر، کوشش کر۔ ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ﴾<sup>(۲۰)</sup> وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ<sup>(۲۱)</sup> (94/ الم نشر: 7-8) ”پس جب بھی آپ فارغ ہوں تو آپ محنت کریں اور اپنے رب کی طرف پھر رغبت کریں۔“

نَصَبًا

انْصَبْ

اسم الفاعل ہے۔ محنت کرنے والا۔ کوشش کرنے والا۔ ﴿وَجُودَهُ يُوَمِّدُ خَاشِعَةً﴾<sup>(۲۲)</sup> عَامِلَةً  
نَاصِبَةً<sup>(۲۳)</sup> (88/ الغاشیہ: 2-3) ”کچھ چہرے اس دن ذلیل ہونے والے ہیں، عمل کرنے والے، محنت کرنے والے۔“

نَاصِبًا

اسم ذات ہے۔ مشقت۔ تکلیف۔ ﴿لَا يَسْأَلُهُمْ فِيهَا نَصَبٌ﴾<sup>(۲۴)</sup> (15/ الحجر: 48) ”نہیں پہنچے گی ان کو اس میں کوئی مشقت۔“

نَصَبٌ

اسم ذات ہے۔ ایذا۔ تکلیف۔ ﴿إِنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ نِصْبٌ وَعَذَابٌ﴾<sup>(۲۵)</sup> (38/ ص: 41) ”کہ چھو مجھ کو شیطان کے ایذا سے اور عذاب سے۔“

نَصَبٌ

ج انْصَابٌ۔ اسم ذات ہے۔ بھیٹ چڑھانے کی علامت کے لیے گاڑے ہوئے پتھر۔ استھان۔  
بُت۔ ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النَّصَبِ﴾<sup>(۲۶)</sup> (5/ المائدہ: 3) ”اور جو ذبح کیا گیا استھان پر۔“ ﴿إِنَّهَا الْخُمْرُ وَ  
الْبَيْسُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ﴾<sup>(۲۷)</sup> (5/ المائدہ: 90) ”کچھ نہیں سوائے اس کے کہ نشہ اور جوا اور استھان اور پانسے نجاست ہیں۔“

نُصْبٌ

فَعِيلٌ کے وزن پر اسم المفعول کے معنی میں صفت ہے۔ گاڑا ہوا، جمایا ہوا۔ پھر کسی چیز کا کسی کے لیے مقرر کردہ حصے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

نَصِيبٌ

افعل التفضیل ہے۔ زیادہ تیز یا سب سے تیز۔ ﴿وَهُوَ أَسْرَعُ الْحُسَيْنِ﴾<sup>400</sup>  
 (6/ الانعام: 62) ”اور وہ سب سے تیز حساب کرنے والا ہے۔“  
 فَعِيلٌ لے وزن پر صفت ہے۔ جلدی کرنے والا۔ تیز۔ آیت زیر مطالعہ۔  
 ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے جلدی کرنا۔ سبقت کرنا۔ ﴿وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ﴾<sup>ط</sup>  
 (3/ آل عمران: 114) ”اور وہ لوگ باہم سبقت کرتے ہیں بھلائیوں میں۔“  
 فعل امر ہے۔ تو سبقت کر۔ ﴿وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ﴾ (3/ آل عمران: 133) ”اور تم لوگ باہم  
 سبقت کرو مغفرت کی طرف۔“

أَسْرَعُ

سَرِيعٌ

سَرَّاعًا

(مفاعله)

سَارِعٌ

ح س ب

گنتی کرنا۔ شمار کرنا یعنی حساب رکھنا۔ حساب کرنا۔  
 خیال کرنا۔ گمان کرنا۔ ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ﴾ (2/ البقرہ: 214) ”کیا تم لوگوں نے  
 گمان کیا کہ تم لوگ داخل ہو گے جنت میں۔“  
 اسم الفاعل ہے۔ حساب رکھنے والا۔ حساب کرنے والا۔ اوپر لفظ أَسْرَعُ میں آیت نمبر۔ 62/6  
 فَعِيلٌ کا وزن ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں حساب کرنے والا۔ ﴿وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا﴾<sup>١</sup>  
 (4/ النساء: 6) ”اور کافی ہے اللہ بطور حساب کرنے والے کے۔“  
 فُعْلَانٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ (۱) بے انتہا حساب رکھنے والا۔ (۲) سخت پکڑ کرنے والا (حساب  
 کے نتیجے میں)۔ آفت۔ ﴿وَجَعَلَ آتِئَل سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا﴾ (6/ الانعام: 96)  
 ”اور اس نے بنایا رات کو سکون اور سورج اور چاند کو حساب رکھنے والا۔“ ﴿وَيُرْسِلْ عَلَيْهَا حُسْبَانًا  
 مِّنَ السَّمَاءِ﴾ (18/ الکہف: 40) ”اور وہ بھیجے اس پر کوئی آفت سمان سے۔“  
 اسم فعل ہے۔ حساب کتاب میں پورا یعنی کافی۔ ﴿حُسْبِنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ (3/ آل  
 عمران: 173) ”کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا ہی اچھا وکیل ہے۔“  
 کسی سے کسی چیز کا حساب مانگنا۔ حساب لینا۔ ﴿وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ  
 يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ (2/ البقرہ: 284) ”اور اگر تم لوگ ظاہر کرو اس کو جو تمہارے جی میں ہے یا  
 چھپاؤ اس کو، ہساب لے گا تم سے اس کا اللہ۔“  
 (۱) اہتمام سے حساب مانگنا۔ (۲) اہتمام سے خیال کرنا۔ ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ  
 مَخْرَجًا﴾<sup>٢</sup> ﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (65/ الطلاق: 2-3) ”اور جو تقویٰ کرتا ہے اللہ کا تو  
 وہ بناتا ہے اس کے لیے نکلنے کا ایک راستہ اور وہ رزق دیتا ہے اس کو وہاں سے جہاں سے وہ گمان  
 نہیں کرتا۔“

حَسَبًا

حِسْبَانًا

(ن)

(س-ح)

حَاسِبٌ

حَسِيبٌ

حُسْبَانٌ

حَسِبُ

مُحَاسَبَةً اور حِسَابًا

(مفاعله)

اِحْتِسَابًا

(افعال)

ترکیب

أُولَٰئِكَ مبتداء ہے اور لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا، یہ پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ اس جملہ میں نَصِيبٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے، خبر  
 محذوف ہے اور لَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے، جب کہ مِمَّا كَسَبُوا متعلق خبر ہے۔ وَاللَّهُ مبتداء اور مرکب اضافی سَرِيعٌ  
 الحِسَابِ اس کی خبر ہے۔

أُولَئِكَ	لَهُمْ	نَصِيبٌ	مِّمَّا	لَسَبَّوْا	وَاللَّهُ	سَرِيعٌ ۚ ۴۰۰ الْحِسَابِ
وہ لوگ ہیں	جن کے لیے	ایک حصہ ہے	اس میں سے جو	انہوں نے کمایا	اور اللہ	حساب لینے میں تیز ہے

ترجمہ

نوٹ-1

آیت نمبر ۲۰۰/۲ میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو اپنی نیکی کا اجر دنیا میں مانگتے ہیں۔ وہاں پر بتا دیا گیا کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں کچھ نہیں ملے گا یعنی دنیا میں ملے گا یا نہیں اور ملے گا تو کتنا، اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ اپنے علم اور حکمت سے کرے گا، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ انہیں آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔ پھر آیت نمبر ۲۰۱ میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جو اپنی نیکی کا اجر دنیا اور آخرت، دونوں جگہ مانگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، اس کی وضاحت اس آیت میں کی گئی ہے کہ جو نیکی انہوں نے کمائی ہے اس کا کچھ حصہ انہیں دنیا میں ملے گا اور کچھ حصہ آخرت میں۔ اس بات کی مزید وضاحت ایک حدیث سے ہوتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے (ترجمہ نہیں) کہ ایک غازی، جس نے صرف اللہ کی رضا کے لیے قتال میں حصہ لیا، اس نے اپنے اجر کا دو تہائی حصہ وصول کر لیا۔ یہ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ جو لوگ حدیث کے نبی قرآن مجید سے ہی سب کچھ سمجھنا چاہتے ہیں، وہ لوگ اپنی دلیل کے طور پر اس حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ یہ حدیث آیت نمبر ۲۰۱ سے ٹکراتی ہے یعنی اس کے خلاف ہے، ایسے لوگوں کو اپنی قرآن فہمی کا دوبارہ جائزہ لینا چاہیے جس پر ان کا تکیہ ہے۔

### آیت نمبر (302)

﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۖ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝﴾

ح ش د

(ن)	حَشَرًا	(۱) جمع کرنا۔ اکٹھا کرنا۔ (۲) جمع کرنے کے لیے نکالنا۔ اُٹھانا۔ ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الْرَحْلَيْنِ وَفْدًا﴾ (۱۹/مریم: ۸۵) ”جس دن ہم جمع کریں گے متقی لوگوں کو رحمن کی طرف بطور وفد کے۔“ ﴿رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْلٰی﴾ (۲۰/طہ: ۱۲۵) ”اے میرے رب! تو نے کیوں اُٹھایا مجھ کو اندھا۔“
أُحْشِرُ	فعل امر ہے۔ توجع کر۔ ﴿أُحْشِرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ (۳۷/الصُّفَّت: ۲۲) ”تم لوگ اکٹھا کرو ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا۔“	
حَاشِرٌ	اسم الفاعل ہے۔ جمع کرنے والا۔ ﴿وَابْعَثْ فِي الْبَدَايِنِ حَاشِرِينَ﴾ (۲۶/اشعراء: ۳۶) ”اور تو بھیج شہروں میں جمع کرنے والوں کو۔“	
مُحْشَرُونَ	اسم المفعول ہے۔ جمع کیا ہوا۔ ﴿وَالظَّالِمَ مَحْشُورًا﴾ (۳۸/ص: ۱۹) ”اور پرندوں کو، جمع کیے ہوئے۔“	

وَاذْكُرُوا کا فاعل اس کی اَنْتُمْ کی ضمیر ہے، لفظ اللہ مفعول ہے اور مرکب توصیفی اَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ظرف ہے لیکن فی کی وجہ سے حالت جر میں آیا ہے۔ فَمَنْ شرطیہ ہے تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ شرط ہے۔ جب کہ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ جواب شرط ہے۔ اور اس پر لائے نفی جنس ہے۔

ترکیب



ترجمہ

وَاذْكُرُوا	اللَّهُ	فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ط	فَمَنْ	تَعَجَّلَ	فِي يَوْمَيْنِ
اور تم لوگ یاد کرو	اللہ کو	گنے ہوئے دنوں میں	پس جس نے	جلدی کی	دو دنوں میں

فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ؕ	وَمَنْ تَأَخَّرَ	فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ؕ	تو کسی قسم کا گناہ نہیں ہے	اور جس نے دیر کی	تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے اس پر
-------------------------	------------------	-------------------------	----------------------------	------------------	---------------------------------------

لِيَمُنَّ أَتَقُوا	وَأَتَّقُوا	اللَّهُ	وَأَعْلَمُوا	أَنْتُمْ	اس کے لیے جس نے تقویٰ کیا
اور تم لوگ تقویٰ کرو	اللہ کا	اور تم لوگ جان لو	کہ		

إِلَيْهِ	تُحْشَرُونَ	اس کی طرف ہی	تم سب اکٹھا کیے جاؤ گے
----------	-------------	--------------	------------------------

نوٹ-1

تَعَجَّلَ کے ساتھ دو دنوں کی وضاحت ہے لیکن تَأَخَّرَ کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ حاجی کی مرضی ہے کہ جب تک اس کا جی چاہے منیٰ میں رہے، تین دن میں واپسی ضروری نہیں ہے۔ کچھ لوگ سعودی حکومت پر تنقید کرتے ہیں کہ تمام انتظامات ختم کر کے حاجیوں کو تین دنوں میں واپسی پر مجبور کرنا، اس آیت کے خلاف ہے۔ وہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ طریقہ اسلام سے بھی پہلے رائج ہے جسے قرآن یا حدیث میں تبدیل نہیں کیا گیا۔ نیز ان کی دلیل کی تردید اس آیت کے الفاظِ اَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ سے ہو جاتی ہے کہ جلدی یادیر کرنے کی بات ان دنوں کے حوالے سے۔

اس قسم کی بحثوں میں الجھنے کے بجائے ہمیں اپنی توجہ کو اس آیت کے اصل سبق پر مرکوز کرنا چاہیے اس میں سبق یہ دیا گیا ہے کہ کسی حاجی کی فضیلت اس میں نہیں ہے کہ دس تاریخ کو حج کے ارکان سے فارغ ہونے کے بعد کون منیٰ میں دو دن رہا اور کون تین دن، بلکہ فضیلت اس میں ہے کہ قیام کے دوران کس نے اللہ کو کتنا یاد کیا اور اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے کی کتنی پریکٹس کی۔ جس طرح حج پر آنے کے سفر کے لیے بہترین زادِ راہ تقویٰ تھا اسی طرح واپسی کے لیے بھی بہترین زادِ راہ اور حج کا بہترین تحفہ تقویٰ ہونا چاہیے۔ اس لیے حج سے فارغ ہو کر کچھ عرصہ منیٰ میں قیام کر کے اپنے تقویٰ میں حسن و نکھار پیدا کر کے اسے خوب مستحکم کر لو، اس کے بعد اپنے کمرۂ امتحان میں واپس جاؤ۔

### آیت نمبر (204)

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ ۖ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۝﴾

ع ج ب

(س)

حیرت زدہ ہونا۔ حیرت کرنا۔ ﴿أَوْ عَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ﴾ (7/ الاعراف: 63) ”تو کیا تم لوگ حیرت زدہ ہو کہ تمہارے پاس آئی ایک یاد دہانی تمہارے رب سے، تم میں سے ایک شخص پر۔“

عَجَبٌ مصدر کے علاوہ صفت بھی ہے۔ جو چیز عام طور پر نظر نہ آتی ہو۔ غیر معمولی۔ حیران کن۔ انوکھی۔ ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَاْ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ (10/ یونس: 2) ”کیا لوگوں کے لیے حیران کن ہے کہ ہم نے وحی کی ان میں سے ایک شخص کی طرف۔“

عَجِيبٌ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ حیران کن۔ ﴿هٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ﴾ (50/ ق: 2) ”یہ حیران کن چیز ہے۔“

عُجَابٌ فُعَالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ انتہائی حیران کن۔ ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ﴾ (38/ ص: 5) ”یقیناً یہ انتہائی حیران کن چیز ہے۔“

اِعْجَابًا (افعال) کسی کو حیرت میں ڈالنا۔ (۱) حیرت زدہ کرنا۔ (۲) دلکش لگنا۔ بھلا لگنا۔ ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ط﴾ (9/ التوبہ: 55) ”تو حیران نہ کریں تجھ کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد۔“ ﴿وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَيْثِ﴾ (5/ المائدہ: 100) ”اور اگر بھلی لگے تجھ کو خباثت کی کثرت۔“

ل د د

لَدَّا (ن) کسی کی بات نہ ماننا۔ ہٹ دھرم ہونا۔ نَلَدُّ اَفْعَلَ التفضیل ہے۔ زیادہ ہٹ دھرم یا انتہائی ہٹ دھرم۔ واحد آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿وَتُنْذِرُ بِهِ قَوْمًا لَّدَّا﴾ (19/ مریم: 97) ”اور تاکہ آپ خبردار کریں اس سے ایک زیادہ ہٹ دھرم قوم کو۔“

خ ص م

خَصَمًا (ض) زبانی جھگڑا کرنا۔ توہین کار کرنا۔ خَصَمٌ اسم ذات بھی ہے۔ مد مقابل۔ فریق مخالفت۔ (یہ واحد، جمع، مؤنث، سب کے لیے آتا ہے)۔ ﴿وَهَلْ اَتٰنَكَ نَبَاُ الْخَصَمِ﴾ (38/ ص: 21) ”اور کیا پہنچی تجھ کو مخالف فریقوں کی خبر۔“ خَصَامٌ اور خَصْمُونَ۔ صفت ہے۔ کٹ جتی۔ جھگڑالو۔ خِصَامٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصْمُونَ﴾ (43/ الزمر: 58) ”بلکہ وہ لوگ جھگڑالو قوم ہیں۔“ خَصِيمٌ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ بحث کرنے والا جھگڑالو۔ ﴿فَاِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ﴾ (16/ النحل: 4) ”پس جب ہی وہ کھلے طور پر ہمیشہ بحث کرنے والا ہے۔“ اِخْتِصَامًا (افتعال) اہتمام سے ایک دوسرے سے الجھنا۔ جھگڑنا۔ ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُونَ﴾ (3/ آل عمران: 44) ”اور آپ نہیں تھے ان کے پاس جب وہ ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے۔“ تَخَاصُمًا (تفاعل) باہم جھگڑا کرنا۔ ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمِ اَهْلِ النَّارِ﴾ (38/ ص: 64) ”بیشک یہ حق ہے، آگ والوں کا باہم جھگڑا کرنا۔“

ترکیب

مَنْ نکرہ موصوفہ ہے۔ اگلا جملہ اس کی صفت ہے۔ يُعْجِبُ کا مفعول ضمیر ک ہے اور قَوْلُهُ اس کا فاعل ہے۔ يُشْهَدُ کا فاعل اس کی هُو کی ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے۔ اَلَّذِ الْخِصَامِ مرکب اضافی ہے لیکن اُردو محاورے کی وجہ سے ترجمہ مرکب توصیفی میں ہوگا۔





وَمِنَ النَّاسِ	مَنْ	يُعْجِبُكَ	قَوْلُهُ	فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
اور لوگوں میں وہ بھی ہے	جو	بھلی لگتی ہے تجھ کو	جس کی بات	دنیا کی زندگی میں

ترجمہ

وَيُشْهِدُ	اللَّهُ	عَلَى مَا	فِي قَلْبِهِ	وَ	هُوَ
اور جو گواہ بناتا ہے	اللہ کو	اس پر جو	اس کے دل میں ہے	حالانکہ	وہ

الْكَاخِصَامُ

انتہائی ہٹ دھرم ہے

## آیت نمبر (205)

﴿وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۝﴾

ح ر ث

(ن) حَرْثًا کھیتی کے لیے زمین تیار کرنا۔ بچ ڈالنا۔ ﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۚ﴾ اَنْتُمْ تَزْرَعُونَهَا أَمْ نَخُنُ الزَّرْعُونَ ﴿۝﴾ (56/ الواقعة: 63-64) ”کیا تم لوگوں نے دیکھا نہیں جو تم بچ ڈالتے ہو، کیا تم اُگاتے ہو اس کو یا ہم اگانے والے ہیں۔“

حَرْثُ اسم ذات بھی ہے۔ کھیتی۔ آیت زیر مطالعہ۔

ن س ل

(ض) نَسْلًا پرندوں کے پر یا جانوروں کے اُون کا گرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں آتا ہے مثلاً (۱) گرنا یا الگ ہونا۔ (۲) تیز چلنا۔ ﴿وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ۝﴾ (21/ الانبیاء: 96) ”اور وہ لوگ ہر بلندی سے تیزی سے پھسلتے ہوں گے۔“

نَسْلٌ کسی سے الگ ہونے والی چیز۔ اولاد اور اولاد کی اولاد۔ نسل۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

إِذَا شرطیہ ہے۔ تَوَلَّى شرط ہے اور سَعَى سے وَالنَّسْلَ تک جواب شرط ہے۔ افعال تَوَلَّى۔ سَعَى۔ يُفْسِدَ اور يُهْلِكَ کے فاعل ان کی هُو کی ضمیریں ہیں جو گزشتہ آیت میں مذکور مَنْ کے لیے ہیں۔ فُيْهًا کی ضمیر الْأَرْض کے لیے ہے۔ يُفْسِدَ کے لام گئی پر عطف ہونے کی وجہ سے يُهْلِكَ پر بھی نصب ہے۔ معلوم ہے کہ لام گئی کے بعد لفظ أَنْ محذوف ہوتا ہے۔ نسل سے مراد مویشیوں کی نسل ہے۔

وَإِذَا	تَوَلَّى	سَعَى	فِي الْأَرْضِ	لِيُفْسِدَ	فِيهَا
اور جب	وہ لوٹتا ہے	تو وہ بھاگ دوڑ کرتا ہے	زمین میں	تاکہ وہ نظم بگاڑے	اس میں

ترجمہ

وَيُهْلِكَ	الْحَرْثَ	وَالنَّسْلَ	وَاللَّهُ	لَا يُحِبُّ
اور تاکہ وہ برباد کرے	کھیتی کو	اور (مویشیوں کی) نسل کو	اور اللہ	پسند نہیں کرتا



431	الْفَسَادُ
	فساد کو

### آیت نمبر (206)

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۖ وَلَبِئْسَ الْبِهَادُ ۝﴾

م ه د

- (ف) مَهْدًا کسی چیز کو بچھانا۔ آرام دہ بنانا۔ ﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا نَفْسَهُ يَبْهَدُونَ﴾ (30/ الروم: 44) ”اور جس نے عمل کیا کوئی نیکی کا تو اپنے لیے وہ آرام دہ بناتا ہے۔“
- مَا هَدُ اسم الفاعل ہے۔ بچھانے والا۔ آرام دہ بنانے والا۔ ﴿وَالْأَرْضُ فَرْشُنَا فَنِعْمَ الْبِهَادُونَ﴾ (51/ الذریات: 48) ”اور زمین کو، ہم نے بچھایا اس کو تو ہم کتنا اچھا، آرام دہ بنانے والے ہیں۔“
- مِهَادٌ فِعَالٌ کے وزن پر اسم المفعول ہے آرام دہ بنائی ہوئی چیز۔ آرام کا ٹھکانہ۔ آیت زیر مطالعہ۔
- مَهْدٌ اسم ذات ہے۔ بچھونا۔ چھوٹے بچے کا گہوارہ۔ ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا﴾ (20/ طہ: 53) ”جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا۔“ ﴿كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ﴾ (19/ مریم: 29) ”ہم کیسے بات کریں اس سے جو بچہ گہوارے میں۔“

### ترکیب

إِذَا شرطیہ ہے۔ قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ شرط ہے اور أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ جواب شرط ہے۔ أَخَذَتْ كَافَاعِلُ الْعِزَّةُ ہے اور هُ ضمیر مفعولی ہے جبکہ بِالْإِثْمِ متعلق فعل ہے اور اس میں بِ سببیہ ہے۔ مرکب اضافی حَسْبُهُ مبتداء ہے۔ جَهَنَّمُ خبر ہے۔ لَبِئْسَ الْبِهَادُ مبتداء ہے اور اس کی خبر جَهَنَّمُ محذوف ہے۔

### ترجمہ

وَإِذَا	قِيلَ	لَهُ	اتَّقِ	اللَّهُ	أَخَذَتْهُ	الْعِزَّةُ
اور جب کبھی	کہا جاتا ہے	اس سے	کہ تو تقویٰ کر	اللہ کا	تو جگڑتا ہے اس کو	گھمنڈ

بِالْإِثْمِ	فَحَسْبُهُ	جَهَنَّمُ ط	وَلَبِئْسَ الْبِهَادُ
گناہ کے سبب سے	پس کافی ہے اس کو	جہنم	اور بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ (جہنم)

### آیت نمبر (207) (2/ البقرہ: 207)

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝﴾

يَشْرِي كَافَاعِلُ اس کی هُو کی ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے۔ نَفْسَهُ اس کا مفعول اول ہے اور مرکب اضافی ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ اس کا مفعول ثانی ہے اس لیے مضاف ابْتِغَاءَ پر نصب آئی ہے۔

### ترکیب

وَمِنَ النَّاسِ	مَنْ	يَشْرِي	نَفْسَهُ	ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ط
اور لوگوں میں وہ بھی ہیں	جنہوں نے	سودا کیا	اپنے آپ کا	اللہ کے راضی ہونے کی جستجو کرنے سے
وَاللَّهُ	رَعُوفٌ	بِالْعِبَادِ		
اور اللہ	بے تہا نرمی کرنے والا ہے	بندوں سے		

آیت نمبر 200 سے آیت زیت مطالعہ یعنی 207 تک میں چار قسم کے حاجیوں کا ذکر آیا ہے۔ لیکن ان کے لیے حاجی کے بجائے النَّاسِ لَ الْفَظ لایا گیا ہے۔ اس سے راہنمائی یہ ملتی ہے کہ جیسے معاشرے میں مختلف کردار کے لوگ ہوتے ہیں، ویسے حاجیوں میں بھی مختلف کردار کے لوگ ہوتے ہیں۔

آیت نمبر 200 میں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ کے الفاظ سے پہلی قسم کے حاجیوں کا ذکر ہوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا حج کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انہیں دنیا میں عزت و شہرت اور مقام و رتبہ حاصل ہو۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں حج کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ پھر آیت نمبر 201 میں وَمِنْهُمْ مَنْ کے الفاظ سے دوسری قسم کے حاجیوں کا ذکر ہوا۔ یہ لوگ دنیا اور آخرت دونوں جگہ کے فوائد کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ ان کو ان کی کمائی میں سے دونوں جگہ حصہ ملے گا۔ پھر آیت نمبر 204 میں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ کے الفاظ سے تیسری قسم کے حاجیوں کا ذکر ہوا۔ یہ SELF CENTRED لوگ ہیں یعنی انتہائی خود پسند لوگ جو اپنی ناک سے آگے کچھ نہیں دیکھتے اور اپنی بات کے آگے کسی کی بات کو اہمیت نہیں دیتے۔ یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات بھی نہیں سنتے۔ حالانکہ بات بات پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں۔ یہ لوگ حج کرنے کے بعد بھی اپنے مخالف کو پست کرنے کے لیے کسی زیادتی یا ظلم سے دریغ نہیں کرتے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور آیت زیر مطالعہ میں چوتھی قسم کے حاجیوں کا ذکر ہے۔ یہ لوگ حج سے اللہ کی رضا کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں رکھتے۔ ایسے بندوں سے اللہ تعالیٰ انتہائی نرمی کا معاملہ کرتا ہے۔ یعنی بشری تقاضوں کے تحت حج کے دوران ان سے جو بھی بھول چوک یا لغزش ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ سب معاف کر دیتا ہے۔

مذکورہ آیات کے مطالعہ سے بزرگوں کی اس بات میں بڑا وزن محسوس ہوتا ہے کہ جو کچھ آدمی کے اندر ہوتا ہے، حج کرنے کے بعد وہی نمایاں ہو جاتا ہے۔

### آیت نمبر (208)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ط إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٠٨﴾﴾

- (ن) كَفًّا (۱) ہتھیلی مار کر کسی کو روکنا۔ (۲) ہتھیلیوں سے کوئی چیز جمع کرنا۔ ﴿وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَنْكَ﴾ (5/ المائدہ: 110) ”اور جب میں نے روکا بنو اسرائیل کو آپ سے۔“
- كَفُّ اسم ذات بھی ہے۔ ہتھیلی۔ ﴿إِلَّا كَبَّاسِطٍ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ﴾ (13/ الرعد: 14) ”مگر اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پھیلانے کی مانند پانی کی طرف۔“
- كَفُّ فعل امر ہے۔ تو روک۔ ﴿كَفُّوْا أَيْدِيَكُمْ وَاقْبِلُوا الصَّلَاةَ﴾ (4/ النساء: 77) ”تم لوگ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز۔“

كَافَّةٌ

یہ فاعِل کے وزن پر اسم الفاعل کَافٌ ہے اور اس پر تائے مبالغہ ہے جیسے عَلَامَةٌ پر ہے۔ (۱) بہت زیادہ روکنے والا (۲) بہت زیادہ جمع کرنے والا۔ پھر اس سے مراد لیتے ہیں باجماعت۔ سب کے سب۔ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ﴾ (34/ سب: 28) ”اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام لوگوں کے لیے۔“ ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً﴾ (9/ التوبہ: 36) ”اور تم لوگ قتال کرو مشرکوں سے اکٹھا ہو کر۔“

ترکیب

فعل امر ادْخُلُوا کا مفعول السِّلْمِ ہے جو فی کے صلہ کی وجہ سے مجرور ہوا ہے جبکہ السِّلْمِ کا حال ہونے کی وجہ سے کَافَّةٌ منصوب ہے۔ لَا تَتَّبِعُوا فعل نہی کا مفعول مرکب اضافی خُطُوتِ الشَّيْطَانِ اس لیے اس کا مضاف خُطُوتِ حالتِ نصبی میں ہے۔

ترجمہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	اٰمَنُوا	ادْخُلُوا	فِي السِّلْمِ	كَافَّةً	وَلَا تَتَّبِعُوا
اے لوگو جو	ایمان لائے	تم لوگ داخل ہو	اسلام میں	کل کے ہل	اور پیروی مت کرو
خُطُوتِ الشَّيْطَانِ	إِنَّهُ	لَكُمْ	عَدُوٌّ مُّبِينٌ		
شیطان کے نقوش قدم کی	یقیناً وہ	تم لوگوں کے لیے	ایک کھلا دشمن ہے		

آیت نمبر (209)

﴿فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (۲۰۹)

ترکیب

إِنْ شرطیہ ہے۔ زَلَلْتُمْ سے الْبَيِّنَاتُ تک شرط ہے اور فَأَعْلَمُوا سے آخر تک جواب شرط ہے۔ جَاءَتْ کا مفعول لَمْ کی ضمیر ہے اور الْبَيِّنَاتُ اس کا فاعل ہے، یہ صفت ہے اور اس کا موصوف الْاَلَيْتُ مخذوف ہے۔

ترجمہ

فَإِنْ	زَلَلْتُمْ	مِّنْ بَعْدِ مَا	جَاءَتْكُمْ	الْبَيِّنَاتُ	
پھر اگر	تم لوگوں نے لغزش کھائی	اس کے بعد کہ جو	آئیں تمہارے پاس	واضح (نشانیوں)	
فَاعْلَمُوا	أَنَّ	اللَّهُ	عَزِيزٌ	حَكِيمٌ	
تو جان لو	کہ	اللہ	بالادست ہے	دانا ہے	

آیت نمبر (2/ البقرہ: 210)

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ط وَ إِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ (۲۱۰)



## ترکیب

اَنْ يَّاتِيْ كَامَفْعُوْلُ هُمْ کی ضمیر ہے، جبکہ اللہ اور الْمَلٰٓئِکَةُ اس کے فاعل ہیں۔ اَلْغَمَامِ اسم جنس ہے۔ اُردو میں یہ مفہوم بادلوں سے ادا ہوگا۔ قُضِيَ کا نائب فاعل اَلْاَمْرُ ہے اور اس پر لام جنس ہے، تُرْجِعْ کا نائب فاعل اَلْاُمُوْر ہے اور متعلق فعل اِلٰی اللہ کو تاکید کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔

## ترجمہ

هَلْ يَنْظُرُوْنَ	اِلَّا	اَنْ يَّاتِيَهُمْ	اللّٰهُ	فِيْ ظُلُمٍ
وہ لوگ کیا انتظار کرتے ہیں	سوائے اس کے	کہ آئے ان کے پاس	اللہ	سائبانوں میں

مِّنَ الْغَمَامِ	وَالْمَلٰٓئِکَةُ	وَقُضِيَ	اَلْاَمْرُ	وَإِلٰی اللّٰهِ
بادلوں کے	اور فرشتے	اور فیصلہ کیا جائے	سارے مسئلے کا	اور اللہ کی طرف ہی

تُرْجِعْ	اَلْاُمُوْر
لوٹائے جائیں گے	تمام مسئلے

## نوٹ-1

اگر آپ کسی سے پوچھیں کہ تم میوزیم گئے تھے، وہاں تم نے کیا دیکھا اور جواب میں وہ کہے کہ کیا دیکھا سوائے اس کے کہ..... اب نوٹ کریں کہ اس جواب میں حرف استفہام ”کیا“ نفی کے معنی دے رہا ہی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ۔ اسی طرح آیت میں ھَلْ بھی نفی کے مفہوم میں آیا ہے یعنی وہ لوگ کوئی انتظار نہیں کرتے سوائے اس کے کہ۔

## نوٹ-2

ماذہ ”ن ظ ر“ راہ دیکھنے یا انتظار کرنے کے معنی میں عام طور پر باب افتعال سے آتا ہے لیکن کبھی ثلاثی مجرد سے بھی اس مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ آیت اس کی ایک مثال ہے۔

## آیت نمبر (211)

﴿سَلْ بَنِي إِسْرَءِيلَ كَمْ آتَيْنَهُمْ مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۖ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۲۱۱﴾

## ترکیب

كَمْ استفہامیہ ہے۔ آيَةٍ بَيِّنَةٍ اس کی تیز ہے لیکن مَنْ کی وجہ سے مجرور ہوئی ہے۔ آتَيْنَا کی ضمیر مفعولی هُمْ، بَنِي إِسْرَءِيلَ کے لیے ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے۔ يُبَدِّلُ سے جَاءَتْهُ تک شرط ہے اس کے آگے جملہ جواب شرط کا ہے يُبَدِّلُ کا فاعل اس کی هُوَ کی ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے اور نِعْمَةَ اللّٰهِ اس کا مفعول ہے۔ جَاءَتْ کا فاعل اس کی هُوَ کی ضمیر ہے جو نِعْمَةَ اللّٰهِ کے لیے ہے اور اس کی هُوَ کی ضمیر مفعولی مَنْ کے لیے ہے۔

## ترجمہ

سَلْ	بَنِي إِسْرَءِيلَ	كَمْ	آتَيْنَهُمْ	مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ
آپ پوچھیں	بنی اسرائیل سے	کتنی	ہم نے دی ان کو	واضح نشانی

وَمَنْ يُبَدِّلْ	نِعْمَةً اللَّهُ	مِنْ بَعْدِ مَا	جَاءَتْهُ	31 إِنَّ اللَّهَ
اور جو بدلتا ہے	اللہ کی نعمت کو	اس کے بعد کہ جو	وہ آئی اس کے پاس	تو یقیناً اللہ

## شَدِيدُ الْعِقَابِ

پکڑنے میں سخت ہے

نوٹ-1

قاعدہ یہ ہے کہ لَمْ کے بعد والا اسم اگر منصوب ہو تو ایسا كَمْ استفہامیہ ہوتا ہے اور اگر اسم مجرور ہو تو وہ كَمْ خبریہ ہوتا ہے۔ اب اس کا ایک استثناء سمجھ لیں۔ كَمْ استفہامیہ اور اس کے اسم کے درمیان میں اگر کوئی دوسرا لفظ آجائے، جیسا کہ اس آیت میں أَتَيْنَهُمْ آیا ہے، تو اس کے اسم کو مَنْ لگا کر مجرور کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں بھی وہ كَمْ استفہامیہ ہی رہتا ہے اور خبریہ نہیں ہوتا۔

نوٹ-2

یہاں نِعْمَةً اللہ سے مراد اللہ کا دین ہے۔ اور اللہ کے دین کا حامل ہونے میں منصب امامت از خود شامل ہے۔ بنو اسرائیل نے اللہ کے دین میں تبدیلیاں کر کر کے اس کو اتنا مسخ کر دیا کہ اس میں صحیح اور غلط کا فرق کرنا ممکن نہ رہا اور دنیا کے لیے اس سے راہنمائی حاصل کرنے کا امکان ختم ہو گیا۔ اس لیے ان کو منصب امامت سے معزول کیا گیا۔

## آیت نمبر (212)

﴿زَيْنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (٣٣)

ز ي ن

(ض)

زَيْنًا

زَيْنَةً

کسی چیز کو خوبصورت بنانا۔ سجانا۔ آراستہ کرنا۔

اسم ذات ہے۔ وہ چیز جس سے کسی چیز کو سجا یا جائے۔ سجاوٹ۔ آرائش۔ ﴿مَنْ حَرَّمَ زَيْنَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ﴾ (7/ الاعراف: 32) ”کس نے حرام کیا اللہ کی اس سجاوٹ کو جو اس نے نکالی اپنے بندوں کے لیے۔“

تَزِينًا

(تفعیل)

بتدریج سجانا۔ خوب سجانا۔ ﴿وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (6/ الانعام: 43) ”اور سجا یا ان کے لیے شیطان نے اس کو جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔“ ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَبٌ اِلَيْكُمْ الْاِيْمَانُ وَزَيْنَةُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (49/ الحجرات: 7) ”اور لیکن اللہ نے محبوب بنایا تمہارے لیے ایمان کو اور اس نے سجا یا اس کو تمہارے دلوں میں۔“

تَزِينًا اور اِزْنًا بتکلف آراستہ ہونا۔ ﴿اِذَا اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ﴾ (10/ یونس: 24) ”جب پکڑا

زمین نے اپنا سنگھارا اور وہ آراستہ ہوئی۔“

(تفعّل)

ترکیب

زَيْنَ کا نائب فاعل الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ہے۔ الْحَيٰوةُ مؤنث غیر حقیقی ہے اس لیے اس کے فعل کے مذکر کا صیغہ بھی جائز ہے۔ لِلَّذِينَ كَفَرُوا متعلق فعل ہے۔ وَيَسْخَرُونَ کا واو عاطفہ ہے۔ يَسْخَرُونَ کی هُمْ کی ضمیر فاعلی لِلَّذِينَ كَفَرُوا



کے لیے ہے۔ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا کا واؤ استینافیہ ہے اس لیے اس سے پہلے وقف لازم ہے۔ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا مبتداء ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور ظرف فَوْقَهُمْ قائم مقام خبر ہے۔ اس میں هُمْ کی ضمیر لِلَّذِينَ كَفَرُوا کے لیے ہے۔ یَوْمَ الْقِيَمَةِ دوسرا ظرف ہے اور متعلق خبر ہے۔ يَرْزُقُ اور يَشَاءُ دونوں کا مفعول مَنْ ہے۔ يَشَاءُ کی هُوَ کی ضمیر فاعلی اللہ کے لیے ہے۔

ترجمہ	لِالَّذِينَ	كَفَرُوا	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	وَيَسْخَرُونَ	مِنَ الَّذِينَ
سجایا گیا	ان کے لیے جنہوں نے	ناشکری کی	دنوی زندگی کو	اور وہ لوگ مذاق کرتے ہیں	ان سے جو
اٰمَنُوْا	وَالَّذِيْنَ	اتَّقَوْا	فَوْقَهُمْ	يَوْمَ الْقِيَمَةِ	
ایمان لائے	اور وہ لوگ جنہوں نے	تقویٰ کیا	ان سے بالاتر ہوں گے	قیامت کے دن	
وَاللّٰهُ	يَرْزُقُ	مَنْ	يَشَاءُ	بِغَيْرِ حِسَابٍ	
اور اللہ	عطا کرتا ہے	اس کو جس کو	وہ چاہتا ہے	کسی شمار کے بغیر	

قرآن مجید میں ایک سو سے زیادہ مقامات پر لفظ يَشَاءُ آیا ہے اور پچاس سے زیادہ مقامات پر اس سے پہلے مَنْ یا لِمَنْ آیا ہے۔

نوٹ-1

ہمارے کچھ عقل پرست لوگ (عقل پسندی قرآنی ہدایات کے مطابق ہے لیکن عقل پرستی غلط ہے) ایسے مقامات پر مَنْ کو يَشَاءُ لے افاعل مان کر ترجمہ کرتے ہیں۔ آیت زیر مطالعہ قرآن مجید کے ان مقامات میں سے ایک ہے جہاں عقل پرستوں کی غلطی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

مَنْ کو اگر يَشَاءُ کا فاعل مان کر ترجمہ کریں تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیتا ہے جو چاہتا ہے۔ اب اگر ایمان داری سے سوچا جائے تو ہر غیر متعصب ذہن کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کون ہے جو نہیں چاہتا کہ اس کو بے شمار ملے۔ اور اس دنیا میں کون ہے جس کو اس کی خواہش کے مطابق ملا ہے۔ عام آدمی کا تو ذکر ہی چھوڑ دیں، یہ خواہش تو اپنے وقت کے کسی فرعون کی بھی پوری نہیں ہوئی۔ عقل پرستوں کی سوچ میں بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے چاہنے کو اپنے چاہنے پر قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بلکہ صحیح تر بات یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کا کوئی نسبت و تناسب نہیں ہے۔ ہمارا چاہنا ہمارے محدود علم، محدود سمجھ، بے لگام خواہشات، خاندان، برداری، ذات پات اور رنگ و نسل کے تعصبات کے تحت ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا چاہنا اس کی لامحدود صفات مثلاً علم، رأفت، رحمت اور حکمت وغیرہ کے مطابق ہوتا ہے۔ جو لوگ اس حقیقت کو سمجھ کر تسلیم کر لیتے ہیں، ان کو قرآن مجید کے مذکورہ مقامات کا وہ مفہوم سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی، جو صحابہ کرامؓ اُمت کو سمجھا گئے ہیں۔

### آیت نمبر (213)

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ۖ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغِيًّا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۖ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾﴾

## ترکیب

كَانَ النَّاسُ ہے اور مرکب توصیفی اُمَّةً وَاحِدَةً اس کی خبر ہے۔ فَبَعَثَ کا فاعل اللہ ہے، النَّبِيِّنَ کا مفعول ہے جبکہ مُبَشِّرِينَ اور مُنْذِرِينَ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ اَنْزَلَ میں هُوَ کی ضمیر فاعلی اللہ کے لیے ہے۔ مَعَهُمْ کی ضمیر النَّبِيِّنَ کے لیے ہے جبکہ اَنْزَلَ کا مفعول الْكِتَابَ ہے۔ لِيَحْكُمَ میں هُوَ کی ضمیر فاعلی الْكِتَابَ کے لیے اُوْتُوا کا نائب فاعل اَلَّذِينَ ہے اور اُوَ کی ضمیر اس کا مفعول ثانی ہے جو کہ الْكِتَابَ کے لیے ہے۔ بَغْيًا حال ہے۔

هَدَى۔ يَهْدِي کے دو مفعول آتے ہیں۔ مفعول اول یعنی جس کو ہدایت دی جائے بنفسہ آتا ہے۔ اور مفعول ثانی یعنی جس کی ہدایت دی جائے، ”إِلَى“ یا ”لِ“ کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ یہاں فَهَدَى کا فاعل اللہ ہے، جبکہ اَلَّذِينَ اٰمَنُوا اس کا مفعول اول ہے اور لِمَا مفعول ثانی ہے۔ اسی طرح وَاللّٰهُ يَهْدِي کا مفعول اول مَنْ يَّشَاءُ ہے اور اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ مفعول ثانی ہے۔

## ترجمہ

كَانَ النَّاسُ	اُمَّةً وَاحِدَةً	فَبَعَثَ	اللّٰهُ	النَّبِيِّنَ	مُبَشِّرِينَ
لوگ	ایک اُمت تھے	تو بھیجا	اللہ نے	انبیاء کو	بشارت دینے والا

وَمُنْذِرِينَ	وَاَنْزَلَ	مَعَهُمْ	الْكِتَابَ	بِالْحَقِّ	لِيَحْكُمَ
اور خبردار کرنے والا ہوتے ہوئے	اور اس نے اتاری	ان کے ساتھ	کتاب	برحق	تاکہ وہ فیصلہ کرے

بَيْنَ النَّاسِ	فِيْهَا	اِخْتَلَفُوْا	فِيْهِ	وَمَا اِخْتَلَفَ	فِيْهِ
لوگوں کے مابین	اس میں	انہوں نے اختلاف کیا	جس میں	اور اختلاف نہیں کیا	اس میں

اِلَّا الَّذِيْنَ	اُوْتُوْهُ	مِنْۢ بَعْدِ مَا	جَاءَتْهُمْ	الْبَيِّنَاتُ	
مگر ان لوگوں نے جن کو	وہ دی گئی	اس کے بعد کہ جو	آئیں ان کے پاس	کھلی نشانیاں	

بَغْيًا	بَيْنَهُمْ	فَهَدَى	اللّٰهُ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا
سرکشی کرتے ہوئے	آپس میں	پھر ہدایت دی	اللہ نے	ان لوگوں کو جو	ایمان لائے

اِخْتَلَفُوْا	فِيْهِ	مِنَ الْحَقِّ	بِاٰذْنِهٖ	وَاللّٰهُ	يَهْدِيْ
انہوں نے اختلاف کیا	جس میں	حق میں ہے	اپنے اذن سے	اور اللہ	ہدایت دیتا ہے

مَنْ	يَّشَاءُ	اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ			
اس کو جس کو	وہ چاہتا ہے	ایک سیدھے راستے کی طرف			

اس آیت کے شروع میں آیا ہے کہ پہلے سب لوگ دین پر کار بند تھے۔ اس کے بعد یہ بات مخدوف ہے کہ پھر ان میں اختلاف پیدا ہوئے، تب اللہ نے انبیاء کو بھیجا۔ اس بات کی تصدیق آیت کے اگلے حصے لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْهَا اِخْتَلَفُوْا فِيْهِ سے ہوتی ہے۔

## نوٹ-1



نوٹ-1

## آیت نمبر (215)

431

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝﴾

ترکیب

يَسْأَلُونَ کا فاعل اس کی ضمیر هُمْ ہے جو صحابہ کرامؓ کے لیے ہے۔ لے اس کی ضمیر مفعول ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ مَاذَا اسم استفہام ہے اور کیا، کچھ اور کتنا کے معنی میں آتا ہے۔ مَا أَنْفَقْتُ کا مَا شرطیہ ہے۔ أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ شرط ہے اور فَلِلَّوَالِدَيْنِ سے وَابْنِ السَّبِيلِ تک جواب شرط ہے۔ مِنْ خَيْرٍ کا مِنْ تبعیضیہ ہے اور أَنْفَقْتُ کا مفعول ہونے کی وجہ سے خَيْرٍ کا ترجمہ مال ہوگا۔ فَلِلَّوَالِدَيْنِ سے پہلے اس کا مبتداء هُوَ اور خبر دونوں محذوف ہیں۔ اس کے حرف جر ل پر عطف ہونے کی وجہ سے وَالْأَقْرَبِينَ سے وَابْنِ السَّبِيلِ تک الفاظ مجرور ہیں اور یہ سب محذوف مبتداء و خبر کے متعلق خبر ہیں۔ ابْنِ السَّبِيلِ واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے اور یہاں جمع کے معنی میں ہے۔

مَا تَفْعَلُوا کا مَا بھی شرطیہ ہے اس لیے تَفْعَلُونَ کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ شرط ہے اور فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ جواب شرط ہے۔ مِنْ خَيْرٍ کا مِنْ بھی تبعیضیہ ہے اور تَفْعَلُوا کا مفعول ہونے کی وجہ سے خَيْرٍ کا ترجمہ بھلائی ہوگا۔

عَلِمَ - يَعْلَمُ کا مفعول بنفسہ آتا ہے۔ یعنی عَلِمَ بہ نہیں کہتے بلکہ عَلِمَهُ کہتے ہیں۔ لیکن فعل تفضیل أَعْلَمُ اور عَلِيمٌ کے ساتھ ب کا صلہ آتا ہے جیسے اس آیت میں بِهِ عَلِيمٌ آیا ہے۔

ترجمہ

يَسْأَلُونَكَ	مَاذَا	يُنْفِقُونَ	قُلْ	مَا	أَنْفَقْتُ
وہ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے کہ	کتنا	وہ لوگ خرچ کریں	آپ کہہ دیجئے کہ	جو	تم لوگ خرچ کرو گے
مِنْ خَيْرٍ	فَلِلَّوَالِدَيْنِ	وَالْأَقْرَبِينَ	وَالْيَتَامَىٰ		
جتنا بھی مال	تو وہ ہے والدین کے لیے	اور قرابت داروں کے لیے	اور یتیموں کے لیے		
وَالْمَسْكِينِ	وَابْنِ السَّبِيلِ	وَمَا	تَفْعَلُوا	مِنْ خَيْرٍ	
اور مسکینوں کے لیے	اور مسافروں کے لیے	اور جو	تم لوگ کرو گے	کسی قسم کی کوئی بھلائی	
فَإِنَّ اللَّهَ	بِهِ	عَلِيمٌ			
تو یقیناً اللہ	اس کو	ہر حال میں جاننے والا ہے			

آگے آیت نمبر 219 میں یہی سوال پھر آ رہا ہے۔ البتہ وہاں پر جواب مختلف ہے۔ وہیں پر دونوں کی کچھ وضاحت کی جائے گی۔

نوٹ-1

## آیت نمبر (216)

﴿كُنْزَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كَرْهٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾

ک ر ہ

431

(ک) کَرَاهَةً بدناما ہونا۔ بُرا ہونا۔

(س) کَرْهًا اور کَرْهًا کسی چیز کو برا سمجھنا۔ ناپسند کرنا۔ ﴿وَيُحِثُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ﴾ (10/ یونس: 82) ”اور حق کرتا ہے اللہ حق کو اپنے فرمانوں سے اور اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ۔“

کَرْهٌ مصدر کے علاوہ صفت بھی ہے۔ ناپسندیدہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

كَارِهٌ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ ناپسند کرنے والا۔ ﴿وَ أَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَرِهُونَ﴾ (23/ المؤمنون: 70) ”اور ان کے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے ہیں۔“

مَكْرُوهٌ مَفْعُولٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ناپسند کیا ہوا یعنی ناپسندیدہ۔ ﴿كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 38) ”وہ سب، اس کی برائی، تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔“

(افعال) اِكْرَاهًا ناپسندیدہ کام پر مجبور کرنا۔ زبردستی کرنا۔ ﴿أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (10/ یونس: 99) ”تو کیا آپ زبردستی کریں گے لوگوں سے یہاں تک کہ وہ لوگ ہو جائیں مومن۔“

(تفعیل) تَكْرِهًا کسی کے لیے کسی چیز کو ناپسندیدہ بنا دینا۔ ﴿وَ كَرَّهَ إِلَيْكُمْ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ (49/ الحجرات: 7) ”اور اس نے ناگوار کر دیا تمہارے لیے کفر کو اور فسق کو اور نافرمانی کو۔“

ش ر ر

(ن-ض) شَرًّا فسادی ہونا۔ نقصان دہ ہونا۔ بُرا ہونا۔

شَرٌّ جِ أَشْرَارٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ فساد۔ برائی۔ آیت زیر مطالعہ۔ ﴿مَا لَنَا لَا نَلْزِي رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْأَشْرَارِ﴾ (38/ ص: 62) ”ہمیں کیا ہوا کہ ہم نہیں دیکھتے ان لوگوں کو جنہیں ہم شمار کیا کرتے تھے بُرائیوں میں سے۔“

شَرٌّ اسم جنس ہے۔ واحد شَرَرَةٌ اور شَرَارَةٌ۔ آگ کی اڑنے والی چنگاریاں۔ ﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرِّ كَالْقَصْرِ﴾ (77/ المرسلات: 32) ”بیشک وہ پھینکتی ہے چنگاریاں جیسے محل۔“

ترکیب

كُتِبَ كَانَا ب فاعل الْقِتَالُ ہے۔ هُوَ مبتداء ہے اور يه الْقِتَالُ کے لیے ہے، جبکہ كَرْهٌ اس کی خبر ہے۔ عَسَى فعل مقاربه ہے، اس کا اسم محذوف ہے اور جملہ فعلیہ اَنْ تَكْرَهُ هُوَا شَيْئًا اس کی خبر ہے۔ تَكْرَهُ هُوَا کا مفعول شَيْئًا ہے۔ وَ هُوَا خَيْرٌ کا واو حالیہ ہے اور هُوَا کی ضمیر شَيْئًا کے لیے ہے۔

ترجمہ

كُتِبَ	عَلَيْكُمْ	الْقِتَالُ	وَهُوَ	كَرْهٌ	لَكُمْ	وَعَسَى	أَنْ
فرض کیا گیا	تم لوگوں پر	جنگ کرنا	اور وہ	ناگوار ہے	تمہارے لیے	اور ہو سکتا ہے	کہ

تَكْرَهُوَا	شَيْئًا	وَ	هُوَ	خَيْرٌ	لَكُمْ	وَعَسَى
تم لوگ ناپسند کرو	کسی چیز کو	اس حال میں کہ	وہ	بھلائی ہے	تمہارے لیے	اور ہو سکتا ہے

أَنْ	نُحِبُّوَا	شَيْئًا	وَ	هُوَ	شَرٌّ	لَكُمْ	وَاللَّهُ
کہ	تم لوگ محبت کرو	کسی چیز سے	اس حال میں کہ	وہ	برائی ہے	تمہارے لیے	اور اللہ

يَعْلَمُ	وَأَنْتُمْ	لَا تَعْلَمُونَ ع
جانتا ہے	اور تم لوگ	نہیں جانتے

نوٹ-1

عربی کے افعالِ مقاربہ میں سے دو افعال قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ گاد۔ يَكَادُ آیت نمبر۔ (2/ البقرہ: 20) کے نوٹ-1 میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ دوسرا فعل عَسَى (اُمید ہے، ہو سکتا ہے) اس آیت میں آیا ہے۔ اب آپ ان کے قواعد سمجھ لیں۔

U افعال ناقصہ کی طرح افعالِ مقاربہ بھی کسی جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں، جس کا مبتداء ان کا اسم کہلاتا ہے اور حالت رقی میں رہتا ہے۔ جبکہ ان کی خبر حالت نصبی میں ہوتی ہے۔

V افعال ناقصہ اور افعالِ مقاربہ میں فرقہ یہ ہے کہ افعالِ مقاربہ کی خبر کی جگہ ہمیشہ کوئی فعل مضارع آتا ہے جو اپنی ضمیر فاعلی کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ بن کر فعلِ مقاربہ کی خبر بنتا ہی اور محلاً حالت نصبی میں سمجھا جاتا ہے۔ جیسے عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَذُّوَكُمْ (7/ الاعراف: 129) اس میں عَسَى کا اسم رَبُّكُمْ ہے اس لیے اس کے مضاف پر رفع آئی ہے۔ اَنْ يُهْلِكَ فعل مضارع اور عَذُّوَكُمْ اس کا مفعول، یہ جملہ فعلیہ عَسَى کی خبر ہے اور محلاً حالت نصبی میں ہے۔

W افعالِ مقاربہ کے بعد جو فعل مضارع آتا ہے اس پر اَنْ لگانا جائز ہے، ضروری نہیں ہے۔ لیکن عَسَى کے بعد اس کو لگانا بہتر ہے، جبکہ گاد کے بعد نہ لگانا بہتر ہے۔

X عَسَى کے اسم کو محذوف بھی کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ آیت زیر مطالعہ میں ہے اور اس کے اسم کو فعل مضارع کے بعد بھی لاسکتے ہیں جیسے ﴿عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 79) اس میں اَنْ يَبْعَثَ فعل مضارع اور اَنْ اس کی ضمیر مفعولی ہے، جبکہ عَسَى کا اسم رَبُّكَ ہے جو فعل کے بعد آیا ہے۔ لیکن یہ صورتیں گاد کے ساتھ جائز نہیں ہیں۔

Y گاد (ماضی) اور يَكَادُ (مضارع)، دونوں کے صیغے استعمال ہوتے ہیں لیکن عَسَى کے صرف ماضی کے صیغے مستعمل ہیں۔

Z شَرَعَ۔ طَفِقَ۔ جَعَلَ۔ قَامَ اور أَخَذَ افعالِ مقاربہ نہیں ہیں لیکن کبھی یہ افعالِ مقاربہ کی طرح استعمال ہوتے ہیں۔ اس وقت ان کے فعل مضارع کے ساتھ اَنْ نہیں آتا اور ایسی صورت میں ان سب کے معنی ہوتے ہیں، مذکورہ کام شروع کرنا یا کرنے لگنا۔ جیسے أَخَذَ الْطِفْلُ يَمَشِي۔ یہاں اگر أَخَذَ کو فعل اصلی مانیں تو اس جملے کا مطلب ہوگا ”بچے نے پکڑا وہ چلتا ہے“۔ یہ بات مبہم ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ یہاں أَخَذَ فعلِ مقاربہ کی طرح آیا ہے اور اس جملے کا مطلب ہے ”بچے نے چلنا شروع کیا یا چلنے لگا۔“

نوٹ-1

ہم میں سے ہر شخص کو BLESSING IN DISGUISE (برائی کے بھیس میں بھلائی) کا تجربہ ہے لیکن یہ تجربہ کبھی بھار ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کبھی کسی برائی میں پوشیدہ بھلائی ذرا جلدی سامنے آ جاتی ہے تو ہمارا ذہن ان کے مابین ربط کو پہچاننے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ یہ وہ بھلائی ہے جو فلاں برائی کے بھیس میں میرے پاس آئی تھی۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پوشیدہ بھلائی کا ظہور اتنے وقفہ کے بعد ہوتا ہے کہ ہم اس کے ربط کو پہچان نہیں پاتے۔ جو لوگ اس پہلو سے اپنے حالات پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں وہ اس نوعیت کے روابط کو دوسروں سے زیادہ پہچان لیتے ہیں اور اس حقیقت پر ان کا ایمان اتنا پختہ ہوتا ہے جتنا کہ ہونا چاہیے۔

اس آیت کی راہنمائی میں صحیح طرزِ فکر یہ ہے کہ جب ہماری کسی کوشش اور جدوجہد کا نتیجہ ہماری توقع کے مطابق نہ نکلے تو ہمیں یقین کر لینا چاہیے کہ یہ منجانب اللہ ہے، کیونکہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی یہ بھی جنبش نہیں کر سکتا۔ پھر ہمیل کوڈ کو یاد دلانا چاہیے کہ اللہ ہمارا رب ہے اور وہ ہم سے بڑھ کر ہمارا خیر خواہ ہے۔ اس کے ہاتھ میں خیر ہے اور وہ اس پر قادر ہے کہ وہ رات میں سے دن کو نکال لائے۔ اس لیے یقیناً اس میں ہمارے لیے کوئی خیر ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آرہی ہے، لیکن وہ اس وقت یقیناً ظاہر ہوگی جب اس کا ظاہر ہونا ہمارے حق میں مفید ہے۔

سوچ کا یہ انداز ایسے حقائق پر مبنی ہے جو پوری طرح ہمارے ذہن کی گرفت میں نہیں آتے لیکن ایک انسان سچے یقین کے ساتھ اگر سوچ کا یہ انداز اختیار کر لے تو اس کی نفسیاتی صحت کے لیے یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ایک ٹانک ہے جو اسے بے شمار نفسیاتی بیماریوں (PSYCHOLOGICAL DISORDERS) سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ اس کی نقد بھلائی ہے۔ اور پوشیدہ بھلائی کا ظہور تو اپنے وقت پر ہوگا ہی، خواہ ہم اس کے ربط کو پہچانیں یا نہ پہچانیں۔



431

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة البقرة (۲)

آیت نمبر (217)

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدُّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكَفْرٌ بِهِ  
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا يَزَالُونَ  
يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ  
كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا  
خَالِدُونَ ﴿۲۱۷﴾﴾

ص د د

صَدًّا اور صُدُّوْداً (۱) کسی چیز سے رُک جانا۔ (لازم)۔ (۲) کسی کو کسی چیز سے روک دینا۔ (متعدی)۔ ﴿فِيْنَهُمْ

(ن-ض)

﴿مَنْ أَمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۖ﴾ (4/النساء: 55) ”تو ان میں وہ بھی ہیں جو ایمان لائے  
اس پر اور ان میں وہ بھی ہیں جو رُک گئے اس سے۔“ ﴿أَنَحْنُ صَدَدُنْكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ﴾  
(34/سبا: 32) ”کیا ہم نے روکا تم کو ہدایت سے۔“

صَدِيدٌ کا وزن ہے۔ خون ملا ہوا مواد۔ پیپ (کیونکہ یہ کھال اور گوشت کے درمیان رُکاوت ہوتی  
ہے)۔ ﴿وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ﴾ (14/ابراہیم: 16) ”اور وہ پلایا جائے گا پیپ والے پانی  
میں سے۔“

ز ی ل

(ف)

کسی چیز کا اپنی جگہ سے ہٹنا۔ زائل ہونا۔

مَا زَالَ اور لَا يَزَالُ افعال ناقصہ میں سے ہیں۔ (2/البقرہ: 57، نوٹ۔ 1)

تَزَيَّلَا (تفعیل) الگ کرنا۔ جُدا کرنا۔ ﴿ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ ۖ  
فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ﴾ (10/یونس: 28) ”پھر ہم کہیں گے ان سے جنہوں نے شرک کیا کہ رہو اپنی جگہ، تم  
بھی اور تمہارے شرکاء بھی، پھر ہم الگ الگ کریں گے ان کو ایک دوسرے سے۔“  
تَزَيَّلَا (تفعّل) الگ الگ ہونا۔ ﴿لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ﴾ (48/الفتح: 25) ”اگر وہ لوگ الگ  
الگ ہوتے تو ہم ضرور عذاب دیتے ان کو جنہوں نے کفر کیا ان میں سے۔“

ح ب ط

(س)

حَبَطَا کسی چیز کا کارت ہونا۔ بے کار ہونا۔ ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ﴾ (5/المائدہ: 5)  
”اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا تو اس کا کارت گیا اس کا عمل۔“

إِحْبَاكًا (انفعال) کسی چیز کو کارت کر دینا۔ ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَآ أَنزَلَ اللَّهُ فَحَبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ (47/محمد: 9)  
”یہ اس لیے کہ انہوں نے ناپسند کیا اس کو جو اللہ نے اتارا تو اس نے کارت کر دیا ان کے اعمال کو۔“

ترکیب

الشَّهْرِ پر لام جنس ہے اور الْحَرَامِ اس کی صفت ہونے کی وجہ سے معرّف باللام ہے۔ اس مرکب توصیفی کا بدل



ہونے کی وجہ سے قِتَالِ مجبور ہے۔ فِیْہِ کی ضمیر الشَّہْرِ الْحَرَامِ کے لیے ہے اور لفظی رعایت کے تحت تمیزاً 434 حد آئی ہے لیکن لام جنس کی وجہ سے دونوں جگہ ترجمہ جمع میں ہوگا۔ قُلْ کے بعد قاعدہ کلیہ کا بیان ہے اس لیے قِتَالِ مبتداء مکرہ آیا ہے اور کَبِیْرُ اس کی خبر ہے اور یہ صفت ہے۔ جبکہ اس کا موصوف اِثْمٌ محذوف ہے۔ وَصَدُّ سے اَہْلِہِ مِنْہُ تک پورا فقرہ مبتداء ہے۔ اس میں یہ کی ضمیر سَبِیلِ اللہ کے لیے ہے۔ سَبِیلُ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اس لیے مذکر ضمیر بھی جائز ہے۔ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی جز بتا رہی ہے کہ یہ صَدُّ عَنْ پر عطف ہے۔ اَہْلِہِ اور مِنْہُ کی ضمیریں الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے لیے ہیں۔ اَکْبَرُ اس پورے فقرے کی خبر ہے اور اس کی تمیزاً ثَمًا محذوف ہے۔ وَالْفِتْنَةُ پر لام جنس ہے۔

لَا یَزَالُ النَّون سے عَنْ دِیْنِکُمْ تک جواب شرط ہے اور اِنْ اسْتَطَاعُوا اس کی شرط ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے۔ یَزْتَدِیْدُ سے کَافِرٌ تک شرط ہے جبکہ فَأُولَئِکَ سے وَالْآخِرَةُ تک جواب شرط ہے۔ شرط ہونے کی وجہ سے یَزْتَدِیْدُ اور یَمُتُ مجزوم ہیں۔ اَعْمَالٌ غیر عاقل کی جمع مکر ہے اس لیے فعل حَبِطَتْ واحد مؤنث آیا ہے۔ الدُّنْیَا اور الْآخِرَةُ دونوں صفت ہیں اور ان دونوں کا موصوف الْحَیْوَةُ محذوف ہے۔

ترجمہ

یَسْأَلُونَكَ	عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ	قِتَالِ فِیْہِ ط
وہ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے	محترم مہینوں کے بارے میں	(یعنی) ان میں جنگ کرنے کے بارے میں

قُلْ	قِتَالٌ	فِیْہِ	کَبِیْرٌ ط	وَصَدُّ	عَنْ سَبِیلِ اللہ	وَكُفْرًا
آپ کہہ دیجئے	جنگ کرنا	ان میں	بڑا (گناہ) ہے	اور روکنا	اللہ کے راستے سے	اور انکار کرنا

یہ	وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ق	وَإِخْرَاجُ أَهْلِہِ	مِنْہُ	اَکْبَرُ
اس کا	اور مسجد حرام (سے روکنا)	اور اس کے لوگوں کو نکالنا	اس سے	زیادہ بڑا (گناہ) ہے

عِنْدَ اللہ ع	وَالْفِتْنَةُ	اَکْبَرُ	مِنَ الْقَتْلِ ط	وَلَا یَزَالُ النَّون
اللہ کے نزدیک	اور ہر تشدد	زیادہ بڑا (گناہ) ہے	قتل سے	اور ہمیشہ

یُقَاتِلُونَكُمْ	حَتَّى	یَزُدُّوکُمْ	عَنْ دِیْنِکُمْ
وہ لوگ جنگ کریں گے تم لوگوں سے	یہاں تک کہ	وہ پھیر دیں تم کو	تمہارے دین سے

إِنْ اسْتَطَاعُوا ط	وَمَنْ	یَزْتَدِیْدُ	مِنْکُمْ	عَنْ دِیْنِہِ	فِیْمَتْ
اگر ان کے بس میں ہو	اور جو	واپس پھرا	تم میں سے	اپنے دین سے	پھر وہ مرا

وَهُوَ	کَافِرٌ	فَأُولَئِکَ	حَبِطَتْ	أَعْمَالُہُمْ	فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ ع
اس حال میں کہ وہ	کافر ہے	تو وہ لوگ ہیں	اکارت ہوئے	جن کے اعمال	دنیا اور آخرت میں

وَأُولَئِکَ	أَصْحَابُ النَّارِ ع	ہُمْ	فِیْہَا	خَلِدُونَ
اور وہ لوگ	آگ والے ہیں	وہ لوگ	اس میں	ہمیشہ رہنے والے ہیں

نوٹ-1

آیت نمبر 2/البقرہ: 191 کے نوٹ-3 میں کہا گیا تھا کہ وہاں پر لفظ فتنہ تشدد کے معنی میں آیا ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ آیت زیر مطالعہ اس بات کی سند ہے۔ کیونکہ یہاں جبر و تشدد کی مثالیں دینے کے بعد وہی بات کہی گئی ہے کہ تشدد خواہ کسی بھی شکل میں ہو، وہ بہر حال قتل سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔

نوٹ-2

اِزْتِدَادُ کا اصل مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوا اور پھر اسلام چھوڑ کر اپنے پہلے مذہب میں واپس چلا گیا۔ ابتداء اسلام میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوتا تھا۔ اور مُرْتَد ایسے شخص کو کہتے تھے جو اسلام چھوڑ کر اپنے پرانے مذہب میں واپس جائے۔ لیکن اصطلاحاً اب یہ ایسے لوگوں کے لیے بھی استعمال ہونے لگا ہے جو اسلام میں تھے اور پھر انہوں نے کوئی دوسرا مذہب قبول کر لیا۔

### آیت نمبر (218)

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (۲۱۸)

ہ ج ر

ہَجَرًا (ن)

(۱) قطع تعلق کرنا۔ چھوڑنا۔ (۲) نیند یا بیماری میں بڑبڑانا۔ بلا سوچے سمجھے بکواس کرنا۔ ﴿يَه سِيرًا تَهْجُرُونَ﴾ (23/المؤمنون: 67) ”رات کی مجلس میں تم لوگ بکواس کرتے ہو۔“  
فعل امر ہے۔ تو قطع تعلق کر۔ تو چھوڑ ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ (74/المدثر: 5) ”اور گندگی کو آپ چھوڑیں۔“

أَهْجُرُ

اسم المفعول ہے۔ قطع تعلق کیا ہوا۔ چھوڑا ہوا۔ ﴿يَرْبِ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ (25/الفرقان: 30) ”اے میرے رب بیشک میری قوم نے بنایا اس قرآن کو قطع تعلق کیا ہوا۔“

مَهْجُورٌ

(اس کا مصدر هَجَرَ نہیں آتا۔ مَهْجَرَةٌ جائز ہے لیکن زیادہ تر خلاف معمول هَجَرَةٌ استعمال ہوتا ہے)۔ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو اپنانا۔ ہجرت کرنا۔ ﴿يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ﴾ (59/الحشر: 9) ”وہ لوگ محبت کرتے ہیں ان سے جنہوں نے ہجرت کی ان کی طرف۔“

هَجَرَةً

(مفاعلة)

اسم الفاعل ہے۔ ہجرت کرنے والا۔ ﴿إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي﴾ (29/العنکبوت: 26) ”بیشک میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔“

مُهَاجِرٌ

ر ج و

رَجُوا (ن)

کسی سے اُمید باندھنا۔ اُمید کرنا۔ ﴿وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ﴾ (4/النساء: 104) ”اور تم لوگ اُمید رکھتے ہو اللہ سے اس کی جس کی وہ لوگ اُمید نہیں رکھتے۔“

رَجُوا

فعل امر ہے۔ تو اُمید رکھ۔ ﴿يَقُومُوا عِبَادًا لِلَّهِ وَأَرْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ (29/العنکبوت: 36) ”اے میری قوم تم لوگ بندگی کرو اللہ کی اور اُمید رکھو آخرت کی۔“

أَرْجُ

اسم المفعول ہے۔ اُمید کیا ہوا (جس سے اُمیدیں وابستہ ہوں)۔ ﴿يُضْلِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا﴾ (11/هود: 62) ”اے صالح“ تو رہا ہے ہم میں اُمید کیا ہوا اس سے پہلے۔“

مَرْجُوءٌ

ج آرجاء۔ کسی چیز کا کنارہ ﴿وَالْمَلِكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَاط﴾ (69/الحاقة: 17) ”اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے۔“

رَجَاءٌ



(افعال) اِرْجَاءُ

کسی کو اُمید دلانا۔ ٹال دینا۔ مؤخر کرنا۔ ﴿تَرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ﴾ (33/ الاحزاب: 51) ”آپ پیچھے کریں اس کو جس کو آپ چاہیں ان میں سے۔“

اَنْج

فعل امر ہے۔ تو ٹال۔ مؤخر کر۔ ﴿اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ اَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ﴾ (7/ الاعراف: 111) ”تو ٹال دے اس کو اور اس کے بھائی کو اور تو بھیج شہروں میں جمع کرنے والوں کو۔“

ترکیب

اَلَّذِيْنَ سے سَبِيْلُ اللّٰهِ تک اِنَّ کا اسم ہے جبکہ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ط اس کی خبر ہے۔ جمع مؤنث سالم کے علاوہ جس لفظ کے لام کلمہ پر تا آتی ہے اسے تائے مبسوط سے لکھتے ہیں جیسے وَقْتُ۔ اس کو وَقْطٌ لکھنا غلط ہے۔ اس کے علاوہ زیادہ تر تائے مربوط استعمال ہوتی ہے۔ رَحْمَةٌ بھی تائے مربوط سے ہی لکھا جاتا ہے جبکہ رَحْمَتٌ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔

ترجمہ

اِنَّ	اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	وَالَّذِيْنَ	هَاجَرُوْا	وَجَهْدُوْا	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
بیشک	جو لوگ ایمان لائے	اور جن لوگوں نے	ہجرت کی	اور جہاد کیا	اللہ کی راہ میں

اُولٰٓئِكَ	يَرْجُوْنَ	رَحْمَتَ اللّٰهِ ط	وَاللّٰهُ	عَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ
وہ لوگ	اُمید رکھتے ہیں	اللہ کی رحمت کی	اور اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہے	ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

## آیت نمبر (219)

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۚ بَوَ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰلَآئِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۳۱۹﴾  
 فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط

خ م ر

(ن) خَمْرًا

کسی چیز کو ڈھانپنا۔ چھپانا۔

خَمْرٌ

اسم ذات بھی ہے۔ شراب۔ (کیونکہ یہ عقل کو ڈھانپ دیتی ہے)۔ آیت زیر مطالعہ۔

خِمَارٌ

ج خَمْرٌ۔ اسم ذات ہے۔ ڈوپٹہ۔ اوڑھنی۔ ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوْبِهِنَّ﴾ (24/ النور: 31) ”اور خواتین کو چاہیے کہ وہ لپیٹیں اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر۔“

ف ک ر

فَكَّرًا

معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے چھان بین کرنا۔ سوچ و چار کرنا۔

تَفَكُّيرًا

تسلسل سے سوچ و چار کرتے رہنا۔ کثرت سے سوچ و چار کرنا۔ ﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ﴾ (74/ المدثر: 18) ”بیشک اس نے بہت سوچ و چار کیا اور طے کیا۔“

تَفَكُّرًا

بتکلف سوچ و چار کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

(ض)

(تفعیل)

(تفعّل)

ترکیب

اِثْمٌ كَبِيْرٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ اس کی خبر وَاجِبٌ محذوف ہے اور قائم مقام خبر فِيْهِمَا مقدم ہی اور اس کی ضمیر

الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ کے لیے ہے۔ مَنَافِعُ بھی مبتداء نکرہ ہے۔ اس کی خبر مَوْجُودٌ مخدوف ہے اور لِلنَّاسِ قائم مقام خبر ہے۔  
الْعَفْوُ کی نصب بتا رہی ہے کہ اس سے پہلے اَنْفَقُوا مخدوف ہے۔

یَسْأَلُونَكَ	عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط	قُلْ	فِيهِمَا
وہ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے	جوئے اور شراب کے بارے میں	آپ کہہ دیجئے	ان دونوں میں
إِنَّكُمْ كَذِبٌ	وَمَنَافِعُ	لِلنَّاسِ ۖ	وَأَشْهُمَا
ایک بڑا گناہ ہے	اور کچھ فائدہ اٹھانے کی چیزیں ہیں	لوگوں کے لیے	اور ان دونوں کا گناہ
مِنْ تَفْعِهِمَا ط	وَيَسْأَلُونَكَ	مَاذَا	يُنْفِقُونَ ۚ
ان دونوں کے فائدے سے	اور وہ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے	کیا کچھ	وہ لوگ خرچ کریں
الْعَفْوُ ط	كَذَلِكَ	يُبَيِّنُ	اللَّهُ
(خرچ کرو) اضافی کو	اس طرح	واضح کرتا ہے	اللہ
لَعَلَّكُمْ	تَتَفَكَّرُونَ	فِي الدُّنْيَا	وَالْآخِرَةِ ط
شانہ کہ تم لوگ	سوچ و چار کو	دنیا میں	اور آخرت میں

ترجمہ

آیت نمبر۔ (2/ البقرہ: 184) کے نوٹ۔ 1 میں بتایا جا چکا ہے کہ اسلام کے کچھ احکام بتدریج نافذ کیے گئے تھے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں بھی شراب اور جوئے کے متعلق پہلا عبوری حکم آیا ہے۔ اور اس میں اس اصول کی طرف راہنمائی کی گئی ہے کہ اگر کسی چیز کے نقصانات اس کے فوائد سے زیادہ ہوں تو اس کو چھوڑ دینے میں ہمارا اپنا بھلا ہے۔  
شراب کے متعلق دوسرا عبوری حکم سورۃ النساء کی آیت۔ 43 میں آیا جب نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔ اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیت۔ 90 میں شراب اور جوئے کے ساتھ کچھ اور چیزوں کو حتمی طور پر حرام قرار دے دیا گیا۔

نوٹ۔ 1

آیت نمبر 215 اور آیت زیر مطالعہ میں انفاق کے متعلق سوال اور اس کے جواب کی وضاحت معارف القرآن میں تفصیل سے کی گئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:-

نوٹ۔ 2

U پہلے سوال میں پوچھا گیا تھا کہ کتنا خ ۵ بچ کریں اور کہاں خرچ کریں؟ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ ہمارے انفاق کے مستحق کون لوگ ہیں اور کتنا خرچ کریں؟ کے جواب میں اصول بتا دیا کہ مالی انفاق ہو یا کوئی اور بھلائی ہو، جو بھی نیکی ہم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے، یعنی اس کا ثواب ہم کو مل جائے گا۔ دوسرے سوال میں صرف یہ پوچھا گیا کہ تکان خرچ کریں؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ جو ضرورت سے زائد ہو وہ خرچ کرو۔

V ان دونوں سوالات کا تعلق نفلی انفاق سے ہے۔ کیونکہ فرض انفاق یعنی زکوٰۃ کے نصاب، اس کی مقدار اور اس کے مستحقین کے متعلق صحابہ کرامؓ کو ابہام نہیں تھا۔ (چونکہ نفلی عبادات میں مقدار کا تعین نہیں ہوتا، اس لیے ان سوالات کے جواب میں بھی مقدار کا تعین نہیں کیا گیا۔ مرتب)

W نفلی انفاق کے مستحقین میں سرِ فہرست والدین اور رشتہ دار ہیں۔ اگر ثواب کی نیت سے ان کو تحفہ دیا جائے یا کھلایا جائے تو یہ انفاق فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔

X اپنے زیرِ کفالت اہل و عیال کو تنگی میں ڈال کر انفاق کرنا ثواب نہیں ہے۔

Y جو کچھ ضرورت سے زائد ہو وہ سارا کا سارا اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا ضروری یا واجب نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کے عمل سے یہ بات ثابت ہے۔

نوٹ-3

اس مطالعہ کا چوڑا اپنی سمجھ میں تو بس اتنا سا آیا ہے کہ جب ایک مرتبہ ہم کو بتا دیا گیا کہ ہم جو بھی نیکی کریں گے اس کا ثواب ہمیں ملے گا، ثواب ہر شخص کو خوفِ فیصلہ کرنا چاہیے کہ اسے کتنے ثواب کی ضرورت ہے۔ اس میں اللہ میاں سے پوچھنے کی کیا بات ہے، اور جس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا وہ سوال علماء کرام سے پوچھنے کا کیا تک ہے۔

### آیت نمبر (220)

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ط قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ ط وَإِنْ تُخَاطَبُوا عَنْهُ ط فَأَخَذْنَاهُمْ ط وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ط وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ط إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾﴾

خ ل ط

مختلف چیزوں کے اجزاء کو باہم ملا دینا۔ ﴿خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا ط﴾ (9/ التوبہ: 102) ”ان لوگوں نے ملایا نیک عمل کو اور دوسرے بُرے کو یعنی بُرے عمل کو۔“

خَلِيطٌ ج خُلَاطَاءُ۔ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ حصہ دار۔ شریک۔ ﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَاطَاءِ لَكَيِّنِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ (38/ ص: 24) ”اور بیشک شرکاء میں سے اکثر زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر۔“

مُخَالَطَةٌ اور خِلَاطًا کسی کے ساتھ میل جول رکھنا۔ رَل مل کر رہنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

اِخْتِلَاطًا مختلف چیزوں کا ایک دوسرے سے مل جانا۔ گتہ جانا۔ ﴿فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ﴾ (10/ یونس: 24) ”تو گتہ گیا اس سے زمین کا سبزہ۔“

ع ن ت

عَنْتًا مشکل میں پڑنا۔ ﴿وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ج﴾ (3/ آل عمران: 118) ”وہ لوگ آرزو کرتے ہیں اس کی جس سے تم لوگ مشکل میں پڑو۔“

اِعْنَانًا کسی کو مشکل میں ڈالنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

إِصْلَاحٌ لَهُمْ مبتداء ہے اور خَيْرٌ اس کی خبر ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے۔ تُخَاطَبُوا شرط ہے۔ فَأَخَذْنَاهُمْ جواب شرط ہے اور یٰہِ خَیْرُ ہے۔ اس کا مبتداء ہُمْ مخذوف ہے۔ اَلْمُفْسِدَ اور اَلْمُصْلِحَ پر لام جنس ہے۔ لَوْ شرطیہ ہے۔ شَاءَ اللہ شرط ہے اور لَاَعْنَتَكُمْ جواب شرط ہے۔

ترجمہ

وَيَسْأَلُونَكَ	عَنِ الْيَتَامَىٰ	قُلْ
اور وہ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے	یتیموں کے بارے میں	آپ کہہ دیجئے

إِصْلَاحٌ	لَهُمْ	خَيْرٌ	وَأِنْ	تُخَالِطُوهُمْ	فَأَخَوَانِكُمْ
سنوارنا	ان کے لیے	ایک بھلائی ہے	اور اگر	تم لوگ رل مل کر رہو ان کے ساتھ	تو وہ تمہارے بھائی ہیں

وَاللَّهُ	يَعْلَمُ	الْمُفْسِدَ	مِنَ الْمُصْلِحِ	وَكُوْ	شَاءَ	اللَّهُ
اور اللہ	جانتا ہے	فسادی لوگوں کو	اور اصلاح کرنے والوں کو	اور اگر	چاہتا	اللہ

لَاَعْتَنُكُمْ	إِنَّ اللَّهَ	عَزِيزٌ	حَكِيمٌ
تو وہ مشکل میں ڈالتا تم لوگوں کو	یقیناً اللہ	بالادست ہے	حکمت والا ہے

نوٹ-1

آیت نمبر (2/ البقرہ: 184) کے نوٹ-1 میں بتایا گیا تھا کہ اسلام کے کچھ احکام بتدریج نافذ کیے تھے۔ اب نوٹ کر لیں کہ کچھ احکام میں صورتحال اس کے برعکس بھی تھی۔ یعنی پہلے سخت حکم آیا اور پھر بعد میں اس میں نرمی کی گئی۔ آیت زیر مطالعہ اس قسم کے احکام کی ایک مثال ہے۔

پہلے آیت نمبر۔ (6/ البقرہ: 152) میں حکم آیا تھا کہ یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ سوائے اس طریقے کے جو بہترین ہو۔ پھر آیت نمبر (17/ بنی اسرائیل: 34) میں بالکل انہیں الفاظ میں اس حکم کا اعادہ کیا گیا۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اپنے زیر کفالت یتیموں کا حساب کتاب بالکل الگ کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کے کھانے بھی الگ پکتے تھے اور اس میں سے یتیم کے علاوہ کوئی دوسرا فرد کچھ نہیں کھاتا تھا۔ اس کی وجہ سے کچھ قباحتیں بھی پیدا ہوئیں اور مغائرت اور دوری کا احساس بھی پیدا ہوا۔ صحابہ کرامؓ نے جب یہ مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آیت میں نرمی کی گئی۔

### آیت نمبر (221)

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ يُوْمِنَ ۖ وَلَا مَٰمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ ۚ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ ۚ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۚ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۚ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۚ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝﴾

ن ک ح

(ض)

نکحاً شادی کرنا۔ کسی سے نکاح کرنا۔ ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (2/ البقرہ: 230) ”تو وہ خاتون حلال نہیں ہے اس کے لیے اس کے بعد یہاں تک کہ وہ خاتون نکاح کرے کسی شوہر سے اس کے علاوہ۔“

انکح فعل امر ہے۔ تو نکاح کر۔ ﴿فَأَنْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ﴾ (4/ النساء: 25) ”پس تم لوگ نکاح کرو ان خواتین سے ان کے گھر والوں کی اجازت سے۔“

نِكَاحٌ

شادی۔ نکاح۔ ﴿إِلَّا أَنْ يَعْفُوَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عَقْدُ النِّكَاحِ ط﴾ (2/ البقرہ: 237)  
 ”سوائے اس کے کہ وہ خواتین معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔“

إِنكَاحًا

(افعال)

کسی کو کسی کے نکاح میں دینا۔ ﴿إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ﴾ (28/ القصص: 27)  
 ”پیشک میں ارادہ رکھتا ہوں کہ میں نکاح میں دوں تیرے، اپنی دو میں سے ایک بیٹی کو۔“

أَنْكِحَ

فعل امر ہے۔ تو نکاح میں دے۔ ﴿وَ أَنْكِحُوا الْأَيَّامِي مِنْكُمْ﴾ (24/ النور: 32)  
 ”اور تم لوگ نکاح میں دو اپنوں میں سے بیواؤں کو۔“

اسْتَنْكَحًا

(استفعال)

کسی سے نکاح کرنا یا نکاح چاہنا۔ ﴿إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا﴾ (33/ الاحزاب: 50)  
 ”اگر ارادہ کریں یہ نبی کہ وہ نکاح کریں اس سے۔“

ع م و

(ن)

أُمُوَّةٌ

کسی عورت کا لونڈی بننا۔ کنیز بننا۔

أَمَةٌ

ج اماء۔ اسم ذات ہے۔ لونڈی۔ کنیز۔ آیت زیر مطالعہ۔ ﴿وَ أَنْكِحُوا الْأَيَّامِي مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ط﴾ (24/ النساء: 32)  
 ”اور تم لوگ نکاح میں دو اپنوں میں سے بیواؤں کو اور اپنے نیک غلاموں کو اور کنیزوں کو۔“

ترکیب

لَا تُنْكِحُوا باب ضرب سے فعل نہی ہے۔ اس کا فاعل اس میں أَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ الْمُسْرِكَاتِ اس کا مفعول ہے۔ یَوْمِنْ جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے اس لیے اس پر حَتَّى کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔ أَمَةٌ مُؤْمِنَةٌ مبتداء مکرر ہے اور اس پر لام تاکید ہے، جبکہ خَيْرٌ اس کی خبر ہے۔ یہاں مبتداء مؤنث ہے جبکہ اس کی خبر مذکر آئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں خَيْرٌ اسم التفضیل کے طور پر آیا ہے اور مِنْ کے ساتھ استعمال ہونے کی صورت میں اسم التفضیل ہر حالت میں واحد اور مذکر ہی رہتا ہے خواہ اس کا موصوف یعنی مبتداء تشبیہ یا جمع یا مؤنث ہی کیوں نہ ہو۔ لَا تُنْكِحُوا باب افعال سے فعل نہی ہے۔ اس کے دو مفعول آتے ہیں۔ مفعول اول جس کے نکاح میں دیا اور مفعول ثانی جس کو نکاح میں دیا۔ الْمُسْرِكَاتِ مفعول اول ہے جبکہ مفعول ثانی محذوف ہے۔ یَوْمِنْ جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور حَتَّى کی وجہ سے منصوب ہے، اس لیے اس کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ یَدْعُوا دراصل مضارع کا واحد مذکر غائب کا صیغہ یَدْعُو ہے۔ اس کے آگے الف کا اضافہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ یُبَيِّنُ کا فاعل هُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔

ترجمہ

وَلَا تُنْكِحُوا	الْمُسْرِكَاتِ	حَتَّى	يَوْمِنْ ط	وَلَا أَمَةٌ مُؤْمِنَةٌ
اور تم لوگ نکاح مت کرو	مشرک خواتین سے	یہاں تک	وہ ایمان لے آئیں	اور یقیناً کوئی مومن کنیز

خَيْرٌ	مِنْ مُسْرِكَةٍ	وَلَوْ	أَعْبَبَتْكُمْ ج	وَلَا تُنْكِحُوا
بہتر ہے	کسی مشرک خاتون سے	اور خواہ	وہ دلکش لگے تم لوگوں کو	اور تم لوگ نکاح میں مت دو

الْمُسْرِكَاتِ	حَتَّى	يَوْمِنْ ط	وَلَعَبَّاءُ مُؤْمِنٌ	خَيْرٌ
مشرکوں کے	یہاں تک کہ	وہ لوگ ایمان لے آئیں	اور یقیناً ایک مومن غلام	بہتر ہے



مِّنْ مُّشْرِكٍ	وَلَوْ	أَعْبَجَكُمْ ط	أُولَئِكَ	يَدْعُونَ	إِلَى النَّارِ ۖ	وَاللَّهُ	يَدْعُوا
کسی مشرک سے	خواہ	وہ بھلا لگے تم کو	وہ لوگ	بلاتے ہیں	آگ کی طرف	اور اللہ	بلاتا ہے

إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ	يَاذُنِهِ ۚ	وَيُبَيِّنُ	آيَتِهِ
مغفرت اور جنت کی طرف	اپنی اجازت سے	اور وہ واضح کرتا ہے	اپنی نشانیوں کو

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ	يَتَذَكَّرُونَ
لوگوں کے لیے شاندار کہ وہ	یاد دہانی حاصل کریں

نوٹ-1

آیت نمبر- 219 میں شراب اور جوئے سے اجتناب اور زکوٰۃ سے زیادہ خرچ کرنے کی ہدایت، دراصل اصلاح معاشرہ کا سنگ بنیاد ہے۔ پھر آیت 220 میں یتیموں کے حقوق کا ذکر اسی تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ اور اب آیت زیر مطالعہ سے شادی بیان کے معاملات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جو آیت نمبر- 242 تک جاری رہے گا۔ یہ بھی اصلاح معاشرہ کے اسی سنگ بنیاد کا تیسرا زاویہ (DIMENSIONS) ہے۔

جب کوئی معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ ہوتا ہے تو اس میں برائیوں سے بچنا اور نیکیوں پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں مغفرت اور جنت کا حصول بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اور جب کوئی معاشرہ فتنوں اور فساد کا شکار ہوتا ہے تو صورتحال برعکس ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں دوزخ میں داخلہ آسان ہو جاتا ہے۔

### آیت نمبر (222)

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى ۚ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۝﴾

ح ی ض

(ض) حَيْضًا مخصوص ایام میں خواتین کا خون جاری ہونا۔ ماہواری ہونا۔ ﴿وَالَّذِي لَكُمْ يَحِيضُنَّ ط﴾ (65/ الطلاق: 4)  
 ”اور وہ جنہیں خون جاری نہیں ہوا۔“  
 مَفْعِلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ خون جاری ہونے کا وقت۔ آیت زیر مطالعہ۔

ع ز ل

(ض) عَزَلًا کسی کو جدا کر دینا۔ الگ کر دینا۔ ﴿وَمَنْ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ﴾ (33/ الاحزاب: 51) ”اور جس کو آپ چاہیں ان میں سے جن کو آپ نے الگ کیا۔“  
 مَعَزُولٌ اسم المفعول ہے۔ جدا کیا ہوا۔ الگ کیا ہوا۔ ﴿إِنَّهُمْ عَنِ السَّبْعِ لَمَعَزُولُونَ ط﴾ (26/ الشعراء: 212) ”یقیناً وہ لوگ سننے سے الگ کیے ہوئے ہیں۔“  
 مَعَزِلٌ اسم الظرف ہے۔ الگ کرنے کی وجہ۔ کسی چیز کا کنارہ۔ ﴿وَكَانَ فِي مَعَزِلٍ﴾ (11/ ہود: 42) ”اور وہ تھا ایک کنارے پر۔“



(افتعال) اِعْتَزَلَا کسی سے الگ ہونا (جس سے الگ ہوں وہ کسی صلہ کے بغیر یعنی بنفسہ آتا ہے)۔ ﴿فَلَمَّا اَعْتَزَلَهُمْ﴾

431

وَمَا يَعْْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ﴿11/ سورہ: 49﴾ ”پھر وہ کنارہ کش ہوئے ان لوگوں سے اور ان سے جن کی وہ بندگی کرتے تھے اللہ کے علاوہ۔“

اِعْتَزَلُوا فعل امر ہے۔ تو الگ ہو۔ کنارہ کش ہو۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

هُوَ مبتداء اور اِذْی اس کی خبر ہے۔ یَطْظَهُرُونَ ثلاثی مجرد سے فعل مضارع ہے اور جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ جبکہ تَطْهَرُونَ باب تفعّل سے فعل ماضی میں جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ فَاِذَا حرف شرط ہے، تَطْهَرُونَ شرط ہے اور فَاَتُوا سے اللہ تک جواب شرط ہے۔

ترجمہ

وَيَسْأَلُونَكَ	عَنِ الْمَيْحِضِ ط	قُلْ
اور وہ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے	خون جاری ہونے کے وقت کے متعلق	آپ کہہ دیجئے

هُوَ	اِذْی	فَاَعْتَزَلُوا	الْمَيْحِضِ ط	فِي الْمَيْحِضِ ط
وہ	ایک تکلیف ہے	پس تم لوگ کنارہ کش رہو	عورتوں سے	خون جاری ہونے کے وقت میں

وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ	حَتَّى	يَطْهَرْنَ ط	فَاِذَا	تَطْهَرْنَ
اور تم لوگ قریب مت ہو ان کے	یہاں تک کہ	وہ پاک ہوں	پھر جب	وہ خود کو پاک کر لیں

فَاَتَوْهُنَّ	مِنْ حَيْثُ	اَمَرَ	كُمُ	اللَّهُ ط	اِنَّ اللَّهَ	يُحِبُّ
تو تم لوگ آؤ ان کے پاس	جہاں سے	ہدایت کی	تم کو	اللہ نے	یقیناً اللہ	پسند کرتا ہے

التَّوَابِينَ	وَيُحِبُّ	الْمُتَطَهِّرِينَ
بار بار توبہ کرنے والوں کو	اور وہ پسند کرتا ہے	خود کو پاک رکھنے والوں کو

آیت نمبر (2/ البقرہ: 223)

﴿نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَاَتُوا حَرْثَكُمْ اَنْی شَعْتُمْ ۚ بَوْقِدٍ مِّمَّا لَا تَنْفُسُكُمْ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا اَنَّكُمْ مُلْقَوَةٌ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۳﴾﴾

ترکیب

نِسَاءُكُمْ مبتداء ہے، حَرْثٌ اس کی خبر ہے اور لَكُمْ متعلق خبر ہے۔ مُلْقَوَةٌ اسم الفاعل مُلَاقٍ کی جمع مُلْقَوْنَ تھا۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گر گیا اور ضمیرہ اس کا مضاف الیہ ہے، جو کہ اللہ کے لیے ہے۔

ترجمہ

نِسَاءُكُمْ	حَرْثٌ	لَّكُمْ ط	فَاَتُوا	حَرْثَكُمْ
تمہاری عورتیں	کھیتیاں ہیں	تمہارے لیے	پس تم لوگ آؤ	اپنی کھیتیوں میں

اَلٰتِیْ	یَشْعُرُوْنَ	وَقَدْ اَمُوْا	لَا تُفْسِدُوْا	وَاتَّقُوا	اللّٰهُ
جہاں سے	تم چاہو	اور آگے بھجیو	اپنے آپ کے لیے	اور تم لوگ تقویٰ اختیار کرو	اللہ کا
وَاَعْلَمُوْا	اَنْتُمْ	مُتْلَقُوْهُ	وَبَشِّرِ	اَلْمُؤْمِنِیْنَ	
اور جان لو	کہ تم لوگ	اس سے ملاقات کرنے والے ہو	اور آپ بشارت دیجئے	ایمان لانے والوں کو	

نوٹ-1

وَقَدْ اَمُوْا لَا تُفْسِدُوْا۔ یہ قرآن مجید کے اُن مقامات میں سے ایک ہے جہاں ایک عام قاری بھی بڑی آسانی سے محسوس کر لیتا ہے کہ کسی فلسفیانہ اور گہری بات کو اتنے مختصر اور عام فہم انداز میں سمجھانے کا اتنا سادہ اور دلنشین انداز کسی انسانی کلام میں تو کہیں نہیں ملتا۔ اور اس کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے کہ واقعی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ہی کلام ہے۔

ایک کسان جب بیچ ڈالتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ کچھ عرصے کے بعد وہ اس بیچ کا پھل حاصل کرے گا جو اس کے کام آئے گا۔ گویا وہ بیچ کو اپنے لیے آگے بھیجتا ہے۔ اسی طرح شوہر اور بیوی کے تعلقات کا مقصد یہ ہے کہ ان کے یہاں اولاد ہو جو اس دنیا میں اپنے ماں باپ کا دست و بازو بنے۔ اگر تربیت اور اللہ کی مدد سے وہ اولاد صالح بھی ہو تو پھر وہ اپنے ماں باپ کے لیے آخرت کی کمائی کا بھی ذریعہ بنتی ہے۔ اس بات کو اتنے دلنشین اور شائستہ پیرائے میں سمجھا دینا، یہ قرآن مجید کا ہی اعجاز ہے۔

### آیت نمبر (224)

﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاِيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تَصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ط وَ اللّٰهُ سَبِيْعٌ

عَلِيْمٌ ﴿۳۳﴾﴾

ی م ن

(س)

داہنی طرف ہونا۔

يَمْنًا

ح ایمان۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ کثیر المعانی ہے۔

يَمِيْنٌ

(۱) داہنی سمت یا رُخ۔ ﴿اَنْتُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنا عَنْ الْيَمِيْنِ ﴿۳۳﴾﴾ (37/الصافات: 28) ”بیشک تم

لوگ آیا کرتے تھے ہمارے پاس داہنی طرف سے۔“ ﴿ثُمَّ لَا تَبِيْنُهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ

خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ط﴾ (7/الاعراف: 17) ”پھر میں لازماً پہنچوں گا ان کو،

ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی داہنی جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے۔“

(۲) داہنا ہاتھ۔ ﴿وَمَا تِلْكَ يَبِيْنُكَ يٰمُوسٰى ﴿۱۵﴾﴾ (20/طہ: 17) ”اور وہ کیا ہے آپ کے

داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ۔“ ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ﴿۲۳﴾﴾ (23/المومنون: 6) ”یا جس کے مال

ہوئے ان کے داہنے ہاتھ۔“

(۳) قسم (عرب لوگ داہنا ہاتھ اٹھا کر یا داہنے ہاتھ میں ہاتھ دے کر قسم کھاتے تھے)۔“

آیت زیر مطالعہ۔

مَيْمَنَةً مَّفْعَلَةٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ داہنی طرف کی جگہ۔ ﴿اَوَّلٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۵﴾﴾

(90/البلد: 18) ”وہ لوگ داہنی جگہ والے ہیں۔“

لَا تَجْعَلُوْا فِعْلٌ نہیں ہے۔ اس کا فاعل اس میں اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ اللہ اس کا مفعول اول اور عُرْضَةً مفعول ثانی ہے۔

تَبَرُّوْا۔ تَتَّقُوْا اور تَصْلِحُوْا، یہ تینوں افعال مضارع اُن کی وجہ سے منصوب ہیں۔

ترکیب



ترجمہ

وَلَا تَجْعَلُوا	اللَّهُ	عُرْضَةً	لَّأَيِّمَانِكُمْ	أَنْ	تَبْزُوا <sup>31</sup>
اور تم لوگ مت بناؤ	اللہ کو	نشانی	اپنی قسموں کے لیے	کہ	تم لوگ حسن سلوک (نہ) کرو

وَتَتَّقُوا	وَتُصْلِحُوا	بَيْنَ النَّاسِ ط	وَاللَّهُ	سَبِيحٌ	عَلِيمٌ
اور تقویٰ (نہ) کرو	اور اصلاح (نہ) کرو	لوگوں کے درمیان	اور اللہ	سننے والا ہے	جاننے والا ہے

نوٹ-1

پہلے اُردو کے دو جملوں پر غور کر لیں۔ (۱) حامد سے بات مت کرو یہاں تک کہ وہ معافی مانگے۔ (۲) حامد سے بات مت کرو جب تک کہ وہ معافی نہ مانگے۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ دونوں جملوں میں بات ایک ہی کہی گئی ہے، صرف انداز مختلف ہے۔ پہلے جملے میں لفظ ”مانگے“ کے ساتھ ”نہ“ لگانے کی ضرورت نہیں پڑی، جبکہ دوسرے جملے میں ”نہ“ لگا کر مفہوم ادا ہوا ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ پہلے جملے کے انداز کا عربی میں رواج زیادہ ہے اس لیے آیت زیر مطالعہ میں فعل نہی کے بعد اُن کے ساتھ لا لگانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ جبکہ اُردو میں دوسرے جملے کے انداز کا رواج زیادہ ہے، اس لیے ترجمہ میں ”نہ“ کا اضافہ کیا گیا ہے تاکہ صحیح مفہوم واضح ہو جائے۔

نوٹ-2

اس آیت میں کسی نیک کام کو نہ کرنے کی قسم کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور انداز یہ اختیار کیا گیا ہے کہ اگر ایسی بُری قسم کبھی کھا ہی بیٹھو تو اس میں کم از کم اللہ کو تو بیچ میں نہ لاؤ۔ یہ دراصل ممانعت کا ایک ہلکا پھلکا سا، مشفقانہ انداز ہے۔ اور ایک طرح سے یہ قسموں کے متعلق ان احکامات کا مقدمہ ہے جو آگے چل کر سورۃ المائدہ اور سورۃ التحریم میں آنے والے ہیں۔

### آیت نمبر (225)

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾ (۲۲۵)

ل غ و

(ف)

لَغْوًا

بغیر سوچے سمجھے کوئی بات کہنا۔

لَغْوٌ

اسم ذات ہے۔ (۱) بے معنی یا بیکار بات۔ (۲) بے فائدہ چیز یا کام۔ ﴿وَإِذَا سَأَعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ﴾ (28/ القصص: 55) ”اور جب بھی وہ لوگ سنتے ہیں بیکار بات کو تو اعراض کرتے ہیں اس سے۔“ ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾ (23/ المؤمنون: 3) ”وہ لوگ بے فائدہ چیز سے اعراض کرنے والے ہیں۔“

إِلْغَاؤٌ

فعل امر ہے۔ تو بے معنی بات کر۔ ﴿لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا فِيهِ﴾ (41/ حمہ السجدة: 26) ”تم لوگ مت سنو اس قرآن کو اور بے معنی بات کرو اس میں۔“

لَاغٍ

فَاعِلٌ لکے وزن پر صفت ہے۔ بے سود۔ بے معنی۔ ﴿لَا تَسْمَعُ فِيهَا لِغْيَةً ط﴾ (88/ الفاشیہ: 11) ”وہ نہیں سنے گا اس میں کوئی بے سود بات۔“

ح ل م

حُلْمًا

خواب دیکھنا۔

(ن)

حُلْمًا

غصہ میں خود پر قابو رکھنا۔ تحمل کرنا۔ بردبار ہونا۔

(ک)

حُلْمٌ - خواب۔ ﴿وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمَيْنِ ۖ﴾ (12/ 31/ 44) ”اور ہم خوابوں کی تعبیر جاننے والے نہیں ہیں۔“  
 حُلْمٌ - خواب۔ عقل، شعور (کیونکہ بردباری عقل و شعور سے آتی ہے اور یہ لازم و ملزوم ہیں۔) ﴿أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ بِهَذَا﴾ (52/ الطور: 32) ”کیا مشورہ دیتے ہیں ان کو ان کے شعور اس کا۔“

حُلْمٌ - عقل و شعور کی پختگی۔ بلوغت۔ ﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ﴾ (24/ النور: 59) ”اور جب بچے تم میں سے بلوغت کو۔“  
 حَلِيمٌ - فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ تحمل والا۔ بردبار۔ آیت زیر مطالعہ۔

يُؤْخِذُ باب مفاعله كالفعل مضارع ہے، كُمْ ضمير مفعولی ہے اور اللہ اس کا فاعل ہے۔ فاعل قُلُوبُكُمْ غیر عاقل جمع مکرر ہے اس لیے فعل كَسَبَتْ واحد مؤنث آیا ہے۔

ترکیب

لَا يُؤْخِذُ	كُمُ	اللَّهُ	بِاللَّغْوِ	فِي آيَاتِنَاكُمْ
جواب طلبی نہیں کرے گا	تم لوگوں سے	اللہ	بے سوچی سمجھی بات پر	تمہاری قسموں میں

ترجمہ

وَلَكِنْ	يُؤْخِذُ	كُمُ	بِهَا	كَسَبَتْ	قُلُوبُكُمْ ط
اور لیکن (البتہ)	وہ جواب طلبی کرے گا	تم سے	اس پر جو	کمایا (قصداً)	تمہارے دلوں نے

وَاللَّهُ	عَفْوٌ	حَلِيمٌ
اور اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہے	ہمیشہ تحمل کرنے والا ہے

### آیت نمبر (226)

﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾

ع ل و

(ن) أَلَوْا کسی کام میں کوتاہی کرنا۔ ﴿لَا يَأْتُونَكُمْ خَبَآطٌ﴾ (3/ آل عمران: 118) ”وہ لوگ کوتاہی نہیں کریں گے تم لوگوں کو برباد کرنے میں۔“  
 (افعال) إِيْلَاءٌ کوتاہی کرنے کا عہد کرنا۔ کوئی کام نہ کرنے کی قسم کھانا۔ آیت زیر مطالعہ۔  
 (افعال) إِيْتِلَاءٌ قسم کھانا۔  
 لَا يَأْتِلُ فعل نہیں ہے۔ تو قسم مت کھا۔ ﴿وَلَا يَأْتِلُ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَى﴾ (24/ النور: 22) ”اور قسم نہ کھائیں فضل والے تم میں سے اور وسعت والے کہ وہ (نہ) دیں قرابت والوں کو۔“

- (ن) رَبُّصًا  
(تفعّل) تَرَبُّصًا  
کسی موقع کی تاک میں رہنا۔  
انتظار کرنا۔ ﴿وَيَتَرَبَّصُّ بِكُمْ الدَّوَائِرُ﴾ (9/التوبہ: 89) ”اور وہ انتظار کرتا ہے تمہارے لیے گردش زمانہ کا۔“  
فعل امر ہے۔ تو انتظار کر۔ ﴿فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ۝۲۵﴾ (23/المؤمنون: 25) ”پس تم لوگ انتظار کرو اس کے لیے کچھ عرصہ تک۔“  
اسم الفاعل ہے۔ انتظار کرنے والا۔ ﴿فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ ۝۴۷﴾ (9/التوبہ: 52) ”تو تم لوگ انتظار کرو۔ بیشک ہم تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔“

- (ض) فَيْئًا  
(افعال) إِفَاءَةً  
(تفعّل) تَفْيِيًّا  
واپس ہونا۔ لوٹنا۔ ﴿حَتَّىٰ تَفِيَّءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ﴾ (49/الحجرات: 9) ”یہاں تک کہ وہ لوٹے اللہ کے حکم کی طرف۔“  
واپس کرنا۔ لوٹانا۔ (زیادہ تر ایسے مال غنیمت کے لیے آتا ہے جو بلا مشقت حاصل ہو)۔ ﴿وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ﴾ (59/الحشر: 6) ”اور جو لوٹایا اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ان سے۔“  
رُخ تبدیل کرنا۔ پلٹا کھانا۔ ﴿أَوْ لَمْ يَكُنْ إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّوْا ظِلُّهُ﴾ (16/النحل: 48) ”تو کیا انہوں نے دیکھا نہیں اس کی طرف جو پیدا کیا اللہ نے کسی چیز سے اُلتے ہیں ان کے سائے۔“

تَرَبُّصٌ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ مبتداء مؤخر ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو ثابت ہو سکتی ہے، جبکہ لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ فَإِنْ شرطیہ ہے، فَاءُ و شرط ہے اور آگے جواب شرط ہے۔

لِلَّذِينَ	يُؤْلُونَ	مِنْ نِسَائِهِمْ	تَرَبُّصٌ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ۚ
ان لوگوں کے لیے جو	قسم کھاتے ہیں (قطع تعلق کی)	اپنی عورتوں سے	چار مہینے کا انتظار کرنا ہے
فَإِنْ	فَاءُ و	وَإِنَّ اللَّهَ	عَفْوٌ
پھر اگر	وہ لوٹ آئیں	تو یقیناً اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہے
			رَحِيمٌ
			ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

### آیت نمبر (227)

﴿وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۲۲۷﴾

- (ض) عَزَمًا  
عَزَمٌ  
پختہ ارادہ کرنا۔ ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ﴾ (3/آل عمران: 159) ”پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو بھروسہ کریں اللہ پر۔“  
اسم ذات ہے۔ پختہ ارادہ۔ ثابت قدمی۔ ﴿فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝۱۸﴾ (3/آل عمران: 186) ”تو یقیناً یہ ثابت قدمی کے کاموں میں سے ہے۔“

کسی کا بندھن کھولنا۔	طَلَّقًا	(ض)
اسم فعل ہے۔ نکاح کا بندھن کھولنا۔ طلاق دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔	طَلَّاقٌ	
کسی کو آزاد کر کے جدا کرنا۔ طلاق دینا۔ ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ﴾ (2/البقرہ: 230)	تَطْلِيقًا	(تفعیل)
”پھر اگر وہ طلاق دے اس کو تو وہ حلال نہیں ہوتی اس کے لیے اس کے بعد۔“		
فعل امر ہے۔ تو طلاق دے۔ ﴿إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ﴾ (65/الطلاق: 1)	طَلِّقْ	
”جب تم لوگ طلاق دو عورتوں کو تو طلاق دو ان کو ان کی عدت میں۔“		
اسم المفعول ہے۔ طلاق دی ہوئی۔ ﴿وَلَمَّا طَلَّقْتِ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ط﴾ (2/البقرہ: 241) ”اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لیے کچھ سامان ہے دستور کے مطابق۔“	مُطَلَّقَةً	
کسی بندھن سے آزاد ہونا۔ چل پڑنا۔ ﴿فَأَنْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ﴾ (68/القلم: 23) ”پھر وہ چلے اور ایک دوسرے سے چپکے چپکے کہتے تھے۔“ ﴿وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي﴾ (26/الشعراء: 13) ”اور نہیں چلتی میری زبان۔“	إِنْطِلَاقًا	(انفعال)
فعل امر ہے۔ تو چل۔ ﴿إِنْطَلِقُوا إِلَى مَا كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ﴾ (77/المزمل: 29) ”تم لوگ چلو اس کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔“	إِنْطَلِقْ	

وَلِنْ	عَزَمُوا	الطَّلَاقُ	فَإِنَّ اللَّهَ	سَبَّحَ	عَلَيْمٌ
اور اگر	وہ لوگ پختہ ارادہ کریں	طلاق کا	تو یقیناً اللہ	سننے والا ہے	جاننے والا ہے

ترجمہ

اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے قطع تعلق کا عہد کر لیتا ہے لیکن اسے طلاق بھی نہیں دیتا، تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ چار مہینے کے اندر فیصلہ کرے۔ یا تو تعلقات بحال کرے یا پھر طلاق دے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کے حکم پر عمل نہیں کرتا اور اپنی روش پر قائم رہتا ہے، تو پھر کیا ہوگا۔ اس ضمن میں آراء مختلف ہیں۔ مفتی محمد شفیع کی رائے ہے کہ ایسی صورت میں چار ماہ بعد طلاق خود بخود ہو جائے گی البتہ دونوں اگر رضامندی سے دوبارہ نکاح کر لیں تو درست ہے۔“ (معارف القرآن)

نوٹ-1

### آیت نمبر (228)

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ط وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ط وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ط وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ط وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ع﴾

شوہر ہونا۔ شوہر بننا۔	بَعَالَةً	(ن)
ج بُعُولَةً۔ اسم ذات ہے۔ شوہر۔ خاوند۔ ﴿وَهَذَا بَعْلى شَيْخًا ط﴾ (11/ہود: 72) ”اور یہ میرے بوڑھے شوہر ہیں۔“ جمع کے لیے آیت زیر مطالعہ دیکھیں۔	بُعَلٌ	

بَعْلٌ شام کے ایک قدیم شہر بَعْلَبَک کے ایک بُت کا نام۔ ﴿اَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ﴾ (37/ الصُّفَّت: 125) ”کیا تم لوگ پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو بہترین خالق کو۔“

د ر ج

(ن) دُرُوجًا سیرِ مہیاں چڑھنا۔ آہستہ آہستہ چلنا۔  
دَرَجَةً سیرِ مہی کا ایک زینہ۔ بلندی۔ رتبہ۔ ﴿مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ (2/ البقرہ: 253) ”ان میں وہ بھی ہے جس سے کلام کیا اللہ نے اور بلند کیا ان کے بعض کو درجوں کے لحاظ سے۔“  
(استفعال) اِسْتَدْرَاجًا آہستہ آہستہ چلانا۔ لے جانا۔ ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (68/ القلم: 44) ”ہم آہستہ آہستہ لے جائیں گے ان کو جہاں سے وہ نہیں جانتے۔“

ترکیب

اَلْبَطْلَقُ مبداء ہے۔ يَتَرَبَّصْنَ سے قُرُوْءِ تک پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ طرف ہے اس لیے ثَلَاثَةَ منصوب ہے۔ اَنْ يَكْتُمْنَ سے فِيْ اَرْحَامِهِنَّ تک پورا جملہ لَا يَحِلُّ کا فاعل ہے اور یہ جواب شرط ہے اگلے شرطیہ جملے کی۔ يَكْتُمْنَ اور خَلَقَ دونوں کا مفعول مَا ہے۔ بُعُوْلَتُهُنَّ مبداء ہے اور اَحَقُّ اس کی خبر ہے۔ ذٰلِكَ کا اشارہ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ کی طرف ہے۔ دَرَجَةً مبداء مؤخر مکرر ہے، اس کی خبر مخدوف ہے اور لِلرِّجَالِ قائم مقام خبر مقدم ہے جبکہ عَلَيَّهِنَّ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ

وَالْبَطْلَقُ	يَتَرَبَّصْنَ	بِأَنْفُسِهِنَّ	ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ ط	وَلَا يَحِلُّ
اور طلاق شدہ خواتین	انتظار کریں گی	اپنے نفس کے ساتھ	تین مدتیں	اور حلال نہیں ہوتا

لَهُنَّ	اَنْ يَكْتُمْنَ	مَا	خَلَقَ	اللَّهُ	فِيْ اَرْحَامِهِنَّ	اِنْ كُنَّ
ان کے لیے	کہ وہ چھپائیں	اس کو جس کو	پیدا کیا	اللہ نے	ان کے رحموں میں	اگر وہ

يُؤْمِنَنَّ	بِاللَّهِ	وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ط	وَبُعُوْلَتُهُنَّ	اَحَقُّ
ایمان رکھتی ہیں	اللہ پر	اور آخری دن (یعنی آخرت پر)	اور ان کے شوہر	زیادہ حقدار ہیں

بِرَدِّهِنَّ	فِيْ ذٰلِكَ	اِنْ اَرَادُوْا	اِصْلَاحًا ط	وَلَهُنَّ
ان کو لوٹانے کے	اس میں	اگر وہ لوگ ارادہ کریں	اصلاح کرنے کا	اور ان کے لیے ہے

مِثْلُ الَّذِي	عَلَيْهِنَّ	بِالْمَعْرُوْفِ ص	وَلِلرِّجَالِ	عَلَيْهِنَّ	دَرَجَةً ط
اس کے جیسا جو	ان پر ہے	بھلائی سے	اور مردوں کے لیے ہے	ان پر	ایک درجہ

وَاللَّهُ	عَزَّيْزٌ	حَكِيمٌ ع
اور اللہ	بالادست ہے	حکمت والا ہے

شوہر اور بیوی کے تعلقات پر بات ہو رہی ہے اس پس منظر میں لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيَّهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ص کے دو مفہوم

نوٹ-1

ہیں اور یہاں دونوں ہی رما ہیں۔ اولاً یہ کہ جس طرح شوہر کی ساتھ بلاسلوک کرنا بیوی پر فرض ہے، اسی طرح اس کا یہ حق بھی ہے کہ شوہر اس کے ساتھ بھلاسلوک کرے۔ ثانیاً یہ کہ جس طرح بیوی کے کچھ فرائض ہیں، اسی طرح اس کے کچھ حقوق بھی ہیں۔ شوہر بیوی کی حقوق و فرائض کا تعین وقت کے تہذیبی اور تمدنی دستور اور رواج کے مطابق ہوگا، بشرطیکہ کوئی دستور اسلامی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ جب کوئی دستور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوتا ہے تو وہ نیکی اور بھلائی کے درجے سے گر جاتا ہے اور وہی دراصل فساد کا سبب بنتا ہے۔

## نوٹ-2

وَلِلرِّجَالِ عَلَىٰ نِسَائِهِنَّ دَرَجَةٌ كَامَطْلَبِیہ ہے کہ شوہر اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق و فرائض تو ہیں لیکن اس کی وجہ سے کوئی اس خبط میں مبتلا نہ ہو کہ دونوں بالکل مساوی ہیں۔ کیونکہ دونوں کے حقوق و فرائض ہونے کے باوجود شوہر کو بیوی پر ایک درجہ برتری حاصل ہی ور یہ برتری اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ اس کے اتنے واضح فرمان کے باوجود عورت و مرد کی مساوات کا نعرہ لگانا جہالت ہے۔

عورت کرکٹ کھیل لے، باکسنگ کر لے، ہوئی جہاز اڑا لے، خلائی سفر سے ہوا آئے، جو مرضی ہے کر لے لیکن جب بھی اسے کوئی کاٹنا چھپے گا تو اس نے اُوی اللہ کرنا ہی کرنا ہے۔ یہ بات میں نے مذاق میں نہیں بلکہ مجبوراً کی ہے کہ شاید اس طرح ہی ان لوگوں کی آنکھ کھل جائے جنہوں نے ایسے حقائق سے آنکھ بند کی ہوئی ہے جو اندھے کو بھی نظر آتے ہیں۔ عورت اور مرد کے جسم کی ظاہری ساخت کا فرق بہت نمایاں ہے لیکن ان کے اندرونی نظام میں بھی فرق ہے۔ جسمانی اعضاء اور غدود (GLANDS) کی کارکردگی (FUNCTIONS) مختلف ہیں، ان کے اثرات بھی مختلف ہیں۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ عورت اور مرد کی نفسیات بھی مختلف ہے۔ مساوات کا نعرہ لگانے والوں کو چاہیے کہ پہلے وہ ان فرقوں کو دور کریں پھر مساوات کا نعرہ لگائیں۔

## نوٹ-3

آیت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے دو صفات، عزیز اور حکیم ہم کو یاد دلانی گئی ہیں۔ اللہ کے عزیز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اختیار مطلق ہے جس پر کسی قسم کی کوئی تحدید (LIMITATION) نہیں ہے۔ وہ جو چاہے فیصلہ کر سکتا ہے اور جو چاہے حکم دے سکتا ہے۔ حکیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں حکمت والا ہے۔ اس لیے اس کا ہر فیصلہ اور ہر حکم اس کی حکمت سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ جو بھی مسلمان مرد یا عورت پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اللہ کے حکم وک اس یقین کے ساتھ قبول کرتا ہے کہ اسی میں ہم لوگوں کے لیے بھلائی ہے۔



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

451

## سورة البقرة

(آیت نمبر 229)

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍۭٓ اَوْ تَسْرِيحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اَتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا۟ اَلَّا يُقِيْبَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْبَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۚ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾﴾

م ر ر

مَرَارَةً

(س)

أَمْرٌ

تلخ ہونا۔ کڑوا ہونا۔  
افعل التفضیل ہے۔ زیادہ کڑوا۔ انتہائی کڑوا۔ ﴿وَالسَّاعَةُ أَذْهَى وَأَمْرٌ ﴿٣٧﴾﴾ (54/ القمر: 46) اور قیامت بڑی مصیبت اور انتہائی کڑوی ہے۔“

مَرًّا

(ن)

(۱) رسی کو بٹنا۔ دیر پابنا۔ ہیشگی دینا۔ (۲) کسی کے پاس سے گزرنا۔ (نئی ہوئی رسی کی ایک لڑی دوسری کے پاس سے گزرتی ہے)۔ ﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿١٢﴾﴾ (12/ يوسف: 105) ”اور نشانیوں میں سے کتنی ہی ہیں زمین اور آسمانوں میں کہ وہ لوگ گزرتے ہیں ان کے پاس سے اس حال میں کہ وہ لوگ ان سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔“

مَرَّةً

بار۔ دفعہ۔ مرتبہ۔ ﴿اِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴿٩﴾﴾ (9/ التوبہ: 83) ”بیشک تم لوگ راضی ہوئے بیٹھنے پر پہلی بار۔“ ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط ﴿١٠﴾﴾ (9/ التوبہ: 80) ”اگر آپ استغفار کریں ان کے لیے ستر دفعہ تو بھی ہرگز معاف نہیں کرے گا اللہ ان کو۔“ ﴿ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ ﴿٨﴾﴾ (8/ الانفال: 56) ”پھر وہ لوگ توڑتے ہیں اپنا عہد ہر مرتبہ۔“

اِسْتِمْرَارًا

(استفعال)

مُسْتَمِرٌّ

ہیشگی چاہنا یعنی ہمیشہ ہونا۔ دائمی ہونا۔  
اسم الفاعل ہے۔ ہمیشہ ہونے والا۔ دائمی۔ ﴿اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾﴾ (54/ القمر: 19) ”بیشک ہم نے بھیجا ان پر ایک تیز آندھی کو ایک دائمی نحوست کے دن۔“

م س ك

مَسْكًا

(ض)

مَسَاكَةً

(ك)

مِسْكٌ

کسی سے متعلق ہونا۔ کسی سے چٹنا۔  
مشک کی خوشبو لگانا۔

اِمْسَاكًا

(انفال)

اسم ذات ہے۔ مشک ﴿حِثْبُهُ مِسْكٌ ط ﴿٨٣﴾﴾ (83/ المطففين: 26) ”اس کی مہر مشک ہے۔“  
کسی چیز کو تھامنا۔ روکنا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُبْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴿٣٥﴾﴾ (35/ فاطر: 41) ”یقیناً اللہ تھامے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو۔“

﴿وَلَا تُنْسِكُوهُمْ ضَرَارًا لِّتَعْتَدُوا﴾ (2/ البقرہ: 231) ”اور تم لوگ مت روکھو ان کو تکلیف دیتے ہوئے کہ تم لوگ زیادتی کرو۔“

فعل امر ہے۔ تو تھام۔ تو روک۔ ﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِعُرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِعُرُوفٍ﴾ (65/ الطلاق: 2) ”پھر جب وہ پہنچیں اپنی مدت کو تو تم لوگ تھامو ان کو بھلائی کے ساتھ یا جدا کرو ان کو بھلائی سے۔“

اسم الفاعل ہے۔ تھامنے والا۔ روکنے والا۔ ﴿مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا﴾ (35/ فاطر: 2) ”جو کھولتا ہے اللہ لوگوں کے لیے اپنی کسی رحمت میں سے تو کوئی روکنے والا نہیں ہے اس کو۔“

کثرت سے تھامنا یعنی مضبوطی سے تھامنا۔ مضبوطی سے پکڑنا۔ ﴿وَالَّذِينَ يُسْكُونُ بِالْكِتَابِ وَ أَقَامُوا الصَّلَاةَ﴾ (7/ الاعراف: 170) ”اور جو لوگ مضبوطی سے تھامتے ہیں کتاب کو اور قائم رکھتے ہیں نماز کو۔“

کسی سے چھمٹنا چاہنا۔ چمٹ جانا۔ ﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى﴾ (2/ البقرہ: 256) ”تو جو انکار کرتا ہے طاغوت کا اور ایمان لاتا ہے اللہ پر تو وہ چمٹ گیا ہے انتہائی مضبوط رسی سے۔“

فعل امر ہے۔ تو چمٹ جا۔ ﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ﴾ (43/ الزخرف: 43) ”پس آپ چمٹ جائیں اس سے جو وحی کیا گیا آپ کی طرف۔“

اسم الفاعل ہے۔ چمٹ جانے والا۔ ﴿أَمْ آتَيْنَهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ﴾ (43/ الزخرف: 21) ”یا ہم نے دی ان کو کوئی کتاب اس سے پہلے تو وہ لوگ اس سے چمٹ جانے والے ہیں۔“

س ر ح

سرح کا درخت (ایک قسم کا بغیر کانٹے والا درخت) چرنے کے لیے اونٹ کو کھلا چھوڑنا۔ موسیٰ کو چرنے کے لیے چھوڑنا۔ ﴿جَيْنَ تَرْيَحُونَ وَجَيْنَ تَسْرَحُونَ﴾ (16/ النحل: 6) ”جب تم لوگ واپس لاتے ہو اور جب چرنے کے لیے چھوڑتے ہو۔“

اسم فعل ہے۔ چھوڑنا۔ آزاد کرنا۔ ﴿وَأَسْرِحْنَنَّ سَرَا حًا جَبِيلًا﴾ (33/ الاحزاب: 28) ”اور میں آزاد کروں تم سب کو، خوبصورت آزادی دینا۔“

بالکل چھوڑنا۔ آزاد کرنا۔ بیوی کو طلاق دینا۔ اور آیت (33/ الاحزاب: 28) دیکھیں۔ فعل امر ہے۔ تو بالکل آزاد کر۔ طلاق دے۔ ﴿أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِعُرُوفٍ﴾ (2/ البقرہ: 231) ”یا تم لوگ بالکل آزاد کرو ان کو بھلائی سے۔“

ترکیب

الطَّلَاقُ مبتداء ہے اور مَرَّتَيْنِ خبر ہے۔ اِمْسَاکُ اور تَسْرِیْحُ مبتداء نکرہ ہیں، ان کی خبریں محذوف ہیں جو کہ جائِز ہو سکتی ہیں جبکہ بِعُرُوفٍ اور بِأَحْسَانٍ قائم مقام خبر ہیں۔ مِمَّا دراصل مِنْ مَّا ہے۔ تَأْخُذُوا اور أَتَيْنَهُمُ، دونوں کا مفعول مَّا ہے جبکہ مَّا کی تمیز ہونے کی وجہ سے شَیْئًا منصوب ہے۔ اُن کی وجہ سے یَخَافَانِ کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔



اَلَّا در اصل اَنْ لَا ہے۔ اس کے اَنْ کی وجہ سے یُقِیْبَانِ کا نون اعرابی گرا ہے۔ لَا تَعْتَدُوا باب افتعال سے فعل نہیں ہے اور جمع مذکر مخاطب کا صیغہ ہے جبکہ یَتَعَدَّ باب تفعّل سے فعل مضارع میں واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور یہ مَن شرطیہ کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے۔

الطَّلَاقُ	مَّرْثِنٌ	فَامْسَاكٌ	بِعُرْوٍ	أَوْ	تَسْرِیْحٌ	بِحَسَانٍ
طلاق	دو مرتبہ ہے	پھر تھامنا ہے	بھلائی سے	یا	آزاد کرنا ہے	خوبصورت انداز سے
وَلَا یَحِلُّ	لَكُمْ	أَنْ	تَأْخُذُوا	مِمَّا	اتَّيَسَّرُوا	
اور حلال نہیں ہے	تمہارے لیے	کہ	تم لوگ لو	اس میں سے جو	تم لوگوں نے دیا ان کو	
شَيْئًا	إِلَّا أَنْ	يَخَافَا	أَلَّا يُقِیْبَا	حُدُودَ اللَّهِ		
کوئی چیز	سوائے اس کے کہ	وہ دونوں خوف کریں	کہ وہ قائم نہیں رکھیں گے	اللہ کی حدود کو		
فَإِنْ	خِفْتُمْ	أَلَّا يُقِیْبَا	حُدُودَ اللَّهِ			
پس اگر	تم لوگ خوف کرو	کہ وہ دونوں قائم نہیں رکھیں گے	اللہ کی حدوں کو			
فَلَا جُنَاحَ	عَلَيْهِمَا	فِيهَا	أَفْتَدَتْ	بِهِ		
تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں	ان دونوں پر	اس میں	وہ خاتون خود کو چھڑائے	جس سے		
تِلْكَ	حُدُودَ اللَّهِ	فَلَا تَعْتَدُوا	وَمَنْ	يَتَعَدَّ		
یہ	اللہ کی حدود ہیں	پس تم لوگ تجاوز مت کرو ان سے	اور جو	جانتے بوجھتے تجاوز کرتا ہے		
حُدُودَ اللَّهِ	فَأُولَٰئِكَ	هُمْ الظَّالِمُونَ				
اللہ کی حدوں سے	تو وہ لوگ	ہی ظلم کرنے والے ہیں				

ترجمہ

نوٹ-1

اسلام سے پہلے کچھ لوگ اپنی بیوی کو طلاق دیتے تھے اور عدت ختم ہونی سے پہلے رجوع کر لیتے تھے۔ اس کے بعد پھر طلاق دیتے رہتے اور رجوع کرتے رہتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ نہ تو اُس عورت کا گھر آباد ہوتا تھا اور نہ ہی وہ کسی اور جگہ نکاح کرنے کے لیے آزاد ہوتی تھی۔

اس آیت میں شوہر کے اس اختیار کو برقرار رکھا گیا ہے لیکن اسے محدود کر دیا گیا ہے۔ اپنی عائلی زندگی میں ایک شوہر اپنا یہ اختیار دو مرتبہ استعمال کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اگر وہ تیسری مرتبہ طلاق دیتا ہے تو اس کا رجوع کرنے کا اختیار ختم ہو چکا ہے۔ اب عدت پوری ہونے کے بعد طلاق ہی ہوگی۔

نوٹ-2

ایک عورت آپؐ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ میں اپنے خاوند سے ناخوش ہوں، اس کے یہاں رہنا نہیں چاہتی۔ آپؐ نے تحقیق کی تو عورت نے کہا کہ وہ میرے حقوق میں کوتاہی نہیں کرتا اور نہ اس کے اخلاق و تدوین پر مجھ کو اعتراض ہے لیکن مجھ کو اس سے مانفرت طبعی ہے۔ آپؐ نے عورت سے مہر واپس کرایا اور زوج سے طلاق دلوا دی۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ (ترجمہ شیخ الہند)

مذکورہ شانِ نزول کا تعلق آیت کے اگلے حصے سے ہے۔ شوہر کے طلاق دینے کے اختیار کو محدود کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اگر اس کے نتیجے میں طلاق ہو تو شوہر کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی دی ہوئی چیزوں میں سے کچھ بھی واپس لے لے کہ اگر دونوں کو خوف ہو کہ وہ ایک دوسرے سے بھلا سلوک نہ کر سکیں گے۔ اس کا ایک مطلب یہ نکالنے کی گنجائش تھی کہ اگر شوہر اس خوف کا اظہار کرے اور کہے کہ اس لیے میں فلاں فلاں چیزیں واپس لے کر طلاق دیتا ہوں۔ اس گنجائش کو ختم کرنے کے لیے آگے وضاحت کر دی گئی کہ مذکورہ استثنائی صورت کا تعلق بیوی کے خلع مانگنے سے ہے کہ اگر اس خوف کی بنیاد پر وہ کوئی چیز واپس کر کے خود کو آزاد کرانا چاہے تو ایسی صورت میں واپس لینے پر شوہر اور واپس کرنے پر بیوی پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

نوٹ-3

طلاق اور خلع میں ایک فرق ہے۔ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے لیکن بیوی اپنے شوہر کو خلع نہیں دے سکتی بلکہ مانگ سکتی ہے۔ خلع کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار شوہر کو نہیں دیا گیا بلکہ فَإِنْ خِفْتُمْ كَيْ شَرط لگ کر بتا دیا گیا کہ خلع کے متعلق فیصلہ خاندان، برادری یا معاشرے کا کوئی اجتماعی ادارہ کرے گا مثلاً پنچایت، قاضی یا عدالت وغیرہ۔

(آیت نمبر 230)

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۖ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝﴾

ترکیب

طَلَّقَ کا فاعل اس میں ھُو کی ضمیر ہے جو شوہر کے لیے ہے اور ضمیر مفعولی ھا بیوی کے لیے ہے۔ تَحِلُّ کا فاعل اس میں ھِی کی ضمیر ہے جو طلاق شدہ بیوی کے لیے ہے اور لہ میں لہ کی ضمیر شوہر کے لیے ہے۔ تَنْكِحَ کا فاعل اس میں ھِی کی ضمیر ہے جو طلاق شدہ بیوی کے لیے ہے اور زَوْجًا اس کا مفعول ہے۔ زَوْجًا کی ابدل ہونے کی وجہ سے غَيْرَ منصوب ہی اور لہ کی ضمیر طلاق دینے والے شوہر کے لیے ہے۔ اس کے بعد طَلَّقَ کا فاعل اس میں ھُو کی ضمیر ہے جو زَوْجًا کے لیے ہے۔ عَلَیْھِمَا میں ھِی کی ضمیر بیوی اور اس کے پہلے شوہر کے لیے ہے۔ یُبَيِّنُ کا فاعل اس میں ھُو کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے اور اس کی ضمیر مفعولی ھا، حُدُود کے لیے ہے۔ لِقَوْمٍ مکررہ موصوفہ ہے۔

ترجمہ

فَإِنْ	طَلَّقَهَا	فَلَا تَحِلُّ	لَهُ	مِنْ بَعْدُ
پس اگر	وہ طلاق دیتا ہے اس کو	تو وہ حلال نہیں ہوگی	اس کے لیے	اس کے بعد
حَتَّى	تَنْكِحَ	زَوْجًا	غَيْرَهُ ۖ	طَلَّقَهَا
یہاں تک کہ	وہ عورت نکاح کرے	کسی شوہر سے	اس کے علاوہ	وہ طلاق دے اس کو
فَلَا جُنَاحَ	عَلَيْھِمَا	أَنْ	يَتَرَاجَعَا	إِنْ
تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں	ان دونوں پر	کہ	وہ دونوں باہم رجوع کریں	اگر

طَلَّأَ	أَنْ يُقْبِلَا	حُدَّوَاللَّهُ ط	وَتِلْكَ	51 هُوَ دَاللَّهُ
ان دونوں کو خیال ہو	کہ وہ قائم رکھیں گے	اللہ کی حدوں کو	اور یہ	اللہ کی حدود ہیں
يُبَيِّنُهَا	لِقَوْمٍ	يَعْلَمُونَ		
وہ واضح کرتا ہے ان کو	ایسے لوگوں کے لیے	جو علم رکھتے ہیں		

نوٹ-1

آیت نمبر۔ (2/ البقرہ: 221) ج میں مشرکوں سے نکاح کی ممانعت آئی تھی۔ وہاں مردوں کو منع کرنے کے لیے لفظ نكح ثلاثی مجرد سے آیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ مشرکات سے نکاح مت کرو۔ لیکن خواتین کی ممانعت کے لیے وہ لفظ باب افعال سے آیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ مشرکوں کے نکاح میں مت دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ خواتین کے نکاح کے لیے ان کے ولی کی اجازت ضروری ہے۔ اس کی مزید وضاحت ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی عورت نے نکاح کیا، اپنے ولی کی اجازت کے بغیر، تو اس کا نکاح باطل ہے، تو اس کا نکاح باطل ہے۔ (ابوداؤد، شریف۔ کتاب النکاح)۔

آیت زیر مطالعہ میں طلاق شدہ خواتین کے نکاح کی بات ہو رہی ہے۔ یہاں پر لفظ نكح ثلاثی مجرد سے آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت نکاح کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر شادی شدہ خواتین کے نکاح کے لیے ان کے ولی کی اجازت ضروری ہے لیکن مطلقہ خواتین کے لیے یہ ضروری نہیں ہے۔ اسی پر بیوہ خواتین کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

(آیت نمبر: 231)

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا لِتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ بَلْ أذكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝﴾

ترکیب

اِذَا شرطیہ ہے۔ طَلَّقْتُمُ سے اَجَلَهُنَّ تک شرط ہے اور فَأَمْسِكُوهُنَّ سے لِتَعْتَدُوا تک جواب شرط ہے۔ اسی طرح مَنْ بھی شرطیہ ہے اور آگے اس کی شرط اور جواب شرط ہے۔ لَا تَتَّخِذُوا کا مفعول اُولِ آيَاتِ اللَّهِ ہے اور هُزُوًا مفعول ثانی ہے۔ اَنْزَلَ اور يَعِظُكُمْ کے فاعل ان میں هُوَ کی ضمیریں ہیں جو اللہ کے لیے ہیں۔ نِعْمَتِ اللَّهِ کے بعد مَا اَنْزَلَ محذوف ہے مطلب ہوگا کہ اس نعمت کو یاد کرو جو اس سے تم پر اتاری۔ اور وَمَا میں مَا سے پہلے وَادْكُرُوا محذوف ہے مفہوم یہ ہوگا کہ یاد کرو جو اس نے اُتارا تم پر۔

وَإِذَا	طَلَّقْتُمُ	النِّسَاءَ	فَبَلَغْنَ	أَجَلَهُنَّ	فَأَمْسِكُوهُنَّ
اور جب بھی	تم لوگ طلاق دو	عورتوں کو	پھر وہ پہنچیں	اپنی مدت کو	تو تم لوگ تھامو ان کو

ترجمہ

بِعَرُوفٍ	أَوْ	سَرَّحُوهُنَّ	بِعَرُوفٍ	وَلَا تُنْسِكُوهُنَّ	ضَرَارًا
بھلائی سے	یا	آزاد کرو ان کو	بھلائی سے	اور تم لوگ مت تھامو ان کو	تکلیف دیتے ہوئے

لِتَعْتَدُوا	وَمَنْ	يَفْعَلْ ذَلِكَ	فَقَدْ ظَلَمَ	نَفْسَهُ	وَلَا تَتَّخِذُوا
تاکہ زیادتی کرو	اور جو	یہ کرتا ہے	تو اس نے ظلم کیا ہے	اپنے آپ پر	اور تم لوگ مت بناؤ

آيَاتِ اللَّهِ	هُرُوجًا	وَأَذْكُرُوا	نِعْمَتَ اللَّهِ	عَلَيْكُمْ	
اللہ کی آیات کو	مذاق (کا ذریعہ)	اور یاد کرو	اللہ کی نعمت کو	(جو اس نے اُتاری) تم لوگوں پر	

وَمَا	أَنْزَلَ	عَلَيْكُمْ	مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ		
اور (یاد کرو) اس کو جو	اس نے اُتارا	تم لوگوں پر	حکمت اور کتاب میں سے		

يَعُظُّكُمْ	بِهِ	وَاتَّقُوا	اللَّهُ	وَاعْلَمُوا	أَنَّ اللَّهَ
وہ نصیحت کرتا ہے تم لوگوں کو	جس سے	اور تم لوگ تقویٰ کرو	اللہ کا	اور جان لو	کہ اللہ

بِحِلِّ شَيْءٍ	عَلَيْكُمْ				
ہر چیز کو	ہر حال میں جاننے والا ہے				

(آیت نمبر: 232)

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ ذَٰلِكَ يُوعِظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾

ع ض ل

(ن) عَضُلًا روکنا۔ منع کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

وَإِذَا	طَلَّقْتُمُ	النِّسَاءَ	فَبَلَغْنَ	أَجَلَهُنَّ	فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ
اور جب بھی	تم لوگ طلاق دو	عورتوں کو	پھر وہ پہنچیں	اپنی مدت کو	تو تم لوگ مت روکو ان کو

ترجمہ

أَنْ يَنْكِحْنَ	أَزْوَاجَهُنَّ	إِذَا تَرَاضُوا	بَيْنَهُمْ	بِالْمَعْرُوفِ	ذَٰلِكَ
کہ وہ نکاح کریں	اپنے شوہروں سے	جب وہ راضی ہوں	آپس میں	بھلائی سے	یہ ہے

يُوعِظُ	بِهِ	مَنْ	كَانَ مِنْكُمْ	يُؤْمِنُ	بِاللَّهِ
نصیحت کی جاتی ہے	جس کی	اس کو جو	تم میں سے ہو	(کہ) ایمان رکھتا ہو	اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ط	ذَلِكَمُ	أَزْكٰى	451 لَكُمْ
اور آخرت پر	یہ	زیادہ پاک ہے (پھلنے پھولنے کی رکاوٹوں سے)	تمہارے لیے
وَاطْهَرُ ط	وَاللّٰهُ يَعْلَمُ	وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ	
اور زیادہ پاک ہے (نجاستوں سے)	اور اللہ جانتا ہے	اور تم لوگ نہیں جانتے	

نوٹ-1

آیت نمبر- 231 اور 232، دونوں میں الفاظ آئے ہیں فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ۔ دونوں کا ترجمہ ایک ہی ہے لیکن مفہوم میں فرق ہے۔ یہ فرق آگے جواب شرط سے واضح ہوتا ہے۔ آیت نمبر- 231 میں مفہوم یہ ہے کہ جب وہ اپنی مدت ختم ہونے کے قریب پہنچیں تو تم کو اختیار ہے کہ چاہے رجوع کر لو یا طلاق دے دو۔ آیت نمبر- 23 میں مفہوم یہ ہے کہ جب وہ اپنی مدت پوری کر لیں تو رجوع کرنے کا اختیار ختم ہو گیا اور وہ دوسری جگہ نکاح کرنے کے لیے آزاد ہو گئیں۔ اس لیے اب ان کے نکاح میں ان کے لیے مشکلات پیدا مت کرو۔

نوٹ-2

آیت نمبر- 229 میں الفاظ آئے ہیں الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ (طلاق دوم مرتبہ ہے)۔ اس کے بعد آیت نمبر- 230 میں بات کا آغاز فَاِنْ (پھر اگر) کے الفاظ سے ہوا ہے۔ اس سے اگلی دو آیتوں میں بات کا آغاز وَ اِذَا (اور جب بھی/کبھی بھی) کے الفاظ سے ہوا ہے۔ اس فرق سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ آیت نمبر- 230 میں تیسری طلاق کی بات ہوئی ہے اور اس کے متعلق حکم دیا گیا ہے۔

نوٹ-3

ان آیات یعنی آیات 229 تا 232 کے مطالعہ سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کے لیے ایک ضابطہ اور طریقہ کار کا تعین کیا ہے۔ اسے حدود اللہ قرار دے کر تاکید کی ہے کہ اس سے تجاوز مت کرو اور اللہ کی آیات کو مذاق مت بناؤ۔ اتنے واضح احکام اور ہدایات کے بعد بھی اگر کوئی شخص بیک وقت تین طلاق دیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا مجرم اور گنہگار ہے۔ اور ساتھ ہی اس کی بیوی اس سے تین طلاقیں کے ساتھ آزاد ہو گئی۔ اب رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ ”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کے متعلق خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں۔ آپ غصہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں“ (معارف القرآن)۔ حضرت عمرؓ سے یہاں تک ثابت ہے کہ جو شخص بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا، آپؐ اس کو دڑے لگاتے تھے (تفہیم القرآن)۔

مذکورہ ثبوت کے علی الرغم ہم لوگ ایسے شخص کو برا بھلا بھی نہیں کہتے۔ اُلٹا اس کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو سزا مقرر کی جی اس سے اس کو بچانے کے لیے چور دروازے تلاش کرتے ہیں۔ یہ ایک معمر ہے جو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

نوٹ-4

اصول یہ ہے کہ اگر کسی نکاح میں وقت کا ذکر ہو تو وہ نکاح فاسد ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں پندرہ دن کے لیے نکاح کرتا ہوں تو اس کا نکاح فاسد ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں ایک ہزار سال کے لیے نکاح کرتا ہوں، تو اس

کا مطلب یہی ہے کہ وہ پوری زندگی کے لیے نکاح کر رہا ہے، لیکن چونکہ اس میں بھی وقت کا ذکر ہے اس لیے یہ نکاح بھی فاسد ہے۔ اسی اصول کے تحت اگر کسی کے لیے اس کی مطلقہ بیوی کو حلال کرانے کے لیے اس کا دوسرا نکاح کرایا جائے جس میں یہ طے ہو کہ وہ اسے طلاق دے گا، تو یہ نکاح، نکاح نہیں بلکہ محض ایک بدکاری ہوگی اور اس طرح وہ عورت اپنے سابق شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ متعدد صحابہ کرامؓ کی متفقہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ سے حلالہ کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

ہم لوگ مذکورہ اصول کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور معلقہ احادیث کو بھی مانتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم ایسے حلالے کا فتویٰ بھی دیتے ہیں اور اعانت بھی کرتے ہیں جس کے کرنے اور کرانے والے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ یہ دوسرا معمر ہے جو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

آیت نمبر۔ 230 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے اپنی حدود کو ان لوگوں کے لیے واضح کیا ہے جو علم رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ یہ ساری خرابی عوام الناس کی جہالت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ تیسرا معمر ہے۔

بیک وقت تین طلاقیں کو گناہ سمجھنے اور اس پر غضب فرمانے کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے قطعی اور غیر رجعی طلاق کے طور پر نافذ فرماتے تھے۔ اگر کوئی کہتا کہ میری نیت تین طلاق کی نہیں بلکہ ایک طلاق کی تھی، تو آپؐ سے حلف اٹھوانے والے کی بات مان کر اسے ایک طلاق قرار دیتے تھے (معارف القرآن)۔

نوٹ۔ 5

### (آیت نمبر: 233)

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۖ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۖ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ ۚ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۖ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا اتَّيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝﴾

ر ض ع

(ف)

رَضَاعَةٌ بچے کا دودھ پینا۔  
مَرَضِعٌ دودھ پینے کی جگہ۔ ﴿وَحَرِّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ (28/ القصص: 12) اور ہم نے حرام کیا ان پر دودھ پینے کی جگہوں کو اس سے پہلے۔

إِرْضَاعًا بچے کو دودھ پلانا۔ آیت زیر مطالعہ۔  
أَرْضِعِي فعل امر ہے۔ تو دودھ پلا۔ ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ﴾ (28/ القصص: 7) اور ہم نے وحی کی موسیٰؑ کی والدہ کی طرف کہ آپ دودھ پائیں ان کو۔

مَرْضِعَةٌ اسم الفاعل ہے۔ دودھ پلانے والی۔ ﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ﴾ (22/ الحج: 2) جس دن تم لوگ دیکھو گے اس کو کہ بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی اس کو جسے اس نے دودھ پلایا۔



بچے کو کسی سے دودھ پلوانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

اسْتَرْضَاعًا

(استفعال)

ک س و

451

کسی کو کچھ پہنانا۔ لباس پہنانا۔ ﴿فَكَسَوْنَا الْعِظَمَ لِحَمَاقٍ﴾ (23/ المؤمنون: 14) ”پھر ہم نے پہنایا ہڈیوں کو گوشت۔“

كَسَوًا

(ن)

فعل امر ہے۔ تو پہنا۔ ﴿وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ﴾ (4/ النساء: 5) ”اور تم لوگ کھلاؤ ان کو اس میں سے اور پہناؤ ان کو۔“

اُكْسُوا

كَسُوَّةً

اسم ذات ہے۔ پہنانے کی چیز۔ لباس۔ آیت زیر مطالعہ۔

ک ل ف

كَفَّأ

(س)

تَكْلِفًا

(تفعیل)

تَكْلَفًا

(تفعل)

مُتَكَلِّفٌ

(۱) چہرے پر سُرنخی اور ٹیلا پن چھانا۔ جھانیاں ہونا۔ (۲) مشقت پر آمادہ ہونا۔ کسی کو مشقت میں ڈالنا۔ کسی کام کا پابند کرنا۔ تکلیف دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔ خود کو مشقت میں ڈالا۔ بے دلی سے کام کرنا۔ بناوٹ کرنا۔ دکھاوا کرنا۔ اسم الفاعل ہے۔ بناوٹ کرنے والا۔ دکھاوا کرنے والا۔ ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ (38/ ص: 86) ”اور میں دکھاوا کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔“

و ر ث

وَرَثًا

(ج)

کسی چیز کا مالک بننا۔ میت کے ترکے کا مالک بننا۔ وارث بننا۔ ﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا﴾ (4/ النساء: 19) ”حلال نہیں ہوتا تم لوگوں کے لیے کہ تم لوگ مالک بنو عورتوں کے زبردستی۔“ ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمُنُ دَاوُدَ﴾ (27/ النمل: 16) ”اور وارث ہوئے سلیمان، داؤد کے۔“

وَارِثٌ

ج وَاَرِثُونَ اور وَرَثَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ مالک بننے والا۔ وارث بننے والا۔ ﴿وَنَجْعَلُهُمُ آبِيَةً وَنَجْعَلُهُمُ الْوَارِثِينَ﴾ (28/ القصص: 5) ”اور یہ کہ ہم بنائیں ان کو پیشوا اور ہم بنائیں ان کو مالک ہونے والے۔“ ﴿وَجَعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ﴾ (26/ الشعراء: 85) ”اور تو بنا مجھ کو ہمیشہ سرسبز رہنے والے باغ کے مالک بننے والوں میں سے۔“

مِيرَاثٌ

مِفْعَالٌ کے وزن پر اسم الالہ ہے۔ وارث بننے کا ذریعہ یعنی ترکہ۔ ﴿وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (3/ آل عمران: 180) ”اور اللہ کے لیے ہی ہے زمین اور آسمانوں کا ترکہ۔“

ثَرَاثٌ

اسم ذات ہے۔ میت کا چھوڑا ہوا مال۔ ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِقَوْمٍ أَعْبَادًا﴾ (89/ الفجر: 19) ”اور تم لوگ کھاتے ہو میت کا مال، سمیٹ کر کھانا۔“

إِيرَاثًا

(افعال)

کسی کو مالک بنانا۔ وارث بنانا۔ ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ (19/ مریم: 63) ”یہ باغ وہ ہے جس کا ہم مالک بنائیں گے اپنے بندوں میں سے اس کو جو صاحب تقویٰ تھا۔“

ف ص ل

فَصَّلًا

(ض)

دو چیزوں کے درمیان دوری کرنا۔ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنا۔ فیصلہ کرنا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ﴾ (22/ الحج: 17) ”بیشک اللہ فیصلہ کرے گا ان کے مابین قیامت کے دن۔“

فَصُولًا

(ن)

شہر سے نکلنا۔ روانہ ہونا۔ ﴿فَلَبَّا فَصَلَّ طَلُوتُ بِأَلْجُودِ﴾ (2/ البقرہ: 249) ”پھر جب روانہ ہوا طالوت لشکروں کے ساتھ۔“

اسم الفاعل ہے۔ فیصلہ کرنے والا۔ ﴿وَهُوَ خَيْرُ الْفَصِيلَيْنِ﴾ (6/ الانعام: 57) ”اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔“

فَاصِلٌ

فصیل کا مؤنث ہے۔ گھر کی چہار دیواری۔ پھر گھر میں رہنے والوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کنبہ۔ گھرانہ۔ ﴿وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُتَوِيهٖ﴾ (70/ المعارج: 13) ”اور اپنے گھرانے کو جس میں وہ رہتا تھا۔“

فَصِيلَةٌ

اسم ذات ہے۔ فیصلہ۔ ﴿هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَلِّبُونَ﴾ (37/ الصافات: 21) ”یہ فیصلہ کا دن ہے جس کو تم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔“

فَصْلٌ

کسی چیز کے اجزاء کو الگ الگ کرنا۔ کھول کھول کر بیان کرنا۔ تفصیل سے بتانا۔ ﴿وَكَانَ لَكَ نَفْصِلٌ الْاٰلِيَّتْ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (7/ الاعراف: 174) ”اور اس طرح ہم کھول کھول کر بتاتے ہیں آیتوں کو شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔“

تَفْصِيْلًا

(تفعیل)

اسم المفعول ہے۔ تفصیل سے بتایا ہوا۔ الگ الگ کیا ہوا۔ ﴿وَهُوَ الَّذِي اَنْزَلَ اِلَيْكُمْ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا﴾ (6/ الانعام: 114) ”وہ ہے جس نے اُنارا تم لوگوں کی طرف کتاب کو، الگ الگ کی ہوئی حالت میں۔“

مُفَصَّلٌ

کسی کو شراکت سے الگ کرنا۔ بچے کا دودھ چھڑانا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

فَصَالًا

(مفاعله)

ش و ر

(۱) چھتے سے شہد نکالنا۔ کسی چیز کا جوہر نکالنا۔ (۲) گھوڑے کی صلاحیت معلوم کرنے کے لیے اس پر سواری کرنا۔ کسی کا تعارف حاصل کرنا۔

شَوْرًا

(ن)

کسی کا تعارف کرنا۔ اشارہ کرنا۔ ﴿فَاٰشَارَتْ اِلَيْهِ ط﴾ (19/ مریم: 29) ”تو انہوں نے اشارہ کیا ان کی طرف۔“

اِشَارَةً

(افعال)

کسی کے دماغ سے اس کی رائے نکالنا۔ رائے لینا۔ مشورہ لینا۔ رائے معلوم کرنا۔ فعل امر ہے۔ تو رائے لے۔ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ط﴾ (3/ آل عمران: 159) ”آپ رائے لیں ان سے فیصلے میں۔“

مُشَاوَرَةً

(مفاعله)

شَاوِرٌ

ایک دوسرے سے رائے لینا۔ باہم مشورہ کرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

تَشَاوَرًا

(تفاعل)

اسم فعل ہے۔ باہم مشورہ کرنا۔ ﴿وَاَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ ط﴾ (42/ اشوری: 38) ”اور ان لوگوں کا کام آپس میں مشورہ کرنا ہے۔“

شُورٰى

ترکیب

يُرِضِعْنَ کا فاعل اس میں هُنَّ کی ضمیر ہے جو اَلْوَالِدَاتُ کے لیے ہے۔ اَوَّلَا ذَهْنٌ کا مفعول ہے اور حَوْلَيْنِ کا مِلِّينِ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ رَزَقْنَهُنَّ وَكِسَوْتُهُنَّ مبتداء مؤخر ہیں۔ ان میں هُنَّ کی ضمیر اَلْوَالِدَاتُ کے لیے ہے۔ ان کی خبر مخذوف ہے جو واجب ہو سکتی ہے۔ عَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ قائم مقام، خبر مقدم ہے اور بِالْمَعْرُوفِ متعلق خبر ہے۔ تُكَلِّفُ باب تفعیل کا مضارع مجہول ہے اور یہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ نَفْسٌ، اس کا نائب فاعل ہے جبکہ اس کا مفعول ثانی مخذوف ہے جو شَيْئًا ہو سکتا ہے اور اس کا مستثنیٰ وَسُعَهَا ہے۔

لَا تُضَاوِرَ باب مفاعله کا مضارع مجزوم ہے لیکن یہ مضارع معروف اور مجہول دونوں کا فعل نہیں بنتا ہے، اس لیے دونوں ترجموں کی گنجائش ہے اور یہاں دونوں ہی مراد ہیں۔ وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ میں وَلَا کے بعد يَضَاوِرَ مخذوف ہے اور اس کے بھی دونوں ترجمے مراد ہیں۔ زیادہ تر مجہول کا ترجمہ کیا گیا ہے اس لیے دوسرا پہلو واضح کرنے کے لیے ہم معروف کا ترجمہ دیں گے۔ اَتَيْنْتُمْ کا ایک مفعول مَّا ہے اور دوسرا مفعول هُنَّ مخذوف ہے۔ اِذَا شرطیہ کی وجہ سے اَتَيْنْتُمْ کا ترجمہ حال میں ہوگا۔



ترجمہ

وَالْوَالِدَاتُ	يُرْضَعْنَ	أَوْلَادَهُنَّ	حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ	451 لِمَنْ
اور بچہ جننے والیاں	دودھ پلائیں گی	اپنے بچوں کو	کامل دو سال	اس کے لیے جو

أَرَادَ	أَنْ يُتِمَّ	الرَّضَاعَةَ	وَعَلَى	الْمَوْلُودِ	لَهُ
چاہتا ہے	کہ وہ پورا کرے	بچے کے دودھ پینے کو	اور اس پر ہے	بچہ جنا گیا	جس کے لیے

رِزْقُهُنَّ	وَكِسْوَتَهُنَّ	بِالْمَعْرُوفِ	لَا تُكَلِّفُ	نَفْسٌ	إِلَّا
ان کی خوراک	اور ان کا لباس	بھلائی سے	پابند نہیں کیا جاتا	کسی جان کو	مگر

وُسْعَهَا	لَا تُضَارَّ	وَالِدَتُهَا	يُولَدِهَا	وَلَا	
اس کی وسعت کو	اور دکھ نہ دے	کوئی والدہ (کسی کو)	اپنے بچے کے ذریعے	اور نہ ہی (دکھ دے)	

مَوْلُودُهَا	يُولَدُهَا	وَعَلَى الْوَارِثِ	مِثْلُ ذَلِكَ	فَإِنْ أَرَادَا	
کوئی والد (کسی کو)	اپنے بچے کے ذریعے	اور وارث پر (واجب) ہے	اس کی مانند	پھر اگر دونوں چاہیں	

فَصَلَا	عَنْ تَرَاضٍ	مِنْهُمَا	وَتَشَاوٍ		
بچے کا دودھ چھڑانا	باہمی رضامندی سے	ان دونوں میں	اور باہمی مشورے سے		

فَلَا جُنَاحَ	عَلَيْهِمَا	وَإِنْ أَرَدْتُمُ	أَنْ تَسْتَرْضِعُوا		
تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	ان دونوں پر	اور اگر تم لوگ چاہو	کہ کسی (اور) سے دودھ پلاؤ		

أَوْلَادَكُمْ	فَلَا جُنَاحَ	عَلَيْكُمْ	إِذَا	سَلَّمْتُمْ	
اپنے بچوں کو	تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	تم لوگوں پر	جب (بشرطیکہ)	تم لوگ حوالے کر دو	

مَّا	اتَّبَعْتُمْ	بِالْمَعْرُوفِ	وَاتَّقُوا اللَّهَ	وَاعْلَمُوا	أَنَّ اللَّهَ
اس کی جو	تم نے دینا ہے	دستور کے مطابق	اور تم لوگ تقویٰ کرو اللہ کا	اور جان لو	کہ اللہ

بِمَا	تَعْبَلُونَ	بَصِيرٌ			
اس کو جو	تم لوگ کرتے ہو	دیکھنے والا			

## آیت نمبر (234)

﴿وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾

و ذ ر

451

(ف) وَذُرَّا

کسی چیز کو چھوڑنا۔ ترک کرنا۔ ﴿اَتَذَرُونَ بَعْلًا وَ تَذَرُونَ اَحْسَنَ الْخَالِقِينَ﴾ (37/ الصافات: 125) ”کیا تم لوگ پکارتاے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو بہترین پیدا کرنے والے کو۔“  
 فعل امر ہے۔ تو چھوڑ۔ ﴿وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ فَعَاقِبَةُ الْقَاعِدِينَ﴾ (9/ التوبہ: 86) ”اور انہوں نے کہا تو چھوڑ ہم کو تو ہم ہو جائیں بیٹھنے والوں کے ساتھ۔“

ذُرَّ

خ ب ر

(ف)

خَبِرًا

خَبْرٌ

کسی چیز کے متعلق معلومات حاصل کرنا۔ آگاہ ہونا۔  
 جِ احْبَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ آگاہی۔ خبر۔ معلومات۔ ﴿اِنَّ اَنْتَ نَارٌ سَائِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ﴾ (27/ النمل: 7) ”بیشک میں دیکھتا ہوں آگ کو میں آؤں گا تم لوگوں کے پاس اس کی کسی آگاہی کے ساتھ۔“ ﴿قَدْ نَبَّأَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ط﴾ (9/ التوبہ: 94) ”ہم کو بتا دیا ہے اللہ نے تمہاری خبروں میں سے۔“

خَبِيرٌ

خُبْرٌ

فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں آگاہ۔ باخبر۔ آیت زیر مطالعہ۔  
 اسم ذات ہے۔ تجربہ۔ علم۔ ﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ط﴾ (18/ الکہف: 68) ”اور آپ کیسے ثابت قدم رہیں گے اس پر، آپ نے احاطہ نہیں کیا جس کا، بطور علم کے۔“

ترکیب

يُتَوَقَّوْنَ باب تَفَعَّلَ سے مضارع مجہول ہے۔ اس کا نائب فاعل اس میں هُمْ کی ضمیر ہے جو اَلَّذِيْنَ کے لیے ہے۔ يَذَرُونَ کا فاعل اس میں هُمْ کی ضمیر ہے اور یہ بھی اَلَّذِيْنَ کے لیے ہے۔ اَزَّوَاجًا اس کا مفعول ہے۔ يَتَرَبَّصْنَ کا فاعل اس میں هُنَّ کی ضمیر ہے جو اَزَّوَاجًا کے لیے ہے۔ اَرْبَعَةَ مَضَاف ہے اور ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ عَشْرًا کے بعد لِيَالٍ (راتیں) محذوف ہے۔ یہ دراصل عَشْرَ لَيَالٍ تھا۔ لَيَالٍ محذوف ہوا تو عَشْرَ مضاف نہیں رہا اس لیے عَشْرًا آیا ہے۔ اگر یہاں دن مراد ہوتے تو یہ عَشْرَةَ اَيَّامٍ بنتا پھر اَيَّامٍ محذوف کرنے سے عَشْرَةَ آتا۔

ترجمہ

وَالَّذِينَ	يُتَوَقَّوْنَ	مِنْكُمْ	وَيَذَرُونَ	اَزَّوَاجًا
اور وہ لوگ جن کو	موت دی جاتی ہے	تم میں سے	اور وہ لوگ چھوڑتے ہیں	بیویوں کو
يَتَرَبَّصْنَ	بِأَنْفُسِهِنَّ	اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ	وَعَشْرًا ط	فَاِذَا
وہ انتظار کریں گی	اپنے نفس کے ساتھ	چار مہینے	اور دس (راتیں)	پھر جب
بَلَّغْنَ	اَجَلَهُنَّ	فَلَا جُنَاحَ	عَلَيْكُمْ	فِيْمَا
وہ پہنچیں	اپنی مدت کو	تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	تم لوگوں پر	اس میں جو
بِالْمَعْرُوفِ ط	وَاللّٰهُ	بِمَا	تَعْمَلُونَ	خَبِيرٌ
بھلائی سے	اور اللہ	اس سے جو	تم لوگ کرتے ہو	آگاہ ہے

## آیت نمبر (235)

#51

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ۖ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُؤَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۖ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝﴾

خ ط ب

(ن) خَطْبًا

خَطْبٌ

خُطْبَةٌ

مُخَاطَبَةٌ اور

خِطَابًا

خِطَابٌ

(مفاعله)

ک ن ن

كُنَّا

مَكْنُونٌ

كِتَانٌ

كِئٌ

اِكْنَانًا

(افعال)

ع ق د

عَقْدًا

عُقْدَةٌ

عُقْدٌ

(ض)

(۱) کسی کو صحیح صورتحال سے آگاہ کرنا۔ وعظ کرنا۔ تقریر کرنا۔ (۲) منگنی کا پیغام دینا۔ منگنی کرنا۔ صورتحال۔ حال۔ مدعا۔ مطلب۔ ﴿فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝﴾ (15/ الحج: 57) ”تم لوگوں کا کیا اہم کام ہے اے بھیجے ہوئے لوگوں یعنی فرشتوں“ رشتہ کا پیغام۔ آیت زیر مطالعہ۔ کسی کو اپنی طرف متوجہ کر کے گفتگو کرنا۔ خطاب کرنا۔ ﴿وَلَا تُخَاطَبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ (11/ ہود: 37) ”اور تم گفتگو مت کرنا مجھ سے ان کے لیے جنہوں نے ظلم کیا۔“ اسم ذات بھی ہے۔ گفتگو، خطاب۔ ﴿وَعَزَّيْنِي فِي الْخُطَابِ ۝﴾ (38/ ص: 23) ”اور وہ حاوی ہوا مجھ پر گفتگو میں۔“

کسی چیز کو کسی چیز میں چھپانا۔ ڈھانکنا۔ محفوظ کرنا۔ اسم المفعول ہے۔ چھپایا ہوا۔ محفوظ کیا ہوا ﴿كَاتَّبَهُنَّ بِضْ مَكْنُونٌ ۝﴾ (37/ الصافات: 49) ”جیسے کہ وہ ہوں محفوظ کیے ہوئے انڈے۔“ ج ا ك ن ت ت۔ وہ چیز جس میں چھپایا جائے۔ غلاف۔ پردہ۔ ﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ اَكِنَّةٍ﴾ (41/ حمہ السجدة: 5) ”انہوں نے کہا ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔“ ج ا ك ن ن ا ن۔ جس میں انسان خود کو چھپائے۔ کمرے کے اندر کوٹھری۔ غار۔ ﴿وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا﴾ (16/ النحل: 81) ”اور اس نے بنایا تمہارے لیے پہاڑوں میں غار۔“ کسی بات کو دل میں چھپانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

(۱) کسی چیز کو باندھنا۔ گرہ لگانا۔ (۲) کسی چیز کو پکا کرنا۔ مضبوط کرنا جیسے وعدہ یا سودا وغیرہ (متعدي)۔ (۳) پکا یا مضبوط ہونا (لازم)۔ ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ آيَاتُكُمْ فَاتَوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۖ﴾ (4/ النساء: 33) ”اور وہ لوگ جن سے کچی ہوئی تمہاری قسمیں تو ان کو دواں کا حصہ۔“ ج ع ق د۔ اسم ذات ہے۔ گرہ۔ آیت زیر مطالعہ اور ﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفَّثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۝﴾ (113/ الفلق: 4) ”اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے۔“ ج ع ق و د۔ اسم ذات ہے۔ عہد۔ بیان۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۖ﴾ (5/ المائدہ: 1) ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم لوگ پورا کرو عہدوں کو۔“

(تفعیل)

تَعْقِيدًا

بار بار پکا کرنا۔ خوب مضبوط کرنا۔ ﴿يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ﴾ (5/ المائدہ: 89)  
 ”وہ پکڑے گا تم کو اس پر جو تم نے پکا کیا قسموں کو۔“

ترکیب

عَزَّضْتُمْ بِهِ کی ضمیر فیما کے لیے ہے۔ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ میں مِنْ بیانیہ ہے جو فیما کی وضاحت کر رہا ہے۔  
 خُطْبَةِ مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ النِّسَاءِ، اس پر لام تعریف لگا ہوا ہے جو گزشتہ آیت کے لفظ اَزَّوَاجًا کے لیے ہے۔ لَا  
 تُؤَاعِدُوا کا مفعول هُنَّ کی ضمیر ہے جبکہ سِرًّا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ

وَلَا جُنَاحَ	عَلَيْكُمْ	فِيهَا	عَزَّضْتُمْ	بِهِ	مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ
اور کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	تم لوگوں پر	اس میں	تم لوگ اشارۃً پیش کرو	جس کو	ان خواتین کے رشتہ کے پیغام میں سے
أَوْ أَكُنْتُمْ	فِي أَنْفُسِكُمْ	عَلِمَ اللَّهُ	أَنْكُمْ	سَتَذَكَّرُوهُنَّ	وَلَكِنْ
یا تم لوگ چھپاؤ	اپنے جی میں	اللہ نے جانا	کہ تم لوگ	تذکرہ کرو گے ان کا	اور لیکن
لَا تُؤَاعِدُوهُنَّ	سِرًّا	إِلَّا أَنْ	تَقُولُوا	قَوْلًا مَعْرُوفًا	
تم لوگ معاہدہ مت کرو ان سے	چوری چھپے	سوائے اس کے کہ	تم لوگ کہو	دستور کے مطابق کوئی بات	
وَلَا تَعْزِمُوا	عُقْدَةَ النِّكَاحِ	حَتَّى	يَبْلُغَ	الْكِتَابُ	أَجَلَهُ
اور پختہ ارادہ مت کرو	نکاح کی گرہ کا	یہاں تک کہ	پہنچے	قانون	اپنی مدت کو
وَأَعْلَمُوا	وَأَعْلَمُوا	وَأَعْلَمُوا	وَأَعْلَمُوا	وَأَعْلَمُوا	وَأَعْلَمُوا
اور جان لو	اور جان لو	اور جان لو	اور جان لو	اور جان لو	اور جان لو
أَنَّ اللَّهَ	يَعْلَمُ	مَا	فِي أَنْفُسِكُمْ	فَاحْذَرُوا	وَأَعْلَمُوا
کہ اللہ	جانتا ہے	اس کو جو	تمہارے نفسوں میں ہے	پس تم لوگ بچو اس سے	اور جان لو
أَنَّ اللَّهَ	عَقُورٌ	حَلِيمٌ			
کہ اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہے	ہر حال میں بردبار ہے			

آیت نمبر (236)

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۖ وَ مَتَّعُوهُنَّ عَلَى  
 الْمُسَاسَاةِ قَدَرَهُنَّ عَلَى الْبُقْعَةِ الْمُبْتَاةِ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۚ﴾ (236)

ق ت ر

قَتَرُوا

(ن)

خرچ میں تنگی کرنا۔ ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا لَمْ يَقْتُرُوا﴾ (25/ الفرقان: 67) ”اور وہ  
 لوگ جو جب بھی خرچ کرتے ہیں تو بے جا خرچ نہیں کرتے اور نہ خرچ میں تنگی کرتے ہیں۔“  
 فَعُولُ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ خرچ میں بہت زیادہ تنگی کرنے والا۔ کنوس۔ بخیل۔

قَتَرُوا

﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا﴾ (17/ بنی اسرائیل: 100) ”اور انسان کنجوس ہے۔“

451

قَتْرًا کسی چیز کی بو پھیلنا۔ آگ کا دھواں دینا۔

(س) قَتْرٌ اسم ذات ہے۔ دھواں۔ سیاہی۔ ﴿وَلَا يَرْهَقُ وَجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ﴾ (10/ یونس: 26)

”اور نہیں چھائے گی ان کے چہروں پر کوئی سیاہی اور نہ ہی کوئی ذلت۔“

(انفال) اِفْتَارًا مال کا کم ہو جانا۔

مُقْتَرٌ اسم الفاعل ہے۔ مال میں کم ہونے والا۔ تنگ دست۔ آیت زیر مطالعہ۔

مَالَمْ کَا مَا ظرفیہ ہے۔ اَوْ تَفْرِضُوا میں اَوْ کے بعد مَالَمْ محذوف ہے اس لیے فعل تَفْرِضُوا مجزوم آیا ہے۔ عَلٰی الْمَوْسِعِ سے پہلے اس کا مبتداء تَتَّبِعْ اور خبر وَاِجِبْ محذوف ہے۔ مَتَاعًا اور حَقًّا خبر محذوف وَاِجِبْ کا حال ہے۔

ترکیب

ترجمہ

لَا جُنَاحَ	عَلَيْكُمْ	إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ	مَا	لَمْ تَمْسُوهُنَّ	أَوْ	تَفْرِضُوا
کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	تم لوگوں پر	اگر تم لوگ طلاق دو عورتوں کو	جبکہ	تم نے چھوا نہیں ان کو	یا	(جبکہ نہیں) فرض کیا

لَهُنَّ	فَرِيضَةٌ	وَمَتَّعُوهُنَّ	عَلَى الْمَوْسِعِ
ان کے لیے	کوئی واجب (مہر)	اور تم لوگ سامان دوان کو	(سامان دینا واجب ہے) فراغ دست پر

قَدَرًا	وَعَلَى الْمُقْتَرِ	قَدَرًا	مَتَاعًا
اس کے اندازے سے	اور تنگ دست پر	اس کے اندازے سے	سامان ہوتے ہوئے

بِالْمَعْرُوفِ	حَقًّا	عَلَى الْمُحْسِنِينَ
دستور کے مطابق	حق ہوتے ہوئے	احسان کرنے والوں پر

### آیت نمبر (237)

﴿وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بَيْنَهُ عَقْدٌ النَّكَاحِ طَوَّ أَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى ط وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ط إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٢﴾﴾

ترکیب

وَقَدْ فَرَضْتُمْ کَا وَاوِ حالِیہ ہے۔ فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ میں نِصْفُ مضاف ہے، مَا اس کا مضاف الیہ ہے اور یہ پورا فقرہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر وَاِجِبْ اور متعلق خبر عَلَیْكُمْ محذوف ہے۔ یَعْفُونَ جمع مذکر غائب اور جمع مؤنث غائب کے صیغوں میں ہم شکل ہو جاتا ہے۔ یہاں چونکہ اِلَّا اَنْ یَعْفُونَ میں اَنْ کی وجہ سے نون اعرابی نہیں گرا، اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ جمع مؤنث غائب ہے۔ اَوْ یَعْفُوا دراصل واحد مذکر غائب کا صیغہ یَعْفُوا ہے جو اِلَّا اَنْ پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہو کر یَعْفُو ہوا ہے اور اس کے آگے الف لکھنا قرآن کا مخصوص الماء ہے۔ اس کی وجہ سے اس کو تشنیہ کا

صیغہ ماننا ممکن نہیں ہے کیونکہ آگے اَلَّذِي واحد آیا ہے۔ جبکہ وَأَنْ تَعْفُوا جمع مذکر مخاطب ہے کیونکہ اُن کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہوا ہے۔

ترجمہ

وَإِنْ	طَلَّقْتُمُوهُنَّ	مِنْ قَبْلِ	أَنْ	تَمْسُوهُنَّ	وَا
اور اگر	تم لوگ طلاق دو ان کو	اس سے پہلے	کہ	تم نے چھو ان کو	اس حال میں کہ

قَدْ فَرَضْتُمْ	لَهُنَّ	فَرِيضَةً	فَنِصْفُ مَا	فَرَضْتُمْ
تم فرض کر چکے تھے	ان کے لیے	کوئی واجب (مہر)	تو اس کا آدھا ہے جو	تم نے فرض کیا (واجب ہے تم پر)

إِلَّا أَنْ	يَعْفُونَ	أَوْ	يَعْفُوا	الَّذِي بَيْنَهُمَا	عُقْدَةُ النِّكَاحِ ط
سوائے اس کے کہ	وہ خواتین معاف کریں	یا (یہ کہ)	وہ شخص معاف کر دے	وہ جس کے ہاتھ میں	نکاح کی گرہ ہے

وَأَنْ	تَعْفُوا	أَقْرَبُ	لِلتَّقْوَى ط	وَلَا تَنْسُوا
اور یہ کہ	تمہارا معاف کر دینا	زیادہ قریب ہے	تقویٰ سے	اور تم لوگ مت بھولو

الْفَضْلَ	بَيْنَكُمْ ط	إِنَّ اللَّهَ	بِمَا	تَعْمَلُونَ	بَصِيرٌ
فضل کو	آپس میں	یقیناً اللہ	اس کو جو	تم لوگ کرتے ہو	ہر حال میں دیکھنے والا

تَمْسُوهُنَّ سے پہلے طلاق دینے کا پاکستانی اصطلاح میں مطلب ہے رخصتی سے پہلے طلاق دینا۔ اس میں دو امکانات ہیں۔ ایک یہ کہ نکاح کے وقت ہر طے نہیں ہوا تھا اور رخصتی سے پہلے طلاق ہو گئی۔ اس کے لیے ہدایت گزشتہ آیت میں ہے۔ دوسرے یہ کہ نکاح کے وقت مہر طے ہوا تھا پھر رخصتی سے پہلے طلاق ہوئی۔ اس کے لیے ہدایت آیت زیر مطالعہ میں۔

نوٹ-1

### آیت نمبر (238)

﴿حِفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَنِينَ ۝﴾

ح ف ظ

(س)

حَفْظًا کسی چیز کو ضائع ہونے یا رائیگاں جانے سے بچانا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) حفاظت کرنا۔ (۲) نگرانی کرنا۔ (۳) یاد کرنا۔ ﴿يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ط﴾ (13/ الرعد: 11) ”وہ لوگ نگہبانی کرتے ہیں اس کی اللہ کے حکم سے۔“

حَفْظ فعل امر ہے۔ تو حفاظت کر۔ نگہبانی کر۔ ﴿وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ط﴾ (5/ المائدہ: 89) ”اور تم لوگ حفاظت کرو اپنی قسموں کی۔“

حَفِيزٌ کا وزن ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں (۱) حفاظت یا نگرانی کرنے والا۔ (۲) محفوظ کرنے والا۔ ﴿وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيزٍ ۝﴾ (6/ الانعام: 104) ”اور میں نہیں ہوں تم لوگوں کی نگہبانی کرنے والا۔“ ﴿وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيزٌ ۝﴾ (50/ ق: 4) ”اور ہمارے پاس ایک محفوظ کرنے والی کتاب ہے۔“



حَافِظُ فاعِل کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ حفاظت کرنے والا۔ نگرانی کرنے والا۔ ﴿وَإِنَّا لَهُ

لَحَافِظُونَ﴾ (15/ الحجر: 9) ”اور بیشک ہم اس کی لازماً حفاظت کرنے والے ہیں۔“

مَحْفُوظُ مفعول کے وزن پر اسم المفعول ہے۔ حفاظت کیا ہوا۔ ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا﴾

(21/ الانبیاء: 32) ”ہم نے بنایا آسمان کو ایک حفاظت کی ہوئی چھت۔“

حَفَظَ صفت ہے۔ نگہبان۔ نگران۔ ﴿وَيُرْسِلْ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾ (6/ الانعام: 61) ”اور وہ بھیجتا ہے تم

لوگوں پر ایک نگہبان۔“

مُحَافَظَةُ (مفاعِلہ) کسی چیز کی مسلسل نگہبانی کرنا یعنی کسی کام پر ہمیشگی اختیار کرنا۔ ﴿وَهُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ

يُحَافِظُونَ﴾ (6/ الانعام: 92) ”اور وہ لوگ اپنی نمازوں پر ہمیشگی اختیار کرتے ہیں۔“

حَافِظُ فعل امر ہے۔ تو مسلسل نگرانی کر۔ تو ہمیشگی اختیار کر۔ آیت زیر مطالعہ۔

اِسْتَحْفَظَا (استفعال) کسی چیز کی حفاظت چاہنا۔ ﴿بِمَا اسْتَحْفَظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ﴾ (5/ المائدہ: 44) ”جس کے سبب

سے حفاظت چاہی گئی اللہ کی کتاب میں سے۔“

الصَّلَاتِ پر عطف ہونے کی وجہ سے الصَّلَاةُ مجرور ہوا ہے۔ اَلْوَسْطَى اس کی صفت ہے لیکن مبنی ہونے کی وجہ سے اس میں تبدیلی نہیں ہوئی قِنَيْنِ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترکیب

حَفِظُوا	عَلَى الصَّلَاتِ	وَالصَّلَاةُ الْوَسْطَى	وَقَوْمُوا
تم لوگ ہمیشگی اختیار کرو	نمازوں پر	اور (مسلسل نگرانی کرو) درمیانی نماز کی	اور کھڑے ہو

ترجمہ

لِلَّهِ	قِنَيْنِ
اللہ کے لیے	فرمانبردار ہوتے ہوئے

### آیت نمبر (239)

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فِرْجَالَ أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمْنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَيْكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ (39)

ر ج ل

(ن) رَجُلًا ٹانگ پر مارنا۔

(س) رَجُلًا پیدل چلنا۔

رَجُلٌ نَجْرَجُلٌ۔ اسم ذات ہے۔ ٹانگ۔ پیر۔ ﴿أَرْكُضْ بِرِجْلِكَ﴾ (38/ ص: 42) ”آپ ٹھوکر

ماریں اپنے پیر سے۔“ ﴿أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا﴾ (7/ الاعراف: 195) ”کیا ان کی ٹانگیں ہیں،

وہ لوگ چلتے ہیں جس سے۔“

رَجُلٌ نَجْرَجُلٌ۔ اسم ذات ہے۔ مرد، آدمی۔ ﴿الْيَسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ﴾ (11/ صود: 78) ”کیا

تم لوگوں میں کوئی نیک چلن مرد نہیں ہے۔“ ﴿وَ نَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رَجَالًا﴾

(7/ الاعراف: 48) ”اور پکارا اعراف کے لوگوں نے کچھ مردوں کو۔“

رَجُلٌ اور رَجُلًا!۔ اسم الفاعل ہے۔ پیدل چلنے والا۔ پیادہ۔ رَجُلٌ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ رَجُلًا آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمُ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 64) ”اور تو لے آں پر اپنے سواروں کو اور اپنے پیادوں کو۔“

ر ک ب

مَرْكَبًا (س) کسی چیز پر چڑھنا۔ سوار ہونا۔ ﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَوْا اللَّهَ﴾ (29/ العنکبوت: 65) ”پھر جب وہ لوگ سوار ہوتے ہیں کشتی پر تو وہ پکارتے ہیں اللہ کو۔“

إِرْكَبَ فعل امر ہے۔ تو چڑھ۔ تو سوار ہو۔ ﴿يُثَبِّتِي أَرْكَبَ مَعْنَا﴾ (11/ ہود: 42) ”اے میرے بچے! تو سوار ہو ہمارے ساتھ۔“

رَاكِبٌ رَكُوبٌ۔ رُكْبَانٌ۔ فَاعِلٌ ك لے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ سوار ہونے والا۔ سوار۔ رَاكِبٌ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ ﴿وَالرَّكِبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ ط﴾ (8/ الانفال: 42) ”اور سواروں کا دستہ تم سے اُترائی میں۔“ ﴿فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ﴾ (36/ یس: 72) ”تو بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض وہ کھاتے ہیں۔“ رُكْبَانٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔

رِكَابٌ سوار کے پیر رکھنے کی جگہ۔ رِکاب۔ سواری کا اُونٹ۔ ﴿فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ﴾ (59/ الحشر: 6) ”تو تم نے نہیں دوڑایا اس پر کوئی گھوڑا اور نہ ہی کوئی اُونٹ۔“

تَرْكِبًا (تفعیل) ایک پر دوسری چیز رکھنا۔ ترتیب سے رکھنا۔ کسی کو ترتیب دینا۔ ﴿فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ط﴾ (82/ الانفاطار: 8) ”جیسی صورت میں اس نے چاہا، اس نے ترتیب دیا تجھ کو۔“

تَرَاكِبًا (تفاعل) باہم ایک دوسرے پر چڑھنا۔ ایک دوسرے میں گتھ جانا۔

مُتَرَاكِبٌ اسم الفاعل ہے۔ ایک دوسرے میں گتھنے والا۔ ﴿تُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا﴾ (6/ الانعام: 99) ”ہم نکالتے ہیں اس سے کچھ دانے باہم گتھے ہوئے۔“

خَفَّتُمْ کا مفعول محذوف ہے۔ رَجَالًا اور رُكْبَانًا دونوں حال ہیں اس لیے منصوب ہیں۔ ان کا فعل فَصَلُوا محذوف ہے۔ عَلَّمَكُمْ میں عَلَّمَ کا فاعل اس میں هُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ مَا لَمْ میں مَا مفعول مقدم ہے تَعْلَمُونَ کا۔

ترکیب

ترجمہ

فَإِنْ خَفَّتُمْ	فَرَجَالًا	أَوْ رُكْبَانًا
پھر اگر تمہیں خوف ہو (کسی چیز کا)	تو (نماز پڑھو) پیدل چلتے ہوئے	یا سواری کرتے ہوئے

فَإِذَا آمَنْتُمْ	فَاذْكُرُوا اللَّهَ	لَمَّا	عَلَيْكُمْ
پھر جب تم لوگ امن میں ہو	تو یاد کرو اللہ کو	اس طرح جیسے	اس نے سکھایا تم لوگوں کو

مَّا	لَمْ تَكُونُوا	تَعْلَمُونَ
جس کو	تم لوگ نہیں تھے	جانتے



نوٹ-1

گزشتہ آیت میں نماز میں ہیشگی اختیار کرنے کے حکم کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ ہر نماز کو اس کے مقررہ وقت پر ادا کرنا۔ اور دوسرے یہ کہ ہر نماز کو حضور قلبی کے ساتھ ادا کرنا۔ ہمیں حکم ہے کہ ان دونوں پہلوؤں سے ہم ہمیشہ ہر نماز کی حفاظت کریں۔

نوٹ-2

کلمہ طیبہ دین اسلام کا پہلا رکن ہے۔ اس کا اقرار کرنے کے بعد انسان پر اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہر حکم پر عمل کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے چار فرائض کی اہمیت زیادہ ہے۔ اس لیے نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج کو ارکان دین کا درجہ حاصل ہے۔ اب نوٹ کریں کہ ان میں بھی روزہ۔ زکوٰۃ اور حج ایسے ارکان ہیں جن میں کچھ استثناء بھی ہیں۔ لیکن نماز وہ واحد رکن ہے جس کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

آیت زیر مطالعہ میں فَإِنْ خِفْتُمْ کے مفعول کو محذوف کر کے اسے عمومیت دی گئی اور حکم دیا گیا کہ خواہ کیسے بھی حالات ہوں، نماز بہر حال پڑھنی ہے، بیٹھ کر، لیٹ کر، چلتے ہوئے، سواری کرتے ہوئے، جیسے بھی بن پڑے نماز پڑھو۔ خوف کی انتہائی حالت جنگ ہے۔ اس میں بھی استثناء نہیں ہے۔ اس وقت نماز پڑھنے کا طریقہ آیت نمبر۔ (4/ النساء: 102) میں بتایا گیا ہے۔

نوٹ-3

آیت نمبر (1/ الفاتحہ: 3) کے نوٹ-2 میں بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی صفات و کمال اور آخرت کے تصور تک انسان کی عقل از خود رسائی حاصل کر سکتی ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ تفصیلات کے لیے انسان کی عقل اس کی راہنمائی نہیں کر سکتی۔ اس کے لیے وہ علم وحی کا محتاج ہے۔ آیت زیر مطالعہ اس کی ایک مثال ہے۔

نوٹ-4

شادی، بیاہ اور طلاق وغیرہ کے مسائل کے درمیان میں نماز کا ذکر کرنے کا مقصد ہمیں یہ یاد دلانا ہے کہ نماز کے بے شمار فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی مشق انسان میں خدا ترسی کا جذبہ اور دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔

### آیت نمبر (240)

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۖ وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۖ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝﴾

ترکیب

وَصِيَّةً مفعول مطلق ہے اور اس کا فعل يُتَوَفَّوْنَ محذوف ہے۔ مَتَاعًا کی نصب وَصِيَّةً کا بدل ہونے کی وجہ سے ہے۔ جبکہ غَيْرَ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ

وَالَّذِينَ	يُتَوَفَّوْنَ	مِنْكُمْ	وَيَذَرُونَ	أَزْوَاجًا ۖ
اور وہ لوگ جن کو	موت دی جاتی ہے	تم میں سے	اور وہ لوگ چھوڑتے ہیں	بیویوں کو



وَصِيَّةٌ	لَا زَوَاجَهُمْ	مَتَاعًا	إِلَى الْحَوْلِ
(اور کرجاتے ہیں) کوئی وصیت	اپنی بیویوں کے لیے	(یعنی) کچھ برتنے کا سامان	ایک سال تک

عَيَّرَ اخْرَاجَ	فَإِنْ	خَرَجَ	فَلَا جُنَاحَ	عَلَيْكُمْ
نکالنے کے بغیر (گھر سے)	پھر اگر	وہ نکلتی ہیں	تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	تم لوگوں پر

فِي مَا	فَعَلَنْ	فِي أَنْفُسِهِنَّ	مِنْ مَعْرُوفٍ ط	وَاللَّهُ	عَزِيزٌ
اس میں جو	وہ کرتی ہیں	اپنے بارے میں	بھلائی میں سے	اور اللہ	بالادست ہے

حَكِيمٌ
حکمت والا ہے

### آیت نمبر (241)

﴿وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ط حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝﴾

مُطَلَّقاتِ اسم المفعول ہے اور یہ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ مَتَاعٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے اور اس کی خبر مخدوف ہے۔ بِالْمَعْرُوفِ متعلق خبر ہے۔

ترکیب

وَلِلْمُطَلَّقاتِ	مَتَاعٌ	بِالْمَعْرُوفِ ط	حَقًّا
اور طلاق دی ہوئی خواتین کے لیے	کچھ برتنے کا سامان (دینا) ہے	دستور کے مطابق	حق ہوتے ہوئے

ترجمہ

عَلَى الْمُتَّقِينَ
تقویٰ کرنے والوں پر

### آیت نمبر (242)

﴿كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝﴾

كَذَلِكَ	يُبَيِّنُ	اللَّهُ	لَكُمْ	آيَتِهِ	لَعَلَّكُمْ
اس طرح	واضح کرتا ہے	اللہ	تمہارے لیے	اپنی نشانوں (یعنی ہدایات) کو	شاید کہ تم لوگ

ترجمہ

تَعْقِلُونَ
عقل (استعمال) کرو



462

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### سورة البقرة (۲)

#### آیت نمبر (243)

﴿الَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ۖ ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۴۳﴾﴾

ع ل ف

(س)	أَلْفًا	مانوس ہونا۔ محبت کرنا۔
(ض)	أَلْفًا	جمع ہونا۔ ہم آہنگ ہونا۔
(انفال)	إِلَافًا	کسی کو کسی سے مانوس کرنا۔ ﴿الْفِهْمُ رِحْلَةُ الشَّتَاءِ وَالصَّيْفِ ﴿۶﴾﴾ (106/قریش:2) ”ان کو مانوس کرنا سردی اور گرمی کے سفر سے۔“
(تفعیل)	تَأْلِفًا	مانوس کرنا۔ محبت پیدا کرنا۔ جمع کرنا۔ ﴿وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ط﴾ (8/الانفال:63) ”اور اس نے محبت پیدا کی ان کے دلوں کے مابین۔“ ﴿أَنَّ اللَّهَ يُزِجُ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ﴾ (24/النور:43) ”کہ اللہ چلاتا بادل کو پھر وہ اکٹھا کرتا ہے اس کو آپس میں۔“
	مُؤَلَّفٌ	اسم المفعول ہے۔ جمع کیا ہوا۔ جوڑا ہوا۔ ﴿وَالْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ﴾ (9/التوبہ:60) ”اور ان کے لیے جن کی دل جوئی منظور ہے۔“
	أَلْفٌ	جِ اَلَا ف۔ ایک ہزار۔ ﴿وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ط﴾ (8/الانفال:66) ”اور اگر ہوں تم میں سے ایک ہزار تو وہ لوگ غالب ہوں گے دو ہزار پر اللہ کے اذن سے۔“ ﴿أَنْ يُبَدِّلَكُمْ رُبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ أَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ﴾ (3/آل عمران:124) ”کہ وہ مدد کرے تمہاری تین ہزار فرشتوں سے۔“
	أُلُوفٌ	فُعُول کے وزن پر جمع ہے۔ ہزاروں۔ آیت زیر مطالعہ۔

#### ترکیب

الَمْ تَرَ کا فاعل تَرَ میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے اور الَّذِينَ خَرَجُوا اس کا مفعول ہے، جبکہ مِنْ دِيَارِهِمْ متعلق فعل ہے۔ وَهُمْ أُلُوفٌ کا واو حالیہ ہے، هُمْ مبتداء اور أُلُوفٌ خبر ہے۔ لَمْ کی وجہ سے اس جملہ اسمیہ کا ترجمہ حال کے بجائے ماضی میں ہو گا۔ حَذَرَ الْمَوْتِ بھی متعلق فعل ہے اور الَّذِينَ خَرَجُوا کا حال ہونے کی وجہ سے اس کا مضاف منصوب ہے۔ ثُمَّ ترتیب کے لیے آتا ہے اس لیے اس سے پہلے فَمَا تَوَّأَمْحَذُوف ہے جو کہ فعل امر مُوتُوا کا جواب امر ہے۔ أَحْيَا کا فاعل هُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ هُمْ ضمیر مفعولی ہے جو الَّذِينَ کے لیے ہے۔ لَكِنَّ کا اسم أَكْثَرَ النَّاسِ ہے اس لیے اس کا مضاف منصوب ہے، جبکہ جملہ فعلیہ لَا يَشْكُرُونَ خبر ہے۔

الَمْ تَرَ	إِلَى الَّذِينَ	خَرَجُوا	مِنْ دِيَارِهِمْ
کیا تو نے غور ہی نہیں کیا	ان لوگوں (کی حالت) کی طرف جو	نکلے	اپنے گھروں سے

#### ترجمہ



و	هُمْ أُلُوفٌ	حَدَّ الْمَوْتَ	فَقَالَ	لَهُمْ 462	اللَّهُ
اس حال میں کہ	وہ ہزاروں تھے	موت کا ڈر کرتے ہوئے	تو کہا	ان سے	اللہ نے

مُوتُوا	ثُمَّ أَحْيَاهُمْ	إِنَّ اللَّهَ	لَذُو فَضْلٍ
تم لوگ مر جاؤ (تو وہ مر گئے)	پھر اس نے زندہ کیا ان کو	بیشک اللہ	فضل والا ہے

عَلَى النَّاسِ	وَلَكِنَّ	أَكْثَرَ النَّاسِ	لَا يَشْكُرُونَ
لوگوں پر	اور لیکن	لوگوں کی اکثریت	شکر نہیں کرتی ہے

رُءُی۔ یرُی کا مفعول بنفسہ آتا ہے۔ اور جب الی کے صلہ کے ساتھ آئے تو اس میں اس کے مفعول کی حالت پر غور کرنے اور اسے سمجھنے کا مفہوم ہوتا ہے۔ ترجمہ میں اسے ظاہر کیا گیا ہے۔

نوٹ-1

یہ بنی اسرائیل کی ایک بستی کا واقعہ ہے جہاں کوئی وباء پھوٹ پڑی تھی۔ اس سے بچنے کے لیے یہ لوگ بستی کو چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے جہاں انہیں موت آئی۔ پھر ایک نبی کی دُعا سے دوبارہ زندہ ہوئے۔

نوٹ-2

### آیت نمبر (244)

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَبِيعٌ عَلِيمٌ﴾

وَقَاتِلُوا	فِي سَبِيلِ اللَّهِ	وَاعْلَمُوا	أَنَّ	اللَّهُ	سَبِيعٌ	عَلِيمٌ
اور تم لوگ قتال کرو	اللہ کی راہ میں	اور جان لو	کہ	اللہ	سننے والا ہے	جاننے والا ہے

ترجمہ

مادہ ”قتل“ سے فاعل کے وزن پر اسم الفاعل قَاتِلٌ بنتا ہے۔ اس کی جمع قَاتِلُونَ سے جب نون اعرابی گرتا ہے تو قَاتِلُوا استعمال ہوتا ہے یعنی واو الجمع کے الف کے بغیر۔ اور باب مفاعلہ سے اس کا فعل امر قَاتِلْ بنتا ہے جس کی جمع قَاتِلُوا ہے۔ اس طرح دونوں میں فرق صرف واو الجمع کے الف کا ہے۔ اسی لیے قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ کا ترجمہ ہوگا ”مشرکوں کو قتل کرنے والے“۔ جبکہ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ کا ترجمہ ہوگا ”تم لوگ جنگ کرو مشرکوں سے۔“

نوٹ-1

اس آیت میں گزشتہ آیت سے ربط یہ ہے کہ جب موت سے بچنا انسان کے بس میں نہیں ہے، تو پھر موت کے ڈر سے اللہ کی راہ میں جنگ کرنے سے جی چرانا حماقت بھی ہے اور محرومی بھی۔

نوٹ-2

### آیت نمبر (245)

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعُّهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾

﴿٢٤٥﴾

## ق ر ض

قَرْضًا

(ض)

(۱) کسی سے بچتے ہوئے گزر جانا۔ کترا جانا۔ (۲) کسی کو بدلہ دینا۔ ﴿وَإِذَا غَرِبْتَ تَقَرُّضُهُمْ ذَاتَ الشَّامِلِ﴾ (18/ الکہف: 17) ”اور جب وہ غروب ہوتا ہے تو وہ کترا جاتا ہے ان سے بائیں طرف۔“

قَرْضٌ

(افعال)

اسم ذات ہے۔ اُدھار قرض۔ آیت زیر مطالعہ۔  
کسی کو اُدھار دینا۔ قرض دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔  
فعل امر ہے۔ تو قرض دے۔ ﴿وَاقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ (73/ المزل: 20) ”اور تم لوگ قرض دو اللہ کو، خوبصورت قرضہ۔“

## ض ع ف

ضَعْفًا

(ف)

کسی چیز کو زیادہ کرنا۔  
کمزور ہونا۔ ﴿وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا﴾ (3/ آل عمران: 146) ”اور وہ لوگ نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے۔“

ضَعْفَةً

(ک)

فعل التفضیل ہے۔ زیادہ کمزور۔ ﴿مَنْ هُوَ شَرُّ مَكَانًا وَ أَضْعَفُ جُنْدًا﴾ (19/ مریم: 75) ”کون زیادہ بُرا ہے بلحاظ مقام کے اور زیادہ کمزور ہے بلحاظ فوج کے۔“

أَضْعَفُ

ج ضَعْفٌ اور ضَعْفَاءُ۔ فَعِيلٌ كے وزن پر صفت ہے۔ کمزور۔ ﴿وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا﴾ (4/ النساء: 28) ”اور پیدا کیا گیا انسان کو کمزور۔“ ﴿لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضَعِيفًا﴾ (4/ النساء: 9) ”اگر وہ لوگ چھوڑیں اپنے پیچھے کچھ کمزور اولادیں۔“ ﴿فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا﴾ (14/ ابراہیم: 21) ”تو کہیں گے کمزور لوگ ان سے جنہوں نے بڑائی چاہی۔“  
اسم ذات ہے۔ کمزوری۔ ﴿وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا﴾ (8/ الانفال: 66) ”اور اس نے جانا کہ تم لوگوں میں کچھ کمزوری ہے۔“ ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ﴾ (30/ الروم: 54) ”اللہ ہے جس نے پیدا کیا تم لوگوں کو کمزوری سے۔“

ضَعِيفٌ

ج أَضْعَافٌ۔ دو گنا (واحد لفظ ضَعْفٌ بھی دو گنے کے لیے آتا ہے اور اس کا تنہی ضَعْفَيْنِ بھی آتا ہے۔) ﴿رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضَعِيفًا مِنَ النَّارِ﴾ (7/ الاعراف: 38) ”اے ہمارے رب ان لوگوں نے بہکا یا ہم کو پس تُو دے ان کو دو گنا عذاب آگ میں سے۔“ ﴿رَبَّنَا آتِهِمْ ضَعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ (33/ الاحزاب: 68) ”اے ہمارے رب! تُو دے ان کو دو گنا عذاب میں سے۔“ جمع آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔

ضِعْفٌ

زیادہ کرنا۔ بڑھانا۔  
اسم الفاعل ہے۔ زیادہ کرنے والا۔ ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْبُضْعُفُونَ﴾ (30/ الروم: 39) ”تو وہ لوگ ہی بڑھانے والے ہیں۔“

إِضْعَافًا

(افعال)

مُضْعِفٌ

گُنوں میں بڑھانا۔ MULTIPLY کرنا۔ ضرب دے کر بڑھانا۔ ﴿وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (2/ البقرہ: 261) ”اور اللہ کئی گنا بڑھاتا ہے اس کے لیے جس کے لیے وہ چاہتا ہے۔“

مُضَاعَفَةً

(مفاعله)

کسی کو کمزور سمجھنا۔ ﴿إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي﴾ (7/ الاعراف: 150) ”بیشک تو میں نے کمزور سمجھا مجھ کو۔“  
اسم المفعول ہے، صفت کے طور پر آتا ہے۔ کمزور سمجھا ہوا یعنی کمزور۔ ﴿قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ﴾ (4/ النساء: 97) ”ان لوگوں نے کہا ہم لوگ تھے کمزور زمین میں۔“

اسْتِضْعَافًا

(استفعال)

مُسْتَضْعَفٌ

ق ب ض

(ض)

کسی چیز کو بچنے سے پکڑنا۔ (۱) پکڑنا۔ قبضے میں لینا۔ (۲) سمیٹنا۔ سکیڑنا۔ ﴿فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ﴾ (20/ طہ: 96) ”تو میں نے پکڑا ایک مٹھی بھر فرشتے کے نشان سے۔“ ﴿ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا﴾ (25/ الفرقان: 46) ”پھر ہم نے سمیٹا اس کو اپنی طرف، آسان سمیٹنا۔“

قَبْضَةٌ اسم ذات ہے۔ مٹھی۔ ﴿وَالْأَرْضُ جَبِينًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ﴾ (39/ الزمر: 67) ”اور زمین کی گُل اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن۔“

مَقْبُوضَةٌ اسم المفعول ہے۔ قبضہ میں لیا ہوا۔ پکڑا ہوا۔ ﴿وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَةً﴾ (2/ البقرہ: 283) ”اور تم لوگ نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو رہن ہے قبضہ میں لیا ہوا۔“

ب س ط

(ن)

بَسْطًا کسی چیز کو پھیلا نا۔ کشادہ کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

بَاسِطٌ اسم الفاعل ہے۔ پھیلا نے والا۔ ﴿مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدَيَّ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ﴾ (5/ المائدہ: 28) ”میں پھیلا نے والا نہیں ہوں اپنا ہاتھ کہ میں قتل کروں تجھ کو۔“

مَبْسُوطٌ اسم المفعول ہے۔ پھیلا یا ہوا۔ ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (5/ المائدہ: 64) ”بلکہ اس کے ہاتھ کھولے ہوئے ہیں۔“

بَسْطَةٌ اسم ذات ہے۔ پھیلاؤ۔ کشادگی۔ ﴿وَزَادَاكَ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ (2/ البقرہ: 247) ”اور اس نے زیادہ کیا اس کو بلحاظ کشادگی، علم میں اور جسم میں۔“

بِسَاطٌ اسم ذات ہے۔ پھیلائی ہوئی چیز۔ بچھونا۔ فرش۔ ﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا﴾ (71/ نوح: 19) ”اور اللہ نے بنایا تم لوگوں کے لیے زمین کو ایک بچھونا۔“

ترکیب

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ صله موصول مل کر اس کی خبر ہے۔ يُقْرِضُ کا مفعول اللہ ہے، جبکہ قَرْضًا حَسَنًا مفعول مطلق ہے۔ فَيُضْعِفُهُ کافاً سببیہ ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ یہ مضارع کو نصب دیتا ہے۔ اسی لیے يُضْعِفُ منصوب آیا ہے۔ اس میں لہ کی ضمیر قَرْضًا حَسَنًا کے لیے ہے، جبکہ لہ کی ضمیر مَنْ ذَا الَّذِي کے لیے ہے اَضْعَافًا کَثِيرَةً تیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ وَ يَبْصُطُ کے بعد الرِّزْقُ مخدوف ہے۔ ثلاثی مجرد کے مضارع مجہول کا وزن يُفْعَلُ ہے، اور باب افعال کے مضارع مجہول کا بھی یہی وزن ہے۔ یہاں تُرْجَعُونَ ثلاثی کا مضارع مجہول ہے کیونکہ مادہ ”ر ج ع“ باب افعال سے نہیں آتا۔

ترجمہ

مَنْ ذَا الَّذِي	يُقْرِضُ	اللَّهُ	قَرْضًا حَسَنًا	فَيُضْعِفُهُ
کون ہے وہ جو	قرضہ دے	اللہ کو	ایک خوبصورت قرض	اس سبب سے وہ ضرب دے کر بڑھائے اس کو

لَهُ	أَضْعَافًا كَثِيرَةً	وَاللَّهُ	يَقْبِضُ
اس کے لیے	کئی گنا	اور اللہ	سکیڑتا ہے

وَيَبْصُطُ	وَالْيَهُ	تُرْجَعُونَ
اور کشادہ کرتا ہے (رزق کو)	اور اس کی طرف ہی	تم لوگ لوٹائے جاؤ گے



نوٹ: 1:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداحؓ نے کہا کہ میں کھجور کے دو باغوں کا مالک ہوں۔ اس کے علاوہ میری ملک میں کچھ نہیں ہے۔ میں اپنے یہ دونوں باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دیتا ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ ایک اللہ کے راستے میں وقف کر دو اور دوسرا اپنے اہل و عیال کی معاشی ضرورت کے لیے باقی رکھو۔ تو ابوالدحداحؓ نے کہا کہ ان دونوں میں سے اچھا باغ جس میں چھ سودرخت ہیں، اس کو میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہوں۔ (معارف القرآن)۔

### آیت نمبر (246)

﴿الَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّ لَهُمْ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ط قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٣٣﴾﴾

م ل ء

(ن) مَلَاءَ کسی چیز کو کسی چیز سے بھر دینا۔ ﴿لَا مَلَكَيْنِ جَهَنَّمَ وَمِنْكُمْ أَجْعَبِينَ ﴿١٨﴾﴾ (7/ الاعراف: 18) ”میں لازماً بھر دوں گا جہنم کو تم سب کے سب سے۔“

(ک) مَلَاءَ مَالٍ بھر ہوا ہونا۔ دولت مند ہونا۔ رئیس یا سردار ہونا۔ اسم الفاعل ہے۔ بھرنے والا۔ ﴿فَأَنَّهُمْ لَا كُفُونَ مِنْهَا فَبَاثُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ط﴾ (37/ الصافات: 66) ”پس وہ لوگ کھانے والے ہیں اس سے تو وہ بھرنے والے ہیں اس سے پیٹوں کو۔“

مَلَّوْ اتنی مقدار جس سے کوئی چیز بھر جائے۔ بھر۔ (جیسے گلاس بھر پانی۔ مَن بھرا آنا وغیرہ۔) ﴿فَلَنْ يُفْعَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِّلٌّ الْأَرْضِ ذَهَبًا﴾ (3/ آل عمران: 91) ”تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ان کے کسی ایک سے زمین بھر سونا۔“

مَلَّو اسم جمع ہے۔ کسی قوم کے رئیسوں اور سرداروں کی جماعت۔ آیت زیر مطالعہ۔ اِمْتَلَاءَ کسی چیز کا کسی چیز سے بھر جانا۔ ﴿يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأَتْ﴾ (50/ قی: 30) ”جس دن ہم کہیں گے جہنم سے کیا تو بھر گئی۔“

ترکیب

إِذْ قَالُوا کا فاعل اس میں هُمْ کی ضمیر ہے جو الْمَلَا کے لیے ہے۔ فعل امر اُبْعَثْ کا جواب امر ہونے کی وجہ سے نُقَاتِلْ مجزوم ہوا ہے۔ عَسَيْتُمْ میں اَنْتُمْ کی ضمیر فعل مقاربتہ عسلی کا اسم ہے اور اَلَّا تُقَاتِلُوا اس کی خبر ہے، جبکہ درمیان میں جملہ شرطیہ ہے۔ اَلَّا دراصل اَنْ لَا ہے۔ اس میں اَنْ کی وجہ سے تُقَاتِلُوا منصوب ہوا ہے۔ جملہ شرطیہ میں لُ کُتِبَ ماضی مجہول ہے اس لیے اس پر اِنْ کا عمل ظاہر نہیں ہوا اور اَلْقِتَالُ اس کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ مَا استقہامیہ ہے اور مبتداء ہے۔ لَنَا قائم مقام خبر ہے۔ وَقَدْ أُخْرِجْنَا کا واو حال ہے۔ اَبْنَاءِنَا کے مضاف کی جرتا رہی ہے کہ یہ مِنْ پر عطف ہے۔ لَمَّا حرف شرط ہے۔ لُ کُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ شرط ہے اور تَوَلَّوْا جواب شرط ہے۔ اَلَّا کی وجہ سے قَلِيلًا منصوب ہوا ہے۔

ترجمہ

اَلَمْ تَرَ	اِلَى الْمَلَا	مِنْ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ
کیا تو نے غور ہی نہیں کیا	سرداروں (کی حالت) کی طرف	بنی اسرائیل میں سے

مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ	اِذْ قَالُوا	لِنَبِيِّ لَهُمْ	اُبْعَثْ
موسیٰ کے بعد	جب ان لوگوں نے کہا	اپنے ایک نبی سے	تو بھیج (یعنی مقرر کر)

لَنَا	مَلِكًا	ثُقَاتِلُ	فِي سَبِيلِ اللّٰهِ	قَالَ
ہمارے لیے	ایک بادشاہ	تو ہم قتال کریں	اللہ کی راہ میں	انہوں نے کہا

هَلْ عَسَيْتُمْ	اِنْ	لَتُتَبَّ	عَلَيْكُمْ	الْقِتَالُ	اَلَا تَتَّقَاتِلُوْا
کیا ہو سکتا ہے تم لوگوں سے،	اگر	فرض کیا جائے	تم پر	قتال کو،	کہ تم لوگ قتال نہ کرو

قَالُوا	وَمَا لَنَا	اَلَا تَقَاتِلَ	فِي سَبِيلِ اللّٰهِ	وَ	قَدْ اُخْرِجْنَا
انہوں نے کہا	اور ہمیں کیا ہے	کہ ہم قتال نہ کریں	اللہ کی راہ میں	(جب) حال یہ ہے کہ	ہم نکالے گئے ہیں

مِنْ دِيَارِنَا	وَابْنَانَا	فَلَمَّا	لَتُتَبَّ	عَلَيْهِمْ	الْقِتَالُ
اپنے گھروں سے	اور اپنے بیٹوں سے	پھر جب	فرض کیا گیا	ان پر	قتال کو

تَوَلَّوْا	اِلَّا	قَلِيلًا مِّنْهُمْ	وَاللّٰهُ	عَلِيمٌ
تو انہوں نے منہ موڑا	مگر	ان میں سے تھوڑوں نے	اور اللہ	جاننے والا ہے

بِالظَّالِمِينَ
ظلم کرنے والوں کو

## آیت نمبر (247)

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (٢٤٧)

ترکیب

بَعَثَ کا مفعول اوّل طَالُوت ہے اور مَلِكًا مفعول ثانی ہے۔ یَكُونُ کا اسم المُلْک ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور لہ قائم مقام خبر ہے۔ یُؤْتَ کا نائب فاعل اس میں هُو کی ضمیر ہے جو طَالُوت کے لیے ہے، جبکہ سَعَةً مفعول ثانی ہے۔ زَادَ کا فاعل اس میں هُو کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے، اس کا مفعول هُو کی ضمیر ہے جو طَالُوت کے لیے ہے، جبکہ بَسْطَةً تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔



ترجمہ

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ	اور کہا ان سے ان کے نبی نے بیشک اللہ نے مقرر کیا ہے تمہارے لیے
--	--

مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ	بادشاہ انہوں نے کہا کہاں سے ہوگی اس کے لیے
-------------------------------------	--

نَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً	ہم زیادہ حقدار ہیں بادشاہت کے اس سے اور اس کو دی ہی نہیں گئی کوئی وسعت
--	--

مِّنَ الْمَالِ ط قَالَ إِنَّ اللَّهَ	مال میں سے (نبی نے) کہا بیشک اللہ نے ترجیح دی اس کو
--------------------------------------	---

وَزَادَكَ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ط وَاللَّهُ	اور اس نے زیادہ کیا اس کو بلحاظ کشادگی، علم میں اور جسم میں اور اللہ
--	--

يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن شَاءَ ط وَاللَّهُ	دیتا ہے اپنا ملک اس کو جس کو وہ چاہتا ہے اور اللہ
--	---

وَاللَّهُ وَاسِعٌ	وَسِعَت دِينَ وَاللَّهُ
-------------------	-------------------------

عَلَيْهِ

جاننے والا ہے

نوٹ: 1

حضرت عیسیٰ کی بعثت سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے کا یہ واقعہ ہے جس کا تذکرہ آیت نمبر ۶۴۲ سے شروع ہوا ہے۔ اس طرح یہ قصہ آج سے تقریباً سو اتین ہزار سال پہلے کا ہے۔ آیت زیر مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اُس وقت بھی لوگوں انسانوں کو ان کے مال و دولت ہے ناپتے تھے۔ حالانکہ کسی انسان کی شخصیت اور کردار کی اساس مال و دولت نہیں بلکہ اس کی جسمانی اور ذہنی صحت ہے۔ اس آیت میں ذہنی صحت کو علم کی کشادگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ علم کے بغیر دولت مل جانا ایسا ہی ہے جیسے کسی بندر کے ہاتھ چھو نہر لگ جائے۔ ہمارا موجودہ معاشرہ اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

### آیت نمبر (248)

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝٢٤٨﴾

ت ب ت

اس مادہ سے کسی باب میں کوئی فعل استعمال نہیں ہوتا۔

x

(x)

تَابُوتٌ

اسم ذات ہے۔ صندوق۔ آیت زیر مطالعہ۔

462

ب ق ی

(س)

بَقَاءٌ

(۱) ہمیشہ رہنا۔ (۲) باقی رہنا۔ باقی بچنا۔ دیر پا ہونا۔ ﴿وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ﴾ (55/ الرحمن: 27)  
 ”اور ہمیشہ رہے گا تیرے رب کا چہرہ یعنی اس کی ذات۔“ ﴿وَذُرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا﴾  
 (2/ البقرہ: 278) ”اور تم لوگ چھوڑ دو اس کو جو باقی بچا سود میں سے۔“

بَاقٍ

اسم الفاعل ہے۔ باقی رہنے والا۔ ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ط﴾ (16/ النحل: 96)  
 ”جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔“

أَبْقَىٰ

فعل التفضیل ہے۔ زیادہ باقی رہنے والا۔ زیادہ دیر پا۔ ﴿وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ﴾  
 (20/ طہ: 127) ”اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ شدید ہے اور زیادہ دیر پا ہے۔“

بَقِيَّةٌ

(افعال)

إِبْقَاءٌ

اسم نسبت ہے۔ باقی رہنے والی چیز۔ باقی ماندہ۔ آیت زیر مطالعہ۔  
 باقی رہنے دینا۔ باقی چھوڑنا۔ ﴿وَأَنكَ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ط وَثَمُودًا فَمَا أَبْقَىٰ﴾  
 (53/ النجم: 50-51) ”اور یہ کہ اس نے ہلاک کیا پہلی قوم عاد کو اور ثمود کو تو باقی نہیں چھوڑا۔“

ح م ل

(ض)

حَمَلًا

(۱) کسی چیز کو اپنے اوپر لادنا یعنی بوجھ اٹھانا۔ ﴿إِنِّي أَرِيتِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا ط﴾  
 (12/ یونس: 36) ”بیشک میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں اٹھاتا ہوں اپنے سر کے اوپر کچھ روٹی۔“  
 (۲) کسی چیز کو دوسرے پر لادنا یعنی بوجھ ڈالنا۔ ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا﴾ (2/ البقرہ: 286)  
 ”اے ہمارے رب! اور تو بوجھ نہ ڈال ہم پر۔“

حَمَلٌ

(۳) کسی کو کسی چیز پر لادنا یعنی سوار کرنا یا سواری دینا۔ ﴿وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلُوا لِيْتَخِمَهُمْ قُلْتُ لَا أَحَدٌ مَّا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ط﴾ (9/ التوبہ: 92) ”اور نہ ہی ان لوگوں پر (گناہ) ہے کہ جب وہ آئے آپ کے پاس تاکہ آپ ان کو سواری دیں تو آپ نے کہا کہ میں نہیں پاتا اس کو، میں سوار کروں تم کو جس پر۔“

إِحْمِلْ

فعل امر ہے۔ تو بوجھ اٹھا۔ تو بوجھ ڈال۔ ﴿قُلْنَا أَحْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ط﴾  
 (11/ ہود: 40) ”ہم نے کہا آپ سوار کریں اس میں ہر چیز، دو جوڑے۔“

حَامِلٌ

اسم الفاعل ہے۔ بوجھ اٹھانے والا۔ ﴿وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ط﴾  
 (29/ العنکبوت: 12) ”حالانکہ وہ لوگ اٹھانے والے نہیں ہیں ان کی خطاؤں میں سے کچھ بھی۔“

حَمَّالٌ

فَعَالٌ ك ے وزن پر مبالغہ ہے۔ بار بار بوجھ اٹھانے والا۔ بوجھ ڈھونے والا۔ ﴿وَأَمْرًا ط ط﴾  
 ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ط﴾ (111/ اللہب: 4) ”اور اُس کی عورت، ایندھن ڈھونے والی۔“

حَمُولٌ

فَعُولٌ ك ے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ بوجھ اٹھانے والا۔ ﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً ط وَفَرَشًا ط﴾ (6/ الانعام: 142) ”اور مویشیوں میں کوئی بکثرت بوجھ اٹھانے والا اور کوئی بچھا ہوا۔“

حَمْلٌ

ح حمل۔ اسم ذات ہے۔ کسی مادہ کے پیٹ کا حمل۔ ﴿وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط﴾ (65/ الطلاق: 4) ”اور حملوں والیاں، ان کی مدت ہے کہ وہ رکھ دیں اپنا حمل یعنی بچہ پیدا ہو جائے۔“

جَمَلٌ اسم ذات ہے۔ بوجھ۔ ﴿وَلَمَّا جَاءَ بِهِ جَمَلٌ بَعِيرٌ﴾ (12/ یوسف: 72) ”جولہ لائے گا اس کو، اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ ہے۔“

تَحْمِيلًا (تفعیل) (۱) کسی سے بوجھ اٹھوانا۔ (۲) کسی کے لیے کوئی چیز لازم کرنا۔ ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾ (2/ البقرہ: 286) ”اے ہمارے رب اور تو ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوا، طاقت نہیں ہے ہم میں جس کی۔“ ﴿فَأَنبَأَ عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ﴾ (24/ النور: 54) ”پس کچھ نہیں سوائے اس کے کہ اس پر ہے وہ جو لازم کیا گیا (اس پر) اور تم لوگوں پر ہے وہ جو تم پر لازم کیا گیا۔“

اِحْتِمَالًا (افتعال) اہتمال سے لادنا۔ ﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيًا مَا أَكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ (33/ الاحزاب: 58) ”اور جو لوگ اذیت دیتے ہیں مومنوں کو اور مومنات کو بغیر اس کے جو انہوں نے کمایا، تو انہوں نے اپنے اوپر لادنا ہے ایک بہتان اور ایک کھلا گناہ۔“

آيَةُ مُلْكِهِ کی ضمیر طالوت کے لیے ہے اور یہ مرکب اضافی اِنَّ کا اسم ہے۔ اس لیے اس کا مضاف آيَةُ منصوب ہے۔ اور جملہ فعلیہ اَنْ يَّا اَتِيَكُمْ التَّابُوتُ، اِنَّ کی خبر ہے۔ سَكِينَةً اور بَقِيَّةٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہیں اور ان دونوں کی خبر مَوْجُودٌ مخدوف ہے۔ تَحْمِيلُهُ کی ضمیر مفعولی التَّابُوتُ کے لیے ہے، جبکہ اَلْمَلِكَةُ اس کا فاعل ہے اور یہ پورا جملہ حال ہے۔ لَآيَةً مبتداء مؤخر نکرہ ہے اور اِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کی بھی خبر مَوْجُودٌ مخدوف ہے۔

ترکیب

وَقَالَ	لَهُمْ	نَبِيَّهُمْ	اِنَّ	آيَةَ مُلْكِهِ	اَنْ	يَّا تِيَكُمْ
اور کہا	ان سے	ان کے نبی نے	بیشک	اس کی بادشاہت کی نشانی ہے	کہ	آئے گا تمہارے پاس

ترجمہ

التَّابُوتُ	فِيهِ	سَكِينَةً	مِّن رَّبِّكُمْ	وَبَقِيَّةٌ	مِمَّا
تابوت	اس میں	اطمینان ہے	تمہارے رب (کی جانب) سے	اور باقی ماندہ ہے	اس میں سے جو

تَرَكَ	اَلْمُوسَى	وَالْهَارُونَ	تَحْمِيلُهُ
چھوڑا	موسیٰ کے پیروکاروں نے	اور ہارون کے پیروکاروں نے	اٹھائے ہوئے ہوں گے اس کو

اَلْمَلِكَةُ	اِنَّ	فِيْ ذٰلِكَ	لَآيَةً	لَّكُمْ	اِنَّ	لَتُنْتَمِ
فرشتے	بیشک	اس میں	ایک نشانی ہے	تم لوگوں کے لیے	اگر	تم لوگ

مُؤْمِنِينَ
ایمان لانے والے ہو

سَكِينَةً کا لفظ قرآن مجید میں چھ مقامات پر آیا ہے۔ وہ مقامات یہ ہیں۔ آیت زیر مطالعہ۔ 9/ التوبہ: 26-40 اور 48/ الفتح: 4، 18 اور 26 ان مقامات کے مطالعہ سے مجموعی تاثر یہ ملتا ہے کہ یہ ایک خاص قلبی کیفیت ہے اور اللہ تعالیٰ کا خصوصی عطیہ ہے۔ کیونکہ ہر مقام پر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔

نوٹ-1

## آیت نمبر (249)

462

﴿فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۖ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۖ فَمَنْ شَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلْكُوا اللَّهَ ۖ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝﴾

ج ن د

(x)

x

مثلاً مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔  
ج جُنُودٌ۔ اسم جمع ہے۔ فوج۔ لشکر۔ ﴿إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُونَ ۝﴾ (44/ الدخان: 24): ”بیشک وہ لوگ غرق کیا جانے والا ایک لشکر ہیں۔“ جمع کے لیے آیت زیر مطالعہ دیکھیں۔

غ ر ف

(ض)

غُرْفًا

کسی چیز میں کوئی رفیق مادہ اٹھانا یا بلند کرنا۔ جیسے چمچے وغیرہ میں شور بہ لینا یا چلو میں پانی اٹھانا۔ یعنی لینا۔ بھرنا۔

غُرْفٌ اور غُرُوفٌ بلند مقام۔ بلند رتبہ۔ ﴿لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ﴾ (39/ الزمر: 20): ”لیکن جن لوگوں نے تقویٰ کیا اپنے رب کا، ان کے لیے ایک بلند مقام ہے۔“ ﴿وَهُمْ فِي الْغُرُفِ اٰمِنُونَ ۝﴾ (34/ سبأ: 37): ”اور وہ لوگ بلند مقامات میں امن میں ہونے والے ہیں۔“  
(۱) کسی عمارت میں اوپر کا کمرہ۔ بالا خانہ ﴿اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ﴾ (25/ الفرقان: 75): ”ان لوگوں کو جزاء میں دیا جائے گا بالا خانہ۔“

(۲) چلو۔ چلو بھر پانی۔ آیت زیر مطالعہ۔

اہتمام سے لینا۔ بھرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

اِغْتَرَفَا

(افتعال)

ج و ز

(ن)

جَوَزَا

کسی چیز کے وسط میں ہونا۔  
وسط سے آگے بڑھنا۔ گزرنا۔ دریا کے وسط سے گزرنے یعنی دریا پار کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔  
کسی چیز سے آگے بڑھنا۔ نظر انداز کرنا۔ ﴿وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ﴾ (46/ الاحقاف: 16): ”اور ہم نظر انداز کریں گے ان کی برائیوں کو۔“

مُجَاوِزَةً

(مفاعله)

تَجَاوَزَا

(تفاعل)

غ ل ب

(ض)

غَلَبْنَا

کسی پر بالادستی حاصل کرنا۔ غالب آنا۔ ﴿رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا﴾ (23/ المؤمنون: 106): ”اے ہمارے رب! غلبہ پایا ہم پر ہماری بدبختی نے۔“

غُلِبَ

ماضی مجہول ہے۔ مغلوب ہونا۔ ﴿غُلِبَتِ الرُّومُ ۝﴾ (30/ الروم: 2): ”مغلوب ہوئے رومی۔“

غَلِبَ

اسم ذات ہے۔ مغلوبی۔ ﴿وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۝﴾ (30/ الروم: 3): ”اور وہ لوگ اپنی مغلوبی کے بعد غالب آئیں گے۔“

غَالِبٌ

اسم الفاعل ہے۔ غالب آنے والا۔ غلبہ پانے والا۔ ﴿فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَالْكُمُ غَلْبُونَ﴾ (5/ المائدہ: 23) ”پس جب تم لوگ داخل ہو گے اس میں تو یقیناً تم لوگ غلبہ پانے والے ہو۔“

مَغْلُوبٌ

اسم المفعول ہے۔ جس پر غلبہ پایا گیا۔ ﴿فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ﴾ (54/ القمر: 10) ”تو انہوں نے پکارا اپنے رب کو کہ میں مغلوب ہوں پس توبہ لے۔“  
موٹی گردن والا ہونا۔

غَلَبًا

(س)

اغْلَبْ

ج غَلَبَ۔ افعَل الوان و عیوب ہے۔ گنجان آبادی۔ موٹے تنے والا درخت۔ ﴿وَ حَدِّثْنِي غُلْبًا﴾ (80/ عس: 30) ”اور باغات موٹے تنے والے درختوں کے۔“

ف ع ی

(ف)

فَأَيًّا

کسی چیز کو پھاڑ دینا۔

فِئَةً

پھٹا ہوا ٹکڑا۔ جماعت۔ گروہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

مُبْتَلِيكُمْ، اِنَّ کی خبر ہے۔ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ شرط ہے اور فَكَيْسٍ مِّنِّي جواب شرط ہے۔ لَيْسَ کا اسم اس کی ہو کی ضمیر ہے، اس کی خبر مخدوف ہے اور مِّنِّي قائم مقام خبر ہے۔ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ كَاسْتِثْنَاءَ لَمْ يَطْعَمُهُ سے ہے۔ لَا طَاقَةَ

لَنَا کے بعد لِقَتَالِ مخدوف ہے۔ مُلْقُوا دراصل اسم الفاعل مُلْقُونَ ہے۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہے اور اس کے آگے الف کا اضافہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ لَمْ خبر یہ ہے اس لیے فِئَةً کا ترجمہ جمع میں ہوگا۔

ترجمہ

فَلَمَّا	فَصَلَ	طَالَوْتُ	بِالْجُنُودِ	قَالَ	اِنَّ اللّٰهَ
پھر جب	دور ہوا (یعنی روانہ ہوا)	طالوت	لشکروں کے ساتھ	تو اس نے کہا	بیشک اللہ

مُبْتَلِيكُمْ	بِنَهَرٍ	فَمَنْ	شَرِبَ	مِنْهُ	فَلَيْسَ	مِّنِّي
تم لوگوں کو آزمانے والا ہے	ایک نہر سے	پس جس نے	پیا	اس سے	تو وہ نہیں ہے	مجھ سے

وَمَنْ	لَّمْ يَطْعَمُهُ	فِئَتَهُ	مِّنِّي	اِلَّا	مَنْ
اور جس نے	چکھا ہی نہیں اس کو	تو بیشک وہ ہے	مجھ سے	مگر یہ کہ	جس نے

اغْتَرَفَ	عُرْفَةً	بِيدٍ	فَشَرِبُوا	مِنْهُ
احتیاط سے بھرا	(صرف) ایک چلو	اپنے ہاتھ سے	پھر ان لوگوں نے پیا	اس سے

اِلَّا	قَلِيلًا	مِّنْهُمْ	فَلَمَّا	جَاوَزَهُ	هُوَ
مگر	تھوڑوں نے	ان میں سے	پھر جب	اس نے پار کیا اس کو،	اس نے

وَالَّذِينَ	اٰمَنُوْا	مَعَهُ	قَالُوْا	لَا طَاقَةَ
اور ان لوگوں نے جو	ایمان لائے	اس کے ساتھ،	تو ان لوگوں نے کہا	کوئی طاقت نہیں ہے

لَنَا	اَلْيَوْمَ	بِجَاوُزَتِ	وَجُنُودُهُ	قَالَ	اَلَّذِيْنَ
ہم میں (قتال کے لیے)	آج	جالوت سے	اور اس کے لشکروں سے	کہا	ان لوگوں نے جو

يُظَنُّونَ	أَنَّهُمْ	مُتْلِقُوا اللَّهِ	لَتَمَرَّ مِنْ	فَعَنَ قَلِيلَةً
خیال کرتے تھے	کہ وہ لوگ	اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں	(کہ) کتنی ہی	چھوٹی جماعتیں

غَلَبَتْ	فَعَنَ كَثِيرَةً	يَاذُنِ اللَّهِ	وَاللَّهُ	مَعَ الصَّابِرِينَ
غالب ہوئیں	بڑی جماعتوں پر	اللہ کی اجازت سے	اور اللہ	ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے

نوٹ-1

نہر سے پانی پینے پر پابندی لگا کر اسی آزمائش بنانے کی ایک وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اس طرح کچے اور پکے ایمان والوں کی چھاننی مقصود تھی۔ کیونکہ حضرت طالوت کی فوج میں ہر طرح کے ایمان والے لوگ شامل تھے۔

یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ کچے ایمان والوں کے لیے آزمائش اور سختی میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ خاص طور سے میدان جنگ میں ایسے لوگ جلدی ہمت ہار دیتے ہیں اور راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے فوج کا نظم بگڑ جاتا ہے اور ثابت قدم رہنے والوں کے لیے بھی جنگ جاری رکھنا ممکن نہیں رہتا۔ اس لیے کچے ایمان والوں کو پکے ایمان والوں سے الگ کر دیا گیا تاکہ میدان جنگ میں صرف وہ لوگ اُتریں جو صبر و استقامت کے ساتھ جنگ کریں۔

آج کے دور میں اس آیت میں ہمارے لیے راہنمائی یہ ہے کہ زندگی کے ہر میدان میں اور خاص طور سے میدان جنگ میں کامیابی کا انحصار افراد کی تعداد سے زیادہ ان کے LEVEL OF COMMITMENT پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اسی چیز کی قدر ہے۔ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ کا بھی مطلب ہے۔

### آیت نمبر (250)

﴿وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝﴾

ب ر ز

(ن) بُرُوزًا صاف اور کھلی فضا میں نمودار ہونا۔ (۱) کہیں سے نکلنا۔ (۲) کسی کے سامنے آنا۔ ظاہر ہونا۔ ﴿فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ﴾ (4/ النساء: 81) ”پھر جب وہ لوگ نکلتے ہیں آپ کے پاس سے۔“

بَارِزٌ اسم الفاعل ہے۔ نکلنے والا۔ ظاہر ہونے والا۔ ﴿يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ﴾ (40/ المؤمن: 16) ”جس دن وہ لوگ ظاہر ہونے والے ہیں۔“

بَارِزَةٌ صاف اور کھلی ہونے والی۔ ﴿وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً﴾ (18/ الکہف: 47) ”اور تو دیکھے گا زمین کو صاف اور کھلی ہونے والی حالت میں۔“

(تفیل) تَبْرِيزًا نکالنا۔ سامنے لانا۔ ظاہر کرنا۔ ﴿وَبَرَزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغُيُوبِ﴾ (26/ الشعراء: 91) ”اور سامنے لائی جائے گی دوزخ گمراہوں کے لیے۔“

ف ر غ



کسی کام کو ختم کر کے خالی ہونا۔ فارغ ہونا۔ ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ﴾ (94/ الم نشرح: 7) ”پھر جب آپ فارغ ہوں تو آپ صحت کریں۔“  
بے چین ہونا۔ گھبرانا۔

(ن) فَرَغًا

(ک) فَرَاحَةً

اسم الفاعل ہے۔ فارغ ہونے والا۔ بے چین ہونے والا۔ ﴿وَاصْبِرْ فَوْادُ أُمِّ مُوسَىٰ فِرْعَاوْنَ﴾ (28/ القصص: 10) ”اور ہو گیا موسیٰ کی والدہ کا دل بے چین ہونے والا۔“

فَارِحٌ

کسی برتن کا پانی گرا کر برتن کو خالی کرنا۔ اُنڈیلنا۔ ﴿أَتُونِيْ أَفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا﴾ (18/ الکہف: 96) ”تم لوگ لاؤ میرے پاس تو میں اُنڈیلوں اس پر تانبا۔“  
فعل امر ہے۔ تو اُنڈیل۔ آیت زیر مطالعہ۔

إِفْرَاغًا

أَفْرِغْ

(افعال)

ث ب ت

ایک حالت پر جمے رہنا۔ قائم رہنا۔  
فعل امر ہے۔ تو جما رہ۔ قائم رہ ﴿إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا﴾ (8/ الانفال: 45) ”جب بھی تم لوگ سامنے آؤ (مقابلہ کے لیے) کسی جماعت کے تو تم لوگ جمے رہو۔“

ثُبُوتًا

اُثْبِتْ

(ن)

اسم الفاعل ہے۔ جما رہنے والا۔ قائم رہنے والا۔ ﴿أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾ (14/ ابراہیم: 24) ”اس کی جڑ جمی رہنے والی ہے اور اس کی شاخ آسمان میں ہے۔“  
(۱) قائم رہنے دینا۔ (۲) ہلنے نہ دینا یعنی قید کرنا۔ ﴿يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتْ﴾ (13/ الرعد: 39) ”اللہ مٹاتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور باقی رہنے دیتا ہے۔“ ﴿وَإِذْ يَمَكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ﴾ (8/ الانفال: 30) ”اور جب سازش کرتے تھے آپ کے لیے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ وہ قید کریں آپ کو یا قتل کریں آپ کو یا نکالیں آپ کو۔“

ثَابِتٌ

إِثْبَاتًا

(افعال)

جمے رہنے یا قائم رہنے کی صلاحیت دینا۔ جما دینا۔ قائم کرنا۔ ﴿لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ﴾ (25/ الفرقان: 32) ”تا کہ ہم جمادیں اس سے آپ کے دل کو۔“  
فعل امر ہے۔ تو جما دے۔ آیت زیر مطالعہ۔

تَثْبِيثًا

ثَبِّتْ

(تفعیل)

لَمَّا شرطیہ ہے۔ بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ شرط ہے اور قَالُوا سے آخر تک جواب شرط ہے۔ بَرَزُوا اور قَالُوا دونوں کے فاعل ان کی ہُم کی ضمیریں ہیں جو گزشتہ آیت میں مذکور الَّذِينَ يَظُنُّونَ کے لیے ہیں۔

ترکیب

وَلَمَّا	بَرَزُوا	لِجَالُوتَ	وَجُنُودِهِ	قَالُوا
اور جب	وہ لوگ سامنے آئے	جالوت کے	اور اس کے لشکروں کے	تو ان لوگوں نے کہا

ترجمہ

رَبَّنَا	أَفْرِغْ	عَلَيْنَا	صَبْرًا	وَشَبِّتْ	أَفْدَا مَنَا
اے ہمارے رب!	تو اُنڈیل دے	ہم پر	ثابت قدمی کو	اور تو جمادے	ہمارے قدموں کو

وَأَنْصَرْنَا	عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ
اور تو ہماری مدد کر	کافر قوم (کے مقابلہ) پر

## آیت نمبر (251)

﴿فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ قَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَاتَّهَى اللَّهُ الْمُلُكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمُ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾﴾

ہ ز م

(ض)

کسی خشک چیز کو بابر توڑ دینا۔ شکستہ کرنا۔ شکست دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔  
 اسم المفعول ہے۔ شکست دیا ہوا۔ ﴿جُنِدُوا هَذَا لَكَ مَهْزُومٌ﴾ (38/ ص: 11) ”ایک لشکر ہے جو وہاں شکست دیا جانے والا ہے۔“

د ف ع

(ف)

دَفَعًا (۱) کسی چیز کو ہٹانا۔ دور کرنا۔ (۲) کسی کو کسی چیز سے ہٹانا۔ بچانا۔ دفاع کرنا۔ (۳) کسی چیز کو

کسی کی طرف ہٹانا یعنی دینا۔ حوالے کرنا۔ ﴿فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ط﴾ (4/ النساء: 6) ”جب تم لوگ ہٹاؤ ان کی طرف یعنی حوالے کرو ان کے، ان کے اموال تو گواہ بناؤ ان پر۔“

ادْفَعْ فعل امر ہے۔ مذکورہ تینوں معانی میں آتا ہے۔ (۱) ﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (41/ حم السجدة: 34) ”اور برابر نہیں ہوتیں بھلائیوں اور نہ ہی برائیاں۔ تو دور کر (برائیوں کو) اس سے جو سب سے اچھی ہے۔“

(۲) ﴿وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا ط﴾ (3/ آل عمران: 167) ”اور کہا گیا ان سے کہ تم لوگ آؤ قتال کرو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو۔“

(۳) ﴿فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ع﴾ (4/ النساء: 6) ”تو تم لوگ حوالے کرو ان کے، ان کے اموال۔“

دَافِعٌ اسم الفاعل ہے۔ ہٹانے والا۔ بچانے والا۔ ﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ط مَّا لَهُ مِنْ دَافِعٍ لَّ﴾ (52/ الطور: 7-8) ”یقیناً تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے اس سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔“

مُدَافَعَةٌ اور دَفَاعًا دفاع کرنا۔ بچانا۔ ہٹانا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ط﴾ (22/ الحج: 38) ”بے شک اللہ ہٹاتا ہے ان سے جو لوگ ایمان لائے۔“ (مفاعله)

ترکیب

فَهَزَمُوا کا فاعل اس کی ہُم کی ضمیر ہے جو آیت نمبر 249 میں مذکور الَّذِينَ يَظُنُّونَ کے لیے ہے۔ اس کے آگے ہُم ضمیر مفعولی ہے جو گزشتہ آیت میں لَجَالُوتَ وَجُنُودُهُ کے لیے ہے۔ وَاتَّهَى اللَّهُ الْمُلُكَ وَالْحِكْمَةَ مفعول ثانی ہیں۔ لَوْلَا شرطیہ ہے۔ دَفْعُ اللَّهِ سے



بِبَعْضٍ تَكْثُرُ شَرْطُ هِيَ اَوَّلُ لَفْسَدَتِ الْاَرْضِ جَوَابِ شَرْطِ هِيَ - دَفْعُ مُصَدَّرِ فَعْلٍ كَا كَامِ كَيْفَا هِيَ اَوَّلُ النَّاسِ اس کا مفعول ہے، جبکہ النَّاسِ کا بدل ہونے کی وجہ سے بَعْضُهُمْ منصوب ہوا ہے۔ اَلْعَلَمِينَ پر لام جنس ہے۔

462

فَهَزَمُوهُمْ	بِإِذْنِ اللَّهِ	وَقَتَلَ	دَاوُدُ
تو ان لوگوں نے شکست دی ان لوگوں کو	اللہ کے اذن سے	اور قتل کیا	داؤد نے

ترجمہ

جَاوَتْ	وَأَتَتْهُ	اللَّهُ	الْمُلْكُ	وَالْحِكْمَةُ	وَعَلَّمَهُ
جالوت کو	اور دیا اس کو	اللہ نے	ملک	اور دانائی	اور اس نے سکھایا اس کو

مِمَّا	يَشَاءُ	وَكَوْلَا	دَفْعُ اللَّهِ	النَّاسِ
اس میں سے جس میں سے	اس نے چاہا	اور اگر نہ ہوتا	اللہ کا دفع کرنا	لوگوں کو،

بَعْضُهُمْ	بِبَعْضٍ	لَفْسَدَتِ الْأَرْضِ	وَلَكِنَّ اللَّهَ
ان کے بعض کو	بعض سے	تو بگڑ جاتی زمین (نظم کے توازن میں)	اور لیکن اللہ

ذُو فَضْلٍ	عَلَى الْعَالَمِينَ
فضل (کرنے والا ہے)	تمام جہانوں پر

### آیت نمبر (252)

﴿تِلْكَ آيَةُ اللَّهِ تَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۖ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝﴾

تِلْكَ مبتداء ہے اور مرکب اضافی آیت اللہ اس کی خبر ہے۔ تَتْلُوهَا میں ھا کی ضمیر مفعولی آیات کے لیے ہے۔

ترکیب

تِلْكَ	آيَةُ اللَّهِ	تَتْلُوهَا	عَلَيْكَ	بِالْحَقِّ	وَإِنَّكَ
یہ	اللہ کی آیات ہیں	ہم پڑھ کر سناتے ہیں انہیں	آپ کو	حق سے	اور بیشک آپ

ترجمہ

لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ
بھیجے ہوؤں میں سے ہیں

### آیت نمبر (253)

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ۖ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَتَلَ الَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَفَوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَتَلُوا ۚ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۝﴾

## ترکیب

تِلْكَ الرُّسُلُ مرکب اشاری ہے اور مبتداء ہے۔ آگے پورا جملہ فَضَّلْنَا سے بَعْضٍ تک اس کی خبر ہے۔ کَلَّمَ کا فاعل اللہ ہے اور مِنْهُمْ مَّنْ اس کا مفعول ہے۔ رَفَعَ کی ضمیر فاعلی اللہ کے لیے ہے اور بَعْضَهُمْ مفعول ہے جبکہ دَرَجَاتٍ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کو تمیز ماننے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ تمیز عموماً واحد نکرہ آتی ہے۔

اَتَيْنَا کا مفعول اوّل عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ہے اس لیے ابْنُ منصوب ہے۔ (دیکھیں آیت نمبر (2) البقرہ: 87) نوٹ-1) جبکہ الْبَيِّنَاتِ مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے۔ اَيَّدْنَاهُ کی ضمیر مفعولی عیسیٰ کے لیے ہے۔ بِرُوحِ الْقُدُّوسِ میں الْقُدُّوسِ پر لام تعریف ہے جو کہ حضرت جبریل کے لیے ہے۔ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ کے بعد کَانُوا محذوف ہے۔ مِنْ بَعْدِهِمْ میں هُمْ کی ضمیر الرُّسُلُ کے لیے ہے۔

## ترجمہ

تِلْكَ الرُّسُلُ	فَضَّلْنَا	بَعْضَهُمْ	عَلَى بَعْضٍ م
یہ رسول،	ہم نے فضیلت دی ہے	ان کے بعض کو	بعض پر

مِنْهُمْ مَّنْ	لَّكَمْ	اللَّهُ	وَرَفَعَ	بَعْضَهُمْ	دَرَجَاتٍ ط
ان میں وہ بھی ہیں جن سے	کلام کیا	اللہ نے	اور اس نے بلند کیا	ان کے بعض کو	درجات ہوتے ہوئے

وَاتَيْنَا	عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ	الْبَيِّنَاتِ	وَأَيَّدْنَاهُ
اور ہم نے دیا	عیسیٰ ابن مریم کو	واضح (معجزے)	اور ہم نے تقویت دی ان کو

بِرُوحِ الْقُدُّوسِ ط	وَكُو	شَاءَ	اللَّهُ	مَا اقْتَتَلَ	الَّذِينَ
پاک روح سے	اور اگر	چاہتا	اللہ	تو آپس میں نہ لڑتے	وہ لوگ (جو تھے)

مِنْ بَعْدِهِمْ	مِنْ بَعْدِ مَا	جَاءَتْهُمْ	الْبَيِّنَاتِ
ان (رسولوں) کے بعد	اس کے بعد کہ جو	آئیں ان کے پاس	واضح (نشانیوں)

وَلَكِنْ	اِخْتَلَفُوا	فَبَيْنَهُمْ مَّنْ	اَمِنْ
اور لیکن	ان لوگوں نے اختلاف کیا	تو ان میں وہ بھی ہیں جو	ایمان لائے

وَمِنْهُمْ مَّنْ	لَّكَفَرَط	وَكُو	شَاءَ	اللَّهُ
اور ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے	کفر کیا	اور اگر	چاہتا	اللہ

مَا اقْتَتَلُوا ق	وَلَكِنَّ اللَّهَ	يَفْعَلُ	مَا	يُرِيدُ
تو وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے	اور لیکن اللہ	کرتا ہے	وہ جو	وہ چاہتا ہے

آسان عربی گرامر میں آپ نے پڑھا تھا کہ عموماً غیر عاقل کی جمع مکسر کی صفت، خبر، اسم اشارہ اور ضمیر واحد مؤنث آتی ہے۔ اسی کتاب میں آپ کو تاکید کی گئی تھی کہ جب بھی کوئی قاعدہ پڑھیں تو ذہن میں اس کے استثناء کے لیے ایک کھڑکی ہمیشہ کھلی رکھیں۔ اب نوٹ کریں کہ گزشتہ آیت میں لفظ ”اَيَّت“ غیر عاقل کی جمع ہے لیکن مکسر نہیں بلکہ سالم ہے۔ پھر بھی اس کے لیے اسم اشارہ تِلْكَ اور

## نوٹ-1

ضمیر ہا واحد مؤنث آئی ہے۔ اسی طرح آیت زیر مطالعہ میں لفظ ”الرُّسُلُ“ جمع مکسر ہے لیکن غیر عاقل کی نہیں بلکہ عاقل کی جمع ہے۔ پھر بھی اس کے لیے اسم اشارہ تِلْكَ واحد مؤنث آیا ہے۔ اس حوالہ سے یہ اصول اب ذہن نشین کر لیں کہ استثناء سے کوئی قاعدہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ ثابت ہوتا ہے۔ انگریزی کی معروف کہات کا بھی یہی مطلب ہے۔ EXCEPTION PROVES THE RULE (استثناء قاعدے کو ثابت کرتا ہے)۔

### آیت نمبر (254)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۚ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٥٤﴾﴾

ب ی ع

(ض)

بَيْعًا

فروخت کرنا۔ سودا کرنا۔

بَيْعٌ

اسم ذات بھی ہے۔ سودا۔ آیت زیر مطالعہ۔

بَيْعٌ

اسم ذات ہے۔ عبادت خانہ۔ معبد۔ ﴿لَهُدًى مَّتَّ صَوَامِعُ وَبَيْعٌ وَصَلَوْتُ وَ مَسْجِدٌ﴾ (22/ الحج: 40) ”تو منہدم کیے جاتے گرجے اور عبادت خانے اور نمازیں اور مسجدیں۔“

(مفاعله)

مُبَايَعَةً

(۱) کسی سودے کا معاہدہ کرنا۔ (۲) بیعت کرنا۔ ﴿فَاسْتَبَشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ﴾ (9/ التوبہ: 111) ”پس تم لوگ خوشی مناؤ اپنے اس سودے پر تم نے معاہدہ کیا جس کا۔“ ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (48/ الفتح: 18) ”بیشک اللہ راضی ہوا ہے مومنوں سے جب وہ لوگ آپ کی بیعت کرتے تھے اس درخت کے نیچے۔“

(تفاعل)

تَبَايَعًا

باہم خرید و فروخت کرنا۔ ﴿وَ أَشْهَدُ وَإِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ (2/ البقرہ: 282) ”اور تم لوگ گواہ بناؤ جب باہم خرید و فروخت کرو۔“

خ ل ل

(ن)

خَلًّا

کسی چیز میں سوراخ کرنا۔

خَلٌّ

جِ خِلَالٍ۔ اسم ذات بھی ہے۔ سوراخ۔ کسی چیز کے دو کناروں کا درمیانی فاصلہ۔ دراڑ۔ ﴿أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَ جَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا﴾ (27/ النمل: 61) ”یا وہ جس نے بنایا زمین کو ٹھہرا ہوا اور بنایا اس کی دراڑوں کو نہریں۔“

خُلَّةٌ

جِ خِلَالٍ۔ اسم ذات ہے۔ ایک طرح کی میٹھی گھاس (یعنی مٹھاس سوراخ کر کے گھاس کے اندر چلی جاتی ہے)۔ ”پھر استعارۂ دوستی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ اور ﴿أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَلٌ﴾ (14/ ابراہیم: 31) ”کہ آئے وہ دن کوئی سودا نہیں ہے جس میں اور نہ ہی یار آنے۔“

حَلِيلٌ

حِ آخِلَاءُ۔ فَعِيلٌ كے وزن پر صفت ہے۔ قریبی دوست۔ خاص دوست۔ ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ

إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ۝﴾ (4/ النساء: 125) ”اور بنایا اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست۔ ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ يُوْصِيَهُمْ

بَعْضَهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوًّا إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝﴾ (43/ الزخرف: 67) ”سارے دوست اس دن ایک

دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔“

فعل امر أَنْفَقُوا کا فاعل اس میں أَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ اس کا مفعول ہے۔ يَأْتِي کا فاعل يَوْمٌ ہے اور نکرہ  
مخصوصہ

ہے۔ بَيْعٌ۔ خُلَّةٌ اور شَفَاعَةٌ مبتداء نکرہ ہیں کیونکہ قاعدہ بیان ہو رہا ہے اور ان کی خبریں محذوف ہیں۔

ترکیب

ترجمہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	أَمَنُوا	أَنْفَقُوا	مِمَّا	رَزَقْنٰكُمْ
اے لوگو! جو	ایمان لائے	تم لوگ خرچ کرو	اس میں سے جو	ہم نے دیا تم کو

مِّنْ قَبْلُ	أَنْ	يَأْتِي	يَوْمٌ	لَّا بَيْعٌ	فِيهِ	وَلَا خُلَّةٌ
اس سے پہلے	کہ	آئے	وہ دن	کوئی سودا نہیں ہے	جس میں	اور نہ کوئی دوستی ہے

وَلَا شَفَاعَةٌ ۖ	وَالْكَافِرُونَ	هُمُ الظَّالِمُونَ
اور نہ ہی کوئی شفاعت ہے	اور انکار کرنے والے	ہی ظالم ہیں



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### سورة البقرة (۲)

#### آیت نمبر (255)

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿۲۵۵﴾﴾

و س ن

(س)

سِنَّةٌ

اُوَگھ آنا۔

سِنَّةٌ

اسم ذات بھی ہے۔ اُوَگھ۔ غفلت۔ آیت زیر مطالعہ۔

ن و م

(ف)

نَوْمًا

نیند کرنا۔ سونا۔

نَوْمٌ

اسم ذات بھی ہے۔ نیند۔ آیت زیر مطالعہ۔

نَائِمٌ

اسم الفاعل ہے۔ نیند رنے والا۔ سونے والا۔ ﴿فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ﴾ (68/القلم: 19) ”تو چکر لگا یا ایک آفت نے آپ کے رب کی طرف سے اس حال میں کہ وہ لوگ نیند کرنے والے تھے۔“

مَنَامٌ

مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ نیند کرنے یا سونے کی جگہ یا وقت۔ ﴿إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ﴾ (37/الصافات: 102) ”بیشک میں دیکھتا ہوں سونے کے وقت میں کہ میں تجھ کو ذبح کرتا ہوں۔“

ك ر س

(X)

X

مثلاً ثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

(افعال)

اِكْرَاسًا

کسی چیز کو تہہ در تہہ جمانا۔ عمارت کی بنیاد کو ٹھونک ٹھونک کر پختہ کرنا۔ بیٹھنے یا جنے کی جگہ۔ گُرسی۔ تختِ حکومت۔ آیت زیر مطالعہ۔

كُزْسِيٌّ

ع و د

(ن)

أَوْدًا

تھکانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ع ل و

(ن)

عُلُوًّا

(۱) بلند ہونا۔ (۲) کسی چیز پر چڑھنا۔ چڑھائی کرنا۔ غالب ہونا۔ (۳) سرکشی کرنا۔ بغاوت کرنا۔ ﴿الَّا تَعْلَوْا عَلٰی وَاَتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ﴾ (27/انمل: 31) ”کہ تم لوگ بلند مت ہو مجھ سے اور تم لوگ آؤ میرے پاس فرمانبردار ہوتے ہوئے۔“ ﴿وَلَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ﴾ (23/المؤمنون: 91) ”اور ضرور چڑھائی کرتے ان کے بعض، بعض پر۔“ ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ (28/القصص: 4) ”بیشک فرعون نے سرکشی کی زمین میں۔“

عُلُوُّ

اسم ذات بھی ہے۔ بلندی۔ بڑائی۔ ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط﴾ (28/ القصص: 83) ”یہ آخری گھر، ہم نے بنایا اس کو ان لوگوں کے لیے جو نہیں چاہتے بڑائی زمین میں اور نہ فساد۔“

أَعْلَى

مؤنث عَلِيًّا۔ أَفْعَلُ اور فُعْلَى کے وزن پر اسم التفضیل ہے۔ زیادہ بلند۔ سب سے بلند۔ غالب۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے انتہائی بلند۔ مطلق بلند۔ ﴿لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَى ٥﴾ (20/ طہ: 68) ”تو مت ڈر بیشک تو غالب ہے۔“ ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ١﴾ (87/ الاعلیٰ: 1) ”تو تسبیح کرا اپنے بلند رب کے نام کی۔“ ﴿وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ط﴾ (9/ البقرہ: 40) ”اور اللہ کا فرمان ہی بلند ہے۔“

عَالٍ

اسم الفاعل ہے۔ صفت کے طور پر بھی آتا ہے۔ بلند ہونے والا یعنی بلند۔ ﴿فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ٧﴾ (69/ الحاقۃ: 22) ”ایک بلند باغ میں۔“ ﴿عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٌ﴾ (76/ الدھر: 21) ”چڑھنے والا ہے ان پر ایک باریک ریشم کا کپڑا۔“ ﴿وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ ط﴾ (10/ یونس: 83) ”اور بیشک فرعون سرکشی کرنے والا ہے زمین میں۔“

عَلَّیُّ

فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں بلند۔ بالاتر۔ آیت زیر مطالعہ۔ اسم ذات ہے۔ بلندی۔ ﴿إِنَّ كِتَابَ الْإِبْرَارِ لَفِي عِلَّيِّينَ ط﴾ (83/ المطففین: 18) ”یقیناً نیکی کرنے والوں کی کتاب بندیوں میں ہے۔“

عِلَّیُّ

دوسروں سے بلند ہونا۔ ﴿فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ٥﴾ (7/ الاعراف: 190) ”تو بلند ہوا اللہ اس سے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔“

تَعَالٍ

(تفاعل)

ج تَعَالَوْا۔ فعل امر ہے۔ تو بلند ہو۔ تو اٹھ۔ پھر زیادہ تر ”تو آ“ کے معنی میں آتا ہے۔ ﴿تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ (3/ آل عمران: 64) ”تم لوگ آؤ ایک ایسے کلمے کی طرف جو برابر ہے ہمارے اور تمہارے مابین۔“

تَعَالٍ

اسم الفاعل ہے۔ صفت کے طور پر بھی آتا ہے۔ دوسروں سے بلند ہونے والا۔ یعنی دوسروں سے بلند۔ ﴿عَلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ٥﴾ (13/ الرعد: 9) ”حاضر اور غیب کا جاننے والا جو ہمیشہ بڑا ہے، سب سے بلند ہے۔“

مُتَعَالٍ

بلندی یا غلبے کی کوشش کرنا یعنی بلند ہونا۔ غالب ہونا۔ ﴿وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَى ٣﴾ (20/ طہ: 64) ”اور اس نے مُراد پالی ہے آج جو غالب ہوا۔“

اسْتَعْلَاءٌ

(استفعال)

ترکیب

اللَّهُ مبتداء اور اس کے آگے لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ پورا جملہ اس کی خبر ہے، جبکہ اس جملہ میں لَا إِلَهَ مبتداء ہے، اس کی خبر مَوْجُودٌ محذوف ہے اور لَا هُوَ متعلق خبر ہے۔ اَلْحَيُّ اور اَلْقَيُّومُ مبتداء اللہ کا بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہیں۔ اور ان پر لام جنس ہے۔ لَا تَأْخُذُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ پورا جملہ اللہ کی صفت ہے۔ اس جملہ میں لَا تَأْخُذُ فعل ہے، اُس کی ضمیر مفعولی ہے، جبکہ سِنَّةٌ اور نَوْمٌ اس کے فاعل ہیں۔ مَا مبتداء ہے، اس کی خبر مَوْجُودٌ، محذوف ہے اور فِي السَّمٰوٰتِ اور فِي الْأَرْضِ قائم مقام خبر ہیں۔ پھر یہ دونوں جملے مبتداء مؤخر ہیں، ان کی خبر ثَابِتٌ محذوف ہے جبکہ لَهُ قائم مقام خبر مقدم ہے، اور اس پر لام تملیک لگا ہوا ہے۔ يَعْلَمُ کا فاعل اس میں هُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے، مَا اس کا مفعول ہے جبکہ بَيْنَ اور خَلْفَ ظرف

ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ لٰكُ رُبِّيُّهُ مرکب اضافی ہے اور وَسِعَ کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، جبکہ السَّمَوَاتِ اور الْأَرْضِ، دونوں اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ يَتَّوَدُّ کا فاعل حِفْظُهُمَا ہے۔ سَمَوَاتٍ ایک جس ہے اور اَرْضِ دوسری جس ہے، اس لیے تثنیہ کی ضمیر هُمَا آئی ہے۔

ترجمہ

اللَّهُ	لَا إِلَهَ	إِلَّا	هُوَ	أَلْحَىٰ
اللہ	کسی قسم کا کوئی الہ نہیں ہے	سوائے اس کے کہ	وہ ہے	جو (حقیقتاً) زندہ ہے

الْقَيُّومُ ۚ	لَا تَأْخُذُكَ	سِنَةٌ	وَلَا نَوْمٌ ط
جو (حقیقی) نگران و کفیل ہے	نہیں پکڑتی اس کو	کوئی اُدگھ	اور نہ کوئی نیند

لَهُ	مَا	فِي السَّمَوَاتِ	وَمَا	فِي الْأَرْضِ ط
اس کی ہی (ملکیت) ہے	وہ جو ہے	آسمانوں میں	اور وہ جو ہے	زمین میں

مَنْ ذَا الَّذِي	يَشْفَعُ	عِنْدَكَ	إِلَّا	بِإِذْنِهِ ط
کون ہے وہ جو	شفاعت کرے	اس کے پاس	مگر	اس کی اجازت سے

يَعْلَمُ	مَا	بَيْنَ أَيْدِيهِمْ	وَمَا	خَلْفَهُمْ ۚ
وہ جانتا ہے	اس کو جو	ان کے آگے ہے	اور اس کو جو	ان کے پیچھے ہے

وَلَا يُحِيطُونَ	بِشَيْءٍ	مِّنْ عِلْمِهِ	إِلَّا	مَنْ
اور وہ احاطہ نہیں کرتے	کسی چیز کا	اس کے علم میں سے	مگر	

يَسَاءَ	شَاءَ ۚ	وَسِعَ	كُرْسِيُّهُ	السَّمَوَاتِ
اس کا جو	وہ چاہے	کشادہ ہوا	اس کا تختِ حکومت	آسمانوں میں

وَالْأَرْضِ ۚ	وَلَا يَئُودُكَ	حِفْظُهُمَا ۚ	وَهُوَ
اور زمین میں	اور نہیں تھکا تا اس کو	ان دونوں کی حفاظت کرنا	اور وہ

الْعَلِيِّ	الْعَظِيمِ
بالا تر ہے	عظیم ہے

تفسیر ابن کثیر میں متعدد احادیث دی ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب سے زیادہ عظمت والی آیت ہے۔ ہر نماز کے بعد اور رات کو سوتے وقت اس کو پڑھ لینے سے انسان شیاطین جن و انس سے محفوظ رہتا ہے۔

نوٹ-1

آیت نمبر (256)

﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۚ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥٦﴾﴾



غ و ی  
(ض)

صحیح راستے سے بھٹک جانا۔ گمراہ ہونا۔ ﴿وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ﴾ (20/طہ: 121) ”اور کہنا نہ مانا آدمؑ نے اپنے رب کا تو وہ بھٹکے۔“

غَيَّبًا

غَيٌّ

غَاوٍ

غَوِيٌّ

إِغْوَاءٌ

اسم ذات بھی ہے۔ گمراہی۔ آیت زیر مطالعہ۔

فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ گمراہ ہونے والا۔ ﴿وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ﴾ (26/اشعراء: 224) ”اور شاعر لوگ، ان کی پیروی کرتے ہیں گمراہ ہونے والے۔“

فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ گمراہ۔ ﴿إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ﴾ (28/انقصص: 18) ”بیشک تو کھلا گمراہ ہے۔“

راستے سے بہکا دینا۔ گمراہ کرنا۔ ﴿رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا﴾ (28/انقصص: 63) ”اے ہمارے رب! یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا۔“

(افعال)

ع ر و  
(ن)

کسی کے سامنے آنا۔ لاحق ہونا۔  
اسم ذات ہے۔ کسی چیز کو تھامنے یا لینے کا ذریعہ۔ جیسے پانی کے جگ کا دستہ، دروازے کا کنڈا، رسی کی گرہ وغیرہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

عَزَوًا

عُزْوَةً

اہتمام سے لاحق ہونا۔ ﴿إِنْ تَقُولْ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوِّءٍ﴾ (11/ہود: 54) ”ہم نہیں کہتے مگر یہ کہ تجھ کو لاحق ہوا ہمارے خداؤں کا کوئی بری طرح۔“

إِعْتِرَاءٌ

(افعال)

ف ص م  
(ض)

توڑنا۔ کاٹنا۔  
توڑنا۔ کٹنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

فَصًّا

إِنْفَصَامًا

(افعال)

ترکیب

لَا اِكْرَاهَ مبتداء ہے، اس کی خبر مَوْجُودٌ مخذوف ہے اور فی الدِّینِ قائم مقام خبر ہے۔ تَبَيَّنَ کا فاعل الرُّشْدُ ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے۔ یُکْفَرُ سے بِاللّٰهِ تک شرط ہے اور فَقَدِ سے لَهَا تک جواب شرط ہے۔ لَا اِنْفِصَامَ مبتداء ہے، اس کی خبر مخذوف ہے اور لَهَا قائم مقام خبر ہے۔

ترجمہ

لَا اِكْرَاهَ	فِي الدِّينِ	قَدْ تَبَيَّنَ	الرُّشْدُ	مِنَ النِّجَىٰ
کسی قسم کا کوئی جبر نہیں ہے	دین میں	واضح ہو گئی ہے	ہدایت	گمراہی سے

فَمَنْ يَكْفُرْ	بِالطَّاغُوتِ	وَيُؤْمِنُ	بِاللّٰهِ
پس جو انکار کرتا ہے	طاغوت کا	اور ایمان لاتا ہے	اللہ (کی اطاعت) پر

فَقَدْ اسْتَبْسَكَ	بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ	لَا اِنْفِصَامَ	لَهَا
تو وہ چمٹا ہے	انتہائی مضبوط کنڈے سے	کسی طرح ٹوٹنا نہیں ہے	اس کو

وَاللّٰهُ	سَيُجِيعُ	عَلَيْمٌ
اور اللہ	سننے والا ہے	جاننے والا ہے



نوٹ-1

لَا اِكْرَاهُ فِي الدِّينِ کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے زبردستی نہیں کی جائے گی۔ لیکن جو بھی اسلام میں داخل ہوگا اس پر اسلامی ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہوگا اور نہ کرنے پر وہ سزا کا مستحق ہوگا، جبکہ ایک غیر مسلم اُس سزا سے مستثنیٰ ہوگا۔ اسلامی حکومت میں ملکی قوانین کی پابندی مسلم غیر مسلم، دونوں کے لیے یکساں ہوگی اور اس پہلو سے ان کے مابین کوئی امتیاز (DISCRIMINATION) نہیں ہوگا۔

## آیت نمبر (257)

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الطَّاغُوتُ ۚ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝﴾

اللہ مبتداء ہے۔ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا اصلہ موصول مل کر خبر اول ہے، جبکہ يُخْرِجُهُم سے إِلَى النُّورِ تک پورا جملہ خبر ثانی ہے۔ الطَّاغُوت یہاں جمع کے معنی میں آیا ہے اس لیے اُولَیِّاءُ اور يُخْرِجُونَ جمع آئے ہیں۔

ترکیب

ترجمہ

اللَّهُ	وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا	يُخْرِجُهُم	مِّنَ الظُّلُمَاتِ
اللہ	ان لوگوں کا دوست ہے جو	وہ نکالتا ہے ان کو	اندھیروں سے

إِلَى النُّورِ ۚ	وَالَّذِينَ كَفَرُوا	أُولَئِكَ هُمُ	الطَّاغُوتُ ۚ
نور کی طرف	اور جنہوں نے	کفر کیا	ان کے دوست ہیں

يُخْرِجُونَهُم	مِّنَ النُّورِ	إِلَى الظُّلُمَاتِ ۚ	أُولَٰئِكَ
وہ لوگ نکالتے ہیں ان کو	نور سے	اندھیروں کی طرف	وہ لوگ

أَصْحَابُ النَّارِ ۖ	هُمْ	فِيهَا	خَالِدُونَ
آگ کے ساتھی ہیں	وہ لوگ	اس میں	ہمیشہ رہنے والے ہیں

اس آیت میں نور اور ظلمات، ہدایت اور گمراہی کے لیے استعارے ہیں۔ ہدایت ایک ہی ہوتی ہے اس لیے نور واحد آیا ہے، جبکہ گمراہی کی متعدد صورتیں ہوتی ہیں اس لیے ظلمات جمع آیا ہے۔

نوٹ-1

## آیت نمبر (258)

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ ۖ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۚ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝﴾

ب ه ت

بہت (ف) حیران کر دینا۔ ششدر کر دینا۔ ﴿بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ﴾ (21/ الانبیاء: 40) ”بلکہ وہ یعنی آگ آئے گی ان کے پاس اچانک تو وہ ششدر کر دے گی ان کو۔“

بُھَتَانُ فَعْلَانُ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ انتہائی حیران و ششدر کرنے والا۔ پھر اصطلاحاً ایسے جھوٹ اور جھوٹے الزام کے لیے آتا ہے جسے سُن کر انسان ششدر اور دم بخود رہ جائے۔ ﴿هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾ (24/النور: 16) ”یہ ایک عظیم جھوٹا الزام ہے۔“

اُن سے پہلے بایسیہ مخدوف ہے۔ اِنَّہ میں ضمیر مفعولی الَّذِی کے لیے ہے جبکہ الْمَلِک مفعول ثانی ہے، فَإِنَّ میں فَ کا مفہوم ہے اچھا تو پھر۔ بُھت ماضی مجہول ہے۔ اس سے پہلے ذَلِک مخدوف ہے۔

ترکیب

ترجمہ

اَلَمْ تَرَ	اِلَى الَّذِیْ	حَاجَّ	اِبْرٰہِمَ
کیا تو نے غور ہی نہیں کیا	اس (کی حالت) کی طرف جس نے	بحث کی	ابراہیم سے

فِی رَبِّہٖ	اَنْ	اِنَّہٗ	اللہ	اَلْمَلِکُ
ان کے رب (کے بارے) میں	(اس سبب سے) کہ	دی اس کو	اللہ نے	بادشاہت

اِذْ قَالَ	اِبْرٰہِمُ	رَبِّی الَّذِیْ	یُحِی	وَمِیّتٌ
جب کہا	ابراہیم نے	میرا رب وہ ہے جو	زندگی دیتا ہے	اور موت دیتا ہے

قَالَ	اَنَا	اُحِی	وَامِیّتٌ	قَالَ	اِبْرٰہِمُ
اس نے کہا	میں (بھی)	زندگی دیتا ہوں	اور موت دیتا ہوں	کہا	ابراہیم نے

فَإِنَّ	اللہ	یَاقِیْ	بِالشَّسِ	مِّنَ الْمَشْرِقِ	فَاتٍ
(اچھا تو) پھر یقیناً	اللہ	لاتا ہے	سورج کو	مشرق سے	پس تولا

بِہَا	مِّنَ الْمَغْرِبِ	فَبُھِتَ	الَّذِیْ
اس کو	مغرب سے	پس (اس طرح) ششدر رہ گیا	وہ جس نے

لَفَرَطٍ	وَاللّٰہُ	لَا یَهْدِی	الْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ
انکار کیا	اور اللہ	ہدایت نہیں دیتا	ظالم قوم کو

اُستاد محترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب مرحوم نے نشاندہی کی ہے کہ لفظ ابراہیم سورہ بقرہ میں ”ی“ کے بغیر یعنی اِبْرٰہِم لکھا گیا ہے جبکہ باقی قرآن میں مجید میں اسے ”ی“ کے ساتھ یعنی اِبْرٰہِیْم لکھا گیا ہے۔

نوٹ-1

### آیت نمبر (259)

﴿اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلَىٰ قَرْیَةٍ وَہِیْ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوشِہَا ؕ قَالَ اَنِّیْ یُحِیْ ہٰذِہٖ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِہَا ؕ فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃً عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہُ ؕ قَالَ کَمْ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضُ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَۃً عَامٍ فَاَنْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّہُ ؕ وَاَنْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ وَلِنَجْعَلَکَ اٰیۃً لِّلنَّاسِ وَاَنْظُرْ اِلٰی الْعِظَامِ کَیْفَ نُنْشِزُہَا ثُمَّ نَكْسُوہَا لَحْمًا ؕ فَلَبَّآ تَبَیَّنَ لَہٗ ؕ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾﴾

خ و ی

(ض)

خَوَاءٌ

خَاوِيَةٌ

اوندھا ہونا۔ منہدم ہونا۔

اسم الفاعل خَاوٍ کا مؤنث ہے۔ اوندھی ہونے والی یعنی اوندھی۔ آیت زیر مطالعہ۔

ع ر ش

(ض)

عَرْشًا

عَرْشُ

مَعْرُوشٌ

کسی چیز پر چھپر یا چھت ڈالنا۔ ﴿وَدَمَرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ﴾ (7/ الاعراف: 137) ”اور ہم نے برباد کیا اس کو جو بنایا کرتے تھے فرعون اور اس کی قوم، اور اس کو جو وہ لوگ چھت ڈال کرتے تھے۔“

ج عَرْوَشٌ۔ اسم ذات ہے۔ چھپر۔ چھت۔ تخت۔ (کیونکہ یہ زمین سے اونچا ہوتا ہے)۔ ﴿وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ﴾ (12/ یوسف: 100) ”اور اس نے اٹھایا اپنے والدین کو تخت پر۔“ ﴿وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ (9/ التوبہ: 129) ”اور وہ عظیم عرش کا مالک ہے۔“

اسم المفعول ہے۔ چھپر یا چھت ڈالا ہوا۔ ﴿وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ﴾ (6/ الانعام: 141) ”اور وہ ہے جس نے پیدا کیا باغات کو، چھپر ڈالے ہوئے اور بغیر چھپر ڈالتے ہوئے۔“

ل ب ث

(س)

لَبَنًا

لَابِثٌ

تَلَبُّثًا

کسی جگہ قیام کرنا۔ ٹھہرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

اسم الفاعل ہے۔ ٹھہرنے والا۔ ﴿لَبِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا﴾ (78/ النبا: 23) ”قیام کرنے والے ہیں اس میں مدتوں۔“

بتکلف ٹھہرنا یعنی دیر کرنا۔ ﴿وَمَا تَلَبَّثُوا فِيهَا إِلَّا بَيْتًا﴾ (33/ الاحزاب: 14) ”تو وہ لوگ دیر نہیں کریں گے اس میں مگر تھوڑی سی۔“

س ن ه

(س)

سَنَهَا

تَسْنُهَا

بہت سالوں والا ہونا۔ متغیر ہونا۔ بگڑ جانا۔ (مدت گزرنے کی وجہ سے)

متغیر ہونا۔ خراب ہونا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ح م ر

(ن)

حَمْرًا

أَحْمَرٌ

حَمَاءٌ

کھال کھرچنا (جس سے سرخی ظاہر ہو جائے)

مؤنث حَمْرَاءُ ج حُمْرٌ۔ فعل الوان و عیوب ہے، سرخ رنگ والا۔ ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ﴾ (35/ فاطر: 27) ”اور پہاڑوں میں سرخ و سفید راستے ہیں۔“

ج حُمْرٌ اور حَمِيرٌ۔ اسم ذات ہے۔ گدھا۔ ﴿كَانَ لَهُمْ حُمْرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ﴾ (74/ المدثر: 50) ”گویا کہ وہ لوگ بد کے ہوئے گدھے ہیں۔“ ﴿إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ﴾ (31/ لقمان: 19) ”بیشک سب سے بُری آواز گدھوں کی آواز ہے۔“

ن ش ز

(ن)

نَشْرًا

نُشُوزًا

أُنْشُرُ

کسی چیز کا اپنی جگہ سے اُبھرنا۔ اوپر اٹھنا۔

بدخویا بدکلام ہونا۔ زیادتی کرنا۔

فعل امر ہے۔ تو اُبھر۔ تو اٹھ۔ ﴿وَإِذَا قِيلَ اُنْشُرُوا فَانْشُرُوا﴾ (58/ المجادلہ: 11) ”اور جب کہا جائے کہ تم لوگ اٹھو تو تم لوگ اٹھ جاؤ۔“

نُشُورُ اسم ذات ہے۔ بدخوئی۔ زیادتی۔ ﴿وَإِنْ أَمْرًا فَخَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُورًا﴾ (4/ النساء: 128)  
 ”اور اگر کسی عورت کو خوف ہوا اپنے شوہر سے زیادتی کا۔“  
 کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

(افعال)

ترکیب

اُو گزشتہ آیت کے اَلَمْ تَرَ پر عطف ہے۔ پورا جملہ اس طرح ہوگا۔ اَو اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِي كَانَ كَالَّذِي - وَهِيَ كَاوَا حَالِیہ ہے۔ یُحٰی کا مفعول ہٰذِہ ہے۔ مِائَۃ عَامٍ ظرف ہے اس لیے مِائَۃ منصوب ہے۔ کَمْ لَبِثْتَ میں کَمْ کی تمیز مخذوف ہے جو یَوْمًا یَا عَامًّا ہو سکتی ہے۔ طعام اور شراب کے لیے کے لیے تشبیہ کا صیغہ آنا چاہیے تھا لیکن لَمْ یَتَسَنَّہ واحد آیا ہے اس کی وضاحت آگے نوٹ میں کی جائے گی۔ اور یہ دراصل یَتَسَنَّہ تھا جو لَمْ کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے۔ لِنَجْعَلَکَ اٰیۃً لِلنَّاسِ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ اِلَى الْعِظَامِ گزشتہ جملہ کے جَمَارِک پر عطف ہے۔ نُنْشِزُہَا اور نُنْکِسُوہَا کی ضمیر مفعولی اَلْعِظَامِ کے لیے ہیں جبکہ نُنْکِسُو کا مفعول ثانی لَحْمًا ہے اور نَحْنُ ضمیر جو ان میں چھپی ہوئی ہے، ان کی فاعل ہے جو اللہ کے لیے ہے۔

ترجمہ

اُو	کَالَّذِی	مَرَّ	عَلٰی قَرْیَۃٍ	وَ	ہِیَ	خَاوِیۃٌ
یا	اس کی مانند جو	گزرا	ایک بستی پر	اس حال میں کہ	وہ	اوندھی تھی

عَلٰی عُرُوشِہَا	قَالَ	اَنّٰی	یُحٰی	ہٰذِہ	اللہ
اپنی چھتوں پر	اس نے کہا	کس طرح سے	زندہ کرے گا	اس کو	اللہ

بَعْدَ مَوْتِہَا	فَاَمَاتَہُ	اللہ	مِائَۃ عَامٍ	ثُمَّ
اس کی موت کے بعد	تو موت دی اس کو	اللہ نے	ایک سو سال (کے لیے)	پھر

بَعَثَہُ	قَالَ	لَمَّ	لَبِثْتُ	قَالَ	لَبِثْتُ
اس نے اٹھایا اس کو	(اللہ نے) کہا	کتنا (عرصہ)	تو ٹھہرا	اس نے کہا	میں ٹھہرا

یَوْمًا	اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ	قَالَ	بَلْ	لَبِثْتُ	مِائَۃ عَامٍ
ایک دن	یا ایک دن کا کچھ (حصہ)	(اللہ نے) کہا	بلکہ	تو ٹھہرا	ایک سو سال

فَاَنْظُرْ	اِلٰی طَعَامِکَ	وَشَرَابِکَ	لَمْ یَتَسَنَّہ
پس تو دیکھ	اپنی خوراک کی طرف	اور اپنی پینے کی چیز کی طرف	وہ متغیر ہی نہیں ہوئی

وَاَنْظُرْ	اِلٰی جَمَارِکَ	وَلِنَجْعَلَکَ	اٰیۃً
اور تو دیکھ	اپنے گدھے کی طرف	اور (یہ) اس لیے کہ ہم بنائیں تجھ کو	ایک نشانی

لِلنَّاسِ	وَاَنْظُرْ	اِلٰی الْعِظَامِ	کَیْفَ	نُنْشِزُہَا	ثُمَّ
لوگوں کے لیے	اور تو دیکھ	ہڈیوں کی طرف	کیسے	ہم اٹھاتے ہیں ان کو	پھر

نَكْسُوْهَا	لَحْمًا ط	فَلَمَّا	تَبَيَّنَ	لَهُ 487	قَالَ
ہم پہناتے ہیں ان کو	گوشت	پس جب	واضح ہوا	اس کے لیے	تو اس نے کہا
أَعْلَمُ	أَنَّ اللَّهَ	عَلَى كُلِّ شَيْءٍ	قَدِيرٌ		
میں جانتا ہوں	کہ اللہ	ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے		

نوٹ-1

اُردو میں ہم کہتے ہیں ”دودھ اور دہی کا ذائقہ خراب نہیں ہوا“۔ حالانکہ گرامر کے لحاظ سے کہنا چاہیے تھا ”ذائقہ خراب نہیں ہوئے“۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بات کہنے کا یہ انداز عربی سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ عربی میں کبھی واحد بول کر تشنیہ اور کبھی تشنیہ بول کر واحد مراد لیتے ہیں۔ اس آیت میں بھی یہی انداز ہے کہ لَمْ يَتَسَنَّهٗ واحد بول کر تشنیہ مراد لیا گیا ہے۔

اس حوالے سے آسان عربی گرامر کے ”ابتدائیہ“ میں بتائی گئی اس بات کو ذہن میں تازہ کر لیں کہ زبان پہلے وجود میں آتی ہے اور قواعد بعد میں مرتب کیے جاتے ہیں۔ اس لیے گرامر اہل زبان کے تابع ہوتی ہے لیکن اہل زبان گرامر کے پابند نہیں ہوتے۔

نوٹ-2

يَتَسَنَّهٗ کے مادے کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس کا مادہ ”س ن ہ“ ہے۔ حافظ احمد یار صاحب مرحوم نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور ہم نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس کا مادہ ”س ن ن“ ہے۔ باب تفعّل میں اس کا مضارع يَتَسَنَّوْنَ بنتا ہے۔ یہ قاعدہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ کس لفظ میں ایک ہی حرف دو دفعہ آجائے تو عام طور پر ان کا ادغام کر دیتے ہیں۔ اب یہ قاعدہ بھی نوٹ کر لیں کہ ایک ہی حرف اگر تین دفعہ آجائے تو پہلے دو حروف کا ادغام کر کے تیسرے حرف کو ”ی“ میں تبدیل کر سکتے ہیں یعنی یہ قاعدہ اختیاری ہے۔ اس طرح يَتَسَنَّوْنَ تبدیل ہو کر يَتَسَنَّوْیْ ہو گیا۔ پھر اس پر لَمْ داخل ہوا تو ”ی“ گر گئی اور لَمْ يَتَسَنَّوْیْ باقی بچا۔ اس کے آگے جو ہائے ساکن ہے اسے ہائے سکت کہتے ہیں۔ اس کو وقف کے لیے لگاتے ہیں اور اس کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ جیسے لَ تَبِيْئَهُ۔

حَسْبَابِيْہٖ وَغِيْرَہٗ“ (69/ الحاقۃ: 19-20)

### آیت نمبر (260)

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنُ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا ۖ وَاعْلَمَنَّ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝٢٦٠﴾

ط م ع ن

(رُبَاعِي)

طَمَانَةً

ذہن کو خلیجان سے خالی کرنا۔ پُر سکون کرنا۔ مطمئن کرنا۔

(أَفْعُلُ لَاو)

إِطْبِئْنَا

ذہن کا خلیجان سے خالی ہو جانا۔ پُر سکون ہو جانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

مُطْمَئِنُّ

اسم الفاعل ہے۔ پُر سکون ہو جانے والا۔ ﴿إِلَّا مَن أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِإِذْنِ الْيَمَانِ﴾

(16/ انمل: 106) ”سوائے اس کے جو مجبور کیا گیا اس حال میں کہ اس کا دل مطمئن ہو جانے والا ہے

ایمان پر۔“

ط ی ر

(ض)

طَيِّرًا

کسی چیز کا اڑنا۔ پھیل جانا۔ ﴿وَلَا طَيْرٌ يَّحْكُمُ بَيْنَهُ﴾ (6/ الانعام: 38) ”اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے پروں پر۔“

طَائِرٌ

ج طَيِّرٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ اُڑنے والا۔ مختلف مفاہیم میں آتا ہے۔  
(۱) پرندہ۔ اوپر آیت (6/ الانعام: 38) ”دیکھیں۔“

(۲) اعمال (کیونکہ عمل کے بعد وہ انسان کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں یعنی اُڑ جاتے ہیں۔) ﴿وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرًا فِي عَقِبِهِ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 19) ”اور ہر ایک انسان، ہم نے لازم کیا اس پر اس کا عمل اس کی گردن میں۔“

(۳) بدشگونی۔ نحوست (عرب لوگ پرندوں سے شگون لیا کرتے تھے۔ پھر یہ شگون کے بجائے بدشگونی کے لیے استعمال ہونے لگا۔) ﴿قَالُوا طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ﴾ (36/ یس: 19) ”انہوں نے کہا تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے۔“

(تفعّل)

تَطَيَّرًا

بدشگونی لینا۔ منحوس سمجھنا۔ ﴿قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ﴾ (36/ یسین: 18) ”انہوں نے کہا بیشک ہم تم لوگوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔“

(استفعال)

اِسْتِطَارَةً

پھیل جانا۔ منتشر ہونا۔  
اسم الفاعل ہے۔ پھیل جانے والا۔ ﴿وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾ (76/ الدھر: 7) ”اور وہ لوگ خوف کرتے ہیں اس دن کا ہوگا جس کا شر پھیل جانے والا۔“

مُسْتَطِيرٌ

ص و ر

(ن)

صَوْرًا

(۱) بلانا۔ ماثل کرنا۔ (۲) کاٹنا۔ مجسمہ تراشنا۔

صُرٌّ

فعل امر ہے۔ تو ماثل کر۔ آیت زیر مطالعہ۔

صُورَةً

ج صَوْرٌ۔ اسم ذات ہے۔ شکل۔ حلیہ۔ صورت۔ ﴿فِي آيِ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ﴾ (82/ الانفطار: 8) ”جیسی شکل میں اس نے چاہا، اس نے ترتیب دیا تجھ کو۔“ ﴿فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ﴾ (40/ مومن: 64) ”تو اُس نے اچھی بنائیں تمہاری شکلیں۔“

صُورٌ

اسم ذات ہے۔ ہر وہ چیز جس میں پھونکنے سے آواز پیدا ہو جیسے بگل۔ سارن وغیرہ۔ ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ﴾ (6/ الانعام: 73) ”جس دن پھونکا جائے گا صور میں۔“

تَصْوِيرًا

(تفعیل)

کسی کو کوئی شکل یا حلیہ دینا۔ ﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ (3/ آل عمران: 6) ”وہ ہے جو شکل دیتا ہے تم لوگوں کو رحموں میں جیسی وہ چاہتا ہے۔“

مُصَوِّرٌ

اسم الفاعل ہے۔ شکل دینے والا۔ ﴿هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾ (59/ الحشر: 24) ”وہ اللہ ہے جو پیدا کرنے والا ہے، وجود بخشنے والا ہے، شکل دینے والا ہے۔“

ج ب ل

(ن)

جَبَلًا

بنانا۔ جیسے مٹی میں پانی ڈال کر گارا بنانا۔

جِبَلَةٌ

ج جِبَلٌ۔ اسم ذات ہے۔ بنائی ہوئی چیز۔ خلقت۔ (جِبَلَةٌ اسم جمع ہے اور اس کی جمع بھی آتی



487

ہے۔ ﴿وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّ الْأُولِينَ﴾ (26/ الشعراء: 184) ”اور تم لوگ تقویٰ

کرو اس کا جس نے پیدا کیا تم لوگوں کو اور پہلی خلقت کو۔“ ﴿وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا﴾

(36/ یس: 62) ”اور اس نے گمراہ کیا تم میں سے بہت سی خلقتوں کو۔“

جَبَلٌ پہاڑ۔ ﴿وَكَانُوا يَنْجِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا﴾ (15/ الحجر: 82) ”اور وہ لوگ تراشتے تھے پہاڑوں میں سے گھر۔“

ج ز ع

(ف)

جَزَاءُ کسی چیز کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا۔  
جُزْءُ اسم ذات ہے۔ ٹکڑا۔ حصہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

رَبِّ کی جڑ یائے متکلم کی علامت ہے یعنی یہ دراصل رَبِّی تھا۔ اَرِ فعل امر ہے، نِی ضمیر مفعولی ہے اور آگے کَيْفَ تَنْجِي الْمَوْتِی پورا جملہ اس کا مفعول ثانی ہے۔ لِيُطْمِئِنَّ سے پہلے سَأَلْتُكَ محذوف ہے۔ فَخُذْ کا مفعول مِنَ الطَّيْرِ ہے اور محلاً منصوب ہے، جبکہ اَرْبَعَةً تیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اجْعَلْ کا مفعول جُزْءًا ہے جبکہ مِنْهُنَّ اس سے متعلق ہے۔ طَيْرٌ غیر عاقل کی جمع مؤنث ہے۔ اس لحاظ سے فعل واحد مؤنث آنا چاہیے تھا لیکن يَأْتِيَنَّ جمع مؤنث آیا ہے۔ یہ ایک استثنائی صورت ہے۔ جیسے عام طور پر اَيَّامًا مَعْدُودَةً آتا ہے لیکن کبھی اَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ بھی آجاتا ہے۔ سَعْيًا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ

وَإِذْ قَالَ	إِبْرَاهِيمُ	رَبِّ	أَرِ	نِي	كَيْفَ	تَنْجِي
اور جب کہا	ابراہیم نے	اے میرے رب!	تو دکھا	مجھ کو	کیسے	تو زندہ کرے گا

الْمَوْتِی	قَالَ	أَوْ	لَمْ تُؤْمِنُ	قَالَ	بَلٰی
مردہ کو	(اللہ تعالیٰ نے) کہا	تو کیا	تو ایمان ہی نہیں لایا	(ابراہیم نے) کہا	کیوں نہیں

وَلٰكِنْ	لِيُطْمِئِنَّ	قَلْبِي	قَالَ	فَخُذْ
اور لیکن	(میں پوچھتا ہوں) تاکہ پُر سکون ہو جائے	میرا دل	(اللہ تعالیٰ نے) کہا	پس تو پکڑ

اَرْبَعَةً	مِّنَ الطَّيْرِ	فَصُرْ	هُنَّ	إِلَيْكَ	ثُمَّ	اجْعَلْ
چار	پرندوں میں سے	پھر تو مائل کر	ان کو	اپنی طرف	پھر	تو رکھ

عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ	مِّنْهُنَّ	جُزْءًا	ثُمَّ	ادْعُهُنَّ	يَاٰتِيَنَّكَ
ہر ایک پہاڑ پر	ان میں سے	ایک ٹکڑا	پھر	تو پکارا ان کو	وہ آئیں گے تیرے پاس

سَعْيًا	وَأَعْلَمُ	أَنَّ اللَّهَ	عَزِيزٌ	حَكِيمٌ
دوڑتے ہوئے	اور تو جان لے	کہ اللہ	بالا دست ہے	حکمت والا ہے

## نوٹ-1

اس سے پہلے رُباعی مجرد کے چند الفاظ آچکے ہیں اور اب رُباعی مزید فیہ کا لفظ پہلی مرتبہ آیا ہے۔ چونکہ آسان عربی گرامر میں آپ نے رُباعی کو نہیں پڑھا ہے اس لیے اس مقام پر اس کے متعلق چند باتیں ذہن نشین کر لیں۔

(۱) رُباعی کے اوزان میں فَا اور عین کے بعد لام دو مرتبہ آتا ہے۔ نوٹ کر لیں کہ پہلا لام مادے کے تیسرے حرف کے لیے اور دوسرا لام چوتھے حرف کے لیے ہوتا ہے۔

(۲) رُباعی مجرد کا ایک ہی باب ہے۔ اس کا ماضی اور مضارع فَعْلَلْ اور يُفْعِلُّ کے وزن پر آتے ہیں۔ جبکہ مصدر کے لیے زیادہ تر فَعْلَلْ اور فَعْلَلْ کے اوزان استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے طَمَنَّ - يُطْمِنُ - طَمَنَةً اور زَلَزَلْ - يُزَلِّزُ - زَلْزَالًا وغیرہ۔ یہ باب زیادہ تر متعدی ہوتا ہے۔

(۳) رُباعی مزید فیہ کے تین ابواب ہیں جس میں سے ایک آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ اس کے ماضی - مضارع اور مصدر کے اوزان یہ ہیں - اَفْعَلَّ - اِفْعَلَّ - اِفْعَلَّ - اِفْعَلَّ - آپ کی آسانی کے لیے ہم نے مصدر کے وزن کو کھول کر اِفْعَلَّ لال لکھا ہے تاکہ تیسرے اور چوتھے کلمہ پر آپ صحیح حرکات و سکنات لگا سکیں۔ نوٹ کر لیں کہ اس باب کا ہمزہ، ہمزۃ الوصل ہے اور یہ باب زیادہ تر لازم ہوتا ہے۔

## نوٹ-2

اس آیت کے حوالے سے ایک اہم اور بنیادی بات یہ نوٹ کر لیں کہ یہ کائنات اور اس کی ہر چیز اپنی زبان حال سے اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی توحید اور اس کی قدرت کی گواہی دے رہی ہے۔ اور یہی ایمان کی اصل بنیاد ہے۔ اس ایمان کے بعد جو تفصیلات اور جزئیات قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں ان پر ایمان اور عمل لازمی ہو جاتا ہے، خواہ اطمینانِ قلب حاصل ہو یا نہ ہو۔ نوٹ کریں کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے ایمان کا اقرار کیا ہے، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے اطمینانِ قلب کا بندوبست کیا ہے۔ اسی طرح سے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر ایمان اور اخلاص نیت سے عمل کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے انہیں اطمینانِ قلب عطا فرماتا ہے۔

## آیت نمبر (261)

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (۳۱)

## س ب ع

(ف)

سَبْعًا

سَبْعٌ

سَبْعُونَ

سَبْعٌ

ساتواں حصہ لینا (کسی چیز کو سات حصوں میں تقسیم کر کے)۔

اسم عدد بھی ہے۔ سات ﴿لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ ط﴾ (15/ الحج: 44) ”اس کے سات دروازے ہیں۔“

ستر۔ ﴿إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ط﴾ (9/ التوبة: 80) ”اگر آپ

استغفار کریں ان کے لیے ستر مرتبہ تو (بھی) ہرگز نہیں بخشنے گا اللہ ان کو۔“

اسم ذات ہے۔ درندہ۔ (کیونکہ وہ اپنے شکار کو پھاڑ کر ٹکڑوں میں تقسیم کرتا ہے)۔ ﴿وَمَا أَكَلِ

السَّبُعُ﴾ (5/ المائدہ: 3) ”اور جس کو کھایا درندے نے۔“



سُنْبِلَةٌ

کھیتی کا بالیں نکالنا۔

سُنْبُلٌ

جمع سَنَابِلُ۔ اسم ذات ہے۔ پودے کی بالی۔ خوشہ۔ ﴿فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ﴾

(12/ یوسف: 47) ”پس جو تم لوگ کاٹو تو چھوڑ دو اس کو اس کے خوشے میں۔“ ﴿وَسَبَّحْ سُنْبُلَاتِ

خُضِرِ﴾ (12/ یوسف: 43) ”اور سات سبز بالیں/ خوشے۔“

## ترکیب

گمٹل کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حَبَّةٌ مجرور ہے۔ اَنْبَتَتْ کا فاعل اس میں ہی کی ضمیر ہے جو حَبَّةٌ کے لیے ہے، جبکہ مرکب اضافی سَبَّحَ سَنَابِلَ اس کا مفعول ہے۔ اس لیے اس کا مضاف سَبَّحَ منصوب ہے اور مضاف الیہ سَنَابِلَ محلاً مجرور ہے۔ مِائَةُ حَبَّةٌ مبتداء مؤخر ہے اس لیے مضاف مِائَةُ مرفوع ہے، اس کی خبر مخدوف ہے اور فی کُلِّ سُنْبُلَةٍ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ یُضْعَفُ کا مفعول مخدوف ہے جو کہ اِنْفَاقًا ہو سکتا ہے جبکہ لِمَنْ متعلق فعل ہے۔

## ترجمہ

مَثَلُ الَّذِينَ	يُنْفِقُونَ	أَمْوَالَهُمْ	فِي سَبِيلِ اللَّهِ	لَمَثَلِ حَبَّةٍ
ان لوگوں کی مثال جو	خرچ کرتے ہیں	اپنے مالوں کو	اللہ کی راہ میں	ایک ایسے دانے کی مثال کی طرح
اَنْبَتَتْ	سَبَّحَ سَنَابِلَ	فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ	مِائَةُ حَبَّةٍ ط	وَاللَّهُ
جس نے اُگائے	سات خوشے	ہر ایک خوشے میں	ایک سو دانے ہیں	اور اللہ
لِمَنْ	يَشَاءُ ط	وَاللَّهُ	وَاسِعٌ	عَلِيمٌ
اس کے لیے جس کے لیے	وہ چاہتا ہے	اور اللہ	وسعت دینے والا ہے	جاننے والا ہے

## نوٹ-1

لفظ مِائَةُ میں الف زائدہ ہے جیسے اُولَئِكَ میں واو زائدہ ہے۔ چند الفاظ میں حروف زائدہ لکھنے کی وجہ سمجھ لیں۔

صحابہ کرامؓ کے زمانے میں بھی اور آج بھی عربی حرکات و سکنات کے بغیر لکھی اور پڑھی جاتی ہے جیسے فارسی اور اردو حرکات و سکنات کے بغیر لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ البتہ غیر عربی لوگوں کی سہولت کے لیے بعد میں قرآن مجید میں حرکات و سکنات لکھنے کا رواج ہوا۔

اسی طرح عربی حروف پر نقطے ڈالنے کا رواج بھی بعد میں ہوا۔ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں عربی، حروف کے نقطوں کے بغیر لکھی اور پڑھی جاتی تھی۔ مثلاً اس زمانے میں حرف ”ح“ کو حسب موقع ج۔ ح اور خ پڑھا جاتا تھا اور بالکل درست پڑھا جاتا تھا۔ ہم لوگ اس کو ناممکن قرار دینے سے پہلے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ انگریزی ہماری مادری زبان نہیں ہے، اس کے باوجود ہم لوگ انگریزی حرف ”C“ کو لفظ CIRCLE میں پہلے سین کی آواز سے اور پھر کاف کی آواز سے پڑھ لیتے ہیں حرف ”G“ کو لفظ GENERAL میں جیم اور GOD میں گاف کی آواز سے پڑھ لیتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔

بہر حال عربی حروف پر نقطے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ الفاظ میں مشابہت دور کرنے کے لیے کسی ایک لفظ میں کوئی زائدہ حرف لکھا جاتا تھا۔ جیسے اِلَیْکَ سے فرق کرنے کے لیے اُولَئِكَ میں واو زائدہ لکھا گیا۔ اسی طرح مِنْہُ سے فرق کرنے کے لیے مِائَةُ میں الف زائدہ لکھا گیا۔ (واللہ اعلم)

کُلُّ کا مضاف الیہ زیادہ تر واحد نکرہ آتا ہے۔ لیکن اگر معرفہ آئے تو مفہوم میں کچھ فرق پڑتا ہے۔ مثلاً کُلُّ کِتَاب کا مطلب ہے ہر ایک کتاب۔ جبکہ کُلُّ الْکِتَاب کا مطلب ہے کل کی کل کتاب یعنی وہ پوری کتاب جس کی بات ہو رہی ہے۔

### آیت نمبر (262)

﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَمَّا وَلَا أَدَّى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ۳۶

#### ترکیب

يُتْبِعُونَ کا مفعول اول مَا ہے، جبکہ مَمَّا اور اَدَّى اس کے مفعول ثانی ہیں اس لیے یہاں اَدَّى محلاً منصوب ہے۔ أَجْرُهُمْ مبتداء مؤخر ہے، اس کی خبر مخذوف ہے جو ثَابِتٌ يَمْحُوظٌ ہو سکتی ہے، لَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے اور عِنْدَ رَبِّهِمْ متعلق خبر ہے۔ لَا خَوْفٌ مبتداء نکرہ ہے کیونکہ قاعدہ بیان ہو رہا ہے، اس کی بھی خبر مخذوف ہے اور عَلَيْهِمْ قائم مقام خبر ہے۔ هُمْ مبتداء ہے اور يَحْزَنُونَ جملہ فعلیہ بن کر اس کی خبر ہے۔

#### ترجمہ

الَّذِينَ	يُنْفِقُونَ	أَمْوَالَهُمْ	فِي سَبِيلِ اللَّهِ	ثُمَّ	لَا يُتْبِعُونَ
وہ لوگ جو	خرچ کرتے ہیں	اپنے مالوں کو	اللہ کی راہ میں	پھر	وہ لوگ پیچھے نہیں لگاتے
مَا	أَنْفَقُوا	مَمَّا	وَلَا أَدَّى	لَهُمْ	
اس کے جو	انہوں نے خرچ کیا	احسان جتانے کو	اور نہ ہی ستانے کو	ان کے لیے ہے	
أَجْرُهُمْ	عِنْدَ رَبِّهِمْ	وَلَا خَوْفٌ	عَلَيْهِمْ	وَلَا هُمْ	
ان کا اجر	ان کے رب کے پاس	اور کوئی خوف نہیں ہے	ان پر	اور نہ ہی وہ لوگ	
يَحْزَنُونَ					
پچھتاتے ہیں					

خوف کا تعلق مستقبل کے اندیشوں سے ہے۔ انسان کو ہر وقت دھڑکا لگا رہے کہ کہیں یہ نہ ہو جائے کہیں وہ نہ ہو جائے۔ حزن کا تعلق ماضی کے پچھتاؤں سے ہے۔ کاش! میں نے یہ نہ کیا ہوتا۔ کاش! ایسا نہ ہوتا۔ ایک انسان اگر ان دو کیفیتوں سے محفوظ و مامون ہو جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے جو بے غرض انفاق کے اصل اجر کے علاوہ ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ان کا اجر تو ان کے رب کے پاس محفوظ ہے اور یہ بھی ہے۔

یہ داخلی کیفیت اصلاً تو جنتی لوگوں کا خاصہ ہے لیکن بے غرض انفاق کرنے والوں کو کسی درجہ میں یہ انعام اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ کا غالباً یہی مطلب تھا جب انہوں نے فرمایا کہ میری جنت میرے سینے میں ہے۔ برٹرنڈ رسل نے بھی اپنی کتاب CONQUEST OF HAPPINESS میں اپنے غور و فکر کا نچوڑ ان الفاظ میں بیان کیا کہ  
HAPPINESS IS A STATE OF MIND

اس دنیا میں جنت حاصل کرنے کے لیے بے غرض انفاق کی ایک صفت اس آیت میں بیان ہوئی ہے کہ نہ صرف احسان نہیں جتانے بلکہ یہ احتیاط بھی کرتے ہیں کہ ان کے طرزِ عمل سے دوسرے کو کوئی جذباتی ٹھیس بھی

نہ پہنچے۔ ایک صفت آیت نمبر 76 / الدھر: 8، 9 میں بیان ہوئی ہے کہ وہ لوگ جب کسی مسکین، یتیم یا قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں تو کسی بدلے کی اُمید تو کیا، وہ شکریے کی بھی اُمید نہیں رکھتے۔

### آیت نمبر (263)

﴿قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى ط وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿٢٦٣﴾﴾

غ ن ی

(س) غَنِيٌّ (۱) کسی قسم کی کوئی ضرورت لاحق نہ ہونا۔ ضروریات سے بے نیاز ہونا۔ (یہ مفہوم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے)۔ (۲) ضروریات پوری کرنے کے ذرائع میسر ہونا۔ مالدار ہونا۔ بے فکر و بے پرواہ ہونا۔ (یہ مفہوم غیر اللہ کے لیے ہے)۔

مَغْنًى اپنا وجود قائم رکھنا یعنی زندہ رہنا۔ کسی جگہ رہنا۔ ﴿كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ط﴾ (11 / ہود: 68) ”جیسے کہ وہ لوگ رہتے ہی نہیں تھے اس میں۔“

غَنِيٌّ جِ اغْنِيَاءُ۔ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بے نیاز۔ مالدار۔ ﴿إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ط﴾ (9 / التوبہ: 93) ”الزام تو بس ان لوگوں پر ہے جنہوں نے رخصت مانگی آپ سے اس حال میں کہ وہ لوگ مالدار تھے۔“

اِغْنَاءُ (افعال) (۱) کسی کی کوئی ضرورت پوری کرنا یا تکلیف دور کرنا یعنی کام آنا۔ (۲) مالدار کرنا۔ (۳) بے فکر و بے پرواہ کرنا۔ ﴿مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ط﴾ (111 / اللہب: 2) ”کام نہیں آیا اس کے اس کا مال اور جو اس نے کمایا۔“ ﴿وَوَجَدَكَ عَالِيًا فَاغْنَىٰ ط﴾ (93 / الضحیٰ: 8) ”اور اُس نے پایا آپ کو تنگ دست تو اس نے مالدار کیا۔“ ﴿لَا يُسِينُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ط﴾ (88 / الغاشیہ: 7) ”وہ موٹا نہیں کرتا ہے اور نہ بے فکر کرتا ہے بھوک سے۔“

مُغْنًى اسم الفاعل ہے۔ کام آنے والا۔ بے پرواہ کرنے والا۔ ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُّغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ط﴾ (14 / ابراہیم: 21) ”تو کیا تم لوگ دور کرنے والے ہو ہم سے اللہ کے عذاب سے کچھ بھی۔“

اِسْتِغْنَاءُ (استفعال) (۱) بے نیازی اختیار کرنا۔ (۲) بے فکر و بے پرواہ سمجھنا۔ ﴿فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا وَاسْتَغْنَوْا ط﴾ (64 / التغابن: 6) ”تو انہوں نے انکار کیا اور منہ موڑا اور بے نیاز ہوا اللہ۔“ ﴿وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ط﴾ (92 / الیل: 8) ”اور وہ جس نے بخل کیا اور بے پرواہ ہوا۔“

ترکیب مرکب توصیفی قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ اور مفرد مَغْفِرَةٌ یہ دونوں مبتداء نکرہ ہیں اور خَيْرٌ اس کی خبر ہے۔ خَيْرٌ فعل تفضیل ہے اور مِنْ کے ساتھ آیا ہے اس لیے یہ واحد ہی رہے گا۔ صَدَقَةٌ نکرہ موصوفہ ہے۔ يَتَّبِعُ کا فاعل اَذًى ہے اس لیے یہاں پر یہ محلاً مرفوع ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ	وَمَغْفِرَةٌ	خَيْرٌ	مِّنْ صَدَقَةٍ	تَنْبَعُهَا
ایک بھلی بات	اور درگزر	زیادہ بہتر ہے	ایسے صدقے سے	پچھے پچھے آتا ہے جس کے
أَذَى ط	وَاللَّهُ	غَنَى	حَلِيمٌ	
ستانا	اور اللہ	بے نیاز ہے	برباد ہے	

## آیت نمبر (264)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتَكُمْ بِالنِّسِّ وَالْأَذَى ۚ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝﴾

ت ر ب  
(س)

تَرْبًا کسی چیز کو مٹی لگنا۔ خاک آلود ہونا۔  
مَثَرَبَةً محتاج ہونا۔  
مَثَرَبَةً اسم ذات بھی ہے۔ محتاجی۔ ﴿أَوْ مَسْكِينًا ذَا مَتَرَبَةٍ ط﴾ (90/ البقرہ: 16) ”یا کسی مسکین محتاجی والے کو۔“  
تُرَابٌ اسم ذات ہے۔ مٹی۔ آیت زیر مطالعہ۔  
تَرِيبَةً ج ترائب۔ سینے کی پسی۔ ﴿يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ط﴾ (86/ الطارق: 7) ”وہ نکلتا ہے پیٹھ اور پسلیوں کے درمیان سے۔“  
تَرِبٌ ج اتراب۔ ایک مٹی میں کھیلے ہوئے۔ ہم عمر۔ ﴿وَكَوَاعِبُ اٰتْرَابًا ط﴾ (78/ النبا: 33) ”اور ہم عمر عورتیں۔“

و ب ل  
(ک)

وَبَلًا کسی چیز کا سخت ہونا۔ نقصان دہ ہونا۔  
وَابِلٌ بڑے بڑے اور وزنی قطروں والی بارش۔ آیت زیر مطالعہ۔  
وَبَالٌ نقصان۔ بُرا انجام۔ سزا۔ ﴿لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِه ط﴾ (5/ المائدہ: 95) ”تاکہ وہ چکھے سزا اپنے کام کی۔“  
وَبِيلٌ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ سخت۔ نقصان دہ۔ مُضَر۔ ﴿فَاخْذَنْهُ أَخَذًا وَبِيلًا ۝﴾ (73/ المزمل: 16) ”تو ہم نے پکڑا اس کو ایک سخت پکڑ میں۔“

ص ل د  
(ض)

صَلْدًا گنہگار کا چمکنا۔ پتھر کا چمکنا اور چمکدار ہونا۔  
صَلْدٌ اسم ذات بھی ہے۔ چمکنا اور چمکدار پتھر۔ آیت زیر مطالعہ۔

يُنْفِقُ کا مفعول مَالُهُ ہے جبکہ رِئَاءَ النَّاسِ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ وَلَا يُؤْمِنُ کا داؤدِ حالیہ ہے۔ صَفْوَانِ نکرہ موصوفہ ہے۔ تُرَابٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ اس کی خبر مَوْجُودٌ مخدوف ہے اور عَلَيَّهِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ اس کی ضمیر صَفْوَانِ کے لیے ہے۔ فَأَصَابَهُ کی ضمیر مفعولی بھی صَفْوَانِ کے لیے ہے اور اس کا فاعل وَابِلٌ ہے۔ صَلْدًا حال ہے۔

ترکیب

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	آمَنُوا	لَا تَبْطُلُوا	صَدَقَاتِكُمْ	بِالْمَنِّ
اے لوگو! جو	ایمان لائے	تم لوگ باطل مت کرو	اپنے صدقات کو	احسان جتانے سے

وَالَّذِي	لِالَّذِي	يُنْفِقُ	مَالَهُ	رِئَاءَ النَّاسِ	وَ
اور ستانے سے	اس کی مانند جو	خرچ کرتا ہے	اپنے مال کو	لوگوں کو دکھاتے ہوئے	اس حال میں کہ

لَا يُؤْمِنُ	بِاللَّهِ	وَالْيَوْمِ الْآخِرِ	فَمِثْلُهُ	لِثَمَلِ صَفْوَانٍ
وہ ایمان نہیں لاتا	اللہ پر	اور آخری دن (آخرت) پر	تو اس کی مثال	ایک ایسے صاف پتھر کی مثال کی مانند ہے

عَلَيْهِ	تُرَابٌ	فَأَصَابَهُ	وَإِبِلٌ	فَتَوَكَّأَ
جس پر	کچھ مٹی ہے	پھر آگلی اس کو	ایک موٹی بوندوں والی بارش	تو اس نے چھوڑا اس کو

صَلْدًا	لَا يَقْدِرُونَ	عَلَى شَيْءٍ	مِمَّا	لَسَبُوطٌ	وَاللَّهُ
چمکتا ہوا	وہ لوگ قابو نہیں پاتے	کسی چیز پر	اس میں سے جو	انہوں نے کمایا	اور اللہ

لَا يَهْدِي	الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ
ہدایت نہیں دیتا	ناشکری کرنے والے لوگوں کو

### آیت نمبر (265)

﴿وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضَعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطُلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٦٥﴾﴾

ر ب و

(ن) رَبَاءٌ

کسی چیز کا اپنی جگہ سے بلند ہونا۔ اُگنا۔ بڑھنا۔ اُبھرنا۔ ﴿وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ﴾ (22/ الحج: 5) ”تو دیکھتا ہے زمین کو مرجھائی ہوئی پھر جب بھی ہم اُتارتے ہیں اس پر پانی کو تو وہ لہلہاتی ہے اور اُبھرتی ہے۔“

آرَبِي

فعل التفضیل ہے۔ زیادہ اُگنے یا بڑھنے والا۔ ﴿تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ﴾ (16/ النحل: 92) ”تم لوگ بناتے ہو اپنی قسموں کو دخل دینے کا (بہانہ) آپس میں (اس لیے) کہ وہ جاتی ہے ایک قوم زیادہ بڑھنے والی دوسری قوم سے۔“

رَابٍ

فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ اُبھرنے والا۔ چڑھنے والا۔ ﴿فَلَا تَحْتَسِبُ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا﴾ (13/ الرعد: 17) ”تو اُٹھایا بہتے پانی نے اُبھرنے والا کچھ جھاگ۔“

رَبْوَا

اسم ذات ہے۔ بڑھی ہوئی یا اُبھری ہوئی چیز۔ اصطلاحاً سود کے لیے استعمال ہونا ہے۔ ﴿يَبْحَثُ اللَّهُ الْرَبْوَا وَيُزِي بِالصَّدَقَاتِ﴾ (2/ البقرہ: 276) ”مٹاتا ہے اللہ سود کو اور وہ بڑھاتا ہے صدقات کو۔“

رَبْوَةٌ اسم ذات ہے۔ بلند جگہ۔ ٹیلہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

(افعال) اِزْبَاءٌ  
(تفعیل) تَزْيِيَةً

بلند کرنا۔ بڑھانا۔ لفظِ ربوا میں آیت نمبر (2/ البقرہ: 276) دیکھیں۔  
بتدرج بلند کرتے رہنا۔ بڑھاتے رہنا۔ یعنی تربیت کرنا۔ ﴿رَبِّ اَرْحَمُهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ط﴾  
(17/ بنی اسرائیل: 24) ”اے میرے رب! تو رحم کر ان دونوں پر جیسا کہ ان دونوں نے تربیت کی  
میری بچپن میں۔“

ط ل ل

(ن)

طَلًّا  
طَلُّ  
شبنم پڑنا۔ پھوار پڑنا۔  
اسم ذات ہے۔ شبنم۔ پھوار۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

يُنْفِقُونَ کا مفعول اَمْوَالَهُمْ ہے جبکہ مرکب اضافی اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔  
مَرْضَاتِ لَکِ ولبی تا سے لکھنا قرآن کا مخصوص الماء ہے۔ تَنْشِيْئًا بھی حال ہے۔ جَنَّةٍ نَّكَرٌ مخصوصہ ہے۔ بِرَبْوَةٍ خبر محذوف کی  
قائم مقام خبر ہے۔ اَصَابَهَا کا فاعل وَاِیْلٌ ہے اور اس کی ضمیر مفعولی جَنَّةٍ کے لیے ہے۔ فَاتَتْ کی ضمیر فاعلی ہی بھی جَنَّةٍ کے  
لیے ہے۔ ضَعْفَيْنِ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ فَطَلُّ فعل محذوف کا فاعل ہے یعنی فَاصَابَهَا طَلُّ۔

ترجمہ

وَمَثَلُ الْزَّيْنِ	يُنْفِقُونَ	اَمْوَالَهُمْ	اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
اور ان لوگوں کی مثال جو	خرچ کرتے ہیں	اپنے مالوں کو	اللہ کی رضا کی جستجو کرتے ہوئے

وَتَنْشِيْئًا	مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	لَکِ مَثَلٌ جَنَّةٍ
اور جماتے ہوئے	اپنے آپ کو	ایک ایسے باغ کی مثال کی مانند ہے جو

بِرَبْوَةٍ	اَصَابَهَا	وَاِیْلٌ	فَاتَتْ
ایک ٹیلے پر ہے	آگلی اس کو	ایک موٹے قطروں والی بارش	تو اس نے دیا

اُكْلَهَا	ضَعْفَيْنِ	فَاَنْ لَّمْ يُصِبْهَا	وَاِیْلٌ
اپنا پھل	دو گنا	پھر اگر نہیں لگتی اس کو	کوئی موٹے قطروں والی بارش

فَطَلُّ	وَاللّٰهُ	بِمَا	تَعْمَلُونَ	بَصِيْرٌ
تو (آگلی اس کو) ایک پھوار	اور اللہ	اس کو جو	تم لوگ کرتے ہو	دیکھنے والا ہے





## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### سورة البقرة (۲)

سبق 1  
34

286 تا 266/2

#### آیت نمبر (266)

﴿أَيُّودُ أَحَدَكُمُ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝﴾

ن خ ل

نَخْلًا

(ن)

نَخْلٌ

آنا چھان کر بھوسی الگ کرنا۔ اچھی چیز پسند کرنا۔  
اسم جنس ہے۔ واحد نَخْلَةٌ جمع نَخِيلٌ۔ لکھجور کا درخت۔ ﴿فِيهَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۝﴾ (55/ الرحمن: 68) ”ان دونوں میں ہیں کچھ میوے اور کچھ کھجور اور کچھ انار۔“ ﴿وَهَرَّجَ إِلَيْكَ بِجُنْعِ النَّخْلَةِ﴾ (19/ مريم: 25) ”تو ہلا اپنی طرف کھجور کے تنے کو۔“

ع ص ر

عَصْرًا

(ض)

عَصْرٌ

کسی چیز کا رَس نچوڑنا۔ نچوڑنے کے لیے کسی چیز کو گھمانا۔ گردش دینا۔ ﴿وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ۝﴾ (12/ يوسف: 49) ”اور اس میں وہ لوگ رَس نچوڑیں گے۔“  
اسم ذات ہے۔ زمانہ۔ ﴿وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِفِي خُسْرٍ ۝﴾ (103/ العصر: 1-2) ”زمانہ کی قسم بیشک تمام انسان خسارے میں ہیں۔“

إِعْصَارٌ

اسم ذات ہے۔ بگولہ۔ سائیکلون۔ آیت زیر مطالعہ۔  
بارش برسانا۔

إِعْصَارًا

(افعال)

مُعْصِرٌ

اسم الفاعل ہے۔ بارش برسانے والا یعنی بادل۔ ﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ۝﴾ (78/ النبا: 14) ”اور ہم نے اُتار ابدلیوں سے کچھ پانی موسلا دھار۔“

ح ر ق

حَرَقًا

(ن)

حَرِيقٌ

کسی چیز کو جلانا۔  
ہمیشہ اور ہر حال میں جلانے والا۔ آگ کا شعلہ۔ ﴿ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝﴾ (3/ آل عمران: 181) ”تم لوگ چکھو شعلے کا عذاب۔“

تَحْرِيقًا

(تفعیل)

کثرت سے جلانا۔ جلا کر بھسم کر دینا۔ ﴿لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝﴾ (20/ طہ: 97) ”ہم لازماً جلا کر بھسم کریں گے اس کو پھر ہم لازماً بکھیریں گے اس کو پانی میں جیسے بکھیرتے ہیں۔“

حَرِيقٌ

فعل امر ہے۔ تو جلا کر بھسم کر۔ ﴿قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ ۝﴾ (21/ الانبیاء: 68) ”ان لوگوں نے کہا تم لوگ جلا کر بھسم کرو اس کو اور تم لوگ مدد کرو اپنے معبودوں کی۔“

إِحْتِرَاقًا

(افعال)

اہتمام سے جلنا۔ جل کر بھسم ہونا۔ آیت زیر مطالعہ۔

## ترکیب

يَوَدُّ كافاعل اَحَدُكُمْ ہے۔ اَنْ تَكُوْنَ کا اسم جَعْلٌ ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور لے قائم مقام خبر مقدم ہے ۱ تَجْرِي تَجْرِي کا فاعل اَلَا نَهْرٌ ہے، یہ غیر عاقل کی جمع کسر ہے اس لیے فعل واحد مؤنث آیا ہے۔ لے خبر محذوف کی قائم مقام خبر مقدم ہے۔ فِيْهَا اور مِنْ كُلِّ الشَّجَرَاتِ متعلق خبر ہیں اور مبتداء بھی محذوف ہے جو نَصِيْب ہو سکتا ہے۔ وَاَصَابَهُ کی ضمیر مفعولی اَحَدُكُمْ کے لیے ہی اور اَلْكَبَرُ اس کا فاعل ہے۔ مرکب توصیفی ذَرِيَّةٌ ضَعْفَاءُ مبتداء مؤخر مکرر ہے، خبر محذوف ہے اور لے قائم مقام خبر مقدم ہے۔ ذَرِيَّةٌ یہاں جمع کے مفہوم میں آیا ہے۔ فَاحْتَرَقَتْ کا فاعل اس میں ہی کی ضمیر ہے جو جَعْلٌ کے لئے ہے۔

## ترجمہ

اَيُّوَدُّ	اَحَدُكُمْ	اَنْ	تَكُوْنَ	لَهُ	جَعْلٌ	مِنْ نَّجِيلٍ
کیا چاہتا ہے	تم میں سے کوئی	کہ	ہو	اس کے لیے	ایک باغ	کھجوروں کا
وَاعْنَابٍ	تَجْرِي	مِنْ تَحْتِهَا	اَلَا نَهْرٌ	لَهُ	فِيْهَا	
اور انگوروں کا	بہتی ہوں	ان کے نیچے سے	نہریں	اس کے لیے ہو	اس میں	
مِنْ كُلِّ الشَّجَرَاتِ	وَاَصَابَهُ	اَلْكَبَرُ	وَ	لَهُ	تَمَام پھلوں میں سے (ایک حصہ)	
	اور آگے اس کو	بڑھاپا	اس حال میں کہ	اس کی ہوں		
ذَرِيَّةٌ ضَعْفَاءُ	فَاَصَابَهَا	اِعْصَادٌ	فِيْهِ	نَارٌ	فَاَحْتَرَقَتْ	
کچھ کمزور اولادیں	پھر آگے اس کو	ایک گولہ	جس میں ہو	ایک آگ	پس وہ بھسم ہو	
كَذٰلِكَ	يُبَيِّنُ	اللّٰهُ	لَكُمْ	الْاٰيَاتِ	لَعَلَّكُمْ	تَتَفَكَّرُوْنَ
اس طرح	واضح کرتا ہے	اللہ	تم لوگوں کے لیے	نشانوں کو	شائد کہ	تم لوگ سوچ و چار کرو

## نوٹ-1

سائنکون میں ہوا کی گردش سے جو بجلی پیدا ہوتی ہے اسے اس آیت میں آگ کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بجلی جب کسی چیز پر گرتی ہے تو اسے جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔

## آیت نمبر (267)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَسَّبُوا الْخَيْثَ مِنْهُ تَنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِأَخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغِضُوا فِيهِ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَسِيدٌ ۝﴾

## ی م م

(ن)

يَسَّ

يَمُّ

تَيَسَّبَا

(تفعل)

کسی چیز کو پانی میں ڈالنا۔

اسم ذات ہے۔ پانی۔ ﴿فَاغْرُقْنَهُمْ فِي الْيَمِّ﴾ (7/ الاعراف: 136) ”تو ہم نے ڈبو یا ان کو پانی

میں۔“

کسی چیز کا قصد کرنا۔ ارادہ کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔



خ ب ث

(ک)

حَبَاثَةً گندہ اور ناپاک ہونا۔ ناکارہ اور ردی ہونا۔ ﴿وَالَّذِي حَبِثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا﴾<sup>1</sup>  
 (7/ الاحزاب: 58) ”اور جو ناکارہ ہوا اس سے نہیں نکلتا مگر مشکل سے۔“  
 حَبِثٌ فَعِيلٌ لکے وزن پر صفت ہے۔ گندہ۔ ناکارہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

غ م ض

(ن)

(افعال)

ترکیب

غَبُوضًا نیند کا جھونکا آنا۔  
 اِغْمَاضًا آنکھ بند کرنا۔ چشم پوشی کرنا۔ غفلت برتنا۔ آیت زیر مطالعہ۔  
 طَبَّبْتُ مضاف ہے اور مَا اس کا مضاف الیہ ہے۔ لَسْتُمْ کا اسم اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور بِاخْذِيہ اس کی خبر ہے۔  
 یہ بِاخْذِيہ تھا۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہوا ہے۔

ترجمہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	أَمُوتُوا	أَنْفِقُوا	مِنْ طَبَّبْتُ مَا	كَسَبْتُمْ
اے لوگو! جو	ایمان لائے	تم لوگ خرچ کرو	اس کے پاکیزہ میں سے جو	تم لوگوں نے کمایا
وَمِمَّا	أَخْرَجْنَا	لَكُمْ	مِّنَ الْأَرْضِ	وَلَا تَتَّبِعُوا
اور اس میں سے جو	ہم نے نکالا	تمہارے لیے	زمین سے	اور تم لوگ ارادہ مت کرو
الْخَبِيثَ	مِنْهُ	تُنْفِقُونَ	وَلَسْتُمْ	بِاخْذِيہ
ناکارہ کا	اس میں سے (جس سے)	تم لوگ خرچ کرتے ہو	حالانکہ تم لوگ نہیں ہو	اس کو پکڑنے والے
إِلَّا أَنْ	تُعِصُوا	فِيهِ	وَأَعْلَمُوا	أَنْ
مگر یہ کہ	تم چشم پوشی کرو	اس سے	اور جان لو	کہ
			اللہ	عَنِّي
			اللہ	بے نیاز ہے
			اللہ	حمد کیا ہوا ہے

## آیت نمبر (268)

﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ ۗ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾<sup>(٢٦٨)</sup>

ف ق ر

(ن)

فَقْرًا کھودنا۔ توڑنے۔  
 فَاقر اسم الفاعل ہے۔ توڑنے والا۔ ﴿تَنْظُنْ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ط﴾<sup>(75/ القیامہ: 25)</sup> ”وہ گمان کریں گے کہ کیا جائے گا ان سے توڑنے والا کام۔“

فَقْرًا محتاج ہونا۔ مفلس ہونا۔  
 فَقْرُ اسم ذات ہے۔ محتاجی۔ مفلسی۔ آیت زیر مطالعہ۔

فَقِيرٌ ج فَقَرَاءُ۔ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ محتاج۔ مفلس۔ ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ط﴾<sup>(4/ النساء: 6)</sup> ”اور جو ہو محتاج تو اسے چاہیے کہ وہ کھائے دستور کے مطابق۔“  
 ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ط﴾<sup>(35/ فاطر: 15)</sup> ”اے لوگو تم لوگ محتاج ہو اللہ کے۔“

## ترکیب

يَعِدُّ کا فاعل اس میں هُوَ کی ضمیر ہے جو الشَّيْطَانُ کے لیے ہے۔ کُم کی ضمیر اس کا مفعول اول ہے اور الْفَقْرُ مفعول ثانی ہے۔ اس کے آگے يَعِدُّ کا فاعل اس میں هُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ کُم مفعول اول ہے جبکہ مَغْفِرَةً اور فَضْلًا دونوں مفعول ثانی ہیں۔

## ترجمہ

الشَّيْطَانُ	يَعِدُّ	كُم	الْفَقْرَ	وَيَاْمُرُ	كُم
شیطان	وعدہ دیتا ہے	تم لوگوں کو	مفلسی کا	اور ترغیب دیتا ہے	تم لوگوں کو
بِالْفَحْشَاءِ	وَاللّٰهُ	يَعِدُّ	كُم	مَغْفِرَةً	مِّنْهُ
اعلانِ بے حیائی کی	اور اللہ	وعدہ کرتا ہے	تم لوگوں سے	مغفرت کی	اس سے (یعنی اپنی)
وَفَضْلًا	وَاللّٰهُ	وَأَسْعَىٰ	عَلَيْكُمْ		
اور (اپنے) فضل کا	اور اللہ	وسعت والا ہے	جاننے والا ہے		

## آیت نمبر (269)

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝﴾

## ترکیب

يُؤْتِي کا فاعل اس میں هُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ الْحِكْمَةَ اس کا مفعول اول ہے اور مَنْ مفعول ثانی ہے۔ اس کے آگے وَمَنْ شرطیہ ہے۔ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ شرط ہی اور فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا جواب شرط ہے۔ شرط ہونے کی وجہ سے مضارع مجہول يُؤْتِي مجزوم ہوا تو یا گر گئی اور يُؤْتِی باقی بچا۔ اس کا نائب فاعل اس میں هُوَ کی ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے جبکہ الْحِكْمَةَ مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ أُوتِيَ ماضی مجہول ہے اور جواب شرط ہونے کی وجہ سے محلاً مجزوم ہے۔ اس کا نائب فاعل بھی اس میں هُوَ کی ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے جبکہ خَيْرًا كَثِيرًا مفعول ثانی ہے۔

## ترجمہ

يُؤْتِي	الْحِكْمَةَ	مَنْ	يَّشَاءُ ۚ	وَمَنْ	يُؤْتِی	الْحِكْمَةَ
وہ دیتا ہے	دانائی	اس کو جس کو	وہ چاہتا ہے	اور جس کو	دی جاتی ہے	دانائی
فَقَدْ أُوتِيَ	خَيْرًا كَثِيرًا	وَمَا يَذَّكَّرُ	إِلَّا	أُولُو الْأَلْبَابِ		
تو اس کو دی گئی ہے	ایک کثیر بھلائی	اور نصیحت نہیں حاصل کرتے	مگر	سو جہ بوجھ والے لوگ		

## آیت نمبر (270)

﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهَا ۚ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝﴾

## ترکیب

وَمَا أَنْفَقْتُمْ میں مَا موصولہ، شرطیہ ہے۔ أَنْفَقْتُمْ سے مِنْ نَذْرٍ تک شرط ہے۔ اس میں افعال ماضی استعمال ہوئے ہیں اس لیے ان پر مجزوم ہونے کا عمل ظاہر نہیں ہوا اور وہ محلاً مجزوم ہیں۔ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهَا پورا جملہ جواب شرط ہے اور

یہ پورا جملہ محلاً مجزوم ہے اس لیے اس میں استعمال ہونے والا فعل مضارع یَعْلَمُ مجزوم نہیں ہوا۔ اگر جواب شرط میں فعل مضارع آتا تب وہ مجزوم ہوتا۔ اس وقت جملہ اس طرح ہوتا۔ فَيَعْلَمُهُ اللَّهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ فِيهِ مَنَافِيہ ہے۔ اس کا اسم مِنْ أَنْصَارٍ ہے جو مبتداء مؤخر نکرہ کے طور پر آیا ہے۔ اس کی خبر مَوْجُودًا محذوف ہے اور لِلظَّالِمِينَ قائم مقام خبر ہے۔

وَمَا	أَنْفَقْتُمْ	مِنْ نَّفَقَةٍ	أَوْ نَذَرْتُمْ	مِنْ نَذْرٍ
اور جو	تم لوگ خرچ کرتے ہو	کسی قسم کا خرچہ	یا منت مانتے ہو	کسی قسم کی منت

فَإِنَّ اللَّهَ	يَعْلَمُهَا	وَمَا	لِلظَّالِمِينَ	مِنْ أَنْصَارٍ
تو یقیناً اللہ	جانتا ہے اس کو	اور نہیں ہیں	ظلم کرنے والوں کے لیے	کسی قسم کے مددگار

ترجمہ

نوٹ-1

احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں منت ماننے کو مستحسن نہیں قرار دیا گیا ہے۔ لیکن کوئی شخص اگر منت مان بیٹھے اور اس میں کسی شرعی قباحت کا کوئی پہلو نہ ہو تو اس کو پورا کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ (تدبر القرآن)

ہر انفاق اور منت کا عمل بھی اللہ کے علم میں ہوتا ہے اور ان کے پیچھے پوشیدہ جذبے اور نیت کو بھی اللہ جانتا ہے۔ یہ اعمال اگر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہوں بلکہ جذبے اور نیت میں کوئی فتور ہو تو پھر ایسے عمل کرنے والوں کو یہاں ظالم کہا گیا ہے۔

### آیت نمبر (271)

﴿إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُوتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝﴾

خ ف ی

حُفِيَّةٌ	پوشیدہ ہونا۔ چھپا ہوا ہونا۔ ﴿وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (14/ ابراہیم: 38) ”اور پوشیدہ نہیں ہوتی اللہ پر یعنی اللہ سے کوئی بھی چیز۔“	(س)
خَافٍ	اسم الفاعل ہے۔ پوشیدہ ہونے والا۔ ﴿لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝﴾ (69/ الحاتہ: 18) ”پوشیدہ نہیں ہوگی تم سے کوئی پوشیدہ ہونے والی (جان)۔“	
أَخْفَىٰ	افعل التفصیل ہے۔ زیادہ پوشیدہ۔ ﴿فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَىٰ ۝﴾ (20/ طہ: 7) ”تو وہ جانتا ہے بھید کو اور زیادہ پوشیدہ کو۔“	
خَفِيٌّ	فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ پوشیدہ۔ ﴿إِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ نَادَىٰ خَفِيًّا ۝﴾ (19/ مریم: 3) ”اور جب اس نے پکارا اپنے رب کو ایک پوشیدہ پکار سے۔“	
إِخْفَاءٌ	پوشیدہ کرنا۔ چھپانا۔ ﴿وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝﴾ (60/ صافات: 1) ”اور میں جانتا ہوں اس کو جو تم لوگ چھپاتے ہو اور اس کو جو تم لوگ اعلان کرتے ہو۔“	(افعال)

(استفعال)

اِسْتِخْفَاءً

پوشیدگی چاہنا یعنی چھپنا۔ ﴿يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ﴾ (النساء: 108)  
 ”وہ لوگ چھپتے ہیں انسانوں سے اور نہیں چھپتے اللہ سے۔“  
 مُسْتَخْفٍ اسم الفاعل ہے۔ چھپنے والا۔ ﴿وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ﴾ (الرعد: 10) ”اور وہ جو چھپنے والا ہے رات میں۔“

ترکیب

تَوْتُوْا کا مفعول اول ہا کی ضمیر ہے جو الصَّدَقَاتِ کے لیے ہے اور الْفُقَرَاءِ مفعول ثانی ہے۔ یُكْفِّرُ کا فاعل اس میں ہو کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس کو الصَّدَقَاتِ کے لیے ماننا ممکن نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت میں فعل تَكْفِرُ آتا ہے۔

ترجمہ

اِنْ	تُبْدُوْا	الصَّدَقَاتِ	فَنِعْمًا	هِيَ	وَ اِنْ	تُخْفُوْهَا
اگر	تم لوگ ظاہر کو	صدقات کو	تو کیا ہی اچھا ہے	وہ	اور اگر	تم لوگ چھپاؤ اس کو
وَتَوْتُوْهَا	الْفُقَرَاءِ	فَهُوَ	خَيْرٌ	لَّكُمْ	وَيُكْفِرُ	
اور پہنچاؤ اسے	حاجتمندوں کو	تو وہ (بھی)	بہتر ہے	تم لوگوں کے لیے	اور وہ دور کرے گا	
عَنْكُمْ	مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ	وَاللَّهُ	بِمَا	تَعْمَلُونَ	خَيْرٌ	
تم سے	تمہاری برائیوں میں سے	اور اللہ	اس سے جو	تم لوگ کرتے ہو	آگاہ ہے	

نوٹ-1

فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ کو اعلانیہ دینا افضل ہے۔ اس کے علاوہ جو صدقات و خیرات ہیں ان کو چھپانا زیادہ بہتر ہے۔ یہی اصول تمام اعمال کے لیے ہے کہ فرائض کو اعلانیہ انجام دینا فضیلت رکھتا ہے اور نوافل کو چھپا کر کرنا افضل ہے۔ (تفہیم القرآن)

## آیت نمبر (272)

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ ۖ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا نَفْسِكُمْ ۖ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۖ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُّوفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾ ﴿٢٧٢﴾

ترکیب

لَيْسَ کا اسم ہُدَاهُمْ ہے۔ اس کی خبر مخذوف ہے جو کہ لَزَامًا ہو سکتی ہے۔ عَلَيْكَ قائم مقام خبر ہے۔ لَكِنَّ کا اسم اللہ ہے اس لیے منصوب ہی اور جملہ فعلیہ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اس کی خبر ہے۔ وَمَا تُنْفِقُوا کا ما شرطیہ ہے اس لیے تُنْفِقُوا کا نون اعرابی گرا ہے۔ فَلَا نَفْسِكُمْ جملہ اسمیہ جواب شرط ہے۔ اس کا مبتداء ہو بھی مخذوف ہے اور خبر بھی مخذوف ہے جو واجب یا ثابت ہو سکتی ہے۔ لَا نَفْسِكُمْ قائم مقام خبر ہے۔ وَمَا تُنْفِقُونَ کا ما نافیہ ہے اس لیے تُنْفِقُونَ کا نون نہیں گرا۔ ابْتِغَاءَ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ يُوَفَّ باب تفعیل کا مضارع مجہول یُوَفَّى ہے۔ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا توی گر گئی۔

## 1

ترجمہ

لَيْسَ	عَلَيْكَ	هُدَاهُمْ	وَلَكِنَّ	اللَّهُ	يَهْدِي
نہیں ہے (لازم)	تجھ پر	ان کی ہدایت	اور لیکن (یعنی بلکہ)	اللہ	ہدایت دیتا ہے
مَنْ	يَشَاءُ	وَمَا	تُنْفِقُوا	مِنْ خَيْرٍ	
اس کو جس کو	وہ چاہتا ہے	اور جو بھی	تم لوگ خرچ کرتے ہو	کسی قسم کی کوئی بھلائی	
فَلَا نَفْسَكُمْ	وَمَا تُنْفِقُونَ	إِلَّا	ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ		
تو وہ تمہارے اپنے آپ کے لیے ہے	اور تم لوگ خرچ نہیں کرتے	مگر	اللہ کی خوشنودی کی جستجو کرتے ہوئے		
وَمَا	تُنْفِقُوا	مِنْ خَيْرٍ	يُوفَّى	إِلَيْكُمْ	
اور جو بھی	تم لوگ خرچ کرتے ہو	کسی قسم کی کوئی بھلائی	تو پورا حق دیا جائے گا	تم لوگوں کو	
وَأَنْتُمْ	لَا تُظْلَمُونَ				
اور تم لوگوں پر	ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنی حق تلفی نہیں ہوگی)				

نوٹ-1

ابتداء میں مسلمانوں کا خیال تھا کہ صرف مسلمان حاجتمندوں کی مدد کرنا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اس آیت میں ان کی یہ غلط فہمی دور کی گئی ہے کہ لوگوں سے ہدایت قبول کرانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ تم لوگوں تک ہدایت پہنچا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے۔ اب کسی کی مدد کرنے میں اس وجہ سے تامل نہ کرو کہ اس نے ہدایت قبول نہیں کی۔ اللہ کی رضا کے لیے جس انسان کی بھی مدد کرو گے، اس کا اجر اللہ تمہیں دے گا۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ-2

اس آیت میں لفظ خَيْر کا ترجمہ عام طور پر مال کیا گیا ہے۔ لیکن مِنْ تبیضیہ کی وجہ سے بہتر ہے کہ اسے عام رکھا جائے۔ اسی لیے ہم نے ”کسی قسم کی کوئی بھلائی“ ترجمہ کرنے کو ترجیح دی ہے۔ اس سے راہنمائی یہ حاصل ہوتی ہے کہ اگر مال خرچ کرنے کی استطاعت نہیں ہے لیکن کسی انسان کی مدد کرنے کے لیے اگر تم اپنا علم، تجربہ اور مشورہ وغیرہ خرچ کرتے ہو یا صرف کسی کا دکھ سن لیتے ہو تو یہ سب کچھ مِنْ خَيْر میں شامل ہے۔ اور اگر یہ سب کچھ صرف اللہ کی رضا کی غرض سے کیا جائے تو یہ بھی انفاق فی سبیل اللہ ہے جس کا پورا پورا اجر ملے گا۔ تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ SOCIAL FIBRE (یعنی معاشرتی بندھن) کو مضبوط کرنے میں مالی انفاق کی نسبت غیر مالی انفاق زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے۔ اس غیر مالی انفاق میں اگر ذمی کافر کو شامل کیا جائے تو یہ اسلام کی زیادہ موثر تبلیغ بھی ہوگی۔

## آیت نمبر (273)

﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيَاهُمْ ۖ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۚ﴾

1

ع ف ف

- (ض) عَقَّةً  
(تفعّل) تَعَفُّفًا  
(استفعال) اسْتِعْفَافًا
- ہر ناپسندیدہ بات اور کام سے محفوظ ہونا۔ پاکدامن ہونا۔  
ناپسندیدہ چیزوں سے خود کو روکنا۔ جھجکنا۔ خود دار ہونا۔ آیت زیر مطالعہ۔  
ناپسندیدہ چیزوں سے بچاؤ چاہنا۔ بچنا۔ باز رہنا۔ ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ﴾  
(4/ النساء: 6) ”اور جو غنی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ باز رہے۔“

ل ح ف

- (ف) لَحْفًا  
(افعال) اِلْحَافًا
- کسی چیز کو کپڑے سے ڈھکنا  
کسی پر چھا جانا۔ لپٹنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

لِلْفُقَرَاءِ سے پہلے اس کا مبتداء محذوف ہے جو کہ اِلْإِنْفَاقُ يَاتِلُكَ الصَّدَقَاتُ ہو سکتا ہے۔ اس کی خبر بھی محذوف ہے۔ لَا يَسْتَطِيعُونَ کا فاعل اس میں هُمْ کی ضمیر ہے جو اَلَّذِينَ کے لیے ہے۔ ضَرْبًا مفعول ہے۔ يَحْسَبُ کا فاعل اَلْجَاهِلُ ہے اور اس پر لام جنس ہے۔ اس کا مفعول اوّل هُمْ کی ضمیر ہے جو اَلَّذِينَ کے لیے ہی اور اَغْنِيَاءَ مفعول ثانی ہے۔ مِنَ التَّعَفُّفِ کا مِنْ سببہ ہے۔ اِلْحَافًا حال ہے۔

ترجمہ

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ	أُحْصِرُوا	فِي سَبِيلِ اللَّهِ
یہ ایسے حاجت مندوں کے لیے ہے جو	روک دیئے گئے	اللہ کی راہ میں

لَا يَسْتَطِيعُونَ	ضَرْبًا	فِي الْأَرْضِ	يَحْسَبُهُمْ	الْجَاهِلُ
جو صلاحیت نہیں رکھتے	سفر کرنے کی	زمین میں	گمان کرتے ہیں جن کو	ناواقف لوگ

أَغْنِيَاءَ	مِنَ التَّعَفُّفِ	تَعْرِفُهُمْ	بِسَبِيلِهِمْ
خوش حال	خود دار ہونے کے سبب سے	تو پہچانے گا جن کو	ان کی علامت سے

لَا يَسْعَوْنَ	النَّاسِ	اِلْحَافًا	وَمَا	تُنْفِقُوا
وہ لوگ نہیں مانگتے	لوگوں سے	لپٹتے ہوئے	اور جو بھی	تم لوگ خرچ کرتے ہو

مِنْ خَيْرٍ	فَإِنَّ اللَّهَ	بِهِ عَلَيْهِمُ
کسی قسم کی بھلائی	تو یقیناً اللہ	اس کو جاننے والا ہے

آیت نمبر (2/ البقرہ: 274)

﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾



ترجمہ

الَّذِينَ	يُنْفِقُونَ	أَمْوَالَهُمْ	بِالْأَيْلِ	وَالنَّهَارِ	سِرًّا	وَعَلَانِيَةً
جو لوگ	خرچ کرتے ہیں	اپنے مال	رات میں	اور دن میں	چھپاتے ہوئے	اور ظاہر کرتے ہوئے

فَلَهُمْ	أَجْرُهُمْ	عِنْدَ رَبِّهِمْ	وَلَا خَوْفٌ	عَلَيْهِمْ
توان کے لیے ہے	ان کا اجر	ان کے رب کے پاس	اور کوئی خوف نہیں ہے	ان پر

وَلَا هُمْ	يَحْزَنُونَ
اور نہ ہی وہ لوگ	پچھتاتے ہیں

## آیت نمبر (275)

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذُلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧٥﴾﴾

خ ب ط

(ض)

خَبَطَا

کسی چیز کو روندنا۔ کچلنا۔

(تفعّل)

تَخَبَّطَا

کسی چیز کو روند کر غیر متوازن کر دینا۔ دیوانہ بنا دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

س ل ف

(ن)

سَلَفًا

آگے بڑھنا۔ پہلے گزرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

سَلَفٌ

اسم ذات ہے۔ گزری ہوئی چیز۔ ﴿فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ۝﴾ (43/ الزخرف: 56) ”تو

ہم نے بنایا ان کو ایک گزری ہوئی چیز اور ایک مثال بعد والوں کے لیے۔“

(انفال)

إِسْلَافًا

آگے کرنا۔ آگے بھیجنا۔ ﴿هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ﴾ (10/ یونس: 30) ”وہاں جانچ

لے گی ہر جان اس کو جو اس نے آگے بھیجا۔“

ع و د

(ن)

عَوْدًا

کوئی کام شروع کرنے کے بعد اس کی ابتداء کی طرف دوبارہ لوٹنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد

معانی میں آتا ہے۔ (۱) کوئی کام دوبارہ یا پھر سے کرنا۔ (۲) کسی کی طرف واپس ہونا۔ (۳) پہلی

حالت پر لوٹنا۔ دوبارہ ہو جانا۔ ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ۝﴾ (23/

المؤمنون: 107) ”اے ہمارے رب! تو نکال ہم کو اس سے پھر اگر ہم دوبارہ کریں تو بیشک ہم ظالم

ہیں۔“ ﴿لَنُخْرِجَنَّكَ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوْدَنَّ فِي مَلَكُوتِنَا ۝﴾ (14/ ابراہیم: 13) ”ہم لازماً نکالیں

گے تم لوگوں کو اپنی سر زمین سے یا تم لوگ لازماً واپس ہو گے ہمارے مذہب میں۔“ ﴿وَالْقَبَرِ

قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝﴾ (36/ یس: 39) ”اور چاند! ہم نے مقرر کیا

اس کو منزلوں کے لحاظ سے یہاں تک کہ وہ پھر سے ہو جائے پرانی ٹہنی کی مانند۔“

عَائِدٌ اسم الفاعل ہے۔ دوبارہ کرنے والا۔ واپس ہونے والا۔ ﴿إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابَ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ﴾ (44/الدخان: 15) ”بیشک ہم کھولنے والے ہیں عذاب کو تھوڑا سا، بیشک تم لوگ دوبارہ کرنے والے ہو۔“

مَعَادٌ مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ لوٹنے یا واپس ہونے کی جگہ۔ ﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ﴾ (28/القصص: 85) ”بیشک جس نے فرض کیا آپ پر قرآن، وہ ضرور لوٹانے والا ہے آپ کو واپس ہونے کی جگہ کی طرف۔“

عِيدٌ خوشی کا ایسا دن جو ہر سال لوٹ آئے۔ عید۔ ﴿رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا﴾ (5/المائدہ: 114) ”اے ہمارے رب! تو اتار ہم پر ایک خوان آسمان سے، ہو جائے ہمارے لیے ایک عید۔“

عَادٌ حضرت ہودؑ کی قوم کا نام ہے۔ ﴿وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا﴾ (7/الاعراف: 65) ”اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو۔“

إِعَادَةٌ (افعال) (۱) واپس لے جانا۔ (۲) واپس لانا۔ (۳) لوٹانا۔ ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَ فِيهَا نُعِيدُكُمْ﴾ (20/طہ: 55) ”اس نے یعنی زمین ہم نے پیدا کیا تم کو اور اسی میں ہم واپس لے جائیں گے تم کو۔“ ﴿فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا﴾ (17/بنی اسرائیل: 51) ”تو وہ لوگ کہیں گے کون دوبارہ لائے گا ہم کو۔“ ﴿وَلَا تَخَفْ سَيُعِيدُهَا سَيِّدُهَا الْأَوَّلَىٰ﴾ (20/طہ: 21) ”اور آپ خوف مت کریں۔ ہم لوٹا دیں گے اس کو اس کی پہلی حالت پر۔“

مَوْعِظَةٌ مَوْثٌ غیر حقیقی ہے اس لیے فعل جَاءَ مذکر کے صیغے میں بھی درست ہے۔ مَنْ عَادَ كَمَا مَنْ شَرَطِيہ ہے اس لیے عَادَ کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔

ترکیب

ترجمہ

الَّذِينَ	يَأْكُلُونَ	الرِّبَا	لَا يَقُومُونَ	إِلَّا	كَمَا
جو لوگ	کھاتے ہیں	سود	وہ لوگ نہیں کھڑے ہوں گے	مگر	اس طرح جیسے

يَقُومُ	الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ	الشَّيْطَانُ	مِنَ النَّاسِ	ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ
کھڑا ہوتا ہے	وہ، جھپٹی کر دیتا ہے جو کو	شیطان	چھو کر	اس سبب سے کہ انہوں نے

قَالُوا	إِنَّمَا	الْبَيْعُ	مِثْلُ الرِّبَا	وَأَحَلَّ
کہا	کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	خرید و فروخت کرنا	سود کی مانند ہے	حالا نکلہ حلال کیا

اللَّهُ	الْبَيْعُ	وَحَرَّمَ	الرِّبَا	فَمَنْ جَاءَهُ
اللہ نے	خرید و فروخت کرنے کو	اور اس نے حرام کیا	سود کو	پس وہ، آئی جس کے پاس

مَوْعِظَةٌ	مِّن رَّبِّهِ	فَأَنْتَهَىٰ	فَلَهُ	مَا	سَلَفَ
کوئی نصیحت	اس کے رب (کی طرف) سے	پھر وہ باز آیا	تو اس کے لیے ہے	وہ جو	گزریا





وَأْمُرْهُ	إِلَى اللَّهِ ط	وَمَنْ	عَادَ	فَأُولَٰئِكَ
اور اس کا حکم (یعنی فیصلہ)	اللہ کی طرف سے	اور وہ جس نے	دوبارہ کیا	تو وہ لوگ
أَصْحَابُ النَّارِ ؕ	هُمْ	فِيهَا	خَالِدُونَ	
آگ والے ہیں	وہ لوگ	اس میں	ہمیشہ رہنے والے ہیں	

### آیت نمبر (276)

﴿يَحَقُّ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ط وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٦﴾﴾

م ح ق

(ف)

مَحَقًّا گھٹانا۔ برکت ختم کر دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

يَحَقُّ	اللَّهُ	الرِّبَا	وَيُرْبِي	الصَّدَقَاتِ ط	وَاللَّهُ	لَا يُحِبُّ
گھٹاتا ہے	اللہ	سود کو	اور وہ اُگا تا ہے	صدقات کو	اور اللہ	پسند نہیں کرتا

ترجمہ

كُلُّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ
کسی گنہگار ناشکرے کو

### آیت نمبر (277)

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٧﴾﴾

اَتَوْ دراصل اَتَوْ ہے۔ آگے ملانے کے لیے وا کو ضمہ دی گئی ہے۔ دیکھیں آیت نمبر۔ (2/ البقرہ: 110)، نوٹ۔ 1۔

ترکیب

إِنَّ الَّذِينَ	آمَنُوا	وَعَمِلُوا	الصَّالِحَاتِ	وَأَقَامُوا	الصَّلَاةَ
بیشک جو لوگ	ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے	نیک	اور قائم کی	نماز

ترجمہ

وَأَتَوْا	الزَّكَاةَ	لَهُمْ	أَجْرُهُمْ	عِنْدَ رَبِّهِمْ ط	وَلَا خَوْفٌ
اور پہنچائی	زکوٰۃ	توان کے لیے	ان کا اجر ہے	ان کے رب کے پاس	اور کوئی خوف نہیں ہے

عَلَيْهِمْ	وَلَا هُمْ	يَحْزَنُونَ
ان پر	اور نہ ہی وہ لوگ	پچھتاتے ہیں

### آیت نمبر (278)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾﴾



ترجمہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اتَّقُوا	اللَّهَ	و	ذُرُّوا	مَا
اے لوگو! جو ایمان لائے	تم لوگ تقویٰ کرو	اللہ کا	اور	تم لوگ چھوڑو	اس کو جو
بَقِيَ	مِنَ الرِّبَا	إِنْ كُنْتُمْ	مُؤْمِنِينَ		
باقی بچا	سود میں سے	اگر تم لوگ	مومن ہو		

## آیت نمبر (279)

﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۖ لَا تَظْلُمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ ﴿٢٧٩﴾

ح ر ب

- (ن) حَرْبًا کسی کی کوئی چیز لوٹ لینا۔ حاصل کر لینا۔
- (س) حَرْبًا سخت غضبناک ہونا۔
- حَرْبُ اسم فعل ہے۔ لڑائی۔ جنگ (یعنی انتہائی غضب کی حالت میں دوسرے کا سب کچھ یہاں تک کہ زندگی بھی چھین لینے کا عمل) آیت زیر مطالعہ۔
- مِحْرَابٌ مِحْرَابٌ مِفْعَالٌ کے وزن پر اسم الالہ ہے۔ کسی سے کچھ حاصل کرنے کا ذریعہ یا کنجی۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں آتا ہے۔ (۱) آرام و سکون حاصل کرنے کے لیے مکان میں داخل ہونے کا ذریعہ۔ مکان کی محراب۔ دروازہ۔ کھڑکی۔ (۲) اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لیے اس سے ہم کلامی کا ذریعہ۔ مسجد کی محراب۔ ﴿إِذْ تَسُوْرُوا الْمِحْرَابَ﴾ (38/ ص: 21) ”جب انہوں نے پھلانگا دروازے کو“ ﴿وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ﴾ (3/ آل عمران: 39) ”وہ کھڑا تھا اس حال میں کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا محراب میں“ ﴿يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مِّحْرَابٍ﴾ (34/ سبأ: 13) ”وہ لوگ بناتے اس کے لیے جو وہ چاہتا محرابوں میں سے۔“
- (مفاعلہ) مُحَارَبَةٌ لڑائی کرنا۔ جنگ کرنا۔ ﴿الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ (5/ المائدہ: 33) ”جو لوگ لڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے۔“

ترکیب

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا کے بعد هَذَا یا ذَلِك محذوف ہے جو گزشتہ آیت میں ذُرُّوا کی طرف اشارہ ہے۔ فعل امر اِيْذَنْ میں ی دراصل فاعلمہ کے ہمزہ کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اسے جب ماقبل سے ملا کر پڑھتے ہیں تو فاعلمہ کا ہمزہ اصلی واپس آجاتا ہے اور ماقبل سے ملا کر پڑھا جاتا ہے جبکہ فعل امر کا ہمزہ الوصل صامت (SILENT) ہو جاتا ہے اور کبھی اس کو لکھنے میں بھی گرا دیتے ہیں۔ اس قاعدہ کے تحت ف ا ا ذ ن = فَائِذَنْ بھی درست ہے اور فَاْذَنْ بھی درست ہے۔ اس آیت میں ہمزہ الوصل گرا کر فَاْذَنْ کا جمع مذکر کا صیغہ فَاْذَنُوا استعمال ہوا ہے۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا	فَاْذَنُوا	بِحَرْبٍ	مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ
پس اگر تم لوگ نہیں کرتے (اس کو)	تو تم لوگ سن لو	ایک جنگ (کی خبر)	اللہ اور اس کے رسول (کی طرف) سے

ترجمہ



وَأِنْ تُبْتَئُوا	فَلَكُمْ	رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ
اور اگر تم لوگ توبہ کرتے ہو	تو تمہارے لیے ہیں	تمہارے مالوں کے سر (یعنی زراصلی)
لَا تَظْلِمُونَ	وَلَا تُظْلَمُونَ	
تم لوگ ظلم نہیں کرو گے	اور نہ تم لوگوں پر ظلم کیا جائے گا	

### آیت نمبر (280)

﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۖ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾﴾

اِنْ حرف شرط، كَانَ ذُو عُسْرَةٍ شرط اور فَظَرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ جواب شرط ہے۔ اس میں كَانَ تامہ ہے اور ذُو عُسْرَةٍ اس کا فاعل ہے، اس لیے ذُو مرفوع ہے۔ خَيْرٌ فعل التفضیل ہے اور خبر ہے۔ اس کا مبتداء فَهُوَ محذوف ہے۔

ترکیب

وَإِنْ	كَانَ	ذُو عُسْرَةٍ	فَنَظِرَةٌ	إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ	وَأَنْ
اور اگر	وہ ہو	تنگی والا	تو مہلت ہے	کشادگی تک	اور یہ کہ

ترجمہ

تَصَدَّقُوا	خَيْرٌ	لَّكُمْ	إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ
تم لوگ اپنا حق چھوڑ دو	(توبہ) زیادہ بہتر ہے	تمہارے لیے	اگر تم لوگ جانتے ہو

### آیت نمبر (281)

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَىٰ اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾﴾

وَاتَّقُوا ك ا فاعل اس میں اَنْتُمْ کی ضمیر ہے جبکہ يَوْمًا اس کا مفعول ہے اور نکرہ مخصوصہ ہے۔ آگے اس کی خصوصیت ہے۔ تُوَفَّىٰ باب تفعیل میں مضارع مجہول کا واحد مؤنث کا صیغہ ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ اس کا نائب فاعل ہے اس لیے كُلُّ مرفوع ہے۔

ترکیب

وَاتَّقُوا	يَوْمًا	تُرْجَعُونَ	فِيهِ	إِلَىٰ اللَّهِ
اور تم لوگ بچو	ایک ایسے دن سے	تم لوگ لوٹائے جاؤ گے	جس میں	اللہ کی طرف

ترجمہ

ثُمَّ تُوَفَّىٰ	كُلُّ نَفْسٍ	مَّا	كَسَبَتْ	و
پھر پورا پورا دیا جائے گا	ہر ایک جان کو	وہ جو	اس نے کمایا	اس حال میں کہ

هُمْ	لَا يُظْلَمُونَ
ان پر	ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنی حق تلفی نہیں ہوگی)

سود کی حق میں دلیل یہ دی جاتی ہے کہ سورۃ الانفال کی آیت نمبر 60 میں دشمن کے خلاف قوت جمع کرنے کے لیے ٹھوڑے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن زمانے کی ترقی کے ساتھ اب ہم ٹھوڑوں کے بجائے ٹینک رکھتے ہیں اور اس سے مذکورہ آیت کے حکم کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ اسی طرح سود سے متعلق مذکورہ بالا آیات میں اُس زمانے کے سود کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب زمانے کی ترقی کے ساتھ بینک کے تجارتی سود پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جس طرح امت کے فوجی استحکام کے لیے ٹینک کا استعمال ضروری ہے اسی طرح امت کے معاشی استحکام کے لیے بینک کے تجارتی سود کا استعمال ضروری ہے۔

اس دلیل میں جو منطقی کجی ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ از خود عیاں ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ سورۃ الانفال کی آیت میں دشمن کے خلاف قوت جمع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب جس زمانے میں اُس قوت کی جو بھی شکل ہوگی اسی شکل میں اسے جمع کرنے سے اس آیت کے حکم پر عمل ہوگا۔ جبکہ سود سے متعلق مذکورہ آیات میں ہمیں سود کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب جس زمانے میں سود کی جو بھی شکل ہوگی، اس کی ہر شکل کو چھوڑ کر ہی ان آیات کے حکم پر عمل ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ اُس زمانے میں غرباء کو ان کی ضروریات کے لیے سود قرض دینے کا رواج تھا جس کی وجہ سے غریب لوگ قرضوں اور سود در سود کے بوجھ تلے دبے چلے جاتے تھے، جو کہ صریحاً ظلم تھا۔ ہمیں اُس سود کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جبکہ آج کل بینک کا تجارتی سود وہ سود نہیں ہے۔ کیونکہ ان قرضوں سے تاجر اور صنعتکار منافع کماتے ہیں اور اس میں سے سود دیتے ہیں اس لیے مذکورہ حکم کا اطلاق تجارتی قرضوں پر نہیں ہوتا۔

یہ بات اُس وقت کے عرب معاشرہ سے ناواقفیت کی وجہ سے کہی جاتی ہے۔ ساری دُنیا جانتی ہے اور تسلیم کرتی ہے کہ اُس وقت پورے عرب معاشرے میں قبائلی نظام رائج تھا اور ان کی معاش کا انحصار زراعت سے زیادہ تجارت پر تھا۔ قبائلی نظام کی ایک بہت اہم خصوصیت یہ ہے کہ کسی قبیلے کا کوئی فرد اگر کسی مشکل میں گرفتار ہو جاتا ہے تو پورا قبیلہ اسے مشکل سے نکالنے کے لیے مدد دیتا ہی۔ اس کی مشکلات میں اضافہ کرنے کے لیے سود پر قرضہ دے کر اس کا نام AID (مدد) نہیں رکھتا۔ یہ تو سرمایہ دارانہ نظام کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اس لیے یہ کہنا خلاف واقعہ ہے کہ اُس زمانے میں غیر تجارتی قرضوں اور سود کا رواج تھا۔ اگر کبھی کوئی غریب کسی یہودی کے چنگل میں پھنس بھی جاتا تھا تو وہ استثناء شمار ہوگا، اسے رواج کہنا غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تجارت پیشہ لوگ تھے اور اُس زمانے میں بھی تجارتی قرضوں اور سود کا ہی رواج تھا۔

تجارتی قرضوں پر بھی سود کی ممانعت کی جو بنیادی وجہ ہے، اس کو سمجھ کر ذہن نشین کر لیں۔ ایک تاجر کسی سرمایہ دار سے سود پر تجارتی قرض لیتا ہے۔ اگر تجارت میں نوع ہوت ہے تو سرمایہ دار کے حصے میں منافع کی کریم لکھن آتا ہے اور تاجر کے حصے میں لکھن نکلا ہوا منافع آتا ہے حالانکہ سرمایہ دار آرام سے گھر بیٹھا رہا اور تاجر نے دن رات ایک کیا۔ اگر تجارت میں نقصان ہوتا ہے تو سارا نقصان تاجر کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پھر مَرے پر سود دے کے مصداق سود بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس طریقہ کار میں ایک فریق کے مفادات کو مکمل تحفظ فراہم کیا جاتا ہے، جو کہ سرمایہ دار ہے۔ جبکہ وہ دوسرے فریق یعنی تاجر کو کلیتہً حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ صریحاً نا انصافی اور ظلم ہے اس لیے اللہ نے سود کو حرام کیا ہے۔

ایک تاجر کسی سرمایہ دار سے نفع و نقصان میں شراکت پر تجارتی قرض لیتا ہے۔ اب اگر تجارت میں نفع ہوتا ہے تو دونوں مل کر سے کھاتے ہیں اور اگر نقصان ہوتا ہے تو دونوں مل کر اس کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ اس طرح دونوں کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، یہ طریقہ کار انصاف اور عدل پر مبنی ہے اس لیے اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نفع و نقصان میں شراکت پر قرض دیا گیا تو تا جر غلط نقصان دکھائے گا اور بینک نقصان میں رہیں گے۔ اس لیے اس مسئلہ کا قابل عمل حل یہی ہے کہ قرضہ مقررہ شرح یعنی سود پر دیا جائے۔ لیکن پاکستان میں جس طرح تھوک کے حساب سے قرضے معاف (WRITE OFF) کیے گئے ہیں اور کیے جا رہے ہیں، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سود پر قرضہ دینا بھی اس مسئلہ کا حل نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ ہے۔

شرح سود مقرر ہونے کی وجہ سے بینک زیادہ جھان بین نہیں کرتا کہ جس تجارت یا صنعت کے لیے قرض لیا جا رہا ہے اس کے نفع بخش ہونے کے کیا امکانات ہیں۔ کاغذی کارروائی پوری کرنے کے لیے ایک FEASIBILITY REPORT فائل لگالی جاتی ہے۔ اکثر و بیشتر بینک کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا دیا ہوا تجارتی قرضہ تاجر نے کہاں خرچ کیا۔ یہ وہ بنیادی وجہ ہے جس کی بناء پر قرضوں کے نادہندگان کی فہرست دن بدن طویل ہوتی جا رہی ہے۔ یہی قرضے اگر نفع و نقصان میں شراکت پر دیئے جائیں تو منصوبوں کی چھان بین کرنے کے لیے بینک کو اپنا ایک نظام وضع کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ قرضوں کو خرچ کرنے کی نگرانی کرنا بھی بینک کے لیے ضروری ہو جائے گا۔ اس طرح نادہندگان کی تعداد بہت کم ہوگی اور جو بھی قرضے معاف کیے جائیں گے وہ جعلی نہیں ہوں گے۔

ایک وضاحت یہ بھی ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے سے عرب میں لفظ ”ربوا“ ایک مخصوص اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور اس سے مراد وہ نفع تھا جو تجارتی قرضوں پر مقررہ شرح سے حاصل کیا جائے جب کہ تجارتی لین دین سے حاصل ہونے والے نفع کے لیے ”بیع“ کی اصطلاح مخصوص تھی۔ اس میں نفع و نقصان میں شراکت والے معاہدے بھی شامل تھے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بی بی خدیجہؓ کا سامان تجارت لے کر بیرون ملک جاتے تھے۔

اس حقیقت کا ایک واضح ثبوت عربوں کا یہ قول ہے کہ بیع بھی توربو کی مانند ہے، جسے آیت نمبر ۲۷۵ میں نقل کیا گیا ہے۔ لیکن مشابہت کے باوجود وہ لوگ ان کے فرق سے بھی وقف تھے، جہی ان کے لیے الگ الگ اصطلاح استعمال کرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا بلکہ صرف اپنا فیصلہ سنایا کہ اس نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربوا کو حرام کیا ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے اس مسئلہ کو کس طرح سمجھا اور دیکھا ہے۔ ابن عربیؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ ربا کے معنی اصل لغت میں زیادتی کے ہیں اور آیت میں اس سے مراد وہ زیادتی ہے جس کے مقابلے میں کوئی مال نہ ہو (یعنی کوئی شے نہ ہو) بلکہ محض ادھار اور اس کی میاد ہو۔ امام رازمیؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ ربا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک معاملات بیع و شراء کے اندر، دوسرے ادھار کا ربا۔ اور جاہلیت عرب میں دوسری قسم ہی رائج اور معروف تھی کہ وہ اپنا مال (یعنی پیسہ) کسی کو معین میعاد کے لے دیتے تھے اور ہر مہینہ اس کا نفع لیتے تھے۔ اگر معین میعاد پر ادائیگی نہ کر سکا تو معین میعاد بڑھادی جاتی تھی بشرطیکہ وہ سود کی رقم بڑھادے۔ یہی کاربہا تھا جس کو

قرآن نے حرام کیا (منقول از معارف القرآن - ج ۱ - ص ۵-۶۶۵)۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر پیسہ ادھار دے کر نفع لیا جائے تو یہ ربا ہے جس کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے۔ جب کہ اگر کوئی چیز ادھار دے کر نفع لیا جائے یعنی نقد فروخت سے زیادہ قیمت لی جائے تو یہ بیع و شراء ہے جسے قرآن نے حلال قرار دیا ہے۔

سود کے متعلق آیات کے نزول کے وقت صحابہ کرامؓ کو بیع اور ربا میں تمیز کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ انہوں نے ربا کا کاروبار ترک کر دیا جب کہ بیع کا کاروبار بدستور جاری رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے نہیں روکا۔ مفتی شفیعؒ نے لکھا ہے کہ ”البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کے مفہوم میں بیع و شراء کی چند صورتوں کو بھی داخل فرمایا جن کو عرب ربا نہ سمجھتے تھے۔ مثلاً چھ چیزوں کی بیع و شراء میں یہ حکم دیا کہ اگر ان کا تبادلہ کیا جائے تو برابر برابر ہونا چاہیے اور نقد دست بدست ہونا چاہیے۔ اس میں کمی بیشی کی گئی یا ادھار کیا گیا تو یہ بھی ربا ہے۔ یہ چھ چیزیں سونا، چاندی، گندم، جَو، کھجور اور انگور ہیں۔“

(معارف القرآن - ج ۱ - ص ۶۶۵)

مفتی محمد شفیعؒ نے مزید لکھا ہے کہ ”اس میں یہ بات قابل غور تھی کہ ان چھ چیزوں کی خصوصیت ہے یا ان کے علاوہ اور بھی چیزیں ان کے حکم میں ہیں اور اگر ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے؟ یہی اشکال حضرت فاروق اعظمؓ کو پیش آیا جس کی بناء پر فرمایا کہ آیت ربا قرآن کی آخری آیتوں میں ہے۔ اس کی پوری تفصیلات بیان فرمانے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ اس لیے اب احتیاط لازم ہے۔ ربا کو تو چھوڑنا ہی ہے، جس صورت میں ربا کا شبہ بھی ہو اس کو بھی چھوڑ دینا چاہیے۔ (معارف القرآن - ج ۱ ص ۶۶۵)۔ حضرت عمرؓ کے اس قول کی بنیاد پر علماء کرام ادھار پر فروخت کی جانے والی اشیاء پر زیادہ نفع لینے کو ربا میں شامل کرتے ہیں جس کو قرآن میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

لیکن میرا ذہن علماء کرام کی اس رائے کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ میرے خیال میں یہ بات قابل غور نہیں ہے کہ مذکورہ چھ چیزوں کے علاوہ اور بھی چیزیں ان کے حکم میں ہیں یا نہیں ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ ان کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی ہوتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ذکر ضرور کرتے۔ اور اگر یہ طریقہ کار غلط ہوتا تو چھ چیزوں کو مستثنیٰ کرنے کے بجائے طریقہ کار کو ہی ربا کے حکم میں داخل فرمادیتے ہیں، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آیات سود کی جتنی وضاحت اللہ تعالیٰ کو منظور تھی، وہ اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرا دی۔ اب اس پر مزید غور کرنا اپنے اوپر وہ بوجھ لادنے والی بات ہے جس کا اللہ نے ہم کو مکلف نہیں کیا۔ اس طرح اس ہدایت کی خلاف ورزی ہوتی ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے اس میں کمی بیشی نہ کی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ارشاد ہے کہ اللہ کے احکام کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ سب سے زیادہ سخت ہیں۔ اس لیے ان کا معیار بزرگان دین اور علماء کرام کے لیے تو وہ چیز ہے جس کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَبَّأْ فِی الْمُنْتَنَبِئِ (اور اس میں چاہیے کہ جان کھانے والے جان کھائیں) ۲۶/۸۳۔ لیکن عوام الناس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ دین میں لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرو۔ اس لیے حضرت عمرؓ کے قول کی بنیاد پر کسی ایسی چیز کو حرام قرار دینا درست نہیں ہے جسے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حرام قرار نہیں دیا۔



## آیت نمبر (282)

1

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَايِنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَآكْتُبُوهُ ۖ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخُسْ مِنْهُ شَيْئًا ۖ فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمْلِكَ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَيْنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَى أَجَلِهِ ۚ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۚ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۚ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِنْ تَفَعَّلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَيعلمكم الله ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾﴾

ع ج ل

(س)

أَجَلًا

کسی مشکل میں یا کسی چیز میں مبتلا ہونا۔

أَجَلَ

اسم ذات بھی ہے۔ (۱) مدت (ابتلاء کے جار رہنے کی)۔ (۲) وقت (بتلاء کے خاتمے کا)۔ ﴿لَوْلَا

أَخَّرْتِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ﴾ (4/ النساء: 77) ”کیوں نہ تو نے مؤخر کیا ہمیں کچھ مدت تک۔“ ﴿وَلِكُلِّ

أُمَّةٍ أَجَلٌ﴾ (7/ الاعراف: 34) ”اور ہر ایک اُمت کے لیے ایک وقت ہے یعنی خاتمے کا۔“

أَجَلَ

سبب۔ وجہ۔ ﴿مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ﴾ (5/ المائدہ: 32) ”اس وجہ سے۔“

تَأْجِيلًا

(تفعیل)

وقت مقرر کرنا۔ ﴿وَبَلَّغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَلْتَنَا لَنَا﴾ (6/ الانعام: 128) ”اور ہم پہنچے اپنی اس

مدت کو جس کا تو نے وقت مقرر کیا ہمارے لیے۔“

مَوْجَلٌ

اسم المفعول ہے۔ مقرر کیا ہوا وقت۔ ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا

مَوْجَلًا﴾ (3/ آل عمران: 145) ”اور نہیں ہے کسی جان کے لیے کہ وہ مرے مگر اللہ کے حکم سے ایک

لکھے ہوئے مقرر کردہ وقت پر۔“

ب خ س

(ف)

بَخْسًا

حق سے کم دینا۔ گھٹانا۔ ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ﴾ (7/ الاعراف: 85) ”اور تم لوگ حق

سے کم نہ دو لوگوں کو ان کی چیزیں۔“

بَخْسٌ

حق تلفی۔ تھوڑا۔ کم۔ ﴿فَمَنْ يُؤْمِنْ بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا﴾ (72/ الجن: 13) ”پس جو ایمان لایا

اپنے رب پر تو وہ خوف نہیں کرتا کسی حق تلفی کا۔“

س ع م

(س)

سَخِيًا

کسی چیز یا کام سے اکتا جانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

(ض)	قَسَطًا	حق کے خلاف کرنا۔ ظلم کرنا۔
	قَاسِطٌ	اسم الفاعل ہے۔ حق کے خلاف کرنے والا۔ ﴿وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ (72/ الجن: 15) ”اور جو حق کے خلاف کرنے والے ہیں تو وہ لوگ جہنم کے لیے بطور ایندھن ہیں۔“
(ن)	قَسَطًا	حق کے مطابق ہونا۔ انصاف ہونا۔
	قَسِطٌ	اسم ذات بھی ہے۔ حق۔ انصاف۔ ﴿وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ﴾ (3/ آل عمران: 21) ”تم لوگ نیکی کرو ان سے اور تم لوگ انصاف کرو ان سے۔“
	أَقْسَطُ	افعل التفضیل ہے۔ زیادہ انصاف والا۔ آیت زیر مطالعہ۔
(افعال)	إِقْسَاطًا	حق کے مطابق کرنا۔ انصاف کرنا۔ ﴿أَنْ تَبْزُوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ﴾ (60/ المستحسنة: 8) ”تو تم لوگ صلح کراؤ ان دونوں کے درمیان انصاف سے اور تم لوگ حق کے مطابق کرو۔“
	أَقْسِطُ	فعل امر ہے۔ تو انصاف کر۔ ﴿فَأَصْدِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا﴾ (49/ الحجرات: 9) ”تو تم لوگ صلح کراؤ ان دونوں کے درمیان انصاف سے اور تم لوگ حق کے مطابق کرو۔“
	مُقْسِطٌ	اسم الفاعل ہے۔ حق کے مطابق کرنے والا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (5/ المائدہ: 42) ”بے شک اللہ پسند کرتا ہے حق کے مطابق کرنے والوں کو۔“

## ترکیب

وَلْيَكْتُبْ کا فاعل کَاتِبٌ۔ یابی کو لائے نہیں نے مجرم کیا تو ”ی“ گر گئی اور لَا یَابٌ ہو گیا۔ وَلْيُمْلِلْ تھا جسے آگے ملانے کے لیے کسرہ دی گئی ہے اس لیے یہ بھی فعل امر غائب ہے۔ اللَّهُ کا بدل ہونے کی وجہ سے رَبُّہ منصوب ہے۔ مِنْہ کی ضمیر حق کے لیے ہے۔ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا، کَانَ کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ اَنْ یُمْلِلَ میں ضمیر فاعلی هُوَ از خود موجود ہے لیکن یہاں تاکید کے لیے اسے ظاہر کیا گیا ہے۔

يَكُونَانِ ك انون اعرابی لَمْ ك ی وجہ سے گرا ہے۔ اس کا اسم اس میں شامل هُمَا کی ضمیر ہے جو شہیدین کے لیے ہے جب کہ رَجُلَيْنِ اس کی خبر ہے مِنَ الشَّهَدَاءِ میں لفظ الشَّهَدَاءِ اپنے لغوی مفہوم میں آیا ہے۔ تَضَلَّ کا فاعل اِحْدَهُمَا ہے اَنْ پر عطف ہونے کی وجہ سے فَتَذَكَّرَ منصوب ہوا ہے۔ اس کا فاعل اَلْاُخْرٰی کو اور مفعول اِحْدَهُمَا کو مانا جائے گا۔ اِذَا میں غیر معین مدت کا مفہوم ہوتا ہے۔ اسے مزید غیر معین کرنے کے لیے مَا کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اَنْ تَكْتُبُوْہَا میں ضمیر مفعولی حق یا بدین کے لیے ہے اور صَغِيرًا اَوْ كَبِيرًا اس کا حال ہے۔ اَلَّا تَكْتُبُوْہَا کی ضمیر مفعولی تِجَارَةً حَاضِرَةً کے لیے ہے۔ يُضَارَّ کو مضارع معروف اور مجہول، دونوں ماننا ممکن ہے لیکن آگے وَاِنْ تَفْعَلُوْا آیا ہے اس لیے یہ مضارع مجہول ہے۔

## ترجمہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	اٰمَنُوْا	اِذَا	تَدَايَنُكُمْ	بِدَايِنِ
اے لوگو! جو	ایمان لائے	جب بھی	تم لوگ باہم لین دین کرو	کسی اُدھار کا

إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى	فَاكْتُبُوْہُ	وَلْيَكْتُبْ	بَيْنَكُمْ
ایک معین وقت کے لیے	تو تم لوگ لکھو اس کو	اور چاہیے کہ لکھے	تمہارے مابین



كَاتِبٌ	بِالْعَدْلِ	وَلَا يَأْبَ	كَاتِبٌ	أَنْ يَكْتُوبَ <sup>1</sup>
ایک لکھنے والا	انصاف سے	اور انکار نہ کرے	کوئی لکھنے والا	کہ وہ لکھے

كَمَا	عَلَّمَهُ	اللَّهُ	فَلْيَكْتُبْ <sup>ج</sup>	وَلْيُمْلِلْ
اس طرح جیسے	سکھایا اس کو	اللہ نے	پس چاہیے کہ وہ لکھے	اور چاہیے کہ املاء کرائے

الَّذِي عَلَيْهِ	الْحَقُّ	وَلَيَبْقَى	اللَّهُ	رَبُّهُ
وہ جس پر	حق ہے (یعنی مقروض)	اور چاہیے کہ وہ تقویٰ کرے	اللہ کا	جو اس کا پالنے والا ہے

وَلَا يَبْخُسُ	مِنْهُ	شَيْئًا	فَإِنْ	كَانَ	الَّذِي عَلَيْهِ	الْحَقُّ
اور وہ نہ گھٹائے	اس سے	کوئی چیز	پھر اگر	ہو	وہ جس پر	حق ہے

سَفِيهًا	أَوْ	ضَعِيفًا	أَوْ	لَا يَسْتَطِيعُ	أَنْ يُبَيِّنَ	هُوَ
نا سمجھ	یا	کمزور	یا	وہ صلاحیت نہیں رکھتا	کہ املاء کرائے	وہ خود

فَلْيُمْلِلْ	وَلِيَّهِ	بِالْعَدْلِ	وَأَسْتَشْهِدُ
تو چاہیے کہ املاء کرائے	اس کا سرپرست	انصاف سے	اور تم لوگ گواہی کے لیے کہو

شَهِيدَيْنِ	مِنْ رِّجَالِكُمْ <sup>ج</sup>	فَإِنْ	لَّمْ يَكُونَا	رَجُلَيْنِ	فَرَجُلٌ	وَأَمْرَاتَيْنِ
دو گواہوں سے	اپنے مردوں میں سے	پھر اگر	نہ ہوں	دو مرد	تو ایک مرد	اور کوئی دو عورتیں

مِمَّنْ	تَرْضَوْنَ	مِنَ الشُّهَدَاءِ	أَنْ	تَضِلَّ
ان میں سے جن سے	تم لوگ راضی ہو	موقع پر موجود میں سے	(اس لیے) کہ	بھٹک (یعنی بھول) جائے

إِحْدَاهُمَا	فَتُدَكَّرَ	إِحْدَاهُمَا	الْأُخْرَى	وَلَا يَأْبَ	الشُّهَدَاءُ
دونوں کی ایک	تو یاد دلائے	دونوں کی ایک کو	دوسری	اور انکار نہ کریں	گواہ

إِذَا مَا	دُعُوا	وَلَا تَسْمُوا	أَنْ	تَكْتُبُوهُ
جب کبھی بھی	وہ لوگ بلائے جائیں	اور تم لوگ مت اکتاؤ	کہ	تم لوگ لکھو اس کو

صَغِيرًا	أَوْ	كَبِيرًا	إِلَىٰ أَجَلِهِ	ذِكْرُ	أَقْسَطُ
(خواہ) چھوٹا ہو	یا	بڑا	اپنی مدت تک (کے لحاظ سے)	یہ	زیادہ حق کے مطابق ہے

عِنْدَ اللَّهِ	وَأَقَوْمُ	لِلشَّهَادَةِ	وَأَدْنَىٰ
اللہ کے نزدیک	اور زیادہ گمراہ ہے	گواہی کے لیے	اور زیادہ قریب ہے۔



أَلَا تَتَذَكَّرُونَ	إِلَّا أَنْ	تَكُونُوا	تَجَارَةً مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ
کہ تم لوگ شبہ میں نہ پڑو	سوائے اس کے کہ	وہ ہو	کوئی ایسا حاضر سودا

تُذِيرُونَهَا	بَيْنَكُمْ	فَلَيْسَ	عَلَيْكُمْ	جُنَاحٌ	أَلَا تَتَذَكَّرُونَ
تم لوگ گھماتے ہو جس کو	اپنے مابین	تو نہیں ہے	تم لوگوں پر	کوئی گناہ	کہ نہ لکھو اس کو

وَأَشْهَدُوا	إِذَا	تَبَايَعْتُمْ	وَلَا يُضَادُّ
اور تم لوگ گواہ بناؤ	جب بھی	باہم خرید و فروخت کرو	اور تکلیف نہ دی جائے

لَّاتِبٌ	وَلَا شَهِيدٌ	وَأِنْ تَفْعَلُوا	فَإِنَّهُ	فُسُوقٌ
لکھنے والے کو	اور نہ گواہ کو	اور اگر تم لوگ (یہ) کرو گے	تو یقیناً یہ	نافرمانی ہے

يَكُمُ	وَأَتَّقُوا	اللَّهُ	وَيَعْلَمُكُمْ	اللَّهُ	وَاللَّهُ
تم لوگوں کی	اور تم لوگ تقویٰ کرو	اللہ کا	اور سکھاتا ہے تم لوگوں کو	اللہ	اور اللہ

بِحِلِّ شَيْءٍ	عَلَيْكُمْ
ہر ایک چیز کو	جاننے والا ہے

سود کی ممانعت کے بعد اب اس آیت میں اُدھار کے بیع و شراء کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ ”مدینہ والوں کا اُدھار لین دین دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناپ تول یا وزن مقرر کر لیا کرو، بھاؤ تاؤ چکا لیا کرو اور مدت کا بھی فیصلہ کر لیا کرو۔“ (بخاری شریف۔ منقول از ابن کثیر)۔ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ میعاد مقرر کر کے قرض کے لین دین کی اجازت اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتی ہے۔ (ابن کثیر)

نوٹ-1

عربی کے جملہ فعلیہ میں عام طور پر فعل کے بعد فاعل اور اس کے بعد مفعول آتا ہے۔ لیکن اس ترتیب کو ہمیشہ قائم رکھنا ضروری نہیں ہے۔ البتہ چند صورتیں ایسی ہیں جب فاعل کو مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ:-

نوٹ-2

(۱) جب فاعل اور مفعول، دونوں مبنی کی طرح ہوں یعنی ان کی اعرابی حالت ظاہر نہ ہو۔ (۲) جب دونوں الفاظ میں فاعل اور مفعول بننے کی صلاحیت موجود ہو۔ (۳) اور جب ان دونوں میں امتیاز کرنے کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ مثلاً اگر ہم اَکْرَمَ زَيْدٌ حَامِدًا کے بجائے اَکْرَمَ حَامِدًا زَيْدٌ کہیں، تب بھی معنی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ ہم زید اور حامد کی اعرابی حالت سے فاعل اور مفعول کا تعین کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر اَکْرَمَ یَحْيٰی عِیْسٰی ل ہیں تو اب یحییٰ کو فاعل اور عیسیٰ کو مفعول ماننا لازمی ہے۔ لیکن اگر ہم اَکْلَ یَحْيٰی کُمَثْرٰی (میچی نے امرود کھایا) کے بجائے اَکْلَ کُمَثْرٰی یَحْيٰی کہیں تو بھی درست ہوگا اور دونوں جملوں میں یَحْيٰی کو ہی فاعل مانا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ کُمَثْرٰی (امرود) میں اَکْلَ کا فاعل بننے کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔

آیت زیر مطالعہ میں فَتَنَ كَرَّ اِحْدَهُمَا الْاُخْرٰی آیا ہے۔ اس میں اِحْدٰی اور اُخْرٰی، دونوں بنی کی طرح ہیں اور دونوں میں فاعل اور مفعول بننے کی صلاحیت موجود ہے۔ البتہ ان میں امتیاز کرنے کا ایک قرینہ موجود ہے۔ اس سے پہلے اَنْ تَضِلَّ 1 اِحْدَهُمَا میں اِحْدٰی کے بھولنے کی بات ہو چکی ہے اس لیے اب فَتَنَ كَرَّ کا فاعل الْاُخْرٰی کو اور مفعول اِحْدَهُمَا کو مانا جائے گا۔

### آیت نمبر (283)

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنِ مَّقْبُوضَةً فَإِنْ مِنْكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي أُؤْتِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ إِثْمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝﴾

ر ه ن

(ف)

رَهْنًا

کسی بات کی ممانعت لینا۔ گروی رکھنا۔

رِهْنٌ

ج رِهَانٌ۔ اسم ذات ہے۔ ضمانت۔ رہن۔ آیت زیر مطالعہ۔

رَهِيْنٌ

فَعِيْلٌ ك ا وزن اسم المفعول کے معنی میں ہے۔ گروی رکھا ہوا۔ ﴿كُلُّ اَمْرِئٍ بِمَا كَسَبَ

رَهِيْنٌ ۝﴾ (52/ الطور: 21) ”ہر شخص، بسبب اس کے جو اس نے کمایا، گروی رکھا ہوا ہے۔“

### ترکیب

فَرِهْنِ مَّقْبُوضَةً مرکب توصیفی ہے اور مبتداء نکرہ ہے، اس کی خبر محذوف ہے۔ دوسرا مکان یہ بھی ہے کہ فَرِهْنِ مَّقْبُوضَةً کو خبر مان کر اس کے مبتداء کو محذوف مانا جائے۔ دونوں صورتوں میں مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اَمِنْ کا فاعل بَعْضُكُمْ ہے اور بَعْضًا اس کا مفعول ہے۔ اُوْتِیْنِ دراصل مادہ ”ءن“ کا باب افتعال میں ماضی مجہول اُوْتِیْنِ تھا۔ ماقبل سے ملانے کے لیے افتعال کا ہمزة الوصل صامت (SILENT) ہوا تو فاکلمہ کا ہمزة واپس آ گیا۔ اب واو دراصل ہمزة کو لکھنے کی کرسی ہے جس کو پڑھا نہیں جائے گا۔ اَمَانَتَهُ ك ی ضمیر بَعْضُكُمْ ك ے لیے ہے۔

### ترجمہ

وَإِنْ	كُنْتُمْ	عَلَىٰ سَفَرٍ	وَلَمْ تَجِدُوا	كَاتِبًا	فَرِهْنِ مَّقْبُوضَةً
اور اگر	تم لوگ ہو	کسی سفر پر	اور تم لوگ نہ پاؤ	کوئی لکھنے والا	تو قبضہ میں لیا ہوا رہن (لینا) ہے

فَإِنْ	أَمِنْ	بَعْضُكُمْ	بَعْضًا	فَلْيُؤَدِّ	الَّذِي
پھر اگر	بھروسہ کرے	تم میں سے کوئی	کسی پر	تو چاہیے کہ واپس کرے	وہ جس کو

اُوْتِیْنِ	اَمَانَتَهُ	وَلْيَتَّقِ	اللَّهُ	رَبَّهُ
امین بنایا گیا،	اس کی امانت کو	اور اسے چاہیے کہ وہ تقویٰ کرے	اللہ کا	جو اس کا پالنے والا ہے

وَلَا تَكْتُمُوا	الشَّهَادَةَ	وَمَنْ يَكْتُمْهَا	فَإِنَّهُ
اور تم لوگ مت چھپاؤ	گواہی کو	اور جو چھپاتا ہے اس کو	تو یقیناً وہ ہے



اِنَّهُمْ قُلُوبُهُ ط	وَاللّٰهُ	يَسَا	تَعْبَلُوْنَ	1 عَلِيمٌ
جس کا دل گناہ کرنے والا ہے	اور اللہ	اس کو جو	تم لوگ کرتے ہو	جاننے والا ہے

### آیت نمبر (284)

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَاِنْ تُبَدُّوْا مَآ فِىْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخَفُّوْهُ يَحَاسِبُكُمْ بِهٖ اللّٰهُ ط فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٤﴾﴾

مَا مبتداء ہے، اس کی خبر مَوْجُوْدٌ مخدوف ہے اور فِي السَّمٰوٰتِ قائم مقام خبر ہے۔ اسی طرح مَا فِي الْاَرْضِ ہے۔ یہ دونوں جملے مبتداء مؤخر ہیں، ان کی خبر مُلْكٌ مخدوف ہے اور ان کی قائم مقام خبر لِلّٰهِ مقدم ہے۔ يَحَاسِبُكُمْ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور اس کا فاعل اللّٰهُ ہے۔

ترکیب

لِلّٰهِ	مَا	فِي السَّمٰوٰتِ	وَمَا	فِي الْاَرْضِ ط
اللہ کی ہی (ملکیت) ہے	وہ جو	آسمانوں میں ہے	اور وہ جو	زمین میں ہے
وَاِنْ	تُبَدُّوْا	مَآ	فِىْ اَنْفُسِكُمْ	اَوْ
اور اگر	تم لوگ ظاہر کرو	اس کو جو	تمہارے جی میں ہے	یا
يَحَاسِبُكُمْ	بِهٖ	اللّٰهُ ط	فَيَغْفِرُ	لِمَنْ
حساب لے گا تم لوگوں سے	اس کا	اللہ	پھر وہ معاف کرے گا	اس کو جسے
وَيُعَذِّبُ	مَنْ	يَّشَآءُ ط	وَاللّٰهُ	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
اور وہ عذاب دے گا	اس کو جس کو	وہ چاہے گا	اور اللہ	ہر چیز پر
قَدِيْرٌ				قدرت رکھنے والا ہے

ترجمہ

### آیت نمبر (285)

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ط كُلُّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ قَفْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قَفْ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا حَفْ غَفَرَ اَنَّا رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾﴾

اٰمَنَ کے فاعل الرَّسُوْلُ اور الْمُؤْمِنُوْنَ ہیں۔ الرَّسُوْلُ پر لام تعریف ہے۔ لَا نُفَرِّقُ سے پہلے وَيَقُولُوْنَ مخدوف ہے۔ جبکہ غَفَرَ اَنَّا سے پہلے نَسْتَسْئَلُ مخدوف ہے۔

ترکیب

اٰمَنَ	الرَّسُوْلُ	بِمَا	اُنْزِلَ	اِلَيْهِ	مِّنْ رَّبِّهِ
ایمان لائے	یہ رسول	اس پر جو	نازل کیا گیا	ان کی طرف	ان کے رب (کی جانب) سے

ترجمہ



وَالْمُؤْمِنُونَ ط	كُلُّ	أَمَنَ	بِاللَّهِ	يَمَلِّكُنَّهٗ ۝۱
اور ایمان لانے والے	سب	ایمان لائے	اللہ پر	اور اس کے فرشتوں پر

وَكُتِبَہٗ	وَرُسُلِہٖ ۞	لَا نُفَرِّقُ
اور اس کی کتابوں پر	اور اس کے رسولوں پر	(وہ لوگ کہتے ہیں کہ) ہم فرق نہیں کرتے

بَيْنَ أَحَدٍ	مِّن رُّسُلِہٖ ۞	وَقَالُوا	سَعَيْنَا
کسی ایک کے مابین	اس کے رسولوں میں سے	اور ان لوگوں نے کہا	ہم نے سنا

وَاطْعَنَا	عُفْرَانَا ۞	رَبَّنَا	وَإِلَيْكَ
اور ہم نے اطاعت کی	(ہم مانگتے ہیں) تیری مغفرت	اے ہمارے رب	اور تیری طرف ہی

الْبَصِيرُ
لوٹنا ہے

### آیت نمبر (286)

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ط لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَانَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۚ وَاعْفُ عَنَّا وَارْحَمْنَا ۚ أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝۸۱﴾

ع ص ر

(ض)

کسی چیز میں گرہ لگانا۔

أَصْرًا

إِصْرًا

اسم ذات ہے۔ (۱) عہد و پیمان (۲) ذمہ داری۔ بوجھ۔ ﴿قَالَ ءَاقُورْتُمْ وَاخَذْتُمْ عَلَىٰ ذٰلِكُمْ اِصْرِي ط﴾ (3/ آل عمران: 81) ”اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا کیا تم لوگوں نے اقرار کیا اور تم لوگوں نے پکڑا یعنی قبول کیا اس پر میرے عہد کو۔“

لَا يُكَلِّفُ	اللَّهُ	نَفْسًا	إِلَّا	وُسْعَهَا ط	لَهَا	مَا
ذمہ دار نہیں بناتا	اللہ	کسی جان کو	مگر	اس کی اہلیت کو	اس کے لیے ہے	وہ (ثواب) جو

ترجمہ

كَسَبَتْ	وَعَلَيْهَا	مَا	اِكْتَسَبَتْ ط	رَبَّنَا
اس نے کمایا	اور اس پر ہے	وہ (گناہ) جو	اس نے اہتمام سے کمایا	اے ہمارے رب

لَا تُؤَاخِذْنَا	إِنْ	نَسِينَا	أَوْ	أَخْطَانَا	رَبَّنَا	وَلَا تَحْمِلْ
تو مت پکڑ ہم کو	اگر	ہم بھول جائیں	یا	ہم چوک جائیں	اے ہمارے رب	اور تو مت ڈال

عَلَيْنَا	إِصْرًا	لَمَّا	حَمَلْتُهُ	عَلَى الَّذِينَ	مِنْ قَبْلِنَا
ہم پر	کوئی ذمہ داری	جس طرح	تو نے ڈالا اس کو	ان لوگوں پر جو	ہم سے پہلے تھے
رَبَّنَا	وَلَا تُحِثِّنَا	مَا	لَا طَاقَةَ	لَنَا	
اے ہمارے رب	اور تو مت اٹھوا ہم سے	اس کو	کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں ہے	ہم میں	
يَهِّجْ	وَاعْفُ	عَنَّا	وَاعْفِرْ	لَنَا	وَإِصْحِنَا
جس کی	اور تو درگزر کر	ہم سے	اور تو بخش دے	ہم کو	اور تو رحم کر ہم پر
أَنْتَ	مَوْلَانَا	فَأَنْصُرْنَا	عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ		
تو	ہماری بگڑی بنانے والا ہے	پس تو ہماری مدد کر	کافر قوم (کے مقابلے) پر		

نیکی کرنا انسانی فطرت کے مطابق ہے اس لیے اس کے لیے فعل ثلاثی مجرد سے كَسَبْتُ آیا ہے۔ جبکہ بُرائی کرنے کے لیے انسان کو اپنے ضمیر سے لڑنا پڑتا ہے اس لیے اس کا فعل باب افتعال سے اِكْتَسَبْتُ آیا ہے۔

نوٹ-1

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کا رخیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول و منظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کا بی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: [www.khuddam-ul-quran.com](http://www.khuddam-ul-quran.com) , [info@khuddam-ul-quran.com](mailto:info@khuddam-ul-quran.com)

03217805614, 0412437618, 0412437781

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد